

# مذکرۃ الانبیاء علیہم السلام



علامہ عبدالرزاق بھٹو

ضیاء العلوم پبلی کیشنز لاہور



رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِّنَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ  
رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے، کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے۔

آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ اور مستند روایات پر مشتمل

# تَذْكِرَةُ الْأَنْبِيَاءِ

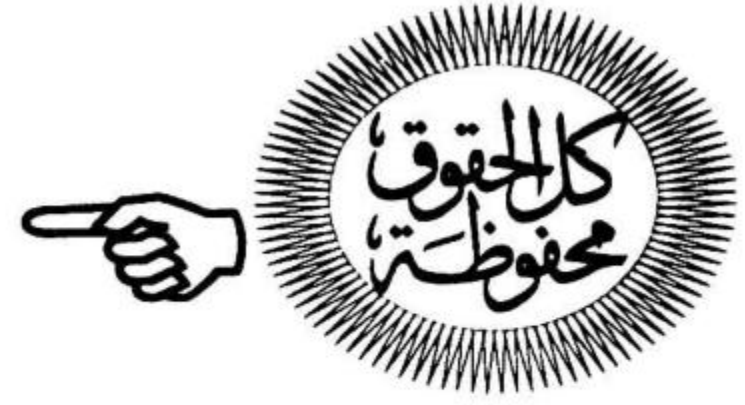
تصنيف لطيف

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق مدظلہ العالی  
چشتی بھڑالوی

ناشر ضیاء العلوم پبلی کیشنز  
راولپنڈی  
پاکستان



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں



# تَذْکِرَةُ الْاَنْبِيَاءِ

نام کتاب:

استاذ العلماء مولانا حضرت علامہ  
عبد الرزاق

تصنیف:

سیٹلائٹ ٹاؤن  
ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر راولپنڈی

کمپوزنگ:

قاضی محمد یعقوب چشتی

کمپیوٹر گرافکس:

حافظ محمد اسحاق ظفر، خواجہ وقار احمد

پیرابندی و تخریج

قاری محمد یعقوب چشتی، شوکت حیات الخیری

پروف ریڈنگ

20x30  
8  
1016 صفحات

ضخامت:

آٹھواں ایڈیشن - مئی 2009

بار طبع:

قیمت:

ناشر:

ضیاء العلوم پبلی کیشنز یو 128 بازار تلوٹاں راولپنڈی

Fax-4580404

0333-5166587

Email: ziauloom@isb.paknet.com.pk



## ﴿ عرضِ ناشر ﴾

”تذکرۃ الانبیاء“ محض علامہ قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ کی شاندار تصنیف ہے۔ علامہ موصوف ایک تبحر عالم دین انتہائی محنتی و قابل مدرس اور بلند پایہ خطیب ہیں۔ آپ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ درس و تدریس سے آپ کا گہرا اور دیرینہ تعلق ہے۔ 25 سال تک آپ نے جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں فقہ و حدیث اور تفسیر کی تدریس کی۔ فتویٰ نویسی جیسی اہم ذمہ داری کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے علامہ موصوف کو جہاں اور بہت سی خوبیاں عطا فرمائی ہیں وہیں آپ کو زور قلم جیسی خوبی سے بھی نوازا ہے، آپ کی کتب عوام و خواص میں بے حد مقبول ہیں۔ آپ کا انداز تحریر اتنا آسان اور سادہ ہے کہ بغیر کسی تک و دو کے ہر مسئلہ ذہن میں متکمن ہو جاتا ہے۔ مختلف عنوانات پر آپ نے لاجواب کتب تحریر کی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ شمع ہدایت، نسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، موت کا منظر، اسلام میں عورت کا مقام، انگوٹھے چومنا مستحب ہے، اذان کیساتھ درود و سلام مستحب ہے، اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے، امام اعظم اور فقہ حنفی، حاشیہ میزان الصرف، حاشیہ سراجی، حاشیہ تلخیص المفتاح، حاشیہ نور الایضاح، حاشیہ کنز الدقائق اور حاشیہ ہدایہ جیسی تصنیفات عربی اور اردو ادب میں آپ کی اعلیٰ مہارت کا بین ثبوت ہے۔ ان کے علاوہ نجوم الفرقان فی تفسیر آیات القرآن بھی آپ کا ایک علمی کارنامہ ہے۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ، ان کے احوال واقعات کا بیان قرآن مجید فرقان حمید کا اہم ترین حصہ ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمانے کا حکم دیا تا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر حضور ﷺ کی سنت ہو جائے اور یہ ذکر سن کر لوگ ان نفوس قدسیہ کی پاک خصلتوں سے نیکیوں کا ذوق و شوق حاصل کریں۔ اس سے قبل بھی مختلف زبانوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے مرتب کئے گئے، اس عنوان پر خصوصی اولیں تذکرہ علامہ ابن کثیر نے عربی زبان میں مرتب فرمایا جسے قصص الانبیاء کا نام دیا۔ علامہ ابن کثیر نے قرآن و سنت کے حوالہ جات پر مشتمل احوال تذکرہ ہائے انبیاء علیہم السلام فرمائے مگر عربی زبان اور اختصار کے باعث عامۃ المسلمین کے استفادے کیلئے مشکل تھا۔ اردو زبان میں بھی کچھ لوگوں نے ملتے جلتے ناموں سے قصص الانبیاء کے عنوان سے کتب تحریر کیں مگر روایات و احوال کے بیان میں انتہائی تساہل اور کوتاہ بینی کا انداز اپنایا، یہاں تک کہ اسرائیلیات میں سے من گھڑت واقعات..... جو کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تنقیص و توہین پر مشتمل تھے..... بغیر کسی وضاحت کے ذکر کر دیئے۔ لہذا ضرورت تھی کہ اردو زبان میں انبیائے کرام کے حالات زندگی پر مشتمل ایسی معیاری اور جامع تصنیف ہو جس میں شان نبوت و رسالت کا بھرپور خیال و پاس رکھتے ہوئے مستند احوال کو ذکر کیا جائے۔

الحمد للہ العظیم یہ سعادت استاذ العلماء علامہ قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ کی طاری زید مجاہد نے حاصل کی ہے۔



اس سے پہلے بھی یہ کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور قبولیت عامہ کا اعزاز بھی حاصل کر چکی ہے۔ لیکن آیات و احادیث اور تفسیر و فقہ کی کتب سے ماخوذ عربی و فارسی عبارات کو کتاب کا حجم کم کرنے کیلئے حذف یا مختصر کر دیا تھا اور صرف اردو ترجمہ باقی چھوڑا گیا تھا۔ اور آیات قرآنیہ کو رمزا ابتدائی و آخری جملہ لکھ کر بقیہ کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگرچہ عوام الناس کیلئے اس سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا مگر علماء و محققین کیلئے اصل عربی و فارسی عبارات کا ہونا انتہائی ضروری تھا؛ تاکہ یہ کتاب ایک حوالہ جاتی کتاب اور مستند تصنیف شمار ہو۔ اس کی کوپورا کرنے کے لئے نئے سرے سے کمپوزنگ کروائی گئی اور وہ تمام آیات و احادیث اور عربی و فارسی کی اصل عبارات اس ایڈیشن میں شامل کر دی گئی ہیں جو سابقہ ایڈیشنوں میں بوجہ شامل نہ ہو پائی تھیں۔

حوالہ جات کیلئے بائیں جانب چھوٹی تقطیع میں مکمل حوالہ درج کیا گیا ہے جب کہ آیات قرآنیہ میں رکوع کی نشاندہی کی بجائے پارہ نمبر، سورت اور اس کا آیت نمبر دیا گیا ہے تاکہ مزید تفسیری مواد کی تلاش میں آسانی ہو۔ آخر میں فہرست مصادر و مراجع لگا کر حوالہ جاتی کتاب کی اس کی کوپورا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب حجم کے لحاظ سے سابقہ ایڈیشنوں سے دو گنا ہو گئی ہے، یقیناً علم دوست احباب اس ترتیب جدید و اضافے کو تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

”تحریر“ کو معنوی و صوری حسن کے ساتھ صفحہ قرطاس پر لانا بھی ایک فن ہے۔ عبارات کی پیرا بندی اور اقتباسات کو ان کے خدو خال کے ساتھ لکھنا علم و ہنر کے بغیر بہت مشکل ہے۔ نئے ایڈیشن کو کتابت و کیلی گرافی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے غوثیہ کمپیوٹر سنٹر برج۔ فتح جنگ اور ”ضیاء العلوم کمپوزنگ سنٹر“ راولپنڈی کے احباب عزیزم اظہار اقبال اعوان، قاضی محمد یعقوب چشتی، سلمہم اللہ خصوصاً مولانا حافظ محمد اسحاق ظفر زید مجدہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان کی شانہ روز محنت انتہائی لگن اور خلوص نے اس کتاب کی دلکشی اور جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے صاحب ذوق اور فن کی باریکیوں میں نظر رکھنے والے حضرات اس سے یقیناً محفوظ ہوں گے

**ضیاء العلوم پیبلی کیشنز (راولپنڈی)** عرصہ دراز سے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ ”ادارہ“ کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ ایسی کتب شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے جن سے اعلیٰ اسلامی و اخلاقی اقدار کا تحفظ ہو اور مسلک اہل سنت کی صحیح تصویر کشی اور ترجمانی ہو۔

الحمد للہ! ہم تحدیداً للنعمة اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ بہت حد تک اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ عوام الناس کا بے پناہ اعتماد اس بات کا گواہ ہے۔ ان شاء اللہ العزیز مستقبل میں ہم اپنی ان کوششوں اور خدمات کو مزید آگے بڑھانے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اہل سنت کے اس اشاعتی ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین

سید شہاب الدین شاہ

مئی ۲۰۰۹ء

فکس 051-4580404 فون 0333-5166587



صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۴۳	۳۳	علم کے فضائل عقلیہ و نقلیہ	۱۷	۱	پیش لفظ
۴۴	۳۴	سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے	۲۷	۲	مقدمہ
۴۴		بہت بڑے فوائد حاصل ہوئے	۲۷	۳	قرآن پاک میں انبیاء کے اسماء گرامی
۴۶	۳۵	حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش	۲۸	۴	انبیاء کرام کی تعداد
۴۸	۳۶	جسم آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لی گئی	۲۸	۵	تنبیہ
۴۸	۳۷	کیسی مٹی لی گئی	۲۹	۶	رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد
۴۹	۳۸	زمین میں چشتے کیوں جاری ہیں؟	۲۹	۷	نبی کے کہا جاتا ہے؟
۴۹	۳۹	انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟	۳۰	۸	معجزہ
۴۹	۴۰	آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران	۳۰	۹	ارہام
۵۰	۴۱	آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کا دخول	۳۰	۱۰	کرامت
۵۱	۴۲	فائدہ	۳۱	۱۱	معونت
۵۱	۴۳	فرشتوں کو سجدہ کا حکم	۳۱	۱۲	استدراج
۵۲	۴۴	آدم علیہ السلام خلیفہ حقیقی	۳۱	۱۳	اہانت
۵۳	۴۵	فرشتوں کو تعداد کتنی ہے؟	۳۱	۱۴	سحر (جادوگری)
۵۴	۴۶	ابلیس کی اصل کیا ہے؟	۳۱	۱۵	تنبیہ
۵۴	۴۷	فرشتوں کو "جن" کیوں کہا گیا ہے؟	۳۱	۱۶	کون نبی نہیں ہو سکتے؟
۵۵	۴۸	ابلیس تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا	۳۲	۱۷	نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں
۵۶	۴۹	شیطان کی درخواست کی منظوری	۳۳	۱۸	انبیاء کرام اخلاق عظیمہ کے مالک
۵۷	۵۰	شیطانی وسوسہ کے اثر ہونے پر	۳۴	۱۹	نفس نبوت میں تمام انبیاء برابر
۵۷		ہونے کے لحاظ سے پانچ قسمیں	۳۴	۲۰	حضرت آدم صلی اللہ علیہ السلام
۵۷	۵۱	پہلا گروہ	۳۴	۲۱	مشورہ کرنے کی حکمت
۵۷	۵۲	دوسرا گروہ	۳۴	۲۲	حدیث مرفوع
۵۸	۵۳	تیسرا گروہ	۳۵	۲۳	اعتراض
۵۹	۵۴	چوتھا گروہ	۳۵	۲۴	جواب
۵۹	۵۵	پانچواں گروہ	۳۶	۲۵	نکتہ
۵۹	۵۶	شیطان نے اپنی بخشش کا موقع گنوا دیا	۳۶	۲۶	خلیفہ بنانے کا مقصد
۶۰	۵۷	فائدہ	۳۷	۲۷	مسلمانوں کی زیوں حالی کی وجہ
۶۰	۵۸	ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں؟	۳۸	۲۸	مشورہ طلب کرنے پر فرشتوں کا سوال
۶۰	۵۹	حضرت حوا علیہ السلام کی پیدائش	۴۰	۲۹	آدم علیہ السلام کے علوم
۶۱	۶۰	آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر		۳۰	آدم علیہ السلام کو نام سکھائے
۶۲	۶۱	قانون قدرت اور قانون عادت			فرشتوں کو نہیں، کیا وجہ؟
۶۳	۶۲	درخت سے منع کرنے میں حکمت			آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا؟
۶۳	۶۳	آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی			فائدہ
۶۵	۶۴	شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب؟			



## تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۵	شیطان نے وسوسہ کیوں ڈالا؟	۶۶	۹۹	حضرت ادریس علیہ السلام	۹۱
۶۶	شیطان پھسلانے پر کیسے قادر ہوا؟	۶۷	۱۰۰	حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب	۹۲
۶۷	شیطان کیسے وسوسے ڈالتا ہے؟	۶۷	۱۰۱	حضرت نوح علیہ السلام کا نسب	۹۲
۶۸	شیطان نے کہاں سے وسوسہ والی گفتگو کی؟	۶۸	۱۰۲	حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجادات	۹۲
۶۹	تنبیہ	۶۸	۱۰۳	ادریس علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا	۹۳
۷۰	فائدہ	۶۸	۱۰۴	دوسرا معنی	۹۳
۷۱	اعتراض	۶۹	۱۰۵	تنبیہ	۹۳
۷۲	جواب	۶۹	۱۰۶	حضرت نوح علیہ السلام	۹۵
۷۳	انبیاء کرام گناہوں سے پاک ہیں	۷۰	۱۰۷	نوح علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ کی؟	۹۵
۷۴	آدم و حوا علیہما السلام کا زمین پر تشریف لانا	۷۷	۱۰۸	نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا قوم پر کیا اثر ہوا؟	۹۷
۷۵	آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے؟	۷۸	۱۰۹	نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا ہر طریقہ آزمایا	۹۸
۷۶	آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش	۷۹	۱۱۰	قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے	۹۸
۷۷	فائدہ	۸۰	۱۱۱	قوم نوح کے ایمان نہ لانے کی وجہ	۹۸
۷۸	آدم علیہ السلام کی توبہ	۸۰	۱۱۲	حضرت نوح علیہ السلام کا جواب	۱۰۰
۷۹	آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی؟	۸۲	۱۱۳	نوح علیہ السلام کی قوم پر ابتدا کی وبال	۱۰۱
۸۰	فائدہ	۸۲	۱۱۴	اللہ کے نبی کی شفقت	۱۰۱
۸۱	تنبیہ	۸۲	۱۱۵	فائدہ	۱۰۲
۸۲	توبہ کس دن قبول ہوئی؟	۸۳	۱۱۶	قوم نے نوح علیہ السلام کو کیا القاب دیئے	۱۰۳
۸۳	آدم اور حوا علیہما السلام کی ملاقات	۸۳	۱۱۷	نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکیاں اور سختیاں	۱۰۴
۸۴	آدم علیہ السلام کی اولاد کی حق میں دعا	۸۴	۱۱۸	نوح علیہ السلام کی دعا	۱۰۵
۸۵	آدم علیہ السلام کی اولاد	۸۴	۱۱۹	قوم کی ہلاکت کی دعا آپ نے کیوں کی؟	۱۰۶
۸۶	تنبیہ	۸۴	۱۲۰	رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا	۱۰۶
۸۷	آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا	۸۵	۱۲۱	کشتی کا ڈیزائن اللہ تعالیٰ کی وحی	۱۰۷
۸۸	آدم علیہ السلام نے نیاز کا مشورہ	۸۵	اور جبرائیل کی معاونت	۱۰۷	
۸۹	آخر کار قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا	۸۶	کشتی کیسی تھی؟	۱۰۸	
۹۰	قتل کے بعد قابیل کی دنیا میں ذلت	۸۷	کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد	۱۰۸	
۹۱	قابیل کا اخروی عذاب	۸۷	کشتی کو دیکھ کر قوم کا مزاج کرنا	۱۰۸	
۹۲	بچنے کے قتل پر آدم علیہ السلام کا غم	۸۷	طوفان کا آغاز شور سے ہوا	۱۰۹	
۹۳	قتل کے بعد قابیل کی پریشانی	۸۸	کشتی پر سوار ہونے اور دعا پڑھنے کا حکم	۱۰۹	
۹۴	لاش چھپانے میں کوتاہی کی معاونت	۸۸	کتنا عظیم طوفان تھا؟	۱۱۰	
۹۵	کوتے نے کیسے معاونت کی؟	۸۹	کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا	۱۱۱	
۹۶	تنبیہ	۸۹	فائدہ	۱۱۱	
۹۷	آدم علیہ السلام کی وفات	۹۰			
۹۸	آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی	۹۰			



# تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۰	نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا غرق ہو گیا	۱۱۱	۱۶۰	آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا	۱۳۶
۱۳۱	نوح علیہ السلام کی بیٹے کے حق میں التجاء	۱۱۲	۱۶۱	وہ کیسی آگ تھی؟	۱۳۷
۱۳۲	تنبیہ	۱۱۳	۱۶۲	آگ میں ڈالنے کیلئے شیطان کی راہنمائی	۱۳۷
۱۳۳	نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ بھی غرق ہو گئی	۱۱۳	۱۶۳	زمین و آسمان کی مخلوق کی فریاد	۱۳۷
۱۳۴	تنبیہ	۱۱۴	۱۶۴	فرشتوں نے امداد کرنیکی اجازت طلب کی	۱۳۸
۱۳۵	طوفان کی انتہا	۱۱۴	۱۶۵	ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل	۱۳۸
۱۳۶	کشتی جو دی پہاڑ پر کیوں رکی؟	۱۱۵	۱۶۶	چھپکلی کا آگ کو پھونکنیں دینا	۱۳۹
۱۳۷	ابراہیم و اسماعیل واسحاق علیہم السلام	۱۱۶	۱۶۷	ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر	۱۳۹
۱۳۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب	۱۱۶	۱۶۸	ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟	۱۴۰
۱۳۹	تنبیہ	۱۱۶	۱۶۹	نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا	۱۴۱
۱۴۰	ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا	۱۱۶	۱۷۰	نمرود رب کی قدرت کا اقرار کرنے	۱۴۱
۱۴۱	ہونے پر شاندار دلیل	۱۱۹	۱۷۱	کے باوجود گمراہ رہا	۱۴۱
۱۴۱	ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی	۱۲۱	۱۷۲	ابراہیم نے تمام باطل معبودوں کا رد کیا	۱۴۲
۱۴۲	ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا	۱۲۱	۱۷۳	ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ	۱۴۲
۱۴۲	ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کا رد فرمایا	۱۲۲	۱۷۴	تمام روئے زمین کے چار بادشاہ	۱۴۵
۱۴۳	ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا	۱۲۵	۱۷۵	نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟	۱۴۵
۱۴۴	اعتراض	۱۲۸	۱۷۶	ابراہیم علیہ السلام کی رب کے متعلق دلیل	۱۴۵
۱۴۵	جواب	۱۲۸	۱۷۷	ریت غلہ بن گئی	۱۴۷
۱۴۶	تشریح حدیث	۱۳۱	۱۷۸	نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم	۱۴۷
۱۴۷	پہلا ارشاد گرامی ”انی سقیم“	۱۳۱	۱۷۹	نمرود اور اس کی قوم کا انجام	۱۴۷
۱۴۸	دوسرا ارشاد گرامی ”بل فعلہ کبیرہم“	۱۳۲	۱۸۰	ابراہیم نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا	۱۴۸
۱۴۹	پہلی وجہ	۱۳۲	۱۸۱	مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟	۱۴۸
۱۵۰	دوسری وجہ	۱۳۳	۱۸۲	پہلی وجہ	۱۴۸
۱۵۱	تیسری وجہ	۱۳۳	۱۸۳	دوسری وجہ	۱۴۹
۱۵۲	چوتھی وجہ	۱۳۳	۱۸۴	تیسری وجہ	۱۴۹
۱۵۳	پانچویں وجہ	۱۳۴	۱۸۵	چوتھی وجہ	۱۴۹
۱۵۴	چھٹی وجہ	۱۳۴	۱۸۶	اعتراض	۱۴۹
۱۵۵	ساتویں وجہ	۱۳۴	۱۸۷	جواب	۱۴۹
۱۵۶	انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے	۱۳۵	۱۸۸	مردے زندہ ہوتے ہوئے دکھائیے	۱۵۱
۱۵۷	راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے	۱۳۵	۱۸۹	تنبیہ	۱۵۲
۱۵۸	آپ کا تیسرا ارشاد	۱۳۵	۱۹۰	تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں	۱۵۳
۱۵۹	بتوں کو توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا	۱۳۵	۱۹۱	چار کا حکم دینے کی وجہ؟	۱۵۳
	ابراہیم کو آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ	۱۳۶	۱۹۲	سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ	۱۵۴
				حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا	۱۵۴



# تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۹۳	فلسطین میں خوشحالی	۱۵۶	۱۸۰	لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد	۲۲۳
۱۹۴	حضرت سارہ کے مشورہ سے		۱۸۰	لوط علیہ السلام کی ہجرت	۲۲۴
	حضرت ہاجرہ سے نکاح	۱۵۶	۱۸۰	لوط نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی	۲۲۵
۱۹۵	ابرہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعا	۱۵۶	۱۸۱	آپ نے قوم کو کہا	۲۲۶
۱۹۶	اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق کی بشارت	۱۵۷	۱۸۱	لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں	۲۲۷
۱۹۷	اسحاق چھوٹے اور اسماعیل بڑے	۱۵۸	۱۸۲	مساک کون سے مواقع میں مستحب ہے	۲۲۸
۱۹۸	اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے	۱۵۸	۱۸۲	مساک کے متعلق ارشادات مصطفوی	۲۲۹
۱۹۹	ہاجرہ اور اسماعیل سر زمین حرم میں چھوڑنا	۱۵۹	۱۸۵	مساک کے مستحب اوقات	۲۳۰
۲۰۰	فائدہ	۱۶۲	۱۸۵	لوط علیہ السلام کی زوجہ	۲۳۱
۲۰۱	ابرہیم علیہ السلام کی قربانی	۱۶۲	۱۸۵	عذاب والے فرشتوں کا آنا	۲۳۲
۲۰۲	قربانی کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر	۱۶۳	۱۸۶	اعتراض	۲۳۳
۲۰۳	امتحان کی وجہ	۱۶۳	۱۸۶	جواب	۲۳۴
۲۰۴	تین دن ابرہیم کا خواب دیکھنا	۱۶۴	۱۸۷	ابرہیم کا فرشتوں سے مجادلہ	۲۳۵
۲۰۵	صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟	۱۶۴	۱۸۸	فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا	۲۳۶
۲۰۶	انبیاء کرام کے خواب تین قسم	۱۶۴	۱۸۹	پناہ طلب کرنے کا مطلب	۲۳۷
۲۰۷	بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ	۱۶۵	۱۸۹	فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب	۲۳۸
۲۰۸	ابرہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی	۱۶۶	۱۹۱	لوط علیہ السلام کارات کو نکل جانا	۲۳۹
۲۰۹	اسماعیل کا ابرہیم کو مشورہ دینا	۱۶۶	۱۹۱	تنبیہ	۲۴۰
۲۱۰	دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟	۱۶۸	۱۹۱	الاغتابہ	۲۴۱
۲۱۱	خانہ کعبہ کی تاریخ	۱۷۲	۱۹۳	پہلی وجہ	۲۴۲
۲۱۲	آدم کی تعمیر	۱۷۲	۱۹۴	دوسری وجہ	۲۴۳
۲۱۳	ابرہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا	۱۷۳	۱۹۴	تیسری وجہ	۲۴۴
۲۱۴	ابرہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد	۱۷۳	۱۹۵	یعقوب و یوسف علیہما السلام	۲۴۵
۲۱۵	قریش کی تعمیر	۱۷۳	۱۹۵	یعقوب علیہ السلام کے بیٹے	۲۴۶
۲۱۶	عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر	۱۷۴	۱۹۶	یوسف علیہ السلام کا خواب دیکھنا	۲۴۷
۲۱۷	کعبہ کی موجودہ تعمیر	۱۷۵	۱۹۶	آپ کے خواب کی تعبیر	۲۴۸
۲۱۸	مقام ابرہیم و حجر اسود	۱۷۶	۱۹۶	فائدہ	۲۴۹
۲۱۹	مقام ابرہیم پر حضرت ابرہیم علیہ السلام		۱۹۷	خواب بیان کرنے سے منع کرنا	۲۵۰
	تین مرتبہ کھڑے ہوئے	۱۷۷	۱۹۷	یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد	۲۵۱
۲۲۰	حضرت لوط علیہ السلام	۱۷۹	۱۹۸	اعتراض	۲۵۲
۲۲۱	یہ معافی نبی کی شان کے منافی ہیں	۱۷۹	۱۹۸	جواب	۲۵۳
۲۲۲	تنبیہ	۱۷۹	۱۹۹	دو بیٹوں سے زیادہ محبت کیوں؟	۲۵۴
			۱۹۹	بھائیوں نے راہ سے ہٹانے کی ٹھان لی	۲۵۵



# تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۲۲۴	۲۸۹	یوسف علیہ السلام کے بری ہونے پر گواہی	۲۰۰	۲۵۶	ایک بھائی قتل کا کرنے سے منع کرتا تھا
۲۲۵	۲۹۰	عزیز مصر کی عورت پر مصر کی عورتوں کو طعنہ	۲۰۰	۲۵۷	جنگل میں لے جانے کیلئے بھائیوں کا حیلہ
۲۲۶	۲۹۱	عزیز کی زوجہ کا عذر عجیب انداز میں	۲۰۲	۲۵۸	بھائیوں کا یوسف کو تیار کرنا
۲۲۶	۲۹۲	دوسری وجہ	۲۰۲	۲۵۹	بھائیوں کے مظالم
۲۲۶	۲۹۳	تیسری وجہ	۲۰۲	۲۶۰	یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں حال
۲۲۷	۲۹۴	یوسف کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے	۲۰۵	۲۶۱	پیٹے روتے ہوئے واپس لوٹے
۲۲۸	۲۹۵	ہاتھ کاٹنے کی وجہ جمال یوسف پر فریفتہ ہونا	۲۰۶	۲۶۲	فائدہ
۲۲۹	۲۹۶	ہمارے نبی کریم ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین	۲۰۷	۲۶۳	اعتراض
۲۲۹	۲۹۷	یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کی دعا کرنا	۲۰۷	۲۶۴	جواب
۲۳۲	۲۹۸	دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا	۲۰۸	۲۶۵	تنبیہ
۲۳۳	۲۹۹	یوسف علیہ السلام کا تعبیر کرنا	۲۰۸	۲۶۶	یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے باہر آنا
	۳۰۰	یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس	۲۰۹	۲۶۷	حسن یوسف
۲۳۵		ذکر کرنے کے متعلق کہنا	۲۰۹	۲۶۸	بھائیوں کا یوسف کو کھوٹے سکوں سے بچنا
۲۳۶	۳۰۱	مقرنین کے لئے قوانین ہی اور ہیں	۲۱۰	۲۶۹	یوسف کا بھائیوں کو الوداعی سلام
۲۳۷	۳۰۲	بادشاہ کو خواب آنا	۲۱۱	۲۷۰	یوسف علیہ السلام کا والدہ کی قبر پر رونا
۲۳۹	۳۰۳	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۲۱۱	۲۷۱	یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی
۲۴۰	۳۰۴	بادشاہ کا بلانا اور آپ کا انکار	۲۱۳	۲۷۲	یوسف علیہ السلام کا بازار مصر میں سودا
۲۴۲	۳۰۵	فائدہ	۲۱۳	۲۷۳	یوسف علیہ السلام ناز و نعمت میں
۲۴۲	۳۰۶	قید خانہ سے نکل کر وزیر خزانہ اور وزیر اعظم	۲۱۵	۲۷۴	تین شخصیات کی فراست
۲۴۴	۳۰۷	مسائل	۲۱۵	۲۷۵	یوسف علیہ السلام ایک مرتبہ پھر امتحان میں
۲۴۴	۳۰۸	مسئلہ	۲۱۷	۲۷۶	خدا را اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے !
۲۴۵	۳۰۹	مسئلہ	۲۱۸	۲۷۷	عورت کی گواہی
۲۴۵	۳۱۰	مسئلہ	۲۱۹	۲۷۸	گواہ کی گواہی
۲۴۵	۳۱۱	یوسف علیہ السلام کی تاجپوشی	۲۱۹	۲۷۹	اللہ کی گواہی
۲۴۶	۳۱۲	آپ کی حکومت کے اثرات	۲۲۰	۲۸۰	پہلی وجہ
۲۴۷	۳۱۳	عزیز مصر کی زوجہ کی مراد کا پورا ہونا	۲۲۰	۲۸۱	دوسری وجہ
۲۴۸	۳۱۴	تنبیہ	۲۲۰	۲۸۲	تیسری وجہ
۲۴۹	۳۱۵	غلہ لینے کے لئے آپ کے بھائیوں کا جانا	۲۲۰	۲۸۳	چوتھی وجہ
۲۵۰	۳۱۶	یوسف نے بھائیوں کی رقم واپس کر دی	۲۲۱	۲۸۴	ابلیس کا اقرار
	۳۱۷	چھوٹے بھائی کو ساتھ لیجانے کی	۲۲۲	۲۸۵	علامہ رازی رحمہ اللہ علیہ کی فیصلہ کن بات
۲۵۱		باپ کے حضور درخواست	۲۲۲	۲۸۶	یوسف علیہ السلام پر عورت کا الزام
۲۵۳	۳۱۸	یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر		۲۸۷	عورت نے ظاہر طور پر پردائی کو
۲۵۴	۳۱۹	فائدہ	۲۲۳		آپ کی طرف منسوب نہیں کیا
۲۵۵	۳۲۰	تنبیہ	۲۲۳	۲۸۸	یوسف کی پاکدامنی پر دلالت کرنے والی علامات



## تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۳۰۱	۳۵۳	دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے	۲۵۶	۳۲۱	بنیامین کی یوسف سے ملاقات
۳۰۱	۳۵۴	فائدہ	۲۵۹	۳۲۲	بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ
۳۰۲	۳۵۵	ڈنڈے مارنے ناجائز ہے	۲۶۳	۳۲۳	پریشانی میں بھائیوں کا کلام
۳۰۳	۳۵۶	ہود علیہ السلام کی قوم کے جوابات	۲۶۴	۳۲۴	یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیسے؟
۳۰۳	۳۵۷	نکتہ	۲۶۵	۳۲۵	بنیامین کو بازیابی کی درخواست مسترد
۳۰۵	۳۵۸	ہود علیہ السلام کا قوم کو چیلنج		۳۲۶	بڑے بھائی کا مصر میں رہنا
۳۰۶	۳۵۹	ہود علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے ڈرایا	۲۶۶		اور دوسروں کو واپس بھیجنا
۳۰۷	۳۶۰	عذاب کا خوف دلانے پر قوم کا جواب	۲۶۸	۳۲۷	حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا
۳۰۷	۳۶۱	قوم نے عذاب کو رحمت سمجھا	۲۶۹	۳۲۸	یعقوب کے رونے کی عجیب حکمت
۳۰۹	۳۶۲	قوم عاد پر عذاب کیا آیا	۲۷۱	۳۲۹	بیٹوں نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا
۳۱۱	۳۶۳	حضرت صالح علیہ السلام	۲۷۲	۳۳۰	یوسف اور بنیامین کی تلاش کیلئے بیٹوں کا بھیجنا
۳۱۱	۳۶۴	حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا	۲۷۴	۳۳۱	یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا
۳۱۲	۳۶۵	دنیا میں تم نے ہمیشہ نہیں رہنا	۲۷۶	۳۳۲	بھائیوں کی معذرت اور آپ کا معاف کرنا
۳۱۳	۳۶۶	آپ کی تبلیغ سے دو فریق بن گئے	۲۷۸	۳۳۳	فائدہ
۳۱۳	۳۶۷	قوم نے آپ کو کیا جواب دیا	۲۷۹	۳۳۴	قیص کی روانگی اور یعقوب کو خوشبو آنا
۳۱۵	۳۶۸	آپ نے قوم کو جواب دیا	۲۸۲	۳۳۵	بیٹوں کا آپ سے معافی طلب کرنا
۳۱۷	۳۶۹	قوم نے صالح سے معجزہ طلب کیا	۲۸۳	۳۳۶	یعقوب اور آپ کے خاندان کی مصر میں آمد
۳۱۸	۳۷۰	مختصر واقعہ قوم ثمود	۲۸۵	۳۳۷	فائدہ
۳۱۹	۳۷۱	اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں	۲۹۱	۳۳۸	یوسف علیہ السلام کے خواب کا پورا ہونا
۳۲۰	۳۷۲	عذاب سے پہلے تین دن	۲۹۱	۳۳۹	اعتراض
	۳۷۳	سب کی رضامندی سے	۲۹۱	۳۴۰	جواب
۳۲۰		ایک شخص نے کوچیں کاٹیں	۲۹۲	۳۴۱	یوسف نے بھائیوں کا کتنا خیال رکھا
۳۲۱	۳۷۴	صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ	۲۹۲	۳۴۲	اپنے والد مکرّم کو شاہی مقامات دکھائے
۳۲۲	۳۷۵	قوم ثمود کے کفار پر عذاب الہی	۲۹۳	۳۴۳	یعقوب علیہ السلام کی وفات اور قبر
	۳۷۶	صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ	۲۹۴	۳۴۴	یوسف علیہ السلام کی وفات
۳۲۳		ایمان لانے والوں کو نجات	۲۹۴	۳۴۵	یوسف علیہ السلام کی قبر
۳۲۵	۳۷۷	حضرت ایوب علیہ السلام	۲۹۵	۳۴۶	یوسف علیہ السلام کی اولاد
۳۲۵	۳۷۸	حلیہ مبارک	۲۹۶	۳۴۷	حضرت ہود علیہ السلام
۳۲۵	۳۷۹	آپ کے لوصاف	۲۹۷	۳۴۸	حضرت ہود علیہ السلام کی آمد و رفت
۳۲۶	۳۸۰	مال و دولت کی فرلوانی	۲۹۷	۳۴۹	حضرت ہود نے قوم کو کیا تبلیغ فرمائی؟
۳۲۶	۳۸۱	آزمائش سے پہلے اولاد	۲۹۹	۳۵۰	قوم عاد کی طاقت اور ان کے کام
۳۲۶	۳۸۲	فرشتوں میں آپ کی بلندی شان کا چرچا	۳۰۰	۳۵۱	لوگوں کے ساتھ تمسخر کیلئے بلند نشان بناتے
			۳۰۱	۳۵۲	رہنے کے لئے مضبوط محل بناتے



# تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۸۳	آزمائش کی گھڑیاں	۳۲۶	۳۸۳	مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا	۳۲۷
۳۸۴	مشکل کا ساتھی	۳۲۸	۳۸۴	مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر	۳۲۷
۳۸۵	ایوب علیہ السلام کا بے مثال صبر	۳۲۸	۳۸۵	داؤد و سلیمان علیہما السلام	۳۲۹
۳۸۶	زوجہ کی غلطی پر ناراضگی کا اظہار	۳۲۸	۳۸۶	داؤد علیہ السلام کی عبادت	۳۲۹
۳۸۷	آزمائش کا وقت ختم ہوتا ہے	۳۲۹	۳۸۷	داؤد اور سلیمان کی نبوت کا ذکر	۳۵۰
۳۸۸	چشمہ شفا	۳۳۰	۳۸۸	داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کا ذکر	۳۵۰
۳۸۹	مال و اولاد واپس مل گئے	۳۳۰	۳۸۹	فائدہ	۳۵۱
۳۹۰	زوجہ کی مشکل رب نے آسان کر دی	۳۳۱	۳۹۰	پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے تابع	۳۵۲
۳۹۱	تنبیہ	۳۳۳	۳۹۱	فائدہ	۳۵۳
۳۹۲	ذوالکفل و یسع علیہما السلام	۳۳۴	۳۹۲	تنبیہ	۳۵۴
۳۹۳	حضرت ذوالکفل علیہ السلام	۳۳۴	۳۹۳	اشراف یا چاشت کی رکعات	۳۵۵
۳۹۴	حضرت یسع علیہ السلام	۳۳۶	۳۹۴	آپ کی بادشاہی کی دبدبہ اور اثر خطاب	۳۵۶
۳۹۵	حضرت الیاس علیہ السلام	۳۳۶	۳۹۵	پر اثر خطاب فیصل	۳۵۶
۳۹۶	حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام	۳۳۶	۳۹۶	لوہے کا آپ کے ہاتھ میں نرم ہو جانا	۳۵۸
۳۹۷	کی ہر سال ملاقات	۳۳۶	۳۹۷	انبیائے کرام کا مقام بہت بلند ہے	۳۵۹
۳۹۸	نبی کریم ﷺ اور الیاس علیہ السلام کی ملاقات	۳۳۶	۳۹۸	داؤد علیہ السلام کا اصل واقعہ	۳۶۳
۳۹۹	آپ نے قوم کو کہا	۳۳۷	۳۹۹	نتیجہ واضح ہوا	۳۵۹
۴۰۰	قوم الیاس کا بت	۳۳۷	۴۰۰	داؤد کی خلافت اور عدل و انصاف کا حکم	۳۷۰
۴۰۱	شربعلبک	۳۳۸	۴۰۱	داؤد علیہ السلام کے جانشین سلیمان علیہ السلام	۳۷۲
۴۰۲	تنبیہ	۳۳۸	۴۰۲	سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھتے	۳۷۵
۴۰۳	حضرت یونس علیہ السلام	۳۴۰	۴۰۳	”ہوا“ حضرت سلیمان کے تابع تھی	۳۷۶
۴۰۴	قوم یونس کی توبہ کی قبولیت کا دن	۳۴۱	۴۰۴	سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کا چشمہ	۳۷۷
۴۰۵	اعتراض	۳۴۲	۴۰۵	سلیمان علیہ السلام کا لشکر	۳۷۷
۴۰۶	جواب	۳۴۲	۴۰۶	سلیمان کے تخت کے متعلق غیر معتبر قصے	۳۷۹
۴۰۷	یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں	۳۴۲	۴۰۷	غیر معتبر قصہ نمبر ۱	۳۸۰
۴۰۸	چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح	۳۴۳	۴۰۸	غیر معتبر قصہ نمبر ۲	۳۸۰
۴۰۹	دعاء نہ کرتے تو قیامت تک	۳۴۳	۴۰۹	غیر معتبر قصہ نمبر ۳	۳۸۰
۴۱۰	مچھلی کے پیٹ میں رہتے	۳۴۵	۴۱۰	غیر معتبر قصہ نمبر ۴	۳۸۰
	مچھلی کے پیٹ میں آپ کی دعا	۳۴۶	۴۱۱	سلیمان کا چوٹی کی کلام سن کر مسکرتا	۳۸۱
	فائدہ	۳۴۶	۴۱۲	فائدہ	۳۸۲
			۴۱۳	چوٹی کے کلام میں حکمت	۳۸۳
			۴۱۴	انسان چوٹی سے کم عقل کیوں؟	۳۸۳
			۴۱۵	چوٹیوں کی سمجھداری	۳۸۴



## تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۴۴	تنبیہ	۳۸۴	۴۴۴	گزشتہ سے پوستہ	۴۷۶
۴۴۵	ہد ہد کا لشکر سے غائب ہونا		۴۴۵	رب کی یاد کے لئے گھوڑوں سے محبت	۴۷۷
	اور تخت بقیس کی خبر لانا	۳۸۶	۴۴۶	ایک مشہور لیکن غیر معتبر واقعہ	۴۷۸
۴۴۶	فائدہ	۳۸۷	۴۴۷	سلیمان کا "ان شاء اللہ" کہنا بھول جانا	۴۷۹
۴۴۷	ہد ہد کی واپسی	۳۸۸	۴۴۸	سلیمان کے حق میں یہود کی گستاخی	۴۸۰
۴۴۸	ہد ہد کی تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہے	۳۸۸	۴۴۹	سلیمان علیہ السلام کی دعا	۴۸۱
۴۴۹	سلیمان علیہ السلام پر مخفی کیوں؟	۳۸۹	۴۵۰	سلیمان علیہ السلام کے فیصلے	۴۸۲
۴۵۰	سبا شہر کے متعلق	۳۸۹	۴۵۱	دو عورتوں کے جھگڑے میں فیصلہ	۴۸۳
۴۵۱	بقیس اور اس کی قوم کا مذہب	۳۹۰	۴۵۲	وضاحت حدیث	۴۸۴
۴۵۲	فائدہ	۳۹۰	۴۵۳	دیو آپ کے تابع	۴۸۵
۴۵۳	ہد ہد کی بات کی تحقیق	۳۹۱	۴۵۴	سلیمان علیہ السلام کی وفات	۴۸۶
۴۵۴	بقیس کی طرف سلیمان کا خط	۳۹۲	۴۵۵	موت العالم موت العالم	۴۸۷
۴۵۵	بقیس نے خط کو عزت والا کہا	۳۹۳	۴۵۶	حضرت حزقیل علیہ السلام	۴۸۸
۴۵۶	انبیاء کرام کے خطوط کے مضامین	۳۹۴	۴۵۷	فائدہ	۴۸۹
۴۵۷	اعتراض	۳۹۵	۴۵۸	حضرت اشموئیل علیہ السلام	۴۹۰
۴۵۸	جواب	۳۹۵	۴۵۹	بادشاہ کے لئے طاقت کا انتخاب	۴۹۱
۴۵۹	بقیس کا خط کے متعلق مشورہ	۳۹۵	۴۶۰	علم اور طاقت بادشاہت کے اسباب کیوں؟	۴۹۲
۴۶۰	بقیس کا جنگ کو ناپسند کرنا	۳۹۶	۴۶۱	عورت اور بادشاہت	۴۹۳
۴۶۱	ہدیہ بھیجنے کی وجہ	۳۹۷	۴۶۲	طاقت کی بادشاہت پر تاوت کا بطور نشانی آتا	۴۹۴
۴۶۲	ہدیہ کو دیکھ کر سلیمان کا جواب	۳۹۷	۴۶۳	فائدہ	۴۹۵
۴۶۳	سلیمان کا بقیس کا تخت منگوانا	۳۹۹	۴۶۴	قوم کی آزمائش	۴۹۶
۴۶۴	تخت کی طلب میں حکمت	۳۹۹	۴۶۵	قوم کو آزمانے کی وجہ	۴۹۷
۴۶۵	اللہ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ	۴۰۰	۴۶۶	داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا	۴۹۸
۴۶۶	اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا	۴۰۱	۴۶۷	حضرت عزیر علیہ السلام	۴۹۹
۴۶۷	امتحان کبھی مصیبت سے		۴۶۸	حضرت شعیب علیہ السلام	۵۰۰
	اور کبھی آسائش سے لیا جاتا ہے	۴۰۲	۴۶۹	شعیب علیہ السلام کی مدین کو تبلیغ	۵۰۱
۴۶۸	شکر کرنے میں انسان کا اپنا بھلا	۴۰۲	۴۷۰	شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا	۵۰۲
۴۶۹	تخت لانے والا کون تھا	۴۰۲	۴۷۱	حلال مال میں ہی بھلائی ہے	۵۰۳
۴۷۰	تنبیہ	۴۰۳	۴۷۲	قوم کا بطور طنز جواب	۵۰۴
۴۷۱	بقیس سلیمان کے دربار میں	۴۰۴	۴۷۳	آپ نے کہا میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں	۵۰۵
۴۷۲	اتنی عقلمند عورت سورج پرست کیوں رہی؟	۴۰۵	۴۷۴	نبی کی مخالفت عذاب کا سبب	۵۰۶
۴۷۳	بقیس کا چمکدار فرش کو پانی سمجھنا	۴۰۵			
۴۷۴	تنبیہ	۴۰۶			
۴۷۵	غیر یقینی واقعات	۴۰۷			



# تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۴۸۹	۵۳۸	فائدہ	۴۵۲	۵۰۷	قوم کے جوہرات
۴۹۰	۵۳۹	موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا ہونا	۴۵۳	۵۰۸	قوم کی حماقت پر تعجب
۴۹۱	۵۴۰	فائدہ	۴۵۳	۵۰۹	متکبر سرداروں نے کہا
۴۹۲	۵۴۱	نکتہ	۴۵۴	۵۱۰	نبی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا
۴۹۳	۵۴۲	فرعون کو تبلیغ کا حکم	۴۵۵	۵۱۱	فیصلہ کن بات
۴۹۳	۵۴۳	موسیٰ کی دعا	۴۵۶	۵۱۲	اللہ تعالیٰ کے عذاب کا آنا اور مدین کی تباہی
۴۹۵	۵۴۴	فائدہ	۴۶۰	۵۱۳	شعیب علیہ السلام کی تباہی اور اصحابہ ایکہ
۴۹۵	۵۴۵	دونوں بھائیوں کو حکم دیا	۴۶۰	۵۱۴	حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام
۴۹۶	۵۴۶	فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا	۴۶۰	۵۱۵	بنی اسرائیل
۴۹۶	۵۴۷	فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا	۴۶۰	۵۱۶	موسیٰ علیہ السلام
۴۹۸	۵۴۸	موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حکم سے کہا	۴۶۱	۵۱۷	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۰۲	۵۴۹	فرعون کی دھمکی	۴۶۱	۵۱۸	”سامری“ کا نام بھی موسیٰ تھا
۵۰۲	۵۵۰	موسیٰ نے کہا میں معجزات لے کر آیا ہوں	۴۶۲	۵۱۹	فرعون
۵۰۵	۵۵۱	فرعون نے موسیٰ کو مقابلہ کے لئے کہا	۴۶۲	۵۲۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے
۵۰۵	۵۵۲	جادو گروں کا آجانا	۴۶۳	۵۲۱	بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنا
۵۰۶	۵۵۳	موسیٰ علیہ السلام کی جادو گروں کو تبلیغ	۴۶۴	۵۲۲	موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش
۵۰۷	۵۵۴	موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا مقابلہ	۴۶۹	۵۲۳	والدہ اور بہن کی بے قراری
۵۱۰	۵۵۵	فائدہ	۴۷۰	۵۲۴	تنبیہ
۵۱۱	۵۵۷	فائدہ جلیلہ	۴۷۰	۵۲۵	پرورش آپ کی ماں کے ذمہ
۵۱۲	۵۵۸	تنبیہ	۴۷۲	۵۲۶	موسیٰ علیہ السلام کا قبیلہ کو گھونسا مارنا
۵۱۲	۵۵۹	نتیجہ حاصل ہوا	۴۷۴	۵۲۷	شیطان کی طرف قتل کو منسوب کرنے کی وجہ
۵۱۳	۵۶۰	فرعون کی جادو گروں کو دھمکی	۴۷۵	۵۲۸	قتل کار از ظاہر ہونا
۵۱۴	۵۶۱	نو مسلموں کا فرعون کو جواب	۴۷۶	۵۲۹	ایک مخبر نے موسیٰ کو بتادیا
۵۱۶	۵۶۲	فرعون کو قوم کے سرداروں کا ڈرانا	۴۷۷	۵۳۰	موسیٰ کا ”مدین“ کی طرف ہجرت کرنا
۵۱۸	۵۶۳	بنی اسرائیل کا ڈرانا اور موسیٰ کا تسلی دینا	۴۷۸	۵۳۱	موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر
۵۲۰	۵۶۴	فرعون کی قوم کا مشورہ	۴۷۹	۵۳۲	شعیب کا موسیٰ کو طلب کرنا
۵۲۱	۵۶۵	فرعون کا شیخی مارنا	۴۸۱	۵۳۳	شعیب علیہ السلام کو بیٹھنے کا مشورہ
۵۲۲	۵۶۶	موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۴۸۳	۵۳۴	شعیب کی موسیٰ کو شادی کی پیشکش
۵۲۳	۵۶۷	ایمان چھپانے والے شخص نے کہا	۴۸۴	۵۳۵	مدت کی تکمیل کے بعد مصر واپسی
۵۳۲	۵۶۸	فرعون اور اس کی قوم قحط سالی میں مبتلا	۴۸۶	۵۳۶	تنبیہ
۵۳۴	۵۶۹	مختلف قسم کے عذاب	۴۸۸	۵۳۷	رب تعالیٰ کے موسیٰ کو ارشادات
۵۳۷	۵۷۰	بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم			



# تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۵۷۱	صبح ہونے پر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی طرف روانگی	۵۳۹	۵۷۸	موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات	۵۷۸
۵۷۲	موسیٰ کو دریا میں عصا مارنے کا حکم	۵۴۰	۵۸۰	فائدہ	۵۸۰
۵۷۳	فرعون کا غرق ہونے پر ایمان لانا اور قبول نہ ہونا	۵۴۱	۵۸۰	مچھلی زندہ ہونے کی جگہ لوٹنا	۵۸۰
۵۷۴	بنی اسرائیل کی ناشکری	۵۴۳	۵۸۱	خضر علیہ السلام نے شرط عائد کر دی	۵۸۱
۵۷۵	تورات لینے کے لئے موسیٰ کا طور پر جانا	۵۴۴	۵۸۲	خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا	۵۸۲
۵۷۶	رب تعالیٰ کا دیدار کی تمنا	۵۴۵	۵۸۳	خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا	۵۸۳
۵۷۷	قوم نے پھڑے کی پوجا شروع کر دی	۵۴۶	۵۸۴	خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا	۵۸۴
۵۷۸	پھڑے کے پونے کی وجہ	۵۴۸	۵۸۶	کاش کہ موسیٰ صبر کرتے	۵۸۶
۵۷۹	گھوڑی کے قدموں کے نشانات سے مٹی لینا	۵۴۸		خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی وضاحت کرتے ہیں	۵۸۷
۵۸۰	واپسی پر موسیٰ نے ہارون کی سرزنش کی	۵۴۹	۵۸۹	فائدہ	۵۸۹
۵۸۱	سامری کی سزا	۵۵۰	۵۹۰	خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟	۵۹۰
۵۸۲	فائدہ	۵۵۱	۵۹۱	آپ کو نبی ماننے والوں کے دلائل	۵۹۱
۵۸۳	بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم	۵۵۱	۵۹۲	کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟	۵۹۲
۵۸۴	بنی اسرائیل کی پشیمانی کے بعد بھی کج روی	۵۵۳	۵۹۶	فوائد	۵۹۶
۵۸۵	قوم کا احکام خداوندی ماننے سے انکار	۵۵۴	۶۰۱	موسیٰ کا انتقال	۶۰۱
۵۸۶	عمالقہ سے جماد کا حکم	۵۵۶	۶۰۲	فائدہ	۶۰۲
۵۸۷	اور بنی اسرائیل کی روگردانی	۵۵۶	۶۰۲	تنبیہ	۶۰۲
۵۸۸	بنی اسرائیل کی سرکشی کے باوجود ان پر انعامات	۵۵۸	۶۰۳	فائدہ جلیلہ	۶۰۳
۵۸۹	پتھر سے پانی نکالنا	۵۵۹	۶۰۴	موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا	۶۰۴
۵۹۰	میدان تہ سے نجات اور ان کی سرکشی	۵۶۰	۶۰۵	تذکرہ اسلاف کرام	۶۰۵
۵۹۱	من و سلوی سے اعراض اور ذلت کا تسلط	۵۶۱	۶۰۶	آہ میرے والد مرحوم کے چچا زاد بھائی	۶۰۶
۵۹۲	گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ	۵۶۵	۶۰۸	زکریا و عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام	۶۰۸
۵۹۳	بہت بھاری قیمت سے گائے حاصل کی	۵۶۷	۶۰۸	عیسیٰ علیہ السلام کی ثانی کا نذر ماننا	۶۰۸
۵۹۴	گائے کے ذبح کرنے میں حکمت	۵۶۸	۶۰۸	اعتراض	۶۰۸
۵۹۵	قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون	۵۶۹	۶۰۸	جواب	۶۰۸
۵۹۶	قارون کا زمین میں دھنس جانا	۵۷۲	۶۱۰	پچی پیدا ہونے پر حسرت	۶۱۰
	موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ایذا سے بری کرنا	۵۷۵	۶۱۱	مریم علیہ السلام کے کفیل زکریا علیہ السلام	۶۱۱
			۶۱۳	فائدہ	۶۱۳
			۶۱۶	لولاد کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعا	۶۱۶
			۶۲۶	زکریا علیہ السلام کا مخفی دعا کرنا	۶۱۷



# تذکرۃ الانبیاء

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۲۷	بچوں کی تمنا کیوں	۶۱۹	۶۵۸	تنبیہ	۶۵۶
۶۲۸	زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت	۶۲۰	۶۵۹	فائدہ	۶۵۶
۶۲۹	حی علیہ السلام کا نام		۶۶۰	آپ کو ”مسح“ کیوں کہا گیا؟	۶۵۶
	اللہ تعالیٰ نے خود رکھا	۶۲۲	۶۶۱	تنبیہ	۶۵۷
۶۳۰	آپ کا نام حی علیہ السلام کیوں رکھا؟	۶۲۲	۶۶۲	فائدہ	۶۵۸
۶۳۱	زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر تعجب ہوا	۶۲۳	۶۶۳	آپ کو وجہ کہا گیا	۶۵۸
۶۳۲	نشانی طلب کرنے کی وجہ	۶۲۵	۶۶۴	آپ مقربین سے ہیں	۶۵۹
۶۳۳	حی علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا	۶۲۶	۶۶۵	مہد اور کمولیت میں آپ کو متکلم بنایا	۶۵۹
۶۳۴	حی علیہ السلام پر رب تعالیٰ کے انعامات	۶۲۶	۶۶۶	آپ کا صالحین سے ہونا	۶۶۰
۶۳۵	فائدہ	۶۲۸	۶۶۷	عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ”روح“	۶۶۱
۶۳۶	حی علیہ السلام کی شہادت	۶۲۹	۶۶۸	”روح قدس“ سے آپ کی امداد کی گئی	۶۶۲
۶۳۷	زکریا علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا گیا	۶۳۱	۶۶۹	آپ کو کتاب و حکمت عطا کی گئیں	۶۶۳
۶۳۸	حضرت مریم علیہ السلام کی فضیلت	۶۳۱	۶۷۰	عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۶۶۳
۶۳۹	اعتراض	۶۳۲	۶۷۱	پرندے بنانا	۶۶۳
۶۴۰	جواب	۶۳۲	۶۷۲	مادر زاد اندھے اور برص والے کو شفا دینا	۶۶۶
۶۴۱	مریم علیہ السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا آنا	۶۳۲	۶۷۳	فائدہ	۶۶۷
۶۴۲	حضرت مریم علیہ السلام کا خوف	۶۳۶	۶۷۴	مردوں کو زندہ کرنا	۶۶۷
۶۴۳	جبرائیل علیہ السلام کا تسلی دینا	۶۳۶	۶۷۵	عیسیٰ کو علوم غیبیہ عطا کئے گئے	۶۶۹
۶۴۴	فائدہ	۶۳۷	۶۷۶	تنبیہ	۶۷۰
۶۴۵	حضرت مریم علیہ السلام کی حیرت اور بڑھ گئی	۶۳۷	۶۷۷	حوارین کا ایمان لانا	۶۷۱
۶۴۶	جبرائیل علیہ السلام کا جواب	۶۳۸	۶۷۸	حوارین کون تھے؟	۶۷۲
۶۴۷	فائدہ	۶۳۹	۶۷۹	حوارین کا آسمانی طعام طلب کرنا	۶۷۵
۶۴۸	عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں	۶۳۹	۶۸۰	فائدہ	۶۷۷
۶۴۹	درِ روزہ کے وقت پریشانی میں اضافہ	۶۴۰	۶۸۱	عیسیٰ علیہ السلام کی مائندہ کے لئے دعا	۶۷۹
۶۵۰	کھانے پینے کا انتظام اور مزید تسلی	۶۴۲	۶۸۲	فائدہ	۶۸۰
۶۵۱	واپسی پر لوگوں کی طعنہ زنی	۶۴۵	۶۸۳	ارشاد باری اللہ تعالیٰ جواب عیسیٰ علیہ السلام	۶۸۱
۶۵۲	حضرت مریم نے اشارہ بچے کی طرف کر دیا	۵۴۷	۶۸۴	یہودیوں کی سازش	۶۸۳
۶۵۳	علمی نکتہ	۶۴۸	۶۸۵	تنبیہ	۶۸۵
۶۵۴	عیسیٰ علیہ السلام کا چھین میں کلام کرنا	۵۴۹	۶۸۶	ایمان والوں سے عیسیٰ کا امداد طلب کرنا	۶۸۷
۶۵۵	تنبیہ	۶۵۲	۶۸۷	عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ	۶۸۸
۶۵۶	عیسیٰ علیہ السلام کے القاب	۶۵۵	۶۸۸	حیات عیسیٰ علیہ السلام	۶۹۶
۶۵۷	آپ کو ”کلمہ“ کیوں کہا گیا؟	۶۵۵	۶۸۹	حیات عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل	۷۹۷



## تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۷۲۷	۷۲۲	جواب لول	۷۰۱	۶۹۰	پہلی وجہ
۷۲۷	۷۲۳	جواب دوم	۷۰۱	۶۹۱	دوسری وجہ
۷۲۷	۷۲۳	جواب سوم	۷۰۲	۶۹۲	تیسری وجہ
۷۲۷	۷۲۵	جھوٹوں کی کہاو تیں	۷۰۲	۶۹۳	چوتھی وجہ
۷۲۹	۷۲۶	آٹھواں اعتراض	۷۰۲	۶۹۴	پانچویں وجہ
۷۲۹	۷۲۷	جواب	۷۰۲	۶۹۵	چھٹی وجہ
۷۲۹	۷۲۸	نوواں اعتراض	۷۰۳	۶۹۶	آہِ رحمت و شفقت سے مژدی
۷۳۰	۷۲۹	جواب	۷۰۴	۶۹۷	ساتویں وجہ
۷۳۱	۷۳۰	دسواں اعتراض	۷۰۴	۶۹۸	آٹھویں وجہ
۷۳۱	۷۳۱	جواب	۷۰۴	۶۹۹	اعتراض
۷۳۲	۷۳۲	گیارہواں اعتراض	۷۰۴	۷۰۰	جواب
۷۳۲	۷۳۳	جواب	۷۰۴	۷۰۱	نویں وجہ
۷۳۲	۷۳۴	بارہواں اعتراض	۷۰۵	۷۰۲	دوسری تاویل
۷۳۳	۷۳۵	جواب	۷۰۷	۷۰۳	توضیح مقام
۷۳۳	۷۳۶	تیرہواں اعتراض	۷۱۰	۷۰۴	احادیث مبارکہ
۷۳۳	۷۳۷	جواب	۷۱۷	۷۰۵	مقام توجہ
۷۳۴	۷۳۸	چودہواں اعتراض	۷۱۷	۷۰۶	حیات عیسیٰ کا ثبوت ائمہ کرام سے
۷۳۴	۷۳۹	جواب	۷۱۹	۷۰۷	معجزات و حیات عیسیٰ پر اعتراضات و جوابات
۷۳۵	۷۴۰	پندرہواں اعتراض	۷۱۹	۷۰۸	پہلا اعتراض
۷۳۵	۷۴۱	جواب	۷۲۰	۷۰۹	جواب
۷۳۶	۷۴۲	سولہواں اعتراض	۷۲۲	۷۱۰	دوسرا اعتراض
۷۳۷	۷۴۳	جواب	۷۲۲	۷۱۱	جواب
۷۳۸	۷۴۴	عقیدہ ختم نبوت	۷۲۳	۷۱۲	تیسرا اعتراض
۷۳۹	۷۴۵	ختم نبوت کا عقیدہ	۷۲۳	۷۱۳	جواب
۷۵۰	۷۴۶	ختم نبوت کے عقلی دلائل	۷۲۴	۷۱۴	چوتھا اعتراض
	۷۴۷	اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب	۷۲۴	۷۱۵	جواب
۷۵۰		کی آمد کا جائزہ لیجئے	۷۲۴	۷۱۶	پانچواں اعتراض
۷۵۷	۷۴۸	عیسیٰ کے متعلق باطل نظریات	۷۲۵	۷۱۷	جواب
۷۵۹	۷۴۹	فائدہ	۷۲۵	۷۱۸	چھٹا اعتراض
۷۵۹	۷۵۰	ثبوت کے قائلین	۷۲۵	۷۱۹	جواب
۷۶۰	۷۵۱	مکانیہ کفر کا قول	۷۲۵	۷۲۰	منیہ
۷۶۱	۷۵۲	نسطور حکیم کا قول	۷۲۶	۷۲۱	ساتواں اعتراض



# تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۸۰۱	۷۸۲	خلاصہ کلام	۷۶۱	۷۵۳	بعض نسوریہ کا قول
	۷۸۳	حقیقت محمدیہ ﷺ موجودات عالم	۷۶۱	۷۵۴	نسوریہ میں سے ایک اور فرقہ
۸۰۲		میں جاری و ساری ہے	۷۶۲	۷۵۵	یعقوبیہ فرقہ
۸۰۳	۷۸۴	حقیقت محمدیہ ﷺ کیا ہے؟	۷۶۲	۷۵۶	یعقوبیہ میں بعض نے کہا
۸۰۶	۷۸۵	نبی کریم ﷺ پاک نسلوں سے تشریف لائے	۷۶۲	۷۵۷	بعض اور نے کہا
۸۰۷	۷۸۶	نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری	۷۶۲	۷۵۸	ان میں سے کچھ اور نے کہا
۸۰۸	۷۸۷	پیر کے دن کو نبی کریم ﷺ سے تعلق	۷۶۲	۷۵۹	کچھ دوسرے حضرات نے کہا
۸۰۸	۷۸۸	نور منتقل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا	۷۶۳	۷۶۰	بعض نے یوں کہا
۸۰۹	۷۸۹	نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے	۷۶۳	۷۶۱	اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کا رد فرمایا
	۷۹۰	نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول	۷۶۷	۷۶۲	سر سید احمد خان کا باطل نظریہ
		کی پیدائش میں حکمت	۷۷۲	۷۶۳	عیسائیوں کا من گھڑت عقیدہ
۸۱۰	۷۹۱	نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار		۷۶۴	رب تعالیٰ کے استفسار پر
۸۱۱	۷۹۲	محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت	۷۷۸		عیسیٰ علیہ السلام کا جواب
۸۱۲	۷۹۳	نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت	۷۷۹	۷۶۵	اعتراض
		کا تذکرہ کیا	۷۷۹	۷۶۶	جواب
	۷۹۴	اس دن کی فضیلت کی وجہ سے	۷۸۰	۷۶۷	فائدہ
۸۱۳		سارا مہینہ ہی فضیلت والا ہے	۷۸۱	۷۶۸	عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ
۸۱۴	۷۹۵	اعتراض		۷۶۹	سید الانس والجان
۸۱۵	۷۹۶	جواب	۷۸۳		حضرت محمد ﷺ
۸۲۰	۷۹۷	نبی کریم ﷺ کا نسب شریف	۷۸۴	۷۷۰	تخلیق اول نور محمدی
۸۲۱	۷۹۸	والدہ کا نسب	۷۸۸	۷۷۱	نبی کریم ﷺ کا نور و بشر ہونا
۸۲۱	۷۹۹	حضور ﷺ اکلوتے تھے		۷۷۲	نبی کریم ﷺ کی نورانیت کا ثبوت
۸۲۲	۸۰۰	آپ کے والدین کی ایک جگہ قبریں	۷۹۰		قرآن پاک سے
۸۲۲	۸۰۱	حضور ﷺ کے چچا	۷۹۲	۷۷۳	تنبیہ
۸۲۳	۸۰۲	صرف دو چچا نے اسلام کو قبول کیا	۷۹۲	۷۷۴	اعتراض
۸۲۳	۸۰۳	نبی کریم ﷺ کی پھوپھیاں	۷۹۳	۷۷۵	جواب
۸۲۳	۸۰۴	نبی کریم ﷺ کی دادیاں	۷۹۶	۷۷۶	تنبیہ
۸۲۳	۸۰۵	نبی کریم ﷺ کی نانیاں	۷۹۶	۷۷۷	عوام حضور ﷺ کو صرف بشر نہ کہیں
۸۲۳	۸۰۶	رضاعی والدہ	۷۹۷	۷۷۸	توضیح
۸۲۵	۸۰۷	پرورش کرنے والی	۷۹۸	۷۷۹	خلاصہ کلام
۸۲۵	۸۰۸	آپ کے رضاعی بہن بھائی	۷۹۹	۷۸۰	اقتناع نظیر
۸۲۶	۸۰۹	آپ کی ازواج مطہرات	۷۹۹	۷۸۱	مقدمات
۸۲۷	۸۱۰	آپ کی اولاد مطہرہ			
۸۲۹	۸۱۱	تنبیہ			



## تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۸۷۸	۸۴۰	ملک بد لئے سے صدقہ ہدیہ بن جاتا ہے	۸۳۰	۸۱۲	حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل
۸۷۸	۸۴۱	نبی کریم ﷺ کی سخاوت کی ایک جھلک	۸۳۶	۸۱۳	فائدہ
۸۷۹	۸۴۲	تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے؟	۸۴۳	۸۱۴	نبی کریم ﷺ اللہ کے خزانے تقسیم کرتے ہیں
۸۸۰	۸۴۳	انبیاء کرام احکام سے محفوظ		۸۱۵	نبی کریم اور تمام انبیاء کرام
۸۸۱	۸۴۴	نبی کریم ﷺ کے استغفار کرنے کے وجہ	۸۴۴		ضبطہ قبر سے محفوظ
	۸۴۵	حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے کئی جج	۸۴۴	۸۱۶	نبی کریم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان نہیں
۸۸۳		اور ہجرت کے بعد ایک	۸۴۸	۸۱۷	نبی کریم ﷺ شیطان سے محفوظ
۸۸۳	۸۴۶	نبی کریم ﷺ کا اظہار عجز		۸۱۸	نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں
	۸۴۷	نبی کی عبودیت رسالت و نبوت	۸۴۹		دل جاگتا ہے
۸۸۵		سے افضل ہے	۸۵۰	۸۱۹	حضور ختم شدہ پیدا ہوئے
۸۸۶	۸۴۸	تنبیہ		۸۲۰	نبی کریم ﷺ کو چار ہزار افراد
۸۸۷	۸۴۹	گناہگاروں کے لئے حضور کی شفاعت	۸۵۰		کی طاقت دی جائے گی
۸۸۸	۸۵۰	تمام خزانوں کی چابیاں حضور ﷺ کو دی گئیں	۸۵۰	۸۲۱	وضو سے گرے ہوئے پانی میں شفا تھی
۸۸۹	۸۵۱	زمین کے مشارق و مغارب دکھائے گئے	۸۵۲	۸۲۲	نبی کریم ﷺ کی نماز قضا ہونے میں حکمت
۸۹۰	۸۵۲	آپ تمام اخلاق ہیں	۸۵۲	۸۲۳	اعتراض
	۸۵۳	نبی کریم ﷺ کے ہاتھ ریشم سے نرم	۸۵۲	۸۲۴	جواب
۸۹۱		اور عطر سے زیادہ خوشبودار	۸۵۶	۸۲۵	مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا
۸۹۲	۸۵۴	آپ کا پسینہ خوشبودار اور باعث برکت	۸۵۷	۸۲۶	فائدہ
۸۹۳	۸۵۵	نبی کریم ﷺ کو پسینہ زیادہ آتا تھا		۸۲۷	نبی کریم ﷺ کی قبر انور کا
	۸۵۶	پسینہ کی خوشبو سے پتہ چلتا کہ آپ	۸۵۷		مقام عرش اعلیٰ سے بلند
۸۹۴		یہاں سے گزرے ہیں	۸۵۹	۸۲۸	نبی ﷺ کی خوبصورت اور بلند آواز
	۸۵۷	نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے برکت		۸۲۹	رب تعالیٰ کے تمام خزانے
۸۹۵		اور شفاء حاصل کرنا	۸۵۹		نبی کریم ﷺ کے پاس
۸۹۶	۸۵۸	نبی کریم ﷺ کی عجز و انکساری	۸۶۱	۸۳۰	نبی کریم ﷺ درود کا جواب دیتے ہیں
۸۹۹	۸۵۹	عبودیت کو پسند فرمایا ملوکیت کو نہیں	۸۶۲	۸۳۱	درود پاک ذکر خدا بھی ہے
۹۰۲	۸۶۰	ابتداء و حجت	۸۶۶	۸۳۲	نبی کریم ﷺ کے بھولنے میں حکمت
۹۰۶	۸۶۱	آپ کے پاس فرشتے کی آمد		۸۳۳	نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز
۹۰۹	۸۶۲	گھر آکر کھیل لڑھانے کا مطالبہ	۸۶۷		پڑھنے پر ثواب مکمل ملتا
۹۰۹	۸۶۳	الغرض	۸۶۹	۸۳۴	نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن
۹۱۱	۸۶۴	حضرت خدیجہ کا جو با عرض کرنا	۸۷۰	۸۳۵	قرآن کو خلق کیوں کہا
	۸۶۵	حضرت خدیجہ کا آپ کو رقدہ بن نوفل	۸۷۱	۸۳۶	نبی کریم ﷺ کو زندگی حاصل ہے
۹۱۳		کے پاس لے جانا	۸۷۳	۸۳۷	نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا حکم
	۸۶۶	نبی کریم ﷺ کے سر جھکانے پر	۸۷۵	۸۳۸	فرض اور نفلی صدقہ میں فرق کیوں؟
۹۱۳		صحابہ کرام نے اپنے سر جھکائے	۸۷۶	۸۳۹	فائدہ



## تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۹۳۵	۸۹۷	اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا		۸۶۷	رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل
۹۳۷	۸۹۸	نور و ایمان کے بغیر انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے	۹۱۵		ہونے والا بد بخت
۹۳۸	۸۹۹	مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان کیا		۸۶۸	آپ کی انگلیوں سے نکلا ہوا پانی
	۹۰۰	فساد پھیلانے والوں کو خدا کے	۹۱۷		زمزم اور کوثر سے افضل ہے
۹۹۴		حضور جو لبدہ ہونا پڑے گا	۹۱۹		فائدہ
۹۳۹	۹۰۱	نبی کریم ﷺ کا مقام ادب	۹۲۰		آپ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے
۹۵۰	۹۰۲	نبی کریم ﷺ کے شعر کو شعر کہنا کفر ہے	۹۲۲		نبی کریم ﷺ کو درخت اور پتھر سلام کہتے
۹۵۲	۹۰۳	کفار ڈرتے ہوئے آپ پر عیب لگاتے	۹۲۳		نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور ابو جہل کی ذلت
۹۵۲	۹۰۴	شان نزول		۸۷۳	معراج کی رات جبرائیل آپ کو انبیاء کرام
	۹۰۵	نبی کریم ﷺ کی شان میں وہ لفظ استعمال کرنا	۹۲۴		کا تعارف کیوں کر رہے تھے
۹۵۳		منع ہے جس سے کافر غلط معنی لے سکتے ہوں	۹۲۶		حضور کا معراج جاگتے ہوئے تھا
۹۵۴	۹۰۶	نبی کریم ﷺ کی توقیر	۹۲۷		غلطی کی وجہ
۹۵۷	۹۰۷	صحابہ کرام کا ادب	۹۲۸		روح کی چار قسمیں
	۹۰۸	صحابہ کرام اور اہل بیت کی تعظیم	۹۲۸		پہلی قسم
۹۵۸		نبی کریم ﷺ کی تعظیم ہے	۸۲۹		دوسری قسم
۹۶۰	۹۰۹	خدا چاہتا ہے رضائے محمد	۸۲۹		تیسری قسم
۹۶۱	۹۱۰	اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد	۸۲۹		چوتھی قسم
	۹۱۱	نبی کریم ﷺ کی جائے نماز		۸۸۱	نبی کریم ﷺ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا
۹۶۲		سے تبرک حاصل کرنا	۹۳۳		نبی کریم ﷺ کو کان و مایکون کا علم دیا گیا
۹۶۳	۹۱۲	حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد	۹۳۵		علم غیب نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے
	۹۱۳	نبی کریم ﷺ کے آثار	۹۳۶		عطائی غیب قرآن پاک سے ثابت ہے
۹۶۵		سے تبرک حاصل کرنا	۹۳۸		اعتراض
۹۶۶	۹۱۴	نبی کریم ﷺ کا مریض کی عیادت کرنا	۹۳۸		جواب
۹۶۷	۹۱۵	فوائد	۹۳۹		اعتراض
۹۶۸	۹۱۶	نبی کریم ﷺ کے سامنے تکبر کی سزا	۹۴۰		جواب
۹۶۹	۹۱۷	نبی کریم ﷺ سے بچوں کو گھٹی ڈلوانا		۸۸۹	علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے
۹۶۹	۹۱۸	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	۹۴۱		تنبیہ
۹۷۰	۹۱۹	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا گم ہونا	۹۴۲		قرآن پاک میں کوئی اختلاف نہیں
۹۷۲	۹۲۰	تنبیہ	۹۴۲		آیت مذکورہ کی تفسیر غور فکر سے کی جائے
	۹۲۱	نبی کریم ﷺ کا بدر میں کفار کے قتل	۹۴۲		ذاتی غیب کی نفی ہے
۹۷۳		ہو کر گرنے کی جگہ نشان لگانا	۹۴۳		اللہ تعالیٰ کا علم غیب قدیم اور غیر محدود ہے
۹۷۳	۹۲۲	نبی کریم ﷺ کا بدر کے مقتولوں سے کلام کرنا	۹۴۳		حضور کا علم غیب حادث محدود اور عطائی ہے
			۹۴۴		نبی کریم ﷺ کے علم کی
					وسعت صرف رب جانتا ہے



## تذکرۃ الانبیاء

صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان
۹۸۷	۹۵۳	نبی کریم ﷺ کی علالت و وصال	۹۷۵	۹۲۳	مختصر حالات از مدارج النبوت
۹۸۷	۹۵۴	وصال کی خبر	۹۷۵	۹۲۴	حضور ﷺ پر سب سے پہلے فرض
۹۸۸	۹۵۵	مرض کی ابتداء	۹۷۵	۹۲۵	آپ کے دعوت پر پہلے اسلام لانے والے
۹۸۹	۹۵۶	شدت مرض	۹۷۵	۹۲۶	دعوت و تبلیغ
۹۹۰	۹۵۷	انبیاء کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا گیا تھا		۹۲۷	حضرت حمزہ اور
۹۹۰	۹۵۸	نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ سے ملنے کی دعاء کرنا	۹۷۶	۹۲۸	حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا
۹۹۱	۹۵۹	نبی کریم ﷺ کے مرض کا ابتدائی وقت			قریش کا عہد نامہ اور حضور کا
۹۹۱	۹۶۰	ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمانا	۹۷۶		شعب اہل طالب میں مقید ہونا
۹۹۲	۹۶۱	قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت	۹۷۷	۹۲۹	ابو طالب کی وفات
۹۹۳	۹۶۲	رحلت کی رات چراغ میں تیل نہیں تھا	۹۷۷	۹۳۰	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات
۹۹۴	۹۶۳	انصار کے حق میں وصیت	۹۷۷	۹۳۱	طائف میں تبلیغ
۹۹۴	۹۶۴	مسواک کرنا	۹۷۷	۹۳۲	جنات کی بیعت
۹۹۵	۹۶۵	نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا	۹۷۸	۹۳۳	مدینہ منورہ سے انصار کی آمد
۹۹۶	۹۶۶	ملک الموت کا اجازت طلب کرنا	۹۷۸	۹۳۴	معراج اور نماز
۹۹۷	۹۶۷	حضرت فاطمہ الزہراء کو خبر دینا	۹۷۸	۹۳۵	دوسرے سال مدینہ سے اور حضرات کا آنا
۹۹۸	۹۶۸	جبرائیل علیہ السلام کی مزاج پرسی		۹۳۶	حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ کی دعوت
۱۰۰۰	۹۶۹	حضرت فاطمہ الزہراء کا اظہار غم	۹۷۹		اور آپ کا جواب
۱۰۰۰	۹۷۰	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے قراری	۹۷۹	۹۳۷	صحابہ کرام کی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت
۱۰۰۰	۹۷۱	غیبی آواز سے اہل بیت کو مزید صبر کی تلقین	۹۷۹	۹۳۸	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۱۰۰۱	۹۷۲	صحابہ کرام کا غم میں مبتلا ہونا			کو انتظار کرنے کا حکم
۱۰۰۱	۹۷۳	ابو بکر صدیق کی شدید غم میں ثابت قدمی	۹۸۰	۹۳۹	حضور ﷺ کے متعلق کفار کا مشورہ
۱۰۰۲	۹۷۴	تنبیہ	۹۸۰	۹۴۰	سید الانبیاء کی ہجرت، کفار کی ذلت
۱۰۰۳	۹۷۵	نبی کریم ﷺ کے غسل کا ذکر		۹۴۱	شان صدیق و حیدر رضی اللہ عنہما
۱۰۰۴	۹۷۶	کفن دینے کی وصیت	۹۸۱	۹۴۲	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امتحان میں کامیابی
۱۰۰۵	۹۷۷	حضور ﷺ کی نماز جنازہ	۹۸۱	۹۴۳	سراقہ کا زمین میں دھنس جانا
۱۰۰۶	۹۷۸	نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر	۹۸۲	۹۴۴	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ محبت
۱۰۰۶	۹۷۹	شیعہ کا اعتراض باطل	۹۸۲	۹۴۵	قدرت باری تعالیٰ
۱۰۰۷	۹۸۰	دفن کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب	۹۸۳	۹۴۶	غار ثور پر کفار کی آمد اور مایوسی
۱۰۰۸	۹۸۱	قبر کو لحد بنایا گیا	۹۸۳	۹۴۷	کلام الملوک اور ملوک الکلام
۱۰۰۹	۹۸۲	نبی کریم ﷺ کی تدفین	۹۸۳	۹۴۸	سید الانبیاء و موسیٰ علیہما السلام کے کلام میں فرق
۱۰۰۹	۹۸۳	قبر میں امت کو یاد کرنا		۹۴۹	نکتہ
۱۰۰۹	۹۸۴	نیک لوگوں کے قریب دفن کرنا بہتر ہے	۹۸۴	۹۵۰	غار ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف کوچ فرمانا
			۹۸۶	۹۵۱	قیام کے لئے انصار کی خواہش
					اور حضور ﷺ کا ارشاد
			۹۸۶	۹۵۲	حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام



## پیش لفظ

”الْحَمْدُ لَكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ“

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، اور بے شمار درود و سلام ہوں حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ذات اقدس پر کہ :

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا  
وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو  
جان ہیں وہ جہان کی  
جان ہے تو جہان ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے قلبِ اطہر پر اپنا مقدس کلام نازل فرمایا :

جو..... قرآن عظیم ہے..... کتابِ مجید ہے..... فرقانِ حمید ہے..... برہانِ رشید ہے..... نورِ مبین ہے..... محورِ دین ہے..... ذکرِ حکیم ہے..... صراطِ مستقیم ہے..... منبعِ ایمان ہے..... سرچشمہٴ ایمان ہے..... مرکزِ جو دسختا ہے..... بحرِ لطف و عطاء ہے..... منبعِ رشد و ہدایت ہے..... بحرِ علوم و حکمت ہے..... ہر شے کا روشن بیان ہے..... خزانہٴ علم و عرفان ہے..... وعظ و نصیحت کی کتاب ہے..... معرفت کا آفتابِ جہاں تاب ہے..... اس کے عجائب کا شمار نہیں..... اس کے فضائل کی انتہاء نہیں..... یہ رب العالمین کا کلام ہے..... فلاحِ حقیقی کا پیغام ہے..... اس میں ہر مرض کی شفا ہے..... یہ ہر فرد کا راہنما ہے..... یہ سامانِ نجات ہے، دلوں کے زنگ کا علاج ہے..... کامل ترین فلسفہٴ حیات ہے..... اور اس کی تلاوت باعثِ اجر و ثواب ہے۔

قرآن حکیم کے علوم کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اول..... علوم العقائد دوم..... علوم الاحکام سوم..... علوم التذکیر

گویا قرآن حکیم..... انسانوں کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے اور..... انہیں صحیح عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کے احکام دیتا ہے، نیز..... اصلاحِ فکر و عمل کی طرف راغب کرنے کے لئے..... پچھلی



امتوں کے احوال بیان فرماتا ہے : جیسا کہ ..... کئی سورتوں میں متعدد انبیائے کرام کے حالات .....  
سورۃ المؤمن میں آل فرعون میں سے ایک مسلمان کا واقعہ ..... سورۃ یسین میں ایک مرد مومن  
کا ذکر ..... سورۃ القلم میں باغ والوں کا واقعہ ..... سورۃ البروج میں کھائی والوں کا تذکرہ  
اور ..... سورۃ الکہف میں اصحاب کف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔  
ان احوال و واقعات کے بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں، اپنی کم علمی کا  
اعتراف کرتے ہوئے چند نکات عرض کرتا ہوں۔

۱ - اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کا ذکر محبوب ہے اس لئے اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جا بجا اپنے  
پیارے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا :

”اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی، ہم جسے چاہیں، (علم و  
حکمت و نبوت کے ساتھ) درجوں بلند کریں، بیشک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے۔ اور ہم  
نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کئے، ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ  
دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور  
ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، یہ سب ہمارے  
قرب کے لائق ہیں۔ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو، اور ہم نے ہر ایک کو اس کے  
وقت میں سب پر فضیلت دی۔ اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو  
(بھی فضیلت دی)، اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔“

(الانعام: ۸۷ تا ۸۳)

(کنز الایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ)

۲ - اللہ عزوجل نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر فرمانے کا حکم دیا تاکہ  
انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر حضور ﷺ کی سنت ہو جائے اور یہ ذکر سن کر لوگ ان نفوس قدسیہ کی پاک  
خصلتوں سے نیکیوں کا ذوق و شوق حاصل کریں۔

حدیث شریف میں ہے : کہ صالحین کے ذکر سے رحمت الہی نازل ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام  
کے قصے کے حوالے سے صدر الافاضل شیخ التفسیر مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ



فرماتے ہیں :

”یہ بہت سے عجائب و غرائب اور حکمتوں اور عبرتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دین و دنیا کے بہت فوائد اور سلاطین و رعایا اور علماء کے احوال اور عورتوں کے خصائص اور دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر اور ان پر قابو پانے کے بعد ان سے تجاوز نہ کرنے کا نفیس بیان ہے جس سے سننے والے میں نیک سیرتی اور پاکیزہ خصائل پیدا ہوتے ہیں۔“

(خزان العرفان)

انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے متعلق چند آیات کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔  
”اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ۔“

(یونس: ۷۱، کنز الایمان)

”اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی۔“

(الشعراء: ۶۹، کنز الایمان)

”اور ہمارے بندے داؤد نعمتوں والے کو یاد کرو۔“

(زمر: ۱۷)

”اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو۔“

(ص: ۴۱، کنز الایمان)

”اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب، قدرت اور علم والوں کو۔“

(ص: ۴۵)

”اور یاد کرو اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل کو۔“

(ص: ۴۸)

”اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب انکے پاس رسول آئے۔“

(یونس: ۱۳)

”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا، میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔“

(البقرة: ۳۰، کنز الایمان)

۳۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کے احوال بیان کرنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے کافروں کی طرف سے ڈالے گئے مصائب و تکالیف پر صبر کرنا آسان ہو جائے۔ ارشاد ہوا :

”اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

(ہود: ۱۲۰، کنز الایمان)

دوسری جگہ فرمایا گیا :

”اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذا میں پانے پر،

یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں“

(الانعام: ۳۴)



مزید فرمایا گیا:

”اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا (یعنی مذاق) کیا گیا (کافر) ان سے ہنستے تھے ان کی ہنسی ان کو لے بیٹھی، تم فرما دو! زمین میں سیر کرو پھر دیکھو! کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟“

(الانعام: ۱۱۰، ۱۱۱، کنز الایمان)

۴۔ اہل کتاب نے آقاء و مولیٰ ﷺ کی آزمائش کے لئے مختلف سوالات کئے جن کے جواب میں رب تعالیٰ نے بعض واقعات وحی فرمائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں، بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطاء فرمایا۔“

(الکہف: ۸۳، ۸۴، کنز الایمان)

۵۔ گذشتہ امتوں کے حالات و واقعات بیان کرنے میں کافروں کے اعتراضات کا جواب دینا اور انہیں لاجواب کرنا بھی مقصود تھا۔ ارشاد ہوا:

”اور مشرک بولے، اللہ چاہتا تو اس کے سوا کچھ نہ پوجتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس سے جدا ہو کر ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے، ایسا ہی ان سے اگلوں نے کیا۔“

(النحل: ۳۵)

دوسری جگہ فرمایا:

”اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے، تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے نہیں تو دیکھتے ہیں ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا اور بے شک آخرت کا گھر پر ہیزگاروں کے لئے بہتر ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔“

(یوسف: ۳۹)

مزید ارشاد فرمایا:

”جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال اور اولاد تم سے زیادہ، تو وہ اپنا حصہ برت گئے تو تم نے اپنا حصہ برتا جیسے اگلے اپنا حصہ برت گئے، اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے، ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہی لوگ گھائے میں ہیں۔ کیا انہیں اپنے سے اگلوں کی خبر نہ آئی، نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور وہ بے عیاں کہ الٹ دی گئیں، ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تھے



، تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کر تا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظالم تھے۔“

(التوبہ: ۷۰، ۶۹، کنز الایمان)

سورۃ الاعراف میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم شعیب کے انجام کا ذکر کر کے فرمایا :  
”اور اگر بستییوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے ہیں مگر انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے کئے پر عذاب میں گرفتار کیا۔“

(آیت ۹۶)

یہ بھی ارشاد ہوا :

”یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔“

(ایضاً، ۳۱)

۶۔ ان واقعات و احوال میں رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جو باعث عبرت بھی ہیں اور نصیحت کا ذریعہ بھی اور ارشاد رب کریم ہے :

”یہ بستییوں کی خبریں ہیں کہ ہم تمہیں سناتے ہیں ان میں کوئی کھڑی ہے (کہ اس کے کھنڈرات باقی ہیں) اور کوئی کٹ گئی (کہ اس کا نشان بھی باقی نہیں)۔“

(ہود: ۳۰)

پھر فرمایا :

”بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

(ہود: ۳۳)

مزید ارشاد ہوا :

”اور عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمہیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے کو تک (یعنی برے کام) ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ حق سے روکا، اور انہیں سو جھٹاتا (یعنی وہ عقل والے تھے)۔“

(العنکبوت: ۳۸)

بنی اسرائیل کے نافرمانوں کو ہندروں کی شکل میں مسح کرنے کا حال بیان کر کے ارشاد فرمایا :  
”تو ہم نے یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کے



(البقرة: ۶۶، کنز الایمان)

حضرت لوط کی قوم پر عذاب کا ذکر کر کے فرمایا:  
”بیشک ہم نے اس سے روشن نشانی باقی رکھی عقل والوں کے لئے۔“

(العنکبوت: ۵۳)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:  
”وہ روشن نشانی لوط علیہ السلام کی قوم کے ویران مکان ہیں۔ جن کے کھنڈرات اب بھی  
موجود ہیں۔“

(خزائن العرفان)

اسی طرح ایک گمراہ پر عذاب نازل کئے جانے کا ذکر کر کے فرمایا گیا، ”یہ حال ہے ان کا جنہوں نے  
ہماری آیتیں جھٹلائیں، تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں۔“

(الاعراف: ۱۷۶)

سورۃ الشعراء میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات بیان فرما کر متعدد بار اس آیت کریمہ کی تکرار کی  
گئی: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً﴾ ”بیشک اس میں ضرور نشانی ہے۔“  
سورۃ یوسف آیت ۱۱۱ میں ارشاد ہوا:

”بیشک ان کی خبروں سے عقل مندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں، یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن  
اپنوں سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے  
ہدایت اور رحمت۔“

(کنز الایمان)

۷۔ قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین کو پیش آنے والے مصائب اور  
تکالیف کا بھی ذکر موجود ہے، اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان ایمان افروز واقعات کو پڑھ کر مومن اپنے  
ایمان کو مزید مضبوط کر لیں اور راہ حق میں ہر طرح کی آزمائشوں کے لئے تیار رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:  
”کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم  
سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں، انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ  
اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے، کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو بیشک اللہ کی مدد  
قریب ہے۔“

(البقرة: ۲۱۴)



دوسری جگہ فرمایا گیا:

”کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ اور بیشک ہم نے ان سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا۔“

(العنکبوت: ۳۰، ۳۱۔ کنز الایمان)

۸۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے تصرف و اختیار اور معجزات و کمالات کا بھی بیان ہے جس سے کفار کے باطل نظریات کا رد ہوتا ہے نیز ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بے مثل بشر ہیں ان کی طاقت و قدرت اور شان و عظمت عام انسانوں سے کہیں بلند و بالا ہے۔  
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف، یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو، اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“

(آل عمران: ۴۹)

انبیائے کرام علیہم السلام کے تبرکات کی فضیلت کے بارے میں ارشاد ہوا:

”اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا، اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس ایک تابلت، جس میں تمہارے رب کی طرف سے چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھا لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔“

(البقرة: ۲۲۸)

سورة النمل آیت ۱۹ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا چوٹی کی گفتگو سنا، سورة يوسف آیت ۹۴ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا میلوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پالینا اور سورة طہ آیت ۹۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا پورا ہونا، اور سورة الکہف آیت ۶۵ میں



حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی عطا کیا جانا، مذکور ہے۔ جبکہ آقا و مولیٰ ﷺ کی اعلیٰ شان یوں بیان ہوئی ہے :

”اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ گفتگو تو نہیں کرتے مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے“

(النجم: ۴، ۳، کنز الایمان)

۹۔ قرآن عظیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات کے علاوہ بعض محبوبانِ خدا کی کرامات اور تصرفات بھی بیان ہوئے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات اس کی واضح مثال ہیں، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے :

”جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں، وہ اللہ کے پاس سے ہے، بیشک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے، یہاں پکارا زکریا (علیہ السلام) اپنے رب کو، بولا : اے میرے رب مجھے دے اپنے پاس سے ستھری اولاد، بیشک تو ہی ہے دعا سننے والا۔“

(آل عمران ۳۷، ۳۸)

پس ان کی دعا قبول ہوئی۔

سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کی کرامت بیان ہوئی ہے جنہوں نے وادی سبا (یمن) سے تخت بلقیس پلک جھپکنے سے قبل بیت المقدس میں حاضر کر دیا تھا۔ سورۃ البروج میں کھائی والوں کے واقعہ سے بھی ولی کی کرامت ثابت ہوتی ہے جسے صحیح مسلم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال و واقعات کا بیان نبی الامی ﷺ کی نبوت و رسالت پر واضح دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوا :

”اور (کافر) بولے : اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے (یعنی حضور علیہ السلام نے) لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں، تم فرماؤ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔“

(الفرقان: ۶۰، ۵)

دوسری جگہ فرمایا گیا :

”یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے۔“

(ہود: ۴۹)



مزید ارشاد فرمایا:

”یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔“

(یوسف: ۳۲)

حضرت مریم کے تذکرے میں ارشاد فرمایا:

”یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔“

(آل عمران: ۴۴)

یعنی باوجود ان کے پاس نہ ہونے کے ان تمام واقعات کو تفصیل سے بیان کر دینا آقائے دو جہاں ﷺ کا معجزہ ہے اور آپ ﷺ کے سچے رسول ہونے کا روشن ثبوت ہے۔ ﴿تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین عرصہ دراز سے ایسی کتاب کی شدید کمی محسوس کر رہے تھے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال پر مشتمل ہو اور جامع و مستند ہو موجودہ دور کے عوام و خواص کو استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالرزاق بھٹرا لوی دامت پر کا تہم العالیہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنی گرانقدر تدریسی مصروفیات میں سے وقت نکال کر انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے پر مبنی یہ کتاب تحریر فرمائی۔

حضرت مصنف مدظلہ العالی کی شخصیت اہل علم طبقے میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی میں بصورت تدریس اور جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد میں بصورت وعظ و تقریر تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں، نیز متعدد درسی کتب پر حواشی کے علاوہ آپ نے کئی معرکۃ الاراء کتب تصنیف فرمائی ہیں، جن میں تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان، شمع ہدایت اور موت کا منظر مع احوال حشر و نشر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زیر نظر کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسے معتبر تفاسیر اور کتب احادیث کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے، امام رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ محمود احمد آلوسی کی تفسیر روح المعانی کو اس کتاب کا اہم ماخذ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضرت مصنف مدظلہ نے باطل ادیان اور گمراہ فرقوں کے رد میں جاجاد لائل قائم کئے ہیں اور



مذہب حق اہل سنت و جماعت کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف منسوب غیر معتبر و غلط قصے کہانیوں کا بھی خوب رد کیا ہے۔

یہ کتاب حضرت علامہ مدظلہ کی تدریسی مہارت کی بھی آئینہ دار ہے امید ہے کہ اس سے عوام، دینی مدارس کے طلباء اور علماء و خطباء حضرات بھی یکساں استفادہ کریں گے۔ اس کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مصنف مدظلہ نے اکثر مقامات پر دیگر اردو تراجم کے مقابلے میں مجددین و ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجمہ قرآن، کنز الایمان کی فوقیت بھی احسن انداز میں ثابت کی ہے۔

مختصر یہ کہ استاذی المکرم مفکر قرآن و حدیث حضرت علامہ عبدالرزاق صاحب بھتر الوی مدظلہ نے تفاسیر و احادیث میں بکھرے ہوئے موتیوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و محبت کے خوبصورت ہار میں پرو کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ استاذی المکرم مدظلہ العالی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے، آپ کا سایہ اہل سنت کے سروں پر دراز فرمائے، آپ کی اولاد کو بھی آپ کے نقش قدم پر چلائے اور اس کتاب کو نافع خلّاق و توشہ آخرت بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم الامین۔

خاک پائے علمائے حق

محمد آصف قادری غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ





﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾

## ”مقدمہ“

الحمد لله الذي خلق الأرض والسماء وفضل على جميع الخلق الأنبياء  
ورفع درجات محمد سيد الأنبياء ، والصلوة والسلام على نبي الانبياء  
وعلى سائر الأنبياء وعلى صحابته واله وعلى العلماء والصلحاء الاتقياء  
اما بعد !

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم ☆  
﴿ وَلَقَدْ ارْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ  
نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾

(ب ۲۴ سورۃ المومس ۷۸)

”اور بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے کہ جن میں کسی کے احوال تم سے  
بیان فرمائے اور کسی کے احوال بیان نہیں فرمائے۔“

قرآن پاک میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں اور ان کے حالات کو بھی  
ذکر کیا گیا ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے نام تو ہیں لیکن ان کے حالات ذکر نہیں کئے گئے جیسے  
حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل اور بعض کے واقعات ذکر ہیں لیکن نام نہیں ، جیسے حضرت حزقیل اور  
حضرت شموئیل اور بعض کے نام بھی نہیں اور حالات بھی نہیں ، جیسے حضرت دانیال علیہ السلام۔  
قرآن پاک میں انبیائے کرام کے اسماء گرامی :

حضرت آدم ، حضرت نوح ، حضرت ابراہیم ، حضرت اسماعیل ، حضرت اسحاق ، حضرت یعقوب ،  
حضرت یوسف حضرت ہود ، حضرت صالح ، حضرت لوط ، حضرت موسیٰ ، حضرت ہارون ، حضرت شعیب ،  
حضرت داؤد ، حضرت سلیمان ، حضرت زکریا ، حضرت یحییٰ ، حضرت الیاس ، حضرت الیسع ،  
حضرت ادریس ، حضرت ذوالکفل ، حضرت یونس ، حضرت ایوب ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام ،  
اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔



انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد :

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا بھی ذکر ہے ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں سب برحق تھے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے معین تعداد ذکر نہ کی جائے ؛ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ کم تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں زائد ہوں ، یا ایسا نہ ہو کہ یہ زائد تعداد پر ایمان لائے اور واقع میں کم ہوں۔

پہلی صورت میں کئی انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت میں جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم آئے گا اسلئے دونوں صورتوں میں خرابی آتی ہے لہذا یہی بہتر صورت ہے کہ یہ ایمان رکھے : ” اے اللہ تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر میرا ایمان ہے اور وہ برحق ہیں “۔

(از شرح عقائد)

تنبیہ :

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد کا ہمیں یقین نہیں کیونکہ روایات مختلف ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی علم نہیں تھا اسی طرح تفصیلاً انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو نہ ذکر کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ پر بذریعہ وحی کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات ظاہر نہیں کئے گئے اگر بذریعہ وحی آپ کو خبر دی جاتی تو ہمیں بھی علم حاصل ہوتا۔ یہ درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اپنے علم کا یہ عالم ہے۔

” اَنَّهُ ﷺ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَلَّمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيعِ مَغِيبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَلَكِنْ اَمْرٌ بِكُمْ اَشْيَاءُ مِنْهَا “

(صاوی، حاشیہ جلالین ص ۹۰ ذیل آیت یسئلونک عن الساعة ابان مرہا)

بیٹک نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے تمام غیبی علوم عطا فرمادیے ، البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔



## رسولوں اور آسمانی کتابوں کی تعداد :

تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض زیادہ مرتبہ والے نبی ہوئے ہیں جن کو رسول کہا جاتا ہے ان رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے اور آسمانی کتابوں کی تعداد کل ایک سو چار (۱۰۴) ہے۔ چار کے مستقل نام ہیں : تورایت، انجیل، زبور، قرآن پاک اور ایک سو کے مستقل نام نہیں بلکہ ان کو صحیفے کہا جاتا ہے۔

## نبی کسے کہا جاتا ہے ؟

نبی کا لفظ یا تو ”نباۃ“ سے بنا ہے جس کا معنی ہوتا ہے بلندی مرتبہ اور یا یہ لفظ بنا ہے ”نبا“ (باساکن) سے جس کا معنی ہوتا ہے خبر دینا ظاہر کرنا۔ اور یا یہ لفظ بنا ہے ”نباۃ“ (باساکن اور تاء زائد) سے جس کا معنی ہوتا ہے مخفی آواز۔

پہلے معنی کے لحاظ پر نبی کو ”نبی“ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مخلوق سے بلند مرتبہ رکھتا ہے دوسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ حق بات کو ظاہر کرتا ہے اور غیبی خبریں دیتا ہے اور تیسرے معنی کے لحاظ سے کہ وہ وحی کو سنتا ہے جو آواز دوسروں پر مخفی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ اصل میں نبیء (مہموز اللام بروزن فعیل) ہو تو اس وقت معنی ہوتا ہے راستہ، اس صورت میں نبی کو نبی کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے جس طرح راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح انبیائے کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور منزل مراد کو پانے کا ذریعہ اور واسطہ ہوتے ہیں۔

(ازنبراس بر شرح العقائد النسفی)

یہ تو لفظ ”نبی“ کے لغوی معنی تھے جو سب کے سب نبی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر نبی کی تعریف یہ ہے کہ :

”بنی آدم سے ہو، یعنی انسان ہو، مذکر ہو، آزاد ہو، اس کی طرف وحی آئے اور لوگوں تک اللہ کے احکام پہنچائے، نیک لوگوں کو جنت کی بشارت دے اور کفار کو جہنم سے ڈرائے اور معجزات کے ذریعے اس کی نبوت کو تائید حاصل ہوتی ہے۔“



”رسول“ کا معنی پیغام پہنچانے والا۔ بھیجا ہوا۔ لیکن اصطلاح میں رسول اسے کہتے ہیں: جسے کتاب بھی عطا ہو یا پہلی شریعت پر عمل کرنا ختم ہو چکا ہو تو اسے پہلی شریعت کی تجدید کا حکم دیا جائے۔ ہر رسول نبی ضرور ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

تمام رسولوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے تقویت پہنچائی جاتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزہ کسے کہتے ہیں؟

معجزہ :-

عادت کے خلاف آلات کے واسطے کے بغیر مدعی نبوت سے بعد از اعلان نبوت کسی کام کا خلاف عادت سرزد ہونا ”معجزہ“ کہلاتا ہے۔ عادت کے مطابق کام کرنے کا نام معجزہ نہیں، جیسے تیز دوڑ کر دوسروں سے آگے نکل جانا، تیز نظر والے شخص کا کسی چیز کو اتنے دور سے دیکھ لینا کہ عام آدمی کو نظر نہ آئے۔ اس قسم کے کام معجزہ نہیں کہلاتے۔

آلات کے واسطے سے عادت کے خلاف کام کرنے کا نام بھی معجزہ نہیں۔ ٹیلیفون کے ذریعے دور دراز بات کر لینا، ٹیلیویشن کے ذریعے کسی کی شکل دیکھ لینا وغیرہ اس قسم کے کام معجزات نہیں۔ معجزہ صرف نبی سے عادت کے خلاف ہونے والے کام کا نام ہے۔ غیر نبی نے کوئی کام حیرت انگیز کر دیا ہو تو اسے معجزہ کہنا جہالت و دیوانگی ہے، جیسے آج کے دور میں عام کاموں کو معجزہ کہنا اکثر پڑھے لکھے بے وقوفوں میں رواج پا چکا ہے جو سراسر باطل ہے۔

ارہاس :

اعلان نبوت سے پہلے نبی سے عادت کے خلاف کوئی کام سرزد ہو تو اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ”ارہاس“ کہا جائے گا جیسے حضور نبی کریم ﷺ کو اعلان نبوت سے پہلے ہی پتھر سلام کیا کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چمن میں کلام فرمایا۔

کرامت :

اللہ کے ولی سے کوئی کام عادت کے خلاف واقع ہو تو اسے ”کرامت“ کہا جائے گا۔



معونت :

عام موئن جو ولی نہیں اور فاسق بھی نہیں تو اس سے کوئی کام عادت کے خلاف ہو تو اسے ”معونت“ کہا جائے گا۔

استدراج :

کافر یا فاسق کے ہاتھوں شعبہ بازی کا مظاہرہ، عادت کے خلاف کام کرنے کو ”استدراج“ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی وجہ سے جہنم کی آگ میں پہنچ جاتا ہے۔ استدراج کا مطلب ہو گا آگ کی طرف پہنچانا یہ اس وقت ہے جب یہ کلام اس کی غرض کے مطابق واقع ہوں۔

اہانت :

کافر سے کوئی کام عادت کے خلاف سرزد ہو لیکن اس کی غرض کے خلاف ہو تو اسے ”اہانت“ کہتے ہیں جیسے مسلمانہ کذاب نے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہا تو کلی کر کے پانی کنوئیں میں ڈالا تو وہ نمکین اور کڑوا ہو گیا ایک شخص کی ایک آنکھ ضائع تھی اس پر ہاتھ پھیر کر درست کرنا چاہا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سحر (جادوگری) :

شریر لوگ اپنے خاص اعمال کے ذریعے شیاطین کی امداد سے کئی کام عادت کے خلاف واقع کرتے ہیں یہ ”سحر“ یعنی جادوگری ہے۔

تنبیہ :

مخالفین کے چیلنج اور مطالبہ پر اور نبی کے دعویٰ پر معجزہ کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے لیکن کرامت کا وقوع ضروری نہیں۔

کون نبی نہیں ہو سکتے ؟

”مؤنث“ کو نبی نہیں بتایا گیا کیونکہ تبلیغ دین ان سے ممکن نہیں، نبی کو گھر سے باہر مردوں کے ہجوم اور مجالس میں احکام الہیہ پہنچانے ہوتے ہیں یہ کام مؤنث سے نہیں ہو سکتے۔



”غلام“ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام دوسرے لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتا ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا اسلئے اس سے تبلیغ احکام دین ممکن نہیں۔

جن اور فرشتے نبی نہیں بنائے گئے۔ جنس کا جنس سے فائدہ حاصل کرنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن دوسری جنس سے فائدہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے اسلئے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نبی کا انسان ہونا ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ (الانعام ۹)

اگر ہم نبی کو فرشتہ بناتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے

یہ ان کفار کو بتایا گیا ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بٹھ کر ایمان سے محروم ہوتے تھے کہ ہم اس پر ایمان کیوں لائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی تعلیم سے فیض حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کو انسانی شکل میں بھیجا جائے تاکہ وہ لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ اگر فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے اصلی شکل میں دیکھنے کی انسانوں میں طاقت ہی نہ ہوتی اگر فرشتہ کو نبی بنایا بھی ہوتا تو انسانی شکل میں ہی آتا تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کر سکتے۔

نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں :

امام مہتممی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”ذهب طائفة من محققى الفقهاء والمتكلمين الى العصمة من الصغائر

كالعصمة من الكبائر“

(نبراس ص ۴۵۳)

فقہائے کرام اور متکلمین میں سے محققین کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جس طرح قبل از نبوت اور بعد از نبوت کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہیں۔



انبیائے کرام اخلاقِ عظیمہ کے مالک ہوتے ہیں :-

انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اعلانِ نبوت سے پہلے بھی ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق عطا کئے ہوتے ہیں تاکہ لوگ ان کے ماضی حال مستقبل پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں، یعنی یہ پاکیزہ اخلاق ان کو تمام اوقات میں حاصل رہتے ہیں۔ شجاعت، بردباری، کریمانہ گفتگو وغیرہ، ہر قسم کے اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں اور رذیل و گھٹیا کاموں سے پاک ہوتے ہیں۔

نفسِ نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں :

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نفسِ نبوت میں یعنی بحیثیتِ نبی ہونے کے برابر ہیں، ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کسی نبی کی نبوت اصلی ہو اور کسی نبی کی نبوت عارضی ہو، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت اصلی ہے۔ کسی نبی کی نبوت عارضی نہیں، ہاں البتہ درجات کے لحاظ سے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

دنیا میں تشریف لانے کے لحاظ سے سب سے پہلے آنے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخر میں تشریف لانے والے سیدنا ونبینا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔





# ﴿حضرت آدم صلی اللہ علیہ السلام﴾

اللہ تعالیٰ کافرشتوں سے مشورہ :

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں سے مشورہ کیا :  
﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾

(البقرة ۳۰)

اور یاد کیجئے ! جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب۔  
مشورہ کرنے کی حکمت :

اللہ تعالیٰ کافرشتوں سے فرمانا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں معاذ اللہ ان سے اجازت طلب کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف مشورہ طلب کرنا تھا اور وہ بھی احتیاجی یا لاعلمی کی وجہ سے نہیں ؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں ، بلکہ مشورہ طلب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس میں فرشتوں اور خلیفہ کا اکرام پایا جائے ؛ کیونکہ رب تعالیٰ کافرشتوں سے مشورہ طلب کرنے میں فرشتوں کی عظمت شان واضح ہوتی ہے اور خلیفہ کے متعلق مشورہ کرنے میں خلیفہ کی عظمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق سے پہلے ہی اس کا نورانی مخلوق میں ذکر ہو رہا ہے۔

حدیث مرفوع :

”ان ربی تبارک و تعالیٰ استشارنی فی امتی“

(مسند احمد ج ۵ ص)

”بیشک میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا“

یہ مشورہ طلب کرنا بھی اسی حکمت کے پیش نظر تھا کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ کی امت کی عزت افزائی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی یا احتیاجی کے طور پر معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے مشورہ نہیں کیا۔  
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا :



﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

”آپ ان سے امور میں مشورہ کریں“

یہاں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ آپ صحابہ کرام کے مشورہ کے محتاج تھے بلکہ صحابہ کرام کی عزت افزائی کے لئے مشورہ کا حکم دیا گیا۔

(از تبیان)

اور اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کر لیا کریں۔

اعتراض :

خلیفہ کا مطلب ہے پیچھے آنے والا اور نائب خلیفہ کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اصل خود اپنے کام کرنے سے عاجز ہو، اصل کا عاجز ہونا یا اس کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے، یا اس کے غیب ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا مرض، تھکان وغیرہ کی وجہ سے۔ ان تمام معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنانا درست نہیں۔ وہ حی لا یموت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اس پر موت کے وقوع کا تصور کرنا بھی محال ہے، وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ کہیں دور چلا جائے، غیب ہو جائے، یہ ہونا بھی ممکن نہیں کہ وہ مریض ہو جائے، تھک جائے، عاجز ہو جائے، یہ بھی ناممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب :

یہاں خلیفہ کا معنی پیچھے آنے والا نہیں بلکہ نائب ہے، یعنی اللہ کا نائب ہو کر زمین و آسمان کی اشیاء میں تصرف کرنے والا ہو۔ نائب بنانے کی ضرورت بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں تھی، وہ محتاج نہیں بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانا تھا انہیں محتاجی تھی، اسلئے کہ انسان بہت زیادہ کدورتیں اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت مقدس ہے، فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے جب مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں، مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی، تو



اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام کیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بعثت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچا دیں۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے ہڈیاں سخت ہیں گوشت نرم ہے ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔

(بیضاوی و شیخ زادہ)

نکتہ :

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے متعلق جو مشورہ کیا اس سے مراد صرف آدم علیہ السلام نہیں اور آپ کی تمام اولاد بھی مراد نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بعض حضرات جو اس خلافت کے منصب کے اہل ہوں گے یہ سب مراد ہیں اور وہ افراد آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ تک پیدا ہونے والے تمام انبیاء و رسل کرام ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام تمام کے تمام فرداً فرداً معصوم ہیں، لیکن صدیقین، اولیاء، صالحین فرداً فرداً تو معصوم نہیں، البتہ اجتماعی طور پر معصوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اجتماعی فیصلہ امت کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس میں یہ استعداد پائی جائے تو خود واضح ہوا کہ عورت کی فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیمہ اس قابل نہیں کہ جمعہ یا باقی نمازوں کی امامت یا خلافت یعنی حاکمیت اس کے سپرد کی جائے۔ ”عورت“ اپنی فطرتی اور طبعی کمزوری کی وجہ سے یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی۔

خلیفہ بنانے کا مقصد :

خلیفہ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اللہ کے احکام مخلوق تک پہنچائے اور رب تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا



نظام جاری کرے، مسلمانوں کی اکثریت جب اس نظام کو چاہنے والی ہو تو امت مسلمہ کو کفار پر غلبہ رہتا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنے ایمان اور اعمال میں کامل ہوں، کامل ایمان کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو اور اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کامل اور غالب ہو۔

### مسلمانوں کی زیوں حالی کی وجہ :

خلافت راشدہ عادلہ کے بعد مسلمانوں پر دنیا کی محبت غالب آگئی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ نہ رہی، دنیا کی محبت کی وجہ سے موت سے ان کے دلوں میں کراہت پیدا ہو گئی اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا جذبہ کامل نہ رہا، جس کی وجہ سے امت مسلمہ بد حالی کا شکار ہو گئی، غیروں پر اس کو غالب رہنے کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔

سنن ابی داؤد اور شہقی کی حدیث میں امت مسلمہ کی اس بد حالی کا ذکر نہایت ہی المناک صورت میں وارد ہے حضرت ثوبان سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

”اے مسلمانو ! قریب ہے کہ کافروں کی جماعتیں تم پر حملہ آور ہونے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کسی پیالے میں کھانا رکھا ہو اور اسے کھانے کے لئے ہر طرف سے لوگوں کو بلایا جائے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور ! کیا اس وقت ہم قلیل ہوں گے؟ فرمایا : نہیں، تم اس وقت بہت کثیر تعداد میں ہو گے لیکن تم اس وقت سیلاب کے جھاگ اور اس کے خس و خاشاک کی طرح ہو گے (یعنی ایمانی قوت و شجاعت تم میں باقی نہ رہے گی) اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت اور تمہارا رب دشمن کے دل سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی اور کمزوری پیدا کر دے گا صحابہ کرام نے عرض کیا، حضور بزدلی اور کمزوری کا سبب کیا ہوگا؟ فرمایا :

”حب الدنيا و كراهة الموت“ دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔

ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت کرے گا موت اسے ناپسند ہوگی، عرصہ دراز سے مسلمان اسی بد حالی میں مبتلا ہیں اور موجودہ دور میں یہ بد حالی ایسی خوفناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ اس کے نتائج کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔



خیال رہے کہ ہر دور میں نیک لوگ، اصحابِ علم و تقویٰ رہے ہیں، انہی کے دم قدم سے نظامِ دنیا چل رہا ہے اور دنیا کی بقا ہے۔ لیکن اکثریت جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو کم تعداد میں نیک لوگ بھی ہلاکت کی زد میں آ جاتے ہیں، اگرچہ وہ ہلاکت ان کے لئے عذاب نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے :

”اذا انزل الله بقوم عذابا اصاب العذاب من كان فيهم ثم بعثوا على اعمالهم“

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو نیک و بد سبھی اس میں ہلاک ہو جاتے ہیں پھر جب وہ اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کا اٹھایا جانا اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق ہوگا۔

مسلمان اگر اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی تمنا یہ ہے کہ وہ کافروں پر غالب آجائیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ تمام مسلمان مجموعی طور پر کامل ایمان رکھیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیں، اسی محبت اور کامل ایمان کی وجہ سے جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنی اس عظمتِ دورِ رفتہ کو حاصل نہ کر لیں جو صحابہ کرام کے دور میں کفار پر مسلمانوں کو حاصل تھی، کہ مسلمانوں کی ہیبت سے کفار کے اعضاء پر کپکپی طاری ہوتی۔

(از تیان)

اللہ تعالیٰ کے مشورہ طلب کرنے پر فرشتوں کا تعجب سے سوال :

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ طلب کیا تو فرشتوں نے تعجب کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے سوال کیا :

﴿ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ

لَكَ ﴾

(البقرة ۳۰)

کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلانے اور خونریزیاں کرے؟ اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔

فرشتوں نے رب تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مخالفت کی بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پہلے



ہی یہ علم دے رکھا تھا کہ جو خلیفہ میں بنانے والا ہوں اس میں اور اس کی اولاد میں عناصر اربعہ کی آمیزش ہوگی جو ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے، یعنی آگ، مٹی، پانی، ہوا کا مجموعہ ہوگا۔ یہ علم فرشتوں کو رب تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا تھا یا ان پر لوح محفوظ کو منکشف کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ مخالف اور ضد کی چیزیں ملنے سے تو فساد ہی فساد ہوگا، خلیفہ تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ زمین میں بھلائی قائم ہو اور لوگوں کو بھلائی کی راہ پر قائم کیا جائے اور ان کے نفسوں کی تکمیل کی جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کئے جائیں تو جس کی بناء ہی فساد پر ہوگی اس سے یہ کام کیسے ہو سکیں گے؟

”استکشاف عن الحکمة الخفیة او تعجب من ان يستخلف لعمارة الارض  
واصلاحها من یفسد فیها“

(روح المعانی ج ۱، ص ۲۲۱)

”یہ سوال ان کا مخفی حکمت کے پتہ چلانے کے لئے تھا یا اس سوال پر تعجب کرتے ہوئے تھا کہ جو فساد پھیلانے والے ہوں گے ان سے زمین کو آباد کرنا اور اس میں صلاحیت پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔“

خیال رہے کہ یہ فرشتوں کی اجتہادی خطاء تھی کہ انہوں نے سمجھا شاید تمام انسان ایسے ہوں گے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہونے کی وجہ سے اور نیک و پارسا، صالح و متقی لوگ اللہ کی حفاظت میں ہونے کی وجہ سے فساد برپا کرنے سے پاک ہیں۔

فرشتوں کے خیال کے مطابق ان کی تسبیح و تقدیس اور عصمت کے پیش نظر وہ خلافت الہیہ کے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قسم کے قصور علم کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ یعنی اے میرے فرشتو! میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ محض تسبیح و تقدیس معیار خلافت نہیں اور نہ ہی مختلف اور ایک دوسرے کی ضد عناصر سے مرکب ہونا منصب خلافت کے منافی ہے۔ بلکہ خلافت کا معیار یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ جن چیزوں کا غیروں کو حکم دے ان پر خود بھی عمل کرے، اسلئے سارے انسان فساد اور ناحق خونریزی کرنے کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوں گے، ان میں معصوم بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے حقدار ہوں گے۔



## آدم علیہ السلام کے علوم :

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

(البقرة ۳۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور ابن جریر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے :

”علمہ أسماء جميع الأشياء حتى القصعة والقصيعة“

(تفسير أبي السعود ج ۲، ص ۸۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا یہاں تک کہ بڑے اور چھوٹے پیالے کے نام بھی بتائے۔

”وقيل المراد بها اسماء ما كان وما يكون الى يوم القيامة وعزى الى ابن عباس رضي الله عنهما“

(روح المعاني ج ۱، ص ۲۲۷)

بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف قول منسوب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ”ماکان وما یکون“ (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے) کا علم عطا فرمایا۔

پہلے معنی اور اس معنی کے لحاظ سے مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں اور ان کے ناموں کا علم عطا کر دیا خواہ وہ پہلے پائی جا چکی ہیں یا بعد میں پایا جاتا ہے۔

”وقال الإمام المراد بالأسماء صفات الأشياء ونعوتها وخواصها“

(روح المعاني ج ۱، ص ۲۲۴)

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ کو تمام چیزوں کی صفات اور نعمتیں اور خواص تک کا علم عطا فرما دیا گیا تھا۔

”وعلمه أحوالها وما يتعلق بها من المنافع الدينية والدنيوية“

(البحر المحيط ج ۱، ص ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے احوال اور ان سے دینی یا دنیوی منافع جو متعلق ہیں ان



تمام کا علم عطا فرما دیا تھا۔

ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھادی گئیں، اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ملائکہ کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا، اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ستاروں کے ناموں پر مطلع فرما دیا گیا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی کا قول نقل کیا :

..... ”اسماء ہ تعالیٰ“ کہ اس آیت کریمہ میں اسماء سے مراد اسماء الہیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میرے نزدیک حق یہ ہے اور تمام اللہ والے بھی اسے ہی حق مانتے ہیں اور منصب خلافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا کیا گیا ہے۔

”وہو انہا اسماء الاشیاء علویۃ او سفلیۃ جوہریۃ او عرضیۃ ویقال لہا

اسماء اللہ تعالیٰ عندہم باعتبار دلالتہا علیہ وظہور فیہا غیر متقید بہا“

(روح المعانی ج ۱، ۲۲۴)

وہ اشیاء خواہ علوی ہوں یا سفلی جوہری ہوں یا عرضی، ان تمام کے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی کہا جاتا ہے؛ کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذات پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے تمام اشیاء سے ظاہر ہوتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ ان میں مقید نہیں ہوتا۔

آدم علیہ السلام کو نام سکھائے، فرشتوں کو نہیں، کیا وجہ؟

الفاظ کے ذریعے معانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس کے پڑھانے والے کو معلم کہتے ہیں اور پڑھنے والے کو متعلم صرف معلم کے پڑھانے سے متعلم کو علم حاصل ہونا ضروری نہیں بلکہ متعلم میں استعداد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی متعلم میں سمجھنے کی صلاحیت ہو تو معلم کی تعلیم کا اس پر اثر ہو گا، یہ روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں، ایک ہی کلاس کے لڑکوں کو استاد پڑھاتا ہے سب کو یکساں پڑھا رہا ہوتا ہے لیکن پھر کوئی لائق ہوتا ہے اور کوئی نالائق، اللہ تعالیٰ نے بھی جب آدم علیہ السلام کو منصب خلافت عطا کرنا تھا تو آپ کو پہلے تمام اشیاء اور ان کی کیفیات اور ان کے ناموں کو سمجھنے کی استعداد بھی عطا فرمائی، لیکن فرشتوں کو ہر چیز کے حالات کی تفصیل کو سمجھنے کی استعداد عطا نہیں ہوئی تھی کیونکہ ان کو منصب خلافت پر فائز کرنا مقصود ہی نہیں تھا۔



آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا ؟

” ومعنی تعلیمہ اسماء المسمیات انه تعالى اراه الاجناس التي خلقها وعلمه ان هذا اسمه فرس و بعیر وهذا اسمه كذا “

(تفسیر مدارك التنزیل ص ۲۵)

آپ کو تمام چیزوں کا علم دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے ایک ایک جنس آپ کو دکھادی اور اس کا نام بتادیا مثلاً گھوڑا دکھا کر بتایا گیا کہ اسے گھوڑا کہتے ہیں اور اونٹ دکھا کر بتایا گیا کہ اسے اونٹ کہتے ہیں اسی طرح ایک ایک چیز دکھا کر اس کے نام بتادیئے گئے۔

” واختص آدم بمعرفة الاسماء بجميع اللغات و تلك اللغات تفرقت في اولاده “

(صاوی حاشیہ جلالین ص ۸)

آدم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو تمام چیزوں کے نام ہر زبان میں بتادیئے گئے تھے اور وہی زبانیں آپ کی اولاد میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یعنی ایک چیز کا نام آپ نے ہر زبان میں بتایا جو زبانیں بھی ایجاد ہونی تھیں آپ کو ان کا علم پہلے ہی عطا کر دیا گیا۔

فائدہ :

جب آدم علیہ السلام کو ” ماکان وما یکون “ کا علم دیا گیا، ہر چیز کے نام ہر زبان میں سکھائے گئے تو سید الانبیاء ﷺ کے علم کا مقام کیا ہوگا ؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ..... ﴿الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ کا ترجمہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا۔

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ” ماکان وما یکون “ کا بیان انہیں سکھایا ۔

(کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت نے نبی کریم ﷺ کو انسانیت کی جان کہا : حضرت علامہ آلوسی نے ..... ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں تحریر فرمایا.....

”العالم جسد و روحه النبوة ولا قيام للجسد بدون روحه“

(روح المعانی)



تمام جہان ایک جسم ہے اور نبی کریم اس کی روح ہیں، جسم کا قیام بغیر روح کے ممکن نہیں، اس سے پتہ چلا کہ حضور نبی کریم ﷺ کائنات کی جان ہیں۔

اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے یہ واضح ہوا کہ ..... علمہ البیان ..... کا مطلب یہ ہے کہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والثناء کو ”ماکان وما یکون“ کا علم عطا کیا گیا، اس پر علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام البیان کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

”علمہ البیان وعن ابن عباس وایضا عن ابن کيسان الانسان ههنا یراد به محمد ﷺ“

یعنی علمہ البیان میں ضمیر منصوب کا مرجع الانسان ہے اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔  
”والبیان بیان الحلال والحرام والهدی من الضلال وقیل ماکان وما یکون  
لانه بین عن الاولین والآخرین ویوم الدین“

(تفسیر قرطبی)

اور علمہ البیان میں بیان سے مراد یا تو حلال و حرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یا جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد ماکان وما یکون کا علم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اولین و آخرین اور قیامت کا ذکر فرمادیا ہے یعنی جب آپ نے جمیع گزرے ہوئے اور آنے والے اور واقعات قیامت سے مطلع فرمادیا تو آپ کو ماکان وما یکون کا علم حاصل ہے۔

میں نے اردو تراجم قرآنی کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں بہت سی تفاسیر کی عبارات نقل کر کے واضح کیا کہ سارے تراجم میں سے یہاں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ہی باکمال ہے۔

علم کے فضائل عقلیہ و نقلیہ :

تفسیر کبیر اور عزیزی کے حوالہ سے علم کے فضائل پر مختصر بحث پیش خدمت ہے :

فقہ ابو لیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : کہ عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں خواہ اس سے علم حاصل کرے یا نہ کرے۔

(۱) وہ شخص طالب علموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا ثواب پاتا ہے۔



- (۲) جب تک اس مجلس میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا۔
- (۳) جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے ہر قدم پر نیکی پاتا ہے۔
- (۴) علم کے حلقے میں رحمت الہی نازل ہوتی ہے جس میں یہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔
- (۵) علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔
- (۶) وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اسکی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک منکسر القلوب (دل ٹوٹا ہوا جو رحمت کا مستحق ہوتا ہے) میں شمار کیا جاتا ہے۔
- (۷) اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔
- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہے :
- (۱) ”علم“ پیغمبروں کی میراث اور ”مال“ فرعون، هامان، شداد اور نمرود کی
- (۲) مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم بڑھتا ہے
- (۳) مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے لیکن علم خود انسان کی حفاظت کرتا ہے
- (۴) مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم دین قبر میں ساتھ ہوتا ہے
- (۵) مال مومن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن دین کا نفع (یعنی قبر و حشر میں کامیابی) صرف ایماندار کو ہی حاصل ہوتا ہے۔
- (۶) کوئی شخص بھی عالم سے بے پرواہ نہیں لیکن بہت سے لوگوں کو مالداروں کی ضرورت نہیں
- (۷) علم سے پل صراط پر گزرنے کی قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری۔
- سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بہت بڑے فوائد حاصل ہوئے :
- (۱) حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر بزرگی دی گئی اور فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔
- (۲) حضرت خضر علیہ السلام ..... ان کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ نبی ہیں یا ولی ..... کے علم کی وجہ سے ان کی اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور کچھ اشیاء کے ظاہر و باطن کا فرق واضح ہوا



(۳) یوسف علیہ السلام علم کی وجہ سے خواب کی تعبیر بیان کرنے پر قید خانہ سے نکل کر شاہی دربار میں پہنچ کر وزیر خزانہ اور تمام بادشاہی کاموں کے مدیر مقرر ہو گئے۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم کی وجہ سے بلقیس جیسی ملکہ بحیثیت زوجہ ملی، اور اسے بھی آپ کے علم کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا۔

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام کو علم کی وجہ سے منصب نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہی بھی حاصل رہی۔

(۶) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ حضرت مریم کی تہمت کو علم کی وجہ سے ہی دور فرمایا

(۷) حضور نبی کریم ﷺ کو تمام کائنات عالم سے زیادہ علوم عطا فرما کر خلافت الہیہ اور شفاعت کبریٰ کے درجہ رفیعہ پر متمکن فرمایا۔

قرآن پاک میں سات چیزوں کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کے برابر نہیں :

(۱) عالم اور جاہل برابر نہیں۔ (۲) خبیث اور طیب یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں۔

(۳) دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔

(۴) اندھا اور آنکھ والا یعنی علم اور ایمان والا اور ان سے خالی برابر نہیں۔

(۵) ظلمت اور نور یعنی علم اور ایمان کی نورانیت اور ان سے خالی ہونے کی وجہ سے حاصل ہونے والی تاریکی برابر نہیں۔

(۶) سردی اور گرمی برابر نہیں (۷) زندے اور مردے برابر نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں سے قائم ہے۔

(۱) عالم باعمل سے۔ یعنی علم دین کے حاصل کرنے کے بعد اس کے اعمال بھی احکام دینیہ کے مطابق ہوں۔

(۲) ایسے جاہل لوگوں سے جو علماء سے محبت رکھتے ہوں، یقیناً علماء کی صحبت کی وجہ سے انہیں نیکی کے کاموں کی رغبت حاصل ہوگی اور علوم دینیہ کے مسائل سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوں گے

(۳) سخاوت کرنے والے مالداروں سے یعنی مالدار جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے وہ بھی بلند



مرتبہ رکھتا ہے جو نظام دنیا کے قائم رہنے کا سبب ہے۔

(۴) اور غریب لوگ جن کے پاس مال تو نہیں لیکن وہ تھوڑے مال اور محنت و مشقت پر صبر کرنے والے ہوں یعنی صابر فقیر کے دم سے بھی دنیا قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (سورۃ فاطر ۲۸)

بیشک اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔

اس آیت میں جب لفظ اللہ پر پیش ہو اور لفظ علماء پر زبر ہو تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے علماء کو عزت و وقار عطا فرماتا ہے۔ ”انما یبجل اللہ من عبادہ العلماء“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا : جب علم دین پڑھانے والا شخص فوت ہوتا ہے تو اس پر فضا سے پرندے زمین کے تمام جانور، دھیواؤں میں رہنے والی مچھلیاں روتی ہیں۔

حضرت عامر جھنی رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں کہ :

” قیامت کے دن علم دین پڑھنے والے طالب علم کی سیاہی اور شہید کے خون کو لایا جائے گا۔ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہوگی“

حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا :

” اے بیٹے علم حاصل کرو اگر تمہارے پاس مال بھی ہوا تو علم تمہارا جمال ہو گا اور اگر تمہارے پاس کوئی مال نہ ہوا تو علم ہی تمہارا مال ہو گا۔“

نوٹ : علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فضیلت علم میں اس مقام پر بہت طویل بحث کی ہے، مختصر طور پر کچھ ذکر کیا گیا ہے۔

(کیر ج ۲ ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۵)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش :

﴿ فَاَنَّا خَلَقْنَا كَم ..... اٰی اَصْلٰکُمْ اٰدَم ..... مِنْ تَرَابٍ ﴾

(پ ۱۷ . ۸ جلالین)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بے شک ہم نے تمہارے اصل آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔



﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۱۰﴾

(سورۃ ص ، جلالین)

یاد کرو اس وقت کو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا بیشک میں ایک بشر کچڑ سے بنانے والا ہوں اس مراد آدم علیہ السلام ہیں۔

اس مقام پر بشر سے مراد ایسا انسان جو ظاہر چمڑے والا ہوگا، اس پر بھیڑوں کی طرح اون نہیں ہوگی بھریوں کی طرح بال نہیں ہوں گے، اونٹوں کی مجلسی (اون) کی طرح بھی اون نہیں ہوگی پرندوں کے پروں کی طرح پر نہیں ہوں گے اور پھلوں کی طرح اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوگا۔

﴿اِنَّا خَلَقْنَا هُم مِّنْ طِیْنٍ لَّاۤرِبَ﴾ (سورۃ صافات ۱۱)

بیشک ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا،

”انا خلقنا ہم ای اصلہم آدم“

(جلالین)

یہاں بھی مراد انسانوں سے ان کے اصل آدم علیہ السلام ہی ہیں۔

”ولقد خلقنا الانسان آدم من صلصال طین یابس تسمع له صلصلة ای

صوت اذا نقر من حمبا طین اسود مسنون متغیر“

(ب ۱۴، ۲، جلالین)

بیشک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک متغیر کچڑ سے پیدا کیا صلصال اس کچڑ کو کہتے ہیں جو خشک ہو جائے کھٹکانے پر اس سے آواز آئے، سیاہ کچڑ کو ”حما“ کہتے ہیں۔ جسکی بو میں تغیر آجائے اس ”مسنون“ کہتے ہیں۔

”خلق الانسان آدم من صلصال طین یابس یسمع له صلصلة ای صوت

اذانقر کالفخار وهو ما طبخ من الطین“

(ب ۲۷، ۱۱، جلالین)

”انسان یعنی آدم کو خشک بجنے والی ٹھیکری کی طرح کے کچڑ سے پیدا کیا۔“

ان آیات سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے لئے پہلے خشک مٹی کو لایا گیا پھر اسے گوندھ کر کچڑ بنایا گیا پھر چپکنے والی مٹی بنایا گیا پھر اسے اسی طرح رہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ خشک ہو گئی اور بجنے لگی اور اس کی بو میں بھی تغیر آگیا پھر اور زیادہ رکھنے پر ٹھیکری کی طرح ہو گئی۔



## جسم آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لی گئی :

آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کی تخلیق کے لئے مٹی لانے کیلئے حضرت جبرائیل کو زمین پر بھیجا گیا آپ جب تشریف لائے تو زمین سے مٹی لینے کا ارادہ کیا تو زمین نے بڑی عاجزی و انکساری اور گریہ وزاری سے عرض کیا کہ میری مٹی سے بننے والے شخصوں نے اگر خونریزیاں کیں یا وہ جرائم کی وجہ سے جہنم میں گئے تو مجھے تکلیف ہوگی۔

حضرت جبرائیل زمین کی عاجزی کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور تمام ماجرا بیان کر دیا اسی طرح اسرافیل بھی آکر واپس چلے گئے اور میکائیل بھی آکر واپس چلے گئے۔ ان تمام کے بعد عزرائیل آئے ان کی خدمت میں بھی زمین نے وہی عاجزانہ گفتگو کی لیکن آپ نے کہا کہ میں تیری بات تسلیم کروں یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کروں ؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اسلئے میں نے تو مٹی ضرور ہی لے کر جانا ہے، آپ نے زمین کی انکساری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق زمین سے مٹی لے کر رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنا بھی ان کے سپرد کیا کہ ایسا نہ ہو کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل میں سے کسی کے ذمہ لگایا تو روح قبض کرنے کے لئے جائیں تو اس کے اقربا کو روتے ہوئے پا کر اسی طرح چھوڑ کر نہ آجائیں۔

(از تفسیر عزیزی)

## کیسی مٹی لی گئی ؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مرفوع حدیث مروی ہے :

”ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلك واسهل والحزن والخبث والطيب“

(حاشیہ جلالین ۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے آؤ اس مٹی میں ہر قسم کے ذرات شامل کئے گئے سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور ان کے درمیان رنگ والی مٹی



لی گئی۔ اسی طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے ایسے ہی طیب و خبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے۔

بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ قسم کے رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔  
(تفسیر صادی علی الجلالین)

## زمین میں چشمے کیوں جاری ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا کہ میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا، یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا اے اللہ مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا ہاں تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔

(صادی علی الجلالین ص ۸)

## انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا و مروہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو، یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی، انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اس لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھٹکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔

(از تفسیر عزیزی)

## آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے :

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے ارد گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے، ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی، ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا، وہ بھی



اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا ، تم اس پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے ، اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر کہنے لگا : ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کو ٹھڑی ہے ، یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے ؟ شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا ہو۔

(تفسیر نعیمی ج ۱، ص ۲۵۰)

## آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کا دخول :

اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا کہ اس قالب میں داخل ہو جا اور تمام حصوں میں پھیل جا جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے رک گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ تب نور مصطفیٰ ﷺ سے وہ قالب جگمگادیا گیا ، یعنی وہ نور آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آپ کو چھینک آئی اور زبان میں پہنچی تو آپ نے الحمد للہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابو محمد ! (یہ اور ابو البشر آپ علیہ السلام کی کنیت ہے) میں نے تمہیں اپنی حمد کے لئے ہی پیدا کیا ہے ۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ نے اٹھنا چاہا لیکن آپ گر پڑے کیونکہ روح ابھی نیچے والے حصہ میں نہیں پہنچی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿خلق الانسان من عجل﴾ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ۔ (الانبیاء، ۲۷)

پھر روح تمام جس میں پھیل گئی تو آپ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو سلام کرو ! آپ نے کہا : السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یہ ہی آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے سلام کا طریقہ ہوگا ۔ آپ نے عرض کیا ، میری اولاد کون سی ہوگی ؟ تو آپ کی تمام اولاد کو آپ کے سامنے کر دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا اور



آپ کی اولاد کو نکال ظاہر کیا پھر فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں کا عمل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ کی پیٹھ پر پھیرا اور آپ کی باقی اولاد کو ظاہر فرمایا اور رب نے کہا کہ ان لوگوں کو میں نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے یہ جہنمیوں والے عمل کریں گے۔

(خازن ج ۱، ص ۴۶، نعیبی ج ۱ ص ۲۵۰، ترمذی ابو داؤد، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ۲۶)

**فائدہ:** سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گوڑوی فرماتے ہیں:

حضرت الشیخ نے فتوحات کے متعدد مقامات میں اشعار تحریر فرمائے ہیں ان میں سے ایک [کھجور کو مخاطب کر کے] ..... مصرعہ یہ ہے:

”یا اخت عمتی المعقولة“

..... اس مصرع کا لفظی معنی یہ ہے کہ: ”اے میری بہن بلکہ میری پھوپھی کہ تو معقولہ ہے۔“

یہ اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں ہے:

کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے کچھ مٹی باقی رہ گئی جس سے کھجور کا درخت بنایا گیا، لہذا کھجور کا درخت آدم علیہ السلام کی بہن اور ہماری پھوپھی ٹھہرا۔ جب اس کی خلقت کے بعد کچھ مٹی بمقدار ایک دانہ تل باقی رہی تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک زمین نہایت وسیع پیدا فرمائی کہ ساتوں آسمان اور زمینیں اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے صحرا میں ایک حلقہ، اس کو ارض حقیقی بولتے ہیں۔ اس جہاں را آن جہانے دیگر است۔ اس جہان کے مقابلے میں وہ جہان ہی اور ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہی داخل ہوتے ہیں اور اس کا علم بھی ان کو ہی حاصل ہے۔

(از ملفوظات مہریہ ص ۱۷)

**فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم:**

آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ: فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تم نے میرے خلیفہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں پر تمام چیزوں کو پیش کر کے ان کے نام پوچھے، جب فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا تو پھر آدم علیہ السلام سے پوچھا آپ نے تمام چیزوں کے نام بتادیئے تو پھر حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:



﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾

(البقرة ۳۴)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو کہا آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوائے شیطان کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں سے ہو گیا۔

فرشتوں کو سجدہ تعظیمی کا حکم دیا گیا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آپ کے بھائیوں نے تعظیماً سجدہ کیا ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام قرار دیا گیا عبادت کی غرض سے سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی شریعت میں جائز نہیں رہا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”الفاء لفائدة مسارعته في الامتثال وعدم تشبثهم فيه“

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۹)

فسجدوا میں لفظ فاء سے یہ ثابت ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے میں جلدی کی کسی قسم کی تاخیر نہیں کی۔

تاہم پھر بھی سب سے پہلے سجدہ حضرت جبرائیل نے کیا پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر عزرائیل علیہم السلام نے پھر تمام فرشتوں نے اس لئے حضرت جبرائیل کو سب سے بڑا درجہ عطا کیا یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی خدمت، ان کے پاس وحی لانے کا عظیم کام ان کے سپرد ہوا۔ (خزان العرفان)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سجدہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کیا اسی لئے اس کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔ (روح البیان)

آدم علیہ السلام کو خلیفہ حقیقی کا منظر بنایا گیا :

اگرچہ ظاہر طور پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت سب سے پہلے خلیفہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ کا اپنا ارشاد گرامی یہ ہے :

”كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد“

(ابو نعیم، طبقات ابن سعد، طبرانی، جامع الصغير ج ۲ ص ۹۶)

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی جگہ سے مٹی لے گئے



آب تسنیم سے اسے گوندھا گیا جنت کی نہروں میں غوطے دیئے گئے زمینوں آسمانوں میں پھرایا گیا، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی فرشتوں نے نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ پھر اس مٹی کو آدم علیہ السلام کے جسم سے ملا دیا گیا اور نور محمدی ﷺ سے آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چمکایا گیا۔

(ملخص تفسیر لعالی از خلاصة التفسیر ج ۱ ص ۲۵)

وہی نور محمدی دراصل فرشتوں سے سجدہ کرانے کا سبب بنا تھا۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

”ان الملكة امروا بالسجود لآدم لاجل ان نور محمد ﷺ كان في جبهة آدم“

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۵۵)

یہ ایک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کی پیشانی میں

محمد ﷺ کا نور رکھا گیا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فهو ﷺ على الحقيقة الخليفة الاعظم في الخليفة والامام المقدم في

الارض والسموات العلى ولولا له لما خلق آدم بل ولا ولا“

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۱۸)

یعنی درحقیقت حضور ﷺ ہی اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور

بلند آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ہی ہیں اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ

السلام پیدا ہوتے، نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔

علامہ رازی اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ خلیفہ اعظم حضور ﷺ ہی

ہیں آدم علیہ السلام کی خلافت آپ کی خلافت کا ظہور ہے۔

(تبیان القرآن ص ۱۳۰، ۱۳۱)

فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟

فرشتوں کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا نبی کریم ﷺ کو تمام زمینوں آسمانوں کا علم دیا گیا

تو آپ جانتے ہیں، لیکن آپ نے بھی تعداد کو ذکر نہیں فرمایا، البتہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح

ذکر فرمایا کہ فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

آسمان میں چہ چہ اہٹ پیدا ہوئی اور حق بھی یہی ہے کہ ان میں چہ چہ اہٹ پائی جائے کیونکہ



آسمانوں میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں کہ وہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا رکوع نہ کر رہا ہو، تمام انسان، جن، حیوانات، پرندے، آبی جانور صرف روئے زمین کے مکین فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں، پھر یہ بھی ان تمام کے ساتھ ملا کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں، پھر یہی سلسلہ سات آسمانوں تک پھر عرش کے پردوں کے ساتھ اور حاملین عرش فرشتوں کی تعداد کے مقابلے میں یہ ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابل ایک قطرہ ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۶۱)

## ابلیس کی اصل کیا ہے؟

کچھ حضرات اس طرف ہیں کہ ابلیس فرشتوں سے علیحدہ ہے کیونکہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ نار (آگ) سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ ابلیس جنوں سے تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ اسے سجدہ کا حکم کیسے تھا؟ حالانکہ ظاہر طور پر تو حکم صرف فرشتوں کو ہے۔ تو اس کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں ہی میں داخل تھا اور ان والے احکام ہی اس پر جاری ہوتے تھے۔ یعنی تغلیبنا اس پر حکم جاری ہوا جیسے سرداروں کو حکم دیا جائے تو ان کے ماتحت بھی اس حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ محققین یعنی علامہ بغوی، واحدی، قاضی بیضاوی، علامہ آلوسی اور علامہ رازی رحمہم اللہ تعالیٰ اس طرف ہیں کہ یہ فرشتوں سے ہی تھا، علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

”لا منافاة كونه جناً و كونه ملكاً فان الجن كما يطلق على ما يقابل الملك

يقال على نوع منها“

(روح المعانی)

ابلیس کو اگرچہ رب تعالیٰ نے جن کہا..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی اسے جن کہا گیا..... لیکن جن کہنے سے اس کے فرشتہ ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان میں کوئی منافاة نہیں، اسلئے کہ ”جن“ کبھی تو فرشتوں کے مد مقابل علیحدہ مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور کبھی فرشتوں کی ایک قسم کو بھی ”جن“ کہا جاتا ہے۔

## فرشتوں کو ”جن“ کیوں کہا گیا ہے؟

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: ”لا جتنا نهم و استارهم عن اعین الناس“ اسلئے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ چھپی ہوئی چیز کو ”جن“ کہا جاتا ہے،



اسلئے فرشتوں کو بھی جن کہہ دیا۔

وكونه مخلوقا من نار وهم مخلوقون من نور غير ضار ايضا ولا قاذح ملكية لان النار والنور متحدان المادة بالجنس واختلافهما بالعوارض

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۹، ۲۳۰)

ابلیس کے آگ سے پیدا ہونے اور فرشتوں کے نور سے پیدا ہونے میں بھی کوئی ضرر نہیں اور اس کے فرشتہ ہونے میں اس سے کوئی عیب ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ آگ اور نور کا مادہ ایک ہی ہے۔ ایک ہی جنس سے ہیں البتہ عوارض کے لحاظ پر مختلف ہیں۔ یعنی جس کے ساتھ دھوئیں کی آمیزش ہے وہ آگ ہے اور جو صاف و شفاف ہے وہ نور ہے۔ جس طرح مٹی، ریت، پتھر، سرمہ وغیرہ کا مادہ اور جنس ایک ہے، عوارضات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ابلیس تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا :

اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ ابلیس کا تکبر تھا۔ جب رب تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا حالانکہ میرا حکم تھا؟ تو اس نے جواب دیتے ہوئے یہ کہا :

﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ (الاعراف ۱۲)

میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

یعنی جو شان کے لحاظ سے بڑا ہو وہ گھٹیا کے سامنے (معاذ اللہ) سجدہ نہیں کرتا۔ ابلیس حقیقت میں آدم علیہ السلام کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اللہ کے نبی کی شان فرشتوں سے بلند ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ﴾

(الحجر ۳۴، ۳۵)

تو جنت سے نکل جا ! تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔

سالہا سال تک عبادت کرنے والا، رب کا مقرب، نبی کی شان میں گستاخی کرنے سے ایک پل بھر میں مردود ہو گیا۔ جنت سے نکال دیا گیا۔ قیامت تک لعنت کا مستحق ٹھہرا دیا گیا۔



## شیطان کی درخواست کی منظوری :

﴿ قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ، قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ، قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ، ثُمَّ لَا تَجِدُنِي فِي بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴾

(پ ۸، سورۃ الاعراف ۱۴، ۱۷)

بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں، فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا، پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

شیطان یہ مہلت لوگوں کے اٹھائے جانے تک طلب کرنا چاہتا تھا تا کہ موت کی سختی سے بچ جائے لیکن شیطان کی یہ بات تو نہ مانی گئی البتہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک اس کو مہلت دے دی گئی۔ سورہ نحل میں فرمایا۔

﴿ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴾

بے شک تجھے ایک مقررہ وقت تک یعنی پہلے نفخہ تک مہلت ہے، یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے پر شیطان بھی مر جائے گا، البتہ اس وقت تک اسے مہلت ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہے اور انہیں باطل راہ کی طرف مائل کرتا رہے، اور کچھ لوگوں کو اطاعت سے روک سکے اور گمراہی میں ڈال سکے۔

اگرچہ شیطان انسانوں کو شبہات اور برائیوں میں واقع کرنے کا پکا ارادہ کر چکا تھا اور اسے امید بھی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا لیکن پھر بھی اس نے کہا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ دوسرے مقام پر شیطان نے نیک لوگوں پر اپنا داؤ چلانے سے عاجز ہونے کا یوں ذکر کیا:

﴿ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ ﴾

”بولا اے رب میرے! قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بھلاؤں دوں



گا۔ اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔“

شیطان نے کہا کہ میں لوگوں پر برے اعمال اچھے اور مزین کر کے پیش کروں گا اس طرح وہ میرے بہکانے سے سیدھی راہ سے ہٹ جائیں گے، البتہ اے اللہ تیرے نیک، مخلص اور برگزیدہ بندوں پر میرے ورغلانے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے بھی شیطان کو بتا دیا تھا :

﴿ اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾

(ب ۱۴ سورۃ النحل، آیت ۴۲)

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

شیطانی وسوسہ کے اثر ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے پانچ قسمیں :

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ ”روح“ عالم قدس کی ایک لطیف مخلوق ہے جس میں عالم بالا کے حقائق و کمالات اور تمام منافع پائے جاتے ہیں اور ”جسم“ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسلئے اس میں مادی اثرات اور خصوصیات اور زمین کی مخلوقات والے کمالات پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کی استعداد ہر انسان کو جسم اور روح کے ضمن میں عطاء ہوئی لیکن شیطان نے انسان کو جو اس نعمت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے اس کے نتیجہ میں انسانوں کے پانچ گروہ بن گئے۔

پہلا گروہ :

وہ ہے جو پوری طرح شیطان کے قبضہ میں آکر خلافت الہیہ سے بغاوت کر بیٹھا اس نے خلافت کی استعداد بالکل ضائع کر دی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا دونوں جہانوں کی نیک بختی اور ہمیشہ کی نجات کی راہوں سے دور جا پڑا، کوئی روحانی کمال حاصل کرنے کی اس میں طاقت نہ رہی یہاں تک کہ مادی فوائد جاننے اور انہیں حاصل کرنے سے بھی وہ محروم رہا، یہ وہ لوگ ہیں جو عقل و خرد سے خالی ہیں جاہل، کافر اور مشرک ہیں۔

دوسرا گروہ :

وہ ہے جس میں جسمانی استعداد تو باقی رہی مگر شیطان کے بھٹکانے سے بھٹک گیا اور روحانی استعداد کو



ضائع کر دیا، اس لئے روحانی تقاضوں کو بروئے کار لانے سے وہ محروم ہو گیا۔ معرفت الہیہ تو درکنار اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہو گیا، اس نے صرف جسم اور مادہ کو اپنا مقصد سمجھ لیا اور اپنی بقیہ استعداد کا رخ مادیات ہی کی طرف موڑ دیا، وہ عقلی پیچیدگیوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ بعض نے جدید انکشافات اور مادی ایجادات میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، بیشمار مفید چیزیں ایجاد کیں، فضا میں اڑنے والے طیارے، خلا نور دیارے کے ذریعے زمین و آسمان تک رابطے قائم کر لئے۔ حیرت انگیز آلات ایجاد کر لئے، اب ان کی ترقی کا آخری مرحلہ ہے کہ انہوں نے بنی نوع انسان کی ہلاکت کے لئے ہزاروں میل تک مار کرنے والے میزائل تیار کر لئے۔ ایٹم بم، نیپام بم بنائے، آواز سے زیادہ تیز رفتار ہوائی جہاز تیار کئے جن کے ذریعے چند سیکنڈ میں روئے زمین کو ہلاکت خیز منظر میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور ایٹم بموں کے ذریعے کرہ ارض (زمینی کرہ) کو آنکھ جھپکنے کی مقدار میں اڑا کر تباہ و برباد کر دینا آسان ہے۔ خلافت الہیہ کی وہ استعداد جو بنی نوع انسان کی جسمانی، روحانی، دنیوی اخروی فوائد کے لئے تھی اسے انسانوں کے ہلاک کر دینے والے آلات کے لئے وقف کر دیا گیا۔

اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ان ہتھیاروں کو ایجاد کرنے والے خود اپنے آپ کو ان کی زد میں محسوس کر رہے ہیں انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق ہے کہ ہمارے ہی ایجاد کئے ہوئے آلات نہ معلوم کس وقت ہم پر پھٹ پڑیں اور کرہ ارض کے ساتھ ہم بھی لقمہ اجل بن کر نہ رہ جائیں۔

تیسرا گروہ :

وہ ہے جن میں خلافت الہیہ استعداد تو موجود تھی مگر شیطان کے ورغلانے کا اتنا اثر ان پر ضرور ہوا کہ وہ غفلت اور سستی کا شکار ہو گئے کہ اپنی استعداد کو پوری طرح بروئے کار نہ لائے، یہ وہ عام مسلمان لوگ ہیں جنہوں نے قدرے قلیل جسمانی اور روحانی منافع حاصل کئے، مگر اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں نہ لانے کی وجہ سے روحانیات یا مادیات پر کامل تصرف حاصل نہ کر سکے، بیشک وہ منصب خلافت پر فائز نہیں ہوئے مگر انہوں نے خلافت الہیہ سے بغاوت بھی نہیں کی، یعنی ایمان سے ہاتھ نہیں دھوئے۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اس گروہ میں پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جن پر شیطان کا اثر کم ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن پر شیطان کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اگرچہ ایمان سے دور تو نہیں ہوتے لیکن بہت ہی زیادہ



گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چوتھا گروہ :

اللہ کے ان خاص بندوں کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمائی ہوئی جسمانی روحانی، علمی، عملی پوری استعداد موجود تھی اور شیطان کے بھڑکانے کا ان کی استعداد کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب فرما کر پہلے ہی فرمادیا تھا :

﴿ اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہ ہوگا۔

یہ مقدس گروہ انبیائے کرام اور ان کے متبعین کا ملین پر مشتمل ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی استعداد کو پوری طرح کام میں لا کر خلافت الہیہ کے منصب کو پایا حکمت و مصلحت کے مطابق روحانیت و مادیت پر متصرف ہونے اور خلافت الہیہ کے تقاضوں کو انہوں نے صحیح معنوں میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

پانچواں گروہ :

وہ ہے جس نے اپنے خیال میں صرف روح اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا اور جسمانیات اور مادیات کو نظر انداز کر دیا یہ وہ تارک الدنیا لوگ ہیں جو اپنے اپنے خیال کے مطابق ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے ان میں کچھ وہ ہوتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہوتا ہے وہ شیطان کے بھڑکانے سے محفوظ رہتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے ان کو شیطان نجات کی راہ سے مکمل طور پر ہٹا دیتا ہے اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے کسی نے فائدہ اٹھا کر روحانیت کو حاصل کر لیا البتہ دنیاوی اور مادی منافع سے محروم رہے اور کسی کو اپنے خیال کے مطابق اپنی کی ہوئی ریاضت و مجاہدہ روحانیت ملی اور نہ ہی دنیاوی اور مادی منافع حاصل ہوئے۔

(ماخوذ از تبیان)

شیطان نے اپنی بخشش کا موقع گنوا دیا :

شیطان نے ابتدائی طور پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پیٹھ پھیر کر کھڑا ہو گیا



فرشتوں نے ایک سجدہ پہلے کیا اور پھر اسے کھڑے دیکھ کر دوسرا سجدہ بطور شکر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے وقت میری سفارش بھی کر دینا۔ آپ نے جب رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے کہا ابلیس کو جا کر کہہ دو کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو جا کر سجدہ کر دو تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں گا، یہ کہنے لگا زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اب مردہ آدم کو سجدہ کیسے کروں؟ اس طرح اس نے انکار کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک لاکھ سال کے بعد ابلیس کو جہنم سے نکال کر اور آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر پھر اسے کہا جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیکن یہ پھر انکار کر دے گا اسے پھر جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

(از روح البیان، حاشیہ جلالین ص ۸)

فائدہ :

نبی کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر کی زندگی میں سب سے پہلے مردہ کہنے والا شیطان لعین ہے اب بھی اس کے چیلے، چمچے انبیائے کرام کو مردہ کہہ رہے ہیں، اور جو کام باپ کرے اس کی اولاد وہی کام کرے تو کوئی خاص تعجب کی بات نہیں خواہ حقیقی اولاد ہو یا معنوی اولاد ہو۔

ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں؟

ابلیس کا مردود ہونے سے پہلے سریانی زبان میں نام عزازیل اور عربی زبان میں حارث تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تو ”ابلیس“ نام ہوا جس کا معنی ہے ”خیر سے دور ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا“ اسے شیطان بھی کہا گیا ہے اگر اس کا مادہ شطن ہو تو معنی ہو گا حق سے دور ہونے والا اگر وہ شیطہ سے ماخوذ ہے تو معنی ہو گا ہلاک ہونے والا اور جل جانے والا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۲۹، بیان ج ۱ ص ۱۲۵)

حضرت حوا کی پیدائش :

جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس انکار و تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا



تو آدم علیہ السلام جو خاک سے پیدا ہوئے تھے آپ کا جنت میں کوئی ہم جنس نہ تھا کیونکہ فرشتے علیحدہ جنس تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند کو مسلط کیا پھر آپ کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے سر کے پاس حضرت حوا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ پوچھا کہ کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں عورت ہوں۔ پھر آپ نے کہا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا؟ تو انہوں نے عرض کیا تاکہ مجھ سے سکون حاصل کرو۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا امتحان لینے کے لئے پوچھا یہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ عورت ہے پھر انہوں نے پوچھا اسے امرأۃ (عورت) کیوں کہا گیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا چونکہ یہ مرأ (مرد) سے بنی ہے، پھر انہوں نے سوال کیا اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حوا، پھر انہوں نے کہا اس کا نام حوا کیوں رکھا گیا؟

”قال لانها خلقت من شىء حى“

آپ نے فرمایا کہ زندہ چیز کو ”حی“ کہا جاتا ہے یہ بھی زندہ سے پیدا ہوئی اسلئے اس کا نام حوا رکھا گیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت حوا کی پیدائش فرشتوں کے سجدہ کے بعد جنت میں ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین میں تیار کیا گیا اور اس میں روح کو داخل بھی زمین میں ہی کیا گیا اور حضرت حوا کی پیدائش بھی زمین پر ہی ہوئی پھر دونوں کو جنت میں لے جایا گیا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۳، ۲۳۴)

حضرت آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر:

جب حضرت حوا کو پیدا کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف میلان کرنا چاہا اور ارادہ فرمایا کہ دست محبت بڑھائیں تو فرشتوں نے کہا اے آدم ٹھہر جاؤ پہلے مہر ادا کر دو آپ نے فرمایا:

”فما مہرہا قالوا حتی تصلى على النبی ﷺ“

وہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا مہر یہ ہے کہ تم نبی کریم ﷺ پر درود پڑھو۔



ایک روایت میں تین دفعہ اور ایک میں سترہ مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا یعنی اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آدم علیہ السلام کا مہر یہی تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھیں آپ نے درود پڑھا اور فرشتوں کی گواہی سے نکاح ہوا۔

” وفي ذلك اشارة الى انه عليه الصلوة والسلام الواسطة لكل موجود حتى ابیه  
آدم“

(حاشیہ جلالین)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بیشک نبی کریم ﷺ ہر موجود چیز کے لئے وسیلہ ہیں یہاں تک کہ آپ اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق آپ کو اور حضرت حوا کو شادی کے بعد فرشتے سونے کے تخت پر بٹھا کر اس طرح جنت میں لے گئے جس طرح بادشاہوں کو عزت کی خاطر اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ گویا کہ بارات کی واپسی پر فرشتے سنہری ڈولی میں دونوں میاں بیوی کو اٹھا کر لارہے ہیں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۴)

## قانون قدرت اور قانون عادت میں فرق :

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ عام طور پر کاموں کے اسباب بنادے ہیں اسی طرح انسانوں کی پیدائش میں بھی قانون عادت اسباب کے ماتحت کر دیا گیا کہ ماں اور باپ سے اولاد کی پیدائش ہوتی ہے لیکن یہ قانون قدرت نہیں۔

”قانون قدرت“ کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ میں اس طرح بھی کر سکتا ہوں اسباب کی مجھے کوئی محتاجی نہیں مرد اور عورت کے بغیر اپنے دست قدرت سے مٹی کا قالب بنا کر اس میں روح پھونک کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور عورت کے بغیر مرد کی پسلی چاک کر کے عام عادت کے خلاف حضرت حوا کو پیدا فرما کر یہ واضح کر دیا کہ میں بغیر عورتوں کے مردوں سے اولاد پیدا کرنے پر بھی قادر ہوں اور عورت سے بغیر اس کے خاوند کے بیٹا پیدا کر کے بھی واضح کر دیا کہ میری قدرت سے یہ بھی کوئی بعید بات نہیں، یعنی حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو ایک عام طریقہ کے مطابق



ہی ہوئی لیکن اس میں مرد کا کوئی واسطہ نہیں، صرف جبریل امین کی پھونک کا اثر ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں۔

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت سے منع کرنے میں حکمت :

اگر حضرت آدم علیہ السلام جنت میں نہ ہوتے بلکہ پہلے ہی زمین پر ہوتے تو ..... ﴿وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ”اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جاؤ“ ..... کہنے کی نہ ضرورت درپیش آتی اور نہ ہی آپ سے بھول واقع ہوتی۔ لیکن آپ تو جنت میں تھے اور آپ کا زمین میں رہنا اور زمین میں ہی اللہ کا خلیفہ بننا خود رب تعالیٰ کی مراد تھی آپ کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا :

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ ”بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں“

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنے محبوب اور محبوب کی مراد کو نہیں بھولے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مراد جو تھی کہ آپ زمین میں میرے خلیفہ ہوں گے اس سے حضرت آدم علیہ السلام سے بھول نہیں واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام ہوا، البتہ بھول ان کے ماسوا چیز میں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ایک درخت کے قریب جانے سے روکا اس میں بھول واقع ہوئی جو زمین میں آنے کا سبب بنی۔

اس مقام پر یہ شبہ صحیح نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نسیان کے بغیر زمین پر لانے پر قادر تھا بے شک اس کی قدرت حق ہے لیکن اس نے اظہار قدرت کو خود ہی حکیمانہ اسباب کے ساتھ مربوط فرمایا ہے آدم علیہ السلام کا نسیان انہی اسباب میں شامل ہے، اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کیساتھ ساتھ اس کا حکیم ہونا بھی برحق ہے اور حکیم کی شان نہیں کہ حکمت کے خلاف کوئی کام کرے، حکمت کی رعایت سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی آدم علیہ السلام کی اس ظاہری لغزش کو حقیقتاً معصیت نہ سمجھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرمادیا اور شیطان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس ممانعت کی خلاف ورزی میں آدم علیہ السلام



کی لغزش کا سبب بن جائے اور لغزش کے صادر ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کا زمین میں خلیفۃ اللہ ہونا جو منشاء ایزدی تھا حکیمانہ طور پر پورا ہو جائے اور فی تامل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء اور مراد کو متحقق فرمانے کے لئے یہ سب حکیمانہ اسباب پیدا فرمائے۔

(از تبیان ص ۱۰۶، ۱۰۷)

آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی :

﴿وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(البقرة آیت ۳۵)

اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

آدم و حوا علیہما السلام دونوں اس درخت کے قریب گئے اور اللہ تعالیٰ کے ممانعت کے باوجود انہوں نے اسے کھا لیا ایسی صورت میں آیت کریمہ کا بظاہر مفاد یہی ہو گا کہ آدم و حوا علیہما السلام (معاذ اللہ) دونوں ظالم ہو گئے، مگر یاد رہے کہ آدم علیہ السلام اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے پہلے خلیفہ اور اس کے نبی ہوئے، اللہ کا نبی اور اللہ کا خلیفہ کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی بندہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہے گا تو وہ خود ظالم و کافر قرار پائے گا۔

ظلم کے معنی : ”وضع الشئ فی غیر موضعه“ یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔

(تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۰۹)

قرآن کریم میں شرک کے لئے بھی لفظ ظلم وارد ہے حق تلفی اور حاکم کے فرمانِ حق کی نافرمانی کو بھی ظلم کہتے ہیں، بلکہ ہر معصیت و گناہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو جس کام کا حکم دے اس کی خلاف ورزی یقیناً گناہ ہے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ بندے کو اسی کام کا حکم دیتا ہے جو بندے کے اختیار میں ہو، دیکھئے قرآن کریم نے فرمایا :

(البقرة ۲۸۶)

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت و اختیار سے باہر اسے کوئی حکم نہیں دیتا۔



ظاہر ہے کہ بھول کر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں، ایسی صورت میں ”ولا تقربا هذه الشجرة“ کی نہی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم بھول کر بھی اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اب اس بات کا فیصلہ کہ حضرت آدم علیہ السلام قصداً اس درخت کے قریب گئے یا بھول کر بلا قصد؟ خود قرآن مجید سے ہی سن لیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾

(طہ آیت ۱۱۵)

”اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے درخت کے قریب نہ جانے کا عہد لیا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی قصد نہ پایا۔“

ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے کسی قسم کا کوئی ظلم سرزد نہیں ہوا نہ انہوں نے کوئی شرک کیا، نہ ان سے کوئی حق تلفی ہوئی، نہ ان سے کسی معصیت اور گناہ کا صدور ہوا۔ جیسے روزے دار کا روزے کی حالت میں بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کا اس درخت سے بھول کر کھالینا بھی گناہ نہیں۔ یقیناً وہ گناہوں سے پاک اور نبی ہونے کی وجہ سے معصوم ہیں۔ شیطان ان سے جس ظاہری لغزش کے صادر ہونے کا سبب بنا وہ حقیقتاً معصیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں متعلق ہیں، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا ربنا ظلمنا انفسنا..... الآیہ..... کہنا بھی ان کے ظالم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے کمالِ عبدیت اور رب کریم کی بارگاہ میں انتہائی تواضع اور انکساری پر مبنی ہے۔

(بیان ص ۱۳۷)

شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب؟

﴿فَإِزْلَٰهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾

(البقرة ۳۶)

تو شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے پھسلا یا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔

آدم و حوا علیہما السلام کے لئے فرمان تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، شیطان نے ان سے اس



فرمان الہی کی نافرمانی کرنا چاہی، اس لئے وسوسے کی زبان میں دونوں سے کہا کہ میں تمہیں ایسا درخت نہ دکھاؤں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسی بادشاہی نصیب ہو جائے جس میں کبھی کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہو۔ شیطان نے ان کے دلوں میں بار بار وسوسہ پیدا کیا اور وسوسہ کی زبان میں قسم کھا کر ان کو کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس درخت کے کھانے سے تمہارے رب نے صرف اسلئے تمہیں روکا ہے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ تمہیں جنت میں رہنا نصیب نہ ہو جائے۔ بالآخر دھوکہ سے انہیں اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر لیا اور آدم و حوا علیہما السلام نے درخت سے کھا لیا اور کھاتے ہی ان کا جنتی لباس ان سے اتر گیا اور جنتی درختوں کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپا اور وہ جنت سے زمین کی طرف اتار دیے گئے یہاں تک تو شیطان کی خواہش پوری ہو گئی۔

لیکن اصل مقصد میں وہ کامیاب نہ ہوا اس کی اصل خواہش یہ تھی کہ آدم علیہ السلام اللہ کی نئی کو یاد رکھتے ہوئے قصداً اس درخت سے کھائیں اور اس طرح عاصی اور نافرمان ہو کر جنت سے نکالے جائیں، اس لئے اس نے وسوسہ کی زبان میں ”مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ“ کہہ کر اللہ کی نئی بھی انہیں یاد دلادی، لیکن عصمت الہیہ نے انہیں معصیت سے بچا لیا اور اس درخت کے کھانے سے پہلے نئی الہی کا انہیں نسیان ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ آدم بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔

اور آدم علیہ السلام قصداً فرمان الہی کی خلاف ورزی سے بچ گئے اور شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”ازل“ کے بجائے ”اضل“ نہیں فرمایا یعنی یہ فرمایا کہ شیطان نے ان کو پھسلا دیا یہ نہیں فرمایا کہ انہیں گمراہ کر دیا۔

(بیان ج ۱ ص ۱۴۲)

شیطان نے وسوسہ کیوں ڈالا؟

آدم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے سجدہ کر لیا تو آپ کو اور آپ کی زوجہ کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا اور ارشاد ہوا کہ آپ یہاں جو چاہیں با فراغت کھائیں لیکن اس درخت کے قریب نہ جائیں تو اس منع کئے



ہوئے درخت کی وجہ سے شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور انہیں خوشحالی، بے فکری اور عیش و عشرت کے ماحول یعنی جنت سے دور کر دیا، وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے شیطان نے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ﴾ تو مردود ہے یہاں سے نکل جا۔ (الحجر آیت ۳۴)

..... تو شیطان کے دل میں بغض و حسد کی آگ بھڑکنے لگی اور کہنے لگا کہ جس طرح میں ذلیل و خوار کر کے نکالا گیا ہوں آدم و حوا اور ان کی نسل کو اسی طرح جنت سے نکالوں گا اور انہیں اسی طرح گمراہ کروں گا جس طرح مجھے گمراہ کیا گیا یعنی میں ان سے اپنا پورا بدلہ لوں گا۔

شیطان پھسلانے پر کیسے قادر ہوا؟

شیطان نے جب سجدہ سے انکار کیا اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا اسی وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت لے لی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ تیرا داؤ میرے مخلص بندوں پر نہیں چلے گا اسلئے شیطان آپ سے قصد اگناہ نہ کر اسکا بلکہ صرف اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر آپ کو بھلا دیا۔

شیطان انسانوں کو کیسے وسوسے ڈالتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾

(الاعراف ۲۷)

بیشک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔

یعنی شیطان اور اس کے زیر اثر دوسرے چھوٹے چھوٹے شیطان جہاں کہیں بھی ہوں انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور انہیں وسوسہ میں ڈال سکتے ہیں حالانکہ انسان انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔

”ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم“

(بخاری، ابو داؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)

بے شک شیطان انسان کے اندر اپنے اثرات اس طرح جاری و ساری کر سکتا ہے جیسے آدمی کی رگوں میں خون جاری ہوتا ہے۔

(از بیان ص ۱۴۱)



شیطان نے کہاں سے وسوسہ والی گفتگو کی؟

شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام سے جو گفتگو کی وہ قوی وسوسوں کے ذریعے کی۔

”وقیل مخاطبه من الارض ولم یصعد الی السماء بعد الطرد واللعن وکان خطابہ وسوسۃ“

(تفسیر بحر محیط ج ۱ ص ۱۶)

اس نے زمین سے ہی وسوسے کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہتا تھا جب سے اسے جنت سے نکال دیا گیا پھر اسے آسمانوں پر چڑھنے کی نہ اجازت تھی اور نہ ہی وہ چڑھ سکا۔ قرآن مجید یا کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں ہوا کہ شیطان آدم و حوا کے پاس جنت میں پہنچا ہو قرآن پاک میں تو صرف یہی الفاظ وارد ہیں۔

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ﴾ ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈال دیا۔

اور سورہ طہ آیت ۱۲۰ میں ہے ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ﴾ شیطان نے ان (آدم) کو وسوسے میں ڈال دیا، شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لئے جسمانی طور پر کسی کے پاس جانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ جسے وسوسے میں ڈالے وہ اسے دیکھے بھی۔

(از تیان ص ۱۴۱)

تنبیہ :

جن اقوال میں شیطان کا سانپ کے ذریعے یا مور کے ذریعے جنت میں جانا ثابت ہے یا شیطان کا جنت کے دروازے پر بیٹھ کر وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے من گھڑت اقوال ہیں۔  
ابن کثیر نے کہا :

”قد ذکر المفسرون ههنا اخبارا اسرائيلية“

(ابن کثیر ج ۱ ص ۸۰)

”یہاں مفسرین نے کئی اسرائیلی خبریں نقل کر دی ہیں“ اور امام رازی فرماتے ہیں

”اعلم ان هذا وامثاله مما يجب ان لا يلتفت اليه“

(کبیر ج ۱ ص ۴۶۶)

ضروری ہے کہ ایسی روایات کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے۔

**فائدہ:** شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے تصرفات کی طاقت دے دی کہ وہ کہیں بھی ہو لوگوں کے دلوں میں



و سو سے ڈال لیتا ہے اور حضرت عزرائیل ملک الموت فرشتے کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ وہ ایک لمحے میں تمام روئے زمین کے کونے کونے میں روح قبض کر سکتا ہے، اور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ تصرفات کی طاقت دی ہے تو اس میں دوسرے کسی کا کیا نقصان ہے؟ آپ اپنے امتی کی حالت زار کو دیکھیں اس کی حاجت کو پورا کریں وہ کہیں بھی ہو؟ اس میں نہ تو کوئی شرک ہے اور نہ ہی عقلا محال ہے۔  
**اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ، فَغَوَىٰ﴾ یہاں پر کئی مترجمین نے عصی کا معنی ”حکم ٹالا، نافرمانی کی، آپ سے قصور ہوا“ کیا ہے اور غوی کا معنی ”راہ سے بہکا، گمراہ ہوئے، غلطی میں پڑ گئے، راہ راست سے بھٹک گیا“ کیا ہے۔ تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے صرف بھول واقع ہوئی آپ نے کوئی جرم اور گناہ نہیں کیا؟

**جواب:** عام مترجمین نے یہاں ترجمہ صحیح نہیں کیا دیکھئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

”آدم علیہ السلام سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی“

اس ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ لغزش بھول کر تھی اس میں کوئی گناہ یا بھٹکنے والی بات نہیں تھی۔ اس مقام پر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا:

”ان ظاہر القرآن وان دل علی ان آدم عصی وغوی لکن لیس لاحد ان یقول ان آدم کان عاصیا غاویا“

یعنی بے شک ظاہر قرآن پاک اگرچہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عصیان و غواہیت واقع ہوئے لیکن کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ حضرت آدم نے حکم ٹالا وہ گمراہ ہوئے بھٹک گئے یعنی مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے، اس کو حق پہنچتا ہے وہ اپنے بندے کے حق میں جو الفاظ چاہے استعمال کرے لیکن وہی حقیقتاً ان کے معانی سے بھی آگاہ ہے۔

اس مقام پر علامہ آکوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:



## تذکرۃ الانبیاء

”وقد صرح القاضي ابوبکر بن العربي بعدم جواز نسبة العصيان للاباء  
الادنین الینا المماثلین لنا فکیف یجوز نسبة للانبیاء الاقدام والنبی المقدم  
المکرم وارتضى ذالك القرطبی“

قاضی ابوبکر بن عربی نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ عصیان یعنی نافرمانی بھٹک جانا بہک  
جانا، گمراہ ہو جانا، اس قسم کے الفاظ کی نسبت جب ہم اپنے والدین، آباء واجداد کی طرف  
نہیں کر سکتے جو انسانیت میں ہمارے مماثل ہیں اور انبیائے کرام سے گھٹیا ہیں تو ایسے الفاظ  
کی نسبت انبیائے کرام اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟ جو  
برگزیدہ مکرم اور ہر طرح تعظیم و تکریم کے لحاظ سے مقدم ہیں۔

معالم التنزیل میں ہے :

”واعلم انه لا یجوز اطلاق العاصی وغیره علی آدم علیہ السلام“

یہ یقینی بات ہے کہ آدم علیہ السلام پر عاصی وغیرہ (نافرمان ہوا، بہک گیا، گمراہ  
ہوا) کے الفاظ کا اطلاق جائز نہیں۔

انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہیں :

انبیائے کرام تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں معاذ اللہ انبیائے کرام سے گناہ سر  
زد ہوں یہ ہو نہیں سکتا علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں آپ فرماتے ہیں۔

(۱) اگر انبیائے کرام سے گناہ سرزد ہوں تو ان کا مرتبہ اپنی امتوں کے نافرمان، گناہگار لوگوں سے بھی  
کم ہوگا اور یہ جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کے مراتب بہت بلند ہوتے ہیں انہیں اعلیٰ درجہ کی  
بزرگی اور شرافت حاصل ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں ان سے گناہ سرزد ہوں تو وہ بہت زیادہ برے  
سمجھے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۝﴾

(الاحزاب)

اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرات کرے اس پر اوروں سے دونا  
عذاب ہوگا۔



اس سے مراد شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آنا ہے کیونکہ بد کاری سے اللہ تعالیٰ انبیاء کی بیبیوں کو پاک رکھتا ہے۔ بہر حال جس شخص کی خصوصیت اور فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔

(خزانن العرفان)

اسی طرح محسن سے بد کاری سرزد ہونے میں رجم کیا جاتا ہے اور غیر محسن کو ایک سو کوڑے لگائے جاتے ہیں؛ کیونکہ محسن کی شان غیر محسن سے اسلئے زائد ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اس سے بد کاری سرزد ہونا عظیم جرم سمجھا جائے گا۔ جب اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی کا مقام امت کے کسی فرد سے بھی کم نہیں ہو سکتا تو گناہگاروں سے کم درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(۲) گناہگار فاسق ہوتا ہے اور اگر نبی سے گناہ سرزد ہوں تو وہ معاذ اللہ فاسق ہوں گے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾  
(الحجرات ۶)  
اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو۔

اس طرح انبیائے کرام کا مرتبہ اپنی امت کے عادل لوگوں سے کم ہو جائے گا حالانکہ انبیائے کرام کے تشریف لانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے شہادت دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی کریم ﷺ قیامت کو شاہد ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾  
(البقرة ۱۴۳)  
اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں گے۔

(۳) انبیائے کرام سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہونا جائز ہو سکے تو ان کو زجر کرنا اور سختی سے روکنا ضروری ہو جائے گا اس طرح انبیائے کرام کو ایذا پہنچانا حرام نہیں ہوگا، حالانکہ انبیائے کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾

(الاحزاب ۵۷)

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت



میں۔

(۴) ہر نبی کی امت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کی تابعداری کریں جیسے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

”فاتبعونی“ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی زبان مبارک سے کہلایا ”میری تابعداری کرو“ اگر معاذ اللہ آپ سے گناہ سرزد ہونے جائز ہو سکیں تو آپ کی امت کو آپ کے گناہوں کی تابعداری کرنا واجب ہو گا اس طرح گناہ کرنے حرام بھی ہوں اور گناہوں میں نبی کی تابعداری واجب بھی ہو، ایک ہی وقت میں ایک کام حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۵) ہماری عقل واضح طور پر یہ کام کرتی ہے کہ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے نبی اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہوتا ہے اور نبی اللہ کے بندوں اور اس کی زمین میں اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو سنتے ہوئے کہ ”یہ کام نہ کرو“ پھر وہ اپنی لذات کو ترجیح دے کر وہ کام کرے؟ اللہ کے روکنے اور اس کے عذاب کے خوف کے طرف توجہ نہ دے۔ یہ بہت برا اور ناممکن ہے۔

(۶) جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾

(سورہ جن)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح گناہوں کے مرتکب لعنت کے مستحق ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

(سورہ ہود ۱۸)

”خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے“

اگر انبیائے کرام گناہ کریں تو وہ عذاب اور لعنت کے مستحق ہوں گے حالانکہ اجماع امت ہے کہ انبیائے کرام عذاب یا لعنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

(۷) انبیائے کرام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اگر خود اس پر عمل نہ کریں تو ان پر صادق آئے گا۔

﴿اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

(البقرة ۴۴)



لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

جب ایک عام نصیحت کرنے والے کی اس سے مذمت کی جاسکتی ہے تو انبیائے کرام جو عظیم مراتب کے مالک ہوتے ہیں ان سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اور لوگوں کو نصیحت کریں اور خود عمل نہ کریں۔  
حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا:

﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ إِنِ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾

(سورہ ہود ۸۸)

اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں، میں تو جہاں تک ہو سکے سنوارنا ہی چاہتا ہوں۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی شان میں ذکر فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾

(الانبیاء ۹۰)

بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

خیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھا کام کرنا اور ہر برے کام سے بچنا، اس سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کرتے ہی اچھے کام ہیں اور برے کاموں سے بچتے ہیں لہذا ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی شان میں ذکر فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ﴾

(ص ۴۷)

بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔

جب اس کو مطلق ذکر کیا ان کی کسی خصلت اور عادت کو علیحدہ نہیں کیا تو پتہ چلا کہ ان کے تمام کام ہی اچھے ہیں کوئی برا کام نہیں اگر کسی شخص میں کوئی برا کام پایا جائے تو اس طرح کہا جاتا ہے

﴿فلان من المصطفين الاخير الا في الفعلة الفلانية﴾

فلاں شخص ہے تو بر گزیدہ اور چنے ہوئے لوگوں میں سے لیکن البتہ سوائے فلاں کام کے کہ وہ اس کام میں اچھا نہیں۔



جب انبیائے کرام کے متعلق ایسا کوئی جملہ ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کے سب کام اچھے ہی اچھے ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور بھی کئی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾

(سورہ ص ۸۲، ۸۳)

تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں۔

شیطان نے اپنی عاجزی کا ذکر کر دیا کہ اے اللہ تیرے مخلص بندوں پر میرا دواؤ نہیں چلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب علیہم السلام کو اپنے مخلص بندے کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ (ص ۴۶)

بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا اس گھر کی یاد ہے یعنی ہم نے انہیں اپنا مخلص بنایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾

بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔

جب بعض انبیائے کرام کا مخلص ہونا واضح ہو گیا اور شیطان کے اپنے قول کے مطابق وہ مخلص بندوں کو گمراہ کرنے سے عاجز ہے تو تمام انبیائے کرام کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ بعض انبیائے کرام معاذ اللہ گناہگار ہیں اور بعض نہیں۔

(۱۱) ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ، فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(ب ۲۲، ۸۶)

اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہوئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا۔



اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ایمان والے لوگوں کے ایک گروہ نے شیطان کی تابعداری نہیں کی جنہوں نے شیطان کی تابعداری نہیں کی وہ گناہگار بھی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گروہ انبیائے کرام کا ہے یا دوسرے لوگ ہیں؟ اگر انبیائے کرام ہیں تو یقیناً تمام انبیائے کرام کا حکم ایک ہی ہے اور اگر یہ لوگ انبیاء نہیں تو پھر بھی واضح ہے کہ انبیائے کرام گناہگار نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ اگر انبیائے کرام گناہگار ہوں اور دوسرے لوگ گناہگار نہ ہوں تو جو نبی نہیں وہ نبی سے شان کے لحاظ سے بڑھ جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ نبی کے درجے کو کوئی دوسرا نہیں پاسکتا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک کے متعلق فرمایا :

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ إِلَّا إِنَّا حِزْبُ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾

(سورۃ مجادلہ)

وہ شیطان کے گروہ ہیں خبردار بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے

دوسری قسم کے متعلق فرمایا :

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ إِلَّا إِنَّا حِزْبُ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

(سورۃ مجادلہ)

وہ اللہ کا گروہ ہے خبردار بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔

اس میں تو کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ شیطانی گروہ تو وہی ہو گا جو ایسے عمل کرے گا جن کو شیطان پسند کرتا ہو گا، اور شیطان کے پسندیدہ عمل ”گناہ“ ہیں ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو گا، گناہگار ہو گا وہی شیطانی گروہ میں ہو گا۔ اگر معاذ اللہ انبیائے کرام سے بھی گناہ سرزد ہوں تو وہ شیطانی گروہ میں داخل ہوں گے اور خسارے میں ہوں گے۔

کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ امت کے نیک و پرہیزگار لوگ تو اللہ کا گروہ ہوں اور کامیاب ہونے والے ہوں اور انبیائے کرام شیطانی گروہ میں داخل ہو کر خسارے میں ہوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کسی مسلمان کا ایسا سوچنا بھی اپنے دنیا اور دین کو برباد کرنا ہے۔



(۱۳) انبیائے کرام فرشتوں سے افضل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے کیونکہ فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ﴾

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔

اسی طرح فرشتوں کے متعلق اور یہ فرمایا :

﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

اور وہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

جب فرشتے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیائے کرام جو ان سے افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل نہ کریں؟ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کریں؟ گناہگار تو نیکوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ

نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾

کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پر ہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں۔

(۱۵) نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے اونٹنی خریدی اور آپ نے اسے قیمت ادا کر دی اس نے پھر آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا کہ قیمت تو میں نے ادا کر دی اس نے آپ سے گواہ طلب کیا آپ نے خیال کیا میری گواہی کون دے گا اس وقت تو کوئی موجود ہی نہیں تھا حضرت خزیمہ نے کہا: یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اعرابی کو اونٹنی کی قیمت ادا کر دی ہے۔ آپ نے جب ان سے پوچھا تم نے کیسے گواہی دے دی تھی حالانکہ تم تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں آسمانوں کی خبریں بتاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں، تو کیا اس اونٹنی کی قیمت ادا کرنے پر آپ کی تصدیق نہ کریں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آئندہ خزیمہ جہاں اکیلے ہی گواہی دیں گے ان کی گواہی دو شخصوں کے برابر سمجھی جائے گی۔



اگر معاذ اللہ انبیائے کرام سے گناہ ہونے ممکن ہوتے تو حضرت خزیمہ کبھی گواہی نہ دیتے بلکہ یہ خیال کرتے کہ نبی کریم ﷺ بھی (معاذ اللہ) ہماری طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ (خیال رہے کہ بعض روایات میں گھوڑا خریدنے کا ذکر ہے)

(۱۶) ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾

پیشک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا، امام وہ ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور تابعداری کریں اگر نبی سے گناہ واقع ہوں تو ان گناہوں کی اقتداء اور تابعداری بھی لازم ہوگی یہ ممکن نہیں کہ نبی گناہوں سے منع بھی کریں اور گناہ کر کے لوگوں کو اپنے گناہوں کی اقتداء کا بھی حکم دیں۔ (۱۷) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾

وہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

یعنی نبوت اور امامت کا وعدہ نیک اور اللہ کے قرب کے مستحق لوگوں کے لئے ہے ظالموں کے لئے نہیں گناہگار کبھی نبی نہیں بن سکیں گے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیائے کرام گناہ نہیں کرتے کیونکہ گناہ گاروں کو منصب نبوت ملتا ہی نہیں۔

(کبیر ج ۳ ص ۸ تا ۱۱)

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا زمین پر تشریف لانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾

(البقرة ۳۶)

اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔

یعنی جنت میں حضرت آدم و حوا دونوں کو رہنے کی اجازت دی گئی اور ہر قسم کے جنت کے پھل اور نعمتیں کھانے کی اجازت دی گئی البتہ ایک درخت سے منع کیا گیا جب شیطان خیر خواہ بن کر قسمیں اٹھا کر نصیحت دینے والے کی شکل میں آپ کو دوسو سو ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے



الگ ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (البقرة ۳۶)

اور ہم نے کہا تم تمام اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا

﴿وَقَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ (طہ ۱۲۳)

اور رب نے فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو۔

دونوں آتیوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا کو جمع ان کی اولاد کے جو تا قیامت معرض وجود میں آئی تھی زمین پر اترنے کا حکم دیا اور فرمایا تمہاری اولاد بعض دوسرے بعض کی دشمن ہوگی۔

خیال رہے کہ شیطان کو ان دونوں کے اتارنے سے پہلے ہی مردود کر کے روئے زمین پر بھیج دیا گیا تھا یہاں اس کے اترنے کا ذکر نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ”سراندیپ“ میں اتارے گئے اور حضرت حوا کو ”جدہ“ میں اور شیطان کو پہلے ہی ”ایلہ“ میں اتار دیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۶)

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کا جنتی لباس اتار لیا گیا تھا اور جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر ڈھانپ کر تشریف لائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین اسلئے عمدہ اور ہری بھری ہے اور عود قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اسلئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب اس زمین پر آئے تو ان کے جسم پر جنتی درخت کے پتے تھے وہ پتے ہو اسے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا۔

(نعمی ج ۱ ص ۲۸۴)

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے؟

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود (سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے) اور وہ عصا جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ سونا، چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔

آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان تخموں سے بے خبر ہو گئے شیطان نے



موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس تخم پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا اس نفع برقرار رہا۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے، ایک وہ جو پورے کھائے جاتے ہیں، دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے کھجور آم وغیرہ، تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت ہے کہ ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے ایک ”سڈاسی“ جس سے لوہا پکڑتے، دوسرا ہتھوڑا۔ تیسرا ”آیرن“ نیز حجر اسود۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اسی حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آکر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام حکم الہی زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی جب آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور کا نام سناتے ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔

یہ تمام واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں جن کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر جمع فرمایا ہے۔

(نجمی ج ۱ ص ۲۸۴)

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش :

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ سب سے اول کپڑا بننے کا کام آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں آپ کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے، نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا کام تھا، اور یس علیہ السلام درزی گری، حضرت ہود اور صالح علیہما السلام تجارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بحریاں چرائیں، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر بھی درختوں کے پتوں سے سچکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گذر کرتے تھے، حضرت



یسی علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا دیا ہے وہ شام کا کھانا بھی دے گا۔

**فائدہ:** تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کنوئیں کا پانی کبھی نہیں پیایا بلکہ آپ ہمیشہ بارش کا پانی پیا کرتے تھے، سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے چاندی سے روپے اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

آدم علیہ السلام کی توبہ :

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾

(البقرة ۳۷)

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر رجوع برحمت ہوا بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

”تلقى“ کا معنی ہے آگے بڑھ کر ملاقات کرنا یعنی استقبال کرنا اب معنی یہ ہو گا کہ آدم علیہ السلام نے آنے والے باوقار مہمانوں اور معظم احباب کی طرح محبت و اکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات کا استقبال کیا۔ وہ کلمات کیا تھے علامہ ابو حیان نے فرمایا۔

﴿وَلَمْ يَخْبِرْنَا اللَّهُ بِهَا اللَّهُ مَبْهُمَةٌ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر وہ کلمات نہیں بتائے بلکہ فتلقى آدم من ربہ کلمات فرما کر ہمیں صرف کلمات مبہمہ کی خبر دی اسلئے ان کی تعیین میں اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں :

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(۲) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں

﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ﴾

(۳) وہب اور محمد بن کعب سے منقول ہے وہ یہ کلمات ہیں



﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَأَغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ﴾

یہ قول عبد اللہ بن عباس کی طرف بھی منسوب ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسی اسم مبارک کو اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یہ آخری قول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت طبرانی شہقی حاکم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تفسیر عزیزی میں نقل کیا۔ یہاں تفسیر عزیزی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں :

﴿اسئلك بحق محمد ﷺ﴾ اے اللہ میں تجھے حضرت محمد ﷺ کا واسطہ دے کر معافی چاہتا ہوں اسی تفسیر عزیزی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی بروایت ابن المنذر منقول ہے :

”اللَّهُمَّ اسئلك بجاه محمد عبدك وكرامته عليك أن تغفر لي خطيئتي“

علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے فرمایا :

”وقيل رأى مكتوبا على ساق العرش ﴿محمد رسول الله﴾ فتشفع به واذا اطلقت الكلمة على عيسى عليه السلام فلتطلق الكلمات على الروح الا عظم والحبیب الا کرم ﷺ فما عيسى بل وما موسى بل وما الابعض من ظهور انواره وزهرة من رياض انواره ﷺ“

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر ”محمد رسول اللہ“ لکھا دیکھا تو حضور کو انہوں نے اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یعنی وہ کلمات ”محمد رسول اللہ“ ہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے جب قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو روح اعظم حبیب اکرم ﷺ پر ”کلمات اللہ“ کا بلا جانا تو ضرور ہی ثابت ہو جائے گا، نہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ، بلکہ عالم امکان میں کوئی نہیں اور واقعی کوئی نہیں لیکن سب حضور ﷺ کے ظهور انوار کے جلوے اور آپ ہی کے گلزار حسن کے مہکتے ہوئے پھول ہیں :

اگر نام محمد رانیاوردے شفیع آدم ☆ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجاتنا

اگر آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی کو بطور وسیلہ نہ پیش کرتے اور اسی طرح نوح علیہ



السلام آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ نہ لاتے تو نہ آدم کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔

## آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی ؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ذریعے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کی طرف رحمت کی توجہ کرتے ہوئے توبہ کو قبول فرمایا۔

بعض علماء کے نزدیک آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلمات لینا اور ان کے ذریعے توبہ کرنا اور ان کا قبول ہونا جنت سے اترنے کے بعد ہوا اور توبہ بھی کئی سو سال بعد قبول ہوئی دو سو بلکہ تین سو سال آہ و بکا گریہ زاری اور ندامت کے حال میں ان پر گذرے۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۱۸۴ میں یہی فرمایا ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ جنت سے باہر آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات عطا فرما دیئے تھے اور اسی وقت انہوں نے توبہ کی جو قبول ہو گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے انکی خطا معاف فرمادی البتہ یہ ممکن ہے کہ معافی کے باوجود آدم علیہ السلام اپنی لغزش کو یاد کر کے ندامت کے طور پر سالہا سال تک گریہ وزاری میں مشغول رہے ہوں جو خوف و خشیت الہیہ کا تقاضا اور کمال عبدیت کی دلیل ہے۔

(از تبیان ج ۱ ص ۱۴۷ تا ۱۴۹)

**فائدہ :** اللہ تعالیٰ نے فِتَابَ عَلَيْهِمَا نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ کو قبول کر لیا اسلئے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ مرد کے ذکر سے عورت کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۲۳۹)

**تنبیہ :** علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے روح البیان کے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں زمین پر آنے سے پہلے آپ کی توبہ قبول ہو چکی تھی زمین پر رونا عجزی کے لئے تھا تاہم مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی ص ۲۸۹ پر بیان کیا ”یہ قول ضعیف ہے جب توبہ قبول ہو چکنے کے بعد زمین پر تشریف لائے تو پھر بیوی سے علیحدگی کیسی؟ اور پریشانیاں کہاں؟ یعنی رب تعالیٰ کسی کو معافی دے کر بلا وجہ پریشانی میں نہیں ڈالتا۔

(واللہ اعلم بالصواب)



## حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کس دن قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کو قبول ہوئی۔ آپ کی پیدائش اور جنت سے باہر تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہی تھا، اور وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

خیال رہے کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے، آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، ایوب علیہ السلام کی شفاء، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا، یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے ملنا، حضرت امام حسین کا کربلا میں شہید ہونا، سب دسویں محرم کو واقع ہوئے۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری۔

اہل سنت گیارہویں رات کو حضرت غوث پاک کے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں وہ درحقیقت ان تمام بزرگوں کو حاصل ہونے والے انعامات پر اظہارِ خوشی بھی ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی ج: ۱، ص ۲۹۰)

## حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی ملاقات

جب زمین پر تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کے علاقہ سراندپ کے پہاڑ پر اترے اور حضرت حوا جدہ میں توبہ قبول ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات عرفات کے مقام پر ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی لئے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں یعنی پہچاننے کی جگہ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی لے لی گئی تھی یعنی بھلا دی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی پھر حضرت جبرائیل نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانور و حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو دریائی جانوروں نے سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جس پر انج کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی بن گئے جیسے گھوڑا، اونٹ، بکری، کتا، بلی وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جیسے ہرن وغیرہ۔



## حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی حق میں دعا

اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولا میری اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت اگر تو انکی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیسے بچ سکیں گے حکم الہی آیا ہے آدم تمہارے اور احکام تھے آپ کی اولاد کے لئے اور احکام ہوں گے ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔

(از عزیز و نعیمی ج ۱ ص ۲۹۱)

## آدم علیہ السلام کی اولاد

حضرت حوا بیس یا چالیس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ہر حمل میں دو دو بچے پیدا ہوئے ایک مذکر اور ایک مؤنث ایک حمل کے بچوں کا دوسرے حمل کے بچوں کا ایسا حکم تھا جیسا کہ مختلف ماں باپ کے بچوں کا ہوتا ہے یعنی پہلے حمل کے بچے کا دوسرے حمل کی بچی سے نکاح ہوتا اسی طرح دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔

(صاوی زیر آیت وبث منہا رجلا کثیرا و نساء . پ ۴، ۱۲ ع)

**تنبیہ:** حضرت آدم علیہ السلام کے دو دو بچے ہر حمل سے ہوئے سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے

”وضعت شیثا وحده کرامة سیدنا محمد ﷺ فان نورہ انتقل من آدم الی

شیث علیہ السلام“

(مواہب اللدنیہ ، انوار محمدیہ ص ۱۵)

حضرت حوا نے حضرت شیث کو صرف اکیلا ہی جنا ہے ان کے ساتھ جڑواں کوئی بچی نہیں تھی یہ صرف نبی کریم ﷺ کی عزت و تکریم کے لئے مالک الملک نے ایک بچے سے ہی حاملہ کیا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا نور آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آگیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں وصیت کی کہ یہ نور مبارک، پاک عورت کی طرف منتقل کرنا ہے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی وصیت کی یہ سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک چلتا رہا کہ ہر شخص نے اپنے بیٹے کو اس نور کے پاک بطن کی طرف منتقل کر نیکی وصیت کی۔



حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ چالیس ہزار سے زائد ہو گئی تھی۔ تفسیر صاوی اور جمل وغیرہ میں ایک لاکھ تک پہنچ جانے کا ذکر ملتا ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

### حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا :

حضرت آدم علیہ السلام کی صلیبی اولاد سے قابیل اور ہابیل تھے۔ قابیل بڑا تھا، ہابیل چھوٹا تھا۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل بحریاں چراتا تھا۔ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام ”اقلیما“ تھا جو بہت زیادہ حسین و جمیل تھی اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی ”لیووا“ خوبصورتی میں کچھ کم تھی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے قانون کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح قابیل سے ہونا تھا، لیکن قابیل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہی میرے ساتھ ہو گا۔

### حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو نیاز کا مشورہ :

جب قابیل نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کر دی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں اللہ کی راہ میں کوئی نہ کوئی چیز پیش کرو، جو سچا ہو گا اس کی نیاز و صدقہ قبول ہو جائے گا اور جو جھوٹا ہو گا اس کی طرف سے سے پیش کیا گیا صدقہ قبول نہیں ہو گا۔ اس وقت قبولیت کی یہ علامت تھی کہ جس کا صدقہ قبول ہو جاتا اسے قدرتی طور پر آنے والی آگ کھا جاتی اور جو قبول نہیں ہوتا تھا اسے آگ نہیں کھاتی تھی۔

قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے ایک بحری یا ایک دنبہ رب تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا دونوں نے یہ کہہ کر نیاز پیش کی کہ

”اے اللہ جو اقلیما کا زیادہ حقدار ہے اسکی قربانی قبول فرما“

آسمانی آگ نے ہابیل کے صدقہ کو کھا کر قبولیت بخش دی اور قابیل کے صدقہ کو آگ نے نہ کھا کر



رد کر دیا۔ قابیل کے دل میں حسد بغض و عناد بھڑک اٹھا اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَى آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ ، قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ، قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ، لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ ، إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾

(المائدة ۲۷ ، ۲۹)

اور انہیں پڑھ کر سناؤ ! آدم کے بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی، بولا قسم ہے، میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑیں تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کا یہ مطلب تھا کہ حسد کی برائی معلوم ہو اور نبی کریم ﷺ سے حسد کرنے والوں کو سبق حاصل ہو اور قیامت تک لوگ حسد کو برا سمجھیں۔

ہابیل حق پر تھے ان کے تقویٰ کے پیش نظر ان کا صدقہ قبول ہو گیا انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں میرا اور تمہارا گناہ تمہارے ہی پلہ پڑے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے باپ کی نافرمانی کی وہ گناہ بھی تمہارے ذمہ ہے اور اگر مجھے قتل کرنا چاہو تو کر لو، میرے قتل کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہی ہو گا۔

(روح المعانی و خزائن العرفان)

آخر کار قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا:

﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ ، فَاصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(المائدة ۳۰)



تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔

آدم علیہ السلام مکہ گئے ہوئے تھے اس نے ان کے پیچھے اپنے بھائی کو قتل کر دیا یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا اسلئے قابیل جانتا نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے تو شیطان لعین نے اس کے سامنے ایک پرندے کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے پھوڑ دیا۔ قابیل کو پتہ چل گیا کہ اس طرح قتل کرنا ہے ہابیل چونکہ بحریاں چراتے تھے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے قابیل نے ان کے سر پر پتھر مار کر انہیں قتل کر دیا اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۱۱۴)

## قتل کے بعد قابیل کی دنیا میں ذلت :

عبدالرحمن بن فضالہ سے مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی عقل زائل ہو گئی، دل میں سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی، اسی طرح پاگل ہی رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ قتل کرنے سے پہلے رنگ اس کا سفید تھا اور قتل کے بعد اس کا تمام جسم کالا ہو گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کی سر زمین سے واپس ہونے پر قابیل سے پوچھا تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا میں کوئی اس کا ذمہ دار تو نہیں تھا آپ نے فرمایا: تو نے اسے قتل کر دیا ہے اسی لئے تیرا جسم سیاہ ہو چکا ہے۔

## قابیل کا اخروی عذاب :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا اس کے قتل کا عذاب آدم علیہ السلام کے پہلے ”قاتل بیٹے“ پر بھی ہوگا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل کی ابتداء کی۔ یعنی جس طرح قتل کرنے والے کو قتل کا عذاب ہوگا اسی طرح قتل کی ابتداء کرنے والے کو بھی عذاب ہوتا رہے گا۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۱۱۵، کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۸)

## بیٹے کے قتل پر حضرت آدم علیہ السلام کا غم :

حضرت آدم علیہ السلام بیٹے کے قتل پر اتنے زیادہ غمزدہ ہوئے کہ ایک سو سال تک آپ مسکرائے



نہیں ایک سو سال کے بعد آپ کو ایک اور بیٹے کی بشارت دی گئی یعنی آپ کو کہا گیا :

”اللہ آپ کو زندہ رکھے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک اور بیٹا عطا فرمانے والا ہے تو آپ مسکرائے“

البتہ حضرت علامہ محی السنہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہابیل کے قتل ہونے کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام عطا ہوئے اور آدم علیہ السلام کے ولی عہد بنے۔

خیال رہے تفسیر کشاف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے قتل ہونے کے بعد بطور مرثیہ اشعار کہے لیکن تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور روح المعانی میں علامہ آکوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا کہ یہ غلط اور جھوٹ ہے تمام انبیائے کرام نے اشعار نہیں کہے۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۱۱۵، کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۸)

## قتل کے بعد قابیل کی پریشانی :

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کر دیا تو اب یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی طرح چھوڑ دینے پر اسے یہ خطرہ تھا کہ درندے کھا جائیں گے تو وہ اپنے بھائی کی لاش کو بوری میں ڈال کر پھرتا رہا یہاں تک کہ لاش بدبو دار ہو گئی اسے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ بہت ہی پریشان تھا۔ خیال رہے قرآن پاک میں اس مقام پر لاش کے لئے لفظ ”سَوَاءٌ“ استعمال ہوا جس کا اصلی معنی ٹگیز ہے یعنی جسم کا وہ حصہ جو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ وہ بھی قتل کے بعد لاش چھپائے پھرتا تھا اس لئے اسے ”سَوَاءٌ“ کہا گیا ہے۔

## لاش چھپانے میں کوئے کی معاونت :

ارشاد خداوندی ہے :

﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوَاءَ أَخِيهِ قَالَ يُوَيَّلَتِي أَغْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوَاءَ أَخِيهِ فَاصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ﴾

(المائدة ۳۱)



تو اللہ نے ایک کو ابھجا زمین کریدنے لگا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے  
یہ لا: ہائے خرابی میں اس کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا، تو پچھتا رہ گیا۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ قابیل مجرم ہونے کے باوجود جب اس پریشانی میں  
پھنسا ہوا تھا کہ اپنے بھائی کی لاش سے کیا کرے؟ دنیا میں پہلی موت تھی قبر کھودنے دفن کرنے سے وہ بے  
خبر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل حل کرنے کے لئے اس کا معاون کوئے کو بنا کر بھیجا۔

کوئے نے کیسے معاونت کی؟

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین وجہ بیان کی ہیں اگرچہ مشہور پہلی بات ہی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے دو کوئے بچے وہ دونوں لڑے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے  
زمین کو کریدا اور مردہ کوئے کی لاش کو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی، اس سے قابیل کو بھی پتہ  
چل گیا کہ میں نے بھی ایسا ہی کرنا ہے اور بہت پشیمان ہوا کہ میں اس کوئے سے بھی زیادہ عاجز ہو گیا اتنا کام بھی  
نہ کر سکا۔

(۲) قابیل نے تنگ آکر ہابیل کی لاش کو اسی طرح پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے کوئے بھی جبرے جنہوں نے  
مٹی کھود کھود کر اس لاش پر ڈالی اور اسے چھپا دیا یہ دیکھ کر قابیل کو بہت افسوس ہوا کہ ہابیل کو اللہ نے کتنی  
عزت بخشی ہے اور میں کتنا ذلیل ہو گیا۔

(۳) کوئے کی عام عادت یہ ہے کہ کوئی کھانے کی چیز اس کے پاس ہو تو وہ اسے دوسرے وقت کے لئے  
زمین میں دبا دیتا ہے اس نے جب کسی چیز کو زمین میں چھپایا تو قابیل کو پتہ چل گیا کہ میں نے اپنے بھائی کی  
لاش کو ایسے چھپانا ہے اور ساتھ ساتھ کوئے سے کم علم رکھنے کی وجہ سے بہت پشیمان بھی ہوا کہ مجھ سے تو کو  
ہی اچھا ہے جسے چیزوں کو چھپانا آتا ہے۔

تنبیہ:

قابیل کو ندامت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی اور نہ ہی وہ تائب ہو رہا تھا بلکہ اسے



ندامت اس پر ہوئی کہ وہ بھائی کی لاش کو اٹھائے پھر تارہا اور کوئے سے بھی کم عقل رہا کہ اسے دفن نہ کر سکا اور اس وجہ سے نادم ہو رہا تھا کہ وہ بھائی کو قتل کرنے کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ اس سے ماں باپ بہن بھائی سب ناراض ہو گئے تھے.....

اور وجہ یہ بھی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک کوئے نے بڑی مہربانی سے دوسرے کی لاش کو دفن کیا تو یہ اس پر نادم ہوا تھا کہ مجھے تو اپنے بھائی پر اتنا رحم بھی نہیں آسکا جتنا کوئے کو ہے واضح ہوا کہ اس نے کوئی توبہ نہیں کی، اور ندامت اسے صرف اپنی حماقت پر تھی۔

(از کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

### حضرت آدم علیہ السلام کی وفات :

جب آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے آدم علیہ السلام کے فرزند یہ حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل اور دوسرے فرشتے ملے جن سے انہوں نے آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ذکر کیا، فرشتوں نے کہا ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔

چنانچہ یہ سب آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے، حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں انہوں نے فرمایا کہ حوا اب تم مجھ سے الگ رہو میرے اور رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو، اس طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

### حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی :

فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جس طرح ہم تمہارے باپ کا کفن و دفن کریں گے اسی طرح تم فوت ہونے والے لوگوں کا کفن و دفن کرنا۔

جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی جوڑے کا کفن اور جنتی بیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا جسم مبارک کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی، اس



نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں، پھر مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی، وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھود کر ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی ڈھلوان بنایا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی قبر ”جدہ“ میں ہے، بعض روایات کے مطابق دونوں کی قبریں حرم میں طواف کی جگہ میں ہیں۔

(از تفسیر عزیزی، تفسیر نعیمی ج اول)

(واللہ اعلم بالصواب)





## ﴿حضرت اور لیس علیہ السلام﴾

حضرت اور لیس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کے دادا ہیں۔

حضرت اور لیس علیہ السلام کا نسب :

اخنوخ بن یرد بن مہلابیل بن انوش بن قیتان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب :

نوح ابن لمک بن متو شلخ بن اخنوخ (اور لیس علیہ السلام)

حضرت اور لیس علیہ السلام کی ایجادات :

سب سے پہلے ستاروں میں نظر کرنا اور حساب کرنا آپ سے ہی ثابت ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آپ کا ستاروں میں نظر کرنا اللہ کی مرضی کے مطابق تھا آپ کے حساب میں تخمینے کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں جو القاء کرتا آپ وہی بیان کرتے یعنی ستاروں کا حساب آپ کو بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا آج کے دور میں ستاروں کا حساب اور آنے والے واقعات کی خبر دینا حرام ہے ان پر یقینی اعتبار کرنا کفر ہے۔

قلم کے ذریعے لکھنے کو سب سے پہلے آپ نے رواج دیا، سب سے پہلے کپڑے آپ نے ہی پہنے اس سے پہلے لوگ چمڑے کا لباس استعمال کرتے تھے۔ سب سے پہلے چیزوں کے وزن کرنے اور کپڑے وغیرہ کو ناپنے کو آپ نے ہی رواج دیا۔ سب سے پہلے اسلحہ کی ایجاد بھی آپ نے ہی فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول آپ ہی ہیں اور آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔

(روح المعانی ج ۹، ص ۱۰۵، تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۲۳۳، مدارک ص ۴۲۰)



اور یس علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَّرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾

(مریم ۵۶، ۵۷)

اور کتاب میں اور یس کو یاد کرو وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مقام کی طرف اٹھایا۔

اس آیت کریمہ میں بلند مقام کی طرف اٹھانے کا ایک مطلب یہ ہے

”ہو شرف النبوة والزلفی عبد اللہ تعالیٰ“

(روح المعانی ج ۹ ص ۱۰۵)

آپ کو نبوت کے منصب سے مشرف فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص قرب عطا فرما کر آپ کو رفعت و بلندی عطا فرمائی۔

دوسرا معنی :

”ان المراد به الرفع في المكان الى موضع عال و هذا اولی لان الرفع

المقرونة بالمكان تكون رفعة في المكان لافى الدرجة“

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۲۳۳)

یعنی دوسرا معنی بلندی کا یہ ہے کہ آپ کو بلند مکان کی طرف اٹھایا گیا یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ورفعنہ مکان علیا ذکر فرمایا جہاں مکان کا ذکر ہو اس سے مراد مکان کی بلندی ہی ہوتی ہے درجات کی بلندی مراد نہیں ہوتی۔

بلندی مکان کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا اور یہی صحیح تر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے معراج کی رات حضرت اور یس علیہ السلام کو آسمان چہارم پر دیکھا۔

حضرت کعب احبار وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت اور یس علیہ السلام نے ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، روح قبض کر کے پھر اسی وقت لوٹادی آپ زندہ ہو گئے۔



پھر آپ نے فرمایا اب مجھے جہنم دکھا دو تاکہ خوف الہی زیادہ ہو آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کو جہنم کے دروازے پر لے جایا گیا۔ آپ نے مالک نامی فرشتہ..... جو جہنم کا داروغہ ہے..... سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس سے گذرنا چاہتا ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گذرے۔ پھر آپ نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے جنت دکھاؤ وہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کو جنت کے پاس لے گئے آپ نے جنت کے دروازے کھولنے کا ارشاد فرمایا تو آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے آپ جنت میں تشریف لے گئے۔

ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ چلیں زمین میں اپنے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس نے موت کا مزہ اچکھنا ہے میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی یہ شرط لگائی ہے ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ کہ ہر شخص کو جہنم پر گذرنا ہے میں جہنم سے بھی گذر کر آچکا ہوں۔ اب میں جنت میں داخل ہو چکا ہوں جو لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں انہیں وہاں سے نکالا نہیں جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ﴾ جنت والوں کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشادات کے مطابق میں نے یہیں رہنا ہے یہاں سے مجھے نہیں نکالا جاسکتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا: اے عزرائیل میرے بندے ادریس نے سب کام میری مرضی سے کئے انہیں یہاں ہی رہنے دو! آپ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں زندہ ہیں۔

(از خزائن العرفان)

**تنبیہ:** حضرت ادریس علیہ السلام کے دلائل میں قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ ذکر ہیں جو اس وقت نازل اگرچہ نہیں ہوا تھا لیکن اللہ کا کلام قدیم ہے، لوح محفوظ پر اس وقت بھی تحریر تھا، نبی چونکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے رکھتے ہیں اس لئے حضرت ادریس علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی لہذا قرآن پاک سے آپ کا استدلال درست ہے۔



## ﴿حضرت نوح علیہ السلام﴾

حضرت نوح علیہ السلام کے باپ کا نام ملک بن متوشلح بن اخنوخ (یہ اور یس علیہ السلام کا نام)

(مدارک پ ۸ ع ۱۵ زیر آیت لقد ارسلنا نوحا)

آپ علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد اعلان نبوت کا حکم دیا گیا اور ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال آپ اپنی قوم میں ٹھہرے اور اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَلْبَتْ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ (العنکبوت ۱۴)

تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہے۔

طوفان کے بعد آپ دو سو پچاس سال زندہ رہے آپ کی کل عمر ایک ہزار دو سو چالیس سال ہے اگرچہ اس میں اور قول بھی ہیں لیکن زیادہ طور پر اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے۔

(صاوی پ ۸ زیر آیت ولقد ارسلنا نوحا ، حاشیہ جلالین ص ۱۲۴)

### نوح علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ کی؟

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت، گناہوں سے باز رہنے کی تبلیغ فرمائی اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

﴿قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ☆ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ☆  
يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخْرِجْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ  
لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے لئے ظاہر طور پر ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا، بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا، کاش تم جانتے!



آپ نے اپنی قوم کو اور یہ فرمایا :

﴿انّی اخاف علیکم ان عبدتم غیرہ عذاب یوم عظیم وهو یوم القیمۃ﴾

(جلالین ب ۸ ص ۱۳۵)

اگر تم نے اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کی تو میں قیامت کے دن کے بہت بڑے عذاب کا تمہیں خوف دلاتا ہوں۔

آپ نے تبلیغ فرماتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا :

﴿انّی اخاف علیکم ان عبدتم غیرہ عذاب یوم الیم مولم فی الدنیا والاخرۃ﴾

(جلالین ب ۱۲)

اگر تم نے اللہ کے بغیر کسی اور کی عبادت کی تو میں تمہیں دنیا اور آخرت کے دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں

اس آیت کریمہ میں اپنی قوم کو اخروی عذاب کے ساتھ ساتھ دنیا میں تباہی و بربادی سے بھی واضح طور پر ڈرا دیا گیا کہ شاید قوم پر کچھ اثر ہو جائے۔

اور آپ نے فرمایا :

﴿وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرِیَ الْأَعْلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

(ب ۱۹ الشعراء ۱۰۹)

اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے

یعنی میں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے اور صرف اسی سے ڈرنے اور اسکے بغیر کسی اور کی عبادت کرنے پر دین و دنیا کی تباہی سے ڈرانے پر کوئی اجرت مال و دولت کا مطالبہ تو نہیں کر رہا اگر تم نے اس راہ کا تعین کر لیا جو میں بتا رہا ہوں تو تمہاری کامیابی ہے ورنہ تم ذلیل ہو جاؤ گے تباہ و برباد ہو جاؤ گے دین و دنیا میں خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچانے میں مجھے تم سے کوئی غرض نہیں کسی منصب مال و دولت کے حصول کا کوئی لالچ نہیں صرف اللہ کے حکم سے اللہ کی رضا مندی کے لئے تمہیں تبلیغ کر رہا ہوں۔ میرے اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اجر و ثواب عطا کرنا ہے اس کی بے حساب رحمت کے ہوتے ہوئے مجھے تم سے کچھ غرض نہیں۔



## نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا قوم پر کیا اثر ہوا؟

آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دن رات تبلیغ کی لیکن قوم قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی آپ کی تقریر کونہ سننے کی غرض سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونکتے۔ (معاذ اللہ) آپ سے نفرت کرتے ہوئے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا ﴾

(پ ۲۹ سورۃ نوح ۷۰۵)

عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے ان کا بھاگنا بڑھا ہی ہے اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے، انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ہٹ دھرمی کی اور بڑا غرور کیا۔

یعنی نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: اے اللہ! میں نے تیرے احکام پہنچانے میں کوئی کوتاہی سستی نہیں کی، لیکن میری قوم ماننے اور قریب آنے کے بجائے دور ہوتی چلی گئی۔

جیسے جیسے آپ تبلیغ فرماتے رہے قوم کے دور ہونے میں کمی آنے کے بجائے زیادتی ہوتی رہے اللہ کے نبی کی قوم پر شفقت کا یہ عالم ہے کہ آپ ان کو اس راہ پر چلانا چاہتے جس پر چلنے سے ان کو نجات حاصل ہو اللہ انکی مغفرت کرے اللہ ان سے راضی ہو جائے اور وہ اللہ کے قریب ہو جائیں۔ لیکن قوم کی بد بختی کا یہ عالم ہے کہ وہ آپ سے اتنی زیادہ نفرت کرتی ہے کہ آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں اور آپ کو دیکھنا انہیں گوارا نہیں، وہ کانوں میں اسلئے انگلیاں ٹھونس رکھتے تاکہ آپ کا کلام اور آپ کے پیش کردہ دلائل کونہ سن سکیں اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتے کہ معاذ اللہ ہمیں نوح (علیہ السلام) کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ اللہ کا جن پر فضل ہو وہ اللہ والوں کی باتیں سن کر ایمان لاتے ہیں گناہوں سے باز رہتے ہیں نیکی و تقویٰ اختیار کرتے ہیں جو شیطان کی گرفت میں ہوتے ہیں وہ ہدایت دینے والوں کو ملائیت، فسطائیت، قدامت پسندی کے نام دے کر دین کے باغی ہو جاتے ہیں۔

(از کبیر)



## نوح علیہ السلام نے تبلیغ کا ہر طریقہ آزمایا :

آپ علیہ السلام نے ہر وقت تبلیغ کی، یعنی دن رات تبلیغ کی پھر آپ نے ہر شخص کو آہستہ آہستہ نرم لہجہ میں سمجھایا کہ اللہ کی عبادت کرو، رب سے ڈرو لیکن قوم نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر سننے سے انکار کیا اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر آپ کو دیکھنے سے بیزاری ظاہر کی اپنے کفریہ اعتقادات پر ہٹ دھرمی سے قائم رہے تکبر کی وجہ سے احکام باری تعالیٰ سے انکار کیا۔

پھر آپ نے ظاہر اعام مجالس میں ان کو خطابات کئے اور راہ حق کا سبق دیا، لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا پھر آپ نے اعلانیہ طور پر اور آہستہ آہستہ دونوں طرح سے تبلیغ کی، لیکن یہ طریقہ بھی قوم کو راہ راست پر نہ لاسکا۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یوں پیش فرمایا :

﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا﴾

(پ ۲۹ سورت نوح ۹)

(نوح علیہ السلام نے کہا) پھر میں نے انہیں اعلانیہ بلایا پھر میں نے ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا۔

## قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے؟

اتنا عرصہ تبلیغ کرنے کے باوجود ایمان لانے والوں کا مختصر گروہ نظر آتا ہے تین آپ کے بیٹے سام، حام، یافث اور تین ان کی بیویاں اور ایک نوح علیہ السلام کی زوجہ اور ستر مرد عورتیں۔ یہی ایماندار لوگ کشتی پر بھی سوار تھے یعنی مع نوح علیہ السلام کے کل اٹھتر آدمی کشتی میں سوار تھے، جن میں مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں تھے۔

## نوح علیہ السلام کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجوہ :

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا﴾

(۱)

(پ ۱۲ سورت ہود ۲۷)

تو آپ کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔



یعنی ایک وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ وہ نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے کہ ہمارے ہی جیسا بشر کبھی نبی نہیں بن سکتا وہ اس سے بے خبر تھے کہ نبی کو دو حالتیں حاصل ہوتی ہیں ایک بشری اور دوسری نورانی۔ وہ کہنے لگے نبی تو فرشتہ ہونا چاہئے !

﴿ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴾

(ب ۱۸ سورت مؤمنون ۲۴)

تو آپ کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے : یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی، چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا، ہم نے تو یہ اگلے باپ داداؤں میں نہ سنا۔

یعنی انہوں نے یہ کہا کہ ہم نوح (علیہ السلام) پر کیوں ایمان لائیں یہ تو ہمارے جیسا ہے یہ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے بڑا بننا چاہتا ہے ہم نے تو اپنے کسی باپ دادا سے یہ نہیں سنا کہ بشر بھی نبی ہوتا ہے اگر رب نے نبی بنانا ہی ہوتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیج دیتا۔

(۲) دوسری وجہ قوم کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ ہم اعلیٰ لوگ اور گھٹیا لوگ ایک ہی مذہب پر نہیں ہو سکتے، قوم نے کہا :

﴿ وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّى الرَّأْيِ ﴾

اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے۔

یعنی قوم کے وڈیرے سردار کہنے لگے کہ تم پر ایمان غریب، گھٹیا شان والے لائے ہیں اور انہوں نے بھی بغیر سوچ و سمجھ کے سرسری نظر سے ایمان قبول کیا ہے وہ بھی سوچتے تو ایمان نہ لاتے، یا یہ کہ ان میں سوچنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ایسے گھٹیا لوگوں کے ساتھ ہم بھی ایمان لا کر ان جیسے ہو جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گویا تکبر کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لائے۔

﴿ قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرَذَلُونَ ﴾

(ب ۱۹ سورت شعراء ۱۱۱)

بولے : کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ (ایمان لانے والے) کمینے لوگ ہیں؟



(۳) تیسری وجہ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ تھی کہ تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے ہم پر کوئی زیادہ فضیلت تو نہیں رکھتے، یعنی نبی کی شان کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ نبی کی عظمت کو نہ سمجھ سکے اور یہ بات انہیں نہ سمجھ آئی کہ رب تعالیٰ کے نزدیک کسی کے مال و دولت کی زیادتی افضل ہونے کا سبب نہیں، بلکہ ایمان اور تقویٰ افضلیت کا سبب ہے۔ یہی رب تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی اس وجہ کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

﴿وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ﴾  
اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب :

﴿أَوْ عَجِبْتُمْ أَن جَاءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا  
وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(پ ۸ سورت اعراف ۶۳)

کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الہی سے) اور تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یعنی آپ نے ان کے شبہ کا ازالہ فرمایا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ذات ربانی سے براہ راست فیض حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے اس لئے فرمایا کہ تمہاری حیرت و پریشانی بے محل ہے اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمت نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

(ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۴)

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے ایمان سے انکار کی اس وجہ کا دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

﴿وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُّلَقُوا رَبَّهُمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۲۹)

اور میں ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات



کرنے والے ہیں البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے۔

یعنی انہوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہو گا کہ ہر وقت آپ کے ارد گرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں ہمارا توجی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کینے لوگوں کا جھمکا ہو آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہو گا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صاف جواب دیا یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمہاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ بڑے لوگ ہو لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمع نور کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ گد ہوں کی نہیں ہو سکتی جو دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص و تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں یہ بھی کہا کہ تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہو گا لیکن میرے نزدیک تو تم انجان اور ناواقف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا راز کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی، کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔

(از ضیاء القرآن)

## نوح علیہ السلام کی قوم پر ابتدائی وبال :

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار تبلیغ کی لیکن قوم سے سوائے تکذیب کے کچھ حاصل نہ ہوا انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تو ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جھنجھوڑا دینے کے لئے اس طرح گرفت میں لیا کہ ان پر بارشیں برسنی ختم ہو گئیں اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں ان کی اولاد پیدا ہونی ختم ہو گئی۔

## اللہ کے نبی کی شفقت :

قوم بار بار انکار کر رہی تھی لیکن نوح علیہ السلام صبر و تحمل سے انہیں جہنم کی آگ سے نکالنے اور دنیاوی مشکلات سے نکالنے کی تدبیر فرماتے ہوئے انہیں وہ طریقے بتا رہے تھے جن سے وہ اپنے آپ کو مصائب و آلام سے نکال سکیں۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو مشکلات سے نکلنے کا جو طریقہ بتایا اس کا ذکر اللہ



تعالیٰ کے حضور کرتے ہیں :

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلَ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴾

(پ ۲۹ سورت نوح ۱۰، ۱۳)

تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر شرانے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے ؟

یعنی آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ تمہاری مشکلات کا حل صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اس کی یاد کرنے اس سے ڈرنے اور اس سے معافی طلب کرنے میں ہے۔ لیکن قوم اپنی ہٹ دھرمی پر اسی طرح قائم تھی تکبر اتنا حد سے بڑھ چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو یہی کہہ رہے تھے

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ﴾

(پ ۲۹ سورت نوح ۲۳)

اور بولے ہر گز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہر گز نہ چھوڑنا ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (یہ سب ان کے بتوں کے نام ہیں) اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بھکایا۔

**فائدہ :** حضرت ربیع بن صبیح سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت حسنؑ کے پاس آئے انہوں نے قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا اللہ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے آپ سے اپنی غربت کا ذکر کیا آپ نے اسے بھی فرمایا کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے عرض کیا آپ اپنے رب سے میرے لئے دعا کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ پیٹا دے آپ نے اسے بھی فرمایا اپنے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے باغات کے خشک ہونے، پھل کم دینے، زمین کی پیداوار کم ہونے کا ذکر کیا اور دعاء کی درخواست کی آپ نے اسے بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔



حاضرین نے عرض کیا کہ شکایات لوگوں کی مختلف تھیں لیکن آپ نے سب کو عمل ایک ہی بتایا تو آپ نے جواب دیا کہ ”حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سب مشکلات کے حل کے لئے استغفار کا ہی حکم دیا تھا“ یعنی یہ عمل قرآن پاک سے ثابت ہے۔

(تفسیر کبیر)

قوم نے نوح علیہ السلام کو کیا القاب دیئے؟

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی جنہوں نے دن رات قوم کی دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچانے کے لئے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک کر رکھے تھے لیکن قوم نے آپ کو گمراہ جھوٹا مجنون (دیوانہ) وغیرہ القاب دے رکھے تھے۔

﴿ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴾

(پ ۸ سورۃ الاعراف ۶۰)

سردار بولے کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ، أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾

(پ ۸ سورۃ الاعراف ۶۱، ۶۲)

اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔

﴿ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۲۷)

بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

یعنی تم اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والے سب جھوٹے ہو کیونکہ تم سب ایک ہی دعویٰ رکھتے ہو یا یہ کہ تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو اور وہ تمہاری تصدیق کرنے میں جھوٹے ہیں۔

(تفسیر ابی السعود)

﴿ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فُتَرَبِّصُوا بِهِ حَتَّى حِينٍ ﴾ (پ ۱۸ سورۃ مؤمنون ۲۵)



وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانہ تک اس کا انتظار کئے رہو۔

یعنی انتظار کرو ہو سکتا ہے کہ اپنی دیوانگی سے کچھ افاقہ ہو جائے اور اپنا دعویٰ نبوت چھوڑ دے یا اس پر موت آجائے تو ہماری جان ہی اس سے چھوٹ جائے۔ کچھ سنجیدہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ انتظار کرو اگر یہ سچا نبی ہے تو اللہ اس کی امداد کرے گا اور اگر جھوٹا ہے تو اللہ اسے رسوا کرے گا اور ہماری جان اس سے چھوٹ جائے گی۔ لیکن ایسا سوچنے والے بھی ایمان نہ لاسکے جب اللہ تعالیٰ کی امداد نوح علیہ السلام کے لئے آگئی تو یہ بھی غرق ہو گئے۔

(جلالین مع حاشیہ)

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ﴾

(ب ۲۷ سورہ قمر ۹)

ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جھٹلایا تو ہمارے بندے کو جھوٹا کہا اور بولے وہ مجنون ہے اور اسے جھڑکا گیا۔

نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: کہ ان قریش سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی تکذیب کی آپ علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور آپ کو مجنون کہا، اور دھمکیاں دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ نبوت سے باز نہیں آئے تو ہم تمہیں گالیاں دیں گے اور ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکیاں اور سختیاں:

﴿قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ﴾

(ب ۱۹ سورہ شعراء ۱۱۶)

بولے اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے۔ تفسیر جلالین میں مرجومین کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک یہ کہ تمہیں گالیاں دی جائیں گی اور دوسرا یہ کہ تمہیں سنگسار کیا جائے گا۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو مار مار کر شدید زخمی کر دیا آپ کو اونی کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر پھینک دیا اور یہ خیال کیا کہ آپ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن آپ اسی حالت میں نکل کر پھر انہیں دعوت حق دینے لگے۔



ایک دفعہ ایک بوڑھا شخص جو لاٹھی کے سہارے چل رہا تھا اس نے اپنے بچے کو اٹھایا ہوا تھا حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے بیٹے کو کہنے لگا کہ اے میرے بیٹے دیکھنا اس بوڑھے شخص کے جال میں نہ پھنسنا یہ تمہیں کہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ باپ کی بات سن کر بیٹے نے کہا اے میرے بابا مجھے اتار دو اور اپنا ڈنڈا مجھے دے دو باپ نے بیٹے کو اتار کر ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھما دیا اس چھوٹے لڑکے نے نوح علیہ السلام کے قریب آکر آپ کو ڈنڈا دے مارا جو آپ کے سر پر لگا آپ زخمی ہو گئے خون جاری ہو گیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر نوح علیہ السلام نے رب کے حضور التجا کی: ”اے اللہ تیرے بندے جو میرے ساتھ سلوک کر رہے ہیں اسے تو دیکھ رہا ہے، اے اللہ اگر تو اپنے بندوں کو زندہ رکھنا ہی چاہتا ہے تو انہیں ہدایت دے یا اپنا کوئی فیصلہ کرنے تک مجھے صبر دے تو بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾  
(پ ۱۲ سورہ ہود ۳۶)

اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے، تو غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

﴿قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُون﴾  
(پ ۱۸ سورہ مؤمنون ۲۶)

نوح (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب میری امداد فرما! اس پر کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔

اس دعا میں بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو تباہ و برباد کرنے کی درخواست رب کے حضور پیش کر دی۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ، فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾  
(پ ۱۹ سورہ شعراء ۱۱۷، ۱۱۸)

عرض کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا تو مجھ میں اور ان میں پورا فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھ والے مسلمانوں کو نجات دے۔



(پ ۲۷ سورہ قمر ۱۰)

﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ﴾

تو آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے۔

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ

يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

(پ ۲۹ سورہ نوح ۲۶، ۲۷)

اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ  
بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور انکی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر  
بدکار، بڑی ناشکر۔

## قوم کی ہلاکت کی دعا آپ نے کیوں کی؟

نوح علیہ السلام نے قوم کو برباد کرنے کے لئے دعا اس لئے نہیں کی کہ آپ کو گالیاں دینے کی دھمکی  
دی گئی تھی یا آپ کو سنگسار کرنے کے لئے انہوں نے کہا تھا بلکہ صرف وجہ یہ تھی کہ اے اللہ جیسے تو نے خود  
بتا دیا ہے کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے بغیر اور کوئی ایمان لانے والے نہیں تو ان سے ایمان کی توقع جب نہیں  
اور ان کی اولاد سے بھی سوائے بدکاری اور ناشکری کی امید نہیں تو ان کو زندہ رکھنے کا کیا فائدہ ان کو تباہ و برباد کر  
دے۔

“فانتصر لك ولدينك فاني غلبت وعجزت عن الانتصار لدينك“

(تفسیر کبیر زیر آیت فدعا ربہ انی مغلوب)

اے اللہ میں تو عاجز و مغلوب ہو چکا ہوں تو اپنے دین اور اپنے ایمان لانے والے بندوں کی

خاطر میری امداد فرما۔

رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا:

نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہاری قوم کو غرق کر دیا جائے گا تم اپنے اور  
ایمان والے لوگوں کے بچاؤ کے لئے کشتی تیار کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:



﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ﴾

(ب ۱۲ سورت ہود ۳۷)

اور کشتی بناؤ ہمارے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبے جائیں گے۔

یعنی کافروں کے عذاب کی تاخیر کی کہیں دعا نہ کر دینا کیونکہ ان کے غرق ہونے کا یقینی فیصلہ ہو چکا ہے ان کے غرق ہونے کا وقت بھی معین ہو چکا ہے اسلئے جلدی کا مطالبہ بھی نہ کرنا، کیونکہ وقت مقرر سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔

آپ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا بھی کافر ہیں وہ بھی غرق ہو جائیں گے ان کے بچانے کی دعا بھی نہ کرنا کیونکہ تمام کافروں کے ڈوبنے کے فیصلہ میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔

(از تفسیر کبیر ج ۱۷ ص ۲۲۲)

کشتی کا ڈیزائن اللہ تعالیٰ کی وحی اور جبرائیل کی معاونت سے تیار ہوا:

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ کیسے کشتی بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کشتی کا اگلا حصہ مرغ کے سر کی طرح بنانا اور اس کا درمیان کا حصہ پرندوں کے پوٹے کی طرح بنائیں اور پچھلا حصہ مرغ کی دم کی طرح بنائیں اور اس کے اطراف میں دروازے بنائیں میخوں سے مضبوط کریں اور سوائے نیچے والی طرف کے، ہر طرف میں تارکول کی لپائی کر دو۔ کشتی بنانے میں جبرائیل اور کچھ دوسرے فرشتوں نے بھی معاونت کی۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۴۹)

کشتی کیسی تھی؟

کشتی کی لمبائی تین سو ذراع (ساڑھے چار سو فٹ) چوڑائی پچاس ذراع (پچھتر فٹ) اور اونچائی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) تھی۔ ساگوان کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی جس کے تیار کرنے میں دو سال صرف ہوئے۔ کشتی تین منزلہ تھی، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض (کیڑے



مکوڑے) تھے اور درمیانی حصہ میں پالتو جانور چوپائے وغیرہ تھے اور سب سے لو پر والی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے حضرات تھے اور اپنا زادراہ یعنی کھانے پینے کی اشیاء رکھی گئی تھیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۷ ص ۲۲۲)

### کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد :

کشتی میں وہی لوگ سوار تھے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا تھا، آپ کے تین بیٹے اور ہر ایک کی زوجہ اور نوح علیہ السلام خود اور آپ کی ایک زوجہ گھر کے یہ آٹھ افراد تھے اور ستر افراد اور تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا، اس طرح کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اٹھتر (78) تھی۔ علامہ آلوسی نے آپ کے بغیر اتنی آدمی یعنی بہتر اور سات آپ کے قبیلے کے اور ایک آپ خود اس طرح کل اسی آدمی تھے، اس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔

(تفسیر روح المعانی)

خیال رہے کہ نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ اور ایک بیٹا کنعان کا فر تھے جو غرق ہو گئے تھے ان کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

### کشتی کو دیکھ کر قوم کا مزاح کرنا :

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنا رہے تھے تو قوم آپ سے پوچھتی تھی اسے کیا کرو گے تو آپ فرماتے یہ سیلاب میں کام آئے گی۔ یہ سن کر قوم مزاح اڑاتی کہ اس علاقے میں پانی کا کوئی دریا نہیں تو اتنی بڑی کشتی بنانا کہ یہ پانی میں کام آئے گی؟ (معاذ اللہ) یہ تو سر اسر حماقت ہے۔

کبھی کہتے پہلے تو تم نبوت کا دعویٰ کر رہے تھے اب بڑھئی بن گئے ہو اس طرح وہ تمہارا ہر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طریقے کو ذکر فرمایا

﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكَلَّمَا مَرْغُلًا عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ مَسْخُورًا مِمَّنْ هَالِ ابْنُ نَسْرُونَ﴾



مِنَّا فَاَنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿

(پ ۱۲ سورت ہود ۳۸)

اور نوح کشتی بناتے ہیں اور جب اس قوم کے سردار اس پر گذرتے ہیں اس پر ہنستے ہوئے اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہمیں گے جیسا کہ تم ہنستے ہو۔

یعنی آج اگر تم ہمارے کشتی بنانے پر اعتراض کرتے ہو مزاح کرتے ہو تو تم جب ہلاک ہو جاؤ گے تو ہم بھی اللہ کے دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خوش ہوں گے۔

طوفان کا آغاز تنور سے ہوا :

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ اب طوفان آرہا ہے اس وقت تم کشتی پر سوار ہو جانا تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا اور ایمان لانے والوں کو بھی ساتھ کشتی میں سوار کر لینا۔ یہ تنور کوفہ میں تھا صحیح یہی ہے کہ عام تنور تھا جس میں آپ کی زوجہ روٹیاں پکاتی تھی اسی سے طوفان کی ابتداء ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُوْرُ ﴾

اور یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا تو تنور نے جوش مارا۔

یعنی جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے اس طرح تنور ابلنا شروع ہوا تو آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ اب طوفان آنے ہی والا ہے۔

کشتی پر سوار ہونے اور دعا پڑھنے کا حکم :

جب تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے تمام ایمان والوں کو حکم دے دیا کہ اب کشتی پر سوار ہو جاؤ اور سوار ہوتے وقت اللہ کے نام سے ابتدا کرو۔

﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٰهَا وَمَرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۴۱)

اور آپ نے کہا اس میں سوار ہو اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا، بے شک میرا رب



ضرور مٹھنے والا مہربان ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کشتی پر سوار ہو کر اللہ کا نام لینے کا حکم دے کر یہ واضح کیا کہ کشتی حقیقت میں اتنے بڑے طوفان سے نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی اسے چلنا ہے اور اسی کے فضل سے اس نے لنگر انداز ہونا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کشتی پر اعتماد نہ کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرو، یہ کشتی تو صرف ایک سبب ہے۔

کتنا عظیم طوفان تھا؟

جب طوفان کی ابتداء تنور سے ہو چکی تو آسمانوں کو پانی برسائے اور زمین کو چشموں سے پانی نکالنے کا حکم دے دیا گیا، آسمانوں اور زمین کے پانی نے مل کر ایک عظیم ہولناک منظر پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾  
(پ ۲۷ سورت قمر ۱۱، ۱۲)

ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے زور کے بہتے پانی سے اور زمین چشمے کر کے بہادی  
(یعنی زمین سے چشمے جاری کر کے زور سے پانی بہادیا) تو دونوں پانی مل گئے اس مقدار پر جو  
مقدر تھی۔

زمین و آسمان کے پانیوں نے مل کر اتنی شدید طغیانی برپا کر دی کہ موجیں جب اٹھتیں تو بہت بڑے  
بلند پہاڑوں کی طرح نظر آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾  
(پ ۱۲ سورت ہود ۴۲)

اور وہ (کشتی) انہیں لئے جارہی تھی ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موجوں کی بلندی اس وقت ہوتی ہے  
جب ہوا بھی تیز اور شدید ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شدید بارشوں اور زمین کے پانی چھوڑنے کے ساتھ شدید  
آندھیاں بھی چل رہی تھیں جن سے اٹھنے والی موجیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے باتیں کر رہی تھیں۔

(از کعبہ ج ۱۷ ص ۲۳۰)



## کشتی کا چلنا اور منزل پر پہنچنا :

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی دس رجب کو چلی اور دس محرم کو جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہو گئی کشتی چھ ماہ مسلسل طوفان میں رہی دس محرم کو طوفان سے نجات ملنے پر حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم نے روزہ رکھا۔

﴿ فصام نوح علیہ السلام و امر جمیع من معہ من الوحش والدواب فصاموا شکراً للہ ﴾

نوح علیہ السلام نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنے ساتھ تمام لوگوں اور وحشی جانوروں اور دوسرے جانوروں کو بھی حکم دیا سب نے اللہ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا۔

سبحان اللہ ! نبی کی عظمت کو جانور تو جانتے ہیں بے وقوف لوگ نہ جانیں تو اپنی بد بختی کا ماتم کریں۔

**فائدہ :** مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ کا ایک مرتبہ یہودی لوگوں سے گذر ہوا جنہوں نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا ہوا تھا آپ نے فرمایا یہ روزہ کیوں رکھا ہوا ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور اسی دن نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق رکھتا ہوں کہ اس دن روزہ رکھوں۔ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا۔ خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی عاشوراء کے دن ہی ہوئی۔

## نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا غرق ہو گیا :

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے، ان میں سے تین مومن تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، جن کے نام سام، حام اور یافث تھے اور ایک آپ کا بیٹا منافق تھا جس کا نام ”کنعان“ تھا وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ جو غرق ہو گیا چونکہ یہ منافق تھا یعنی ظاہر طور پر مومن تھا اور درحقیقت کافر



تھا اور کافروں سے ملا ہوا تھا۔ اس کے غرق ہونے کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔

﴿وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ  
قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ، قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ  
إِلَّا مَنْ رَحِمَ ، وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۴۲، ۴۳)

اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے پر تھا اے میرے بچے ہمارے  
ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو بلا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی  
سے بچائے گا (نوح علیہ السلام نے کہا) آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر  
جس پر وہ رحم کرے اور ان کے درمیان موج حائل ہو گئی تو وہ ڈوبنے والوں میں رہ گیا۔

نوح علیہ السلام کا یہ بیٹا گھوڑے پر سوار تھا، اترا رہا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر اپنے آپ کو چالوں گا،  
نوح علیہ السلام اسے کہہ رہے تھے کہ آج اللہ کے عذاب سے اس کے رحم کرنے کے بغیر کوئی بچ نہیں سکے  
گا۔ یہی مکالمہ ان دونوں کے درمیان چل رہا تھا کہ طوفان کی اٹھنے والی موجیں ان دونوں کے درمیان حائل  
ہو گئیں اور ”کنعان“ غرق ہو گیا۔

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے حق میں التجاء :

﴿وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ  
أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ، قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ، فَلَا  
تَسْتَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ، إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ، قَالَ رَبِّ إِنِّي  
أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ، وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ  
الْخَاسِرِينَ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۴۵، ۴۷)

نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بے  
شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے نوح  
وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں بے شک اس کے کام بڑے مبالغہ آلود ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ



مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن عرض کی اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں گا۔

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان منافق تھا آپ کے سامنے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا تھا اگر وہ اپنا کفر ظاہر کر دیتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی التجا نہ کرتے۔

(مدارک التنزیل ص ۲۵۴)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے گھر والوں کو نجات حاصل ہوگی تو اسی لئے آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق عرض کیا اور وہ بھی اس کی منافقت کی وجہ سے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اس کے عمل اچھے نہیں یعنی وہ کافر ہے پہلے مرتبہ قربت دینی کا ہے اگر یہ حاصل ہو تو رشتہ کی قربت کا بھی فائدہ ہوگا ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

**تنبیہ:** حضرت محمد بن علی باقر اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کنعان نوح کی زوجہ کا بیٹا کسی اور خاوند سے تھا آپ کا اپنا بیٹا نہیں تھا حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ آپ پڑھتے تھے ﴿وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ﴾ نوح علیہ السلام نے اپنی زوجہ کے بیٹے کو آواز دی کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

حضرت قتادہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ آپ کا بیٹا نہیں تھا۔ تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿ان ابنی من اہلی﴾ بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے۔

حضرت حسن بصری نے جواب دیا کہ یہ تو میرے قول کی تائید ہے کہ نوح علیہ السلام نے کہا میرا بیٹا میری اہل سے ہے آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ ﴿ان ابنی منی﴾ یعنی میرا بیٹا جو میرا ہی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۳۱ زیر آیت ونادی نوح ابنہ)

**نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ بھی غرق ہو گئی:**

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ جس کا نام ”والہۃ“ تھا یہ فاجرہ تھی اور لوگوں کو بھی کہا



کرتی تھی (معاذ اللہ) نوح مجنون (دیوانہ) ہے اسکی بات نہ مانا کرو۔ وہ بھی غرق ہو گئی۔

تفسیر جلالین میں ﴿الامن سبق علیہ القول﴾ کے قول کے ماتحت آپ کے بیٹے کنعان اور آپ کی زوجہ دونوں کا ذکر ہے یعنی یہ دونوں کافر تھے اور غرق ہو گئے۔

(روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۹۲)

**تنبیہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی حضرات نے روایت بیان کی ”ما زنت امرأة نبی قط“ کسی نبی کی کوئی عورت کبھی زانیہ نہیں تھی۔

اثرس نے اسی حدیث کی سند کو نبی کریم ﷺ تک پہنچا کر مرفوع قرار دیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ انبیائے کرام کی عورتیں زانیہ تو نہیں تھیں البتہ کسی سے کفر سرزد ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بدکاری کو ہر زمانے میں برا سمجھا جاتا رہا اور لوگوں کی طبائع اس سے متنفر رہیں، اسلئے نبی کی بیوی میں ایسا فعل پایا جائے تو نبی میں نقص اور عیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عیوب اور نقائص سے پاک پیدا فرمایا لیکن کفر کو کافر لوگ اپنا حق مذہب سمجھتے تھے اسلئے کفران کے نزدیک عیب کی بجائے کمال سمجھا جاتا تھا لہذا کفر انبیاء کرام کی بیویوں میں بھی پایا جاسکتا ہے۔

(روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۹۲)

**طوفان کی انتہا:**

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَفْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودَىٰ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۴۳)

اور حکم فرمایا گیا اے زمین اپنا پانی نگل دے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔

یعنی جب کافروں کے غرق ہونے کا کام مکمل ہو گیا تو طوفان کو ختم کر دیا گیا بارش روک دی زمین کو حکم دیا گیا کہ اب جو پانی تیرے اوپر ہے اسے اپنے اندر جذب کر لے۔

صرف وہی لوگ یا جانور بچے جو کشتی میں سوار تھے، باقی تمام انسان چوپائے پرندے اور دوسرے



کشتی جانور غرق ہو گئے اور غرق ہونا عقل بالغ کافروں کے لئے تو عذاب تھا اور ان کے علاوہ دوسرے غرق ہونے والوں کے لئے عذاب نہیں تھا۔

(صاوی حاشیہ جلالین ص ۱۸۳)

حدیث شریف میں آیا ہے :

”اذا انزل الله بقوم عذابا اصاب العذاب من كان فيهم ثم بعثوا على اعمالهم“  
(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳)

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو سب اچھے اور برے اس عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر جب اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا یعنی نیک لوگوں کو دنیا میں عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوگا اسی لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے مطابق ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

کشتی جو دی پہاڑ پر کیوں رکی؟

تمام پہاڑ اپنی اپنی بلندیوں پر تکبر کر رہے تھے اور اترا رہے تھا لیکن جو دی پہاڑ اللہ کے حضور اپنی عاجزی ہی کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ تکریم عطا فرمائی کہ نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر آکر ٹھہری۔

﴿من تواضع لله سبحانه رفعه﴾ (روح المعانی ج ۷ ص ۶۲)

جس نے عاجزی کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت عطا کی

خیال رہے جو دی پہاڑ موصل یا شام کے علاقہ میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ پانی حرم شریف میں داخل نہیں ہوا تھا۔





# ﴿حضرت ابراہیم و اسماعیل و اسحاق﴾

## عليهم الصلاة والتسليم

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں  
حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل کی والدہ کا نام  
حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب :

آپ تارخ ابن ناخور کے فرزند ہیں آپ کا نام ابراہیم اور آپ کا لقب ابو الضیفان (بہت  
بڑے مہمان نواز) ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے : ابراہیم ابن تارخ ابن ناخور ابن ساروع ابن  
رعو ابن تاتع ابن عابر ابن شالح ابن ارفحشد ابن سام بن نوح۔

(تفسیر حقانی)

آپ کی پیدائش طوفان کی سترہ سو نو سال بعد اور عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو سال  
پہلے شہر بابل کے قریب قصبہ ”کونی“ میں ہوئی۔

(تفسیر عزیزی)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ آپ کی پیدائش امواز کے علاقہ میں سوس کے  
مقام پر ہوئی۔

(تفسیر نعمی ج ۱ ص ۶۳۰)

**تنبیہ :** ”آزر“ ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے آپ کے باپ کا نام ”تارخ“ ہے۔  
علامہ محمود احمد آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”والدی عول علیہ الجہم الغفر من اہل السنۃ ان آزر لم یکن والد ابراہیم  
علیہ السلام وادعوا انہ لیس فی آباء النبی ﷺ کافر اصلاً لقولہ



علیہ الصلوٰۃ والسلام ” لم ازل انقل من اصلاب الطاهر الی ارحام الطاهرات “

اہل سنت کے کثیر اہل علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا اہل سنت کے جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آباء اجداد میں کوئی بھی کافر نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں نے پاک رحموں کی طرف منتقل ہو تا رہا۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ کفار و مشرکین تو پاک کبھی نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ (پ ۱۰ سورہ توبہ ۲۸)

بے شک مشرک تو ناپاک لوگ ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں ” طاہر “ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباء و اجداد بدکاری سے پاک تھے ۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

” وتخصیص الطہارۃ بالطہارۃ من السفاح لا دلیل علیہ یعول علیہ والعبرۃ

لعموم اللفظ لا لخصوص السبب “

طہارت کو زنا سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کر نادعویٰ بغیر دلیل کے ہے، اس پر کوئی ایسی دلیل نہیں جو قابل اعتماد ہو، لحاظ عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کی خصوصیات کا۔

الفاظ کی عمومیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مراد مطلق ہر طرح کی پاکیزگی ہے کفر اور بدکاری ہر طرح سے پاک پشتوں اور پاک رحموں میں ہی حضور ﷺ منتقل ہوتے رہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں نبی کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے قول کو شیعہ کی طرف منسوب کیا تھا اس کا بھی رد پیش کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

﴿ والقول بان ذالك قول الشيعة كما ادعاه الامام الرازي ناشئ من قلة التابع ﴾

اس قول کو شیعہ کی طرف منسوب کرنا جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منسوب کر دیا

ہے یہ حقیقت میں غور و فکر کم کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اگر توجہ کی جاتی تو ایسا نہ ہوتا۔



خیال رہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف الحاوی للفتاویٰ میں ایک رسالہ ”مسالك الحنفاء فی ایمان والدی مصطفیٰ“ میں اسرار التنزیل کے حوالہ سے علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی جمہور کے ساتھ ایمان کے متعلق ہی مذکور ہے۔

استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ تفسیر کبیر کے بعد کی تصنیف علامہ رازی کی اسرار التنزیل ہے اسلئے علامہ کا پہلے قول سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔

﴿واکثر هؤلاء علی ان آزر اسم لعم ابراهیم علیہ السلام﴾

اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔

قرآن پاک میں دادا چچا اور باپ سب پر لفظ ”اب“ (باپ) بولا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي

قَالُوا نَعْبُدُ الْهٰكِ وَالْهٰ اَبَاءُكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾

(پ ۱ سورہ بقرہ ۱۳۳)

کیا تم موجود تھے جب یعقوب پر موت کا وقت حاضر ہوا اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں

سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ بولے ہم عبادت کریں گے تمہارے معبود

اور تمہارے آباء ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی۔

اس آیت کریمہ میں یعقوب علیہ السلام کے والد اسحاق علیہ السلام اور چچا (تایا) اسماعیل علیہ السلام

اور دادا ابراہیم علیہ السلام سب پر آباء کا اطلاق ہے جو ”اب“ کی جمع ہے۔

محمد بن کعب قرظی نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا اور کہا :

”الخال والد والعم والد“ ماموں باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا قول مبارک موجود ہے جس میں آپ نے اپنے چچا حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کو ”ابی“ میرا باپ کہا ہے۔

”ردوا علی ابی العباس“ میرے باپ عباس کو مجھ پر پیش کرو!



جن محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد کافر نہیں تھا بلکہ آپ کا چچا آزر کافر تھا انہوں نے بطور دلیل ابن منذر کا قول بھی پیش کیا ہے جو اس نے اپنی تفسیر میں سند صحیح سے سلیمان بن صرد کا قول پیش کیا ہے کہ جب نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے لکڑیاں جمع کرنی شروع کیں تو ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی ابراہیم علیہ السلام نے جب ساری قوم کو مخالف پایا تو کہا:

﴿حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾

جب آپ کو ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

﴿يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ (ب ۱۷ سورة انبیاء ۶۹)

اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جب آپ پر آگ گلزار بن گئی

”فقال عمه من اجلی دفع عنه“ تو آپ کا چچا کہنے لگا کہ یہ آگ میری وجہ سے ہی ابراہیم سے منفع ہوئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آگ کے ایک چنگارے کو اس کی طرف بھیجا جو اس کے قدموں پر گرا اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

اس روایت میں واضح طور پر ”عمہ“ کے الفاظ موجود ہیں جن سے واضح ہو رہا ہے کہ ”آزر“ آپ کا چچا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کا مختصر واقعہ اور آزر کے چچا ہونے پر شاندار دلیل:

محمد بن کعب، قتادہ، مجاہدہ اور حسن وغیرہ سے مروی ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اپنے چچا آزر کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اس کے مر جانے کے بعد آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ تو حالت کفر میں مر گیا ہے کافر تو اللہ کا دشمن ہے اس کے لئے تودعا کرنے کا کوئی مقصد نہیں تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت چھوڑ دی اور اس سے بیزاری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِابْنِهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ



اور ابراہیم کا اپنے باپ (چچا آزر) کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے تعلق توڑ دیا۔

اس آیت میں ”ابیہ“ سے مراد آزر ہے، ابراہیم علیہ السلام نے ایک وعدہ کے پیش نظر اس کے لئے دعائے مغفرت کی کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ آزر کو کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تیری مغفرت کی دعا کروں گا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ آزر نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔

آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ساستغفر لک ربی میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا تو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے؟ تو اس نے کہا: کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لئے دعائے مغفرت کی تھی وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے سید عالم ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار کرنا اس کے اسلام لانے کی امید پر تھا جس کا آزر نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ نے آزر سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ امید ختم ہو گئی تو آپ نے اس سے تعلق توڑ لیا اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا بھی چھوڑ دیا۔

”آزر“ آگ کے چنگارے سے مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے بعد اس کے لئے کوئی دعا نہیں کی آگ کے واقعہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی پھر مصر میں داخل ہوئے اور ایک جابر بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت ہاجرہ آپ کو ملیں پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسماعیل کو کعبہ کے پاس چھوڑ دو آپ نے جب اپنے بیٹے اور زوجہ کو وہاں چھوڑا جہاں آج مکہ مکرمہ آباد ہے تو وہاں آپ نے کچھ دعائیں فرمائیں جن میں سے ایک دعا میں یہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي﴾

اے ہمارے رب میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔



اب اس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ آپ نے اللہ کے جس دشمن کے لئے دعا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ آپ کا چچا آزر ہے جسے باپ سے تعبیر کیا گیا، اور اس دعا کے چھوڑنے کے کتنے عرصہ بعد بھی آپ اپنے باپ اور ماں کے لئے مغفرت کی دعا کر رہے ہیں وہ آپ کا حقیقی باپ ہے۔ اگر آزر جو کافر اور اللہ کا دشمن ہے وہی آپ کا حقیقی باپ ہے تو اس سے بیزاری کے بعد پھر اس کے لئے دعا کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۵ حصہ دوم زیر آیت واذ قال ابراهیم لابیہ)

ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی ملکوت کا مشاہدہ کرایا گیا :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَكَذَٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰهٖمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ﴾

(پ ۷ سورۃ انعام ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ

عین الیقین والوں میں سے ہو جائے۔

ملکوت کا معنی عظیم بادشاہی اور سلطنت قاہرہ یعنی آپ کو زمین و آسمان کی تمام اشیاء کا مشاہدہ کرا دیا گیا یہاں تک کہ چاند، سورج، پہاڑ، درخت اور دریا تمام چیزوں کے حقائق کو آپ نے دیکھا اور تمام روئے زمین اور آسمانوں کا مشاہدہ کیا۔

”فانه عليه السلام فرجت له السموات السبع فنظر إلى ما فيهن حتى انتهى

بصره إلى العرش وفرجت له الارضون السبع فنظر إلى ما فيهن“

یعنی آپ علیہ السلام کو تمام نشانیاں اور تمام عجائبات دکھائے گئے، بے شک آپ پر سات آسمان منکشف کر دیئے گئے، تو آپ علیہ السلام نے آسمانوں کی جمیع اشیاء کو دیکھا یہاں تک کہ آپ کی نظر عرش الہی تک پہنچی، اسی طرح آپ پر سات زمینیں منکشف کر دی گئیں تو آپ نے زمیوں کی ہر چیز کو دیکھا۔

ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین و آسمان کی بادشاہیوں کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے ایک شخص کو



گناہ کرتے ہوئے دیکھا یعنی جو کہیں دور دراز چھپ کر معصیت میں مبتلا تھا لیکن آپ نے اس کا مشاہدہ کر لیا تو آپ نے اس کے خلاف دعا فرمائی۔ رب تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ پھر آپ دوسرے آدمی کی معصیت پر مطلع ہوئے تو اس کے خلاف بھی دعا کر دی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ پھر آپ ایک اور شخص کے گناہ پر مطلع ہوئے تو آپ نے اس کے خلاف دعا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمادیا کہ اے ابراہیم! آپ مستجاب الدعوات ہیں میرے بندوں کی ہلاکت کی دعا نہ کریں کیونکہ میرے بندے تین قسم کے ہیں یا تو گناہگار ہوں گے لیکن توبہ کر لیں گے اور میں ان کی توبہ قبول کروں گا یا وہ خود تو گناہگار ہی رہیں گے لیکن ان کی اولاد میں ایسے نیک لوگ ہوں گے جو زمین کو تسبیحات سے بھر دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء تسبیح و تہلیل اتنی زیادہ کریں گے کہ ان کے فیضان سے اور لوگ بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جائیں گے یا وہ لوگ گناہوں کے حال میں ہی مر جائیں گے اور میرے قبضہ قدرت میں ہوں گے اس کے بعد میری مرضی کی بات ہے کہ میں ان کو معاف کر دوں یا سزا دوں۔

(روح المعانی ج ۴ حصہ دوم ص ۱۹۷)

سبحان اللہ! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم کا یہ مقام ہے تو سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کے علم کا کیا عالم ہو گا جبکہ جمیع انبیائے کرام کا مجموعی علم نبی کریم ﷺ کے علم کے مقابل ایک قطرہ کی مثال ہے اور آپ کا علم سمندر کی مثال۔

ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کا رد فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ أَزَرَ اتَّخِذْ أَصْنَامًا إِلَهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾  
(آپ ۷ سورۃ انعام ۷۴)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

اس آیت کریمہ سے عرب کے مشرکین پر حجت قائم کی گئی کیونکہ ان میں سے کئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معظم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے منع فرماتے تھے اور بت پرستی کو بہت بڑا عیب اور گمراہی سمجھتے تھے اگر تم انکی عظمت کو



﴿ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۙ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَقْدَرُ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يٰتِكَ فَاتَّبِعْنِىْ اِهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ، يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ، يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمْسَكَ عَذَابُ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝۱۶ ﴾

(ب ۱۶ سورۃ مریم ۴۲، ۴۶)

ابراہیم نے جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور کچھ تیرے کام نہ آئے اے میرے باپ بے شک میرے پاس وہ حکم آیا جو تیرے پاس نہیں آیا تو میری تابعداری کر میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن بے شک شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔

ان تمام آیات میں باپ سے مراد آپ کا چچا ”آزر“ ہی ہے آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جن بتوں کی تو پوجا کر رہا ہے وہ تیری عبادت کو نہیں دیکھ سکتے تیری ثناء کو نہیں سن سکتے اور بھی کسی چیز کو دیکھنا اور کسی قسم کا کلام سننا ان کی طاقت میں نہیں اور تمہاری یا کسی اور کی امداد کرنا اور کسی قسم کی مصیبت سے نجات دینا اور تمہیں بے پرواہ کرنا جب انہیں حاصل نہیں تو وہ عبادت کے لائق کبھی نہیں ہو سکتے بلکہ ان کی عبادت کرنا درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور بتوں کی عبادت کرنا اسی کے دھوکے اور فریب کا نتیجہ ہے اس لئے تم شیطان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے وہ خود تو مردود ہو چکا ہے اور دوسروں کو بھی بھڑکانے میں ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے وہ تو چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی میرے دام فریب میں پھنس کر رب تعالیٰ سے دور ہو جائے اور اس کے عذاب کا مستحق بن سکے۔

﴿ وَاٰتٰى عَلَيْهِمْ نَبَاۤ اِبْرٰهِيْمَ ، اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ، قَالُوْۤا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ ، قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ، اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ، قَالُوْۤا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاۤنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ، قَالَ اَفَرَاۤىْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَاۤئُكُمْ اَلَا قَدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْۤ اِلَّا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ، وَالَّذِىْ يَطْعَمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ ، وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ، وَالَّذِىْ



(پ ۱۹ سورۃ شعراء ۷۰، ۸۱)

اور ان پر ابراہیم کی خبر پڑھو جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو؟ بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا میں منہمک رہتے ہیں پھر فرمایا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

ان آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جا رہا ہے کیونکہ آپ قریش کے جد اعلیٰ اور کعبہ کی بانی تھے قریش کو ان کی نسل ہونے پر بڑا ناز تھا اسلئے ان کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب اکبر پر بھی ایمان لائیں، جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: ”لابیہ“ سے مراد ”آزر“ ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لئے باپ کہا گیا: ”ای آزر سماہ اللہ ابا لکونہ عما و مربیآ لہ“

(مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے کا کتنا پیارا انداز ہے؟ ان سے ہی ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کر لیا جا رہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے کیونکہ ان کے بت سننے نفع و نقصان پہنچانے سے قاصر تھے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے اس لئے ہم تو ان کے طریقے سے ہٹنے کے لئے کسی وقت بھی تیار نہیں۔

آپ علیہ السلام نے محبت بھرے طریقے سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو، بے جا خدا



چھی نہیں، اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں، تم دنیاوی معاملات میں جب عقل و فہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بجا دی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گم کر دو، یہ تو اچھی بات نہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو، میں انہیں اپنا دشمن اور بد خواہ سمجھ رہا ہوں، میری ہمدی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے، اس کی ساری ضروریات بھی مہیا کرتا ہے، ان کی نشوونما کے لئے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔

ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العالمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف، کتنا معنی خیز ہے؟ آیت میں مکرر غور فرمائیے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا انداز نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے۔ اسی طرح اشارۃ کلام کرنا ظاہر کلام کرنے سے بدرجہا موثر ہے۔

(ماخوذ از ضیاء القرآن)

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا:

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم کو کہا تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا بہتان سے اللہ کے بغیر اور خدا چاہتے ہو۔ تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر یعنی جب تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا۔ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے۔

اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔ جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے واپسی کے وقت بت خانہ میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کی مذمت بیان کی تو انہوں نے کہا کل ہماری عید ہے۔ جنگل میں میلہ لگے گا۔ ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تمہارے طور پر کھائیں گے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں دیکھیں کہ ہمارے دین اور طریقے



میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف اٹھاتے ہیں۔ جب وہ میلے کا دن آیا تو آپ کو چلنے کے لئے کہا گیا تو آپ کے جواب کو قرآن مجید میں بایں الفاظ فرمایا گیا: ﴿فَنظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾  
(پ ۲۳ سورۃ صافات ۸۸، ۸۹)

اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔

آپ نے ستاروں کو ایسے دیکھا جیسے ستاروں کا حساب لگانے والے دیکھتے ہیں۔ قوم چونکہ ستاروں کے حساب کی بہت معتقد تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ نے ستاروں سے حساب لگا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ بیمار ہونے والے ہیں۔ اس طرح قوم آپ کو چھوڑ کر اپنے میلہ پر چلی گئی۔

آپ علیہ السلام نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا۔  
﴿وَتَاللَّهِ لَا كِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوا مُدْبِرِينَ﴾

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۵۷)

اور مجھے اللہ کی قسم ہے! میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا اس کے بعد جب تم پیٹھ پھیر جاؤ گے۔

جب قوم اپنے میلہ پر چلی گئی تو آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ اب اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری وقت آگیا ہے آپ نے چپکے سے بت خانہ کا رخ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قوم ان کے پاس طرح طرح کے کھانے رکھ کر گئی ہے کہ واپس آکر کھائیں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے۔ تو آپ نے بتوں کے قریب جا کر کہا: أَلَا تَأْكُلُونَ؟ تم کھاتے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد پر جب بتوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر آپ نے انہیں کہا: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ﴾ تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں ہو؟

وہ بے جان پتھر کی مورتیاں تھیں ان کی طرف سے کیا جواب آتا تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بت کھانے کے قابل نہیں، بولنے کی ان میں طاقت نہیں، اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں سے بے جان بت ہیں۔ تو آپ نے ان کو مارنا شروع کر دیا۔

(پ ۲۳ ۷۴)

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ﴾

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۵۸)



آپ نے انکے کڑے کڑے کر کے چور کر دیا۔ سوائے ایک کے جو ان سب سے بڑا تھا کہ شائد وہ اس سے کچھ پوچھیں۔

قوم کو وہاں ہی پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے بتوں کو توڑ دیا گیا ہے۔ ﴿فَاقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزْفُونَ﴾  
تو وہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

﴿قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ، قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ، قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ، قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ بِالْهَيْتَا يَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَلَوْهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ فَرَجَعُوا إِلَى أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ، ثُمَّ نَكِسُوا عَلَى رُؤُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ، قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ، أَفَلَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

(ب ۱۷، سورۃ انبیاء ۵۹، ۶۷)

انہوں نے کہا کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے ان میں سے کچھ بولے ہم نے ایک جو ان کو انہیں برا کہتے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں وہ کہنے لگے۔ تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شائد وہ گواہی دیں، انہوں نے کہا: کیا تم نے ہمارے خداؤں کی ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ آپ نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا، تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور بولے بے شک تم ہی ظالم ہو پھر اپنے سروں کے بل اوں دھے گرے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے نف ہے تم پر اور ان بتوں پر، جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیا سوائے بڑے بت کے آپ نے بسو لا اس کے کندھے پر رکھ دیا جب قوم کے لوگ واپس آئے تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کو کسی نے توڑ دیا ہے کیسے بے عقل لوگ تھے جن کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جو بت اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ ہماری کیا امداد کریں گے؟



ان کے اس سوال پر کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ان لوگوں نے بتایا جن کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں تمہارے خداؤں سے کچھ نہ کچھ بر اسلوک ضرور کروں گا کہ یہ کام ابراہیم نے ہی کیا ہو گا کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کی برائیاں بیان کرتا تھا۔

اب وہ کہنے لگے کہ ابراہیم کو سامنے لاؤ تا کہ اس پر گواہیاں قائم کر کے مقدمہ قائم کیا جاسکے جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کام تم نے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بسو لا تمہارے بڑے بت کے کندھے پر ہے اسی نے یہ کیا ہو گا اپنے ان خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں تو بتائیں گے۔

آپ کے اس حکیمانہ جواب پر کچھ دیر کے لئے تو وہ سوچنے لگے کہ ابراہیم حق پر ہیں اور ہم ہی بے وقوف ہیں کہ ایسے خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکے یہ حقیقت ہے کہ ہم اس معاملہ میں اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد ان پر پھر بد بختی سوار ہو گئی کہنے لگے ہم ان سے پوچھیں یہ تو بولتے ہی نہیں اس طرح وہ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

### اعتراض:

قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ نے فرمایا: ﴿انی سقیم﴾ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑ دیئے، قوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ﴿بل فعلہ کبیرہم﴾ یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے حالانکہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے اور حدیث شریف میں بھی آپ کے تین جھوٹوں کا ذکر ملتا ہے ان تین میں سے دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

### جواب:

جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہو سکتا جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیائے کرام قبل از نبوت اور بعد از نبوت صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔



وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ سمجھ آ سکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے اگر حدیث پاک کا ترجمہ ہی صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آ سکتا ہے کہ مطلب کیا ہے وہ حدیث پاک یہ ہے۔

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ لم یکذب ابراہیم (علیہ السلام) الا ثلاث کذبات ثنتين منهن فی ذات اللہ عزوجل قوله [انی سقیم] وقوله [بل فعلہ کبیرہم ہذا] وقال بینا عمو ذات یوم وسارة اذ اتی علی جبار من الجبابرة فقيل له ان ههنا رجلا معه امرأة من أحسن الناس فأرسل اليه فسأله عنها من هذه؟ قال اختی، فاتی سارة فقال لها ان هذا الجبار ان يعلم انک امراتی یغلبنی علیک فان سألك فاخبریه انک اختی فی الاسلام لیس علی وجه الارض مؤمن غیری وغیرک فأرسل اليها فاتی بها قام ابراہیم یصلی فلما دخلت علیہ ذهب یتناولها بیدہ فاخذ ویردی فغظ حتی رکض برجلہ فقال ادعی اللہ لی ولا اضرك فدعت اللہ فأطلق ثم تناولها الثانية فاخذ مثلها او اشد فقال ادعی اللہ لی ولا اضرك فدعت اللہ فأطلق فدعا بعض حجبتہ فقال انک لم تأتینی بانسان إنما أتیتنی بشیطان فاخدمها هاجر فاتته وهو قائم یصلی فأوما بیدہ میہم، قالت رد اللہ کید الکافر فی نحرہ واخدم هاجر قال ابو ہریرۃ تلک امکم یا بنی ماء السماء“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذكر الانبیاء علیہم السلام)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے آپ نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

ایک آپ کا قول ﴿انی سقیم﴾ میں بیمار ہونے والا ہوں۔

دوسرا آپ کا قول ﴿بل فعلہ کبیرہم﴾ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ان میں سے تیسرا قول : (جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جارہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص



مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ کے پاس آئے ان کو کہا اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو؛ اسلئے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ کے پاس قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلالیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع فرمادی حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں اس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ کی گرفت میں آگیا۔ پاگلوں کی طرح ہو گیا اس کا گلا گھونٹ گیا، منہ سے جھاگ بہنے لگی، ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ کو کہا تم میرے لئے دعا کرو میں تمہیں تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح رب تعالیٰ کی گرفت میں آگیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس نے پھر حضرت سارہ سے دعا کرنے کی درخواست کی، آپ نے پھر دعا کی جب وہ ٹھیک ہو گیا پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو، اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا دیا۔

[مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں تحریر کیا ہے حضرت ہاجرہ روم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں ان سے بھی اس ظالم کا انجام ایسا ہی ہوا تھا اس لئے اس نے کہا ان دونوں کو یہاں سے نکال دو یہ دونوں انسان نہیں بلکہ جن ہیں۔]

حضرت سارہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کافر کے



مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل ہو اس نے مجھے ہاجرہ بطور خادمہ دی۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا : اے اہل عرب یہ (ہاجرہ) تمہاری ماں ہے ۔

### تشریح حدیث :

” قال عیاض الصحیح ان الکذب لا یقع منهم مطلقا واما الکذبات  
المذكورة فانما هی بالنسبة الی فهم السامع لکونها فی صورة الکذب واما  
فی نفس الامر فلیست کذبات “

(مرقاۃ المفاتیح)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : انبیائے کرام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہو سکتا لیکن یہ  
جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سننے والے کی طرف منسوب ہیں جن کو سننے والے نے جھوٹ سمجھا اس لئے  
کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے، لہذا نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کا  
مطلب یہ ہو گا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح کلام فرمایا کہ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھا ان  
تین مرتبہ کے علاوہ آپ نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو۔

### پہلا ارشاد گرامی ﴿إِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾

آپ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب پہلے تفصیلاً بیان ہو گیا کہ قوم نے آپ کو میلہ میں شرکت کی  
دعوت دی تو آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا ﴿إِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ یعنی میں بیمار ہونے والا ہوں ۔ آپ نے  
یہ نہیں فرمایا کہ میں کل ہی بیمار ہونے والا ہوں بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں  
انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ضرور بیمار ہوتا ہے آپ نے معنی دور والا لیا اور لوگوں نے قریب والا سمجھا  
یہ ”توریہ“ کہلاتا ہے، جو جائز ہے۔

دوسری وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں

” فقال انی سقیم القلب لما فیہ من الغیظ باتخاذکم النجوم الہة وعبادتکم الاصنام “

(مرقاۃ المفاتیح)



آپ نے فرمایا میرا دل بیمار ہے اس لئے کہ مجھے بہت غصہ ہے کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لئے مجھے غصہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے اس غصہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے۔ یعنی آپ کی بات صداقت پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

### دوسرا ارشاد: ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ﴾

قوم جب میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کھٹاڑا یا بسولا ان کے بڑے بت ..... یعنی جس کو وہ بڑا خدا سمجھتے تھے اس ..... کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس آئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے ہمارے خداؤں سے یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ جب بعض لوگوں نے کہا یہ ابراہیم نے کیا ہو گا۔ آپ کو بلا کر پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بل فعلہ کبیرہم جس کا عام معنی ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بت نے کیا ہے یعنی اس نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اس کا مطلب ہی یہ نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مختلف مطالب بیان کئے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے؟

### پہلی وجہ:

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بت نے کیا ہے بلکہ آپ نے اس سے مراد اپنی ذات لی آپ کا یہ کلام تعریض پر مبنی تھا یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا ہو سننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص لکھنے کا ماہر ہو وہ ایک نفیس خط لکھے دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا وہ ماہر خط سے پوچھے کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے: بل کتبتہ انت، بلکہ تم نے لکھا ہے یہ الزاماً اس کو خاموش کرنا ہے۔ یعنی اس جملہ سے اس شخص کی نفی کی جا رہی ہے جو قادر نہیں اور جو شخص قادر ہے اس کے لئے ثابت کرنا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہے، وہ کیسے کر سکتا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہی نہیں؟



جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو مزین کیا ہوا ہے اور ان کو قوم نے بڑا برگزیدہ سمجھا ہوا ہے تو آپ کو غصہ آیا اور یہ دیکھ کر غصہ اور زیادہ شدید ہو گیا کہ لوگوں نے بڑے بت کو زیادہ مزین کیا ہوا ہے اور اس کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں جب اس بڑے بت کو دیکھ کر غصہ زیادہ ہوا تو سب بتوں کو توڑ دیا۔

”فاسند الفعل الیہ لانہ ہو السبب فی استہانتہ بہا و حطمہ لہا والفعل کما یسند الی مباشرہ یسند الی حاملہ“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بت کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ وہ ان کو توڑنے اور ذلت کا سبب بنا کیونکہ اس کو دیکھ کر آپ کو زیادہ غصہ آیا تھا جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا ہے اسی طرح کام پر ابھارنے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے۔

### تیسری وجہ:

آپ نے ان کے مذہب کے مطابق کلام کیا کہ تم جب اس کو خدا سمجھتے ہو تو پھر یہ کام اس نے کیا ہو گا۔

”فان من حق من یعبد ویدعی الہا ان یقدر علی هذا و اشد منه“

یعنی جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت اسے ہونی چاہیئے۔ مقصد ان کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اس نے بتوں کو توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ معبود کیسے بن سکتا ہے۔

### چوتھی وجہ:

یہاں کچھ عبارت غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے

”فعلة من فعلہ و کبیرہم هذا“

جس نے کرنا تھا اس نے کر دیا یہ ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو۔



گویا اس بیان کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے اپنے بڑے خدا سے پوچھو اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے اس میں بھی ان کو تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا یہ کام کس نے کیا ہے۔

**پانچویں وجہ:** ”کبیر ہم“ پر وقف ہے اور ”ہذا“ سے پھر کلام کی ابتدا ہے، معنی یہ ہے کہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو اگر بولتا ہے۔

”ادعی نفسہ لان الانسان اکبر من کل صنم“

اس سے مراد آپ نے اپنی ذات لی ہے کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے مقصد یہ تھا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے وہ بڑا میں ہی ہوں کیونکہ میں انسان ہوں اور تمہارے خداؤں سے بڑا ہوں انسان کے مقابل ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔

**چھٹی وجہ:**

کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے۔

﴿ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ فَاسْأَلُوهُمْ ﴾

آپ نے فرمایا ان کے اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔

”فتكون اضافة الفعل الى كبرهم مشروطا بكونهم ناطقين فلما لم يكونوا

ناطقين امتنع ان يكونوا فاعلين“

فعل کی اضافت ان کے بڑے بت کی طرف مشروط طور پر ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان کے

بڑے نے کیا ہے جب وہ بولتے ہی نہیں تو یہ کام ان کے بڑے بت نے نہیں کیا۔

**ساتویں وجہ:**

ایک قرات میں ہے ”فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ“ آیا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہوگا فلعل الفاعل

کبیرہم شاید یہ کام کرنے والا ان کا بڑا ہوگا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صداقت پر مبنی تھا اگرچہ سننے



والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کرام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے :

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں :

”اضافة الكذب الى روايته اولى من ان يضاف الى الانبياء الكرام“

اگر ایسی کوئی روایت ہو جس سے انبیائے کرام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے جس سے انبیائے کرام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جاسکتا ہے لیکن انبیائے کرام کو جھوٹا کہنا محال ہو گا۔ ایسی صورت میں روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیائے کرام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔

(از تفسیر کبیر)

آپ کا تیسرا ارشاد :

حضرت سارہ کے متعلق آپ نے فرمایا : ”هذه اختی“ یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ نے حضرت سارہ کو کہا انت اختی فی الاسلام تم اسلام میں میری بہن ہو اسلئے کہ اخوة اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں۔ ماں بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں ؛ اسی طرح خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

بتوں کو توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا :

ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بناؤں خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے ہمدے کے لئے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اس کی قوم نے آپ کو جلانے کی سزا دی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا



﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾

(پ ۲۳ سورۃ صافات ۹۷)

وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

یعنی ارد گرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۶۸)

یو لے اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

ذرا غور کریں کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ :

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لئے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی تیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ)۔

(تفسیر کبیر زیر آیت فقالوا ابنوا له بنیانا ج ۲۶ ص ۱۵۰)

آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا :

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے مجاہد کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا مجھے تو علم نہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام ”اکراد“ تھا بعض جگہ اس کا نام اکراد بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں ایک قول کے مطابق نام ہیون ہے اور دوسرے کے مطابق ہدیر ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

آپ کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لئے چار دیواری باڑہ کی طرح



ہمائی شروع کر دی جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفا حاصل ہو گئی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لاؤں گی۔

وہ کیسی آگ تھی؟

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلا دی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

آگ میں ڈالنے کے لئے شیطان کی راہنمائی :

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہو گئی اس کی حرارت اتنے دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے تو شیطان نے آکر ان کی راہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے خیال رہے سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق تیار ہوئی بعد میں اسی کو جنگلوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

زمین و آسمان کی مخلوق کی فریاد :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے اے اللہ آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔



زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش و طیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان ہیں۔ رب تعالیٰ کی حکمت سے بے خبر تھے، سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا؟ اللہ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

فرشتوں نے آپکی امداد کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی:

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ ہمیں اجازت فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرمادی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی امداد کرو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں، ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کو کوئی معبود نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل:

ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانیوں پر مقرر تھا ان دونوں نے عرض کیا آپ ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کر دیں آپ نے فرمایا مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں:

﴿حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾

میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔

آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ کو میری امداد کی ضرورت ہو تو میں آپ کی امداد کروں آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبرائیل نے کہا اچھا تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لو تو آپ نے فرمایا:

”حَسْبِيَ مَنْ سَوَّاهُ عِلْمُهُ بِحَالِي“

وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہہ دیا جاتا ہے



کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد طلب کرتے۔ کاش! ان لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ انبیاء کرام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی طرح عام انسان توکل کیسے کر سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا ہے مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

چھپکلی کا آگ کو پھونکیں دینا :

”ویروی ان الوزغ کان ینفخ فی النار وقد جاء ذالک فی رواۃ البخاری“

بخاری کی روایت میں آیا ہوا ہے کہ چھپکلی آگ میں پھونکیں دیتی تھی۔

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فویسق (بری چیز) کے نام سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چھپکلی کو پہلی ہی ضرب سے قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب میں قتل کرنے میں اس سے کم ثواب ہے اور تیسری ضرب میں قتل کرنے کا اس سے کم ثواب ہے۔

(از مسلم ج ۲ ص ۲۴۴)

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر :

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے کا انکار کر دیا اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے بس صرف ایک بات مد نظر تھی کہ رب تعالیٰ جس پر راضی ہے میں بھی اسی پر راضی ہوں۔

کافروں نے جب آپ کو باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے :

”لا الہ الا انت سبحانک لک الحمد ولک الملک لا شریک لک“

تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں سب



چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔

کافروں نے آپ کو آگ میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا:

﴿يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾

اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو سلاما کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ سردی سے وفات پا جاتے۔

روایات میں آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اس کی حرارت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔

یعنی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ارد گرد گلاب نرگس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین و جمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے آپ کو باندھا گیا اور ان کے جلنے سے بھی آپ کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

خیال رہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا گیا اس وقت دنیا میں کوئی ایسی آگ نہیں تھی جو بجھ نہ گئی ہو یعنی دنیا کی تمام آگیں ایک مرتبہ بجھ گئی تھیں۔

ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے؟

منہال بن عمرو سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں آگ میں رہنے کے دنوں میں جتنا خوش رہا



اور میں نے عیش و عشرت کی اتنی پوری زندگی میں مجھے عیش حاصل نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو ابراہیم علیہ السلام کی ہی شکل میں ان پر بھیجا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھے تاکہ وہ اس سے انس حاصل کریں اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو آپ کے پاس جبرائیل جنت میں سے ایک ریشمی قمیص لائے اور کہا اے ابراہیم بے شک آپ کو رب کہتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا :

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو ابراہیم کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ کے ارد گرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پکارنے لگا اے ابراہیم کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں اس نے کہا : اٹھو اور نکل آؤ۔ (ممکن ہے اس نے یہ سمجھا ہو کہ جب نکلیں گے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گذریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اس سے انس حاصل کر سکوں۔

نمرود رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود گمراہ رہا :

نمرود نے کہا جب میں نے تمہارے رب کی عزت و قدرت کو دیکھا تو میں نے نذرمانی کہ میں تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانی کروں گا اسلئے میں تمہارے رب کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کر رہا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔

اس نے کہا میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا اس نے اپنی نذر کے



مطابق چار ہزار گائے ذبح کر دیں اور آئندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کر لیا البتہ وہ اپنے کفر پر ہی قائم رہا ایمان اس کو نصیب نہ ہو سکا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کفار نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم نے آگ پر جادو کر دیا ہے انہوں نے تجربہ کرنے کے لئے ایک بوڑھے کو آگ میں ڈالا تو آگ نے اسے جھلس کر رکھ دیا۔

(تفسیر کبیر وروح المعانی زمر آیت یا نار کونی بردا)

ابراہیم علیہ السلام نے تمام باطل معبودوں کا رد کیا :

ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں تشریف لائے اس میں کچھ لوگ بت پرست تھے اور کچھ ستارہ پرست اور کچھ چاند پرست اور کچھ سورج پرست بلکہ نمرود کی پرستش بھی ہوتی تھی۔ آپ نے بتوں کے معبود ہونے کو دلائل سے باطل کیا قوم نے جب دلائل سے کوئی فائدہ نہ حاصل کیا تو آپ نے بتوں کو توڑ کر اپنی پریشانی کو دور کر کے اپنے دل کو تسلی دی۔

ستارہ پرست آپ کو بھی ستاروں کو پوجا کی دعوت دینے لگے آپ نے ان کا بھی رد فرمایا کہ یہ ستارے معبود بننے کے قابل نہیں۔

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلِينَ﴾  
(پ ۷ سورۃ انعام ۷۶)

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارادیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔

یعنی یہ تو خود کسی نظام قدرت کے پابند ہیں ان میں معبود بننے کی صلاحیت نہیں میری توجہ اور محبت کا مرکز تو صرف مالک الملک خالق کائنات وحدہ لا شریک لہ ہے میں تو ان ستاروں سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی ان کو کسی معاملہ میں موثر حقیقی مانتا ہوں جب ان سے محبت ہی نہیں تو ان کی عبادت کو کیسے میں اچھا سمجھ سکتا ہوں۔

چاند پرستوں نے آپ کو چاند کی عبادت کی دعوت دی آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ تم تو گمراہ ہو



حق تو یہ ہے کہ تم خود سیدھی راہ پر آ جاؤ کیا تم مجھے راہ راست سے بھٹکانا چاہتے ہو یہ ناممکن ہے۔

﴿ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴾

(پ ۷ سورۃ انعام ۷۷)

پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے : اسے میرا رب بتاتے ہو ؟ جب وہ بھی ڈوب گیا کہا اگر میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں انہی گمراہوں میں ہوتا۔

یعنی یہ چاند بھی کسی کے حکم کا تابع ہے اس کی چمک دمک بھی کبھی ایک علاقہ پر کبھی دوسرے پر یعنی ایک وقت میں ایک علاقہ کو چمکا رہا ہے تو دوسرا اس کی روشنی سے محروم ہے تو ایسی چیز جو خود ہی ایک حال پر نہ رہ سکے وہ کیسے معبود بن سکتی ہے۔

یہ تو مجھ پر اللہ کا فیضان ہے جس نے مجھے سیدھی راہ پر چلا کر اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دی ورنہ جس قوم میں ہر طرف باطل راہ پر چلنے والے ہی نظر آتے ہوں وہاں ایک فرد کا حق پر قائم رہنا کیسے ممکن تھا ؟

سورج پرستوں نے آپ کو سورج کی عبادت کی دعوت دی کہ یہ تو بہت ہی روشن ہے یہ تو یقیناً بڑا خدا بننے کے قابل ہے آپ نے ان کا بھی رد کر دیا کہ میں شرک پر قائم رہنے کی کسی کو جب اجازت نہیں دیتا تو مجھ سے شرک کی امید رکھنا تمہاری حماقت ہے۔

﴿ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴾

(پ ۷ سورۃ انعام ۷۸)

پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو ؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں یزید ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

آپ نے جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو قوم کو کہا کہ اسے میرا رب کہتے ہو سب سے بڑا سمجھ کر اسے بڑا خدا مانتے ہو یہ بھی تو کبھی ایک علاقہ کو جگمگا رہا ہے اور دوسرے کو اندھیرے میں رکھتا ہے جب



دوسرے علاقہ کو روشن کرتا ہے تو پہلے علاقہ کو تاریکی میں ڈبا دیتا ہے۔ بھلا وہ چیز جو خود اپنے محور میں گھومنے کے لئے کسی کے حکم کی پابند ہو خدا بن سکتی ہے؟ نہیں نہیں، یہ خدا کبھی بھی نہیں بن سکتی۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ سے شریک ٹھہرانا چھوڑ دو، میں تو پہلے ہی بیزار ہوں مجھ سے تمہاری یہ توقع کہ ”میں بھی تمہارے ساتھ معبودانِ باطلہ کو ماننے میں شریک ہو جاؤں گا“ بے سود ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری توجہ کامرکز تو صرف زمین و آسمان کا خالق ہے میں اس کے ساتھ اور کوئی شریک ٹھہراؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے میں کوئی مشرک تو نہیں۔

قوم نے آپ کو باطل معبودوں کی مخالفت سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے ان کی مخالفت سے باز آ جاؤ آپ نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

﴿وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ﴾ (پ ۷ سورۃ انعام ۸۰)

جن کو تم (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہو مجھے ان سے کوئی ڈر نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ :

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ﴾

(پ ۳ سورۃ بقرہ ۲۵۸)

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر

کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔

اس سے مراد اس وقت کا بادشاہ ہے جس کا نام نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب ہے یہ ہی پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم و ستم کیا خدائی کا دعویٰ کیا سارے جہان کی بادشاہت اس کو ملی اس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی چار سو سال اپنی بادشاہی کے رعب و دبدبہ میں گزارے اور چار سو برس چھرنے اسے کاٹا جو ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس گیا تھا وہ اپنے سر پر جوتے لگواتا رہا اس نے اللہ تعالیٰ کو مقابلہ کرنے کے لئے بلند قلعہ بنوایا تھا اس کا دار الخلافہ بابل میں تھا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، روح البیان)



تمام روئے زمین کے چار بادشاہ :

جن کو کل دنیا کی بادشاہت حاصل رہی ہو وہ صرف چار شخص ہیں، دو مسلمان اور دو کافر :

ایک حضرت سلیمان علیہ السلام

دوسرے حضرت سکندر ذوالقرین علیہ السلام

تیسرا نمرود اور چوتھا شداد بن عاد جس کا نام مخت نصر تھا۔

”شداد“ نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی۔ جنت جب تیار ہوئی تو دیکھنے کے لئے گیا، ابھی اس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل کو حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کر لو۔

(از تفسیر عزیزی، وروح البیان)

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟

کبیر اور روح المعانی میں دو قول نقل کئے گئے ہیں ایک یہ کہ بتوں کے توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ جب آگ سے باہر تشریف لائے تو اس وقت یہ مناظرہ ہوا مناظرہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کون سا ہے جس کی میں عبادت کروں۔

ابراہیم علیہ السلام کی رب کے متعلق دلیل :

﴿إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾

(ب ۳ سورۃ بقرہ ۲۵۸)

جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

یعنی اجسام میں موت و حیات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک خدا کو نہ پہچاننے والے کے لئے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رب کے وجود کی شہادت دے رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطا فرمائی وہ رب ہے۔ اور زندگی کے بعد پھر



اجسام کو جو موت دیتا ہے وہ پروردگار ہے اس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت و حیات میں موجود ہے اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمال جہالت و سفاہت اور انتہائی بد نصیبی ہے۔

یہ دلیل ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے نہ بن پڑا اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اس کو لا جواب اور شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے تو اس نے کج بحثی (ٹیزھی بحث) اختیار کی۔

﴿ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ ﴾ (پ ۳ / سورۃ بقرہ ۲۵۸)

یو لا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

نمرود نے دو شخصوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں اسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مارتا ہوں۔ یہ اس کی نہایت احمقانہ بات تھی، کہاں قتل کرنا اور چھوڑنا؟ اور کہاں موت و حیات پیدا کرنا؟ قتل کئے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے زندہ کے چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں اس کی ذلت کے لئے کافی تھا۔ عقلمندوں پر تو ظاہر ہو گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل قوی اور قطعی ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعویٰ بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی الوہیت موت و حیات پیدا کرنا تیری قدرت میں کہاں بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اس سے آسان کام کر کے دکھا۔

﴿ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ  
فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾

(پ ۳ / سورۃ بقرہ ۲۵۸)

ابراہیم نے فرمایا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔



وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا ورنہ اس میں بھی وہ کج بحثی (ٹیزھی بحث) اس طرح کر سکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے تو میں لاتا ہوں تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ مغرب سے لائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مھوت کر کے لا جواب کر دیا، وہ اس طرح ذلیل ہوا۔

جب اس سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں تم اپنے رب سے مانگو وہی تمہیں غلہ دے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

ریت غلہ بن گئی :

ابراہیم علیہ السلام اس سے واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گزرے وہاں سے ایک تیلے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے تھیلا رکھ کر سو گئے آپ کی زوجہ حضرت سارہ نے اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گندم تھی آپ نے اسے پیس کر روٹیاں تیار کیں جب حضرت ابراہیم جاگے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا کہ یہ گندم کہاں سے آئی ہے تو آپ کی زوجہ نے عرض کیا وہی جو آپ تھیلا بھر کر لائے ہیں تو آپ سمجھ گئے کہ رب تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔

نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم :

اللہ تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا جس نے آکر کہا : تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا، ہم تیری سلطنت پر قرار رکھیں گے۔ وہ بولا رب تو میں ہی ہوں میرا رب کون ہے؟ تین دفعہ یہ واقعہ درپیش آیا لیکن وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

نمرود اور اسکی قوم کا انجام :

نمرود کی قوم پر مجھروں کا عذاب بھیجا گیا، مجھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ ان سے سورج چھپ گیا تھا، زمین پر دھوپ نہ آتی تھی، مجھروں نے ان کے خون چوس لئے، گوشت چاٹ لئے، سوائے نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا، پھر ایک مجھرا اس کی ناک کے



ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹا رہا، جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ کاٹتا؛ چنانچہ دن رات اس کے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ اب اس کے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اس کے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹا رہا پھر بہزار ذلت مرا، اسکی عمر آٹھ سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئی۔

(ماخوذ از خزائن العرفان، خازن، نعیمی)

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾

(سورۃ بقرہ ۲۶۰، پ ۳)

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کیا یقین کیوں نہیں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سترہ وجوہ بیان فرمائی ہیں، لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ ظاہر اور واضح ہیں اور باقی وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ:

آپ کو پہلے علم استدلالی حاصل تھا اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علم ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے۔ اسلئے کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی کے لئے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا علم شک سے



پاک ہوتا ہے البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے تو مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ :

آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے اس صورت میں اولم تو من کا مطلب یہ ہو گا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے تم میرے پسندیدہ ہو اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ :

آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اسلئے کیا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اسلئے کہ عین الیقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن علم الیقین میں مشاہدہ ضرورت نہیں۔

چوتھی وجہ :

جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی ﴿ربی الذی یحی ویمیت﴾ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے اللہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کر میں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔

(شرح نووی علی المسلم، ج ۱ کتاب الایمان باب زیادة طمانیة القلب)

**اعتراض :** حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ کو یقین نہیں تھا۔

**جواب :** حدیث پاک کے ترجمہ اور سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں



جو معترضین پیش کرتے ہیں حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں مطلب خود واضح ہو جائے گا۔

”عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال نحن احق بالشک من ابراہیم اذ قال رب ارنی کیف تموتی قال اولم تو من قال بلی ولكن لیطمئن قلبی“

(مسلم ج ۱ کتاب الایمان باب زیادة طمانینۃ القلب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے۔ جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے بلکہ اس حدیث پاک کا ترجمہ جو بیان کیا ہے اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے تاہم زیادتی وضاحت کے لئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی شرح بیان کی ہے اس سے ایک قول بیان کیا جا رہا ہے، آپ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد :

﴿نحن احق بالشک من ابراہیم﴾ کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابو ابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

”معناه ان الشک مستحيل فی حق ابراہیم فان الشک فی احياء الموتی لو کان متطرقا الی الانبیاء لکنت انا احق به من ابراہیم وقد علمتم انی لم اشک فاعلموا ان ابراہیم لم یشک“

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے



مردوں کو زندہ کرنے میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شک واقع ہو سکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتا اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہیے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

خیال رہے اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی اور عجز و انکساری سے اپنے آپ کو ان سے کم مرتبہ بیان کیا ورنہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

مردے زندہ ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو دکھا دیئے :

﴿ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْأً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

(پ ۳ / سورۃ بقرہ ۲۶۰)

فرمایا : اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس چلتے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے یعنی مور، گدھ (ایک روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے) کو اور مرغ اپنے ساتھ پہلے مانوس کئے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے ٹکڑے کئے اور ان کے گوشت اور ہڈیاں وغیرہ کو خلط ملط کر کے چار پہاڑوں پر ان کو رکھ دیا۔ پھر آپ نے انہیں پکارا :

اے جداجد اہڈیو! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو! اے کاٹی ہوئی رگو! ایک دوسرے سے مل جاؤ! تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو تم میں لوٹا دے۔

یہ سن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسری سے مل گئیں۔ پر دوسرے پروں سے جا ملے۔ گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے



یہاں تک کہ خون خون سے مل گیا۔

اس طرح آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ کو عین الیقین کا مرتبہ عطا کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے ابراہیم تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ بیشک میں نے زمین کو پیدا کیا ہے اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں۔

(۱) شمالی جانب سے چلنے والی ہو

(۲) جنوبی جانب سے چلنے والی

(۳) باد صبا

(۴) باد دبور

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہو گا تمام مردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہو جائیں گے، جیسے ان چار پرندوں کو تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کر دیا گیا ہے۔ میرے سامنے تم تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا ہے۔

(روح المعانی)

تنبیہ :

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کے جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے۔ آپ نے جب اللہ کے اذن سے ان کو بلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آگئے۔ مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ ان کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں، جو میں نے اپنے ساتھ ہلا ملا لئے تھے۔

اور بعض نے کہا کہ آپ نے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تھا آپ کے بلانے پر ان کے تمام اجزاء اپنے اپنے اجزاء سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آکر مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔



## تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا اسکی کیا وجہ ہے؟ اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضا میں اڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علوم مرتبت یعنی مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطا فرمائی ہے اسلئے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ آپ کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو ذبح کر دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔ پھر ان کو بلایا تو تمام ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جدا ہو کر اپنے اپنے ٹکڑوں سے مل گئے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرات جمع ہو جائیں گے اور ان سے بدن معرض وجود میں آئیں گے، ان کی روحیں ان سے مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اسکی تائید کر رہا ہے۔

﴿خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ﴾

(ب ۲۷ / سورۃ قمر ۷)

”بچی آنکھیں کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ مڈی ہیں پھیلی ہوئی“

(تفسیر کبیر)

## چار کا حکم دینے کی وجہ :

ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک نے کہا: اے میرے خلیل تم نے تو اپنی عبودیت کے پیش نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردہ کو زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، پانی، ہوا سے مرکب ہیں۔ اس لئے چار کو ذبح کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصر اربعہ کے



(تفسیر کبیر)

سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ :

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوئے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت، مرتبہ، بلند مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف مور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ﴾

(پ ۳ / سورۃ آل عمران ۱۴)

خواہشات کی محبت کو لوگوں کے لئے مزین کر دیا گیا ہے۔

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اسی طرح گدھ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح مرغ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔ انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح کو ابھی مال کی طلب اور جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے۔ کیونکہ سوائے کوئے کے رات کو اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے اور سخت سردی میں دن کو صرف کو ابھی نکلتا ہے۔

ان چار کو منتخب کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشات نفسانیہ اور خواہشات فرج اور مال کی حرص اور زیب و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے دل پر روحانیت کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا :

﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾

(پ ۲۳ / سورۃ صافات ۹۹)

اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں جا رہا ہوں جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔



رب تعالیٰ کے ارشاد میں ” الی ربی “ کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” الی حیث امرنی ربی او حیث اتجرد فیہ لعبادۃہ “

یعنی جہاں میرے رب نے حکم دیا ہے میں وہاں جا رہا ہوں کہ میں وہاں اپنی عبادت کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکوں گا۔ کیونکہ جو قوم میری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی وہاں ٹھہرنا اب بے مقصد ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا ہے تو اب یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہو چکا ہے۔

ابتدائی طور پر آپ نمرودی قوم سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے پاس حران میں آگئے۔ ہاران نے ابراہیم علیہ السلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی سارا کا نکاح آپ سے کر دیا۔

حضرت سارہ بہت ہی خوبصورت عورت تھیں، مردوں میں حضرت یوسف اور عورتوں میں حضرت سارہ بہت حسین ہوئے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی حضرت سارہ کے حسن سے ہی حسن ملا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھا اسلئے آپ کے چچا ہاران نے بھی آپ کو گھر سے نکال دیا۔ دوران ہجرت راستہ میں مصر کے ظالم بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ عطا کی گئی۔ یہ واقعہ ایک حدیث پاک کی وضاحت کے ضمن میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران سے چلا تھا صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام اس قافلہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تھے۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کا معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کی بات کو ماننا جائے گا۔ راستہ میں جب حضرت ہاجرہ بھی مل گئیں تو اب قافلہ کے چار فرد ہو گئے جو تمام ہی اللہ کو ماننے والے تھے۔



## فلسطین میں خوشحالی :

مصر سے جب یہ چار افراد روانہ ہو کر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی قدر و منزلت کو سمجھا، اور ان کے آنے کو باعث برکت سمجھا اور بہت سی زمین آپکی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ اس زمین میں کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی، آپ کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہو گئے، آپ نے مسافروں اور غربا کو رہنے اور کھانے کی سہولیات عطا کیں۔ اس طرح مہمان نوازی میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا۔

## حضرت سارہ کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ سے نکاح :

ایک دن حضرت سارہ نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ضروریات دنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور رہنے کے مکانات کی تو کوئی کمی نہیں۔ البتہ اولاد کی کمی ہے، اسلئے آپ ہاجرہ سے نکاح کر لیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نواز دے یعنی ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لئے تسکین و راحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرت سارہ کے کہنے پر حضرت ہاجرہ سے نکاح ہو گیا۔  
(از عزیزی)

## ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعا :

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾

(ب ۲۳ / سورۃ صافات ۱۰۰)

”الہی مجھے لائق اولاد دے“

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشے ہوئے ارشاد فرمایا :

﴿فَبَشِّرْ نَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بُردبار لڑکے کی۔

اس بشارت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت ہے؛ کیونکہ علامہ آلوسی

”حلیم“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”وانہ یکون حلیمًا وای حلم مثل حلمه عرض علیہ ابوہ وھو مراعق الذبح“



فقال ﴿ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین﴾ ﴿فما ظنک بعد بلوغہ﴾

(روح المعانی جلد ۱۲ صف ۱۲۶)

یعنی آپ کو بشارت دی گئی کہ آپ کو ایک بیٹا عطا کیا جائے گا جو حلیم ہو گا اس سے بڑھ کر حلیم کی اور کیا مثال ملے گی جب آپ بلوغ کے قریب تھے تو آپ کے والد نے آپ کو کہا، کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابروں سے پائیں گے۔

یہ حلم تو بالغ ہونے سے پہلے کا ہے بالغ ہونے کے بعد آپ کے حلم کا کیا مقام ہو گا؟ اس بحث سے واضح ہوا کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی بشارت ہے۔

اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت:

﴿فَبَشِّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾

(پ ۱۲ / سورۃ ہود ۷۱)

تو ہم نے اسے (حضرت سارہ) کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

حضرت سارہ کو بشارت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اولاد کی خوشی عورتوں کو بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی۔

”لم یکن لها ولد وکان لإبراهیم ولد وهو إسماعیل“

کہ حضرت سارہ کی اولاد نہیں تھی اس لئے زیادہ خوشی ان کو ہی حاصل ہوئی تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہا السلام کا بیٹا اسماعیل پہلے پیدا ہو چکا تھا،

(ماخوذ از تفسیر مدارک)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے سے اس طرف اشارہ تھا کہ سارہ کی عمر اتنی بڑی ہو گی کہ یہ اپنے اسحاق کے بچے یعقوب کو بھی دیکھیں گے۔

(ماخوذ از علل الن عرفان)



حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت نوے سال تھی، تفسیر جلالین میں ننانوے سال مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک سو بیس سال تھی، (مدارک) اسی لئے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا:

”عجیب بات ہے کہ میرا بچہ پیدا ہو گا جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بوڑھے ہیں بے شک یہ تو بہت ہی تعجب ناک بات ہے۔“

اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور اسماعیل علیہ السلام بڑے:

اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمادیا اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی یعنی ان کی پیدائش کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔

(جمل علی الجلالین)

حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾

(پ ۱۶ سورۃ مریم ۴۹)

اور ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

(پ ۱۶ سورۃ مریم ۵۰)

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لئے سچی بلند ناموری رکھی۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اتنی لمبی ہوئی کہ آپ نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا اور اس آیت سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرنے اور اپنے گھربار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے، پوتے اور مال و دولت سے نوازا۔

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾

(پ ۱۶ / سورۃ مریم ۵۴، ۵۵)



اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب کو پسند تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو وعدہ بھی کیا اسے ضرور پورا فرمایا ایک مرتبہ آپ اور آپ کا ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے تو شہر کے قریب پہنچ کر آپ کے ساتھی نے کہا یہاں میں بیٹھتا ہوں اور تم شہر جا کر کھانا خرید کر لاؤ یا تم بیٹھو اور میں کھانا خرید کر لاتا ہوں آپ نے فرمایا میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا اور تم ہی چلے جاؤ کھانا خرید لاؤ وہ گیا اور بھول گیا تین دنوں کے بعد اسے یاد آیا، یا بعض روایات میں ہے کہ ایک سال کے بعد وہاں لوٹا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی موجود تھے، اس نے تعجب سے پوچھا: تم ابھی یہاں ہی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وعدہ کے مطابق منتظر تو رہنا ہی تھا۔

(حاشیہ جلالین)

حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو حرم کی سر زمین میں چھوڑنا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا کہ آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی زوجہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو حرم کی سر زمین میں چھوڑ آؤ، اس وقت وہاں کوئی شہر اور آبادی نہیں تھی بلکہ بیابان جنگل تھا، آپ کو وہاں چھوڑنے کا حکم دینے میں ایک تو امتحان لینا مقصود تھا پھر کعبہ شریف کی تعمیر اور مکہ مکرمہ کو آباد کرنا مقصود تھا۔ اور حضرت سارہ سے ہجرت کے وقت جو وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بات مانی جائے گی اس وعدہ کا پاس کرانا بھی مقصود تھا کیونکہ آپ نے پہلے تو ہاجرہ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت اسماعیل کی پیدائش کے بعد اپنی اولاد نہ ہونے پر غیرت بھی کھائی اور اللہ کے حضور درخواست کی کہ ابراہیم کو حکم دو کہ وہ اپنے اس بیٹے اور اپنی زوجہ ہاجرہ کو مجھ سے دور چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کو حرم کی سر زمین میں چھوڑ آؤ۔

(تفسیر جمل زیر آیت ربنا انی اسکت من ذریعتی، پ ۱۳)

جہاں آج زمزم ہے وہاں ایک درخت تھا اس وقت نہ مکہ تھا اور نہ ہی کوئی کسی انسان کا وہاں بسیر تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا آپ نے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں کچھ پانی ماں بیٹے کے حوالے کرتے ہوئے اور ان کو زمزم کہ جگہ ایک درخت کے نیچے چھوڑتے ہوئے واپس لوٹے تو حضرت ہاجرہ نے آپ کا پیچھا کرتے ہوئے پوچھا: اے ابراہیم! آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ہمارا



غٹوار، مونس و ہمد نہیں اور نہ ہی یہاں کوئی آبادی ہے کہ کھانے پینے کی چیز مل جائے، کئی مرتبہ ہاجرہ کے پوچھنے پر بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو پھر حضرت ہاجرہ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو حضرت ہاجرہ نے کہا:

”اذن لا یضیعنا ثم رجعت“

اچھا ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر لوٹ آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک گھاٹی کے پاس پہنچے جہاں سے آپ کو اپنی زوجہ اور بیٹا نظر نہیں آرہے تھے آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف توجہ کی اس وقت صرف بیت اللہ کی بنیادیں ایک ٹیلہ کی مانند نظر آتی تھیں اور دعا کی:

﴿ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْنَدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴾

(پ ۱۳ / ۱۸۴ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷)

اے ہمارے رب میں نے بسادیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اسلئے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔

حضرت ہاجرہ اپنے بچے حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ مشکیزہ میں جو پانی تھا وہ ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں حضرت ہاجرہ بھی بھوک پیاسی ہو گئیں دودھ کا بٹنا بھی ختم ہو گیا بچہ بھی بھوک پیاس سے پریشان حال تھا اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا بچہ کا یہ حال ماں سے برداشت نہ ہو سکا آپ قریب ایک پہاڑی ”صفا“ پر چڑھتی ہیں کہ کہیں سے پانی کا اتہ پتہ چل جائے یا کوئی انسان نظر نہ آئے، پھر اسی خیال سے ”مروہ“ پر آتی ہیں درمیان میں نشیبی جگہ جب پہنچتی ہیں..... جہاں سے بچہ نظر نہیں آتا..... وہاں دوڑتی ہیں، جب نشیبی جگہ کو عبور کر لیتی ہیں اور ایسی جگہ پہنچتی ہیں جہاں سے بچہ نظر آنے لگتا ہے تو



وہاں آہستہ ہو جاتی ہیں۔ ”مردہ“ پر پہنچ کر بھی پانی یا کوئی انسان نظر نہیں آتا، آپ بے قراری کے عالم میں پھر صفا پر پھر مردہ پر سات چکر ایسے ہی لگادیتی ہیں، آخری مرتبہ مردہ پر آپ نے ایک آواز سنی، اپنے آپ کو کہنے لگیں: خاموش! خیال کیا شاید میرے اوسان خطا ہو گئے، یہاں کون ہے؟ یہ مجھے ویسے ہی آواز آرہی ہے۔ پھر دوبارہ آواز سننے پر کہا کہ اگر یہاں کوئی فریاد کو سن کر پہنچنے والا ہو سکتا ہے تو فرشتہ ہی ہو سکتا ہے دیکھا تو بچہ کے قریب ایک فرشتہ کھڑا ہے، اسماعیل کی ایڑی کے پاس اس نے اپنی ایڑی یا پر مارا، یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا، حضرت ہاجرہ نے پانی کے ارد گرد ہند باندھ کر ایک حوض کی شکل دے دی، وہ پانی جوش مار رہا تھا، آپ نے خود بھی پیا، بچہ کو بھی پلایا اور پانی کو کہا: ”زم زم“ رک جا رک جا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

﴿یرحمہ اللہ ام اسماعیل لو ترکتم زمزم او قال لولم تغرف من الماء لکانت

زمزم عینا معینا﴾

اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم کرے اگر آپ زمزم کو اسی طرح رہنے دیتیں یا

آپ نے فرمایا اگر آپ اس سے جلدی سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم جاری چشمہ ہوتا۔

اس طرح آپ رضی اللہ عنہا نے جب چشمہ سے پانی پیا تو آپ کا دودھ بھی جاری ہو گیا جو بچہ کو پلایا: فرشتہ نے آپ کو کہا۔

”لا تخافی الضیعة فان ههنا بیت اللہ ینبیه هذا الغلام وابوه وان اللہ سبحانہ

لا یضیع اہلہ“

تم کوئی خوف نہ کرو کہ تم ضائع ہو جاؤ گی بیشک یہاں بیت اللہ ہے اس کی تعمیر یہ بچہ اور

اس کا باپ کریں گے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

کچھ دیر کے بعد وہاں سے جرہم قبیلہ کا گذر ہوا جنہوں نے دیکھا کہ پرندے اڑ رہے ہیں انہوں نے خیال کیا کہ پرندے وہاں ہی ہوتے ہیں جہاں پانی ہو یقیناً یہاں کہیں پانی ہوگا، انہوں نے اپنے ایک شخص کو بھیجا جس نے دیکھا کہ ایک پانی کا چشمہ ہے اور اس کے قریب ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے، انہوں نے کہا کہ تم ہمیں پانی میں شریک کرو تو ہم تمہیں اپنے جانوروں کے دودھ میں شریک کریں گے حضرت ہاجرہ نے ان



سے اس شرط پر معاہدہ کر لیا۔ اسی جرہم قبیلہ نے ایک لڑکی کا نکاح اسماعیل علیہ السلام سے کر دیا۔

(از روح المعانی ج ۷ حصہ دوم ص ۲۳۶، ۲۳۷)

**فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے اثرات آج بھی واضح طور پر نظر آرہے ہیں کہ مکہ کی سرزمین پہاڑی اور ریتلی ہے لیکن پھل ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ وہاں موجود رہتے ہیں، لوگ ہر طرف سے اس مقام پر کچے چلے آتے ہیں، ہر مسلمان کی دل میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کر لے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو بچہ کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہو کر ”صفا و مروہ“ کے چکر لگا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی زوجہ اور اسماعیل کی والدہ کی ادا ایسی پسند آئی کہ تاقیامت حاجی اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے وہاں چکر لگاتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ”حج“ اللہ کے مقبول بندوں کی ادا کے بغیر کچھ نہیں، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے طواف میں پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنا اس قسم کے کام ہی حج ہیں، میں نے اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ کے مقدمہ میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

**حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:**

حضرت ابراہیم نے ہجرت کی بعد بیٹے کے لئے دعا کی کہ اے اللہ مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾

(پ ۲۳ / سورۃ صافات آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

الہی مجھے نیک لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔

آپ کی دعا میں تین مطالبے تھے اے اللہ اولاد نرینہ یعنی مذکر عطا فرما! اور وہ بردباری کی عمر تک پہنچے اور بردبار ہی رہے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی حلیم، ہیں آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾

(پ ۱۱ / سورۃ توبہ ۱۱۴)



بے شک ابراہیم بہت آپس کرنے والے متحمل (بردار) ہیں۔

آپ کو بیٹا بھی حلیم عطا کیا تاکہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف و فضیلت والا ہو اور جلیل القدر نبی ہو ”صلاح“ یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے بھی یہی دعا کی اور اپنی ذات کے لئے بھی دعا کرتے ہوئے عرض کیا :

﴿رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾

(پ ۱۹ / سورۃ شعراء ۸۳)

اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور میرے رب مجھے ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنِيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا

تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾

پھر جب وہ اس کی ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا، میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

قربانی کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر :

”قال بعضهم كان في ذلك الوقت ابن ثلاث عشرة سنة“

(تفسیر کبیر)

بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔

امتحان کی وجہ :

چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی، اب امتحان لے کر اسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بردبار بیٹا آپ کو رب تعالیٰ نے عطا کیا جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔



تین دن ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا :

ذی الحج کے سات دن گذر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے : ” بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں پیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے “ آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے ؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں ۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام یوم الترو بہ رکھا گیا (سوچ چار کا دن) آٹھ تاریخ کا دن گذر جانے پر رات پھر خواب دیکھا ، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے اسی نو ذی الحج کو یوم عرفہ (پچاننے کا دن) کہا جاتا ہے ، اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لینے پر ہی دس ذی الحج کو یوم النحر (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر)

صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں ؟

” ان الله تعالى جعل رؤيا الانبياء عليهم السلام حقا “

بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے خوابوں کو حق بنایا یعنی ان کے خوابات سچے ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے۔

انبیائے کرام کے خواب تین قسم :

(۱) جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہ واقع ہو جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا کہ آپ بمع اپنے اصحاب کے مکہ کرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے آپ کا یہ خواب ایک سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا :

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

أَمِينٍ مُّحَلِّقِينَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ﴾

بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل

ہو گے اگر اللہ چاہے امن و امان سے اپنے سروں کے بال منڈواتے یا تر شواتے بے خوف۔



(۲) خواب میں صرف امتحان ہو اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا، یہ صرف امتحان تھا آپ نے اپنے امتحان پر عمل کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو چالیا اور فدیہ دے دیا۔

(۳) خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دکھایا گیا ہو اسی کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب :

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾

یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کر کے دکھایا :

﴿وَاخْرُؤْ أَلَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۱۰۰)

اس کے لئے سجدہ میں گرے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا۔

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں، خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیسی کیا، جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۲۶، ص ۱۵۷)

بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ :

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔



جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا حلم (بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے، اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے، آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو ”ان شاء اللہ“ سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ ”ان شاء اللہ“ ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچنا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

### ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی :

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لئے آیا لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تاکہ آپ اس سے آگے نہ جا سکیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ کو کہا: اسے ماریں آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا، دوبارہ پھر آگے آنے کی یہ کوشش کی آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا، تیسری بار پھر اسی طرح آگے آکر راستہ بند کر دیا تو آپ نے پھر اسی طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔

آج حاجیوں پر اس سنت ابراہیمی پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا، سبحان اللہ اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں؟ کہ ان کو عظیم عبادت کا حصہ بنا دیا گیا۔

(تفسیر روح المعانی)

اسماعیل علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کو مشورہ دینا :

اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: اے مرے بوجان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تاکہ



میں تڑپوں نہیں، اپنے کپڑوں کو مجھ سے چا کر رکھنا تاکہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہو جائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں، میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تاکہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہو جائے، جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا سلام ان کو دینا،

ان باتوں کے بعد باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا محبت کے آنسو چھلک پڑے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

﴿ فَلَمَّا اسْلَمَا وَلِلَّهِ الْحَبِيبِ ﴾

تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا،

ماتھے کے بل لٹانے میں بھی اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ ہی تھا کہ کہیں آپ محبت پداری کی وجہ سے چھری چلانے میں معمولی سی کوتاہی نہ کر دیں۔

﴿ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا اِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذَالِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ اِنَّ

هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴾

اور ہم نے اسے نداء فرمائی اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ چھری چلانے سے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا کہ آپ نے چھری چلا دی تھی تو جبرائیل امین نے آکر اس کا رخ بدل دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر و ثواب عطا کیا اور تاقیامت آپ کو ذبیح اللہ (اللہ کی رضا کیلئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔

(روح المعانی)

جبرائیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا: ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی



طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرائیل فدیہ لارہے ہیں تو پڑھا: ”لا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ جب حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے سنا تو آپ نے پڑھا: ”اللہ اکبر واللہ الحمد“

ان تینوں حضرات کے مجموعی کلام کو ”تکبیرات تشریق“ کی صورت میں تا قیامت نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ کی نماز فجر سے لیکر تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کر دیا گیا تاکہ یہ یادگار قائم رہے۔

(قاضی خان، حاشیہ ہدایہ)

خیال رہے کہ مدارک میں دوسرا کلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تیسرا کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذکور ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟

اگرچہ اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تاہم قوی دلائل سے یہ ہی واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل کی ہی کی گئی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مختلف دلائل ذکر کئے ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انا ابن الذبیحین“ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ایک اعرابی نے آپ کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرمایا: جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ دو ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ عبدالمطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے نذرمانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ کام آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا قرعہ حضرت عبد اللہ کے حق میں نکلا، آپ کے ننھیال اور کچھ اہل علم نے ایک سواونٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا اس طرح حضور ﷺ کے باپ کو ذبیح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں۔ تو یقیناً دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔



(۲) حضرت اسمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے اسمعی! تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسحاق علیہ السلام مکہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو شام میں تھے، مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے، وہی اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا تو یقیناً ذبیح ہونے کا واقعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی درپیش آیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا اسحاق علیہ السلام کو نہیں، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاسْمِعِيلَ وَاِذْ رِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

اسماعیل، اور یس اور ذوالکفل (علیم السلام) (کو یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔

(ب ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۵)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے متعلق فرمایا: ﴿اِنَّهٗ، كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ بے شک آپ وعدہ کے سچے تھے۔ ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا:

﴿سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

(ب ۲۳ سورۃ صافات ۱۰۲)

آپ عنقریب مجھے ان شاء اللہ صابرین سے پائیں گے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا اور وعدہ سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا اور وعدہ کا سچا، کہا ہے تو یقیناً ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(۴) اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کو بشارت رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی:

﴿فَبَشِّرْنَاهَا بِاسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾

(ب ۱۲ سورۃ ہود ۷۱)

ہم نے اسے (سارہ کو) بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

اگر یہ کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہو گا کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس میں حضرت ابراہیم کا امتحان ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو بتادیا گیا تھا کہ سارہ کا بیٹا اسحاق اور اسحاق کا بیٹا یعقوب ہو گا، جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہے کہ اسحاق کا بیٹا یعقوب تو ابھی پیدا ہونا ہے



یہ تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا ، تو امتحان کیسے ؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے ؟ اگر یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ﴾ (پ ۲۳ سورہ صافات ۱۰۲)

جب وہ آپ کے ساتھ ہاتھ مٹانے کی قابل ہو گیا۔

ذبح کے وقت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر تیرہ سال یا بعض روایات میں سات سال بھی ہے تو اس عمر میں یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيِّدِينَ ﴾

(پ ۲۳ سورہ صافات ۹۹)

میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں جو مجھے ہدایت دے گا۔

یعنی جہاں میرے رب کا حکم ہے اس سر زمین میں جانے والا ہوں ہجرت کرنے کے بعد ابراہیم دعا کرتے ہیں : ﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ الہی مجھے لائق اولاد دے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کی قبولیت کو ذکر کیا :

﴿ فَبَشِّرْ نَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴾ (پ ۲۳ سورہ صافات ۱۰۱)

تو ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔

پھر اسی بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَىٰ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴾

(پ ۲۳ سورہ صافات ۱۰۲)

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں

تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے ؟ کہا اے میرے باپ کیجئے ! جس بات کا

آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

اب اس سارے واقعہ کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں ؛ کیونکہ حضرت

اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ کو دی ہی اسلئے گئی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کی بشارت



دی جا چکی ہے اور پینا بھی عطا کر دیا گیا تھا۔

اگر ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بخت دی گئی اور ایک سال بعد آپ پیدا ہوئے اور اگر اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق کی پیدائش ہے۔

(۶) کثیر اخبار میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدیہ دیا گیا اس کے سینگ کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں درپیش آتا، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔

در کبیر ج ۲۶ ص ۱۵۲-۱۵۱

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا فعل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تاقیامت اصحاب نصاب، اہل ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

\*\*\*\*\*



## ﴿خانہ کعبہ کی تاریخ﴾

آدم علیہ السلام کی تعمیر :

ابن عساکر وغیرہ سے تفسیر عزیزی میں نقل کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہ الہی میں عرض کیا :

”خدا یا میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح و تکبیر سنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت گاہ دیکھتا ہوں جیسے کہ آسمان میں بیت المعمور دیکھتا تھا جس کے ارد گرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔“  
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

”جاؤ جہاں ہم نشان بتاتے ہیں وہاں کعبہ بنا کر اس کے ارد گرد طواف بھی کر لو اور اس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔“

حضرت جبرائیل علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی رہبری کے لئے ان کے ساتھ چلے اور انہیں وہاں لائے جہاں سے زمین بنی تھی، یعنی کعبہ کی جگہ سے ہی سب سے پہلے پانی پر جھاگ، پھر جھاگ سے زمین کی ابتدا ہوئی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے وہاں اپنا پرمار کر ساتویں زمین تک بنیاد ڈال دی، جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا (کوہ لبنان، کوہ طور، جودی، حرا اور طور زیتا سے) بنیاد بھر کر نشان کے لئے ہر چار طرف کو دیوار اٹھادی، اس طرف منہ کر کے آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور اس کا طواف بھی کرتے رہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ بیت المعمور کو اس بنیاد پر رکھ دیا گیا طوفان نوح میں بیت المعمور کو اٹھالیا گیا اور کعبہ کی جگہ اونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی، لوگ یہاں آتے رہے اور برکت کی دعاء مانگتے رہے۔



## ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کرنا :

ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑا اور یہاں آبادی ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ تعمیر کرو ! ایک بادل کا ٹکڑا بھیج کر کعبہ کی حد کو واضح کیا گیا اور جبرائیل علیہ السلام نے خط کھینچ دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے زمانہ کی بنیادوں پر ہی عمارت تعمیر فرمائی۔

کعبہ شریف کی بلندی نو ہاتھ ، رکن اسود سے رکن شامی تک ۳۳ ہاتھ ، رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ ، رکن یمانی سے رکن اسود تک ۲۰ ہاتھ ، رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ ہاتھ۔

یعنی کعبہ اس وقت مستطیل تھا لیکن طول اور عرض کی ایک ایک دیوار معمولی چھوٹی تھی دروازے دو بنائے گئے تھے جو زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے کواڑ زنجیر وغیرہ نہیں تھے بعد میں تبع حمیری کے زمانہ میں کواڑ زنجیر وغیرہ لگائے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پھر گارا وغیرہ دیتے تھے۔ سبحان اللہ ! کس شان سے اللہ کا گھر تعمیر ہوا؟ اللہ کا نبی ہی معمار اور اللہ کا نبی ہی معاون۔

## ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد :

آپ کی تعمیر کے بعد جزوی طور پر مختلف اوقات میں تعمیر ہوئی ایک مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے اسے تعمیر کیا اس کے بعد قصی بن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرے کی لکڑی ڈالی۔

## قریش کی تعمیر :

ایک عورت کعبہ شریف میں خوشبو سلگاتی تھی، ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی اور دیواریں پہلے ہی بوسیدہ ہو چکی تھیں، اسلئے قریش نے فیصلہ کیا کہ مکمل طور پر نئی تعمیر کی جائے۔ ولید بن



نیرہ کو عمارت کا امیر مقرر کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ اس میں حلال مال خرچ ہو گا اس وقت کے امیر لوگوں کے پاس زیادہ سود سے حاصل کردہ مال ہوتا تھا اس لئے حلال مال کم مقدار میں جمع ہوا تو قریش نے مال کی کمی اور کچھ اپنے مقاصد کے پیش نظر چند فرقہ کر دیئے۔

(۱) کعبہ کی کچھ زمین باہر نکال دی یعنی عمارت کو چھوٹا کر دیا ، کعبہ سے باہر نکالی ہوئی زمین کو ”حطیم“ کہا جاتا ہے اسی میں میزابِ رحمت (پرنا لہ) گرتا ہے ، چھوٹی چھوٹی دیوار سے آج بھی اسے علیحدہ نمایاں کیا ہوا ہے۔ طواف اس کے باہر سے ہی ہوتا ہے۔

(۲) قریش نے دو دروازوں کے بجائے ایک کر دیا وہ بھی بلند تاکہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں اب بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے بادشاہوں کیلئے دروازہ کھلتا خواہ وہ کتنے ہی بدکار کیوں نہ ہوں صلحاء اتقیا کے لئے کبھی دروازہ کھلنے کی خبر نہیں سنی گئی

(۳) خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں بنائی گئیں اور ہر صف میں تین ستون بنائے گئے۔

(۴) کعبہ شریف کی بلندی پہلے سے دو گنا کر دی گئی پہلے بلندی نو ہاتھ تھی انہوں نے اٹھارہ ہاتھ کر دی۔

(۵) خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا گیا جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے متصل (یعنی حطیم) بنیاد ابراہیمی کے پتھر مجھے دکھائے اور فرمایا کہ قریش نے اس میں کمی کر دی تھی لوگ اگر نئے نئے مسلمان نہ ہوتے اور ان کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ابراہیمی بنیادوں پر کعبہ دوبارہ تعمیر کر دیتا۔

اسی روایت کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر نے کعبہ شریف کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کیا ، حطیم کو کعبہ میں داخل کیا ، دروازے دو بنائے جو زمین کے متصل تھے ، خوشبودار مٹی چونہ میں ملا کر گارا لگایا گیا دروازوں پر اندر باہر غنبر لگا کر خوشبودار کیا گیا۔ نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔

خیال رہے کہ سب سے پہلے کعبہ شریف کو غلاف چڑھانے والے کا نام اسعد ہے جو شاہ یمن تھا



ارتبع کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ کی شہری بنیاد رکھنے والا یہ شخص ہے

عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر ۲۷ رجب ۶۲ھ کو مکمل ہوئی، پھر حجاج بن یوسف (جو عبدالملک بن مروان کا نائب تھا) نے ۷۴ھ میں عمارت کو منہدم کر کے پھر اسی طرح بنادیا جیسے قریش نے بنایا تھا۔

پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ کعبہ اس طرح بنادیا جائے جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا، یعنی دراصل وہی ابراہیمی تعمیر بھی تھی لیکن اس وقت کے اہل علم نے اس لئے منع کیا کہ کوئی تمہارا مخالف آئے گا وہ پھر تبدیل کرے گا اس طرح گرانا اور بنانا ایک کھیل بن جائے گا۔ اس کے بعد مرمت تو ہوتی رہی لیکن مکمل طور پر پوری عمارت کو دوبارہ نہیں بنایا گیا۔

### کعبہ کی موجودہ تعمیر :

۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد بن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت پرانی ہو گئی ہے تو اس نے سوائے رکن حجر اسود (وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) کے تمام عمارت منہدم کر کے نئی تعمیر کرائی لیکن انہی بنیادوں اور اسی طرز پر جو حجاج بن یوسف نے بنائی تھی، اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی گئی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے پونہ میں چنیں، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا، جس پر کلمہ طیبہ :

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا اور سنہری حاشیہ پر سلطان کا نام تھا۔

موجودہ کعبہ شریف سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے یعنی مکمل عمارت کو منہدم کر کے اس کے بعد نئے سرے سے تعمیر نہیں کیا گیا۔

غلاف کعبہ ہر سال مصر سے بڑی دھوم دھام سے آتا رہا ایک مرتبہ پاکستان کے شہر لاہور سے بھی بن کر گیا، پہلے یہ طریقہ تھا کہ پرانا غلاف کعبہ خدام کو دے دیا جاتا لوگ تبرک کے طور پر اسے خرید لیتے تھے، لیکن اب غلاف کعبہ سعودیہ میں ہی بنتا ہے اس پر شاہ سعود کا نام ہوتا ہے۔



## مقام ابراہیم و حجر اسود :

یہ دونوں جنتی یا قوت ہیں، بہت نورانی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے، جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر آپ کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہو جاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ کے قدموں کو تکلیف نہ ہو؛ اسی لئے آپ کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے۔ اسی پتھر کو جبل ابی قُبیس پر رکھ کر اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی: اے اللہ کے بندو حج کے لئے آؤ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾

(پ ۱۷ سورۃ حج ۲۷)

اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے، پیادہ اور ہر دہلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

آپ کے اس اعلان کے بعد ان تمام لوگوں نے لبیک کہا جنہوں نے بھی حج کرنا تھا۔ جس نے جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی مرتبہ ہی لبیک کہہ دیا، ماؤں کے رحموں میں اور آباء کی پشتوں میں سے تا قیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔

(ماخوذ از تفسیر نعیمی)

نبی کریم ﷺ نے جب مقام ابراہیم کی عظمت کو بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ہم اس کے پیچھے نماز نہ ادا کر لیا کریں؟ تو حضور ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی، لیکن اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہو گیا۔ ارشاد ہوا:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾

اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کے جگہ بنالو۔



مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی ابراہیم کے قدمین مطہرین کے نشانات اس پر ثبت ہیں۔ طواف کعبہ کے بعد طواف کی رکعتیں اسی مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں، اس میں بھی اتباع ملت ابراہیمی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کے قدمین مطہرین کے نشانات کو وہ عظمت عطا فرمائی کہ قیامت تک طواف کرنے والوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم کے پیچھے (دور کعت) نماز پڑھو، طواف کعبہ کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کی دور کعت مسجد حرام میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا جائے۔

(بیان ص ۲۲۴)

## مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ کھڑے ہوئے :

(۱) ابراہیم علیہ السلام جب کئی سال گزرنے بعد اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آجاؤں گا۔ سواری سے نہیں اتروں گا، آپ علیہ السلام جب مکہ میں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تو شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے، بہو سے ملاقات ہوئی، اس سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا، اس نے کہا : اچھا گزارا نہیں، تنگدستی ہے، صرف شکار پر گزر اوقات ہو رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا :

”اپنے خاوند کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل لو“

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو خود ہی پوچھا کہ آج کوئی بزرگ تو نہیں آئے تھے ؟ تو آپ کی زوجہ نے کہا کہ آئے تھے اور سلام کہہ کر گئے ہیں اور ایک پیغام دے کر گئے ہیں، جب پیغام کی اس نے تفصیل بیان کی تو آپ نے اپنی زوجہ کو فارغ کر دیا، کہ وہ تمہیں فارغ کر دینے کا حکم دے گئے ہیں۔

وجہ یہ تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی ناشکری کی تھی، نبی کی زوجہ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے، بلکہ صابر رہے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ پھر اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کیلئے آئے اس وقت بھی اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے، آپ علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ حضرت اسماعیل کی دوسری شادی تھی) اس سے گھر کے حالات پوچھے اس نے کہا:

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھا وقت گذر رہا ہے، زمزم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے، میرے خاوند شکار کر کے لے آتے ہیں، بہت اچھا وقت پاس ہو رہا ہے۔“

حضرت ابراہیم جب واپس جانے لگے تو آپ کی بہو نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے گھر رکیں، لیکن آپ نے کہا: ”مجھے سواری سے اتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں“ تو آپ کی بہو نے کہا کہ آپ اپنے پاؤں اس پتھر پر رکھیں تاکہ میں ان کو دھو دوں، آپ علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ ”مقام ابراہیم“ ہی تھا۔

آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے سلام کہا اور پیغام دیا کہ:

”گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے مضبوط رکھنا“

(۲) تعمیر کعبہ کے وقت آپ اس پر کھڑے ہوئے تھے وہ نرم ہو جاتا تھا، تاکہ آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو سختی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس میں پڑھ گئے۔ آپ جب بلند ہونا چاہتے تھے تو وہ پتھر خود خود اوپر اٹھ جاتا تھا، جب نیچے آنا چاہتے تھے تو نیچے ہو جاتا تھا۔ عام مستریوں کی طرح آپ علیہ السلام کو پھٹے باندھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔

(۳) کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابوقبیس پر سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔

(تفسیر کبیر، نعیمی)





## ﴿حضرت لوط علیہ السلام﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿فَأَمِّنْ لَهُ، لُوطٌ﴾

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی آپ علیہ السلام نے تصدیق فرمائی اور آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق فرمائی“

تمام انبیائے کرام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لئے یہاں یہ معنی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت لوط علیہ السلام (معاذ اللہ) کفر سے ایمان لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی تو آپ توحید پر ایمان لائے۔

یہ معافی نبی کی شان کے منافی ہیں :

”لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو ہر دعویٰ میں سچا تسلیم کیا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں، اگرچہ ”کشاف“ میں یہ ہے کہ آپ کی بہن کے بیٹے ہیں لیکن ”کمالین“ میں اس قول کو رد کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام بھی ہے جو حضرت سارہ کا باپ تھا پہلے زمانہ میں گھر کے کئی افراد کا ایک ہی نام ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات باپ بیٹے کا ایک نام اور کبھی بہن بھائی کا ایک نام بھی ہوتا تھا۔

**تنبیہ :** بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کچھ تکلیف نہ دی تو یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے۔ اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ معاذ اللہ کفر کے بعد ایمان لائے، لیکن اس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کرتے ہوئے فرمایا :



”وما قيل انه امن عليه السلام حين راى النار لم تحرقه ضعيف رواية وكذا  
دراية لانه بظاھرہ يقتضى عدم ايمانه قبل وهو غير لائق به عليه السلام“

بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے  
نہیں جلایا تو آپ ایمان لائے، یہ عقل و نقل کے مخالف ہے؛ کیونکہ اس سے بظاہر پتہ یہ چلتا ہے کہ آپ کا  
پہلے ایمان نہیں تھا، یہ نبی کی شان کے لائق ہی نہیں۔

لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد

یا تو ایمان کا وہی معنی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ :  
”آپ علیہ السلام مراتب کی اس بلندی پر فائز ہوئے جہاں عام انسان اس مقام کو نہیں پاسکتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت :

حضرت لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر  
وہاں سے مصر میں۔ اب ان دونوں کے ساتھ حضرت سارہ بھی تھیں، مصر سے فلسطین میں آگئے۔ اب ان  
تینوں کے ساتھ حضرت ہاجرہ بھی تھیں۔

پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر سے تقریباً اٹھارہ میل دور تک ایک شہر میں  
تبلیغ دین کے لئے آگئے اس شہر کا نام ”سندوم“ تھا۔ قرآن پاک میں اسی کو ”الموتفكة“ سے تعبیر  
کیا گیا۔

(روح المعانی ج ۱۱ حصہ اول ص ۱۵۲)

لوط علیہ السلام نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی :

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو صرف برائیوں سے باز رہنے کی تبلیغ کی، لیکن ان کو عبادت  
کرنے کا حکم اس طرح نہیں دیا جیسے حضرت ابراہیم نے دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو  
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی تبلیغ فرمادی تھی اور یہ بہت مشہور ہو چکی تھی۔



لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے اور علاقہ بھی قریب قریب تھا اور آپ کی قوم یعنی خاندان میں سے تھے تو آپ نے دوبارہ مشہور امور کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنی قوم کو صرف ان کی خصوصی برائیوں سے ہی روکا؛ تاکہ یہ قوم دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے، لیکن قوم باز نہ آئی آخر کار ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔

آپ نے قوم کو کہا:

﴿وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾

(پ ۲۰ سورۃ عنکبوت ۲۹)

اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم کو کہا تم بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا، کیا تم مردوں سے بد فعلی کرتے ہو؟ اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو؟ اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔

آپ علیہ السلام قوم کو عذاب سے بچانے کی فکر میں ہیں لیکن قوم کبھی کہتی ہے تم عذاب لے آؤ اور کبھی کہتی : ﴿قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ﴾

(پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۲۷)

بولے اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دئے جاؤ گے یعنی ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے اور ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں:

سب سے بڑی برائی ان میں ”لواطت“ تھی۔ (مردوں سے برائی کرنے کی عادت ان میں کثرت سے پائی جاتی تھی) اور مسافروں اور گزرنے والوں کے راستہ میں بیٹھ جانا ان کا راستہ روکنا اور زبردستی ان سے برائی کا مرتکب ہونا، راستہ میں بیٹھ کر ڈاکہ زنی، لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا، ان کی بری



قوم لوط کی یہ برائیاں ابھی تک لوگوں میں موجود ہیں، جو شریعت مطہرہ سے بغاوت ہے۔

☆ مردوں کی محفلوں میں صرف اسی لئے آنا کہ ان کو تاڑنا یعنی بعض کا بعض کو دیکھنا اور برائی کے لئے انتخاب کرنا۔ کبوتر بازی یعنی پورا پورا دن ان کو اڑانے اور شرط پر بازی لگانے میں گزار دینا، آج بھی لوگ اس برائی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

☆ عورتوں کی طرح انگلیوں کے پورے مہندی سے رنگنا۔ خیال رہے مرد کو بطور دوا مہندی لگانا جائز ہے لیکن زیب و زینت کے لئے منع ہے، لیکن آج کے دور میں لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور چال ڈھب پسند ہے جو حرام ہے۔

☆ ہاتھوں سے کنکریاں ادھر ادھر پھینکنا، گزرنے والوں کو تنگ کرنا۔ اسی طرح بند و قوں سے کنکریاں پھینک کر لوگوں کو ستانا، یہ فعل آج کے دور میں اوباش لوگوں میں قوم لوط سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

☆ ایک دوسرے کو تھپڑ مارنا ادھر سے ایک آیا اس نے دوسرے کو تھپڑ مار دیا اور ادھر سے دوسرا آیا اس نے تھپڑ مار دیا، یہ یہودہ فعل ان کا مزاح ہوا کرتا جو درحقیقت ان کے اوباش ہونے کی علامت تھی۔

☆ محفل میں لوگوں کے سامنے بلند آواز سے ہوا خارج کرنا وہ اپنی شان سمجھتے تھے حالانکہ شرفا کے لئے یہ فعل باعث شرم ہوتا ہے۔ بے اختیار ہوا کا بلند آواز سے خارج ہونا، یا گیس وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نہ روک سکنا، یا روکنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہونا، سب عذر ہیں، عذر کی صورتوں میں کئی افعال معاف ہوتے ہیں ان کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

☆ انگلیوں کے پٹانے نکالنا بلا وجہ اور بغیر عذر کے انگلیوں کے پٹانے نکالنا مکروہ ہے اسی وجہ سے کہ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا فعل تھا اور اس وقت بھی اس فعل کو یہودہ سمجھا جاتا تھا۔

☆ مزاح کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا یعنی چادر شلوار وغیرہ اتار دینا۔ ننگا ہونا بے حیا جتنا بھی قوم لوط کا فعل ہے جس کو آج نام نہاد مسلمانوں نے ”ثقافت“ کا نام دیا ہوا ہے۔



☆ مزاح مزاح میں فحش کلامی اور ایک دوسرے کو گالی دینا، یہ برائی بھی آج کے اوباش لڑکوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے، وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو ماڈرن اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شریف آدمی انہیں روکے تو اسے ملائیت، فسطائیت، قدامت پسندی کے القاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں دنیا تو (بے حیائی) بہت آگے جا چکی ہے لیکن یہ ابھی چودہ سو سال پیچھے ہیں۔ سائنسی علوم پڑھ کر ترقی تو ضرور کریں ملک و ملت کو عروج بخشیں لیکن بے حیائی کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔

الغرض ہر قسم کی بے حیائی اس قوم میں موجود تھی حیا کے خلاف ہر فعل ان کے نزدیک پسندیدہ سمجھا جاتا۔

عام لوگوں کے سامنے عام محافل میں مصطلکی کا چبانا اور مسواک کا چبانا بھی قوم لوط کا برا فعل تھا، یہ ایسا فعل ہے جس سے دوسرے دیکھنے والے کا دل خراب ہوتا ہے، دل میں متلاپن پیدا ہوتا ہے جو بعض اوقات زیادہ حساس طبیعت کے شخص کے قے آنے کا سبب بن جاتا ہے۔

آج کے دور میں چونگم (ببل گم) چبانا، منہ سے بار بار نکالنا پھر منہ کے اندر لے جانا اور کبھی غبارہ بنانا، قوم لوط کے فعل کا ہی عکس ہے اور درحقیقت یہ بے وقوفی کی علامت ہے۔

عام طور پر بے وقوف کو اونٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ وہ پیشاب اپنی رانوں پر کرتا ہے جو پیشاب سے اپنے آپ کو نہ چا سکے اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ بے وقوف کو اونٹ کہہ دیتے ہیں اور کئی مست اونٹ اپنے منہ سے اسی طرح غبارے بناتے ہیں پھر منہ میں داخل کر لیتے ہیں، منہ میں جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ اسے پنجابی میں کہتے ہیں ”بو کے نکالنے والا اونٹ“ کبھی اونٹ کا نظارہ بھی دیکھیں اور ترقی یافتہ چونگم کھانے والوں کو بھی دیکھیں تو آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا، اس لئے ان کو اونٹ کہنا اور بے وقوف سمجھنا عقل کی علامت ہے۔

کچھ لوگ ہر وقت منہ میں مسواک لئے پھرتے ہیں عام محافل میں بس میں ویگن میں حالانکہ اس طرح مسواک منہ میں لینا پھر نکالنا پھر منہ میں ڈالنا کلی نہ کرنا یہ طریقہ دوسروں کا دل خراب کرنے کے مترادف ہے۔



مسواک کون سے مواقع میں مستحب ہے :

مسواک کے متعلق نبی کریم ﷺ کے کیا ارشادات ہیں ؟ ان کو سمجھنے سے واضح ہو جائے گا کہ ہر وقت مسواک چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا کبھی باہر نکالنا معیوب ہے۔ جس فعل سے دوسرے لوگوں کی طبیعت متنفر ہو، وہ کام انبیائے کرام نے نہیں کئے۔

مسواک کے متعلق ارشاداتِ مصطفویٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

﴿لَوْ لَا اَنْ اَشَقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَا مَرْتَهَمَ بِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ﴾  
اگر میں امت پر شاق نہ سمجھتا تو ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا، یعنی ہر وضو کے ساتھ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

﴿لَوْ لَا اَنْ اَشَقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَا مَرْتَهَمَ بِتَاْخِیْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَوةٍ﴾  
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب السواک)

اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو عشاء کی تاخیر اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا یعنی عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔

خیال رہے کہ یہ دونوں حکم استنباطی اب بھی موجود ہیں صرف وجوب کی نفی ہے تاکہ امت پر مشکل درپیش نہ آئے۔

حضرت شریح بن حانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتداء کرتے ؟ قالت بالسواک آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : مسواک سے ۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب السواک)

یعنی مسجد سے واپس گھر آکر یا سفر سے واپس آکر مسواک فرماتے تھے آپ نظافت کا خصوصی خیال



فرماتے تھے اور دانتوں کی صفائی میں مبالغہ فرماتے۔

## مسواک کے مستحب اوقات :

﴿و يستحب في خمسة مواضع اصفرار السن و تغير الرائحة والقيام من النوم والقيام الى الصلوة وعند الوضوء﴾

(مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۳)

پانچ مقاموں میں مسواک کرنا مستحب ہے

- (۱) دانت زرد رنگ کے ہو جائیں۔
- (۲) منہ میں بو آنے لگے۔
- (۳) سونے کے بعد۔
- (۴) نماز کیلئے جب تیار ہو۔
- (۵) وضوء جب بھی کرے، خواہ نماز کے لئے یا قرآن پاک کو چھونے کے لئے۔

اس بحث سے مسواک کے مواضع واضح ہو گئے، لیکن بس میں، چلتے پھرتے ہر محفل میں مسواک کو چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا، کبھی نکالنا، کبھی تھوکرنا پھر مسواک کو منہ میں لینا، کلی نہ کرنا۔ یہ طریقہ راقم کو کہیں سے نہیں ملا کہ ایسا کرنا مستحب ہے یا دوسروں کو متفر کرنا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

## لوط علیہ السلام کی زوجہ :

حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا نام ”واہلہ“ تھا۔ یہ کافرہ تھی۔ اس کے دل میں نفاق تھا وعدہ کا پاس نہیں کرتی تھی۔ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے متعلق قوم کو مطلع کرتی اس طرح لوط علیہ السلام کی خیانت کی مرتکب ہوتی۔ قوم کی برائی پر خوش ہوتی تھی، اسلئے قوم کے ساتھ عذاب میں یہ بھی گرفتار ہوئی۔

## عذاب والے فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا :

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے حضرت سارہ کو اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے کے لئے وہی لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے کے لئے بھی آئے۔



وہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے پندرہ دنوں سے کوئی مہمان نہ آیا تھا، اس لئے آپ نے جلدی سے ان کے پاس بھونا ہوا منجھڑا پیش کیا۔ آپ نے جب دیکھا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچ رہے تو سمجھ گئے کہ یہ تو فرشتے ہیں۔

اعترض :

رب تعالیٰ نے فرمایا : ﴿وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً﴾ اور دل دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کو فرشتوں کا پتہ ہی نہ چل سکا اور ان کو اجنبی سمجھ کر ڈر گئے کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آگئے ہیں؟

جواب :

”قال فی التاویلات النجمیة ما کان خوف ابراهیم خوف البشریة بان خاف علی نفسه فانه حین رمی بالمنجنیق الی النار ماخاف علی نفسه وقال اسلمت لرب العلمین وانما کان خوفه خوف الرحمة والشفقة علی قومه یدل علیہ قالوا ” لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط“

(حاشیہ جلالین ص ۱۸۵)

”تاویلات نجمیہ“ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بتقاضائے بشریت کوئی خوف نہیں ہوا کہ آپ کو اپنی جان کا خوف ہوتا تو آپ کو جب منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آپ کو اپنی جان کا کوئی خوف نہیں ہوا بلکہ آپ نے کہا : ”میں اپنے آپ کو رب العالمین کے سپرد کر رہا ہوں“ آپ کو صرف خوف اپنی امت کا تھا امت پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے آپ خوف کر رہے تھے کہ کہیں میری امت کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے فرشتوں کا جواب اس مضمون کو واضح کر رہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ”آپ خوف نہ کریں بے شک ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھجے گئے ہیں۔“



ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ :

” فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ “  
 ” پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی ہم سے قوم لوط کے بارے میں  
 جھگڑنے لگا “

یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہو گیا کہ میری قوم کو عذاب تو نہیں ہو رہا ، تو آپ کو لوط  
 علیہ السلام اور ان کی اہل کی فکر دامن گیر ہوئی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے کہ  
 آپ کو اپنی قوم کی فکر تھی ، آپ فرشتوں کو پہچان رہے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں :-

” وَالَّذِي آمَلَ إِلَهِهِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَفَهُمْ قَبْلَ ذَلِكَ وَإِنْ خَوْفُهُ مِنْهُمْ لَكُونَهُ  
 مَلَائِكَةٌ لَمْ يَدْرُ لَا شَيْءَ نَزَلُوا “

(روح المعانی ج ۷ حصہ اول ص ۹۷)

میرا رجحان اسی طرف ہے کہ آپ نے فرشتوں کو پہلے ہی پہچان لیا تھا، خوف صرف اس  
 لئے ہو رہا تھا کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیوں نازل ہوئے ہیں ؟ کہیں قوم کو عذاب دینے  
 کے لئے تو نہیں آگئے۔

ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے سوال و جواب کرنا اگرچہ حقیقتاً کوئی ” مجادلہ “ نہیں البتہ  
 صورتاً مجادلہ تھا، آپ علیہ السلام نے انہیں کہا : کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے جس میں تین سو مومن  
 ہوں گے ؟ انہوں نے کہا نہیں ایسا کبھی نہیں کریں گے ، پھر آپ نے کہا : کیا تم اس بستی کو ہلاک کرو  
 گے جس میں دو سو ایمان والے رہتے ہوں ؟ انہوں نے کہا نہیں اسے تو ہلاک نہیں کریں گے ۔ پھر آپ  
 نے کہا کیا تم اس آبادی کو برباد کرو گے جہاں چالیس ایماندار لوگ موجود ہوں گے ؟ انہوں نے کہا نہیں  
 اسے تو کبھی برباد نہیں کریں گے ۔ پھر آپ نے فرمایا تم اس شہر کو برباد کرو گے جہاں دس مومن رہتے  
 ہوں ؟ انہوں نے کہا نہیں ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ایک مومن وہاں رہتا ہو تو اسے تم برباد کر دو گے ؟  
 انہوں نے کہا نہیں ۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا : ﴿ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ﴾ اس میں تو لوط موجود ہیں ، فرشتوں نے  
 کہا : ﴿ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ﴾ ہمیں معلوم ہے وہاں کون لوگ ہیں ؟ لوط علیہ السلام اور ان کی



اہل کو ہم نجات دیں گے سوائے ان کی عورت کے، وہ قوم کے ساتھ ہی عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔

(تفسیر جلالین ص ۱۸۶)

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ، وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَقُومُ هَؤُلَاءِ بنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ، قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ، قَالَ لَوْ أَنِّي لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ﴾

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۷۷، ۸۰)

جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا اور بولا یہ بڑی سختی کا دن ہے اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور انہیں پہلے ہی برے کاموں کی عادت پڑی تھی کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے ستھری ہیں تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں سے ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے بولے اے کاش مجھے تمہارے مقابل زور ہو تا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔

یعنی قوم کو جب پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت نوجوان بطور مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ اپنے برے ارادے اور شدید جذبات لئے بھاگتے ہوئے آگئے، ان کو خبر دینے والی بھی لوط علیہ السلام کی زوجہ و اہلہ ہی تھی۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ قوم اس بد فعلی یعنی لواطت کا ارتکاب کوئی چھپ کر نہ کرتی بلکہ وہ لوگ ظاہر طور پر اس برائی کے مرتکب ہوتے، اس لئے لوط علیہ السلام نے کہا۔ کیا تم میں سے کوئی ایک بھی نیک چلن نہیں؟ آپ نے ان کو بڑے پیارے انداز پر نصیحت فرمائی، یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں جو تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے حقوق پائمال کر رہے ہو، حقوق زوجیت ادا نہیں کر رہے، نوجوانوں کی طرف



تمہارا میلان، بد فعلی کا ارتکاب تمہاری بد چلنی کا ذریعہ ہے۔ اپنی بیویوں کی طرف میلان کرو تا کہ ان کے حقوق بھی ادا ہو سکیں اور تم بھی نیک ہو جاؤ۔ یہ میرے مہمان ہیں ان سے کوئی برائی کے مرتکب ہو کر مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر میرے پاس کوئی طاقت ہوتی تو میں تمہیں مار مار کر بھگادیتا اگر میرے پاس کوئی مضبوط قلعہ یا پناہ ہوتی تو مہمانوں کو وہاں لے جاتا۔

پناہ طلب کرنے کا مطلب :

لوط علیہ السلام نے کہا : ﴿ اَوْ آوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیدٍ ﴾  
یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔

نبی کریم رحمت ﷺ نے فرمایا :

”یرحم الله لوطا لقد كان يأوی الى ركن شديد“

اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے آپ کسی مضبوط پائے کی پناہ لینا چاہتے تھے

بظاہر یہاں وہم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے یہ کیوں کہا ؟ (معاذ اللہ) آپ نے بے صبری کا مظاہرہ کیا اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

” انه كان بمقتضى الجبلۃ البشرية بعض الامور الضرورية یمیل الى الاستعانة بالعشيرة القویة “

(مرقاۃ المفاتیح باب بدء الخلق وذكر الانبیاء)

انسان کی جبلت بشری کا تقاضا ہے کہ وہ بعض امور ضروریہ میں اپنے قوی قبیلہ سے امداد طلب کرتا ہے، یہ انبیائے کرام کی شان کے مخالف نہیں۔ بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام نے بھی اپنے قبائل کے کئی افراد سے امداد طلب کی، اس میں اللہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں پائی گئی۔

فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب :

﴿ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ



وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتُكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ  
أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ، فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا  
حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۸۱، ۸۳)

فرشتے بولے : اے لوط ! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، وہ تم تک نہیں پہنچ سکتے  
تو اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری  
عورت کے، اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے  
کیا صبح قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور  
اس پر کنکر کے پتھر لگا تار برسائے جو نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ہیں اور وہ پتھر کچھ  
ظالموں سے دور نہیں۔

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

فرشتے اب تک یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہے تھے، جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط  
علیہ السلام کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہو گئی تو فرشتے گویا ہوئے، اے لوط ! گھبراؤ نہیں، دروازہ کھول  
دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو۔ ہم لونڈے تھوڑے ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دیوچ لیں گے ہم اللہ  
کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان بستیوں کو تہ وبالا کر کے رکھ دیں  
۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں۔  
لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ اس کا انجام وہی ہو گا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان  
ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں، صرف صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ  
وقت نہیں۔

جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا گیا ان کی فلک بوس عمارتیں زمین پر  
اوندھی گرا دی گئیں ان پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کر رہ گئے۔  
سعدون، عموراء، اوما اور زبوثیم ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں جہاں آج کل  
بحر مراد یا بحر لوط ہے اب بھی بحر لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں اور کثرت سے زلزلے  
آتے رہتے ہیں۔

(تفسیر ضیاء القرآن)



## لوط علیہ السلام کارات کو نکل جانا :

لوط علیہ السلام اپنے ساتھ سوائے زوجہ کے باقی گھر کے افراد کورات کو لے کر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لپیٹ دیا اس طرح آپ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے ان کی تمام بستیوں کو اپنے پر سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ آسمان والے ان کی بستیوں میں رہنے والے مرغوں کی آواز اور کتوں کے بھونک سن رہے تھے، پھر ان کو پلٹ کر نیچے گرا کر اوپر سے پتھروں کی بارش برسا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(روح المعانی ج ۷ حصہ اول ص ۱۱۳)

خیال رہے کہ چار بستیوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے پانچویں بستی جو سب سے بڑی تھی اس کا نام سدوم تھا جسے قرآن پاک میں مؤتفکات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

**تنبیہ:** جو پتھر ان پر برسائے گئے تھے ان پر نشانات تھے جن کی وجہ سے وہ دوسرے پتھروں سے ممتاز تھے، ان پر خطوط تھے یا مہریں تھیں، یا ان پر ہر شخص کا نام لکھا گیا تھا جس جس کا نام تھا اسی پر وہ پتھر گرا اور وہ مرا۔

(خزائن العرفان)

## الانتباہ:

لوط علیہ السلام کی قوم کو جب پتہ چلا کہ آپ کے پاس نوجوان مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے اپنے برے ارادے سے آئے آپ نے انہیں سمجھایا کہ مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو اور آپ نے فرمایا:

﴿يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ﴾ (پ ۱۲ سورۃ ہود ۷۸)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا ہے :

”بولے اے میری قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے ستھری ہیں“  
دیگر مترجمین نے ترجمہ میں ”میری بیٹیاں“ ذکر کیا ہے۔



اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق اور اللہ کے نبی کی شان کے لائق ہے، جبکہ دیگر تراجم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا۔ اگرچہ ایک قول یہ ملتا ہے کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا کہ تم ان سے نکاح کر لو لیکن یہ قول مختلف بحثوں سے مردود ہے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ بنات جمع ہے، نیز دو بیٹیاں پوری قوم کے لئے کیسے؟ کیا صرف اس قوم کے دوسرے دار مراد تھے یا کہ پوری قوم؟ کیا کافروں سے نکاح جائز تھا؟

”اخرج ابو الشيخ عن ابن عباس وابن ابی حاتم عن ابن جبیر و مجاهد وابن ابی الدنيا وابن عساكر عن السدي ان المراد بناته عليه السلام نساء امته والاشارة بهؤلاء لتنزيلهن منزلة الحاضر عنده واضافتهن اليه لأن كل نبي اب لامته وفي قراءة ابن مسعود رضي الله عنه ﴿النبي أولى بالمؤمنين من انفسهم وهو اب لهم وازواجه امهاتهم﴾ وقرأ ابی رضي الله عنه مثل ذلك لكنه قدم وازواجه امهاتهم على وهو اب لهم“

(روح المعانی)

ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے مجاہد ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے سدی سے بیان کیا ہے کہ یہاں لوط علیہ السلام نے جو بنات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد آپ نے اپنی قوم کی عورتیں لی ہیں، هؤلاء سے اشارہ ان کو بمنزل حاضر کے سمجھ کر کیا اور ان کی اضافت اپنی طرف کی اور بناتی کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے؛ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَهُوَ آبٌ لَهُمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

نبی مؤمنوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں؛ کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرات میں بھی ایسے ہی ہے لیکن اس میں وازواجه امهاتهم پہلے ہے اور وهو اب لهم بعد میں ہے



اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ کیا ہے، علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے اور اپنے مختار پر دلائل قائم کئے ہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”قال يقوم هؤلاء بناتى هن اطهر لكم ففيه قولان : قال قتادة المراد بناته لصلبه وقال مجاهد و سعيد بن جبیر المراد نساء امته لانهن فى انفسهن بنات ولهن اضافة اليه بالمتابعة وقبول الدعوة قال اهل النحو يكفى فى حسن الاضافة ادنى سبب لانه كان نبيا لهم فكان كلاب لهم قال تعالى ﴿وازواجه امهاتهم﴾ وهواب لهم وهذا القول عندى هو المختار ويدل عليه وجوه : الاول ان اقدام الانسان عرض بناته على الاوباش والفجار متبعد لا يلىق باهل المروة فكيف باكبر الانبياء ، الثانى وهو انتقال هؤلاء بناتى وهن اطهر لكم فبناته اللواتى من صلبه لا تكفى للجمع العظيم اما نساء امته ففيهن كفاية لكل ، الثالث انه صحت الرواية انه كان له بنتان وهما ”زنتا و زعوراء“ واطلاق لفظ البنات على البنتين لا يجوز لما ثبت ان اقل الجمع ثلاثة“

(تفسیر کبیر)

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے اس کلام ﴿هؤلاء بناتى هن اطهر لكم﴾ میں دو قول ہیں : حضرت قتادہ نے کہا اس سے مراد آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں ہیں، لیکن حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت کی عورتیں ہیں؛ اسلئے کہ وہ آپ کی بیٹیاں ہی تھیں ان کی طرف قبول دعوت اور متابعت کی وجہ سے منسوب کیا اس لئے کہ نحو یوں کا ضابطہ یہ ہے کہ حسن اضافت میں ادنیٰ مناسبت کافی ہے اس لئے کہ آپ ان کے نبی تھے اور نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے وازواجه امهاتهم نبی کی بیویاں ان مائیں ہیں، لہذا نبی ان کے باپ ہوئے۔ علامہ رازی فرماتے ہیں یہی قول میرے نزدیک مختار ہے۔ اس کے مختار ہونے پر کئی وجوہ دال ہیں :

پہلی وجہ یہ ہے : کہ انسان کا اپنی بیٹیوں کو اوباشوں اور فاسقوں فاجروں پر پیش کرنا بہت بعید ہے اہل مروت کے لائق نہیں اکابر انبیاء یہ کام کیسے کر سکتے ہیں۔



دوسری وجہ :

آپ نے فرمایا ﴿ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم﴾ آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں اتنی عظیم جماعت کو کافی نہیں ہو سکتی تھیں امت کی عورتیں ان تمام کو کافی ہو سکتی تھیں

تیسری وجہ :

صحیح روایت ہے کہ آپ کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام زینتا اور دوسری کا نام زعوراء تھا۔ لفظ ہنات کا اطلاق (بالحقیقت) دو بیٹیوں پر صحیح نہیں؛ کیونکہ جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔





## ﴿حضرت یعقوب و حضرت یوسف﴾

### علیہما السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم“  
کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔

### یعقوب علیہ السلام کے بیٹے :

یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں یعنی یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں  
یہودا ، روبیل ، شمعون ، لادی ، ریالون ، یشجر ، دینہ یہ تمام لڑکے آپ کی زوجہ  
لیابنت لیان بن فاہر کے بطن سے ہیں، یہ زوجہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خالہ کی لڑکی تھی ۔

دان ، یفتالی ، جاد ، آشر یہ لڑکے زلقہ اور بلہتہ کے بطن سے تھے۔ حضرت  
یوسف علیہ السلام اور بنیامین راحیل کے بطن سے تھے ۔ راحیل کی وفات بنیامین کی پیدائش کے  
بعد جلد ہی ہو گئی تھی۔ لیا کی وفات کے بعد راحیل سے نکاح ہوا تھا۔ راحیل ، لیا کی بہن تھی۔

خیال رہے کہ جو نام ذکر کئے گئے ہیں یوسف علیہ السلام کے علاوہ وہ بارہ ہیں، اور مشہور یہ ہے  
کہ حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے اسی وجہ سے اکثر حضرات نے دینہ نام کو شامل نہیں کیا ۔

کچھ حضرات نے شامل تو کیا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ مونث کا نام ہے یعنی یوسف کی ایک بہن کا نام  
دینہ تھا۔



## یوسف علیہ السلام کا خواب دیکھنا :

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کو بتایا کہ اے میرے باپ !

﴿إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۴)

بے شک میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے

دیکھا۔ یوسف نے جو تارے دیکھے تھے ان کے نام یہ ہیں :

”جربان، طارق، ذیال، قالبس، عمودان، فیلق، فزع، وثاب، ذوالکفتین

، ضروج، مصبح“

ایک روایت میں مصبح کی جگہ نطح ذکر ہے، لیکن پہلی روایت پر کثیر اہل علم حضرات ہیں  
 سنان نامی یہودی حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ مجھے ان ستاروں کے  
 متعلق بتائیں جو یوسف نے دیکھے تھے، آپ خاموش تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آگئے انہوں نے حضور کو  
 ستاروں کے نام بتادیئے آپ نے یہودی کو کہا اگر میں تمہیں ان تاروں کے نام بتادوں تو کیا تم ایمان لے آؤ  
 گے؟ اس نے کہا ہاں ! آپ نے اسے نام بتادیئے وہ کہنے لگا : قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک یہی ان کے  
 نام ہیں۔

## آپ کے خواب کی تعبیر :

گیارہ تاروں سے مراد آپ کے بھائی اور چاند سورج سے مراد آپ کے ماں باپ ہیں، لیکن خیال  
 رہے کہ خواب دیکھنے سے پہلے ہی آپ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سجدہ سے مراد سجدہ تعظیسی ہے جو پہلی  
 امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔

**فائدہ :** خواب میں سورج دیکھنے سے بادشاہت، سونا، خوبصورت عورت ملنے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے  
 چاند کو خواب میں دیکھنے سے بادشاہت، وزارت، بادشاہ کا قرب، ریاست، شرافت، غلام، منصب، حاکمیت  
 بڑے آدمی کی زیارت، والد، والدہ، زوجہ، خاوند، عظمت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی فساد اور



باطل امور کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ یہ سب دیکھنے والے پر منحصر ہے۔

خیال رہے خواب دیکھنے والا جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے (القاء) ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پڑھے اور لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہے تو بیان بھی کر دے لیکن اگر برا خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے خواب دیکھنے پر بائیں طرف تین مرتبہ تھو کے اور ..... ﴿اعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَشَرِّ الرَّؤْيَا﴾ ..... پڑھے اور کسی کے سامنے وہ خواب بیان نہ کرے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

(ماخوذ از روح المعانی)

يعقوب عليه السلام کا خواب بیان کرنے سے منع کرنا :

﴿قَالَ يَبْنٰى لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ اِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوْا لَكَ كَيْدًاۗ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۵)

”کہا اے میرے پیارے بیٹے ! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بارہ سال کی عمر میں دیکھا ، حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے تو بھائی ان سے حسد کریں گے۔

کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت تھی آپ کے بھائی آپ سے اس پر حسد کرتے تھے۔ یہ بھی یعقوب علیہ السلام کے علم میں تھا؛ اسی لئے آپ نے منع فرمایا کہ یہ خواب بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ ان کا حسد اور بڑھ جائے گا وہ تمہیں نقصان پہنچانے میں شیطان کے دام فریب میں آجائیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد :

﴿اِذْ قَالُوْا لِيُوْسُفُ وَاٰخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰى اٰبِنَاۤمِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌۭ اِنَّ اٰبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۸)



جب انہوں نے کہا کہ ضرور یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت بنیامین سے ، تو دوسرے بھائیوں کو اس پر حسد آیا وہ کہنے لگے : ہم تو ایک جماعت ہیں باپ کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں اور ان کو زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں یہ دو ہیں اور چھوٹے بھی ہیں یہ اپنے باپ کی خدمت ہماری طرح نہیں کر سکتے پھر ان سے پیار و محبت ہم سے زیادہ کیوں ؟

(روح المعانی)

اعتراض :

”انہم نسبوا أباهم الى الضلال المبين وذلك مبالغة في الذم ومن بالغ في الطعن في الرسول كفر لاسيما ان كان الطاعن ولدا فان حق الأبوة يوجب التعظيم“

سوال یہ ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے لڑکوں نے اپنے باپ کو ”ضلال مبين“ کی طرف کیسے منسوب کیا ؟ یہ تو مذمت اور طعنہ میں مبالغہ ہے اور جو شخص اللہ کے رسول پر طعنہ میں مبالغہ کرے وہ کافر ہے (حالانکہ وہ مومن تھے)۔ اولاد کس طرح طعنہ زن ہو سکتی ہے ؟

جواب :

”المراد منه الضلال عن رعاية المصالح في الدنيا لا البعد عن طريق الرشد والصواب“  
اس کا جواب یہ ہے کہ راہ راست اور حق سے دوری کو ضلال سے تعبیر نہیں کیا بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ دنیا کی مصلحت کو نہیں دیکھ رہے کہ ہم ایک جماعت ہیں ہم انہیں زیادہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور ہم ان کی خدمت زیادہ کر سکتے ہیں لیکن محبت وہ ان سے زیادہ کرتے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)



## یعقوب علیہ السلام کی محبت دوبيٹوں سے زیادہ کیوں؟

”محبت“ دل کا کام ہے جس پر انسان قادر نہیں، اسی لئے نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں انصاف کرنے میں بہت زیادہ احتیاط فرمانے کے باوجود عافرماتے تھے :

اے اللہ ! جس کا میں مالک ہوں اس پر تو میں نے عمل کر دیا لیکن جس پر میں مالک نہیں اس پر مجھے مواخذہ نہ کرنا ،

یعنی دلی محبت کسی سے زیادہ ہونا انسان کے دائرہ قدرت سے باہر ہے۔ یہ دونوں بھائی چھوٹے چھوٹے تھے چھوٹی اولاد سے محبت زیادہ ہونا بھی فطرۃ اور قدرتی عمل ہے

یوسف علیہ السلام سے محبت سب سے زیادہ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کی تمام اولاد میں سے اگر کسی کو منصب نبوت حاصل ہونا ہے تو وہ یہی آپ کا بیٹا ہے اسی لئے آپ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے، ان کے بعد بنیامین سے کیونکہ وہ سب سے چھوٹے تھے۔

یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے ہی ان کے بھائی زیادہ مخالف ان کے ہی تھے بنیامین کے اس طرح مخالف نہیں تھے کیونکہ خواب دیکھنے کا معاملہ ان تک بھی کسی طرح پہنچ چکا تھا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر ، روح المعانی )

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو راہ سے ہٹانے کی ٹھان لی :

﴿ اَقْتُلُوا يُوسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبْنَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۹)

یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک دو کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔

یعنی انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ باپ صرف تمہارے ساتھ ہی خالص محبت کریں تو یوسف کو راستے سے ہٹانا ضروری ہے اس کے بغیر باپ کی کامل محبت میسر نہیں ہو سکتی۔ وہ مسلمان تھے ،



کافر نہیں تھے۔ سمجھ رہے تھے کہ یہ عظیم جرم بھی ہوگا، لیکن حسد کی آگ نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے، البتہ یہ سوچ رہے تھے کہ بعد میں توبہ کر لیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔

صرف ایک بھائی قتل کرنے سے منع کرتا تھا:

﴿ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ فِي غِيَابَةِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴾

ان میں سے ایک کہنے والا بولا: یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا آ کر اسے لے جائے اگر تمہیں کرنا ہے تو۔

یہ روکنے والا آپ کا سب سے بڑا بھائی تھا جس کا نام ”یہودا“ تھا اس نے کہا قتل ایک عظیم جرم ہے تمہارا یہ ارادہ درست نہیں البتہ جنگل میں کسی کنوئیں میں ڈال دو، شاید وہاں سے کوئی گزرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائے، اس طرح تمہارا مطلب بھی پورا ہوگا اور یوسف بھی قتل سے بچ جائے گا، اگر تم نے اپنے ارادے پر عمل کرنا ہی ہے تو یہی کرو۔

(ماخوذ از روح المعانی)

یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے جانے کے لئے بھائیوں کا حیلہ:

﴿ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ، أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ، قَالَ إِنِّي لِيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ، قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذَا لَخَسِرُونَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۱۱، ۱۴)

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہوا کہ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہو ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے بھیمان ہیں آپ نے کہا بے شک تمہارا اس کو ساتھ لے جانا مجھے



رنج پہنچائے گا اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور تم اس سے بے خبر رہو۔ انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں۔ ان کا شہر سے باہر جانے اور کھیل کی اجازت طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیاری کریں گے دوڑ میں مقابلہ کریں گے تیر اندازی میں مہارت حاصل کریں گے۔

اگر وہ صرف لہو و لعب کے لئے کھیل کود کی اجازت طلب کرتے تو یعقوب علیہ السلام انہیں کبھی اجازت نہ دیتے۔ یوسف علیہ السلام چونکہ چھوٹے تھے اس لئے انہوں نے کہا اے ہمارے ابا جان ہمارے چھوٹے بھائی کو بھی ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دو، یہ ہماری جنگی تدابیر دیکھ کر خوش ہو گا اور جنگلی میوے پھل ہم اسے توڑ کر دیں گے، یہ کھائے گا، کیونکہ ہم اونٹوں کو چرانے اور انہیں چارہ کھلانے کی مشقیں بھی کریں گے ان میں جنگلی درختوں سے پھل بھی حاصل کریں گے۔

یعقوب علیہ السلام چونکہ پہلے ہی خواب دیکھ چکے تھے کہ یوسف علیہ السلام پر بھیڑیے نے حملہ کر دیا ہے اور وہ زمین بھی بھیڑیوں والی تھی اس لئے آپ نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم بے خبر ہی رہو۔ شاید یعقوب علیہ السلام نے خواب کو اسی طرح سمجھا ہو اور اشارہ دشمن کی طرف ہو یعنی بھیڑیے سے مراد دشمن ہو۔ آپ علیہ السلام کے بیٹوں کو واپس آ کر یہی عذر پیش کرنا ہے اپنے باپ کے قول سے ہی سمجھ آیا ورنہ پہلے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے سامنے ایسا کلام نہ کرو جس سے اسے جھوٹ کی راہنمائی ملے، جیسے یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو معلوم نہیں تھا کہ انسانوں کو بھیڑیا بھی کھا جاتا ہے، جب ان کے باپ نے یہ کہا تو انہیں بھی جھوٹ بولنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائیوں کی ایک جماعت ..... وہ جو بہت طاقتور ہو ..... کے سامنے ایک بھائی کو بھیڑیا کھا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم کسی کام کے نہیں ہوں گے، ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیے کی کیا مجال ہے کہ ہمارے بھائی کو کھا جائے؟



## بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو تیار کرنا :

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کسی طرح بھی ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا : کیا تم ہمارے ساتھ باہر جنگل میں چلو گے ؟ جہاں ہم دوڑ میں مقابلہ کریں گے اور اونٹ وغیرہ دوڑانے اور دوسری جنگی تدابیر میں مقابلہ کریں گے ؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا : ہاں ضرور جاؤں گا، انہوں نے کہا کہ تم باپ کو کہو۔ آپ نے سب بھائیوں کو ساتھ لیا اور باپ کے پاس آگئے۔ بھائیوں نے ان کی موجودگی میں اپنے باپ کی خدمت میں عرض کی یوسف ہمارے ساتھ جانا پسند کرتا ہے۔ آپ اسے اجازت دیں۔ آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کرتے ہوئے پوچھا، تمہارا کیا خیال ہے ؟ انہوں نے کہا بھائی مجھے پیار و محبت سے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں اسلئے میں ان کی ساتھ ضرور جاؤں گا، اس طرح یعقوب علیہ السلام باوجود اس کے کہ نہیں چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجا جائے لیکن تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی مرضی اور کہنے پر بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ گی ظاہر فرمادی۔

(ماخوذ از روح المعانی)

## بھائیوں کے مظالم :

جب وہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر چلے تو جب تک یعقوب علیہ السلام سامنے تھے اس وقت تک تو وہ کندھے پر اٹھا کر چلے۔ یعقوب علیہ السلام اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے، جب تک وہ سامنے رہے۔ جب وہ جنگل میں پہنچ گئے اور اپنے باپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کو زمین پر پھینک دیا اور اپنی عداوت ظاہر کرنے لگے، کبھی بدکلامی کرتے اور کبھی مارتے۔ آپ ایک بھائی سے بھاگ کر دوسرے کے پاس آتے کہ شائد وہ میرے ساتھ ہمدردی کرے گا اور میری فریاد سنے گا، لیکن وہی آپ کو مارنا شروع کر دیتا، آپ نے ان کے ارادوں کو جب سمجھ لیا کہ یہ کیا چاہتے ہیں تو وہاں سے پکار کر کہا

اے میرے بھائی ! کاش آپ یوسف کو دیکھتے کہ بھائی اس پر کتنا ظلم کر رہے ہیں ؟ تو آپ کتنے غمزدہ ہوتے اور میرے بھائیوں کے مجھ پر مظالم کو اگر آپ دیکھتے تو یقیناً روتے۔



اے میرے لبا جان ! یہ کتنی جلدی آپ کے وعدہ کو بھول گئے ، کتنی جلدی آپ کی نصیحتوں کو بھول گئے۔

یہ کہتے ہوئے یوسف علیہ السلام شدید روئے اسی حال میں روبیل نے آپ کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر بیٹھ گیا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے بھائی ٹھہر جا مجھے قتل نہ کر ، قتل کرنا عظیم جرم ہے ۔

سبحان اللہ ! نبی کا مقام کتنا بلند ہے ؟ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو نصیحت کر کے قتل جیسے عظیم جرم سے بچا رہے ہیں۔ روبیل کہنے لگا تجھے تو بڑے خواب آتے تھے اب تو اپنے خوابوں کو بلا جو تجھے میرے ہاتھوں سے چھڑائیں۔ اس نے آپ کی گردن کو مروڑا ، آپ کو قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے بڑے بھائی ”یہودا“ کو کہا اے میرے بھائی ! خدا سے ڈر ، میرے اور مجھے قتل کرنے والے کے درمیان حائل ہو جا ! آپ کے کہنے پر اسے کچھ بھائی ہونے کا خیال آیا اور دل نرم ہوا اس نے کہا اے میرے بھائیو ! کیا تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ قتل نہیں کرو گے ؟ اب بھی آسان کام کرو ، قتل نہ کرو ! وہ غصہ میں پہلے کئے ہوئے وعدہ کو بھول چکے تھے ، پوچھنے لگے کیا کریں ؟

یہودا نے کہا یہ قریب ہی کنواں ہے اس میں پھینک دو ، یا تو خود ہی مر جائے گا یا کوئی قافلے والے گذرے تو اسے نکال کر ساتھ لے جائیں گے ، وہاں ایک کنواں تھا جو نیچے سے کھلا اور اوپر سے تنگ تھا اس میں جب انہوں نے آپ کو پھینکنا چاہا تو آپ کنوئیں کے کنارے سے لپٹ گئے ، انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ، قمیص کو اتار لیا کیونکہ وہ قمیص کو خون سے رنگ کر اپنے باپ کے سامنے عذر پیش کرنا چاہتے تھے ، یوسف علیہ السلام ان کو کہہ رہے تھے میرے بھائیو ! میری قمیص واپس کر دو تاکہ میں کنوئیں میں ننگا نہ رہوں ، لیکن بھائیوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا ۔ آپ کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو آپ نے انہیں کہا اے میرے بھائیو ! مجھے اکیلے چھوڑ جاؤ گے ؟ انہوں نے کہا : اب تم چاند سورج اور تاروں کو بلاؤ وہی تمہاری امداد کریں گے۔

آپ کو ایک ڈول میں ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا گیا جب نصف فاصلہ تک ڈول پہنچا تو اوپر سے چھوڑ دیا



گیا اس خیال سے کہ زور سے گرنے پر مر جائے گا ، لیکن آپ علیہ السلام پانی میں گرے اور ایک طرف پتھر تھا اس پر بیٹھ گئے ۔

(روح المعانی)

## یوسف علیہ السلام کا کنویں میں حال :

جب آپ کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ رورہے تھے انہوں نے آپ کو اوپر سے آواز دی آپ نے خیال کیا شاید بھائیوں کو میرے حال پر رحم آگیا آپ نے ان کو جواب دیا انہوں نے آپ کو زندہ سمجھ کر پتھر گرا کر قتل کرنا چاہا لیکن ”یہودا“ نے پھر منع کر دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس وہ قمیص تھی جو آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جنت سے لا کر پہنائی گئی تھی جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ روانہ کیا تو وہ قمیص آپ نے ان کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دی ، بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تو ان کی قمیص اتار لی تھی لیکن فرشتے نے آکر ان کے گلے سے وہ تعویذ اتار کر اس سے قمیص نکال کر ان کو پہنادی جس سے کنواں جگمگانے لگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا (حالانکہ پہلے نمکین تھا) اس میں غذائیت کی تاثیر آگئی ، یعنی کھانے اور پینے کا کام دینے لگا ۔ جبرائیل ان کے پاس کنوئیں میں آگئے تاکہ وہ ان سے انس پکڑ سکیں ، جب شام ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام جانے کے لئے اٹھے تو آپ نے کہا کہ اب مجھے اکیلا رہنے سے وحشت ہوگی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اگر تمہیں ایسی کوئی حاجت درپیش آئے تو تم یہ دعا پڑھنا :

”يَا صَرِيخَ الْمُسْتَصْرِخِينَ يَا غَوْثَ الْمُسْتَغِيثِينَ يَا مُفَرِّجَ كُرْبِ الْمَكْرُوبِينَ“

اس کے پڑھنے پر تم مجھے اپنی جگہ دیکھ لو گے میرے حال کو جان لو گے میرا معاملہ تم پر کچھ مخفی نہیں



رہے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ دعا پڑھی تو فرشتے آپ کے پاس آگئے ، آپ ان سے انس پکڑنے لگے ، اکیلا ہونے کا آپ کو کوئی احساس نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہنے لگے اے لڑکے آپ کو کنوئیں میں کس نے ڈالا ہے؟ آپ نے کہا میرے بھائیوں نے ، انہوں نے پوچھا بھائیوں نے کیوں ڈالا؟ آپ نے کہا میرے باپ مجھ سے محبت کرتے ہیں ، انہوں نے مجھ پر حسد کیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا : کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا : یہ التجا صرف یعقوب علیہ السلام کے خدا کی طرف ہے ، جبرائیل علیہ السلام نے کہا پھر تم خدا سے یہ دعا کرو :

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَكْنُونِ الْمَخْزُونِ يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ أَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَأَنْ تَجْعَلَ مِنْ أَمْرِي فَرْجًا  
وَمَخْرَجًا وَأَنْ تَرْزُقَنِي مِنْ حَيْثُ أَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا أَحْتَسِبُ“

آپ نے جب یہ دعا پڑھی تو اللہ نے آپ کے معاملات آسان کر دیئے ، کنوئیں سے نکال کر مصر کی بادشاہی عطا فرمادی جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا : یہ دعا کرتے رہا کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک برگزیدہ بندوں کی دعا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے روتے ہوئے واپس لوٹے :

﴿وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ  
عِنْدَ مَتَاعِنَا فَآكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ، وَجَاؤَا عَلَى  
قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ  
الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۱۶، ۱۸)

اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اے ہمارے باپ ہم دوڑتے ہوئے  
آگے نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح



ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں اور ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگائے، (یعقوب علیہ السلام نے کہا): بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے لئے بنالی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو۔

انہوں نے ایک ہرن کو ذبح کیا اس کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو رنگ کر باپ کے پاس لائے اور ظاہر یہ کیا کہ بھیڑیے کے کھانے کی وجہ سے یہ خون آلودہ ہو گئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو لے کر اپنے چہرہ پر ڈالا اور رونے لگے یہاں تک کہ قمیص کے خون سے آپ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا آپ کہہ رہے تھے کہ میں نے آج تک اتنا حکیم بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھالیا ہو لیکن قمیص کو نہ پھاڑا ہو! یہ کہتے کہتے آپ نے پھر رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ کے بیٹوں نے آپ پر پانی چھڑکا، لیکن آپ کو ہوش نہ آیا اور نہ ہی آپ کے جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی، وہ آپ کو پکار رہے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دے رہے تھے ”یہودا“ نے اپنا ہاتھ آپ کے ناک اور منہ پر رکھا لیکن اسے سانس کا چلنا محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی آپ کی کوئی نبض چل رہی تھی۔

”یہودا“ نے کہا: ہمیں قیامت کے دن جزا دینے والے مالک الملک سے عذاب ہی حاصل ہوگا ہم نے اپنے بھائی کو بھی ضائع کر دیا اور باپ کو بھی قتل کر دیا۔ غرضیکہ وہ تمام رات آپ علیہ السلام نے بیہوشی میں گزار دی سحری کے وقت ہوش آیا۔

(روح المعانی)

**فائدہ:** یوسف علیہ السلام کی قمیص میں تین نشانیاں پائی گئیں: پہلی یہ کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو دیکھ کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی نظر قمیص سے ہی واپس لوٹی، جب مصر سے یوسف علیہ السلام نے قمیص بھیجی۔ اسی طرح زلیخا کے الزام سے قمیص کو دیکھ کر ہی بری کیا گیا۔

(روح المعانی)



## اعتراض :

”انه عليه الصلوة والسلام كان عالما بانه حي سليم لانه قال له ﴿ وكذا لك يجتبيك ربك ويعلمك من تاويل الاحاديث ﴾ والظاهر انه انما قال هذا الكلام من الوحي واذا كان عالما بانه حي سليم فكان من الواجب ان يسعى في طلبه“

حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں کیونکہ آپ نے یوسف علیہ السلام کو بتایا تھا کہ تمہارا رب تمہیں برگزیدہ پیغمبر بنائے گا اور تمہیں باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔ اور ظاہر بات یہی ہے کہ آپ نے یہ کلام وحی سے فرمایا اور جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ زندہ صحیح سلامت ہیں تو آپ پر واجب تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تلاش کرتے۔

یعنی یہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ باقی لوگوں سے چن کر مقام نبوت عطا کرے گا ، آپ اعلان نبوت فرمائیں گے اس سے پہلے آپ پر موت نہیں آئے گی ؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ، تو اتنا معلوم ہونے کے باوجود آپ نے تلاش نہیں کیا ؟ بلکہ اتنا وقت روتے ہوئے گزار دیا اس کی کیا وجہ ہے ؟

## جواب :

”انه سبحانه وتعالى منعه عن الطلب تشديدا للمحنة عليه وتغليظا للامر عليه“  
بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلب کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ وہ اس پر شدید مشقت اٹھائیں اور یہ معاملہ ان پر سخت ہو۔

آپ کو صبر کا ثواب ملے۔ اور یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی۔

اور وجہ یہ بھی تھی کہ زیادہ تلاش کرنے میں خطرہ تھا کہ کہیں بھائی جا کر قتل نہ کر آئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا صرف فراق کی وجہ سے تھا بے خبری کی وجہ سے نہیں۔



اور وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر صابر و شاکر تھے ، لیکن بیٹوں کے فعل پر پریشان تھے کہ نبی کی اولاد ہو کر یہ کتنے حاسد نکلے اس پر آپ کو رونا ہی تھا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

تنبیہ :

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے جھوٹا رونا کے بعد کسی کے رونے سے اسے سچا نہیں سمجھا جاسکتا۔ ابن منذر نے شعبی سے روایت کی ہے کہ قاضی شریح کے پاس ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر آئی اور رو رہی تھی لوگوں نے قاضی شریح کو کہا : اے ابوامیہ کیا آپ اسے روتا ہوا نہیں دیکھ رہے ، آپ نے فرمایا یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی رات کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے تھے حالانکہ وہ ظالم اور جھوٹے تھے اس لئے کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بغیر تحقیق کے ناحق فیصلہ کر دے۔

(از تفسیر کبیر ، روح المعانی)

یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے باہر آنا :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک قافلہ مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوا وہ قافلہ والے راستہ بھٹک گئے وہ ادھر ادھر پھرنے لگے کہ راستہ مل جائے اسی دوران انہیں وہ کنواں نظر آیا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے ، حالانکہ وہ کنواں ایسے بیابان جنگل میں تھا جہاں چرواہوں کے بغیر کوئی شخص نہ آتا ، قافلہ والوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک شخص مالک بن زعر خزاعی کو بھیجا تا کہ وہاں سے پانی لے آئے اس نے جب کنوئیں میں داخل ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لپٹ گئے اس طرح آپ باہر تشریف لائے ، مالک بن زعر خزاع نے آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر خوشی سے کہا :

﴿يَا بُشْرَى هَذَا غُلَامٌ﴾ کتنی خوشی کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے۔

یعنی کتنا خوبصورت لڑکا ہمارے ہاتھ میں آگیا جو ہمارے لئے بہت بڑا سرمایا بنے گا۔



**حسن یوسف :** یوسف علیہ السلام کا چہرہ بہت حسین تھا، بال گھنگریالے، آنکھیں موٹی و خوبصورت، تمام اعضاء میں عجیب قسم کا اعتدال پایا جاتا تھا، رنگ سفید گندم گوں سرخی مائل، کلائیوں اور پنڈلیوں موٹی، پیٹ چھوٹا، ناف چھوٹی تھی اور جب آپ مسکراتے تھے تو آپ کے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ جب کلام فرماتے تو آپ کے سامنے والے دانتوں سے نور کی شعاعیں نظر آتیں اور کسی شخص میں اس وقت یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے۔ آپ کا حسن ایسے جلوہ گر تھا جیسے دن کی روشنی۔

اتنے حسین لڑکے کو دیکھ کر نکالنے والے کو تعجب کیوں نہ ہوتا کہ آپ کے حسن اور خیر و برکت سے محرومی پر تو کنوئیں کی دیواریں اور پتھر بھی روئے۔

(روح المعانی، کبیر)

**بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو کھوٹے سکوں سے پہچنا :**

اگرچہ آپ کو کنوئیں سے نکالنے والوں نے قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا کر رکھا تھا کہ مصر میں جا کر اسے فروخت کر کے بہت بڑا مال حاصل کریں گے لیکن آپ کے بھائی تین دنوں کے بعد آپ کے حال کا پتہ چلانے کے لئے آئے کہ یوسف زندہ ہے یا مر چکا ہے؟ کنوئیں پر آئے تو دیکھا کہ یوسف کنوئیں میں تو نہیں ادھر ادھر دیکھا تو ایک قافلہ نظر آیا ان سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ انہوں نے ایک لڑکے کو نکالا ہے، آپ کے بھائیوں نے کہا: یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ کر آگیا ہے، اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں سستا بیچ دیتے ہیں اور تم اسے کسی دور علاقہ میں لے جاؤ تاکہ اسے بھاگنے کا مزہ آئے۔

یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کے ڈر سے خاموش تھے آپ نے بھی نہ بتایا کہ میں ان کا بھائی ہوں غلام نہیں، آخر کار آپ کو بیس یا بائیس کھوٹے درہموں سے بچ دیا گیا اللہ نے فرمایا:

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ﴾

اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا۔



## یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو الوداعی سلام :

جب آپ کے بھائیوں نے آپ کو کھوٹے درہموں سے بچ دیا تو تاجر کو کہا کہ یہ چور ہے اور بھاگ بھی جاتا ہے تو اس تاجر نے آپ کو قید کر لیا اور آپ کی نگہبانی کے لئے ایک حبشی غلام کو آپ پر مقرر کر دیا جب وہاں سے کوچ کرنے لگے تو آپ رونے لگے ، تاجر نے آپ علیہ السلام سے پوچھا آپ کیوں رورہے ہیں ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جن لوگوں نے مجھے بیچا ہے میں ان کو الوداعی سلام کرنا چاہتا ہوں یعنی ایسا سلام کرنا چاہتا ہوں جو کبھی نہ لوٹنے والا کرتا ہے۔

تاجر نے اپنے غلام کو کہا اس کو اپنے مالکوں کے پاس لے جاؤ تاکہ یہ انہیں الوداعی سلام کر آئے پھر قافلہ سے مل جانا میں نے آج تک اتنا فرمانبردار غلام نہیں دیکھا جو اپنے مالکوں سے اتنی محبت رکھتا ہو اور اتنے ظالم کوئی مالک نہیں دیکھے جتنے ظالم اس کے مالک ہیں۔

وہ غلام آپ کو آپ کے بھائیوں کے پاس لے آیا اور سب سوئے ہوئے تھے ایک ان میں سے بھیڑ بھریوں کی حفاظت کر رہا تھا جو جاگ رہا تھا۔ یوسف علیہ السلام اپنے محافظ غلام کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں لگے لڑکھڑاتے اس کے پاس پہنچے ، رونے لگے اس نے پوچھا تم کیوں آئے ہو ؟ آپ علیہ السلام نے کہا میں تمہیں الوداعی سلام کرنے آیا ہوں جسے تم کبھی نہ دیکھ سکو گے ، ہائے افسوس ہائے بربادی ! یہ کیسا الوداع ہے ( ممکن ہے یہ یہود اہو ، وہ کچھ آپ علیہ السلام سے نرم گوشہ رکھتا تھا ) سب جاگ پڑے یوسف علیہ السلام ایک ایک بھائی پر محبت سے سر جھکا کر بوسے لیتے ہوئے گلے مل رہے تھے۔

سبحان اللہ ان کے ظلم کو دیکھئے اور یوسف علیہ السلام کی محبت کو دیکھئے ! آپ چلتے ہوئے کہہ رہے تھے :

اللہ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا ، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گھروں میں قائم و دائم رکھے اگرچہ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔



آپ کے الوداعی سلام، رقت آمیز کلمات، دکھ بھری فریاد کا اثر بھیر بھریوں پر اتنا شدید ہوا کہ ان کے اس ہولناک منظر سے حمل گر گئے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۶)

یوسف علیہ السلام کا والدہ کی قبر پر رونا :

بھائیوں کو آپ نے الوداع کر دیا تو آپ کو غلام نے پکڑ کر اپنے ساتھ چلا لیا تاکہ قافلہ سے مل جائیں آپ کو بیڑیاں لگا کر ایک سواری پر سوار کر کے ساتھ لے جایا جارہا تھا، کنعان کے قبرستان سے جب آپ کو گذر ہوا تو اپنی والدہ راحیل کی قبر کو دیکھ کر آپ اپنے جذبات پر قابو نہ رہ سکے، سواری سے اتر کر قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے عرض کرنے لگے :

اے میری اماں! قبر سے سر اٹھا کر ذرا اپنے بیٹے کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تو دیکھو! اے میری ماں بھائیوں نے مجھے کنوئیں میں پھینک دیا، باپ سے مجھے جدا کر دیا، کھوٹے سبکوں سے مجھے پیچ ڈالا، میری چھوٹی عمر پر بھی ان کا دل نہ پسجا، انہیں مجھ پر کچھ رحم نہ آیا، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے والد کو مقام رحمت میں جمع کرے، وہی ارحم الراحمین ہے۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۶)

غلام کے یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی :

غلام نے پیچھے دیکھا تو یوسف کو نہ پایا واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ایک قبر کے پاس رو رہے ہیں اس نے کہا تمہیں پیچنے والوں نے سچ کہا تھا کہ تم ایک بھگوڑے ہو، یہ کہتے ہوئے اس نے آپ کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا، جس سے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے کہا مجھے کچھ نہ کہئے یہ تو میری ماں کی قبر ہے، میں اپنی ماں کو الوداعی سلام کرنے کے لئے سواری سے اتر گیا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا، جو تمہیں ناپسند ہو۔ آپ کا چہرا خون آلودہ تھا اور گرنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی۔ کانپتے ہوئے رب کے حضور عرض کرنے لگے :



اے اللہ اگر میری کوئی خطا ہے تو مجھے میرے آباء ابراہیم واسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی حرمت کے وسیلہ سے معاف کر دے۔

آپ کی اس حالت کو دیکھ کر آسمانوں کے فرشتے بھی چلا اٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے لئے فریاد کرنے لگے رب نے فرمایا: اے میرے فرشتو! یہ میرا نبی ہے اور میرے انبیاء کا بیٹا ہے جو مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور مجھ سے ہی امداد کا طالب ہے میں ہی اس کا فریاد رس ہوں سب فریاد کرنے والوں کی فریاد کو میں ہی پہنچتا ہوں۔

رب تعالیٰ نے کہا: اے جبرائیل جاؤ میرے بندے کی امداد کرو! جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا اے اللہ تعالیٰ کے دوست تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں یہ کہتا ہے، رونے سے رک جاؤ! تم نے سات آسمانوں کے فرشتوں کو رلا دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو زمین و آسمان ایک ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم (بردباری) عطاء کی ہے اوہ جلد بازی نہیں کرتا تو میں بھی جلدی سے کام نہیں لیتا جبرائیل نے اپنا پر مارا زمین سے سرخ رنگ کی ہوا چلنے لگی، سورج کی روشنی ختم ہو گئی، سرخ آندھی سے تاریکی چھا گئی قافلے والے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تاجر نے کہا: اے قافلے والو! اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاؤ! مجھے کئی سال ہو چکے ہیں اس راستہ سے گذرتے ہوئے میں نے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا، سب اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ آج کی مصیبت یقیناً ہمارے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے محافظ حبشی غلام نے بتایا کہ میں نے یوسف (علیہ السلام) کو مارا تھا جب مارا تو اس نے اپنا سر آسمانوں کی طرف اٹھایا تھا اور اپنے ہونٹوں کو بھی حرکت دی تھی۔

تاجر نے کہا: افسوس تمہاری بربادی! تم نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا، تاجر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے ہم نے تمہیں مار کر تم پر ظلم کیا ہے، اے لڑکے اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ہم ظالموں سے بدلہ نہیں لیا کرتے، میں تو اس گھرانہ سے تعلق رکھتا ہوں جو ظلم کرنے



والوں کو معاف کر دیتے ہیں ، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں ، میں تمہیں معاف کر رہا ہوں ، اللہ بھی تمہیں معاف کرے ۔

آپ کے معاف کرنے کے ساتھ ہی تاریکی ختم ہو گئی ، آندھی رک گئی ، سورج روشن ہو گیا مشرق و مغرب تک روشنی پھیل گئی ، اس طرح قافلہ مصر میں امن سے آگیا ۔

سبحان اللہ ! نبی کی کیا شان ہے ؟ نبی پر ظلم کرنے والے کیسے گرفت میں آئے ؟ اور نبی کتنا صابر ؟ کہ ظالموں کے لئے دعاء کر رہا ہے ۔

(ماخوذ از روح المعانی ج ۷ ص ۲۰۶)

### یوسف علیہ السلام کا بازار مصر میں سودا :

یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا گیا تو آپ کو بازار میں بحیثیت غلام بیچا جانے لگا تو آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے قیمت بڑھتی چلی گئی ، یہاں تک کہ آپ کی قیمت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ کے وزن کے برابر کستوری ، چاندی اور ریشم دیا جائے ۔ اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کی عام لوگوں میں طاقت نہ تھی ۔ اسلئے آپ کو مصر کے وزیر خزانہ نے اتنی قیمت ادا کر کے خرید لیا ۔ اس کا نام قطفیر یا اطفیر تھا اور لقب ”عزیز مصر“ تھا اس وقت مصر کا بادشاہ الریان بن الولید تھا جو عمالہ قبیلہ کا تھا ۔ وہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر خزانہ بنایا تھا ۔ اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ بنا تھا جس کو آپ نے دعوت ایمان دی لیکن اس نے انکار کر دیا تھا ۔

خیال رہے کہ مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا ، یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ کو بھی فرعون کہا جاتا لیکن مشہور فرعون جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا یہ بہت بعد کا ہے ۔

عزیز مصر نے جب آپ کو خریدا تھا اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی ، تیرہ سال آپ اس کے گھر رہے ۔ ریان بن ولید نے جب آپ کو وزیر بنایا آپ کی عمر تیس سال تھی ، آپ کو تینتیس سال کی عمر میں اللہ نے ملک و حکمت سے نوازا اور آپ ایک سو پچیس برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے ۔

(ماخوذ از کبیر)



## یوسف علیہ السلام ناز و نعمت میں :

﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۲۱)

اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے اپنی بیوی کو، عزت و اکرام سے اسے ٹھہراؤ، شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند۔ اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف (علیہ السلام) کو (مصر کی) سر زمین میں۔ اور تاکہ ہم سکھادیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اللہ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

عزیز مصر نے آپ کی لوح جبین پر سعادت و نجات کے نقوش دیکھ لئے تھے بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اسکی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن ہمارے لئے یہ مفید ثابت ہو، یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اس عورت کا نام راعیل تھا یا زلیخا۔ یہی دوسرا نام زیادہ مشہور ہے۔

ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف علیہ السلام کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا، جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا، جسے بچنے والے بھی ایک بھگوڑا غلام تصور کرتے تھے، پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لئے اتنی عزت و آسائش کے سامان میاں فرما دینا، مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لئے پدرانہ شفقت بلکہ فدیہانہ جذبہ پیدا کر دینا، اللہ کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

(ضیاء القرآن)



## تین شخصیات کی فراست :

تین محترم شخصیات نے عظیم فراست سے کام لیا :

☆ " عزیز مصر " جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی زوجہ کو کہا کہ اسے عزت و اکرام سے ٹھہراؤ ۔

☆ دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی جس نے اپنی فراست سے موسیٰ علیہ السلام کو طاقتور امین سمجھتے ہوئے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

☆ تیسرے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی فراست سے اپنا خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔

(روح المعانی)

## یوسف علیہ السلام ایک مرتبہ پھر امتحان میں :

﴿ وَرَأَوْدَتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْآبَوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ، وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۲۳، ۲۴)

بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب براری کرے اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دئے اور (بصدناز) کہنے لگی : بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) علیہ السلام نے فرمایا : خدا کی پناہ (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے، اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اس نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل، یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ



ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو جن لئے گئے ہیں۔

زیلخانے اگرچہ چاہا کہ آپ کو گناہوں میں مبتلا کر دے لیکن اللہ کے نبی قبل از نبوت و بعد از نبوت چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واضح اور روشن دلیل دکھا کر پاک و صاف رکھا۔

آپ علیہ السلام نے دلیل کیا دیکھی تھی؟ ایک تو یہ دیکھا کہ وہ عورت دروازے بند کر کے اپنے ایک بت کو ڈھانپ رہی ہے، وہ جو اس نے اپنا معبود بنارکھا تھا اور موتی اور یاقوت سے اسے سجا رکھا تھا۔

آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم اسے کیوں ڈھانپ رہی ہو؟ اس نے کہا مجھے اپنے معبود سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے برائی میں مبتلا دیکھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا معبود تو کچھ طاقت بھی نہیں رکھتا، تجھے اس سے شرم آرہی ہے، کیا مجھے اس معبود حقیقی سے شرم نہیں آتی جو ہر انسان کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے؟ مجھ سے تو اپنی امید وابستہ نہ کر، تو کبھی بھی مجھ سے اپنی حاجت میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سب سے بڑی روشن دلیل یہ تھی

”عن ابن عباس انه عليه السلام مثل له يعقوب عليه السلام ف ضرب يده على صدره“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کو

حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی جنہوں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا۔

”وعن قتاده انه قال ذكر لنا انه مثل له يعقوب عاضا على اصبعيه وهو يقول

يا يوسف ! انه يعمل السفهاء وانت مكتوب من الانبياء“

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت

یوسف کو حضرت یعقوب دکھائی دیئے کہ آپ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ رہے ہیں

اور فرما رہے ہیں اے یوسف ! خیال رکھنا ایسا کام توبہ و قوف کرتے ہیں تمہارا نام تو انبیاء

کرام میں لکھا جا چکا ہے۔

(روح المعانی)

سبحان اللہ ! کیسی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو عطا فرمائی کس طرح وہ اپنے

اقرباء اور متوصلین یعنی اپنی امت کے افراد کی امداد کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی برات اور یعقوب



علیہ السلام کی امداد کے علم کے بعد بھی اگر کوئی شخص ضد و عناد کی وجہ سے انبیائے کرام کی امداد کا انکار کرتا پھرے تو اس کی اپنی بد قسمتی۔

خدارا اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے!

اس مقام پر بعض تراجم کو دیکھ کر انسان گمراہ نہ ہو اور شان نبی میں گستاخی کا مرتکب نہ ہو کسی نے لکھا: ”آپ نے قصد کیا“ کسی نے لکھا: ”ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا“ کسی نے لکھا: ”اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا۔“

ایسے تراجم سے سوائے گمراہی کے کچھ حصول نہیں، ایسے تراجم دیکھیں جن سے ایمان حاصل ہو میں نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ ”ضیاء القرآن“ سے پیر کرم شاہ صاحب کا ترجمہ ہے۔

اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے:

”بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا“

یہی تراجم صحیح ہیں، میں نے اس کی تفصیل اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں بیان کی ہے جس میں تفاسیر کی عربی عبارات بھی مندرج ہیں، یہاں تفسیر کبیر سے مختصر خلاصہ اردو میں تحریر کیا جا رہا ہے۔

علامہ رازی فرماتے ہیں ایسی معصیت (یعنی زنا کا ارادہ کرنا) کو اگر اللہ کی مخلوق میں کسی بہت بڑے فاسق کی طرف منسوب کیا جائے اور اسی طرح ایسے شخص کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کے نیک کے کام سے دور رہے تو وہ بھی شرم محسوس کرے تو ایک جلیل القدر رسول جن کو عظیم الشان معجزات عطا کئے گئے ہوں ان کی طرف اس قسم کے گناہ کو کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد اور تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جن کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ یہ حضرات ہیں، یوسف علیہ السلام، عزیز مصر کی زوجہ، خود عزیز مصر، مصر کی عورتیں، گواہی دینے والا اور اللہ رب العالمین جل مجدہ۔ ان تمام نے آپ کے متعلق شہادت دی ہے کہ آپ گناہوں سے بری ہیں



یہاں تک کہ شیطان نے بھی آپ کی برأت کی شہادت دی ہے۔ جب آپ کی برأت پر اتنی گواہیاں موجود ہیں تو مسلمان کو اس میں توقف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں؟ یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی گناہوں سے بری ہونے کا ذکر فرمایا:

﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَّتْنِي عَنْ نَفْسِي ﴾

اس (عورت) نے خواہش کی کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں؟ اسی طرح آپ نے کہا:

﴿ رَبِّ السَّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ﴾

اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام (برائی) سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں۔

یوسف علیہ السلام کے یہ ارشادات آپ کی پاک دامنی کو واضح کر رہے ہیں۔

عورت کی گواہی:

تمت لگانے والی عورت (زلیخا) نے خود بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بری ہونے کا اعتراف کیا، مصر کی عورتوں کے سامنے اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا:

﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ﴾

میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن اس نے اپنے آپ کو بچا لیا۔

اسی طرح اس نے اور یہ کہا:

﴿ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴾

اب بات کھل گئی کہ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن بے شک وہ سچے ہیں۔

عورت کی اس گواہی کے بعد واضح ہوا کہ اس نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ

قرار دیا۔

اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر نے کہا:

﴿ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ﴾



یہ تم عورتوں کا مکر ہے بیشک عورتوں کا مکر بہت بڑا ہوتا ہے ، اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ ۔

یہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر اس عورت کے خاوند کی گواہی ہے۔

گواہ کی گواہی :

حضرت یوسف علیہ السلام کے باطل عمل اور حرام کام کے ارادہ سے بری ہونے پر گواہ کی گواہی ثابت ہے ؛ کیونکہ شیر خوار بچے کی یہ شہادت ہے :

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۲۶ ، ۲۷)

اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے اور وہ غلطی پر ہیں اور اگر آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو آپ سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے۔

آپ کی قمیص تو پیچھے سے پھٹی تھی لہذا آپ کی برأت پر گواہی ثابت ہو گئی گواہ بھی وہ جو اس عورت کے خاندان سے ہے۔ اور ابھی شیر خوار بھی ہے اسی وجہ سے اس عورت کے خاوند نے عورت کو مکار کہا۔

اللہ کی گواہی :

یوسف علیہ السلام کے بری ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ نے دی ارشاد فرمایا :

﴿كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾

ہم اس طرح پھیرتے ہیں ان سے برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہے۔



اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے پاک ہونے کی جو شہادت اس آیت میں دی ہے وہ چار مرتبہ ہے۔

**پہلی وجہ:** ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لنصرف عنه السوء یہاں لام تاکید اور

مبالغہ کے لئے آیا ہوا ہے آپ سے برائی کا دور ہنا یقینی ہو گیا۔

**دوسری وجہ:** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”والفحشاء“ ذکر کیا ہے یعنی کذلک لنصرف

عنه السوء والفحشاء جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے بے حیائی کو دور رکھنا اپنے ذمہ

کرم پر لگالیا ہے تو اب برائی کا ارتکاب یا اس کا خیال ناممکن ہو گیا۔

**تیسری وجہ:** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انه من عبادنا کہ وہ میرے مخلص بندوں سے ہے

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف اس طرح فرمائی:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ

قَالُوا سَلَامًا﴾

(ب ۱۹ سورة الفرقان ۶۳)

اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں جب ان سے کوئی جاہل بات کرتے ہیں تو

وہ کہتے ہیں پس سلام اس سے پتہ چلا جس کو رب نے اپنا مخلص بندہ کہا ہے وہ برائیوں کا

ارتکاب نہیں کر سکتا۔

**چوتھی وجہ:** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا المخلصین اس میں دو قراتیں ہیں اسم فاعل ہے یا اسم

مفعول اگر اسم فاعل ہو تو معنی یہ ہو گا کہ آپ طاعات و قربات پر خلوص سے عمل کرنے والے ہیں اور اگر اسم

مفعول ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے خالص بنایا اور اپنے حضور پسندیدہ کیا

دونوں وجہ سے آپ کا گناہوں یا گناہ کے ارادے سے پاک ہونا واضح ہے۔

**ابلیس کا اقرار:**

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کا اقرار ابلیس نے بھی کیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے جب اس

نے مہلت مانگی اس کو قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی اس نے کہا



﴿فَبِعِزَّتِكَ لَا تُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ﴾

اے اللہ ! مجھے تیری عزت کی قسم ، میں سوائے تیرے مخلص بندوں کے تمام کو گمراہ کرتا رہوں گا۔

اس کا یہ اقرار اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں کو راہ راست سے بھٹکانا شیطان کے لئے ممکن نہیں اور یوسف علیہ السلام کا مخلصین سے ہونا بھی یقینی طور پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلص بندوں سے ہونے کی شہادت دی ہے ۔ رب کی شہادت پر یقین نہ آئے تو اور کس پر آئے گا؟

علامہ رازی کی فیصلہ کن بات :

”وَعِنْدَ هَذَا نَقُولُ هَؤُلَاءِ الْجَهَالُ الَّذِينَ نَسَبُوا إِلَى يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذِهِ الْفَضِيحَةُ إِنْ كَانُوا مِنْ اتِّبَاعِ دِينِ اللَّهِ فَلْيَقْبَلُوا شَهَادَةَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى طَهَارَتِهِ وَإِنْ كَانُوا مِنْ اتِّبَاعِ ابْلِيسَ وَجَنَدِهِ فَلْيَقْبَلُوا شَهَادَةَ ابْلِيسَ عَلَى طَهَارَتِهِ“

جو جملاء یوسف علیہ السلام کو برائی (یا ارادہ برائی) کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ اللہ کے دین کے متبع ہیں تو وہ اللہ کی شہادت قبول کر لیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے اور اگر وہ شیطان یا اس کے لشکر کے تابعدار ہیں تو وہ شیطان کی شہادت قبول کر لیں جو اس نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے۔





## یوسف علیہ السلام پر عورت کا الزام :

﴿وَأَسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصُهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۲۵)

اور دونوں دروازے کے طرف دوڑے اور عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں کو عورت کا خاوند دروازے کے پاس ملا، بولی : کیا اس کی سزا جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی؟ مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار۔

جب عورت نے آپ کو اندر بند کر لیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگنا شروع کیا تا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں عورت نے پیچھے بھاگنا شروع کیا تا کہ آپ کو پکڑ لے آپ کو پکڑنے میں تو کامیاب نہ ہو سکی البتہ آپ کی قمیص پیچھے سے اس نے پکڑ لی چونکہ آپ دوڑ رہے تھے دوڑتے ہوئے قمیص پکڑنے کی وجہ سے پیچھے سے پھٹ گئی۔

اسی دوران اس عورت کا خاوند دروازے پر پہنچ گیا وہ تہمت کے ڈر سے جلدی سے اپنے عیب کو یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے لگی کہ یہ تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ رکھتا تھا اس لئے قید خانہ میں بھیج دو یا سخت سزا دو۔

عورت کو یوسف علیہ السلام سے چونکہ شدید محبت تھی اگرچہ اس نے خود بخونے کی لئے عیب یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا لیکن پھر بھی آپ کی رعایت رکھی قید خانہ پہلے ذکر کیا سخت سزا کا ذکر بعد میں، اسلئے کہ محبت اپنے محبوب کو درد پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اسلئے یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ ان دونوں میں سے جس پر چاہو عمل کرو بلکہ اس نے مکمل طور پر آپ کو بچانے کی فکر کی، کہ قید خانہ بھیج دو، ہاں اگر کوئی چارہ کار نہ ہو سوائے سزا دینے کے تو سزا دو۔

پھر کوئی ایسے الفاظ نہیں ذکر کئے جن سے پتہ چلے کہ اس نے کہا ہو کہ ان کو عمر بھر قید رکھو یا بہت لمبا عرصہ قید میں رکھو، بلکہ صرف یہ کہا کہ قید خانہ میں بھیج دو۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ ایک دو دنوں کے بعد نکال لینا۔

(تفسیر کبیر)



عورت نے ظاہر طور پر برائی کو آپ کی طرف منسوب نہیں کیا :

عورت نے یہ تو کہا ہے کہ جو شخص تمہاری زوجہ سے برائی کا ارادہ کرے یہ نہیں کہا اس نے میری طرف برائی کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی نہیں کہا اس نے میرے ساتھ دست درازی کی یا برائی کا مرتکب ہوا ہے اسلئے کہ اس نے جان لیا تھا کہ جو شخص جوانی کی عمر میں طاقت و شہوت کا غلبہ رکھنے کے باوجود پاکدامن ہے اسے کیسے برا بھلا کہا جائے اس عورت کے دل میں آپ کی پاکدامنی راسخ ہو چکی تھی وہ آپ کو ظاہری طور پر برائی کا مرتکب قرار دینے میں حیا محسوس کر رہی تھی۔

علامہ رازی فرماتے ہیں اس عورت کو تو حیا محسوس ہوئی کہ آپ کو برائی کا مرتکب کیسے قرار دیا جائے لیکن ہزاروں سال بعد میں آنے والوں کو حیا نہیں آتی جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے برائی کا ارادہ کیا یا آپ کے دل میں تھوڑا تھوڑا قصد ہو چلا تھا یوسف علیہ السلام نے ابتدائی طور پر خاموشی اختیار کی لیکن جب یہ دیکھا کہ برائی کو میری طرف منسوب کیا جا رہا ہے تو پھر آپ نے فرمایا :

﴿هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي﴾ اس نے مجھے خود اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔

(تفسیر کبیر)

یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر دلالت کرنے والی علامات :

(۱) آپ ظاہر طور پر انکے غلام تھے غلام کبھی اس قسم کی جرات نہیں کر سکتا کہ اپنے مالک کی زوجہ سے زبردستی برائی کا مرتکب ہو۔

(۲) عزیز مصر اور اس کے گھر کے دوسرے لوگوں نے جب یہ دیکھا لیا تھا کہ یوسف علیہ السلام دروازے سے نکلنے کے لئے شدید طور پر دوڑ رہے ہیں تو انہوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ برائی کو چاہنے والا خود دوڑ کر کبھی نہیں نکلا کرتا۔

(۳) ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس عورت نے اپنے آپ کو خوب آراستہ کیا ہوا ہے لیکن یوسف علیہ السلام عام لباس میں ہیں انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کون کسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔



(۴) وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے حالات کا ایک طویل مدت سے مشاہدہ کر رہے تھے آپ کی عادات آپ کے اطوار ان سے پوشیدہ نہیں تھے وہ خود ہی سمجھ رہے تھے کہ یوسف (علیہ السلام) کبھی برائی کا ارادہ نہیں کر سکتا۔

(۵) عورت نے آپ کی طرف ظاہر طور پر برائی کو منسوب نہیں کیا بلکہ کہا اگر کوئی ایسا کرے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے واضح طور پر اس کی طرف منسوب کیا اس سے واضح ہوا کہ آپ سچے تھے کیونکہ جھوٹا شخص کسی دوسرے کی طرف اس قسم کی تہمت منسوب کرنے میں خائف رہتا ہے

(۶) عزیز مصر نامرد تھا عورت کی جنسی خواہشات اس سے پوری ہونا تو درکنار حاصل ہی نہیں ہو رہی تھی ان حالت کے پیش نظر بھی واضح ہو رہا تھا کہ میلان اسی کی جانب سے تھا۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۸ ص ۱۲۳)

یوسف علیہ السلام کے بری ہونے پر گواہی :

﴿قَالَ هِيَ رَأَوْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ قَبْلِ فَصَدَّقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ، وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ، فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كَيْدِ كُنَّ إِنْ كَيْدُ كُنَّ عَظِيمٌ ، يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۲۵، ۲۹)

آپ نے کہا اس نے مجھے اپنی طرف میلان کرنا چاہا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر ان کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور انہوں نے غلط کیا اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے ہیں پھر جب عزیز نے آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کا مکر ہے بیشک تمہارا مکر بڑا ہے اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو (غم نہ کرو) ، اور اے عورت تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ بے شک تو خطاواروں میں سے ہے۔

گواہی دینے والا اس عورت کا رشتہ دار لڑکا تھا جو ابھی شیر خوار بچہ تھا اس کی عمر تین ماہ تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی طاقت دی اس سے گواہی دلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو الزام سے بری قرار دیا اگرچہ



اتنی عمر میں چہ کا بولنا ہی آپ کی پاکدامنی کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا لیکن اللہ نے اس سے ایسا حکیمانہ جواب دلایا جو بہت بڑی قوی دلیل بھی بن گیا۔

آگے سے قمیص کے پھٹنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ نے اس کا ارادہ کیا اس نے مزاحمت کی گریبان پکڑ کر پیچھے کیا تو قمیص آگے سے پھٹ گئی اگر ایسی صورت ہوتی تو عورت کا سچا ہونا ثابت ہوتا لیکن پیچھے سے قمیص پھٹنے سے واضح ہو رہا تھا کہ آپ کو زبردستی کمرہ میں بند کیا گیا آپ جان چھڑانے کے لئے بھاگے آپ کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی گئی تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی اسی جواب اور دلیل پر ہی عزیز مصر نے آپ کو کہا آپ سچے ہیں کچھ غم دل میں نہ لائیں اور اپنی زوجہ کو کہایہ تمہارا کمرہ ہے تم اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

(ماخوذ از روح المعانی)

## عزیز مصر کی عورت پر مصر کی عورتوں کی طعنہ زنی :

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا  
إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۳۰)

اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان کو اپنی طرف مائل کرتی ہے بے شک اس کی محبت اس کے دل میں سرایت کر گئی ہم تو اسے واضح طور پر محبت میں گم اور غلطی پر پاتی ہیں۔

یہ واقعہ پورے شہر میں مشہور ہو گیا تھا، کئی عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی کتنی غلطی پر ہے جو اپنے گھر رکھے ہوئے نوجوان سے اتنی شدید محبت کرتی ہے کہ اسے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ کا مطلب ہے کہ اس کے دل پر محبت نے اس طرح گھیرا ڈال لیا ہے جس طرح کسی چیز کا غلاف اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور وہ محبت اس کے دل اور باقی چیزوں میں حجاب اختیار کر چکی ہے کہ سوائے اس نوجوان کے اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں۔ ہم تو اسے اس نوجوان سے شدید محبت کرنے میں راہ راست سے بھٹکا ہوا پاتی ہیں۔



## عزیز کی زوجہ کا عذر عجیب انداز میں :

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَكَنًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَكِينًا وَقَالَتْ أُخْرَجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ، قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونَا مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۳۱، ۳۲)

تو جب اس (زلیخا) نے اس کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف (علیہ السلام) سے کہا ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور یو لیس اللہ کی پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ ہے اس نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر مجھے طعنہ دیتی تھیں اور بے شک میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا اور بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں گے اور وہ ضرور ذلت اٹھائیں گے۔

جب عزیز کی زوجہ نے مصر کی عورتوں کے مکر کو سنا ان کے کلام کو مکر سے تعبیر کرنے کی تین وجہ ہیں۔ عورتوں نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ بھی دل میں خواہش رکھنے لگیں کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھیں اور وہ یہ بھی سمجھتی تھیں کہ جب وہ زلیخا کا تذکرہ کریں گے تو یقیناً وہ یوسف علیہ السلام کو ہم پر پیش کر کے اپنا عذر پیش کرے گے تو انہوں نے اس لئے اس کی خلاف کام کر کے یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کا ایک حیلہ کیا جسے مکر سے تعبیر کیا گیا۔

**دوسری وجہ** یہ ہے کہ عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں سے اپنی محبت کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ساتھ انہیں اس بھید کے چھپانے کے لئے کہا تھا لیکن جب عورتوں نے ظاہر کر دیا تو ان کی دھوکہ بازی کو مکر کہہ دیا **تیسری وجہ** یہ ہے کہ انہوں نے اس کی غیبت کی ، غیبت بھی حقیقت میں مکر کے مشابہ ہے۔

(تفسیر کبیر)



یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے :

عزیز کی زوجہ نے ان عورتوں کی دعوت کی جو اس کے متعلق کلام کرتی تھیں وہ بڑے بڑے سرداروں و ڈیروں کی بیویاں تھیں جن کی تعداد چالیس تھی ، ان میں پانچ عورتیں یہ بھی تھیں جو بہت باتیں کرتی تھیں۔

(۱) عزیز کو پانی پلانے والے کی زوجہ ،

(۲) روٹیاں پکانے والی عورت ، جس نے اتنے عرصہ میں یوسف علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا۔

(۳) وزیر جیل کی زوجہ ،

(۴) عزیز کے جانوروں کے محافظ کی زوجہ

(۵) اور دربان کی زوجہ۔

دعوت کی مجلس میں ہر ایک کے لئے نشست مقرر تھی ، تکتے لگا دیئے گئے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چن دیئے گئے پھل بھی رکھ دیئے گئے پھلوں یا گوشت یا خصوصاً لیموں کاٹنے کے لئے چھریاں بھی رکھ دی گئیں ہر نشست کے سامنے ایک ایک چھری رکھی گئی تھی۔

جب عورتیں آگئیں اپنی اپنی نشست پر براجمان ہو گئیں تو عزیز کی زوجہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے کمرہ سے باہر نکلواور ان عورتوں کی محفل کے سامنے سے گذر جاؤ تاکہ یہ آپ کی ایک جھلک دیکھ لیں۔

یوسف علیہ السلام پہلے ہی اس عورت کی ایک سازش کا شکار ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بری کر دیا تھا اب یہی خوف دل میں آرہا تھا کہ اس کا حکم نہ ماننے پر کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔ آپ کو مجبوراً نکل کر عورتوں کے سامنے سے گذرنا پڑا۔

تفسیر کبیر ، خزائن العرفان

جب یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سے گذرے .....

”انہا لما دہشت فکانت تظن انہا تقطع الفاکہة و کانت تقطع ید نفسہا“



تو وہ آپ کو دیکھ کر اتنی دہشت میں آئیں کہ پھل لے کر ان کو چھریوں سے کاٹنے لگی تھیں لیکن انہیں یہاں تک معلوم نہ ہو سکا کہ ہم پھل کاٹ رہی ہیں یا اپنے ہاتھوں پر ہی چھریاں چلا رہی ہیں انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر زخمی کر لئے۔

یا انہوں نے اپنے ہاتھ اس وجہ سے کاٹ لئے کہ آپ کو دیکھ کر اس طرح مدہوش ہوئیں کہ انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ چھریاں سیدھی پکڑ رہی ہیں یا الٹی، سیدھی جانب اپنے ہاتھوں کی طرف کر دی اور الٹی جانب پھلوں کی طرف کر کے پھلوں کو کاٹنے کی غرض سے چھریوں کو جیسے چلایا تو ہاتھ کٹ گئے۔

یہ بھی ممکن ہے کچھ عورتوں نے چھریاں الٹی چلا کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے ہوں اور کچھ نے پھل کاٹ کر ہاتھوں تک چھریاں چلا دی ہوں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

ہاتھ کاٹنے کی وجہ جمال یوسف پر فریفتہ ہونا :

اس میں اکثر اہل علم کا اتفاق ہے :

”انما اکبرہ بحسب الجمال الفائق والحسن الكامل“

کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عمدہ جمال اور کامل حسن کی وجہ سے عظیم سمجھا تھا یہی وجہ تھی ان کے ہاتھ کاٹنے کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال میں باقی لوگوں پر اس طرح فضیلت حاصل تھی جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جب معراج کی رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میرا گزر یوسف علیہ السلام کے قریب سے ہوا تو میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبرائیل علیہ السلام نے بتایا یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔

”فقیل یا رسول اللہ کیف رایته قال کالقمر لیلۃ البدر“

آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے انہیں کیسے پایا تو آپ نے فرمایا ایسے ہی جیسے چودھویں کا چاند۔



یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں چلتے تو آپ کے چہرہ کی نورانیت کی وجہ سے دیواریں اس طرح روشن ہو جاتیں جس طرح سورج کی شعاعوں سے روشنی پھیل جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام کو جس دن قبضہ قدرت سے تخلیق کیا گیا اس دن آپ کو جو جمال عطا کیا گیا تھا اسی کے مشابہ یوسف علیہ السلام کو بھی حسن و جمال عطا کیا گیا۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان عورتوں نے آپ کے نور نبوت و رسالت اور خضوع و خشوع کے آثار کو دیکھا اور نبوت کے رعب و جلال کا مشاہدہ کیا اور جب یہ دیکھا کہ یہ شخص تو فرشتہ سیرت ہے اس نے طعام کو نہیں دیکھا ہم نوجوان عورتوں کو نہیں دیکھا اسے ہماری ذرا پرواہ تک نہیں ہوئی۔

ظاہری صورت بھی عظیم اور سیرت بھی عظیم بس یہی دیکھ کر انہوں نے تعجب کیا فریفتہ ہو گئیں اپنے ہوش و حواس قائم نہ رکھ سکیں اور اتنا سمجھ لیا کہ یہ کوئی عام انسان نہیں یہ تو کوئی مقرب فرشتہ ہے ہاں یہ کیوں نہ ہو تا جب کہ نبی کا مقام فرشتوں سے بلند ترین ہوتا ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

ہمارے نبی کریم ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے چاندنی رات میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا

”فجعلت انظر الى رسول الله ﷺ والى القمر وعليه حلة حمراء فاذا هو

احسن عندى من القمر“

(ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ وصفاته ص ۵۱۷)

تو میں کبھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف جب کہ آپ نے سرخ دھاریوں والا لباس زیب تن کر رکھا تھا آپ مجھے چاند سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہے تھے

یوسف علیہ السلام کا قید خانہ کی دعا کرنا اور اس کا قبول ہونا :

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ



أَصْبَحَ إِلَيْهِنَّ وَأَكْنَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ، فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ ، فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ، ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنَّتْهُ ، حَتَّى حِينٍ ﴿

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۲۳، ۲۵)

یوسف علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہوں گا اور نادان بنوں گا تو اس کے رب نے اس کی سن لی اور اس سے عورتوں کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا جانتا ہے پھر تمام پہلی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان پر یہی ظاہر ہوا کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں رکھا جائے۔

جب عزیز مصر کی زوجہ نے مصر کی عورتوں کے سامنے کہا کہ اگر اس نے میری بات کو نہ مانا تو اسے قید خانہ میں جانا پڑے گا اور ذلیل ہونا پڑے گا تو دعوت پر بلائی ہوئی تمام عورتوں نے اجتماعی طور پر یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا کہنے لگیں تمہارے لئے یہ بہتر نہیں کہ تم اس کے حکم کی مخالفت کرو کیونکہ مخالفت کی صورت میں تمہیں قید خانہ میں جانا پڑے گا اور ذلت اٹھانا پڑے گی۔

اب یوسف علیہ السلام کو چند مشکلات کا سامنا تھا۔

☆ ایک عزیز کی زوجہ کا بہت زیادہ حسین و جمیل ہونا۔

☆ دوسرا اس کا مال و دولت کا مالک ہونا اور یہ عزم کرنا کہ یوسف (علیہ السلام) سے اپنا مطلوب حاصل کرنے میں تمام مال و دولت قربان کرنا پڑا تو قربان کر دوں گی۔

☆ تیسرا تمام عورتیں اجتماعی طور پر آپ کو رغبت بھی دلار ہی تھیں اور ساتھ ساتھ خوف بھی دلا رہی تھیں۔ ایسے حالات میں عورتوں کا مکر بھی بہت بڑا مکر ہوتا ہے۔

☆ چوتھا آپ کو یہ بھی ڈر تھا کہ اس کی مخالفت کرنے میں اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو قتل ہی کر دے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ مجھے قید خانہ میں بھیج دیں تو میرے لئے بہتر ہوگا۔

انسان اپنی بشری قوت اور انسانی طاقت کے پیش نظر ایسے حالات میں اپنے آپ کو بچا سکے، یہ بہت



مشکل معاملہ ہے اسی لئے آپ نے دعا کی اے اللہ تو ہی مجھے ان عورتوں کے مکر سے بچا سکتا ہے اگر تیرا فضل نہ ہو تو انسان ایسے گناہوں میں مبتلا ہو کر جاہل بن جاتا ہے۔

اے اللہ مجھے جس کام کی یہ دعوت دے رہی ہیں اس سے بہتر میرے لئے قید خانہ ہی ہے۔

(کبیر)

خیال رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے لئے مشکل راہ کا انتخاب کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی

”یا یوسف انت جنیت علی نفسک ولو قلت العافیۃ احب الی عوفیت“

اے یوسف تم نے اپنے لئے مشکل راستہ اختیار کیا اگر تم یہ کہتے مجھے عافیت زیادہ پسند ہے (اس سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں) تو تمہیں ان سے عافیت دلا دی جاتی۔

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کا رد کیا جو مصائب پر صبر کی دعا کر رہا تھا۔ ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصَّبْرَ“ اے اللہ میں تجھ سے صبر کا سوال کرتا ہوں۔ یعنی مجھے مصائب و آلام پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرما تو حضور ﷺ نے فرمایا:

”سالت اللہ تعالیٰ البلاء فاسئله العافیۃ“

تم نے اللہ تعالیٰ سے مصیبت کا سوال کیا ہے، تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۵)

عزیز مصر اور دوسرے تمام سرکردہ لوگ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا یقین کر چکے تھے:

”ہی الشواہد الدالۃ علی برائتہ علیہ السلام وطہارتہ“

آپ کے عیوب سے بری ہونے اور پاک دامنی پر دلالت کرنے والے شواہد وہ لوگ دیکھ چکے تھے۔

لیکن آپ کو صرف ظاہری مصلحت کے پیش نظر انہوں نے قید خانہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ عزیز مصر کی زوجہ کے علاوہ اب دوسری عورتیں بھی آپ پر عاشق ہو چکی تھیں گھر گھر یوسف علیہ السلام کے



حسن و جمال کا چرچا ہو رہا تھا وہ لوگ اپنی عورتوں کو روکنے میں تو ناکام ہو گئے البتہ آپ کو قید خانہ میں بھیجنے کا انہوں نے ایک حل سمجھا تھا اصل میں آپ کی اپنی دعا کا اثر ہی تھا۔

”وعن علی بن الحسین رضی اللہ تعالیٰ ان کل واحدة منهن ارسلت الیہ  
سرا تسأله الزیارة“

حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بے شک ہر عورت نے ان عورتوں میں سے جو دعوت پر مدعو تھیں آپ کی طرف پوشیدہ گی میں یہ پیغام بھیجے تھے جو آپ سے زیارت کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔

اسی طرح عزیز کی زوجہ نے اپنے خاوند کو کہا کہ یہ عبرانی غلام مجھے بدنام کر رہا ہے کہ میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ بچ گیا وہ چونکہ باہر نکل سکتا ہے اور میں گھر میں محبوس ہوں یا مجھے بھی باہر بازاروں میں جا کر اس کا جواب دینے کی اجازت دی جائے یا اسے بھی قید کر لیا جائے تو اس طرح عزیز اور دوسرے وڈیروں نے آپ کو قید میں بھجوا دیا۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۵ تا ۲۳۷)

دو قیدیوں کا یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھنا :

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۳۶)

ان کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے ان میں ایک بولا : میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں۔ اور دوسرا بولا : میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے بے شک ہم آپ کو نیکو کار دیکھتے ہیں۔

خواب دیکھنے والے دو نوجوان بادشاہ ریان بن ولید کے غلام تھے ایک اس کو مشروبات پلانے پر مقرر



تھا اور دوسرا روٹیاں پکانے پر ان دونوں پر الزام یہ تھا کہ یہ بادشاہ کو زہر کھلانا چاہتے ہیں مشروبات پلانے والے کا نام ابروہایا یونا تھا اور روٹیاں پکانے والے کا نام غالب یا مخلب تھا ان دونوں کو بھی اس الزام کی وجہ سے قید خانہ میں بھیج دیا گیا تھا۔

(حاشیہ جلالین، روح البیان)

ایک نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں انگور کی ایک بہت خوبصورت بیل دیکھی جس کی تین شاخیں ہیں اور ان پر انگور کے گچھے لگے ہوئے ہیں میں انہیں نچوڑ کر بادشاہ کو پلا رہا ہوں۔

خیال رہے کہ شراب (خمر) بھی انگور کے نچوڑ سے ہی بنتا ہے اس لئے اس شخص نے انگور نچوڑنے کو شراب نچوڑنے سے تعبیر کر دیا

دوسرے نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں بادشاہ کے باورچی خانہ سے نکل رہا ہوں اور میرے سر پر تین ٹوکریاں روٹیوں کی ہیں جن کے اوپر سے پرندے کھا رہے ہیں۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۹)

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں آئے تھے آپ نے بتایا کہ میں خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہوں کئی لوگوں کو آپ پہلے بھی خوابوں کی تعبیریں بتا چکے تھے جو سچی ثابت ہوئی تھیں اس لئے ان دو شخصوں نے بھی آپ سے تعبیر پوچھی کہ آپ سچی تعبیر بتاتے ہیں آپ صاحب علم ہیں آپ بہت اچھے شخص ہیں تمام قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے اچھے افعال پر مطلع تھے آپ نماز، روزہ کے پابند تھے ہر قسم کے نیکی کے کام کرنا آپ کی عادت شریفہ تھی آپ کے اچھے اخلاق کسی پر مخفی نہ تھے آپ مریضوں کی عیادت کرتے غمناک لوگوں کے دلوں کی ڈھارس باندھتے۔

جب یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو وہاں قیدیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی امیدیں منقطع کئے ہوئے ہیں شدید مصائب اور طویل غموں میں مبتلا ہیں آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا خوش ہو جاؤ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کا اجر ضرور عطا فرماتا ہے قوم نے کہا اے جو ان آپ کا چہرہ اکتنا حسین ہے؟ آپ کی صورت کتنی ہی خوبصورت ہے؟ آپ کے کتنے ہی اچھے اخلاق ہیں؟ جب سے تم نے ہمیں بتایا صبر پر اجر مصیبت گناہوں



کا کفارہ ہے اور مصائب و آلام گناہوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہیں تو ہمیں تمہارے قرب اور نصائح سے برکت حاصل ہو گئی ہے۔

انہوں نے پوچھا : اے جوان تم کون ہو؟ آپ نے بتایا میں یوسف ابن یعقوب ابن ابراہیم ہوں قید خانہ کے ناظم اعلیٰ نے کہا : اے نوجوان اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں آزاد کر دیتا یہ تو میرے اختیار میں نہیں البتہ تمہارے پڑوس میں رہنے والے قیدیوں پر اچھا سلوک کروں گا۔

آپ کے ان فضائل و کمالات کو دیکھ کر ان دونوں قیدیوں نے آپ سے حقیقتاً دیکھے ہوئے خوابوں کی تعبیر پوچھی یا صرف حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمانے کے لئے من گھڑت خواب بیان کئے۔

ایک قول یہ ہے کہ قید خانہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ میں خواب کی تعبیریں جانتا ہوں تو ان دونوں جوانوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ اس عبرانی غلام کی آزمائش کرنی چاہئے ہم اپنی طرف سے خود ہی خواب بنا کر اس پر پیش کریں انہوں نے ایسا ہی کیا اگرچہ انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا خود ہی خواب وضع کر کے سوال کیا :

”قال ابن مسعود ما كانا رايا شيئا وانما تحالما يختبرا علمه“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہوں نے کوئی خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کو آزمانے کے لئے خود ہی خواب گھڑے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۸ ص ۱۳۴، روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۸)

یوسف علیہ السلام کا تعبیر بیان کرنا :

﴿يُصَاحِبِي السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمْ فَيَسْقَى رَبَّهُ خَمْرًا ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصَلَّبُ  
فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ، قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۴۱)

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلائے گا رہا دوسرا سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کا سر کھائیں گے۔ حکم ہو چکا ہے اس بات کو جس کا تم سوال کرتے تھے۔



آپ نے جب یہ تعبیر بیان کی تو وہ کہنے لگے ” مارأینا شیئاً “ ہم نے تو کوئی خواب نہ دیکھا تھا آپ نے فرمایا : حکم ہو چکا اس بات کو جو تم سوال کرتے تھے۔

” ان الذی ذکرہ واقع لا محالة “

بے شک جو تعبیر آپ نے بیان فرمائی اس نے یقیناً واقع ہونا ہی تھا۔

کیونکہ آپ نے تعبیر بیان کرنے سے پہلے ہی فرمادیا تھا ﴿ ذالکما مما علمنی ربی ﴾ میں تمہیں تمہارا کھانا آنے سے پہلے خواب کی تعبیر بتا دوں گا کیونکہ میرے رب نے مجھے علم دیا ہے یعنی آپ نے بہت واضح طور پر بتا دیا کہ میں خوابوں کی تعبیر کوئی ظن یا تخمینہ سے بیان نہیں کرتا یہ تو میرے رب کا دیا ہوا علم ہے جس کی وجہ سے میں بیان کرتا ہوں۔

” ولقد دلہما بذالک علی ان لہ علوما جمۃ ما سمعہا قطرة من تبارہا

وزہرة من ازہارہا “

آپ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کثیر علوم عطا فرمائے ہیں یہ جو تم نے سنا ہے یہ تو بارش کا ایک قطرہ ہے باغ کے پھولوں میں سے ایک کٹی ہے۔

( کبیر ج ۱۸ ص ۱۴۳، روح المعانی ج ۷ ص ۲۴۱ )

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس ذکر کرنے کے متعلق کہنا :

﴿ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ

رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴾

( پ ۱۲ سورۃ یوسف ۴۲ )

اور یوسف ( علیہ السلام ) نے ان دونوں میں سے جسے پختا سمجھا اس سے کہا اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے یوسف ( علیہ السلام ) کا ذکر کرے تو یوسف علیہ السلام کئی برس اور قید خانہ میں رہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر لفظ ” ظن “ کا معنی ” سمجھا “ کیا ہے ” گمان کیا “ ترجمہ نہیں کیا ؛ کیونکہ اہل علم کا اس میں ایک قول یہی ہے کہ اس کے



فاعل یوسف علیہ السلام ہیں۔ نبی کا علم ظنی نہیں ہوتا بلکہ یقینی ہوتا ہے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا ایک قول یہ ہے :

” ان تحمل هذا الظن على العلم واليقين وهذا اذا قلنا بانه عليه السلام انما ذكر هذا التعبير بناء على الوحي قال هذا القائل ورود لفظ الظن بمعنى اليقين كثير في القرآن قال الله تعالى ﴿ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ ﴾ و قال ﴿ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَّةٍ ﴾ “

کہ یہاں لفظ ظن کو علم اور یقین کے معنی میں لیا جائے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر وحی سے بیان فرمائی اور قرآن پاک میں بہت مقامات پر ظن بمعنی یقین استعمال ہے جس طرح ذکر کردہ آیتوں میں یظنون اور ظننت یقین کے معنی میں استعمال ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۸ ص ۱۴۳)

مقربین کے لئے قوانین ہی اور ہیں :

اہل علم نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے :

” حسنات الابرار سيئات المقربين “

عام نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات خاص مقرب لوگوں کے لئے ان پر عمل کرنا اچھا نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے اس مرتبہ سے بلند مرتبہ ہوتا ہے لہذا ان کے اعمال بھی بلند مرتبہ کے ہونے چاہئیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں

” ان الاستعانة بالعباد في كشف الشدائد مما لا باس به “

کہ اللہ کے بندوں سے مشکلات میں امداد طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خود رب قدوس نے بیان فرمایا :

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ (پ ۶ سورۃ مائدہ ۳)

نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔



عام لوگوں کے لئے یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی مشکلات میں امداد طلب کریں، لیکن انبیائے کرام کا مقام ہی کچھ اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کیا کہ جب وہ میرے حال سے باخبر ہے تو مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید سے نجات پانے والے کو کہا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پیار و محبت سے آپ کو تنبیہ فرمائی اے میرے پیارے ذرا غور تو کرو تمہیں بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے کس نے بچایا تمہیں کنوئیں سے کس نے نکالا تمہیں عورت کے بہتان سے کس نے بچایا عرض کیا مولائے کائنات یہ تیرے ہی فیضان تھے رب تعالیٰ نے فرمایا پھر انسان کے سامنے ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ یوسف علیہ السلام نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اے میرے مولا! بس ویسے ہی زبان پر آگیا تھا۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے دو غلاموں کو خواب کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے پانچ سال قید خانہ میں گزار لئے تھے اور مزید سات سال آپ نے اور گزارے یعنی بارہ سال اللہ کے نبی نے اپنی پاک دامنی کے لئے قید خانہ میں گزار دیئے۔ انبیائے کرام سے بہت مشکل امتحان لئے گئے۔

(ماخوذ از روح المعانی ج ۷ ص ۲۴۸)

بادشاہ کو خواب آنا:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ  
سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ، يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا  
تَعْبُرُونَ، قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَلَمِينَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۴۳، ۴۴)

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھیں سات موٹی گائیں کہ انہیں سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات بالیاں (سٹے) ہری اور دوسری سات سوکھی۔ اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو، بولے: پریشان خوابیں ہیں اور ہم



خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔

رب تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھی جب قید سے نکالنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا سبب یہ پیدا فرمایا کہ مصر کے بادشاہ ”ریان“ نے خواب دیکھا کہ :

”سات موٹی تازی گائے ایک خشک نہر سے نکلیں اور سات ہی لاغر گائے ، لاغر گائے موٹی گائے کو کھا گئیں۔ اور اس نے دیکھا کہ سات بالیاں جو دانوں سے بھر پور اور سبز ہیں اور سات دوسری خشک کو دیکھا جو سبز پر لپٹ کر ان پر غالب آگئیں۔“

بادشاہ نے اپنے درباری کاہنوں ، نجومیوں کو جمع کر کے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی ، انہوں نے کہا : اگر خواب میں کوئی ترتیب ہوتی جو واقعات کی نشاندہی کرتی تو ہم تعبیر بتاتے ۔ یہ خواب تو بلا ترتیب ہیں ، ان میں اختلاط و اضطراب پایا گیا ہے ، اس لئے یہ پرآگندہ خیالات ہیں۔ ان کی تعبیر کچھ بھی بیان نہیں کی ہو سکتی ۔ لیکن بادشاہ بہت زیادہ پریشان تھا کہ کمزور کا طاقتور پر غالب آجانا اور خشک کا سبز پر غالب آجانا ، یقیناً کسی خطرہ کی علامت ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

بادشاہ کی پریشانی کو دیکھ کر اس سابق قیدی شخص کو یاد آیا جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ”تو نجات پائے گا“ ۔ اس نے کہا : مجھے قید خانہ میں بھیجو ! وہاں ایک عالم شخص ہے وہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے گا تو میں واپس آکر تمہیں بتا دوں گا۔ وہ شخص آپ علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں آکر بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے لگا ۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ ایک اور شخص تھا جس نے یوسف علیہ السلام کا چرچا سن رکھا تھا، بادشاہ کے خواب بیان کرنے اور پریشانی کو دیکھ کر کچھ وقت کے بعد اسے یاد آیا کہ میں قید خانہ میں اس شخص کے پاس جا کر پوچھوں جس کے متعلق مشہور ہے کہ ”وہ خوابوں کی تعبیر صحیح بیان کرتا ہے۔“

سبحان اللہ ! مقام نبی کتنا بلند ہے ؟ جب سائل نے تعبیر پوچھی تو اسے یہ نہ کہا کہ



”سات سال بعد میری کیسے یاد آگئی؟“ اور یہ بھی نہ کہا: کہ ”پہلے بادشاہ کو کہو کہ مجھے بے گناہ قید میں ڈالا ہوا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مجھے پہلے قید خانہ سے نکالو تو تعبیر بتاؤں گا۔“

نہیں، نہیں! صابر و شاکر نبی نے کوئی شرط نہ لگائی اور نہ ہی اس شخص کو طعنہ دیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام بیان کرتے ہیں:

﴿ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ، ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصِنُونَ ، ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعَصِرُونَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۴۷، ۴۹)

آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک لگاتار تو جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں (بالیوں) میں، مگر تھوڑا سا (ضرورت کیلئے نکال لو) جسے تم کھاؤ۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات سال بہت سخت، کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہو گا ان کے لئے تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں بارش بر سائی جائے گی لوگوں کے لئے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بھی بیان کی کہ سات سال غلہ تمہیں عام دستور کے مطابق حاصل ہو گا پھر سات سال قحط ہو گا بارشیں نہیں ہوں گی یہ قحط والے سال پہلے سالوں کے جمع شدہ غلہ کو ختم کر دیں گے اس کے بعد پھر ایک سال خوشحالی کا دور دورہ ہو گا بارشیں کثیر ہوں گی جن کی وجہ سے انگور زیتون گنے اور تل وغیرہ کی کثیر پیداوار ہو گی جن سے تم رس نکالو گے اور بعض سے تیل نکالو گے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساتھ ساتھ اس کے لئے احتیاطی تدابیر بھی بیان کیں، کہ پہلے سات سالوں کے پیدا ہونے والے غلہ کو بے دریغ استعمال نہ کرنا صرف اتنا غلہ صاف کرنا یعنی بھوسہ اور دانوں کو اتنی مقدار میں علیحدہ کرنا جس سے تمہاری ضروریات پوری ہو سکیں، باقی غلہ بالیوں



(خوشوں) میں ہی رہنے دینا ، اس سے خرچ میں احتیاط ہوگی اور دانے کیڑے مکوڑوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

بادشاہ کا یوسف علیہ السلام کو بلانا اور آپ کا انکار :

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ انْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَيَّ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قُطِّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ، قَالَ مَا حَطَبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَاةُ الْعَزِيزِ الْاَيْمَنُ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ، ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اُخْنَهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخٰثِلِيْنَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۵۰، ۵۲)

اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ تو جب قاصد ان کے پاس آیا آپ نے کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے بے شک میرا رب ان کا فریب جانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: اے عورتو! تمہارا کیا معاملہ ہوا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پاکی ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی بولی: اب اصلی بات کھل گئی۔ میں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بے شک وہ سچے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کہ اللہ دعا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر دیکھئے! کہ بارہ سال قید میں رہنے کے باوجود جب قید خانہ سے نکلنے کا پیغام ملتا ہے تو آپ خوشی سے جلدی نکلنے کے بجائے انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ پہلے معاملہ کی چھان بین کر لیں پھر میں قید خانہ سے باہر آؤں گا۔ اگر آپ جلدی سے باہر آجاتے تو عین ممکن تھا کہ بادشاہ نے دل میں اس تہمت کے حق ہونے کا وسوسہ باقی رہتا۔ واقعہ کی تحقیق کے بعد بادشاہ کو یقین ہو گیا عورتوں نے آپ کی پاک دامنی کا واضح اعلان فرمادیا۔ عزیز کی زوجہ جس نے ابھی تک اقبال جرم نہیں کیا اب



وہ بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو پاک دامن اور سچا کہنے لگی۔ اس طرح بادشاہ پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ آپ سچے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ولو لبثت فی السجن طول مالبت یوسف لاجبت الداعی“

(مسلم ج ۱ کتاب الایمان باب زیادة طمانينة القلب)

اگر میں یوسف علیہ السلام کی طرح زیادہ دیر قید خانہ میں رہتا تو دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔

یاد رہے! نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہونے کی باوجود عاجزانہ کلام فرماتے ہوئے یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف کر رہے ہیں۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اگر نبی کریم ﷺ اس مقام پر ہوتے تو معاذ اللہ صبر نہ کرتے بلکہ فوراً باہر آجاتے۔ یہ ایک بامحاورہ کلام ہے۔ عاجزانہ کلام میں حقیقت کا بیان نہیں ہوتا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاة میں تحریر فرمایا:

”وقال ابن الملك اعلم ان هذا ليس اخبار عن نبينا ﷺ بتضجر صبره بل فيه دلالة على مدح يوسف عليه السلام وتركه الاستعجال بالخروج ليزول عن قلب الملك ما اتهم به من الفاحشة ولا ينظر اليه بعين مشكوك“

ابن ملک نے کہا جان لو بیشک اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اپنی پریشانی اور صبر کی کمی کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح کی گئی ہے کہ آپ نے جلدی نکلنا پسند نہ فرمایا تا کہ بادشاہ کے دل سے یہ بات نکل جائے جو آپ پر برائی کی تہمت لگائی گئی تھی یعنی بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ آپ پر غلط تہمت لگائی گئی تھی اور وہ آپ کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔



”وقال الملك اتوني به هذا يدل على فضيلة العلم فانه سبحانه جعل علمه سببا لخلاصه من المحنة الدنيوية فكيف لا يكون العلم سببا للخلاص من المحن الاخرية“

(تفسیر کبیر ج ۱۸ ص ۱۵۱)

بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لے آؤ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسے جب معلوم ہوا کہ آپ بڑے صاحب علم ہیں تو اس نے کہا ایسا صاحب علم قید میں رہے یہ کیسے ہو سکتا ہے اس سے علم کی فضیلت حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کو دنیا میں مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ دینی علوم آخرت کی مشکلات سے چھٹکارا دلانے کا ذریعہ نہ بن سکیں؟۔

قید خانہ سے نکل کر وزیر خزانہ اور وزیر اعظم :

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اتُّونِي بِهِ اسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ، قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ، وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ، وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ، وَلَاجِرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

(ب ۱۳ سورۃ یوسف ۵۴، ۵۷)

اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں خاص اپنے لئے چن لوں پھر جب ان سے بات کی کہا بے شک آج آپ ہمارے ہاں معزز معتمد ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے، بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ اور یونہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک پر قدرت بخشی اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں اور ہم نیکوں کی نیکیاں ضائع نہیں کرتے اور بے شک آخرت کا ثواب ان کے لئے بہتر جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔



بادشاہ نے معززین کی ایک جماعت بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز و سامان اور نفیس لباس دے کر قید خانہ بھیجی تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ایوان شاہی میں لائیں ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیغام عرض کیا آپ نے قبول فرمایا اور قید خانہ سے نکلنے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی۔ جب قید خانہ سے باہر تشریف لائے تو اس کے دروازے پر لکھا:

”ہذہ منازل البلوی وقبور الأحياء وشماتۃ الاعداء وتجربة الاصدقاء“

یہ مصیبتوں کا گھر ہے زندہ لوگوں کے لئے قبر ہے اور دشمنوں کی بد گوئی بلکہ ان کے لئے خوش ہونے کا مقام ہے اور بچوں کے امتحان کی جگہ ہے۔

پھر غسل کیا، اعلیٰ لباس پہنا اور شاہی محلات کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قلعہ کے پاس پہنچے تو فرمایا:

”میرا رب ہی کافی ہے اس کی پناہ بڑی اور اسکی ثناء برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں“

پھر قلعہ میں داخل ہوئے، بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی:

”اے میرے رب تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں

کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام فرمایا: بادشاہ نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے؟ تو

آپ نے فرمایا: یہ میرے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے۔ پھر آپ نے عبرانی زبان میں دعا کی

اس نے پھر پوچھا: یہ کون سی زبان ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میرے ابا جان حضرت یعقوب علیہ السلام کی

زبان ہے۔ بادشاہ دونوں زبانیں نہیں سمجھ سکا باوجودیکہ وہ ستر زبانیں جانتا تھا۔ پھر اس نے جس زبان میں

حضرت سے گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اسے جواب دیا۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اس عمر میں

یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے آپ کو اپنے برابر جگہ دی۔

بادشاہ نے درخواست کی کہ حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنی زبان مبارک سے سنا دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے خواب کی پوری تفصیل بھی سنادی جس شان سے اس نے خواب دیکھا

تھا حالانکہ پہلے اجمالی طور پر وہ خواب بیان کیا گیا تھا۔ اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا کہنے لگا آپ نے میرا



خواب ہو بہو بیان فرمادیا، خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ کا اس طرح بیان فرمادینا زیادہ عجیب ہے۔ اب آپ تعبیر بھی بیان فرمادیں۔

آپ نے تعبیر بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ غلے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے اور غلے ان کے خوشوں میں جمع کر لئے جائیں اور رعایا کی پیداوار سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے اس سے جو جمع ہو گا وہ مصر اور مصر کی اطراف کے لوگوں کے لئے کافی ہو گا۔ اور پھر اللہ کی مخلوق ہر طرف سے تیرے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور تیرے ہاں اتنے خزانے و اموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لئے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا اس کا انتظام کون کرے گا؟ آپ نے فرمایا زمین کے خزانے میرے حوالے کر دے میں ان کی حفاظت بھی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے ان کا بہتر انتظام کروں گا۔

بادشاہ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ سے زیادہ اس منصب کے لائق اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے اس نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کو تمام خزانے کا وزیر مقرر کر دیا۔

## مسائل :

احادیث میں ”طلب امارۃ“ کی ممانعت آئی ہے لیکن اس کا مطلب ہے کہ جب ملک میں اس منصب کے اہل کئی لوگ موجود ہوں اور احکام الہی کو قائم کرنا کسی ایک شخص کے ساتھ قائم نہ ہو اس وقت حکومت طلب کرنا مکروہ ہے، لیکن جب ایک ہی شخص اہل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کرنے کے لئے حکومت طلب کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے، حضرت یوسف علیہ السلام اسی حال میں تھے آپ رسول تھے قوم کی مصلحتوں کو جانتے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ شدید قحط ہونے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو آرام اور آسائش پہنچانے کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے، اس لئے آپ نے حکومت طلب کی۔

**مسئلہ :** ظالم بادشاہ کی طرف سے اگر اس لئے عہدے طلب کئے جائیں تاکہ انصاف کیا جائے گا تو یہ جائز



ہے اگر قومی خزانہ لوٹنے کے لئے عمدہ قبول کیا کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا انتقامی کارروائی کرنے کے لئے تو یہ حرام ہے اس کو رحمان کا فضل نہ سمجھا جائے بلکہ شیطان کا جال سمجھا جائے۔ (ریان بن ولید اس وقت کافر تھا)

**مسئلہ:** اگر کافر یا فاسق بادشاہ کے حکومت میں شریک کرنے کے بغیر دین کے احکام کو جاری نہ کیا جاسکے تو کافر و فاسق کی حکومت میں شریک ہونا جائز ہے اور اس سے صرف دینی احکام کی ترویج کے لئے امداد لینا جائز ہے ظالموں کے ساتھ شریک ہو کر ظالم بن جانا دین اسلام سے بغاوت ہے۔

**مسئلہ:** اپنی خوبیاں فخر اور تکبر کی وجہ سے بیان کرنا جائز نہیں البتہ دوسروں کو نفع پہنچانے اور مخلوق کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے اگر ضرورت درپیش آئے تو اپنی خوبیاں اور اپنے علمی کمالات بیان کرنا جائز ہے اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صاحب علم اور حفاظت کرنے والا ہوں۔

(ماخوذ از کبیر و خزائن العرفان)

## یوسف علیہ السلام کی تاجپوشی :

ایک سال کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر آپ کی تاج پوشی کی اور تلوار اور مہر آپ کے سامنے پیش کی اور آپ کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا جو جواہرات سے مرصع تھا اور اپنا ملک آپ کے سپرد کر دیا ، لیکن تاج آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ میرا اور میرے آباء کا لباس نہیں ، البتہ انگوٹھی جو بطور مہر استعمال ہوتی تھی اسے اور تخت کو آپ نے قبول کر لیا کہ تخت کے ذریعے تمہاری سلطنت کو مضبوط کروں گا اور مہر کے ذریعے تمہارے امور کی تدبیریں سرانجام دوں گا۔

قطفیر (عزیز مصر) کو معزول کر کے آپ کو اس کی جگہ والی بنایا اور تمام خزانے آپ کے سپرد کر دیئے اور سلطنت کے تمام امور آپ کے ہاتھ میں دے دیئے اور خود ایک تابع کی حیثیت میں ہو گیا۔ آپ کی رائے میں دخل نہیں دیتا تھا اور آپ کے حکم کو مانتا تھا اس طرح آپ وزیر اعظم بن گئے تمام اختیارات کے مالک بن گئے۔

(ماخوذ از کبیر و خزائن العرفان)



## آپ کی حکومت کے اثرات :

آپ نے عدل و انصاف کی بنیادوں پر اپنی حکومت کو قائم کیا، اسی لئے آپ کی حکومت دن بدن مضبوط تر ہوتی چلی گئی تمام مردوں اور عورتوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط سالی کے آنے والے دنوں کے لئے غلوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تعبیر فرمائی اس کے لئے بہت وسیع اور عالیشان انبار خانے (سٹور) تعمیر کرائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے۔

جب فراخی کے سال گزر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدام کے لئے روزانہ صرف ایک وقت کا کھانا مقرر فرمایا ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی آپ نے فرمایا یہ قحط سالی کی ابتداء کا وقت ہے کیونکہ پہلے سال میں لوگوں کے پاس ذخیرے تھے سب ختم ہو گئے بازار خالی ہو گئے، چونکہ قحط کے سارے زمانہ میں آپ نے خود بھی کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ واقف حال لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اتنے کثیر خزانوں کے مالک ہو کر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوک کو نہ بھول جاؤں۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ اخلاق ہیں آپ کے ! ان پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے ہی بادشاہ بھی ایک وقت کے کھانے پر کفایت کر رہا تھا۔ اس نے بھی آپ کے جواب پر کوئی مزاحمت نہیں کی۔

تمام اہل مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے لگے تمام دراہم و دنانیر یعنی ان کا نقدی مال و دولت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جمع ہو گیا۔ دوسرے سال انہوں نے اپنے زیورات اور جواہر سے غلہ خریدا۔ اس طرح ان لوگوں کے تمام زیورات و جواہر آپ کے پاس آ گئے۔ تیسرے سال اپنے جانور دے کر غلہ خریدا یہاں تک کہ مصر میں کوئی شخص کسی جانور کا مالک نہ رہا۔ تمام جانور بھی آپ کی ملکیت میں آ گئے۔ چوتھے سال اپنے غلام اور لونڈیاں دے کر غلہ حاصل ہوا۔ پانچویں سال تمام جاگیریں اور اراضی دے کر آپ سے غلہ خریدا۔ اس سال مصر کے لوگوں کے پاس سوائے اپنی جان اور اولاد کے کچھ بھی باقی نہ رہا تھا تمام ملکیت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آچکی تھی۔ چھٹے سال جب ان کے پاس اور کچھ نہ بچا تو انہوں نے اپنی اولاد آپ کے پاس غلام کے طور پر دے کر غلہ حاصل کیا۔ اور ساتویں سال وہ لوگ خود غلہ



حاصل کرنے کے لئے آپ کی غلامیت میں آگئے۔ مصر میں مردوں اور عورتوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو آپ کی غلامیت میں نہ آیا ہو تمام لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسی عظمت و جلالت کسی بادشاہ کو میسر نہیں آسکی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو کہا کہ تم نے دیکھ لیا ہے اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کیسا کرم ہے؟ اس نے مجھ پر ایسا احسان عظیم فرمایا: اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا جو آپ کی رائے ہے ہم تو آپ کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اور تمہیں گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں تمام اہل مصر کو آزاد کر رہا ہوں اور ان کی تمام ملکیت اور جاگیریں انہیں واپس کر رہا ہوں۔

تمام لوگوں کو آپ کے غلام اور کنیریں بنانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے تھے۔ کیونکہ اب تو مصر کے تمام مصری آپ کے خریدے ہوئے اور آزاد کئے ہوئے تھے ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ آزاد شخص کسی مجبوری سے غلامیت میں آنے سے درحقیقت غلام نہیں بنتا جیسے وہ لوگ حقیقت میں غلام نہیں بنے تھے صرف ان پر غلام ہونے کی ایک حیثیت قائم کی گئی تھی کہ آپ کی شان میں کوئی حرف نہ کہہ سکیں۔

(ماخوذ از کبیر و خزائن العرفان)

عزیز مصر کی زوجہ کی مراد کا پورا ہونا :

بادشاہ نے پہلے وزیر اعظم یعنی عزیز مصر (جس کا نام قطفیر تھا) کو معزول کر دیا تھا، بعد میں وہ جلد ہی فوت ہو گیا تھا اس کی زوجہ جس نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہی اور آپ پاکدامن رہے، پہلے چھ کی گواہی سے آپ بری الذمہ ہو چکے تھے، لیکن اب قید خانہ سے نکلنے پر اس نے بھی کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا آپ کو سچا کہنے لگی تھی۔ عزیز مصر کی موت کی بعد.....

”زوجہ الملك امراته فلما دخل عليها قال اليس هذا خيرا مما طلبت“



فوجدھا عذرا فولدت له ولدین افرائیم ومیشا“

(کبیر جلد ۱۸ ص ۱۶۲)

بادشاہ نے اس عورت کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا آپ نے ملاقات پر اسے

یہ کہا کیا یہ بہتر نہیں اس سے جو تو مطالبہ کر رہی تھی ؟

یاد رہے عزیز مصر چونکہ نامرد تھا اسلئے وہ ابھی تک باکرہ تھی ۔ محبت اسے صرف یوسف علیہ

السلام سے تھی وہ کوئی بدکار نہیں تھی ۔ اس عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے

ایک کا نام ” افرایم “ اور دوسرے کا نام ” میشا “ تھا۔

تنبیہ :

” ھی زلیخا ولم یصرح استہجانا له وسترا و تعلیما للادب کان اللہ یقول

من الآداب لا یدکر احد زوجتہ باسمہا بل یکنی عنہا ولم یدکر فی القرآن

اسم امراة الا مریم علیہا السلام “

( صاوی علی الجلالین : ۱۹۱ )

عزیز کی زوجہ کا نام ” زلیخا “ تھا۔ نام کو صراحتاً نہیں ذکر کیا گیا کیونکہ عورت کا نام عام طور پر

بلا مقصد نام لینا بہتر نہیں۔ پردہ زیادہ مناسب ہوتا ہے اور اس میں ادب کی تعلیم بھی دی گئی ہے گویا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ادب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ایسے الفاظ سے

پکارے جن میں واضح طور پر نام کا ذکر نہ ہو۔ قرآن پاک میں کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا گیا سوائے حضرت

مریم کے ان کا نام بھی صرف اس وجہ سے ذکر ہوا کہ لوگ انہیں ( معاذ اللہ ) اللہ تعالیٰ کی زوجہ کہتے تھے تو

ان کا نام رب تعالیٰ نے ذکر کر کے ان کا رد کیا کہ اگر میری زوجہ ہوتی تو میں اس کا نام ذکر نہ کرتا۔

پہلے ہم نے اپنے علاقہ میں یہ دیکھا کہ کوئی شخص بھی اپنی زوجہ کا نام نہیں لیا کرتا تھا بچے کا نام لے کر

اسکی والدہ یا بھائی کا نام لے کر اس کی بہن کہتا وغیرہ۔ لیکن آج کل زوجہ کا نام لینا بھی فیشن کا حصہ بن گیا

عورت کا کتنا ادب کتنا احترام شریعت نے بتایا ؟ میں نے عورتوں کے حقوق پر تفصیلی بحث اپنی

کتاب ” اسلام میں عورت کا مقام “ میں بیان کئے ہیں۔ ماڈرن عورت کسی اور مذہب میں ان حقوق

کا تصور بھی نہیں کر سکتی جو شریعت مطہرہ نے دیئے ہیں۔



## غلہ لینے کے لئے آپ کے بھائیوں کا جانا :

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أَوْفِي الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ، فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ، قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَنهُ أَبِياهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۵۸، ۶۱)

اور ایک روز آنکے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے سو جب مہیا کر دیا ان کے لئے ان کی (رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیما نہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیما نہ تمہارے لئے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آسکو گے وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔

”کنعان“ کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا اور لوگوں کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے بھی باربرداری کے مویشی لئے اور مصر کا رخ کیا کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف علیہ السلام کی نگرانی میں ہو رہا تھا اس لئے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلہ کے لئے درخواست کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات اگرچہ عرصہ دراز بعد ہوئی تھی لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور اور بے چارے پہچانتے بھی تو آخر کیونکر؟ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کیلئے سینکڑوں ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں یہ وہ ”یوسف“ ہے جس کو عرصہ ہوا انہوں نے ایک تاریک کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اور پھر صرف پیس کھوٹے درہموں کے بدلے میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔



حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا، ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کئے اور انہیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کا ایک اور بھائی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں، (اگرچہ آپ خود بھی اپنے بھائی کو جانتے تھے)

(صیاء القرآن)

آپ نے خود تو اپنے آپ کو ابھی ظاہر نہیں کرنا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حکم دینا تھا اسی وقت ظاہر کرنا تھا اس لئے ابھی اجنبی کی صورت میں تمام کلام ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے والد اور بھائی کا حصہ بھی طلب کیا تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ ہی دیتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے والد اور بھائی کے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں وہ تو آنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے البتہ ہمارا چھوٹا بھائی باپ کی خدمت گزاری کے لئے ہی گھر رہ گیا ہے۔

آپ نے فرمایا: اس مرتبہ تو میں ان کا غلہ بھی تمہیں دے رہا ہوں لیکن آئندہ تم اپنے بھائی کو بھی ساتھ لانا، کیا تم دیکھتے نہیں ہو میں کتنا شفیق اور مہربان عادل ہوں؟ کہ پیما نے بھر بھر کر دیتا ہوں اور کتنا بڑا مہمان نواز ہوں، لیکن یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر آئندہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو تمہیں بھی غلہ نہیں ملے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۸ ص ۱۶۶، ۱۶۷)

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی رقم واپس کر دی:

﴿وَقَالَ لِفَتْنِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۶۲)

اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ چپکے سے رکھ دو ان کی پونجی ان کی خورجیوں میں شاید کہ وہ اسے پہچانیں جب اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں شاید وہ واپس آئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی پونجی لوٹادی تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا اِیْ يَعْرِفُوْنَ حَقَّ رَدِّهَا﴾



کہ جب سامان کھولیں گے تو پونجی اس میں دیکھ کر واپس آئیں گے، کیونکہ وہ نبی کے بیٹے ہیں ایمان والے ہیں اور وہ واپس لوٹانا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے پھر آئیں گے

” قال افرا انهم متی شاهدوا بضاعتهم فی رحالهم وقع فی قلوبهم انهم وضعوا تلك البضاعة فی رحالهم علی سبیل السهو وهم اولاد الانبیاء فرجعوا ليعرفوا السبب فیہ اور رجعوا ليردوا المال الی مالکھ“

(کبیر ج ۱۸ ص ۱۶۹)

فراء نے کہا کہ پونجی واپس کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی پونجی کو اپنے سامان میں مشاہدہ کریں گے تو ان کے دل میں یہ آئے گا کہ شاید انہوں نے بھول کر نہ رکھ دیا ہو وہ حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے واپس آئیں گے یا وہ مال واپس لوٹانے کے لئے آئیں گے کیونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو گھر کے حالات کا پتہ چل گیا تھا تو آپ کی شان کے لائق نہیں تھا کہ آپ اپنے بھائیوں اور والد مکرم سے رقم لے کر غلہ دیں۔

” لانه وجب علیہ السلام صلتهم وجبرهم فی تلك الشدة اذ هو ملك عادل وهم اهل ایمان ونبوة“

اس لئے کہ آپ عادل بادشاہ تھے اور آپ کے بھائی ایمان والے تھے اور خاندان نبوت تھے۔ آپ پر واجب ہو چکا تھا کہ آپ اپنے اقرباء سے صلہ رحم کریں اور مشکل حالات میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔

(ماخوذ از روح المعانی ج ۷ حصہ دوم ص ۱۰)

چھوٹے بھائی کو ساتھ لیجانے کی باپ کے حضور درخواست :

﴿ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ، قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِنَنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴾

(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۶۵، ۶۶)



اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو لوٹادی گئی ہے بولے اے ہمارے باپ اب ہم اور کیا چاہیں یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی اور ہم اپنے گھر کے لئے غلہ لائیں اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ پائیں یہ دینا بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں۔ کہا : میں ہر گز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا یہ عہد نہ دے دو کہ ضرور اسے لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم گھیرے میں آ جاؤ پھر جب انہوں نے یعقوب (علیہ السلام) کو عہد دیا اللہ کا ذمہ ہے ان باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ہماری پونجی بھی واپس کر دی گئی ہے امید ہے کہ واپس نہیں لے گا اگرچہ ہمیں جا کر پتہ کرنا ہے کہ واپس کرنے کا سبب کیا ہے؟ لیکن اگر ہم چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لے گئے تو ہمیں غلہ نہیں ملے گا اسلئے ہمارے ساتھ بھائی کو بھیج دو ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا : کہ تم نے تو پہلے یوسف کی ذمہ داری بھی اٹھائی تھی، توجہ طلب مقام یہ ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کا حال دیکھا ہوا تھا پھر بنیامین کو ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ بڑی عمروں کے ہو چکے تھے نیکی کی طرف مائل ہو چکے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بنیامین سے حسد کینہ بھی نہیں رکھتے تھے قحط کی وجہ سے غلہ لانے کی محتاجی بھی تھی اور یوسف علیہ السلام نے بنیامین کے بغیر غلہ دینے سے بھی انکار کر دیا تھا اسلئے آپ نے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی۔

”لعلہ تعالیٰ اوحی الیہ وضمن حفظہ وایصالہ الیہ“

کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ ساتھ بھیج دیں میں اس کی حفاظت کروں گا اور آپ تک اسے واپس پہنچا دوں گا۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا :

﴿فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر نگہبان ہے۔



بعض حضرات نے کہا کہ آپ کے اس اس ارشاد کا مطلب یہ تھا :

” وثقت بکم فی حفظ یوسف علیہ السلام فکان ما کان فالآن اتوکل علی اللہ فی حفظ بنیامین “

کہ میں نے پہلے تمہارے قول پر بھروسہ کر لیا تھا کہ تم یوسف (علیہ السلام) کی حفاظت کرو گے اس میں جو ہوا سو ہوا اب میں تمہاری باتوں کا تو کوئی اعتبار نہیں کرتا کہ تم بنیامین کی حفاظت کرو گے البتہ میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے کر تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔ مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو وثوق دلایا گیا تھا کہ میں اس کا محافظ ہوں۔

(کیر ج ۱۸ ص ۱۶۹، ۱۷۰)

بیٹوں کو بھیجتے وقت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدابیر :

﴿ وَقَالَ يَبْنَىٰ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ، وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

(پ ۱۲ سورۃ یوسف ۶۷، ۶۸)

اور کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور جدا جدا دروازوں سے جانا اور میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا، حکم تو سب اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے حکم دیا تھا، اور وہ کچھ انہیں اللہ کی تقدیر سے نہ بچا سکے ہاں یعقوب کے نفس میں یہ ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ صاحب علم ہے ہمارے سکھائے سے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظربد سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر کے طور پر انہیں فرمایا کہ



ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ تمہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ تمام بڑے قد آور بہادر اور خوبصورت تھے اور تعداد بھی خاصی یعنی گیارہ بھائی تھے۔ تمام متقدمین مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت کریمہ سے مراد یہی ہے۔

**فائدہ:** نظر کے اثرات کا حق ہونا اور ان سے بچاؤ کے لئے دعائیہ کلمات احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔  
رسول اللہ ﷺ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ مبارکہ سے دم فرمایا کرتے تھے۔

”أَعِذُّكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ“  
ان کلمات سے ہی حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام بھی دم کیا کرتے تھے۔  
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صبح حاضر ہوا آپ کو شدید تکلیف تھی پھر میں پچھلے پہر حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کو آرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے تھے انہوں نے ان الفاظ طیبہ سے مجھے دم کیا۔

”بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ وَحَاسِدٍ اللَّهُ يَشْفِيكَ“  
تو مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بچے خوبصورت سفید رنگ کے تھے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ان بچوں کو جلدی نظر لگ جاتی ہے اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں انہیں نظر کا دم کر دیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں یعنی ٹھیک ہے تم ان کو دم کر دیا کرو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بچہ کو بہت تکلیف ہے انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اسے نظر لگ گئی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے دم کیوں نہیں کراتے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”العين حق ولو كان شيء سابق القدر لسبقته العين القدر“



نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاسکتی تو نظر کا اثر سبقت لے جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ اس شخص کو وضو کرنے کا حکم فرماتے جس کی نظر لگی ہو پھر وہ پانی جو اس کے اندام سے گرتا اسے اس شخص پر ڈالنے کا حکم دیتے جس کو نظر لگی ہوتی۔ جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کی نظر لگتی ہو تو وہ کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے اچھی لگے تو یہ پڑھے :

”تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ اللَّهُمَّ بَارِكْ فِيهِ“

نظر کا لگنا اس سے بچاؤ کی تدابیر، یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا حکم دیا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وجہ یہ تھی کہ بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے علیحدگی میں ملاقات ہو جائے، کیونکہ :

”انه عليه السلام كان عالما بان ملك مصر هو ولده يوسف الا ان الله تعالى ما اذن له في اظهار ذلك“

حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ مصر کا بادشاہ آپ کا بیٹا یوسف ہے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے اظہار کی اجازت نہیں فرمائی تھی۔

(کبیر ج ۱۸ ص ۱۷۲، ۱۷۴)

تنبیہ :

”فاعلم ان الانسان مامور بان يراعى الاسباب المعتبرة في هذا العالم ومأمور ايضا بان يعتقد ويحزم بانه لا يصل اليه الا ما قدره الله تعالى“

بے شک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس عالم میں ظاہری اسباب کو حاصل کرے لیکن انسان کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ یہی عقیدہ رکھے کہ اسباب بھی اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں



جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔

”وان الحذر لا ینجی من القدر فان الانسان مامور بان یحذر عن الاشياء المہلکة والاغریة الضارة ویسعی فی تحصیل المنافع ودفع المضار بقدر الامکان“

انسان یہ بھی عقیدہ رکھے کہ کسی نقصان دہ چیز سے بچنا اور دور رہنا تقدیر سے نجات نہیں دے سکتا لیکن پھر بھی انسان کے لئے حکم یہی ہے کہ وہ ہلاک کرنے والی چیزوں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچے منافع حاصل کرنے میں جتنا ممکن ہو سکے کوشش کرے اور نقصان دہ اشیاء سے دور رہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ جاننے کے باوجود کہ تمام چیزوں میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ظاہری اسباب پر عمل کیا۔

”والحق ان العبد یجب علیہ ان یسعی باقصی الجهد والقدرة وبعد ذالك السعی البلیغ والجد الجہید فانه یعلم ان کل ما یدخل فی الوجود فلا بد وان یكون بقضاء اللہ تعالیٰ ومشیتہ وسابق حکمہ وحکمته“

حق مذہب یہی ہے کہ انسان منافع و مقاصد کے حاصل کرنے میں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی تدابیر میں بہت زیادہ کوشش کرے جتنی اسے طاقت حاصل ہے اس میں کوتاہی نہ کرے، لیکن اپنی طرف سے بہت بڑی کوشش کرنے کے بعد یقین یہی رکھے کہ منافع کا حاصل ہونا یا نہ ہونا ضرر انداز چیزوں کا مؤثر ہونا یا نہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اسکی مشیت پر موقوف ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔

(کبیر ج ۱۸ ص ۱۷۵)

بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات :

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا



(ب ۱۲ سورۃ یوسف ۶۹)

اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام کے پاس تو یوسف علیہ السلام نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ تمام بھائی پھر مصر میں آئے ہیں اب اپنے ساتھ بنیامین کو بھی لائے ہیں۔ تو.....

﴿اكرمهم وانزلهم واحسن نزلهم ثم اضافهم﴾

..... آپ نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی، ان کو شاہی مہمان خانوں میں رہنے کی جگہ کا حکم دیا اور ان کی مہمان نوازی بہت اچھی طرح سے کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ سے ملاقات کے دوران بتایا یہ وہ ہمارا بھائی ہے جسے آپ نے لانے کا حکم دیا تھا ہم ساتھ لئے آئے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا تم نے اچھا کیا ہے۔ اب میرے پاس بھی جو غلہ ہے وہ دینے میں کوئی کسر نہیں ہوگی۔ بھائیوں نے آپ کو اپنے باپ کا پیغام بھی دیا کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو الوداع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ کو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا

﴿ان ابانا یصلی علیک ویدعوک ویشکر صنیعک معنا﴾

کہ ہمارے باپ آپ کے لئے دعا کر رہے تھے آپ پر رحمتیں نچھاور کر رہے تھے اور آپ نے جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے وہ اس کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔

اور ساتھ ہی اسی مضمون کا ایک خط بھی دیا خط کو پڑھتے ہوئے یوسف علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے، لیکن اپنے جذبات کو قابو میں رکھتا کہ بھائیوں پر کچھ بات ظاہر نہ ہو۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ابھی ظاہر کرنے کا حکم نہیں تھا۔ آپ نے اپنے بھائیوں کی دعوت کی، غلاموں کو حکم دیا کہ دسترخوان کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ دو دو بھائی ایک ساتھ بیٹھیں۔ اس ترتیب سے بٹھانے پر بنیامین اکیلے رہ گئے، رونے لگے اور کہنے لگے کہ کاش! آج میرا یوسف زندہ ہوتا تو مجھے ساتھ بٹھاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا یہ بھائی اکیلا رہ گیا ہے، انہوں نے کہ اس کا (سگا) بھائی ہلاک ہو



گیا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا اچھا میں ہی اسے اپنے ساتھ بٹھالیتا ہوں، آپ نے بنیامین کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ رات کو سونے کے لئے دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ دے دو، آرام کے وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ کا یہ بھائی اکیلا ہے اسے میرے پاس ہی چھوڑ جاؤ میں اسے اپنے کمرہ میں سلا لیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ اپنے بھائی پر بہت افسوس کرتا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

”الا تحب ان اکون اخاک بدل اخیک الہالک“

کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے فوت شدہ بھائی کے بدلے میں ہی تمہارا بھائی بن جاؤں بنیامین نے روتے ہوئے کہا:

”من یجد اخا مثلك ولکنک لم یلدک یعقوب ولا راحیل“

تمہارے جیسا بھائی کسے ملے گا؟ یعنی اتنے شفیق اور مہربان ہو، وہ شخص کتنا ہی خوش بخت ہوگا جسے تمہارے جیسا بھائی مل جائے، لیکن تم راحیل اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تو نہیں ہو۔ میں تو اس کے لئے رو رہا ہوں جو میرے باپ اور میری ماں کا بیٹا تھا۔ آپ علیہ السلام کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام بھی رونے لگے۔ اٹھے اور بھائی کو گلے لگالیا۔ اب پہچان کرانے کا وقت آچکا تھا اسلئے اپنے بھائی کو بتایا:

﴿إِنِّیْ اَنَا اَخُوْکَ﴾

بے شک میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو اپنے حالات سے مطلع کیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾

نہ غمزدہ ہو جو یہ کیا کرتے تھے۔



اصل میں یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ بھائی کے دل میں دوسرے بھائیوں کے خلاف ذہن میں کوئی بات نہ رہے، کیونکہ :

”ما بقی فی قلبہ شئی من العداوۃ و صار صافیا مع اخوتہ“

آپ کے دل میں بھائیوں کے خلاف کوئی عداوت باقی نہیں تھی، آپ علیہ السلام کا دل بھائیوں کے حق میں مکمل صاف ہو چکا تھا، دراصل اب بھائی بھی وہ جوانی کی عمر والے حاسد یا ظالم نہیں تھے، بلکہ وہ بھی کافی حد تک نیک ہو چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو شروع سے ہی بھائیوں کے حق میں دعاء گو تھے۔

(روح المعانی ج ۷ حصہ دوم ص ۲۳، کبیر ج ۱۸ ص ۱۷۷، ۱۷۸)

بنیامین کو پاس رکھنے کا حیلہ :

﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ، قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ، قَالُوا نَفَقْدُ صُوعًا مَلِكٍ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ، قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ، قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ، قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَالِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ، فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۷۰، ۷۶)

پھر جب ان کو سامان مہیا کر دیا پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں رکھ دیا پھر ایک ندا دینے والے نے ندا دی اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو ان کی طرف توجہ کر کے انہوں نے کہا تمہاری کون سی چیز گم ہوئی ہے بولے بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو اسے لائے گا اس کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا : خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں، بولے پھر کیا سزا ہے اس کی



اگر تم جھوٹے ہو؟ انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں ملے وہی اس کے بدلے غلام بنے، ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف علیہ السلام کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اسے اپنے بھائی کی خورجی سے نکال لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی، بادشاہی قانون کے مطابق انہیں کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

جو پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھا گیا تھا وہ بادشاہ کے یا جانوروں کے پانی پینے میں استعمال ہوتا تھا اور اس سے غلہ ناپنے کا کام بھی لیا جاتا تھا، اتنا قیمتی تھا جس سے چوری کی خصوصی حد نافذ ہو سکتی تھی۔

(کبیر)

وہ پیالہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے رکھا گیا آپ ہی اس وقت حکمران تھے وہ پیالہ آپ کے زیر تصرف ہی تھا :

”انه عليه السلام لم يباشر الجعل بنفسه بل امر احدا فجعله“

(روح المعانی)

بیٹھک حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ پیالہ خود نہیں رکھا تھا بلکہ آپ نے کسی خادم کو حکم دیا تھا جس نے وہ رکھا تھا۔

آپ کے حکم دینے کی وجہ سے آپ کی طرف منسوب ہوا، یہ پیالہ بنیامین کو بتا کر ان کی مرضی سے رکھا گیا تھا اس لئے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا بھی کہ والد مکرم پہلے میری جدائی سے پریشان ہیں تو اب تمہاری جدائی سے اور زیادہ پریشان ہوں گے لیکن وہ پھر بھی وہاں رہنے پر بضد تھے حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامن کو بتایا کہ اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی حیلہ ہے کہ تمہارے سامان میں پیالہ رکھ کر اس کے بدلے تمہیں یہاں رکھا جائے۔

(کبیر)

﴿فرضی بان یقال فی حقہ ذالک﴾

تو بنیامین نے رضا مندی کا اظہار کیا کہ میرے متعلق جو بھی کہا جائے مجھے منظور ہے لیکن



میں یہاں ہی رہوں گا۔

جس طرح ہماری شریعت میں چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اس طرح یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں اس شخص کو مال کے بدلے غلام رکھا جاتا۔ مصر کے بادشاہی قانون میں چور کو مارا جاتا تھا اور مال کے بدلے دو گنا مال وصول کیا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حیلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق کیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کیونکہ رب نے خود فرمایا:

﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ﴾

یہ حیلہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سکھایا۔

اور جس شخص نے آواز دے کر یہ کہا تھا کہ اگر کوئی شخص وہ پیالہ ڈھونڈ کر لائے گا تو اسے بطور انعام ایک اونٹ کا بوجھ دیا جائے گا اس نے بھی آپ کے حکم سے ہی یہ اعلان کیا تھا:

”وندائہ بامر یوسف علیہ السلام“

اس کا یہ آواز دینا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھا۔

اہل مصر جانتے تھے کہ یہ قانون مصر کا نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کا منشا بھی یہ نہیں تھا کہ بھائیوں کو چوری کے الزام میں متہم کیا جائے، اسلئے آپ نے اپنے خادم کو سب کچھ بتایا ہوا تھا، تمام کام آپ کے حکم سے ہو رہا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لے کر نکلے تو پیچھے سے ان کو پکار کر کہا گیا اے قافلہ والو!

﴿إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ﴾ بے شک تم چور ہو اس کلام کا مطلب بھی ظاہر پر مبنی نہیں۔

”ان ذالك المؤذن ربما ذكر ذالك النداء على سبيل الاستفهام“

آواز دینے والے نے یہ کلام بطور استفهام کیا؟

(کبیر)

قرآن پاک میں کئی مقام پر ایسا کلام مذکور ہے جہاں صرف استفهام پوشیدہ ہوتا ہے کہنے والے کا



مطلب یہ تھا اے قافلہ والو کیا تم چور تو نہیں ہو؟ یہ کوئی الزام نہیں تھا بلکہ سوال تھا۔ اگر قافلہ والوں پر وہ اپنی طرف سے ہی آکر ان پر الزام عائد کرتے تو ان سے پوچھنے کا انہیں کیا اختیار تھا؟ کہ اگر تم چور نکلے تو تمہاری سزا کیا ہے؟ سزا تو ان کو مصری قانون کے مطابق دینی چاہیے تھی۔

بنیامین کے سامان سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کو کھولنا بھی اتفاقی نہیں تھا بلکہ اراداً تھا علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”والمفتش حقيقة اصحابه بامرہ بذالك قبل تفتيش وعاء اخيه بنيامين لنفي التهمة“

(روح المعانی)

تفتیش کرنے والے درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام کے اصحاب یعنی خدام تھے جو آپ کے حکم سے ہی سب کام کر رہے تھے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تفتیش پہلے ہی کی گئی تھی کہ اگر سب سے پہلے بنیامین کا سامان کھولا گیا تو تہمت ہم پر آئے گی اور تمام حیلہ ہی بے کار چلا جائے گا۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے پوچھا گیا کیا تم چور تو نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ﴾

ب ۱۳ سورۃ یوسف ۷۳

خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

آپ کے بھائی قسم اٹھا کر کیوں یہ نہ کہتے جبکہ اب وہ نیک تھے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے والے زمانہ کی طرح نہیں تھے..... وہ بھی حسد کی وجہ سے ہوا، ورنہ اس وقت بھی وہ کسی کامال نہیں کھاتے تھے۔ اور تمام اعمال ان کے اچھے تھے، صرف یوسف علیہ السلام کو حسد کی وجہ سے کنوئیں میں پھینکنے والا جرم سرزد ہوا تھا..... اب تو ان کے احوال سے واضح تھا کہ یہ کسی کے مال میں تصرف نہیں کرتے نہ کسی کامال کھاتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی کھیتوں میں اپنے جانور چھوڑتے ہیں۔

یہاں تک کہ اگر ان کو کسی کاشت شدہ کھیتی سے گزر ہوتا تو اپنے جانوروں کے منہ باندھ دیتے تھے



تاکہ وہ کسی کی کھیتی کو برباد نہ کریں اور ہمیشہ نیکی کے کاموں میں مشغول رہتے جن لوگوں کی یہ صفات ہوں وہ کیسے زمین میں فساد پھیلا سکتے ہیں خاص کر دوسرے ملک میں، جہاں انہیں اپنی عزت کے پاس کرنے کی زیادہ ضرورت تھی جبکہ وہ یہ بتا بھی چکے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ پہلی دفعہ جب ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ کر واپس لوٹادی گئی تھی تو وہ اسے واپس لے آئے تھے بھلا چور بھی ایسے کام کر سکتا ہے۔

(کبیر)

## پریشانی میں بھائیوں کا کلام :

﴿ قَالُوا اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اخٌ لَّهِ مِنْ قَبْلُ فَاَسْرَهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۷۴)

بھائی بولے : اگر یہ چوری کرے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے تو یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی ، جی میں کہا تم بدتر جگہ ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں بناتے ہو۔

بھائیوں کو پورے معاملہ کا کوئی علم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام یہی ہیں جو مصر کے بادشاہ ہیں اور بیامین کو بتا چکے ہیں اور ان کو اپنے پاس رکھنے کا صرف یہ حیلہ اور بہانہ ہے

بیامین کے سامان سے جب پیالہ نکلا تو نبی کے بیٹوں پر دوسرے ملک میں اس قسم کی بدنامی کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا؟ یہ محتاج بیان نہیں۔ ہر انسان کی عقل کام کر سکتی ہے کہ ایسے وقت کتنی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ انسان کو زمین و آسمان ایک نظر آتے ہیں۔ متقی انسان کا صرف تہمت کی زد میں آنا ہی پریشان کن ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دیارِ غیر میں جہاں لوگ انہیں فرشتہ سیرت سمجھتے ہوں وہاں ایسی مصیبت آجائے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان بہت خوشی میں اور بہت پریشانی میں جو کلام کرتا ہے اس میں اعتدال نہیں ہوتا، صرف نبی کا یہ مقام ہے کہ اس کا کلام ہر وقت ”اعتدال“ پر رہتا ہے۔



بھائیوں نے یہ سمجھا کہ شاید بیامین نے واقعی چوری کر لی ہے اس پر پریشان ہو کر اعتدال سے دور کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس نے چوری کر لی ہے تو اس کے بھائی نے بھی ایک مرتبہ چوری کر لی تھی۔

### یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام کیسے؟

یوسف علیہ السلام کا نانا بت پرست تھا آپ ایک مرتبہ اپنے نانا کا ایک سونے کا بنا ہوا بت جو لعل و جواہر سے مزین تھا اٹھالائے اور اسے توڑ دیا نانا کے بت کو لانے میں آپ کی والدہ کا مشورہ کارگر تھا، کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں۔ آپ کا بت کو چپکے سے لانا اور اسے توڑ دینا عبادت تھا، کوئی چوری کا کام نہیں تھا، لیکن بظاہر آپ کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا تھا۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کے زیر کفالت تھے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں، وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں، اتنی محبت انہیں خاندان میں کسی اور سے نہیں تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب ان سے مطالبہ کیا کہ اب یوسف علیہ السلام میرے حوالے کر دو تو انہوں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، میں اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی، میرے پاس کچھ دن رہنے دو میں آہستہ آہستہ کوشش کروں گی کہ مجھے اس کے بغیر تسلی حاصل ہو جائے۔ پھر میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے ایک کمر بند حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا وہ کمر بند حضرت اسحاق علیہ السلام کا تھا جو آپ کو بڑی ہونے کی وجہ سے بطور وراثت ملا تھا۔

آپ نے فرمایا میرے باپ کا کمر بند گم ہو گیا ہے ذرا تلاش کرو کون لے گیا پھر آپ نے کہا گھر میں ہی تلاش کرو ممکن ہے گھر کے کسی فرد نے ہی نہ لے لیا ہو دور ان تفتیش وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مل گیا جو آپ کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا گیا تھا

پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا کہ یوسف نے میرے باپ کا کمر بند لے لیا تھا اس لئے اب اسے میرے پاس ہی رہنا ہو گا اس طرح وہ اپنی پوری زندگی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس



رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھیں عین ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام بھی جانتے ہوں کہ میری بڑی بہن نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے کا حیلہ کیا ہے لہذا ان کے پاس ہی رہنے دیا جائے

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس بات کو پردے میں ہی رکھا کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا اسی طرح بھائیوں کے اس کہنے کو کہ اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی ابھی کسی کو نہ بتایا دل میں ہی بات کو رکھا ابھی تک یہ واضح نہ کیا کہ میں یوسف ہوں اور بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا ایک حیلہ کر رہا ہوں تمام باتوں کو آپ نے دل میں ہی رکھ کر بھائیوں کو عزت و تکریم سے مع سامان لوٹانے کا حکم فرمایا۔

(ماخوذ از روح المعانی، تفسیر کبیر)

بنیامین کو بازیابی کی درخواست مسترد :

﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ، قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذَا ظَلَمُونَ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۷۸، ۷۹)

انہوں نے کہا : اے عزیز اس کے باپ بہت بوڑھے ہیں تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ لے لو بے شک ہم تمہارے احسان دیکھ رہے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ ہم تو صرف اسی کو لیں گے جس کے پاس ہمارا سامان ملا۔ (اگر ہم کسی اور کو لیں) تو ہم ظالم ہوں گے۔

اگرچہ بھائی پہلے بتا چکے تھے اگر کسی سے پیالہ برآمد ہو جائے تو وہ غلام بن جائے گا لیکن ان کی شریعت میں معاف کرنا اور فدیہ دینا بھی جائز تھا، اس لئے انہوں نے کہا : کہ اس کے باپ بڑی عمر کے اور عظیم مرتبہ کے مالک ہیں ؛ اس لئے یہ معاف کرنے کے قابل ہے یا اس کا فدیہ لے لیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا جائے، جب ہم فدیہ دے دیں گے تو اپنے پاس رہن رکھے ہوئے بھائی کو چھڑالیں گے۔ یا اسے معاف کر دیا جائے اور ہم میں سے کسی ایک کو غلام بنا لیا جائے۔ آپ کا معاف فرما دینا ہم پر بہت بڑا احسان ہو گا۔ ہم آپ کے پہلے بھی احسان دیکھ چکے ہیں ؛ کیونکہ آپ نے پہلے ہماری پونجی بھی واپس لوٹا دی، غلہ بھی دیا، عزت و تکریم سے اپنے پاس بلایا، مہمان نوازی کی، شاہانہ



مکانوں میں رہنے کی جگہ دی، کتنے ہی احسان آپ کے ہمارے سامنے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے دو ٹوک الفاظ میں مختصر جواب دیا: ہم تو صرف اسے اپنے پاس رکھیں گے جس سے ہمارا سامان ملا ہے، دوسرے کو اپنے پاس رکھ کر ظالم نہیں بن سکتے۔

اور حقیقتاً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا تھا، ابھی یعقوب علیہ السلام کو اور امتحان میں مبتلا کرنا مقصود تھا اسلئے معاف نہیں کیا۔ معاف تو تب کیا جاتا جب کوئی جرم ہوتا، جب جرم ہی نہیں تھا تو معاف کرنے کا مقصد ہی کچھ نہیں تھا۔

”لعلہ تعالیٰ امرہ بذالک تشدیداً للمحنة علی یعقوب علیہ السلام ونہاہ عن

العفو والصفح و اخذ البدل“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ ابھی معاف نہیں کرنا درگزر نہیں کرنا اور کوئی بدلہ نہیں لینا کیونکہ یعقوب علیہ السلام کو ابھی اور شدید محنت میں مبتلا کرنا ہے۔

(کیرج ۱۸، ص ۱۸۶)

بڑے بھائی کا مصر میں رہنا اور دوسروں کو واپس بھیجنا:

﴿ فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ، ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمَنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ، وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۸۰، ۸۲)

پھر جب اس سے ناامید ہوئے، الگ جا کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کا بڑا بھائی بولا کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لے لیا تھا؟ اور اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے حق میں ہم نے کیسی تقصیر کی؟ تو میں یہاں سے نہ ہٹوں گا یہاں تک کہ میرے باپ اجازت دیں، یا اللہ مجھے حکم فرمائے۔ اور اس کا حکم سب سے بہتر ہے۔ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ پھر عرض کرو: اے ہمارے باپ بے شک آپ کے بیٹے نے



چوری کی۔ اور ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہونے تھے جتنی ہمارے علم میں تھی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور اس۔ سے پوچھ دیکھئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور ہم بے شک سچے ہیں۔

ابتدائی طور پر جب بھائیوں کی اپیل یوسف علیہ السلام نے رد فرمادی تو یہود اخصہ میں آگیا اور یہ جب غصہ میں آتا تھا تو اس کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے، اگر غصہ کے حال میں یہ چیخ مارتا تو حاملہ عورتوں کے حمل گر جاتے۔ اس وقت تک اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی کوئی شخص اس کے جسم کو ہاتھ نہ لگاتا۔ اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کو کہا تم بازار کے لوگوں سے مقابلہ کرو، انہیں میرے قریب نہ آنے دو میں عزیز مصر سے مقابلہ کرتا ہوں میں اسے آپ کے قریب نہیں آنے دوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا کہ جا کر اس کے جسم کو چھو دو جب اس نے یہود اس کے جسم کو ہاتھ لگایا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

جب یہ لوگ بنیامین کو چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؛ کیونکہ اپنے والد مکرم سے بہت پختہ وعدہ کر کے اور بڑا وثوق دلا کر بنیامین کو لے گئے تھے اور پہلے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ان پر تہمت عائد ہو چکی تھی کہ تم جھوٹے ہو، اب بہت پریشان تھے کہ اگر اب اسی طرح واپس جاتے ہیں تو باپ بہت زیادہ پریشان ہوں گے اور یہ بات بھی مد نظر تھی کہ گھر والے غلہ کے لئے محتاج ہیں، واپس جانا بھی ضروری ہے اور اگر سب نہیں جاتے تو باپ خیال کریں گے کہ کہیں سب فوت تو نہیں ہو گئے اور اگر بنیامین کے بغیر سب واپس لوٹتے ہیں تو اپنے باپ کو کیسے منہ دکھائیں گے؟ آخر کار سب سے بڑے نے کہا تم چلے جاؤ میں نہیں جاتا یا تو مجھے باپ اجازت دیں تو واپس جاؤں گا یا اللہ کوئی فیصلہ فرمادے۔ سب سے بڑے سے مراد یا تو ”شمعون“ ہے کہ سب کارئیم تھا اور یا مراد ”روہیل“ ہے کہ یہ عمر میں سب سے بڑا تھا اور یا اس سے مراد ”یہودا“ ہے جو عقل و دانش میں سب سے بڑا تھا۔

زیادہ مشہور یہی ہے کہ یہ ”یہودا“ ہی تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے سے



بھی چایا تھا ، اس نے کہا تم جا کر باپ کو بتاؤ تمہارے بیٹے نے چوری کر لی ہے یعنی اس کی طرف چوری کو منسوب کر دیا گیا ہے ، آپ بستی سے پوچھ لیں یا قافلہ والوں سے پوچھ لو ہم سچے ہیں۔ ہمارے سامنے تو جوابات آئی ہے وہی بیان کر رہے ہیں ، بستی سے پوچھنے کا مقصد یہ تو یہ ہے کہ لفظ ”اہل“ محذوف ہے یعنی بستی والوں سے پوچھ لو۔ اور یا مقصد یہ ہو سکتا ہے :

”واسئل القرية والعیروالجداروالحیطان فانها یجیبك وتذكر لك صحة ما ذکرناه لانك من اکابر انبیاء الله فلا یبعد ان ینطق الله هذه الجمادات معجزة حتی تخبر بصحة ما ذکرنا“

(کبیرج ۱۸ ص ۱۹۰)

آپ (علیہ السلام) جانوروں دیواروں وغیرہ سے پوچھئے یقیناً وہ آپ کو جواب دیں گے اور بتائیں گے کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں بے شک آپ تو اکابر انبیائے کرام سے ہیں جمادات کو اللہ آپ سے کلام کرنے کی توفیق عطا فرمادے کوئی بعید نہیں اور آپ کا یہ معجزہ ہو گا یقیناً یہ جمادات بھی ہمارے سچے ہونے کے متعلق آپ کو بتائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا :

﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِیلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ یَأْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیعاً إِنَّهُ هُوَ الْعَلِیمُ الْحَکِیمُ ، وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ یَا أَسْفَىٰ عَلَىٰ یُوسُفَ وَأَبْیَضَتْ عَیْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیمٌ ﴾

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ بتادیا ، پس صبر اچھا ہے ، قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملائے بے شک وہی علم و حکمت والا ہے ، اور (آپ نے) ان سے منہ پھیرا اور کہا : ہائے افسوس ! یوسف کی جدائی پر اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں اور وہ غصہ کھاتے رہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے کلام کو رد کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ حیلہ بنا رہے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے مصر کا بادشاہ میرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس غلام بنالے ؟ جبکہ اس کے قانون



میں یہ ہے ہی نہیں کہ کسی کو چوری کے الزام میں غلام بنایا جائے۔

آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر غم کھا رہے ہیں، حالانکہ تازہ غم بنیامین کا ہے۔ اس کی ایک وجہ پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمادیا تھا کہ مصر کا عزیز یوسف علیہ السلام ہے، لیکن ابھی ظاہر کرنے کا وقت نہیں تھا۔

دوسری وجہ علامہ آلوسی نے بیان فرمائی کہ اصل مصیبت و غم یوسف علیہ السلام کا ہی تھا، باقی غم اس کے اوپر مرتب ہو رہے تھے، مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم ہی کافی تھا ابھی تو وہی تازہ ہے یہ اور غم اس پر مرتب ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ بنیامین اور یہودا کے متعلق تو ظاہر طور پر معلوم تھا کہ وہ زندہ و سلامت مصر میں ہیں، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر کے بادشاہ و ہونے کے ظاہر نہیں کرنا تھا، لیکن معلوم تھا اسلئے کہا یوسف پر افسوس ہے۔ خود بھی جدا ہے اور بنیامین اور یہودا کو بھی جدا کرنے کا سبب بن گیا۔

آپ علیہ السلام اسی غم میں بالکل خاموش رہنے لگے جس طرح غصہ سے بھرا ہوا شخص اپنے منہ پر خاموشی کی مہر لگا لیتا ہے کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔

## یعقوب علیہ السلام کے رونے کی عجیب حکمت!

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل المرتبت پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اتنا وارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رور و کر آنکھیں سفید کر دینا آپ کے شایان شان معلوم نہیں ہوتا علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت نے اس خلش کو یہ کہہ کر دور کیا ہے کہ حسن یوسف کو آپ کے لئے جمال الہی کا آئینہ بنا دیا گیا تھا وہ اس طلعت زیبا کے آئینہ میں تجلیات الہیہ کا مشاہد فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام آپ کی نگاہوں سے او جھل ہو گئے تو انوار خداوندی کی لذت دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے۔



”واختار بعض العارفين ان ذالك الاسف والبكاء ليسا الا بفوات ما انكشف له عليه السلام من تجلی الله في مرأة وجه يوسف عليه السلام“

(روح المعانی)

اس کے بعد علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں :

”ولعمری انه لو كان شاهد تجلیه تعالیٰ فی اول التعینات وعین اعیان الموجودات ﷺ ما رای ولما عراه ماعرا“

(روح المعانی)

یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخر موجودات محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انہیں حسن یوسف یاد ہی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا۔

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا اور بڑے اور عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن انوار الہیہ کی جلوہ گاہ تھا اس کے بعد مجدد الف ثانی کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس مرئی اور مبداء تعین، اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے، جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر ہے اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبت ہوتا ہے کہ اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں اسی لئے حضور نبی رحمت ﷺ کے کمال حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں حضور کا حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہو گا اس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن ”حسن محمدی“ ہی ہے اور جمال ”جمال احمدی“ ہی ہے۔

﴿وللعلم حسن و جمال لا کیفیة له فلاجل کمال لطافته و علو درجته تجلی فی (سیدنا) محمد ﷺ من الحسن والجمال ما لاتدرکه الابصار و سیظهر حسنه و جماله ﷺ فی الآخرة فیوسف علیہ السلام وان سلم له فی الدنيا ثلثی الحسن لکن فی الآخرة الحسن حسن محمدی والجمال جماله ﷺ﴾

اس کے بعد حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف



حضرت یعقوب علیہ السلام اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے حسن و جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا ہے :

”کان حسن یوسف بحیث احبه یعقوب والخلائق وکان حسن محمد ﷺ بحیث احبه رب یعقوب والخلائق جل جلاله“

حضرت مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصوف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر ہے۔ میں نے عام فہم انداز میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدعا اور خلاصہ پیش کیا ہے تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

(ضیاء القرآن)

یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں آپ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا :

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ،  
قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْ بَنِيَّ وَحُزْنِيْ اِلٰى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۸۵، ۸۶)

کہا : اللہ کی قسم ! آپ ہمیشہ یوسف علیہ السلام کی یاد کرتے ہیں یہاں تک کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔ آپ (علیہ السلام) نے کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اس اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بیٹوں نے آپ سے کہا کہ آپ یوسف علیہ السلام کی یاد میں اتنا غم کرتے ہیں اور روتے ہیں آپ تو اس سے مریض ہو جائیں گے یا اسی غم میں فوت ہو جائیں گے پہلے ہی آپ اتنی مشقت اور پریشانی میں مبتلا ہیں ہمیں ڈر ہے کہ آپ کی تکلیف بڑھ جائے گی اسلئے آپ بہت غم نہ کریں اور نہ روئیں آپ نے فرمایا میں اس کا ذکر تمہارے سامنے تو نہیں کر رہا میں نے تو جس سے ذکر کرنا ہے اس سے کر رہا ہوں یعنی میری فریاد اللہ تعالیٰ سے ہے انسان جب اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ محققین کے زمرہ میں آتا ہے حضور ﷺ رب کے حضور عرض کرتے۔

”اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ“



اے اللہ تیری رضا کی پناہ تیری ناراضگی سے ہو اور تیری معافی کی پناہ تیرے غضب سے اور تیری ہی پناہ تجھ سے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے احسانات کو جو میں جانتا تم نہیں جانتے۔ ﴿وہو انہ تعالیٰ یأتی بالفرج من حیث لا احتسب فہو اشارۃ الی انہ کان یتوقع وصولہ علیہ السلام﴾

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی خوشی عطا فرمائی ہے، اسی نے غموں کو دور کرنا ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ اس سے واضح اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ملنے کی بڑی قوی امید ہے۔ رب نے جو علم مجھے دیا ہے وہ تمہیں نہیں دیا۔

(کبیر ج ۱۸ ص ۱۹۷، ۱۹۸)

## یوسف اور بنیامین کی تلاش کے لئے بیٹوں کا بھیجنا:

﴿یٰبَنِی اٰذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوسُفَ وَ اَخِیْہِ وَلَا تَاٰیَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَیْسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ، فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْہِ قَالُوْا یٰاٰیُّہَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاٰہَلُنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَۃٍ مُّزْجَۃٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۸۷، ۸۸)

اے بیٹو! جاؤ یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے سوائے کافروں کے۔ پھر جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے بولے: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں، تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے ہو تو اس کے بعد بیٹوں سے فرمایا جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو تیسرے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہودا بھی رہ گیا تھا اس لئے کہ اس کا وہاں رہنا اختیاری تھا اس کے واپس لانے میں کوئی مشکل نہیں تھی لیکن یوسف



علیہ السلام کا وہاں رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اس میں رب کی مرضی کا انتظار تھا۔

اس سے پہلے آج تک یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنے کے متعلق باپ نے بیٹوں کو نہیں کہا آج کیوں کہا؟ بنیامین کے متعلق معلوم ہے کہ وہ عزیز مصر کے پاس چوری کے الزام میں غلام ہونے کی حیثیت سے پابند ہے، پھر یہ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ کہ یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، ان کا سراغ لگاؤ۔ بس بات ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یعقوب علیہ السلام جانتے تھے وہ اور کوئی نہیں جانتا تھا، اب آپ کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ بنیامین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا پتہ بھی چل جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا وقت ختم ہونے والا ہی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“ اس سے بھی واضح ہو رہا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وقت آچکا تھا، اب یوسف علیہ السلام کی ملاقات سے راحت ہوگی۔

خیال رہے ”روح“ کا اصل معنی ہے ایسی راحت جو سانس لینے سے ہوتی ہے یا صبح کی ہوا سے جو سکون حاصل ہوتا ہے۔ بعد میں ہر قسم کی راحت و رحمت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید انسان اس وقت ہوتا ہے جب اس کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کمال پر قادر نہیں یا وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم نہیں، یا وہ یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کریم نہیں بلکہ بخیل ہے۔ یہ تمام وجوہ کافروں میں ہی پائی جاتی ہیں۔

بھائیوں نے کہا: ہم بے قدر یعنی تھوڑی مقدار میں اور جو زیادہ کھری بھی نہیں، پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہماری پونجی کو نہ دیکھیں بلکہ اپنی مہربانی کو دیکھیں، ہمیں پورا پورا ناپ کر غلہ دیں؛ کیونکہ ہمارا خاندان بہت مصیبت میں ہے۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی زبانی گھر کے حالات سنے تو آپ پر رقت طاری ہو گئی، آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ خیال رہے یہاں بھائیوں نے جو یہ کہا ”وتصدق علینا“ اس کا مطلب صدق کا مطالبہ



نہیں؛ کیونکہ جمیع انبیائے کرام اور ان کی اولاد پر صدقہ حرام تھا، تاکہ ان کی نظر مخلوق کی طرف نہ اٹھے اور ان سے کم تر نظر نہ آئیں، اسلئے یہاں اس کا معنی ہے ”ہم پر بھلائی کرو“

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب تو وہ غلہ لینے نہیں گئے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو تلاش کرنے گئے تھے، لہذا ان کا یہ کہنا کہ ”وتصدق علینا ہم پر مہربانی کرو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دو، البتہ پہلے انہوں نے بات غلہ سے چھیڑی تاکہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ اس کے احسانوں کو فراموش نہیں کر سکے باوجودیکہ ہمارے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے، لیکن پھر بھی ہمارے باپ نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔“

(از کبیر، روح المعانی)

یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا:

﴿ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ يُونُسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ، قَالُوا إِنْكَ لَاأَنْتَ  
يُونُسُفُ قَالَ أَنَا يُونُسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ  
اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۸۹، ۹۰)

یوسف (علیہ السلام) نے کہا: کہ کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم نادان تھے، انہوں نے کہا: کیا سچ مچ آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں؟ آپ علیہ السلام نے کہا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا۔ بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

”يجوز ان يقف عليه السلام بطريق الوحي والالهام على وصية ابيه وارساله اياهم للتحسس منه ومن اخيه فلما رآهم قد اشتغلوا عن ذلك قال ما قال“

(تفسیر ابی السعود ج ۴ ص ۳۰۳)

جب بھائیوں نے آکر غلہ کا مطالبہ کیا اور اشارہ سے کہا ہم پر رحم کریں، مقصد کچھ یہ بھی تھا کہ بنیامین کو چھوڑ دو۔ لیکن ظاہر طور پر نہیں کہہ رہے تھے۔ تو اللہ نے یوسف علیہ السلام کو وحی یا الہام کے ذریعے مطلع کر دیا کہ ان کو ان کے باپ نے اس لئے بھیجا ہے کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، تو آپ



نے جب یہ دیکھا کہ یہ اپنے ماجرا کو ظاہر نہیں کر رہے تو آپ نے خود ہی کلام کا آغاز کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے خود بھائیوں سے کہا وہ خط جو تمہیں باپ نے میرے لئے دیا ہے وہ مجھے دے دو۔ انہوں نے جب خط دیا جس میں تحریر تھا کہ :

”ہمارا خاندان شروع سے ہی مصائب و آلام کی آزمائشوں سے گزر رہا ہے، میں اس دادا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پوتا ہوں جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی میرا ایک پیارا بیٹا یوسف تھا جسے اس کے بھائی ساتھ لے گئے لیکن واپس آکر اس کی خون آلودہ قمیص پیش کر دی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ رورور میری آنکھوں کی پینائی ضائع ہو گئی۔ پھر اس کے دوسرے بھائی بنیامین کو غلہ لینے کے لئے یہ ساتھ لے گئے۔ چوری کے الزم میں تم نے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ ہمارے خاندان کا شیوہ چوری کرنا نہیں اور نہ ہی ہمارا خاندان چوری کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم میرے بیٹے کو واپس کر دو ورنہ میں تمہارے خلاف رب کے حضور دعا کروں گا“ یہ خط پڑھتے ہی یوسف علیہ السلام پر زیادہ رقت طاری ہو گئی۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر، کشاف، روح المعانی، ابوالسعود)

جب یوسف علیہ السلام کو بھائی کنوئیں میں پھینک رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں القاء کیا تھا: ﴿لَتَنبَيِّنَنَّهُمْ بِأَمْرِ هَذَا﴾ تم ضرور بز ضرور ان کو ان معاملات کی خبر دو گے۔ اس وقت تو یوسف علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیسے اور کس وقت اور کس حال میں بھائیوں کو بتاؤں گا؟ کہ تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آپ بچپن کی وجہ سے عاجز و ناتواں تھے اور بھائی بڑے قد آور جسم اور طاقتور تھے، لیکن آج یوسف شاہی تخت پر جلوہ گر تھے اور آپ کے بھائی بڑے ادب و احترام سے آپ سے غلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یوں کہیں کہ کل کے طاقتور آج سرپائے غمزن کر بیٹھے ہیں اور کل کا عاجز و ناتواں آج شاہی تخت کا مالک، عظیم طاقتور ہے۔

یوسف علیہ السلام اپنے خاندان کے رقت آمیز مناظر کو دیکھ کر، اپنے باپ کی پریشان حالی اور رقت آمیز خط دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کہ ”ایک دن تم نے اپنے بھائیوں کو ان کے



کارناموں کے خبر دینی ہے“ آج یوسف علیہ السلام ان الفاظ میں بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کلام شروع فرما رہے ہیں: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جب تم جاہل تھے“ کلام کی ابتداء ہی ایسے انداز سے کی کہ بھائیوں کو جب پتہ چلے کہ میں یوسف ہوں، تو وہ ڈریں نہیں، لہذا کہا: ”یہ سب کچھ تم نے نادانی اور جہالت کی وجہ سے کیا تھا“ اور نبی کبھی ان لوگوں کی کاروائیوں کا انتقام نہیں لیا کرتا جو انہوں نے بے علمی کی وجہ سے کی ہوں۔

جب آپ علیہ السلام نے بھائیوں سے پوچھا تو انہوں نے آپ کے انداز کلام سے یا آپ کے مسکراہٹ کی وجہ سے دانتوں کی چمک سے پہچانتے ہوئے پوچھا: کیا آپ یوسف تو نہیں؟ آپ نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ یعنی میری ماں کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، یعنی امتحان لینے کے بعد ہمیں یہ منصب عطا کیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ ساتھ ساتھ بھائیوں کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ اور صبر کرنے والے نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اشارہ تھا کہ اگر تم نے بھی تقویٰ حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ کا کرم تم پر ہو جائے گا۔

(ماخوذ از کبیر و روح المعانی)

## بھائیوں کی معذرت اور آپ کا معاف کرنا:

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ، قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ

الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے کہا اور بے شک اللہ نے ہم پر آپ کو فضیلت دی اور بے

شک ہم خطاوار تھے۔ آپ علیہ السلام نے کہا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف

کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

جو نبی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر کیا کہ ”میں یوسف ہوں اللہ تعالیٰ نے

ہم پر احسان کیا اور جو شخص بھی گناہوں سے پھٹتا ہے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضائع

نہیں کرتا“ تو یہ سن کر آپ کے بھائیوں نے آپ کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:



”لقد اترك الله علينا والمعنى لقد فضلك الله علينا بالعلم والحلم والعقل والفضل والحسن والملك“

اللہ نے آپ کو ہم پر علم، حوصلہ مندی، عقل، فضل و کمال، حسن اور بادشاہت میں فضیلت عطاء کی۔

اور بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ”وان كنا لخاطئين“ اور بے شک ہم خطاوار تھے۔

اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے آپ کو جو کنوئیں میں ڈالا اور آپ کو بیچا، گھر سے نکالا اور آپ کو والد سے دور کیا، یہ سب ہماری خطائیں ہیں۔ بھائیوں کی معذرت پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

۰ (پ ۱۳ سورۃ یوسف ۹۲)

آج تم پر کچھ ملامت نہیں (یعنی نہ تم پر کوئی عار ہے اور نہ کچھ توبیخ ہے یعنی یہ اعلان آج سے میں ہمیشہ کے لئے کر رہا ہوں کبھی بھی تمہیں ماضی کے واقعات پر عار نہیں دلائی جائے گی) اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

بھائیوں کیلئے دعاء کر کے ان کے دل کو مزید تسلی دی کہ میں نے تو مکمل دل سے معاف کر دیا ہے اور دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی جب بہت زیادہ نادام ہو رہے تھے اور عرض کر رہے تھے کہ تم تو ہمیں صبح و شام اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلاتے رہے لیکن ہم نے آپ سے جو کارگزاریاں کیں ہمیں تو ان سے بہت بڑی ندامت ہو رہی ہے، تو آپ نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: میرے بھائیو! تم نادام کیوں ہوتے ہو؟ مجھے تو تمہارے آنے سے بہت بڑی خوشی ہوئی ہے؛ کیونکہ میں مصر کا حکمران بھی بن گیا ہوں اور مصری لوگ میرے غلام بن کر آزاد ہوئے، لیکن پھر بھی ان کے ذہنوں میں یہ بات ضرور ہوگی کہ بیس درہم کا خریدا ہوا غلام مصر کا حاکم بن گیا ہے، لیکن آج ان کے سامنے یہ واضح ہو چکا ہے کہ تم میرے بھائی



ہو، میں ابراہیم علیہ السلام کا پرپوتا ہوں، کوئی غلام نہیں تھا۔ تقدیر اور رب کی طرف سے آزمائش کی وجہ سے غلامیت سے متصف ہوا، آج تمہارے آنے اور میرے ظاہر کرنے سے سب لوگوں کی نظر میں مجھے عظمت ملی ہے اور میری شرافت اور خاندان نبوت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میرا بول بالا ہوا۔

(ماخوذ از کبیر)

فائدہ :

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان قریش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا جنہوں نے صحابہ کرام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے تھے بلکہ خود نبی کریم ﷺ کو ایذا رسائیوں میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔

”ماترونی فاعلابکم“ تمہارا میرے تعلق کیا خیال ہے؟ کہ میں آج تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟

تو سب قریش نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا :

﴿نَظْنُ خَيْرًا اَخِ كَرِيْمٍ وَاَبْنُ اَخِ كَرِيْمٍ﴾

”ہم آپ کے متعلق بھلائی کا گمان ہی کرتے ہیں؛ کیونکہ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں“

یعنی ہمارے خاندان میں آپ کی رحمت اور آپ کا کرم مشہور و معروف ہے آپ تو موروٹی طور پر ہی کریم چلے آرہے ہیں ہمیں امید ہے کہ آپ کبھی بھی ہم سے انتقام نہیں لیں گے۔

”قریش“ کی یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا : آج میں تمہارے لئے وہی اعلان کر رہا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے کیا تھا :

﴿لَا تَرْيَبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لانے کی غرض سے آئے تو



حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا تو یہ تلاوت کرنا :

﴿ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ ﴾ تو انہوں نے ایسا ہی کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

” غَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَلِمَنْ عَلَّمَكَ “

اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اس کی بھی جس نے تمہیں سکھایا۔

(کبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶)

مصر سے قمیص کی روانگی اور یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آنا :

﴿ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوَّةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ، وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفْنِدُون ﴾

(ب ۱۳ سورۃ یوسف ۹۳، ۹۴)

(یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ میری قمیص لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو! ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بے شک میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سیدھی سوچ سے ہٹ گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا؟ کہ قمیص کو آنکھوں پر ڈالنے سے باپ کی بینائی واپس آجائے گی؟ ” بوحی من اللہ تعالیٰ ولولا الوحي لما عرف ذالك “ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے معلوم ہوا اگر وحی نہ ہوتی تو آپ کو اس کا پتہ نہ چلتا؛ کیونکہ عقل میں آنی والی بات ہی نہیں۔

وہ قمیص کون سی تھی؟ یہ عام قمیص تھی جو آپ نے زیب تن کر رکھی تھی یا کہ وہ قمیص تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پہنائی گئی تھی اور جنت سے لائی گئی تھی، بعد میں وہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی، یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت آپ کے گلے میں بطور تعویذ ڈالی تھی، اب جبرائیل امین نے آکر آپ کو فرمایا کہ یہ قمیص



اپنے والد کی طرف بھیج دو تاکہ انہیں اس کے ذریعے نظر واپس مل جائے۔

(تفسیر ابی السعود ج ۴ ص ۳۰۵)

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا کہ تم گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ ! اس وقت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے افراد جن میں مرد عورتیں بچے یعنی آپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد وغیرہ بہتر (۷۲) سے چھیانوے (۹۶) تک تھے۔ (مختلف اقوال ملتے ہیں) یہ تعداد بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ جب یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تو صرف جوان مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ بوڑھے مرد عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔

(روح المعانی)

جب مصر سے قیص کو یعقوب علیہ السلام کے گھر لانے کے لئے نکالا گیا تو یعقوب علیہ السلام نے خوشبو سونگھ لی۔ آپ نے بیٹوں کے بغیر دوسرے اہل خانہ کو کہا مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم میری رائے کو ضعیف نہ سمجھو۔

”وَلَمْ يَكُنْ هَذَا الْقَوْلُ مَعَ أَوْلَادٍ لَّانْهَمْ كَانُوا غَائِبِينَ“

(کبیر ج ۱۸ ص ۲۰۷)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ گفتگو بیٹوں کے ساتھ نہ تھی کیونکہ وہ موجود نہ تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنی دور سے خوشبو کو کیسے سونگھ لیا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں۔ اور خصوصاً جب آپ کو قیص سے اٹھنی والی جنت کی خوشبو آئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خوشبو اس جنتی قیص کے بغیر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ از روح المعانی ج ۶ حصہ دوم ص ۵۳)

تو اہل خانہ نے کہا:

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ، فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ الْقَاهُ عَلٰی وَجْهِهِ  
فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

انہوں نے کہا: خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں، پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ قیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں پھر



آئیں، تو آپ علیہ السلام نے کہا: میں نہیں کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حاضرین نے جو یہ کہا تھا:

﴿إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ﴾ اس کا معنی یہ ہے:

”انک لفی حبک القدیم لا تنساہ ولا تذهل عنه“

تم تو ابھی یوسف کی پرانی محبت میں ہی وارفتہ ہو، آپ ان کو بھی بھول نہیں سکتے اور نہ ہی آپ کے دل سے نکل سکتے ہیں، (حالانکہ وہ کب کے مر چکے ہیں۔)

قمیص لانے والا اور خوشخبری دینے والا آپ کا بیٹا یسودا تھا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یسودا نے اپنے بھائیوں کو کہا:

”قد علمتم انی اذہبت الی ابی بقمیص الترحہ فدعونی اذہب الیہ بقمیص الفرحة فترکوه“

(روح المعانی)

تمہیں معلوم ہے کہ بے شک میں ہی اپنے باپ کے پاس غم دلانے والی قمیص لے کر گیا تھا (یعنی آپ کو کنوئیں میں ڈال کر خون آلودہ قمیص میں نے ہی پیش کی تھی) اس لئے اب تم تمام مجھے اجازت دو کہ خوش کرنے والی قمیص بھی میں ہی لے کر جاؤں، سب بھائیوں نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس قمیص لانے والے نے آپ کی آنکھوں پر قمیص کو ڈال دیا یا آپ علیہ السلام کو قمیص دے دی گئی اور آپ نے خود ہی قمیص کو اپنی آنکھوں پر لگایا:

”قد جرت العادة انه متى وجد الانسان شيئا يعتقد فيه البركة مسح به وجهه“  
انسانی فطرت کی یہ عادت جاری ہے کہ جب کسی چیز میں اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس میں برکت پائی جاتی ہے تو وہ اسے اپنے چہرے پر ملتا ہے۔

(روح المعانی ج ۷ حصہ دوم ص ۵۴)

قمیص کو آنکھوں پر لگانے سے بینائی واپس اپنی اصلی حالت پر آگئی آپ نے خوشخبری لانے والے



شخص سے پوچھا تم نے یوسف (علیہ السلام) کو کیسے حال میں چھوڑا ہے؟ تو اس نے کہا وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”ما صنع بالملك؟ علی ای دین ترکته؟ قال علی الاسلام قال الان تمت النعمة“  
(روح المعانی)

مجھے بادشاہت سے کیا غرض؟ یہ بتاؤ تم نے اسے کس دین پر چھوڑا؟ تو اس نے کہا اسلام پر تو آپ نے فرمایا کہ اب نعمت کی تکمیل ہوئی کہ خوشخبری کامل حاصل ہو گئی۔

اب آپ نے تمام اہل خانہ کو اور آنے والے تمام بیٹوں کو کہا:

”الم اقل لكم حين ارسلتكم الى مصر وامرتكم بالتحسس ونهيتكم عن

اليأس من روح الله اني اعلم من الله ما لا تعلمون من حياة يوسف عليه السلام“

(روح المعانی ج ۷ حصہ دوم ص ۵۵)

جب میں نے تمہیں مصر بھیجا تھا اور تمہیں حکم دیا تھا کہ یوسف کو تلاش کرو، اور میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونے سے منع کیا تھا، تو میں نے اس وقت تمہیں کیا نہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی مجھے یہ معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے۔

یہ بھی خیال کریں کہ بنیامین کے متعلق معلوم تھا کہ وہ مصر میں ہے تو پھر یہ کہنا کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اس میں بہت واضح اشارہ تھا کہ دونوں ایک جگہ ہی ہیں۔

يعقوب عليه السلام کے بیٹوں کا آپ سے معافی طلب کرنا:

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ، قَالَ سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي

إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿

(آپ کے بیٹوں نے) کہا اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے! بے شک

ہم خطاوار ہیں، آپ علیہ السلام نے کہا: جلدی میں تمہاری بخشش اپنے رب سے چاہوں

گا، بے شک وہی بخشنے والا ہے۔

بیٹوں نے ”اے ہمارے باپ“ کہہ کر آپ علیہ السلام سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب



کرنے کی درخواست کی کہ آپ ہمارے باپ ہیں، شفیق ہیں، ہم خطاوار ہیں آپ درگزر کرتے ہوئے ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ہماری غلطیوں کی معافی طلب کریں۔ اگر آپ نے ہمارے لئے دعاء نہ کی تو ہم اپنی غلطیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو جائیں گے۔ آپ اگر رحم نہیں کریں گے تو ہم پر اور کون رحم کرے گا؟ آپ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ میں جلدی ہی تمہاری بخشش اپنے رب سے طلب کروں گا اور ہمیشہ طلب کرتا رہوں گا اسی وقت بخشش طلب نہیں فرمائی کہ آپ سحر کے وقت کے منتظر تھے کہ اس وقت دعا جلدی قبول ہوتی ہے یا اس کی وجہ یہ تھی:

﴿انہ اخر الی لیلۃ الجمعة﴾

بے شک آپ نے جمعہ کی رات تک مؤخر کیا تھا کہ وہ وقت زیادہ قبولیت کا ہوتا ہے۔

اس سے ان لوگوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے جو جمعرات کی شام یعنی جمعہ کی رات اپنے فوت شدہ حضرات کے لئے دعا مغفرت کرنے والوں کو ”بدعت کامر تکب“ قرار دیتے ہیں۔ کاش ان جملاء کو یہ پتہ چل جاتا کہ جمعہ کی رات دعاء کی قبولیت کا زیادہ یقین ہونا پہلے انبیائے کرام سے آرہا ہے۔

(از روح المعانی بزیادہ)

یعقوب علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی مصر میں آمد:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبْوِيهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ، وَرَفَعَ أَبْوِيهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَن يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

(پ ۱۳ سورۃ یوسف ۹۹، ۱۰۰)

پھر جب وہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو اللہ چاہے تو امان کے ساتھ۔ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدے میں گرے۔ اور یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا اور



بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی۔ بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو ان کے اہل واولاد کے بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا، مشہور قول کے مطابق بہتر یا تہتر مرد اور عورتوں کی تعداد تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر آپ اپنے والد مکرم کے استقبال کے لئے صد ہار لیشمی پھریرے اڑاتے ہوئے قطاریں باندھے ہوئے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یہودا کا سہارا لئے تشریف لارہے تھے۔ جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ بڑے زرق برق سواروں سے صحرا پر ہو رہا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے یہودا کیا یہ فرعون مصر ہے (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون تھا) جس کا لشکر اس شان و شوکت سے آ رہا ہے؟ عرض کیا نہیں یہ تو آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام آپ کے استقبال کے لئے آ رہے ہیں۔

خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام اس وقت ”عزیز مصر“ یعنی وزیر اعظم تھے۔ مفسرین کرام نے آپ کے لئے لفظ ”ملک“ استعمال کیا ہے جس کا معنی بادشاہ ہے، لیکن فرق اس طرح کر لیا جائے آپ بادشاہ تھے اور ولید بن ریان بادشاہ اعظم تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو متعجب دیکھ کر عرض کیا: ہوا کی طرف نظر فرمائیے! آپ کے سرور میں شوکت کے لئے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں، جو مدتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح سے اور گھوڑوں کی ہنہانے سے عجیب کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ جب دونوں حضرات علیم السلام ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ توقف کیجئے! والد مکرم کو پہلے سلام کرنے کا موقع دیں؛ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:



”السلام علیک یا مذهب الاحزان“

اے غم و اندوہ کے دور کرنے والے تم پر سلام۔

یعقوب علیہ السلام کے پہلے سلام کرنے میں حکمت یہ تھی کہ واضح ہو جائے :

”ان یعقوب اکرم علی اللہ تعالیٰ منہ“

کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور بنسبت حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ مکرم ہیں۔

ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو خوشی کا یہ عالم تھا ”فاعتقہ وقبلہ“ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو گلے سے لگایا اور ان کا بوسہ لیا۔

(کبیر، روح المعانی، خزائن العرفان)

فائدہ :

”معانقہ“ خوشی کے موقع پر گلے لگا کر ملنا اور اپنے عزیز کا بوسہ لینا سنت انبیاء ہے، عید کے موقع پر گلے لگا کر ملنے کو ”بدعت و گمراہی“ سے تعبیر کرنے والے دین سے بے خبر ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ضوابط بیان ہیں، جب کسی ایک موقع پر خوشی کی حالت میں معانقہ جائز ہونا ثابت ہو جائے تو تمام خوشی کے مواقع میں جواز خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

حضرت اسید بن خضیر سے مروی ہے کہ ایک شخص انصار سے تھے جو لوگوں سے کلام کر رہے تھے، وہ مزاح کرتے تھے اور لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک چھڑی سے ان کے پہلو پر ضرب لگائی، (یعنی آپ ﷺ نے بھی از روئے مزاح ہی انہیں چھڑی ماری) انہوں نے عرض کیا آپ مجھے قصاص لینے کے قدرت دیں تاکہ میں آپ سے قصاص لے سکوں حضور ﷺ نے اجازت فرمادی تو انہوں نے عرض کیا، آپ کے جسم پر قمیص ہے اور میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے قمیص کو اٹھا دیا:

”فاحتضنه وجعل یقبل کشحہ فقال انما اردت هذا یا رسول اللہ“



انہوں نے معانقہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کو بغلوں میں لے لیا اور آپ کے پہلو کو چومنے لگے اور عرض کرنے لگے میرا مقصد یہی تھا یا رسول اللہ۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ باب المعانقۃ والمصافحۃ)

انصاری صحابی نے نبی کریم ﷺ کے مزاح سے مارنے پر خوش ہو کر آپ کو گلے لگایا، بغلوں میں لیا اور آپ کے پہلو کو چوما، آپ ﷺ نے صحابی کو منع نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے ناجائز کیا ہے۔ اگر ناجائز ہوتا تو آپ ضرور صحابی کو منع فرماتے۔ آپ کے منع نہ کرنے سے خود بخود جواز ثابت ہو گیا۔

”عن الشعبي ان النبي ﷺ تلقى جعفر بن ابی طالب فالتزمه و قبل ما بین عینیه“

(ابوداؤد، بیہقی، مشکوٰۃ باب المعانقۃ)

حضرت شعبی سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ جعفر بن ابی طالب کو ملے تو انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو نبی کریم ﷺ نے خوشی سے انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا، حضور ﷺ کا فعل امت کے حق میں استحباب سے خالی نہیں خیال رہے کہ دوسری حدیث میں راوی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ خود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ما ادری انا بفتح خیبر افرح ام بقدم جعفر“

مجھے یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ اس وقت خیبر کے فتح ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش تھے یا جعفر کے آنے کی وجہ سے؟

اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فکان کل واحد لاستقلال کونہ سببا للفرح لا یجتمع مع غیرہ من اسباب الفرح“

ہر ایک مستقل طور پر خوشی کا سبب تھا خوشی کا ایک سبب دوسرے سبب سے جمع نہیں ہوتا۔

اس سے واضح ہوا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ملاقات پر معانقہ اور چومنا اور ان کی آمد پر خوشی تھی۔

حضرت زارع رضی اللہ عنہ وفد عبدالقیس میں تھے، یہ کہتے ہیں: کہ جب ہم مدینہ (طیبہ) میں

آئے تو ہم جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترنے لگے۔



”فقبل ید رسول اللہ ﷺ ورجلہ“

(ابوداؤد، مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ)

پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو چومنے لگے۔

اس حدیث پاک سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہیں روکا لہذا بزرگ ہستی کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہیں اگر جائز نہ ہوتا تو آپ پر روکنا واجب ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو، اہل خیر کی طریقہ میں، یعنی سکینتہ و وقار سے چلنے میں آپ سب سے بڑھ کر حضور ﷺ کے مشابہ تھیں، اور تمام امور میں نبی کریم ﷺ کی طرح حسن سیرت آپ کو حاصل تھی اور آپ کو حسن و اخلاق حضور ﷺ کے مشابہ حاصل تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کلام کرنے اور بات چیت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھیں۔ حضرت فاطمہ جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور علیہ السلام ان کے لئے کھڑے ہو جاتے ”فاخذ بیدھا فقبلھا“ اور ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کو چومتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ ”فاخذت بیدہ فقبلتہ“ اور آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر آپ کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ)

نبی کریم ﷺ کا بوسہ عزیزہ کے طور پر ہوتا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لینا بزرگ سمجھ کر ہوتا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا:

”فقبلھا ای بین عینھما او رأسھا“

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی عزیز یا عزیزہ کا بوسہ لینا جائز ہے، اسی طرح اپنے بزرگ باپ کا بوسہ لینا بھی جائز ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ داخل ہوا،



(جب وہ غزوہ سے لوٹ کر) پہلے پہلے مدینہ طیبہ میں پہنچے آپ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، ان کو بخار تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا:

”کیف انت یا بنیۃ و قبل خدھا“

اے میری پیاری بیٹی تمہارا کیا حال ہے اور آپ نے اپنی بیٹی کے رخسار کو چوما۔

آپ رضی اللہ عنہ کا بیٹی کے رخساروں کو چومنا اس وجہ سے تھا۔

”للمرحمة والمودة او مراعاة للسنۃ“

(مرقاۃ ج ۹ ص ۸۰)

کہ آپ نے بطور رحمت اور محبت کے چوما یا سنت سمجھ کر چوما تاکہ سنت پر عمل ہو جائے.....

حضرت ایوب بن بشیر غزوہ قبیلہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جب تم نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے جب بھی حضور ﷺ سے ملاقات کی تو آپ ﷺ نے میرے ساتھ مصافحہ ضرور کیا ہے۔ ایک دن آپ ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا، میں گھر نہیں تھا جب میں گھر آیا تو مجھے خبر دی گئی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔

”فالترمنی فکانت تلک اجود و اجود“

آپ ﷺ نے مجھے گلے لگایا، (ابوذر کہتے ہیں) یہ گلے لگانا زیادہ اچھا ہے۔

یعنی مصافحہ یا ہر چیز سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس میں اظہار محبت راحت و سکون زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے:

”قبل رسول اللہ ﷺ الحسن بن علی“

رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما، تو آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس موجود تھے۔ اقرع نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:



﴿من لا یرحم لا یرحم﴾

جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المعانقۃ والمصالحة)

یعنی جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا یعنی لوگوں پر رحم کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اپنے آپ کو مستحق بنانا ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

” قال النووی تقبیل الرجل خد ولده الصغير واجب وكذا غیر خده من اطرافه ونحوها علی وجه الشفقة والرحمة واللفظ ومحبة القرابة سنة سواء كان الولد ذكرا او انثی وكذا قبله ولد صديقه وغيره من صغار الاطفال علی هذا الوجه واما التقبیل بالشهوة فحرام بالاتفاق وسواء كان فی ذلك الوالد وغيره“

علامہ آکوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے چھوٹے بچے کے رخساروں کو چومنا ”واجب“ ہے اسی طرح رخساروں کے علاوہ جسم کے اور حصوں یعنی ہاتھ سر پیشانی کو بھی چومنا شفقت رحمت مہربانی اور قرابت کی محبت کی وجہ سے ”سنت“ ہے۔ خواہ اولاد مذکر ہو یا مونث۔ اسی طرح اپنے دوست اور تعلق دار کے چھوٹے بچوں کے رخساروں یا دوسرے اعضاء کو بھی چومنے کا یہی حکم ہے۔ البتہ شہوت کے طور پر چومنا حرام ہے۔ اس میں والد اور دوسرے لوگوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اس میں اہل علم کا اتفاق ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ”وجوب“ کے قول پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وجوب صرف اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب حدیث صریح یا قیاس صحیح سے ثابت ہو۔

(مرقاۃ ج ۹ ص ۷۵)

تاہم وجوب نہ بھی ثابت ہو تو سنت و استحباب تو یقیناً ثابت ہے؛ کیونکہ رخساروں کے بغیر اطراف کو شفقت کے طور پر چومنا سنت ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا ہے۔

” قال النووی تقبیل يد الغير ان كان لعلمه وصيانته وزهده وديانته ونحو



ذالك من الامور الدينية لم يكره بل تستحب وان كان لغناه اوجاهه في دنياه كره وقيل حرام و قيل الحرام ما كان على وجه التملق والتعظيم واما المأذون فيه فعند التوديع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب وشدة الحب في الله مع امن النفس

(مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۷۶)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کسی کے ہاتھوں کو اس کے علم زہد و تقویٰ دین داری اور ہر طرح کے دینی کاموں پر عمل کی وجہ سے چوماجائے تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، اگر کسی کے ہاتھوں کو اس لئے چوماجاتا ہو کہ یہ غنی ہے یا دنیاوی طور پر اس کو جاہ و جلال حاصل ہے تو یہ مکروہ ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے حرام کہا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے دنیا دار کے ہاتھ چومنا حرام اس وقت کہا ہے جب چا پلو سی کے ارادہ سے چومے یا اسکی تعظیم کے لئے چومے، اگر ایسی صورت نہ ہو تو جائز ہے۔ کسی کو الوداع کرتے وقت یا سفر سے واپس آتے وقت یا کسی دوست سے دیر سے ملاقات ہوتے وقت یا کسی شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت ہو تو اس کے ہاتھ چومنے کی اجازت ہے ان تمام صورتوں میں شرط یہ ہے کہ نفس امن میں ہو شہوت کا ارادہ نہ ہو۔

” قال النووي و ينبغي ان يحترز عن مصافحة الامرء الحسن الوجه فان النظرا اليه حرام وقال اصحابنا كل من حرم النظر اليه حرم مسه بل مسه اشد فانه يحل النظر الى الاجنبية اذا اراد ان يتزوج ولا يجوز مسها“

(ارمقاۃ ج ۹ ص ۷۶)

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہوت کی غرض سے ایسے لڑکے جس کی دائرہ میں نہ ہو اور خوبصورت چہرہ والا ہو اس سے مصافحہ کرنے سے اجتناب کیا جائے، شہوت کی غرض سے اسے دیکھنا بھی حرام ہے، ہمارے اصحاب نے کہا ہے: جسے دیکھنا حرام ہے اسے چھونا بھی حرام ہے، بلکہ چھونا زیادہ جرم ہے: کیونکہ کسی اجنبی عورت سے اگر نکاح کا ارادہ ہو تو اسے دیکھنا جائز ہے لیکن ہاتھ لگانا حرام ہے۔



## یوسف علیہ السلام کے خواب کا پورا ہونا :

آپ نے چن میں جو خواب دیکھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں وہ خواب آپ کا پورا ہو گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر میں آئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے تخت پر جلوہ گر کیا تو یوسف علیہ السلام کو آپ کے مال باپ اور گیارہ بھائیوں نے سجدہ کیا اسی وجہ سے یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ خیال رہے کہ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے :

”ان اللہ تعالیٰ احيائها وانشرها من قبرها حتى سجدت له تحقيقا لرؤية يوسف عليه السلام“

بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالا تاکہ یہ بھی یوسف کو سجدہ کر لیں کہ ان کا خواب سچا ہو جائے۔

(کبرج ۱۸، ص ۱۱۰)

## اعتراض :

- ☆ حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ نبی ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔
  - ☆ اور یوسف علیہ السلام کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام زیادہ شان والے ہیں۔
  - ☆ اور یعقوب علیہ السلام باپ ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام بیٹے ہیں۔
- ان وجوہ کے پیش نظر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹا باپ کو سجدہ کرے، باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنے کا کیا مطلب؟

**جواب :** حضرت عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے :

”خروا له ای لاجل وجدانه سبحانه تعالیٰ“



یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سب نے سجدہ کیا ،

یعنی یہ سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو تھا ، رب کا شکریہ ادا کیا گیا کہ یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں کیونکہ یہ سجدہ تخت پر بیٹھنے کے بعد کیا گیا۔ اگر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا جاتا تو تخت پر بیٹھنے سے پہلے سجدہ کیا جاتا ، یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سجدہ تو یوسف علیہ السلام کو ہی کیا ہو لیکن اس لئے کہ ہو سکتا ہے بھائی سجدہ نہ کریں ، آپ کے سجدہ کرنے پر سب بھائیوں نے سجدہ کر لیا۔ یا یہ ہے کہ سجدہ کرنے میں یوسف علیہ السلام تو رضامند نہیں تھے کہ مجھے میرے باپ سجدہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اس کے حکم میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ خود ہی انہیں جانتا ہے ، جیسے اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں حقیقت میں وہ خود ہی جانتا ہے۔

(تفسیر کبیر)

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کتنا خیال رکھا :

یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ بھائیوں نے مجھ پر ظلم کیا تھا ، زیادتیاں کی تھیں ، بلکہ یہ کہا میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو ناچاقی ہوئی وہ شیطان کی طرف سے پیدا کردہ اختلافات تھے ، دل میں ذرا بھر کدورت نہیں رکھی ، بھائیوں سے کوئی اختلاف نہ رکھا بلکہ بھائیوں سے ملاقات محبت و الفت کو اللہ تعالیٰ کا احسان قرار دیا ۔

سبحان اللہ یہ عظمت کسی نبی کو ہی حاصل ہو سکتی ہے ، ہمارے جیسا گناہگار انسان اس قسم کی فراخ دلی اور درگزر کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو شاہی مقامات دکھائے :

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کا ہاتھ پکڑا اور تمام خزانوں کے مقامات دکھائے سونے کے خزانے چاندی کے خزانے ، زیورات کے خزانے ، کپڑوں کے خزانے اور ہتھیاروں کے مقامات دکھائے۔ آخر میں جب آپ نے اپنے باپ کو کاغذات والا مقام دکھایا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا اے



میرے پیارے بیٹے! اتنے کاغذات تمہارے پاس موجود تھے تم نے اتنے فاصلہ سے مجھے خط بھی نہیں لکھا: آپ علیہ السلام نے عرض کیا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے منع کیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا اس سے پوچھئے کہ اس نے تمہیں کیوں منع کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام نے کہا: آپ کا تعلق جبرائیل سے زیادہ ہے آپ خود ہی پوچھ لیجئے! جب آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کیوں منع کیا تھا؟ تو جبرائیل نے عرض کیا کہ آپ نے خود ہی تو کہا تھا:

﴿فَاَخَافُ اَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ﴾

مجھے خوف ہے اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔ (تفسیر کبیر)

یعنی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہی آپ کے بیٹوں نے استعمال کیا اور سب سے بڑی وجہ تو امتحان تھا، چونکہ انبیائے کرام کی شان بہت بلند و بالا ہوتی ہے اس لئے ان پر امتحان بھی اسی طرح کے بہت بڑے آتے ہیں جیسے ان کی شان ہوتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی وفات اور قبر:

مصر میں جا کر یعقوب علیہ السلام چوبیس سال مقیم رہے، جب آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مجھے شام میں اپنے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا، آپ پر جب وفات طاری ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام خود اپنے والد مکرم کا جسم اطہر لے کر شام میں گئے اور اپنے دادا اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو دفن کر کے واپس مصر میں آگئے۔

(تفسیر کبیر)

خیال رہے کہ یعقوب علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام عیص تھا یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے اور اسی دن ان کی بھی وفات ہوئی، دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو پینتالیس سال تھیں۔ دونوں ہی اپنے باپ اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں ایک ساتھ دفن کئے گئے، یعقوب علیہ السلام کا تابوت خاص قسم کی لکڑی کا بنوایا گیا تھا جس میں مصر سے شام آپ کو لے کر گئے تھے۔

(خزائن العرفان)



## یوسف علیہ السلام کی وفات :

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد تیس سال آپ ظاہری حیات میں رہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ آخرت کی طرف زیادہ متوجہ رہنے لگے دائمی ملک کی طرف جانے کا اشتیاق زیادہ ہونے لگا رب کے حضور عرض کیا :

﴿ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴾  
اے میرے رب تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا؟ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موت کی تمنا کی حالانکہ موت کی تمنا جائز نہیں تو اس کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ جب آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا کہ اب آپ کے جانے کا وقت قریب آچکا ہے تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ”اے اللہ مجھے اپنے خاص قرب والے لوگوں کے ساتھ ملا“ اس دعا کا تعلق موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقربین سے لاحق ہونے کے ساتھ ہے، درحقیقت موت کی دعا نہیں۔

( صاوی علی الجلالین )

## یوسف علیہ السلام کی قبر :

آپ کی وفات کے بعد مصری لوگوں میں تنازع ہو گیا ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ہمارے محلہ میں دفن کئے جائیں تاکہ وہ آپ سے برکت حاصل کر سکیں۔

” فطلب اهل كل محلة ان يدفن في محلتهم رجاء بر كته“

قریب تھا کہ ان کے درمیان لڑائی بھڑک اٹھی، آخر کار کچھ لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ آپ کو سنگ مرمر کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ اس پانی سے تمام شہر والے ایک جیسے برکت حاصل کریں۔



نرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلے آپ کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو اس طرف کا علاقہ سبز و شاداب رہنے لگا اور دوسری جانب خشک، پھر آپ کے صندوق کو نکال کر نیل کی بائیں جانب دفن کر دیا گیا اب اس طرف خوشحالی کا دور آگیا اور دوسری جانب خشکی رہنے لگی۔ پھر آپ کو دریائے نیل کے درمیان دفن کیا گیا یہاں تک کہ دونوں جانب سر سبز و شاداب ہو گئیں۔ آپ کا جسم اطہر اسی طرح دریائے نیل کے درمیان میں رہا، چار سو سال بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے روانگی اختیار کی تو آپ کے جسم اطہر کو بھی ساتھ لے گئے یہاں تک کہ شام میں اپنے آباء کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (از خطیبہ و مدارک)

سبحان اللہ ان لوگوں کے کیسے پاکیزہ عقیدے تھے؟ کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کی ظاہری حیات میں جس طرح نبی سے برکت حاصل کی جاتی ہے اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی قبر کی برکت سے خوشحالی حاصل ہوتی رہی۔

**حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد:** آپ کی وفات کے وقت آپ کے پسماندگان میں دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی ایک بیٹے کا نام ”افرائیم“ اور دوسرے کا نام ”میشا“ تھا۔ افرائیم کے بیٹے کا نام ”نون“ اور نون کے بیٹے کا نام ”یوشع“ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے اور دریائی سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ یعنی خضر نبیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ یوشع بن نون کو رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام کی بیٹی کا نام ”رحمة“ تھا جو حضرت ایوب کے نکاح میں آئی تھیں

یوسف علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مصر کی حکومت بنی عمالقه کے ہاتھ میں آگئی، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل ان کے زیر تسلط رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر انہیں نجات دلائی۔

یہ وہ غیبی خبریں تھیں جو اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو عطاء کیں اور ارشاد فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾ (پ ۱۳ سورۃ یوسف ۱۰۲)

یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔

ضد اور عناد نے لوگوں کو سمجھنے سے یکسر عاری کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ غیبی خبریں ہیں، جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں لیکن یار لوگوں نے کہا نہیں جو اللہ وحی کے ذریعے بتا دے وہ غیب نہیں رہتا خدا را انصاف کریں کہ بات رب تعالیٰ کی مانیں یا اس کی مخلوق میں سے ضدی جہلاء کی مانیں۔ کسی ایک بڑے نے کہہ دیا کہ جب وحی آجائے تو وہ غیب نہیں رہتا تو اس کے چیلے بھی یہی راگ الا اپنے لگے خود سوچنے اور سمجھنے کی تکلیف برداشت نہ کی کہ یہاں ہمارے بڑے صاحب سے غلطی ہو گئی ہے



## ﴿حضرت ہود علیہ السلام﴾

حضرت ہود علیہ السلام ”عاد“ قبیلہ سے ہیں۔ اس قبیلہ کو ”عاد اولیٰ“ کہا گیا ہے اور ”عاد ثانیہ“ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو کہا جاتا ہے جو ”قوم ثمود“ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ”عاد“ تھا اس کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو ”عاد“ کہا گیا ہے۔

عاد کا نسب یہ ہے :- عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

حضرت ہود علیہ السلام کا نسب :- ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالِیْ عَادِ اِخَاهُمْ هُوْدًا﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۵)

ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا۔

(صاوی علی الجلالین ص ۱۸۴، جمل حاشیہ جلالین ص ۱۳۵)

یہاں کئی مترجمین نے ”اخاہم“ کا ترجمہ ”ان کا بھائی“ کیا ہے، جو سراسر غلط ہے۔ پوری قوم کے افراد آپ کے حقیقی بھائی بھی نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا نبی کفار کا دینی بھائی بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ علیہ السلام صرف ان کی قوم کے ایک فرد تھے، اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ”ہم قوم“ کیا ہے۔ اور یہی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کا ”ہم قوم“ اور صالح علیہ السلام کو ”ثمود“ کا ہم قوم کہہ کر کفار مکہ کا رد کیا، جو یہ کہتے تھے کہ ”محمد“ ہماری ہی قوم سے ہو کر نبی کیسے بن گئے؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: قوم عاد سے ہود علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے، ثمود کی قوم سے صالح علیہ السلام تھے لیکن ان کے نبی تھے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)



## حضرت ہود علیہ السلام کی آمد و رفت :

حضرت ہود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو سال بعد تشریف لائے اور چار سو چونسٹھ (۴۶۴) سال اس دنیا میں ظاہری حیات میں رہے اور پھر اس دنیا فانی سے رحلت فرمائی اور حیات جاودانی حاصل کی۔

## حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو کیا تبلیغ فرمائی؟

﴿قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ، أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۵)

کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں ڈر نہیں؟ یعنی آپ نے ان کے ڈرنے کو بعید سمجھا اور گویا یہ کہا کہ تم ڈرتے ہی نہیں ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دیا جا چکا ہے، جس کا تمہیں علم ہے اگر تمہیں کچھ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر اور خوف ہوتا تو ضرور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے، بت پرستی کی حماقت نہ کرتے۔

﴿قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ، إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ، يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجَرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ، وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ﴾

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۵۰، ۵۲)

کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم صرف افتراء باندھنے والے ہو اے قوم میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں اور میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو تم پر زور کی بارش برسائے گا اس سے زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔



حضرت ہود علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی خصوصاً ان کے تین بڑے بت تھے جن کو وہ اپنے بڑے معبود سمجھتے تھے ان بتوں کے نام صداء صمود اور ہباء تھے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عمان اور ”حضر موت“ کے درمیان پھیلی ہوئی تھی یہ ایک ریگستانی وادی تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

﴿وَإِذْ كُنَّا خَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ﴾

(ب ۲۶ سورۃ احقاف ۲۱)

اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سر زمین احقاف میں ڈرایا

ہود علیہ السلام نے جب ان کو شرک سے باز رہنے بت پرستی کو چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دی تو قوم نے آپ کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین سال تک بارش روک لی، قحط سالی پڑ گئی، ان کی عورتوں کو بھی تین سال تک بانجھ کر دیا ان کے بچوں کی پیدائش معطل ہو گئی۔

ہود علیہ السلام نے تین شخصوں کو اپنی قوم کے پاس بھیجا کہ تم انہیں سمجھاؤ وہ تین شخص یہ تھے قیل بن عشر، نعیم بن ہزال اور مرثد بن سعد یہ درحقیقت آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے لیکن اپنی قوم سے ایمان کو چھپایا ہوا تھا، ان تینوں کو بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ قوم انہیں اپنا سمجھ کر ان کی بات کو مانے گی اور سوچیں گے کہ یہ ہمارے اپنے ہی لوگ ہمیں نصیحت کر رہے ہیں تو یقیناً اس میں بھلائی ہو لیکن قوم سوچنے اور ماننے سے عاری ہی رہی۔

آپ نے قوم کو ان تینوں کے ذریعے کہلایا : کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع و خضوع سے رجوع کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں زور کی بارش عطا کر دے گا اور تمہیں کثیر مال عطا کرے گا اور تمہیں بڑے عطا کرے گا اور تمہارے لئے بارش سے نہریں اور باغات بنائے گا اور تمہیں پہلے سے زیادہ طاقتور بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دینی اور دیناوی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اگرچہ دیناوی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں لیکن انسانی فطرت ہے کہ وہ دنیا میں رہنے اور دیناوی نعمتوں کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی طرف زیادہ



رغبت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ کھیتی باڑی اور باغبانی کے کام کرتے تھے اسلئے ان کے لئے اسی قسم کی نعمتوں کا ذکر کرنا ہی مناسب تھا۔ ہو د علیہ السلام نے قوم کو ان الفاظ میں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ، وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ، أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ، وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ ، وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ، وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ، أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴾

(ب ۱۹ سورۃ شعراء ۱۲۶، ۱۳۴)

اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں، تمہاری مدد کی چوپاؤں اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے، میں تمہیں اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں: بے ہودہ کاموں کو چھوڑ دو، دنیا سے دل نہ لگاؤ، تم نے یہاں ہمیشہ زندہ نہیں رہنا، ایسے کام کرو جن سے تمہیں نفع ہو۔

قوم عاد کی طاقت اور ان کے کام :

قوم عاد کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہو سکتا

﴿ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴾

وہ جو عاد تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ کس کا زور ہے اور کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ جس نے انہیں بنایا ان سے زیادہ قوی ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

قوم عاد کے چھوٹے قد ساٹھ ذراع (نوے فٹ) اور بڑے قد ایک سو ذراع (ایک سو پچاس فٹ) تھے، اسی وجہ سے اپنے جسموں اور طاقت کے گھمنڈ میں یہ کہتے تھے کہ ہم سے کوئی طاقتور نہیں، ہم پہاڑ

سے بڑے بڑے پتھر، چٹانیں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، اگر عذاب ہمارے سامنے آ گیا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں سے روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنی طاقت پر ناز کرتے ہو کبھی



میری طاقت کو بھی تصور میں لایا کرو ، میری طاقت کے مقابل کسی کو کوئی مجال نہیں۔

(جلالین ص ۳۹۸ ، تفسیر صاوی علی الجلالین)

لوگوں کے ساتھ تمسخر کے لئے بلند نشان بناتے :

﴿اَتَّبِعُونِ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰیةٌ تَعْبَثُوْنَ﴾

کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گروں سے ہنسنے کو

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں :

ایک یہ ہے کہ وہ بلندی پر بلند محل بناتے تاکہ گزرنے والے لوگ ان کی شان سے واقف ہوں ، یہ کام چونکہ بے فائدہ تھا اس لئے تعبثون کہا گیا ہے اور ہماری شریعت میں بھی بغیر غرض شرعی کے بلند تعمیرات کی مذمت بیان کی گئی ہے اور حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند عمارتیں اسلئے تعمیر کرتے تھے تاکہ گزرنے والے ان سے راہنمائی حاصل کریں ، حالانکہ ان کا یہ کام بھی بے مقصد اور بے فائدہ تھا ، کیونکہ ستاروں سورج وغیرہ سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بادل وغیرہ کا چھا جانا کبھی کبھی ہوتا ہے اور خصوصاً عرب کے شہروں میں تو بہت ہی کم واقع ہوتا ہے ۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بلند برج بناتے تاکہ کبوتروں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو سکیں ، یعنی وہ کبوتر بازی کے لئے عبث طور پر بلند برج تعمیر کرتے ۔

چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ہر پہاڑ میں راستہ پر مکان تعمیر کرتے تھے تاکہ چوگنی حاصل کر سکیں۔

پانچواں قول یہ ہے کہ وہ بلند مقامات پر بلند عمارتیں تعمیر کرتے تھے تاکہ وہ راستہ سے گزرنے والوں سے مزاح کر سکیں ، ان کا تمسخر اڑا سکیں اور انہیں تنگ کر سکیں۔ اسی آخری قول کے مطابق اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے ترجمہ کیا ہے



## رہنے کے لئے مضبوط محل بناتے :

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ تمہارے طور طریقے ایسے ہیں کہ تم یہ سمجھتے ہو تم نے ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے حالانکہ دنیا فانی ہے اس میں ہمیشہ کے لئے دل نہ لگاؤ۔

﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ﴾

اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے اور تم زمین میں جمع کرنے کے لئے حوض بناتے ہو یہ سارے کام اسی خیال سے کرتے تھے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔

## دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے تھے :

﴿وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ﴾

اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو۔

وہ جب کسی پر گرفت کرتے تو اسے کوڑے مارتے اور تلوار سے ضرب لگاتے یا ظالموں کو ان پر مسلط کرتے، جنہیں کچھ رحم نہ آتا اور ادب سکھانے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اچھے انجام کی طرف بھی نظر نہیں ہوتی تھی۔ ان افعال قبیحہ پر حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کی مذمت کی۔

**فائدہ:** ادب سکھانے کے لئے، اچھے انجام کے لئے استاد کا شاگرد کو معمولی مارنا، سرزنش کرنا جائز ہے، شیخ سعدی فرماتے ہیں ”ضرب استاد بہ از مہر مادر و پدر“ استاد کی مار ماں باپ کے پیار سے بہتر ہے۔ لیکن قوم کے بچوں کو اپنے بچوں جیسا سمجھے۔ یہ خیال کرے کہ میں اپنے بچوں کو کتنی سرزنش کرتا ہوں۔ کئی کئی گھنٹے طلباء کو کان پکڑا کر مرغ بنادینا، اتنا شدید مارنا کہ زخمی کر دینا، سوٹیوں سے شدید ضربیں لگانا کہ کئی کئی گھنٹے کلاس میں کھڑا کر دینا، یہودہ گالی نکالنا استاد کی شان کے لائق نہیں۔ ایسے افعال صرف طلباء کو مدارس سے بھگانے اور دین سے متنفر کرنے اور اساتذہ کے ادب و احترام سے دور کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کو طلباء قصاب، کمینہ جیسے القاب دیتے ہیں، جن کو راقم نے اپنے کانوں سے سنا۔



ایسا بے ہودہ استاد ہزار میں سے ایک ہوتا ہے، لیکن وہ تمام اساتذہ کی بدنامی کا سبب بنتا ہے اور دین کے باغی اس ایک شخص کی وجہ سے دینی مدارس کو خراب کار کیمپ کہتے ہیں حالانکہ اس قسم کا استاد سکولوں میں بھی کوئی نہ کوئی پایا جاتا ہے بلکہ بنسبت دینی مدارس کے سکولوں میں اس قسم کے ظالم زیادہ ہوتے ہیں۔

ڈنڈے سے مارنا ناجائز ہے :

”وان وجب ضرب ابن عشر بید لا بخشبۃ ای عصا او سوط او غیرہ  
لحدیث مرو اولادکم بالصلوۃ وہم ابناء سبع واضربوہم وہم ابناء عشر  
ولایجاوز الثلاث وكذا المعلم لیس له ان یجاوزها قال علیہ الصلوۃ  
والسلام لمرداس المعلم ایاك ان تضرب فوق الثلاث فانك ان ضربت فوق  
الثلاث اقتص الله منك“

(درمختار و شامی ج ۱ ص ۲۵۸)

بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے کی صورت میں ان کو ہاتھ سے مارنا ضروری ہے  
لیکن ڈنڈے یا کوڑے سے مارنا ناجائز ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں  
تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مارو، (یعنی اگر وہ نماز نہ پڑھیں)

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ مارنا بھی ہاتھ سے مراد ہے اور وہ بھی دو تین تھپڑ سے  
زیادہ نہ ہوں استاد کے لئے بھی یہی حکم ہے نبی کریم ﷺ نے بچوں کو پڑھانے والے ایک استاذ مرد اس کو کہا  
کہ تم تین ضربوں (تھپڑ) سے زیادہ مارنے سے اپنے آپ کو دور رکھو اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ مارا تو  
اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں :-

در شتی و نرمی بہم در بہ است	چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است
در شتی نگیر خرد مند پیش	نہ سستی کہ نازل کند قدر خویش
نہ مر خویشمن را فرونی نہد	نہ یک بارتن در مذلت دہد



یعنی سختی اور نرمی دونوں کو ساتھ ساتھ رکھنا ہی بہتر ہے پچھوا لگانے والا زخم بھی کرتا ہے اور مرہم بھی لگاتا ہے عقلمند بہت زیادہ سختی بھی نہیں کرتا اور اتنی نرمی بھی نہیں کرتا کہ اس کی قدر و منزلت ہی کم ہو جائے۔ اپنے آپ کو بہت زیادہ آدم خور بھی نہیں مانتا چاہیے اور بہت زیادہ نرم ہو کر اپنے آپ کو ذلیل بھی نہ کرو۔ استاذ کے لئے یہی ایک اعلیٰ سبق ہے کہ ڈرائے دھمکائے، سرزنش کرے، احساس دلائے اور شفقت بھی کرے۔ اپنا رعب جمانے کے زعم باطل میں طلباء کی نظروں سے نہ گر جائے اور ان کی درپردہ گالیوں کا مستحق نہ بن جائے۔

### ہود علیہ السلام کی قوم کے جوابات :

﴿ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴾  
ان کی قوم کے کافر سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔

**نکتہ :** نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۰)

اسکی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں

نوح علیہ السلام کی قوم کے تمام سردار ہی کافر تھے، اسلئے یہاں لفظ ”کفروا“ استعمال نہیں ہوا لیکن ہود علیہ السلام کی قوم میں بعض سردار درپردہ ایمان بھی لائے ہوئے تھے، اسلئے ”کفروا“ استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے جب دیکھا کہ یہ کشتی بنارہے ہیں تو قوم نے آپ کو ”ضلال مبین“ سے تعبیر کیا کہ کوئی پانی نہیں کوئی کیچڑ نہیں، یہاں کشتی بنانا کھلی گمراہی ہے۔ لیکن ہود علیہ السلام نے ان کی بت پرستی کو سفاہت و حماقت سے تعبیر کیا تھا تو قوم نے بھی کہا:

﴿ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ ﴾ ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر و صاوی علی الجلالین)



## تذکرۃ الانبیاء

ہود علیہ السلام نے قوم کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۷)

اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُم نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۶۸)

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں۔

انبیائے کرام کو ان کی قوموں نے (معاذ اللہ) گمراہ اور بے وقوف کہا لیکن انہوں نے ان کا جواب اس طرح نہیں دیا بلکہ تحمل مزاجی سے اور حسن اخلاق سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی کیونکہ انبیائے کرام کی شان کے لائق ہی یہ ہے کہ وہ یہودہ باتوں کا جواب اسی طرح نہ دیں، حالانکہ جتنی گالی کسی شخص کو دی جائے اتنا جواب دینا جائز ہوتا ہے، لیکن انبیاء کرام کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ ان کا ہر کلام ان کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی ہر طرح کوشش کی لیکن قوم نے ہمیشہ کج روی کی۔

﴿قَالُوا يَا هُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ

لَكَ بِمُؤْمِنِينَ، إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۵۳، ۵۴)

قوم نے کہا اے ہود علیہ السلام تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی

تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لانے والے

ہیں ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی ہے۔

قوم نے کذب بیانی کرتے ہوئے کہا تم ہمارے پاس معجزات اور دلائل نہیں لائے ہو جس سے حق و

باطل میں تمیز ہو سکے۔

”ومن المعلوم انه عليه السلام كان قد اظهر المعجزات الا ان القوم

بجهلهم انكروها“



یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ ہود علیہ السلام نے معجزات ظاہر فرمائے مگر قوم نے اپنی جہالت کے پیش نظر ان کا انکار کیا اور گمان کیا کہ آپ کوئی معجزات نہیں لائے۔

قوم نے کہا کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، یہ ان کا کہنا اس لئے باطل تھا کہ وہ اس کا اقرار بھی کرتے تھے کہ نفع و نقصان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں، اس پر تو عقل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بت پرستی کو چھوڑ دیتے، ان کا بت پرستی کو نہ چھوڑنا عقل کے خلاف تھا، جو خود ہی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں، یہ صرف ضد اور حسد و عناد تھا۔ ورنہ بظاہر انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ قوم کا یہ کہنا کہ ہمارے معبودوں کی برائی تم بیان کرتے ہو، انہوں نے تمہیں (معاذ اللہ) دیوانہ بنا دیا ہے، تمہاری عقل کو ضائع کر دیا ہے۔ یہ بھی ان کی حماقت کو واضح کر رہا تھا کہ ادھر یہ کہتے کہ بت نفع و نقصان کے مالک نہیں اور ادھر کہتے ہمارے بتوں نے تمہیں مصیبت پہنچا دی ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

## ہود علیہ السلام کا قوم کو چیلنج :

﴿ قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ، مِنْ دُونِهِ فَكِدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونَ ، إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَّتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴾

آپ نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں ان سب سے جنہیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب، کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو، بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ ایک شخص بہت بڑی قوم کا مقابلہ کر رہا ہے، انہیں کہہ رہا ہے کہ تم تمام مل کر میری عداوت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑو، مجھے نقصان پہنچانے میں اپنی پوری کوشش کر لو، مجھے کوئی مہلت نہ دو، مجھے تمہارا کوئی خوف و خطرہ نہیں، مجھے تو اپنے رب پر پورا



بھروسہ ہے، وہی میرا محافظ ہے، وہی مجھے بچانے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی کو ذات باری سے مقابلہ کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔

ہو د علیہ السلام نے قوم کو عذاب سے ڈرایا :

جب ہو د علیہ السلام نے اپنی قوم کو سیدھی راہ پر لانے کی پوری کوشش صرف کر دی لیکن قوم نے بت پرستی کو نہ چھوڑا تو آپ نے کہا اے میری قوم اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيزٌ﴾

پھر اگر تم منہ پھيرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف دے کر بھیجا گیا اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، بیشک میرا رب ہر شے پر نگہبان ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے ہیں تمہیں کامیابی کا راستہ بتا دیا ہے لیکن تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی بت پرستی پر قائم رہے اب رب کا عذاب آنے والا ہے جو تمہیں تباہ و برباد کر دے گا اگر تم چاہو کہ اس کے عذاب کا مقابلہ کرو تو تم ایسا کبھی نہیں کر سکو گے وہ تو تمہیں برباد کر دے گا لیکن تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور تمہیں برباد کرنے سے اس کی بادشاہت میں کوئی فرق بھی نہیں آئے گا اسلئے کہ وہ قدرت کا مالک ہے تمہاری جگہ وہ نئی مخلوق پیدا فرما دے گا جو اس کی اطاعت کریں گے اس کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کمی نہیں ہونے دیں گے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

﴿إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۵۹)

بیشک مجھے تم پر ڈر ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔

یعنی دنیا میں بھی تم پر شدید عذاب آئے گا اور آخرت میں تم شدید عذاب میں گرفتار ہو گے، اسلئے



کہ جس طرح رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا نعمتوں کی زیادتی کا سبب بنتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران شدید عذاب کا ذریعہ ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾

(پ ۱۳ سورۃ ابراہیم ۷)

اگر تم نے شکریہ ادا کیا تو میں تمہیں اور (نعمتیں) دوں گا اور اگرنا شکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی)

عذاب کا خوف دلانے پر قوم کا جواب :

﴿قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ، إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ، وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ﴾

(پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۳۶، ۱۳۸)

انہوں نے کہا ہمیں برابر چاہیے تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ ہو، یہ تو نہیں مگر وہ اگلوں کی ریت (طور طریقہ) اور ہمیں عذاب ہونا ہی نہیں۔

قوم نے کہا ہمیں تمہارے عذاب کے خوف دلانے کی کوئی فکر نہیں ہم تمہارے وعظ سے نصیحت حاصل کرنے والے نہیں تم بھی پہلے نبیوں کی طرح ہی ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہو یہ تو سابقہ رسم آرہی ہے، ہم بڑی طاقت کے مالک ہیں، ہمیں عذاب کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

قوم نے عذاب کو رحمت سمجھا :

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمِطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ، تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِينُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾

(پ ۲۶ سورۃ الاحقاف ۲۴، ۲۵)

پھر جب انہوں نے عذاب کو دیکھا بادل کی طرح آسمان کے کنارے پھیلا ہوا ان کی وادیوں کی طرف آتا ہوا لے یہ بادل ہے کہ ہم پر بر سے گاہکہ یہ وہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے ایک



آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے تو صبح رہ گئے کہ نظر نہ آتے تھے مگر ان کے سونے کے مکان ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قوم عاد پر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے تین سال تک بارش کو روک دیا گیا تھا اسلئے جب قوم پر عذاب آنے کا وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادلوں کو چلایا جو ان کی وادیوں سے ظاہر ہوئے عام طور پر ایسے بادلوں کو ”مغیث“ (بارش برسانے والے) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگ وادیوں سے اٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے کہ بارش برسانے والے بادل آگئے ہیں، اب تین سالہ قحط کا دور ختم ہونے والا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا یہ تو وہی ہے جس کی تمہیں جلدی پڑی ہوئی تھی کیونکہ وہ قوم کہتی تھی بے شک عذاب لے آؤ، اس سے پہلی آیات مبارکہ میں اسی مضمون کا ذکر ہے۔

﴿وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ  
وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ، قَالُوا  
اجْتَنَّا لِنَأْفِكَنَّ عَنِ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾

اور یاد کرو عاد کے ہم قوم (ہود) کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈر لیا اور بے شک اس سے پہلے ڈر سنانے والے (انبیائے کرام اور بھی) گزر چکے تھے اور اس کے بعد آئے کہ اللہ کی سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا : کیا تم اس لئے آئے کہ ہمیں ہماری معبودوں سے پھیر دو ؟ تو ہم پر لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دیتے ہو، اگر تم سچے ہو۔

یعنی جب قوم نے مطالبہ کیا کہ تم جس عذاب کے متعلق ہمیں ڈراتے ہو وہ بے شک لے آؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ وہ تو کہتے تھے عذاب آئے گا ہی نہیں، اگر آہی گیا تو ہم اپنی طاقت سے روک لیں گے۔



## قوم عاد پر عذاب کیا آیا :

﴿ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ، مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ  
الْأَجَلْتُ كَالرَّمِيمِ ﴾

(۲۷ سورة زاریات ۴۱، ۴۲)

اور عاد میں جب ہم نے ان پر خشک آندھی بھیجی جس چیز پر گزرتی اسے گلی ہوئی چیز کی طرح  
کر چھوڑتی

﴿ وَأَمَّا عَادُ فَاهْلَكُوهَا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ، سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةٍ  
أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ، فَهَلْ تَرَى  
لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ﴾

(ب ۲۹ سورة الحاقة ۶، ۸)

لیکن عاد وہ ہلاک کئے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے وہ ان پر قوت سے لگادی سات  
راتیں اور آٹھ دن لگاتار ، تو ان لوگوں کو ان میں گرے ہوئے دیکھو گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ  
ہیں گرے ہوئے ، تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔

یعنی اس قوم پر سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار شدید آندھی چلی صرف اس میں گرج تھی ، بارش  
نہیں تھی وہی لوگ جو بادلوں کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ عذاب تو ہم اپنی طاقت سے  
ٹال دیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ شدید گرجنے والی آندھی فضا میں حیوانوں اور پرندوں کو اڑا رہی ہے  
تو یہ اپنے مکانوں میں داخل ہو گئے تاکہ اس آندھی کی شدت سے بچ سکیں ، لیکن سارے دعوے دھرے  
کے دھرے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو حکم دیا جو ہوائیں چلانے پر مقرر ہے کہ عاد کی قوم پر اپنے  
ہواؤں کے خزانے سے اتنی مقدار میں ہوا کو کھول دے جتنی مقدار ایک انگوٹھی کی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ  
کے خزانوں میں سے یہ ہوا بظاہر معمولی تھی لیکن دنیا میں ہولناک طوفان تھا۔ تباہ کن آندھی تھی۔ سب  
سے پہلے ایک عورت نے دیکھا کہ ہوا میں مجھے آگ کے شعلے نظر آرہے ہیں۔ اس ہوانے ان کے مکانوں  
کے دروازے گرادیئے۔

”تَدْخِلُ فِي مَنَاخِرِهِمْ وَتَخْرِجُ مِنْ أَدْبَارِهِمْ وَتَصْرَعُهُمْ عَلَى الْأَرْضِ عَلَى وَجْهِهِمْ“



وہ ان کے نتھنوں میں داخل ہوتی اور ان کی دیر سے نکل جاتی، وہ ہوا انہیں گرا رہی تھی ان کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں۔ کبھی انہیں زمین سے اٹھایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔

ریت کے ٹیلوں میں دب جاتے، یہ سلسلہ سات راتیں آٹھ دن مسلسل رہا، کسی وقت بھی آندھی نہ رکی وہ سب تباہ و برباد ہو گئے، بڑے بڑے قدوں والے اپنی طاقت پر ناز کرنے والے رب تعالیٰ کی گرفت میں جب آئے تو ایسے برباد ہوئے کہ مرے ہوئے یوں نظر آ رہے تھے کہ یہ کھجوروں کے تنے گرے ہوئے ہیں۔

رب کی عظیم قدرت کا اندازہ کیجئے ! جہاں کفار کو تباہ و برباد کر دیا وہاں ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے ارد گرد خط کھینچ دیا وہ شدید آندھی انہیں خوشگوار موسم بہار کی ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی سہانی ہوا محسوس ہو رہی تھی۔ کفار گر گر کر تباہ ہو رہے تھے۔ ان کی گردنیں ٹوٹ رہی تھیں۔ ریت کے ٹیلوں میں دب رہے تھے، لیکن اللہ والے، نبی پر ایمان لانے والے، اسی آندھی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سبحان اللہ مولائے کائنات کی قدرت کا انسان کیسے اندازہ کر سکتا تھا؟ اس کی حکمتوں سے وہ خود ہی واقف ہے۔ رب نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ

عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾

اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور انہیں سخت عذاب سے نجات دی۔

یعنی کفار کو دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کیا اور قیامت میں وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی محفوظ رکھا اور قیامت میں بھی محفوظ رکھے گا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر ج ۱۸، ص ۱۷، ج ۲۴ ص ۲۸)

نبی کی تکذیب نبی کی گستاخی تباہ کن عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم و دائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انبیائے کرام کی شان میں گستاخی

سے بچائے۔

آمین ثم آمین



## ﴿حضرت صالح علیہ السلام﴾

حضرت صالح علیہ السلام ”قوم ثمود“ کی طرف آئے، آپ علیہ السلام بھی ثمود قوم سے ہی ہیں ”ثمود“ ایک شخص کا نام تھا۔ اس کی اولاد ”قوم ثمود کہلائی“۔ ثمود کا نسب نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ یعنی ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ صالح بن عبید بن ماسخ بن عبد بن جاور بن ثمود۔

(روح البیان، حاشیہ جلالین ص ۱۸۴)

اور ثمود کا نسب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔ ثمود بن عبید بن عوص بن عاد بن ارم بن سام بن نوح یہی زیادہ صحیح ہے۔

(حاشیہ جلالین ص ۳۱۴)

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ ہے، یعنی صالح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد تشریف لائے حضرت صالح علیہ السلام کی عمر دو سو اسی (۲۸۰) سال تھی۔

(حاشیہ جلالین ص ۳۱۴)

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا:

﴿وَالِیْ ثَمُوْدَ اٰخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يٰاَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَغْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ﴾

(پ ۱۲ سورۃ ہود ۶۱)

اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو (بھجھا) کہا: اے قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس نے تمہیں بسایا تو اس



سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بے شک میرا رب قریب ہے دعا سننے والا۔

﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنَ وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اِجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

(ب ۱۹ سورۃ شعراء ۱۴۲، ۱۴۵)

جب کہ ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں بے شک میں تمہارے لئے اللہ کا امانتدار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

انبیائے کرام کی عادات شریفہ یہ تھیں کہ جب نبوت کا دعویٰ فرماتے تو سب سے پہلے قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے کے متعلق ارشاد فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں پھر اپنی رسالت کا دعویٰ کرتے تاکہ قوم ان سے معجزات کا مطالبہ کرے تو ان کو معجزات دکھائے جائیں پھر ان کے انکار اور باز نہ آنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو ڈراتے، پھر بھی جب وہ اپنے کفر پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب آجاتا۔

(ماخوذ از کبیر)

اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اسی کی طرف رجوع کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کی رحمت ایمان والوں کے قریب ہے۔

آپ نے قوم کو کہا دنیا میں تم نے ہمیشہ نہیں رہنا:

﴿ اَتُرْکُوْنَ فِیْ مَا هَلُّنَا اٰمِیْنِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَعِیُّوْنَ وَزُرُوْعٍ وَنَخْلِ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ وَتَنْجِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَاَرِهٰیْنَ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنَ وَلَا تُطِیْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴾

(ب ۱۹ سورۃ شعراء ۲۴، ۲۵)

کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم نازک ہوتا ہے اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو استاد سے تو



اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور حد سے بڑھنے والوں کے کہنے پر نہ چلو وہ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تمہارا خیال باطل ہے کہ تم یہاں دنیا میں ہی آرام سے نعمتوں میں رہو گے، جس رب نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں باغات چشمتے کھیتیاں اور نرم و نازک شگوفوں والے کھجور کے درخت دے رکھے ہیں، وہ یہ لے بھی سکتا ہے۔ تمہیں دنیاوی نعمتوں پر ناز نہیں کرنا چاہیے آخر دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا ہے، تم بڑی مہارت سے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، اس وجہ سے بھی تم شاید یہی سمجھتے ہو کہ تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے، لیکن تمہاری یہ سوچ سراسر غلط ہے۔ حد سے تجاوز کرنے والے فساد پھیلانے والے، کوئی درست اچھا سیدھا بھلائی والا کام نہ کرنے والوں کی تم پیروی کر رہے ہو، تم ان کی اطاعت نہ کرو تو کامیاب ہو گے۔ ورنہ تباہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور میرا حکم ماننے میں ہے۔

آپ کی تبلیغ سے دو فریق بن گئے :

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ، قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(پ ۱۹ سورۃ نمل ۴۴، ۴۶)

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو جی بھی وہ دو گروہ ہو گئے جھگڑا کرتے صالح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم کیوں برائی کی جلدی کرتے ہو بھلائی سے پہلے اللہ کی بخشش کیوں نہیں مانگتے شاید تم پر رحم ہو.....

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور دوسرے لوگ اپنے کفر پر قائم رہے اس طرح دو گروہ بن گئے آپس میں ایک دوسرے سے بحثوں میں الجھے رہتے تھے، لیکن ایمان والوں کی طرف سے جھگڑا دین کے حق ہونے میں ہوتا، یہ جدال حق ہے۔ صالح علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم کے انکار اور آپ کے عذاب سے ڈرا۔ نہ پر قوم کا یہ کہنا :



﴿قَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

(پ ۸ سورۃ اعراف ۷۷)

اور یوں اے صالح ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو۔

اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم تم اچھائی کے بدلے برائی میں جلدی کیوں کرتے ہو یعنی یہ دنیاوی نعمتیں آرام تمہیں حاصل ہے لیکن اس کے بدلے تم عذاب اور اپنی تباہی و بربادی طلب کر رہے ہو یہ کہاں کی عقل ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہئے تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

قوم نے آپ کو کیا جواب دیا ؟

صالح علیہ السلام نے قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی اور مختلف جواب دیئے

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ﴾

بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا

”حِجْر“ ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے درمیان جس میں ثمود کی قوم کے لوگ رہتے تھے، انہوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیائے کرام کی تکذیب ہے اسلئے کہ تمام انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر نبی دوسرے تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اسلئے ایک نبی کی تکذیب سے دوسرے تمام انبیائے کرام کی تکذیب لازم آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رب نے فرمایا : حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی، حالانکہ بظاہر ایک نبی یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی وہ تکذیب کر رہے تھے۔

کبھی قوم نے کہا :

﴿يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا



(ب ۱۲ سورۃ ہود ۶۲)

اے صالح علیہ السلام اس سے پہلے تو تم ہم میں ہو نہار معلوم ہوتے تھے، کیا تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا کرنے سے منع کرتے ہو؟ بے شک جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس پر ایک بہت بڑے دھوکہ ڈالنے شک میں ہیں۔

قوم کہنے لگی ہم نے تو تمہیں بڑا عقلمند بہت بڑا سمجھدار سمجھا ہوا تھا ہمیں تو تم پر بڑی امیدیں تھیں کہ تم ہمارے دین کی امداد کرو گے۔ ہمارے مذہب کی تقویت کا سبب بنو گے، ہمارے طریقہ کی تائید کرو گے۔

یعنی کسی قوم میں جب بھی کوئی شخص علم و فضل میں اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے تو قوم اس سے اپنے مقصد کے مطابق امیدیں وابستہ کر لیتی ہے، آپ کی قوم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ ہمارے باطل دین کی امداد کریں گے۔

اسی طرح آپ غریبوں فقیروں پر بڑے مہربان تھے، ضعیف لوگوں کی امداد کرتے تھے، مریضوں کی عیادت کرتے تھے تو قوم نے کہا کہ ہم نے تو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ تم ہمارے احباب میں سے ہو گے، ہماری امداد کرو گے، تم نے یہ عداوت اور بغض ہمارے ساتھ کیسے شروع کر لیا؟ ہمیں تو تم پر بڑا تعجب ہے، کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا سے روک رہے ہو، ہمیں تو اب تم پر شک ہونے لگا کہ تم ہمیں کسی بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔

آپ نے قوم کو جواب دیا:

﴿ قَالَ يَقَوْمِ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُوْنِي غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾

(ب ۱۲ سورۃ ہود ۶۳)

آپ نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون چائے گا اگر میں اس کی



نافرمانی کروں؟ تو تم مجھے سوائے نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے۔

آپ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل عطا فرمائے ہیں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے اسی لئے میں بھی تم پر مہربانی کر رہا ہوں کہ تمہیں اس راہ کی ہدایت دے رہا ہوں جس میں تمہاری کامیابی ہے تم اپنی بے عقلی کی وجہ سے جس باطل راہ کی میری معاونت چاہتے ہو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خسارہ ہے۔

مزید قوم نے یہ کہا:

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ﴾ انہوں نے کہا ہم نے بڑا شگون لیا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے۔  
(ب ۱۹ سورۃ نمل ۴۷)

حضرت صالح علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور قوم نے تکذیب کی اس کے باعث بارش رک گئی قحط ہو گیا لوگ بھوکے مرنے لگے اس کو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری کی طرف نسبت کیا اور آپ کی آمد کو بد شگونی سمجھا آپ نے قوم کو جواب دیا:

﴿قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ﴾

(ب ۱۹ سورۃ نمل ۴۷)

آپ نے کہا تمہاری بد شگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں پڑے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ بد شگونی جو تمہارے پاس آئی یہ تمہارے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، تم فتنے میں مبتلا ہو، تمہارا اپنے باطل دین کو صحیح سمجھنا، بت پرستی پر قائم رہنا، یہ درحقیقت تمہارے لئے فتنہ ہے۔

(ماخوذ از خزائن العرفان)

قوم نے آپ کو جادوگر کہا:

﴿قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ﴾

انہوں نے کہا کہ تم پر تو جادو ہوا ہے۔

یعنی تم پر بار بار کثرت سے جادو کیا گیا ہے اسی لئے تمہاری عقل سلامت نہیں رہی تم ہمارے ساتھ بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دیں۔



قوم نے آپ کو متکبر کہا:

﴿قَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا لَفِئَ ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ؕ أَلَقَى الذِّكْرُ عَلَيْهِ  
مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ﴾

انہوں نے کہا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کی تابعداری کریں جب تو ہم ضرور گمراہ اور  
دیوانے ہیں، کیا ہم سب میں سے اس پر ذکر اتارا گیا؟ بلکہ یہ سخت جھوٹا، اترانے والا،  
(متکبر) ہے۔

قوم نے کہا ہم اتنی تعداد میں ہو کر ایک آدمی کی تابعداری کریں وہ بھی ایسا شخص ہو جو ہمارے جیسا  
بغیر ہو، ایسا کام تو دیوانوں کا ہے، ہم تو عقل مند ہیں، کیا اسی کو نبوت عطا ہونی تھی؟ اور اس منصب کے  
لائق کوئی نہیں تھا؟ یہ شخص (معاذ اللہ) اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے اور یہ دعویٰ کر کے شوخیاں مار رہا  
ہے، اتر رہا ہے، یہ تو بڑا متکبر ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿سَيَعْلَمُونَ غَدًا مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشِرِّ﴾

بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا، اترانے والا؟

یعنی یہ قوم جب دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوگی تو پھر انہیں پتہ چلے گا کہ کون جھوٹا اور  
باطل راہ پر ضد و عناد کی وجہ سے قائم رہ کر کون تکبر کر رہا تھا؟

قوم نے صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا:

﴿مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بَآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ؕ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا  
شَرِبٌ وَلَكُمْ شَرِبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ؕ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ  
عَظِيمٍ﴾

(پ ۱۹ سورۃ شعراء ۱۵۴، ۱۵۶)

تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تو کوئی نشان لاؤ اگر سچے ہو، آپ نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن اس  
کے پینے کی باری ہے اور دن معین تمہاری باری اور اسے برائی کے ساتھ نہ چھوؤ کہ تمہیں  
بڑے دن کا عذاب آئے گا۔



## مختصر واقعہ قوم ثمود :

قوم عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو آباد کیا ان کو لمبی عمریں عطاء کیں ، وہ پہاڑوں میں بڑی مہارت کاریگری سے تراش تراش کر گھر بناتے ، رب تعالیٰ نے ان کو خوشحال بنایا ، مالی وسعت عطا کی ، تو انہوں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دی اور زمین میں فساد برپا شروع کر دیا ، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف صالح علیہ السلام کو بھیجا جو ان کے قبیلہ کے اشراف یعنی سردار قبیلہ سے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا ، انہوں نے آپ علیہ السلام سے نشانی طلب کی ، تو آپ نے فرمایا :

تم کون سی نشانی طلب کرتے ہو ؟ انہوں نے کہا تم ہمارے ساتھ ہماری عید کے پروگراموں کے لئے شہر سے باہر ہمارے ساتھ چلنا ہم اپنے معبودوں سے دعا کریں گے ، تم اپنے معبود سے دعا کرنا جس کی دعا قبول ہو گئی دوسرے اس کی تابعداری کریں گے۔

آپ علیہ السلام ان کے ساتھ شہر سے باہر تشریف لے گئے انہوں نے اپنے بتوں سے دعا کی جو قبول نہ ہو سکی ، ان کے ایک سردار جندع بن عمرو نے ایک اکیلی چٹان کی طرف اشارہ کیا ، جس کا نام ”کافیہ“ تھا۔ اس نے کہا اس چٹان سے ایک اونٹنی نکالو جو حاملہ ہو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا : اگر میں ایسا کروں تو کیا تم ضرور ایمان لاؤ گے ؟ انہوں نے کہا : ہاں۔ تو آپ علیہ السلام نے نوافل ادا کئے اور رب سے دعا کی ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پہاڑی چٹان میں بالکل وہی کیفیت پیدا ہوئی جس طرح کسی جانور پر پیدائش کے وقت ہوتی ہے ، درد کی وجہ سے کراہنا ، اضطراب وغیرہ۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے وہ چٹان پھٹی اس سے حاملہ اونٹنی پیدا ہوئی ، جس کے جسم پر اون تھی ، پیٹ بڑا تھا ، آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر جندع بن عمرو اور اس کے ساتھ چند اور لوگوں نے ایمان قبول کر لیا ، باقی لوگوں کو ایمان لانے سے ذواب بن عمرو اور احباب اور رباب بن صمعر نے منع کر دیا۔ یہی دونوں شخص ان کے بتوں پر مقرر تھے یعنی بت خانہ



کے ناظم تھے اور تیسرا شخص یعنی رباب بن صمعر کاہن تھا، ان لوگوں کے سامنے ہی اونٹنی نے چہ جتا جو اسی اونٹنی جتنا تھا۔

چونکہ صالح علیہ السلام نے رب کے حکم سے میان کر دیا تھا کہ ایک دن پانی پینے کی باری اونٹنی کی ہو گی اور ایک دن تمہاری اور تمہارے جانوروں اور باقی جنگلی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی۔

اونٹنی اپنے بچے کے ساتھ جنگل میں چرتی تھی اپنی باری کے دن اونٹنی اور اس کا بچہ سارا پانی پی جاتے تھے یعنی کنوئیں میں منہ رکھتی اور اٹھاتی اس وقت جب پانی ختم ہو جاتا وہ دودھ اتنا زیادہ دیتی تھی کہ وہ لوگ پیتے اور اپنے برتن بھر لیتے وہ اونٹنی گرمیوں میں وادیوں کے ظاہری حصہ میں چرتی تھی تو اونٹنی کو دیکھ کر ان کے جانور وادیوں کے نشیبی اندرونی حصہ میں بھاگ کر چلے جاتے، سردیوں میں وہ اونٹنی نشیبی حصہ میں چرتی تو ان کے جانور بھاگ کر وادیوں کے بالائی حصہ میں آ جاتے، انہیں اس صورتحال سے بہت مشکل درپیش آرہی تھی انہوں نے اس اونٹنی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا کہ اسے مار دیا جائے تاکہ ہمیں اس سے نجات حاصل ہو جائے۔

(از حاشیہ جلالین ص ۱۳۶)

اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں :

﴿فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا﴾

(پ ۳۰ سورۃ الشمس ۱۴)

تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی پھر اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔

صالح علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ اس اونٹنی کو برائی میں مس نہ کرنا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ باز نہ آئے جب اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں تو آپ نے انہیں کہا کہ اب عذاب قریب آچکا ہے :

﴿فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعَذْ غَيْرُ مَكْذُوبٍ﴾

تو انہوں نے اس کی کوچیں کاٹیں تو صالح علیہ السلام نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور برت لو (نفع حاصل کر لو) یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔



## عذاب سے پہلے تین دن :

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ڈرایا کہ اب صرف تین دن تمہیں اپنے گھروں میں رہنا اور نفع حاصل کرنا ہے، پھر تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ تو قوم نے کہا: کہ وہ تین دن ہم پر کیسے گزریں گے؟ آپ نے کہا پہلے دن تمہارے چہرے زرد رنگ کے ہو جائیں گے، دوسرے دن ان کا رنگ سرخ ہو جائے گا اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔ چوتھے دن تم پر عذاب آجائے گا۔

اگرچہ چہرے سیاہ ہو جانے پر انہیں عذاب کا یقین آچکا تھا لیکن جب تک علامات پر یقین نہیں آ رہا تھا اس وقت تک انہیں ایمان اور توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو سکی اور جب انہیں یقین ہوا اب توبہ کرتے بھی تو اس کا کوئی نفع نہ ہوتا کیونکہ ناامیدی کی حالت میں توبہ اور ایمان قبول نہیں ہوتے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۸ ص ۲۰)

## سب کی رضامندی سے ایک شخص نے کوچیں کاٹیں :

﴿إِذْ أَنْبَعَثَ أَشْقَاهَا﴾ جب اس کا سب سے بد بخت کھڑا ہوا۔

وہ بد بخت کون تھا؟ ”ہو قد ار بن سالف کان اشقر ازرق قصیرا“  
وہ شخص قد ار بن سالف تھا جس کا رنگ سرخی زردی مائل تھا آنکھیں اس کی نیلی تھیں، قد اس کا چھوٹا تھا۔

(مدارک التنزیل ص ۳۴۳)

اگرچہ اونٹنی کی کوچیں اس ایک شخص نے کاٹیں لیکن سب کے مشورہ اور سب کی رضامندی سے اس نے یہ کام کیا اسلئے قرآن پاک میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کہ سب نے اس کی کوچیں کاٹیں یہی وجہ تھی کہ سب ہی عذاب کے مستحق ہوئے اگر صرف ایک کا فعل ہوتا دوسرے اسے روکتے اس پر خوش نہ ہوتے تو ان پر عذاب نہ آتا۔



## حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا منصوبہ :

﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ بَسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ ، قَالُوا  
تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ، ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا  
لَصَادِقُونَ ، وَمَكْرُؤًا مَكْرًا وَمَكْرُؤًا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾

(پ ۱۹، سورۃ شعراء ۴۸، ۵۰)

اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی  
کوشش نہ کرتے انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح  
علیہ السلام اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ  
ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ  
کہہ رہے ہیں اور انہوں نے جب خفیہ سازش کی، اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی وہ (ہماری  
تدبیر کو) سمجھ ہی نہ سکے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : انہوں نے یہ سازش اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے بعد کی تھی  
جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا  
جو تمہیں برباد کر کے رکھ دے گا، بجائے اس کے کہ وہ اس آخری سازش سے چوکنے ہوتے اور اپنے گناہوں  
پر نادم ہو کر گڑگڑا کر معافی مانگتے انہوں نے الٹا حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش شروع کر  
دی، انہوں نے کہا ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح (علیہ السلام)  
اور اس کے مریدوں کا خاتمہ تو کر دیں۔

جس رات انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر شبخون مارنے کا پروگرام بنایا تھا، اس  
رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے  
ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لئے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھر او شروع کر دیا، انہیں پتھر تو نظر آتے تھے  
لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے، چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا اور یہ مہلت کی آخری  
رات تھی، چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ ان شاء اللہ قریب ہی ذکر آرہا ہے۔



رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تسعة رهط“ رہط کا معنی ہے تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کا گروہ۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے، ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کے مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے تھے، ہر رئیس زادہ کے ساتھ اس کے مددگاروں کی بھی ایک ٹولی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے انہیں ”تسعة رهط“ سے تعبیر کیا گیا، یعنی نو قبیلے (اگرچہ نو شخص تھے)۔

جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہماری ایذا رسانیوں کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی باز نہیں آئے تو انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انہیں بے تیغ کر دو، اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انہیں یقین دلا دیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں، اور نہ ہی ہمیں اس کے قتل کا کوئی علم ہے۔ تو وہ خاموش ہو جائیں گے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے وارث کمزور اور غرباء لوگ ہوں تو انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ انہیں کیا مجال ہو گی کہ ہم سے وہ زیادہ تکرار کریں؟ اس طرح وہ خاموش ہو جائیں گے۔ قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے خود تباہ برباد ہو گئے۔ سبحان اللہ مولائے کائنات تیری قدرت کے کارنامے عجیب ہیں۔

(ماخوذ از ضیاء القرآن)

## قوم ثمود کے کفار پر عذاب الہی :

﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ، فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثَمِينَ﴾  
پس انہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح (علیہ السلام) ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلہ نے آیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ أَيْ الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيدَةُ مِنَ الْأَرْضِ وَالصَّيْحَةُ مِنَ السَّمَاءِ﴾

(جلالین ص ۱۳۶)



قوم ثمود پر زمین کا عذاب شدید زلزلہ تھا اور آسمانوں کا عذاب سخت بجلی کی کڑک یا جبرائیل کی شدید ہولناک آواز تھی جس کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا  
خیال رہے قرآن پاک میں قوم ثمود کے عذاب کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں :

﴿فَاَخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ﴾ (پ ۸ سورۃ اعراف ۷۸)

تو انہیں زلزلہ نے آلیا

﴿وَآخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ﴾ (پ ۱۲ سورۃ ہود ۶۷)

اور ظالموں کو چنگھاڑنے آلیا۔

ان دونوں کا مطلب تو وہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے کہ زمین میں زلزلہ اور آسمانوں سے گرجدار آواز تھی۔ ان کے عذاب کے لئے تیسرا لفظ یہ استعمال ہوا :

﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَاهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ﴾ (پ ۲۹ سورۃ الحاقۃ ۵)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اس کا ترجمہ کیا ”ثمود تو ہلاک ہو گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے“ اس سے پتہ چلا کہ الطاغیۃ اور الطاغیۃ سے مراد ایک ہی ہے۔

تاہم بعض مفسرین نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ ”طاغیۃ“ سے مراد ان کے جرائم و فسادات کا حد سے گزرتا ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے حد سے بڑھنے والے جرائم کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اس معنی کے لحاظ سے ”طاغیۃ“ عذاب نہیں بلکہ عذاب کا سبب ہے۔

صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو نجات :

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيٍ

يَوْمَئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾

پھر جب ہمارا حکم آیا (یعنی عذاب آیا) ہم نے صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے، بیشک تمہارا رب قوی عزت والا ہے۔



یہ رب تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے کہ ایک ہی ملک میں ایک ہی علاقہ میں کفار کو زلزلہ ہولناک کڑک سے تباہ و برباد کر دیا لیکن اپنے نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ذرا تکلیف نہ ہونے دی کفار کو ذلیل و خوار کر دیا ان کو رسوا ہونا پڑا لیکن ایمان والوں کو اس ہولناک تباہی اور اس کی رسوائی سے بچالیا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں اور رب تعالیٰ کی عظیم قدرت پر کامل ایمان رکھیں۔





## ﴿حضرت ایوب علیہ السلام﴾

﴿وَاَيُّوبَ اِذَا نَادٰى رَبَّهُۥ اِنِّىۡ مَسْنٰى الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ  
فَكَشَفْنَا مَا بِهِۦ مِنْ ضُرٍّ وَاَتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا  
لِّلْعٰبِدِيْنَ﴾

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۳، ۸۴)

اور ایوب (علیہ السلام) (کو یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ ”مجھے تکلیف پہنچی  
اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“ تو ہم نے اس کی دعا سن لی، تو  
ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اسے گھر والے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اور  
عطاء کئے اپنے پاس سے رحمت فرما کر اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے باپ کا نام انوص ہے۔ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے  
عیص کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ آپ کی زوجہ کا  
نام رحمة ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے افرائیم کی بیٹی تھی۔

حلیہ مبارک :

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال گھنگریالے، آنکھیں موٹی، خوبصورت، شکل و صورت بہت  
خوبصورت، گردن چھوٹی، سینہ چوڑا، پنڈلیاں اور کلاہیاں موٹی تھیں۔ اور آپ کا قد لمبا تھا۔

(روح المعانی ج ۹ حصہ دوم ص ۸۰)

آپ کے اوصاف :

آپ مسکینوں پر رحم کرتے تھے، یتیموں کی کفالت فرماتے، بیوہ عورتوں کی معاونت (امداد)  
کرتے مہمانوں کے ساتھ عزت و تکریم اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

(تفسیر کبیر)



## مال و دولت کی فراوانی :

اللہ تعالیٰ نے آزمائش سے پہلے آپ کو کثیر مال و دولت دے رکھا تھا، کھیتی باڑی، باغ، غرض یہ کہ ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا۔ ہر قسم کے جانور یعنی بھیڑ بھریاں گائے بھینس اونٹ وغیرہ کی کثرت تھی۔ پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی ہل چلانے والی تھیں، پانچ سو غلام خدمت گزاری کے لئے۔ پھر ہر غلام کی زوجہ اور اولاد بھی بطور خدام آپ کے پاس رہتے تھے۔

## آزمائش سے پہلے اولاد :

”وکان له سبعة بنین وسبع بنات“ آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

(ماخوذ از روح المعانی)

## فرشتوں میں آپ کی بلندی شان کا چرچا :

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے وہ دوسرے فرشتوں کو حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے براہ راست کلام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جب کسی کو پسند فرماتا ہے تو اس کا ذکر جبرائیل امین سے کرتا ہے، وہ میکائیل علیہ السلام سے ذکر کرتے ہیں، وہ دوسرے مقرب فرشتوں سے ذکر کرتے ہیں۔ جب ان مقرب فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص بندے کے ذکر کا چرچا ہو جاتا ہے تو تمام فرشتے اس پر رجمتیں نچھاور کرتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے تمام فرشتے رجمتیں بھیجتے ہیں۔ پھر زمینوں کے فرشتے اس بندے پر رجمتیں بھیجتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا بھی اسی طرح تمام فرشتوں میں ذکر خیر کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔

(تفسیر کبیر)

## آزمائش کی گھڑیاں :

اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مقرب بندوں کو شدید مشکلات میں مبتلا کر کے آزماتا ہے کہ وہ میرا بندہ کتنا صبر



کرتا ہے، مصائب و آلام میں کوئی شکوہ تو زبان پر نہیں لاتا۔ اور بھی اللہ تعالیٰ بہت مال و دولت عطا کر کے آزماتا ہے کہ میرا بندہ کتنا شکریہ ادا کرتا ہے ؟

حضرت ایوب علیہ السلام کو پہلے آرام و صحت، مال و دولت، اولاد اور ہر طرح کی خوشیاں عطا کر کے آزمایا، اس میں بھی آپ نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ آپ علیہ السلام نے شکریہ ادا کر کے بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد آزمائش کا دوسرا دور شروع ہوا کہ زمین کے نیچے سے قدرتی آگ نے آپ کے باغات، کھیتیاں، اونٹ، بحریاں، چرواہے جلا کر راکھ کر دیئے۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا:

”انھا مالہ اعارنیہ وھو اولی بہ اذا شاء نزعہ“

یہ سب مال و دولت اللہ نے ہی عطا کیا تھا وہی اس کا مالک حقیقی ہے جب وہی اس کا حقدار ہے تو اسے حق پہنچتا ہے جب چاہے لے لے مجھے اس میں کچھ کہنے کی کوئی مجال نہیں۔

آپ کی اولاد ایک مکان میں تھی وہاں زلزلہ آیا مکان گر گیا آپ کی اولاد فوت ہو گئی، مکان کی چھت اور دیواریں گرنے سے آپ کے بچوں پر کیا حال گزرا ہوگا؟ جسم چکنا چور ہوئے ہوں گے، ہڈیاں ٹوٹی ہوں گی، سر پھٹے ہوں گے، خون کے فوارے چلے ہوں گے، لیکن یہ حال سن کر بھی اللہ کے نبی نے صبر کا کمال مظاہرہ کیا، وہی الفاظ زبان پر کہ ”سب کچھ رب تعالیٰ کا ہے جو چاہے کرے“

آپ کے جسم میں شدید حرارت سے ایسا اثر ہوا، یوں محسوس ہوتا کہ آپ کے جسم میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں، سر سے لیکر قدم تک آبلے پڑ گئے، شدید خارش ہونے لگی، ناخنوں سے جسم کو کھجلاتے رہے، یہاں تک کہ ناخن گر گئے پھر ٹھیکریوں یا پتھروں سے اپنے جسم کو کھجلاتے، جسم شدید زخمی ہو گیا، زخموں میں بو آنے لگی، ان میں کیڑے پڑ گئے۔ سارے جسم میں صرف آنکھیں دل اور زبان محفوظ تھیں۔ ابن عساکر نے بیان کیا:

”ان الدودة لتقع من جسد ایوب علیہ السلام فیعیدھا الی مکانھا ویقول

کلی من رزق اللہ تعالیٰ“

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم سے اگر کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ پھر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتے اور کہتے اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں دیا ہے وہ کھاؤ۔



## مشکل کا ساقی :

آپکی بیماری نے جب شدت اختیار کر لی تو تمام اقرباء نے آپ کو چھوڑ دیا۔ ”بلہ“ شہر سے باہر آپ کو ایک جھونپڑی بنا کر دے دی گئی کہ یہ مرض کہیں دوسروں تک بھی نہ پہنچ جائے ، جب وہ سارے ساتھ چھوڑ گئے تو اس وقت آپ کی زوجہ جس کا نام رحمة بنت افرائیم بن یوسف تھا ، وہ بدستور آپ کے ساتھ رہی۔ آپکی خدمت گزاری میں رہی ، آپ علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتی ، آپ کو کھانا فراہم کرتی ، آپ کی ضروریات کا ہر طرح خیال کرتی۔ سبحان اللہ ! اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کی پوتی کتنی نیک اور صابرہ تھی۔

## ایوب علیہ السلام کا بے مثال صبر :

ایک دن آپ کی خدمت گزار ، وفادار ، نیک شعار ، بامراد ، نیک زوجہ نے عرض کیا :

﴿لو دعوت اللہ تعالیٰ﴾

کاش تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ، اللہ تعالیٰ تمہاری تکلیف دور فرمادیتا : یہ سن کر آپ نے فرمایا

”کم كانت مدة الرخاء فذكرت مدة كثيرة وفي رواية ثمانين سنة“

عیش و عشرت راحت و سکون مال و دولت کی فراوانی میں کتنا وقت گزرا؟ آپ کی زوجہ نے عرض کیا بہت وقت گزرا ایک روایت میں ہے کہ آپکی زوجہ نے کہا اسی (۸۰) سال گزرے ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :

”انی استحيى من الله ان ادعوه وما بلغت مدة بلاتى مدة رخائى“

مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے دعا کروں جبکہ میری آزمائش کا وقت اتنا بھی نہیں ہوا جتنا میری آسائش کا وقت تھا۔

زوجہ کی غلطی پر ناراضگی کا اظہار :

ایک مرتبہ آپ نے زوجہ کو طلب کیا تو دیر سے حاضر ہونے پر آپ ناراض ہو گئے ، ممکن ہے



بیماری کی وجہ سے طبیعت سخت مزاجی آگئی ہو، زیادہ مناسب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بھی یقیناً کوئی بڑی ہوگی، جیسے مفسرین نے ایک وجہ یہ بیان کہ ہے کہ شیطان آپ کی زوجہ کے پاس طبیب کی صورت میں آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے خاوند بہت بڑی تکلیف میں مبتلا ہیں اگر تم چاہتی ہو تو میں انہیں دوا دیتا ہوں جس سے وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب وہ صحت یاب ہو جائیں تو وہ اس کے بدلے میں میرا شکریہ صرف ان الفاظ میں ادا کریں۔

”انت شفیتنی“ تو نے مجھے شفا دی ہے۔

آپ کی زوجہ نے یہ بات معمولی سمجھی اور ان کا خیال بن گیا کہ اس پر عمل کرنا تو آسان ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے آکر اس نے پورا ماجرا بیان کیا تو آپ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ شیطان میرے امتحان میں مجھے ناکام کرنا چاہتا ہے، آپ علیہ السلام اپنی زوجہ سے ناراض ہو گئے آپ نے فرمایا: اگر میں ٹھیک ہو گیا تو تمہیں سو کوڑے ماروں گا۔ ابھی تمہارے ہاتھوں سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔

(روح المعانی)

اسی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام نے رب کے حضور عرض کیا:

﴿اِنِّیْ مُسْنِیَ الشَّیْطٰنِ بُنْصَبٍ وَّعَذَابٍ﴾ (ب ۲۳ سورۃ ص ۴۱)

مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔

آزمائش کا وقت ختم ہوتا ہے:

﴿وَاِیُّوْبَ اِذَا نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مُسْنِیَ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَاَتٰیہٗ اَہْلَہٗ وَمِثْلَہُمْ مَّعَہُمْ رَحْمَۃٌ مِّنْ عِنْدِنَا وَذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ﴾

(ب ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۳، ۸۴)

اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی



جو تکلیف اسے تھی اور ہم نے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس رحمت عطا کر کے اور بندگی والوں کے لئے نصیحت ہے۔

”انہ علیہ السلام الطف فی السؤال حیث ذکر نفسه بما یوجب الرحمة و ذکر ربه بغایة الرحمة ولم یصرح المطلوب“

(تفسیر کبیر)

حضرت ایوب علیہ السلام نے بہت ہی پیارے، لطیف انداز میں اپنی پریشان حالی، تکالیف کا تذکرہ کیا۔ رب کی بے حساب رحمت کا ذکر کیا گیا، لیکن یہ عرض نہیں کیا کہ ”اے مولائے کائنات میری تکلیف کو دور فرما، کیسا صبر ہے؟ اور رب کے حضور التجا کرنے کا کیسا حسین انداز ہے۔؟

چشمہ شفا:

﴿أَرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ﴾

(ب ۲۳ سورۃ ص ۴۲)

رب تعالیٰ نے فرمایا: زمین پر اپنا پاؤں مارو، یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنا پاؤں زمین پر مارو تو اس سے چشمہ جاری ہوگا، اس سے پانی پو اور نہاؤ تمہیں شفا حاصل ہوگی۔ آپ کو نہانے سے ظاہری جسم کی تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہو گئی اور پانی پینے سے اندورنی تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنتی لباس عطا فرمایا، آپ علیہ السلام لباس زیب تن کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، آپ کی زوجہ آئیں تو اس نے آپ کو نہ پہچانا، وہ آپ ہی سے پوچھنے لگی۔ اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار شخص تھا وہ کہاں گیا؟ پریشان ہو کر پوچھا کہیں بھیڑیئے تو نہیں لے گئے۔ بار بار پریشانی سے جب پوچھ رہی تھیں تو آپ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا کر دی ہے۔

مال و اولاد واپس مل گئے:

”وفی البحر الجمہور علی انہ تعالیٰ احوالہ من مات من اہلہ وعافی

المرضی و جمع علیہ من تشتت منهم“

(روح المعانی)



جمہور حضرات کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام فوت شدہ اولاد کو زندہ کر دیا اور مریضوں کو عافیت دے دی اور تمام بکھرے ہوؤں کو جمع کر دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو دوبارہ شباب (جوانی) عطاء فرمائی اور پھر پہلی اولاد کی طرح اور اولاد عطاء فرمادی۔ اسی طرح آپ کو کثیر مال و دولت عطا فرمایا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے سونے کی مکڑیوں کی بارش کی، آپ علیہ السلام پکڑ پکڑ کر ایک کپڑے میں ڈالتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں جمع کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ ”اے ایوب تم سیر نہیں ہوتے؟“ آپ نے عرض کیا اے مولائے کائنات تیرے فضل سے کون سیر ہو سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے اٹھارہ سال بیماری اور تکلیف میں گزارے تھے پھر رونقیں بحال ہو گئیں۔

## آپ کی زوجہ کی مشکل رب نے آسان کر دی :

چونکہ آپ نے شرعی عذر اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر زوجہ سے ناراض ہو کر قسم اٹھادی تھی، کہ میں درست ہو کر تمہیں ایک سو کوڑے ماروں گا۔ اب تندرست ہونے پر قسم کو پورا کرنا لازم تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ کے نبی کی زوجہ کو کوڑوں سے بچالیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی اسی کی رضا کے لئے قسم اٹھائی تھی، لیکن ان کی زوجہ نے بھی رب کی رضا کی خاطر ہی اپنے خاوند کی اس وقت خدمت کی، جب سب لوگ چھوڑ چکے تھے۔ اس طرح رب نے دونوں کی ادا کو پسند کیا، نہ نبی کو منع کیا اور نہ ان کی زوجہ کو کوڑے لگانے دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَتْ إِنَّآ وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾

(پ ۲۳، سورۃ ص ۴۴)

فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اسے مار دے اور قسم نہ توڑ بے شک ہم نے اسے



صابر پایا کیا اچھا بندہ ہے بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ سوتیلیوں (تنگوں) والا ایک جھاڑ لیں اپنی زوجہ کو ماردیں۔ اس طرح آپ کی قسم پوری ہو جائے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ اس نے خود اپنے فضل و کرم سے حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ اجازت دی، ورنہ کوئی اور انسان ایسی قسم اٹھائے تو اس کی قسم اس طرح جھاڑ مارنے سے پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

خیال رہے کسی شرعی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے رعایت ملے تو یہ ان کی مہربانی ہے، وہ مالک ہیں، چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو اس میں آسانی کی راہ پیدا کر دیں، لیکن انسان خود کوئی ایسا حیلہ کرے کہ اس کی وجہ سے حکم شرعی اس سے ٹل جائے، یہ ناجائز ہے۔ انسان کسی ایسے حیلے کو اختیار کرے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنی پڑے یا روزے گرمیوں میں نہ رکھنے پڑیں، بلکہ سردیوں میں قضا کریں گے۔ اس طرح کے ہتھکنڈے بغیر عذر شرعی کے باطل ہوں گے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

﴿عندی ان کل حيلة اوجبت ابطال حکمة شرعية لا تقبل کحيلة سقوط الزکوة﴾  
(روح المعانی)

میرے نزدیک ہر حیلہ جس میں شرعی احکام کی حکمت کا باطل ہونا لازم آئے وہ قبول نہیں

کیا جائے گا، جس طرح کوئی حیلہ کرے کہ مجھ پر زکوٰۃ لازم نہ آئے وغیرہ۔

(مکمل واقعہ ماخوذ از تفسیر کبیر و روح المعانی ب ۱۷، پ ۲۳)

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو آسائش میں اس کی نعمتوں کا شکر کرنے اور آزمائشوں میں صبر کرنے کی توفیق

عطا فرمائے، رزق حلال عطا فرمائے اور نیک وفادار زوجہ عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین



حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں کیڑے پڑنے کا واقعہ سند کا محتاج ہے۔ یعنی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے لیکن خیال رہے کہ اسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”واخرج احمد في الزهد عن الحسن انه قال ما كان بقي من ايوب عليه السلام الا عينا و قلبه ولسانه فكانت الدواب تختلف في جسده و اخرج ابونعيم وابن عساكر عنه ان الدودة لتقع من جسم ايوب عليه السلام فيعيدھا الى مكانها ويقول: [كلى من رزق الله]“

(روح المعانی ج ۹ جز ۲ ص ۸۰)

احمد ابو نعیم اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک میں ماسوائے آنکھوں، دل اور زبان کے کوئی جگہ نہیں تھی جہاں کیڑے نہ پڑے ہوں جب کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ اسے اٹھا کر پھر اپنی جگہ رکھ دیتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھا جو اس نے تجھے دیا ہے۔

معتزلہ نے بھی کیڑے پڑنے والی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ البتہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ابتلاء جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ انبیائے کرام پر آزمائش زیادہ ہوتی ہے۔ کیڑے پڑنے کا ذکر تفسیر بیضاوی، تفسیر بغوی، تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر وغیرہ معتبر کتب تفسیر میں کیا گیا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب





## حضرت ذوالکفل اور حضرت یسع علیہما السلام

﴿وَاذْكُرْ اسْمَاعِيلَ وَيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ﴾

یاد کرو اسماعیل اور یسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو اور سب اچھے ہیں۔

### حضرت ذوالکفل علیہ السلام :

آپ کا نام ”بشر“ ہے یا ”شرف“ ہے۔ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آپ کے متعلق اور بھی مختلف اقوال ہیں، تاہم اسی قول مذکور کی طرف زیادہ رجحان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے باپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد نبی بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ آپ لوگوں کو میری وحدانیت پر ایمان لانے کی طرف بلائیں، کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔

آپ عمر بھر شام کے علاقہ میں ہی رہے، اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے، پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے عبد ان کو وصیت کی تھی کہ میری وفات کی بعد نیکی کے عمل پر قائم رہنا، لوگوں کو بھی ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

آپ علیہ السلام یتیموں محتاجوں غریبوں بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے، انہی محتاج لوگوں کی کفالت کی وجہ سے ہی آپ کا نام ”ذوالکفل“ (کفالت کرنے والا) پڑ گیا تھا۔

(روح المعانی ج ۹ ح ۵: دوم ص ۸۲)





## حضرت یسوع علیہ السلام :

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطاء فرمائی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو بادشاہت بھی عطا فرمائی، آپ دن کو روزہ رکھا کرتے تھے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتے تھے۔ آپ کو کسی بات پر غصہ نہیں آتا تھا، خصوصاً آپ اپنی امت کے معاملات میں بڑی متانت سے فیصلہ فرماتے، کسی قسم کی جلد بازی اور غصہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔

آپ علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو بنی اسرائیل کے کچھ بڑے آدمی مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ بادشاہت میں اپنا جانشین کسی کو مقرر کر دیں تاکہ ہم اپنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ملک کی باگ دوڑ میں اس کے حوالے کروں گا جو مجھے تین باتوں کی ضمانت دے۔ کسی شخص نے بھی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی ضمانت دینے کے متعلق آپ سے کوئی بات نہ کی۔ سوائے ایک نوجوان کے اس نے کہا میں ضمانت دیتا ہوں، آپ نے اسے کہا بیٹھ جا۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی اور شخص بات کرے لیکن پھر آپ کے کہنے پر وہی نوجوان ہی کھڑا ہوا اس نے ذمہ داری قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

آپ علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے۔ تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کرو۔

☆ ایک یہ کہ تمام رات عبادت میں گزارنی ہے، سونا نہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ ہر روز دن کو روزہ رکھنا ہے۔

☆ تیسری چیز یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔

جب اس نوجوان نے تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کر لی تو آپ نے بادشاہی کا نظام اس کے سپرد کر دیا۔ خیال رہے نبوت میں خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا، اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبی بنا دے۔

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾

(ب ۸ سورت انعام ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے منصب رسالت کسے عطا کرنا ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی ج ۹ حصہ دوم ص ۸۱)



## ﴿حضرت الیاس علیہ السلام﴾

﴿وَإِنَّ الْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ، أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ، إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامًا عَلَى الْيَاسِينَ ، إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴾

(پ ۲۳ سورۃ صافات ۱۲۳-۱۲۴)

اور بے شک الیاس پیغمبروں سے ہے جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا کرتے نہیں کیا تم بعل (بت کا نام) کو پوجتے ہو اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کو جو رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلوں باپ دادا کا پھر انہوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ضرور پکڑے جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے اور ہم نے پچھلوں میں اس کی ثناء باقی رکھی سلام ہو الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں پر بے شک ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نبیوں کو بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل ایمان والے بندوں سے ہے

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، آپ کا نسب مشہور قول کے مطابق یہ ہے الیاس علیہ السلام بن یاسین بن قحاص بن العیزار بن ہارون۔

حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام کی ہر سال ملاقات :

حضرت الیاس علیہ السلام خشکی پر مقرر کئے گئے تھے اور حضرت خضر دریاؤں پر اور جزیروں پر مقرر ہیں، ہر سال حج کے موقع پر ان دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ اور الیاس علیہ السلام کی ملاقات :

ایک سفر کے دوران کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی، آسمانوں سے اللہ تعالیٰ نے کھانا اتارا



دونوں حضرات نے وہ کھانا مل کر کھایا اس کھانے میں روٹی پھلی وغیرہ نازل کی گئی، پھر عصر کی نماز دونوں حضرات یعنی نبی کریم ﷺ اور الیاس علیہ السلام نے مل کر ادا کی۔

آپ نے قوم کو کہا :

حضرت الیاس علیہ السلام نے قوم کو کہا : تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں چاہئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اس کے نواہی (جن کاموں سے رب نے منع کیا ہے) سے اجتناب کرو، تم بت پرستی کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بت سے حاجات طلب کر رہے ہو، اور اس ذات کو چھوڑ رہے ہو، یعنی اس ذات کی عبادت نہیں کر رہے ہو اور اس سے تم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر رہے ہو جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

خیال رہے خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے بغیر کوئی خالق نہیں، یہاں اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین کہا گیا ہے؛ کیونکہ ان کے گمان کے مطابق رب کے بغیر بھی خالق تھے، تو کہا گیا ہے جن کو تم خالق مانتے ہو ان سب سے اچھا خالق اللہ تعالیٰ ہے یا مجازی طور پر دوسرے کاموں کے ایجاد کرنے والوں کو وہ لوگ خالق کہہ دیتے تھے تو آپ نے بھی ان کے قول کے مطابق کلام فرمایا ہو۔

قوم الیاس کا بت :

ان کے بت کا نام ”بعل“ تھا۔ یمن کی لغت میں ”بعل“ کا معنی رب ہے۔ وہ کہتے تھے :

”من بعل هذا الدار“ ؟

اس گھر کا مالک کون ہے؟

اسی وجہ سے خاوند کو بھی ”بعل“ کہا گیا ہے قرآن پاک میں ہے :

﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾

اور ذکر کیا گیا ہے : ﴿وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا﴾



ان دونوں مقاموں میں بعل کا معنی خاوند ہے، چونکہ وہ اس بت کو اپنا رب مانتے تھے۔ اس کا نام ہی انہوں نے بعل رکھا ہوا تھا۔ اس بت کی لمبائی پچیس ذراع (تیس فٹ) تھی۔ وہ سونے کا بنا ہوا تھا اس کے چار منہ تھے۔ وہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اس کی خدمت کے لئے انہوں نے چار سو خادم رکھے ہوئے تھے، وہ خدام چونکہ ان کے معبود کے خدمت گزار رہتے تھے، اسلئے وہ ان کو اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بعض مفسرین نے ”ابنائہم“ کی جگہ ”انبیاء“ تحریر کیا ہے کہ وہ ان خادموں کو اپنے خدا کا نبی سمجھتے تھے۔

### شر بعلبک :

”بعلبک“ شر کا نام اس لئے بعلبک رکھا گیا ہے کہ اس وقت کے حاکم کا نام ”بک“ تھا۔ اور اس کے معبود کا نام ”بعل“ تھا۔ اس نے ایک شر آباد کیا جس کا نام اس نے اپنے اور اپنے معبود کے نام سے مرکب کر کے ”بعلبک“ رکھا نحو کی تمام کتب میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ”بک“ اس جگہ کا نام تھا جہاں انہوں نے اپنے بت ”بعل“ کو رکھا ہوا تھا۔ اس طرح بت اور اس کے مندر کے نام سے شر کا نام ”بعلبک“ رکھا گیا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

**تنبیہ:** بعض حضرات نے تحریر کیا ہے کہ ”بعل“ بت میں شیطان بولتا تھا کہ گمراہی کی طرف ان کی راہنمائی کرتا تھا، وہ بت کچھ احکام جاری کرتا اس کے خدام یعنی جن کو وہ اپنے بت کے نبی سمجھتے تھے لوگوں تک وہ احکام پہنچاتے تھے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

”واما قولہم ان الشیطان کان یدخل فی جوف بعل یتکلم بشریعة الضلالة  
فہذا مشکل لانا ان جوزنا ہذا کان ذالک قادحا فی کثیر من المعجزات  
لانه نقل فی معجزات النبی ﷺ کلام الذئب معہ و کلام الجمل معہ و حنین  
الجذع ولو جوزنا ان یدخل الشیطان فی جوف جسم یتکلم فحینئذ یکون



هذا الاحتمال قائما في الذنب والجمل والجذع وذلك يقدح في كون هذه  
الاشياء معجزات

(تفسیر کبیر ج ۲۶، ص ۱۶۱)

بعض لوگوں کا جو یہ قول ہے کہ بعل بت کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا اور ان کو گمراہی کے راستہ پر چلانے کا کام کرتا تھا اس کا تسلیم کرنا بہت مشکل ہے اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سے معجزات پر عیب لازم آئے گا اور ان پر اعتبار ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے معجزات میں ان معجزات کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ سے بھیڑیے نے کلام کیا، آپ ﷺ سے اونٹ نے کلام کیا، آپ نے جب منبر بنوا لیا تو جس ستون سے آپ پہلے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ وہ رونے لگا، آپ نے اسے تسلی دی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان جسموں میں داخل ہو کر کلام کرتا ہے تو یہ احتمال بھیڑیے اور اونٹ اور کھجور کے تنے یعنی اس رونے والے ستون میں بھی قائم ہو گا کہ (معاذ اللہ) ان میں بھی شیطان نے داخل ہو کر کلام کیا ہو گا اس طرح تو معجزات پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا۔

علامہ رازی کی اس بحث سے واضح ہو گیا کہ یہ قول ہی باطل ہے کہ ”بعل“ کے پیٹ میں شیطان داخل ہو کر کلام کرتا تھا۔

خیال رہے کہ یہاں ﴿فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ ..... تو انہوں نے اس کی تکذیب کی پس بیشک وہ پکڑے جائیں گے ..... میں اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس کے بعد ﴿إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے ..... میں استثناء بھی اسی اخروی عذاب سے ہے۔

دنیا میں قوم الیاس کی تباہی اور آپ پر ایمان لانے والوں کی نجات کا ذکر معتبر تفاسیر میں نظر نہیں آسکا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ بھی یہی ظاہر کر رہا ہے ﴿سَلَامٌ عَلَى الْيَاسِينَ﴾ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کیا ہے ”سلام ہو الیاس علیہ السلام پر“ اس میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں پر سلام ہو۔ ایک قرات میں آل یاسین ہے، چونکہ الیاس علیہ السلام بن یاسین ہیں یعنی یاسین کی آل پر سلام ہو اس سے مراد الیاس علیہ السلام ہیں۔



## ﴿حضرت یونس علیہ السلام﴾

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾

(پ ۱۱، سورۃ یونس ۹۸)

پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان، (کسی سے ایسا نہ ہوا) سوائے قوم یونس کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ نینوی علاقہ موصل میں رہتے تھے کفر و شرک بت پرستی میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا آپ نے انہیں ایمان لانے اور بت پرستی چھوڑنے کے متعلق حکم دیا لیکن قوم نے آپ کی تکذیب کی، آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے آگاہ کیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ آپ خود ان لوگوں سے ناراض ہو کر شہر سے باہر چلے گئے، جب انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو بہت خوف میں مبتلا ہو گئے۔ کہا اب عذاب ضرور آئے گا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو ایک خاص مدت تک دنیاوی مال و متاع سے نفع حاصل کرنے کی مہلت دی تھی کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو فلاں وقت تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مہلت کی مدت میں کئی اقوال ہیں :

وہ مدت چالیس دن تھی۔

(تفسیر کبیر)

وہ مدت تین دن تھی۔

(روح المعانی)

تفسیر کبیر کے مطابق جب پینتیس دن گزر گئے تو آسمان پر شدید سیاہ بادل چھا گئے، جن سے بہت زیادہ دھواں نکلنے لگا۔ دھواں شہر تک پہنچ گیا اور اس نے مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب وہ لوگ سمجھ



گئے کہ یونس علیہ السلام نے جس عذاب کے آنے کے متعلق کہا تھا بس وہ آنے ہی والا ہے۔ وہ اتنے شدید خوف میں مبتلا ہوئے کہ ڈر کے مارے شہر کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔

انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو جدا کر دیا یہاں تک کہ تمام جانوروں اور ان کے بچوں کو بھی جدا کر دیا، جبکہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر ایک دوسرے کی طرف مشتاق ہونے کی وجہ سے بے قرار ہو گئے، وہ اپنی آوازیں نکالنے لگے۔ ان جانوروں کی دردناک آوازیں زبان حال سے آہ و زار ایک عجیب دردناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ وہ سب انسان مرد عورتیں بچے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے تھے، رورہے تھے، اور عرض کر رہے تھے کہ :

”اللہ تعالیٰ ہم تجھ پر اور تیرے نبی یونس علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، ہم اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے ہیں، اے مولائے کائنات ہمارے گناہ معاف کر دے، ہمیں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھ۔“

انہوں نے اگر کسی ایک دوسرے پر مظالم کئے ہوئے تھے تو ان کو معاف کر لیا اگر کسی کے حقوق غصب کئے ہوئے تھے تو وہ واپس کئے، توبہ کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر انہوں نے کوئی پتھر اپنے مکانوں کی بنیادوں میں لگایا ہوا تھا تو بنیادیں بھود کر وہ پتھر نکال کر واپس کیا۔ جب انہوں نے ایمان قبول کر لیا، سچے دل سے توبہ کر لی، تو اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آگیا اور ان سے عذاب سے دور کر دیا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر، و روح المعانی)

## قوم یونس کی توبہ کی قبولیت کا دن :

وہ دن عاشورا کا دن تھا، یعنی دس محرم الحرام اور جمعہ کا دن تھا وہ اپنے ایک بزرگ عالم کے پاس جا کر پوچھ رہے تھے کہ ہم پر عذاب آنے والا ہے ہم کیا کریں؟ اس نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعائیں کرو۔

یا حی یا قیوم یا معی الموتی یا حی لا الہ الا انت اللہم ان ذنوبنا قد عظمت وجلت انت اعظم منها واجل افعل بان ما انت اہلہ



ولا تفعل بنا ما نحن اہلہ

اے اس وقت بھی زندہ رہنے والے جب کوئی زندہ نہیں رہے گا اے ہمیشہ زندہ رہنے والے  
اے مردوں کو زندہ کرنے والے اے ہمیشہ زندہ رہنے والے تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔  
اے اللہ ! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں حد سے بڑھ چکے ہیں تو عظیم ہے اور جلیل  
القدر ہے ہمارے ساتھ وہ سلوک کر جو تیری شان کے لائق ہے (کیونکہ تو رحیم و کریم ہے  
لہذا شان کریمی کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ فرما) اور ہمارے ساتھ وہ سلوک نہ فرما جس  
کے ہم حقدار ہیں۔

اعتراض :

”فرعون“ عذاب کو دیکھ کر ایمان لایا اور توبہ کی، لیکن اس کے ایمان لانے اور توبہ کرنے کو قبول  
نہیں کیا گیا اور یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان اور ان کی توبہ کو کیوں قبول کیا گیا؟

جواب :

”ان فرعون انما تاب بعد ان شاهد العذاب واما قوم یونس فانہم تابوا قبل  
ذالك فانہم لما ظہرت لہم امارات دلت علی قرب العذاب تابوا قبل ان  
شاهدوا فظہر الفرق.“

فرعون نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی تھی کیونکہ جب وہ غرق ہونے لگا تھا تو اس نے کہا تھا۔  
”میں ایمان لاتا ہوں“ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے  
صرف علامات عذاب کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیا تھا اور توبہ کر لی تھی، کہ اب عذاب آنے  
ہی والا ہے۔ اب فرق واضح ہو گیا کہ فرعون کا ایمان عذاب کے مشاہدہ کرنے پر اور انکا  
ایمان عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے تھا۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں :

حضرت یونس علیہ السلام جب قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور قوم نے آپ کے پیچھے توبہ کر لی



لیکن آپ واپس لوٹ کر نہ آئے ، تو آپ اپنے سفر کے دوران دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے ، لیکن کشتی بھنور میں پھنس گئی ۔ اس وقت کے دستور اور رواج کے مطابق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جب کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر جا رہا ہو اور کشتی میں سوار ہو تو وہ کشتی اس وقت تک کنارے پر نہیں پہنچتی جب تک اس غلام کو کشتی سے اتار نہ لیں ۔ اب کشتی کے بھنور میں پھنسنے پر ان لوگوں نے قرعہ ڈالا جو حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا ۔ تین دفعہ قرعہ آپ کے نام ہی نکلا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی غلام ہوں جو اپنے آقا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں ۔ آپ علیہ السلام نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگالی تاکہ کشتی کے دوسرے لوگ کنارے پر پہنچ جائیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کے دل میں القاء کیا اور حکم دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے ، لیکن یہ خیال کرنا کہ تمہارا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنایا ہے انہیں تمہارا قلمہ نہیں بنایا ، اس لئے انہیں خراش تک نہ آنے دی جائے ، ان کو بال برابر بھی نقصان نہ پہنچے ۔ اس طرح آپ مچھلی کے پیٹ میں آ گئے ، یہ آپ پر ایک امتحان تھا اور یار کا یار کو ”عتاب“ تھا۔

چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح :

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے ”ذوالنون“ اور ”صاحب الحوت“ کہا گیا ہے۔ کیونکہ نون اور حوت دونوں کا معنی مچھلی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾

(پ ۱۷ ، سورۃ انبیاء ۸۷)

اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور صحیح بھی یہی ہے جبکہ کئی اور تراجم میں ﴿أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ کا ترجمہ ”ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے“ ۔ ”ہم اس پر گرفت نہ کریں گے“ ۔ ”ہم نہ پکڑ سکیں گے“ اس قسم کے ترجمے غلط اور باطل ہیں۔ میں نے اپنی کتاب ”تسکین الجنان“ میں کئی تراجم ذکر کئے ہیں۔



علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جو لوگ انبیائے کرام کو گناہگار ٹھہراتے ہیں کہ ان سے ضرور گناہ سرزد ہوتے ہیں ، وہ اس آیت سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ رب مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔ یہ کہنا گناہ ہے۔ لہذا نبی گناہگار ہو سکتے ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں : اگر یہ معنی کیا جائے کہ آپ نے رب کے متعلق یہ گمان کیا کہ ”رب عاجز ہے مجھے پکڑ نہیں سکے گا“ تو یہ کفر ہے۔ ایسی نسبت تو ایک مومن کی طرف نہیں کر سکتے ، تو انبیائے کرام کی طرف کیسے کر سکتے ہیں ؟ اسلئے اس بات کی توجیہ ضروری ہے ، وہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ”لن تضیق علیہ“ آپ نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ اسلئے کہ قرآن پاک میں اور مقامات پر بھی اس معنی میں اس لفظ کا استعمال ہے۔

﴿اللَّهُ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾

اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے ﴿وَمَنْ قَدَرُ عَلَيْهِ﴾ اور جس پر وہ رزق تنگ کر دے۔

﴿وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ﴾

لیکن وہ جب انسان کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔

ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا : گزشتہ رات قرآن پاک کی موجوں میں مستغرق رہا ، لیکن مجھے اس سے خلاصی نہ مل سکی ، ہو سکتا ہے آپ میری راہنمائی کر دیں ، آپ نے پوچھا وہ کیا ہے ؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا :

”يُظَنُّ نَبِيَّ اللَّهِ أَنْ لَنْ يَقْدَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ“

کیا اللہ تعالیٰ کا نبی بھی یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکے گا۔ ؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا :

”هَذَا مِنَ الْقَدْرِ لَا مِنَ الْقُدْرَةِ“



یہ لفظ ”قدر“ سے لیا ہوا ہے۔ ”قدرة“ سے نہیں۔ یعنی اس کا معنی ”تعلی نہ کرنا“ ہے۔  
”قدرت نہ رکھنا“ نہیں۔

علامہ رازی کی اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو شہر چھوڑ کر ہجرت کر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے اجتہاد سے تشریف لے گئے تھے۔

خیال یہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر تعلی نہیں فرمائے گا نہ کوئی باز پرس کرے گا۔

﴿وَإِنْ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ﴾

لورے شک یونس پیغمبروں سے ہے جبکہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔

یہاں بھی کئی مترجمین نے ترجمہ کیا ہے ”وہ بھاگ گیا“ یہ ترجمہ نبی کی شان کے لائق نہیں بھاگنے کا مقصد ہی نہیں تھا، صرف قوم پر ناراضگی کی وجہ سے آپ چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ اب ان پر عذاب آنے کا وقت تو آئی چکا ہے لہذا یہاں رہنے کی اب ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش شروع ہوئی اس لئے ڈالا گیا تھا کہ آپ کو رب تعالیٰ کے حکم تک ٹھہرنا چاہئے تھا۔

﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ فَاٰمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾

لور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں بلکہ زیادہ کی طرف بھیجا تو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک بدلتے دیا۔

اصل وجہ یار کی طرف سے یار کو عتاب کی صرف یہی تھی کہ اے میرے پیارے تمہیں تو لاکھ آدمیوں سے زائد کی طرف بھیجا گیا تھا، ابھی تو عذاب کے آنے میں کچھ وقت باقی تھا، تمہیں وہاں رہنا چاہئے تھا، ہو سکتا تھا کہ وہ ایمان لے آئیں جیسا کہ ہوا بھی یہی کہ وہ ایمان لے آئے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

دعاء نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے :

﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمٍ يُتْعَتُونَ﴾



تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے ہوؤں میں ہوا، پھر اسے مچھلی نے نگل لیا، اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے تھے اور مچھلی کے پیٹ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہے تو رب تعالیٰ نے آپ پر رحم فرمایا: بعض بزرگوں نے کہا ہے:

”اذکروا اللہ فی الرخا یدکر کم فی الشدة“

تم اللہ تعالیٰ کو آسانی میں یاد کرو تا کہ وہ تم پر مصائب و شدائد میں مہربانی فرمائے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

یہ ایک حدیث شریف کا ہی معنی ہے اگرچہ الفاظ حدیث شریف کے نہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی آسائش میں اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا کثیر نمازیں ادا کرنا اور مچھلی کے پیٹ میں بھی رب تعالیٰ کو یاد کرنا ہی کام آیا۔

مچھلی کے پیٹ میں آپ کی دعا:

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(ب ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۷)

تواندھیروں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ ظلمات جمع ذکر کیا، کئی تاریکیاں۔ اسلئے کہ آپ دریا کی تاریکی، رات کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں تھے۔ ان اندھیروں میں آپ نے رب تعالیٰ کے حضور التجاء کی اے اللہ میں جو تیرے حکم کے انتظار سے پہلے آگیا، یہ مجھ سے بے جا ہوا تو ان کلمات سے آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں ہے جو کوئی مصیبت زدہ بارگاہ الہی میں ان کلمات سے دعاء کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

(عزائن العرفان)



## مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا :

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ، وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

(پ ۱۷ سورۃ انبیاء ۸۸)

تو ہم نے اس کی پکار سن لی، اور اسے غم سے نجات دی، اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔

یعنی یونس علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اظہارِ عجز کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے غم سے نجات عطا فرمائی، اسی طرح اگر مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اپنی پریشانیوں کی فریاد رب سے طلب کی، سچے دل سے تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی فریاد کو بھی قبول کرے گا۔

## مچھلی کے پیٹ سے باہر آکر :

﴿فَبَدَّلْنَا بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ﴾

(پ ۲۳ سورۃ صافات ۱۴۵، ۱۴۶)

ہم نے اسے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ لگایا۔  
”کل شجرة لاساق لها فهو يقطين“

ہر بیل جس میں تانہ ہو اسے يقطين کہا جاتا ہے، لیکن یہاں مراد ”کدو“ ہے۔

علامہ آلوسی نے تحریر فرمایا :

”وهو الدباء المعروف وكان النبي ﷺ يحبه“

کہ یہاں مراد دباء ہے اور وہ مشہور و معروف ہے کہ وہ ”کدو“ ہے جسے نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر اس کو اس لئے اگایا کہ آپ پر سایہ کرے اور آپ کو ٹھنڈک پہنچائے اور آپ کو اس کے پتے مس کریں اور اس کے بڑے پتے آپ پر رہیں تاکہ آپ پر مکھیاں نہ بیٹھیں، کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ کدو کے پتوں پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں۔



حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آتے وقت نو مولود بچے یا چوزے وغیرہ کی طرح تھے یعنی آپ کا چمڑا بہت نرم و نازک تھا، اس پر کوئی بال وغیرہ نہیں تھے۔ آپ کے لئے کھیاں باعث تکلیف ہو سکتی تھیں اور سخت چیز کا مس کرنا اور سورج کی گرمی آپ کے لئے تکلیف کا باعث بن سکتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے آپ کو اس کے سایہ سے آرام پہنچایا اور کدو کے پتے اترے ہوئے چمڑے کے لئے بھی مفید ہوتے ہیں اسلئے بھی کدو کو اگایا کہ اس کے پتے آپ کے چمڑے کے لئے فائدہ مند ہو سکیں

خیال رہے کہ ”شجرۃ“ اسے کہتے ہیں جس میں تناہو اگرچہ کدو کی بیل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے درخت کی طرح بڑا بنا دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک بحری کو آپ پر مقرر کر دیا تھا جو آپ کو دودھ پلاتی تھی، اس طرح پھر آپ کو توانائی جسم کی پختہ جلد اور بال عطا کر دیئے گئے۔

(روح المعانی)

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت تین دن، سات دن، بیس دن اور ایک ماہ، مختلف اقوال میں بیان کی گئی ہے، لیکن علامہ رازی علامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

”لا ادري باي دليل عينوا هذه المقادير“

مجھے معلوم نہیں کہ کس دلیل سے یہ مدت مقرر ہوئی اس پر کوئی دلیل نہیں۔





## ﴿حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام﴾

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو سال عمر پائی، آپ موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ننانوے (۵۹۹) سال بعد تشریف لائے۔ (اس کے دیگر اقوال بھی منقول ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے ہیں آپ نے انسٹھ سال عمر پائی۔ یہ نبی کریم ﷺ سے ایک ہزار سات سو سال پہلے تشریف لائے۔

(التخیر للسیوطی، حاشیہ جلالین، ص ۲۷۵)

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ ☆

(ب ۲۳ سورۃ ص ۱۷)

اور ہمارے بندے داؤد، نعمتوں والے کو یاد کرو بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔  
ذالاید: کا معنی نعمتوں والا بھی ہے اور طاقت و قوت والا بھی ہے۔ یعنی آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبادات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت عطاء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی طاقت کی تعریف فرمائی تو اس سے وہی مراد ہو سکتی ہے، جو قابل تعریف ہو اور قابل تعریف وہی طاقت ہے جس کی وجہ سے انسان عبادات پر عمل کر سکے اور گناہوں سے بچ سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی عبادت:

آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، یہ دراصل آپ علیہ السلام کا نفس کے خلاف جہاد تھا؛ کیونکہ انسان کا ”نفس“ بچے کے طرح ہوتا ہے۔ بچے کو ایک دن دودھ پلایا جائے اور دوسرے دن نہ پلایا جائے یہ بہت مشکل ہے، اسی طرح داؤد علیہ السلام نے اپنے نفس سے ایسا جہاد کیا جو عام آدمی کے لئے بہت مشکل تھا؛ کیونکہ ایک دن نفس کو خواہشات سے روکنا اور دوسرے دن خواہشات کی اجازت دینا عظیم کام تھا۔ آپ علیہ السلام نصف رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام فرماتے، یعنی نوافل ادا کرتے، پھر رات کا تہائی حصہ سوتے، پھر رات کا چھٹا حصہ جاگ کر عبادت میں مشغول رہتے۔



داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا ذکر :

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ☆

(پ ۱۹ سورۃ نمل ۱۵)

اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بڑا علم عطا کیا تھا، اور دونوں نے کہا :

سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی۔

علم سے مراد لوگوں کے درمیان قضاء (فیصلہ) کا علم ، پرندوں کی بولیاں جاننے کا علم وغیرہ

”ہمیں فضیلت دی“ اس سے مراد نبوت اور جنوں شیطانوں کو آپ کے تابع بنانا ہے۔

”علم“ سے انسان کو فضیلت حاصل ہوتی ہے، انسان کو چاہیے کہ نعمتوں کے حاصل ہونے پر ان کا

شکر یہ ادا کرے، کسی نعمت کا اظہار بطور تکبر ناجائز ہے، بطور شکر ذکر کرنا مستحب ہے۔ سنت انبیائے

کرام ہے۔

(از روح البیان، جلالین)

داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کا ذکر :

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ

الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ

شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ ☆

(پ ۲۳ سورۃ ص ۲۶)

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا ، تو لوگوں میں سچا حکم کر اور

خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی، بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ

کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، اسلئے کہ وہ عذاب کے دن کو بھول بیٹھے۔

”فقد جمع لداؤد بين النبوة والسلطنة“

(صاوی، حاشیہ جلالین ص ۳۸۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت دونوں حاصل تھیں۔



”ولا تتبع الهوى المقصود من نهيه اعلام امته لانه معصوم ولتبعه فيما امر به لانه اذا كان هذا الخطاب للمعصوم فغيره اولی“

(صاوی، حاشیہ جلالین ص ۳۸۲)

آپ علیہ السلام کو رب نے جو فرمایا: ”خواہش کے پیچھے نہ جانا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو خواہش کے پیچھے چلنے سے امت کی تعلیم کے لئے روکا گیا ہے، کہ وہ غور و فکر کریں۔ اور آپ علیہ السلام کو جو حکم دیئے گئے ہیں وہ ان کی تابعداری کریں۔ جب یہ خطاب معصوم کو ہو سکتا ہے تو دوسروں کو تو یقیناً یہ حکم ہونا ہی ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ بنی مروان میں سے کسی خلیفہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کہا کہ کیا تم نے سنا ہے؟ جو ہمیں خبر دی گئی ہے کہ خلیفہ پر کوئی قلم نہیں چلے گی اور اس پر کوئی معصیت نہیں لکھی جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین خلفاء افضل ہیں یا انبیاء علیہم السلام؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تعلیم امت کے لئے خواہشات کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے تو خلیفہ کیا چیز ہو سکتا ہے؟

(از تفسیر کبیر)

فائدہ:

ایک انسان دنیا میں زندگی گزارنے کی جمیع ضروریات پر عمل نہیں کر سکتا، کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے کوئی دانے پیتا ہے، کوئی روٹی پکاتا ہے، کوئی کپڑا بناتا ہے اور کوئی سلائی کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ تمام کام مل کر تمام کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جب سب لوگوں نے ایک ہی علاقہ ایک ہی سر زمین میں مجتمع ہو کر رہنا ہے اور مختلف کام سر انجام دینے ہیں تو ان میں اختلافات، جھگڑے ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ اس لئے ان میں کوئی ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہئے جسے طاقت اور دبدبہ حاصل ہو جو ان کے اختلافات دور کر سکے، ان کے جھگڑوں میں فیصلہ کر سکے، یہ وہ بادشاہ ہی ہو سکتا ہے جس کا حکم کل پر نافذ ہوتا ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ مخلوق کی مصلحت کے لئے بادشاہ، سیاستدان کا ہونا ضروری ہے۔ پھر اگر بادشاہ



اپنی خواہش کے مطابق احکام نافذ کرے، اپنے دنیاوی منافع حاصل کرے مخلوق کو <sup>میں</sup> ضرر پہنچائے، رعیت کو اپنی ذات پر قربان کر دے، یعنی اپنی بادشاہت کو بچانے کے لئے رعیت کی تباہی کا لحاظ نہ کرے، رعیت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرے تو دنیا تباہی و بربادی پر پہنچ جاتی ہے، مخلوق میں قتل و غارت کا وقوع عام ہوتا ہے، آخر کار اس بادشاہ کی تباہی کا وقت بھی آجاتا ہے اس طرح بادشاہ کے مظالم سے ملک کی بربادی کے ساتھ بادشاہ کی اپنی بربادی بھی ہو جاتی ہے۔

اگر بادشاہ شرعی احکام کے مطابق فیصلے کرے تو نظام عالم درست ہو جاتا ہے، بھلائی کے دروازے اچھے طریقے سے کھل جاتے ہیں، ان مقاصد کے پیش نظر قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع :

﴿ اِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاشْرَاقِ ☆ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلُّ لَهٗ اَوَّابٌ ﴾

(پ ۲۳ سورت ص ۱۸، ۱۹)

بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ کو مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے اور پرندے جمع کئے ہوتے، اور سب اس کے فرمانبردار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کر دیا، یعنی پہاڑ آپ کے تابع تھے، آپ جہاں چلتے پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے یا آپ جس جگہ پہاڑوں کے لے جانے کا ارادہ فرماتے پہاڑ وہاں چلے جاتے۔ آپ علیہ السلام کا یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی آواز بہت حسین تھی، آواز میں رعب اور دہدہ بھی تھا۔ جب آپ خوش الحانی سے ”زبور شریف“ پڑھا کرتے تو پہاڑوں سے بھی تسبیحات کی حسین و جمیل گنگناہٹ سنائی دیتی۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی کارنامے موجود ہیں، یعنی پہاڑوں کے جسم میں زندگی پیدا فرماتا ہے، پھر انہیں شعور عطاء فرماتا ہے، پھر انہیں قدرت سے نوازتا ہے، پھر انہیں بولنے کی طاقت دیتا



ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات پڑھتے ہیں ، اس کی مثال قرآن پاک میں ایک اور بھی ہے ۔

﴿ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ ﴾

جب اس (موسیٰ) کے رب نے اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر فرمایا ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں عقل و فہم پیدا کئے ، پھر اسے اپنے صفاتی نور کے دیکھنے کے لئے دیکھنے کی طاقت و سمجھ عطا کئے ، دیکھنے پر وہ پہاڑ برداشت نہ کر سکا ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خوش آوازی سے زبور پڑھنے اور تسبیحات پڑھنے کے ساتھ ساتھ پرندے بھی تسبیحات پڑھتے تھے ، آپ علیہ السلام کے قریب آکر کان لگا کر سنتے تھے ، اتنے قریب ہو جاتے تھے کہ آپ پرندوں کو گردن سے پکڑ کر ان سے پیار کرتے ۔

(تفسیر کبیر)

بلکہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی آواز میں رب نے ایسا عجیب اثر رکھا تھا کہ آپ جب زبور پڑھتے تو چلتا پانی رک جاتا ، درختوں پر یہ اثر ہوتا کہ گویا وہ بھی زبان حال سے آپ کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہے ہیں ، اور ان کے پتے جھڑنے شروع ہو جاتے ۔

( واللہ اعلم بالصواب )

فائدہ :

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : جب یہ پتہ چلا کہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے اور تسبیحات پڑھتے اور پرندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے تھے .....

” واجتماعها اليه هو حشرها فيكون على هذا التقدير حاشرها هو الله “

ان پرندوں کا آپ کے پاس اجتماع وہ حشر ہے ان کا ”حشر“ یعنی جمع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے ۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس ذات نے یہاں



غیر ذوی العقول کو عقل عطا کر کے اور غیر ذی روح کو روح عطا کر کے آپ کے تابع بنادیا وہ ذات قیامت میں ذی روح کی روح کیونکر نہیں لوٹا سکتا۔

(تفسیر کبیر بزیدادہ)

**تنبیہ:** عام طور پر اہل عرب لفظ بولتے ہیں: [شرق الشمس] ”سورج طلوع ہو گیا“ اور [اشرق الشمس] کا معنی لیتے ہیں ”سورج روشن ہو گیا“۔ آیت کریمہ میں لفظ ”اشراق“ استعمال ہوا ہے اس سے صلوٰۃ ضحیٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے آپ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا اور وضو کر کے ”صلوٰۃ ضحیٰ“ (چاشت کی نماز) ادا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ام ہانی!

”ہذه صلوٰۃ الاشراق“ یہ نماز اشراق ہے۔

حضرت طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ کیا تم چاشت کی نماز کا ذکر قرآن پاک میں پاتے ہو؟ تو حاضرین نے جواب دیا، نہیں۔ تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی:

﴿إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْأَشْرَاقِ﴾

(پ ۲۳ ص ۱۸)

یعنی یہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام ادا فرماتے ہیں، آپ علیہ السلام نے کہا کہ میرے دل میں ہمیشہ صلوٰۃ ضحیٰ کے متعلق خیال آتا رہتا تھا کہ اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے یا نہیں؟ تو میں نے اسے.....

﴿يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْأَشْرَاقِ﴾ میں پالیا۔

(تفسیر کبیر)

”ويلوح من ههنا ان الاشراق والضحى واحد يعنى هو فى الحقيقة وقت واحد و صلوٰۃ واحدة اولها وقت الاشراق و آخرها الى قبيل نصف النهار ولما هلى فى بعض الاحيان فى الوقتين ظنوا ان ههنا وقتين و صلوٰتین“

(کمالین حاشیہ جلالین ص ۳۸۱)



اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشراق اور ضحیٰ ایک ہی ہیں یعنی ایک ہی وقت ہے اور ایک ہی نماز ہے اول وقت کو اشراق کہا جاتا ہے اور آخر کو ضحیٰ کہا گیا ہے آخر وقت زوال سے تھوڑا پہلے تک ہے، جب بعض اوقات یہ نماز اول وقت میں پڑھی گئی اور بعض اوقات آخر میں تو یہ گمان ہوا کہ دو وقت علیحدہ علیحدہ ہیں اور علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔ (حالانکہ نماز ایک ہی ہے)

## اشراق یا چاشت کی رکعات :

”اقلھا رکعتان و ادنی کمالھا اربع ویزید ما شاء فھو ثمان رکعات و اکثرھا اثنتا عشرة رکعة“

(ماخوذ از روح المعانی)

کم از کم دو رکعتیں اور کمال کا ادنیٰ درجہ چار رکعتیں ہے، اس سے زائد جتنی چاہے پڑھے۔ اور آٹھ رکعتیں اور اس سے بھی زائد بارہ رکعتیں ہیں۔ تمام تعداد کی صورتوں پر احادیث مبارکہ دال ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت رسول اللہ ﷺ سے ہے :

﴿اوصاہ بہما وان لا یدعھا﴾

آپ نے دو رکعتیں ادا کرنے اور ان کو نہ چھوڑنے کا حکم فرمایا۔

مسلم مسند احمد ابن ماجہ میں حضرت ام ہانی سے مروی ہے۔

﴿کان رسول اللہ ﷺ یصلی الضحیٰ اربعا ویزید ما شاء اللہ تعالیٰ﴾

رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ ضحیٰ چار رکعت پڑھتے تھے اور زیادہ فرماتے جتنا رب تعالیٰ چاہتا۔

ابن عبد البر نے تمہید میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا۔

”قدم رسول اللہ ﷺ ثمان رکعات فقلت ما هذه الصلوة قال هذه صلوة الضحیٰ“

نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں ادا کیں، میں نے

عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ یہ کون سی نماز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ چاشت کی نماز ہے۔

ایک ضعیف روایت میں بارہ رکعت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

(از روح المعانی)



خیال رہے کہ راقم کا مطلب صرف مسئلہ کی تحقیق تھی، جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ اشراق کے وقت علیحدہ نوافل پڑھتے ہیں اور چاشت کے وقت علیحدہ۔ انہیں اس مستحسن فعل سے منع کرنا مقصود نہیں۔

یہ جاہلانہ طرز عمل ہے کہ : فلاں وقت دعاء نہ کرو، فرض کے بعد دعاء ثابت نہیں، سنتوں اور نوافل کے بعد دعاء ثابت نہیں، جنازہ کے بعد دعاء نہیں، جمعرات کو دعاء نہیں، چالیسویں پر دعاء نہیں، نہ جانے کیوں خدا سے مانگنے میں بھی جاہلوں کو شرم آتی ہے؟ خدا سے نہ مانگنے والے متکبر جہنم کا ایندھن ہیں اس مسئلہ پر میری کتاب ”شمع ہدایت“ کا مطالعہ کیا جائے۔

آپ کی بادشاہی کا دبدبہ اور اثر خطاب :

﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَأَتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابَ﴾

اور ہم نے اس کو اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ چھتیس ہزار آدمی رات کو آپ کی حفاظت کرنے والے ہوتے صبح ہوتی تو آپ ان کو فرماتے کہ تم لوٹ جاؤ تم پر اللہ کا نبی راضی ہے، بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی حفاظت کرنے والے چالیس ہزار کی تعداد میں ہوتے، (کبیر) اتنی تعداد میں لوگ اپنے شوق و محبت کی وجہ سے آپ کی حفاظت کے لئے آتے تھے، اس میں اپنی سعادت سمجھتے اور باعث برکت سمجھتے۔

علامہ آلوسی کا یہ کہنا : کہ یہ عقلاً بعید ہے؛ کیونکہ اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ قول مجھے درست نظر نہیں آرہا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو ضرورت نہیں تھی لیکن آپ کے غلاموں کو آپ کی خدمت کی ضرورت تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک شخص پر گائے کا دعویٰ کیا، اس نے انکار کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو کہا : تم دونوں جاؤ میں



اس معاملہ میں غور و فکر کروں گا۔ وہ دونوں آپ کی محفل سے چلے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نیند آگئی تھی، آپ کو خواب میں کہا گیا کہ مدعی کو قتل کر دو۔ آپ علیہ السلام نے خیال کیا، یہ خواب ہے، مجھے اس معاملہ میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، دوسری رات پھر خواب میں آپ کو یہی کہا گیا کہ اس شخص کو قتل کر دو آپ نے پھر بھی اس پر عمل نہ کیا۔ تیسری رات پھر آپ کو یہ کہا گیا کہ اس شخص کو قتل کر دو یا تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آئے گی۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلوایا۔ آپ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قتل کر ادوں اس نے کہا آپ مجھے بغیر گواہوں اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کرائیں گے؟ آپ نے فرمایا :

ہاں! قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، میں اللہ تعالیٰ کا حکم تم پر ضرور جاری کروں گا۔

اس شخص نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں کیونکہ میں آپ کو اصل بات بتاتا ہوں میں اس (گائے کے) جرم کی وجہ سے اس گرفت میں نہیں آیا، بلکہ میں نے اس شخص کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور اسے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ میں اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آگیا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل پر آپ کی بہت بڑی ہیبت اور عظیم رعب طاری ہو گیا۔ اس طرح آپ کی بادشاہت کا دبدبہ ہر شخص کے دل میں بیٹھ گیا۔

(روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطاء کی۔ دوسرے مقام پر فرمایا :

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾

(پ ۳ سورۃ بقرہ ۲۶۹)

جسے حکمت عطاء کی جائے اسے خیر کثیر عطا کیا جاتا ہے۔

یعنی علم اور ایسے اعمال جو دین و دنیا میں اچھے اور نیک ہوں، اور درست اعتقادات کا عطاء ہوتا، یہ سب حکمت میں داخل ہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)



## پُر اثر خطابِ فیصل :

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے ”خطابِ فیصل“ سے نوازا جس کی وجہ سے آپ لوگوں کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کی قدرت رکھتے تھے، جو بہت زیادہ اثر انداز ہوتا تھا، خیال رہے کہ جمادات یعنی پتھروں وغیرہ کو تو ادراک و شعور ہی حاصل نہیں اور انسان کے بغیر دوسرے حیوانوں کو ادراک و شعور حاصل ہے، لیکن وہ کسی چیز کو کچھ نہ کچھ سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کے قابل نہیں۔ اپنے دل کی بات کسی تک پہنچا سکیں، یہ ان سے نہیں ہو سکتا۔ صرف انسان ہی ہے کہ کسی چیز کا ادراک کر کے دوسرے تک بھی پہنچا سکتا ہے۔ پھر بعض انسان اس انداز سے کلام کرتے ہیں کہ اس میں مضامین خلط ملط ہوتے ہیں، دوسروں کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اور بعض اپنی بات کو کامل طور پر سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل صالح، اعتقاد صالح عطاء کر کے جس طرح قوت باطنیہ کو کمال بخشا اسی طرح ”خطابِ فیصل“ عطاء کر کے آپ کی قوت گویائی (بولنے کی قوت) کو کمال عطا کیا۔

لوہے کا آپ کے ہاتھ میں نرم ہو جانا :

﴿وَاللّٰنَا لَهُ الْحَدِیْدَ اَنْ اَعْمَلَ سَبِغَتْ وَقَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾

(پ ۲۲ سورۃ السبا ۱۰، ۱۱)

اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زر ہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔

آپ کے ہاتھ میں لوہا موم اور گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا آگ میں نرم کرنے اور ہتھوڑے سے کوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی، آپ علیہ السلام جیسے چاہتے اسی طرح لوہے کو ہاتھ سے ادھر ادھر پھیر کر زرہ بنا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ بہت خوبصورت اور معتدل زرہ بناتے، نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ اس میں کیل بھی ایک خاص مقدار کے لگاتے، بہت بڑے یا چھوٹے نہیں ہوتے تھے۔ تاہم بعض مفسرین کرام نے کہا آپ کو کیل لگانے کی ضرورت ہی درپیش نہیں آتی تھی۔ لوہا نرم ہو جاتا جیسے چاہتے اس کو اسی طرح پھیر لیتے۔



حضرت مقاتل سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام جب سے بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو آپ نے یہ عمل شروع کیا کہ رات کو عام آدمی کی حیثیت سے باہر تشریف لے جاتے، جو شخص ملتا اس سے پوچھتے : داؤد بادشاہ کیسا ہے ؟ ایک مرتبہ آپ کی ملاقات ایک فرشتہ سے ہوئی جو انسانی شکل میں تھا جب آپ نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا : آدمی تو بہت اچھا ہے صرف ایک بات اس میں نہ پائی جائے تو وہ بہت ہی کامل انسان ہے ۔ آپ نے پوچھا وہ کیا بات ہے ؟ اس نے کہا کہ وہ بیت المال سے رزق کھاتے ہیں ۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھائیں تو ان کے فضائل میں تکمیل پائی جائے۔

آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی : اے اللہ مجھے زرہ بنانے کا علم عطاء فرمادے اور مجھ پر زرہ بنانی آسان فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کا علم عطاء فرمادیا اور لوہے کو آپ کے ہاتھ میں نرم فرمادیا۔ آپ اس کی آمدنی کا تہائی حصہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ فرماتے۔ ایک زرہ ہر روز تیار فرماتے تھے، ایک ہزار، چار ہزار اور چھ ہزار درہم تک آپ کی بنائی ہوئی زرہیں فروخت ہوئیں۔ اس کی آمدنی میں سے آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے اور اپنے اہل و عیال کا خرچ اسی سے پورا فرماتے۔ فقراء اور مساکین کو بھی اس مال سے دیتے۔ تین سو ساٹھ زرہیں آپ نے تیار فرمائی تھیں، ان کو فروخت کر کے آپ نے اتنے دراهم حاصل کر لئے تھے کہ آپ بیت المال کے محتاج نہ رہے، بلکہ اس سے کثیر رقم غرباء کو بھی دی۔

(ماخوذ از روح المعانی)

انبیائے کرام کا مقام بہت بلند ہے :

کچھ آیات کریمہ کی تشریح میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ایسے قصے منسوب کر دیئے گئے ہیں جو سراسر باطل ہیں۔ میں نے جب ان آیات کریمہ کی تفسیر علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کبیر میں دیکھی تو ارادہ ہوا کہ آپ کے عظیم دلائل کو ذکر کیا جائے۔ اس کے بعد تفسیر ضیاء القرآن کو دیکھا تو خیال ہوا کہ اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یہ تفسیر ہی زیادہ بہتر ہے کہ اسی کو بعینہ ذکر کر دیا جائے۔ اس لئے ”ضیاء القرآن“ سے ہی نقل کر رہا ہوں۔ علمائے کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مقام میں تفسیر کبیر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔



﴿وَهَلْ أَتَكَ نَبُو الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ☆ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ☆ إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةً وَاحِدَةً فَقَالَ اكْفُلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ☆ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجَتِكَ إِلَى نُعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ☆ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ﴾

(پ ۲۳ سورت ص ۲۱، ۲۵)

اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی؟ جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد (علیہ السلام) پر۔ پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے، انہوں نے کہا ڈریے نہیں، ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں، زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر، آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے! اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ! (صورت نزاع یہ ہے) یہ میرا بھائی ہے اور اسکی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دو اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آگیا داؤد (علیہ السلام) کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے۔ سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع (سجدہ) میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی ان کی تقصیر اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے۔

اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ میں مناسب



سمجھتا ہوں کہ پہلے آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے، قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔

جب کسی واقعہ کی طرف مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر (بڑی توجہ سے) اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔

”الاستفہام ام التنبیہ علی جلالۃ القصۃ والاصغاء الیہا والاعتبار بہا“

یعنی کیا آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد کے عبادت خانہ میں اچانک جا دھمکے۔ ”تسور الحائط تسلق“ دیوار پر رینگ کر چڑھنا، محراب سے مراد آپ کی عبادت کا حجرہ ہے، اس کا ماخذ ومادہ اشتقاق ”حرب“ ہے کیونکہ وہاں آپ علیہ السلام اپنے نفس سے برسر پیکار رہتے تھے۔ اس لئے اس کو محراب کہا گیا۔ مسجد کے محراب کو بھی اس لئے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوا ہے نفس (نفس کی خواہشات) تضلیل ابلیس (شیطان کا بھڑکانا) اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

یاد رہے کہ مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہد رسالت میں نہ تھی۔

”صرح الجلال السیوطی ان لامحاریب التی فی المساجد بھیئتها المعروفة

الیوم لم یکن فی عہد النبی ﷺ“

(روح المعانی)

علامہ جلال الدین سیوطی نے وضاحت فرمائی ہے کہ مساجد میں محرابوں کی آج جو مشہور و معروف شکل ہے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ ایک روز حکومت کے کاروبار سرانجام دیتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ دوسرے روز اپنے گھر کے فرائض انجام دیتے۔ تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تاکہ لوگ ان کی عبادت میں



مخل نہ ہوں (خلل نہ ڈالیں) ، اس روز کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اندر آئے ۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام اپنے عبادت کے حجرے میں عبادت میں مصروف تھے تو ایسے وقت میں ان اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اندر گھس آنا، بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی ، وہ بھی اس چیز کو بھانپ گئے اور کہنے لگے ڈریے نہیں ، ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ۔ آپ ازراہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجئے اور ہم میں سے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو جو فریق بھی ظلم اور عدوان کی راہ پر گامزن ہے اسے عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرما دیجئے۔

” لا تشطط ای لا تجاوز “ لا تشطط کا معنی ہے تجاوز نہ کرو

اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنییاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنی ہے۔ یہ مجھ کو کہتا ہے کہ یہ ایک دنی بھی مجھے دے دو میں اس کی حفاظت کروں گا اس طرح میری دنیوں کی تعداد پوری (یعنی سو) ہو جائے گی اور تو اس دنی کی حفاظت کے جھنجٹ سے چھوٹ جائے گا۔ یہ جب بات کرتا ہے تو چھا جاتا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میری دادرسی کرنے کے بجائے الٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا یہ مطلب ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

” ای مخاطبته ایاہ محاجة بان جاء بحجاج لم اطق رده “

(روح المعانی)

آپ نے فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی سراسر زیادتی ہے یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دنیوں سے بھی اس کی چشم آزم (حرص والی آنکھ) نیر نہیں ہوتی بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دنی دیکھ کر اسے رحم آئے اور دس دس دنییاں اپنے پاس سے دیدے تاکہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے وہ اس کے پاس ایک دنی بھی نہیں دیکھ سکتا ہے، اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے ، یہ صریح ظلم ہے۔



آپ علیہ السلام نے فرمایا: اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے، بڑے حصہ والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم کر دیتا ہے، البتہ وہ حصے دار جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں (عادت بنائی ہو) وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے، ان کا حق نہیں چھینتے، بلکہ حق و انصاف اور مروت و اخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

یہ فیصلہ سنانے کے بعد معاً (ساتھ ہی) حضرت داؤد علیہ السلام کو کوئی اپنی بات یاد آگئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جارہی ہے۔ فوراً مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے۔ یہاں (فخر راکعاً میں) راکع سے مراد ساجد ہے اور رکوع، سجود کے معنوں میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے

فخر علی وجہہ راکعاً      وقاب الی اللہ من کل ذنب

(روح المعانی)

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہ الہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔

اس شعر میں ”راکعاً“ کا معنی ”ساجدا“ سجدہ کرنے والا ہے

(اس شعر میں داؤد علیہ السلام کا ذکر نہیں، شعر سے صرف یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ رکوع کا معنی سجدہ عام طور پر آتا رہتا ہے۔)

داؤد علیہ السلام کا اصل واقعہ :

آیات کی اس تشریح کے بعد ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مفکر اسلام مفسر قرآن علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”ضیاء القرآن“ میں آپ مختلف مقامات پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیائے کرام پر فحش ہمتیں لگانے میں کتنے بیباک تھے؟ ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی طرف منسوب کرتے ہوئے



انسان ہچکچاتا ہے، وہ بے دریغ اپنے نبیوں، اپنے محسنوں اور اپنے مشاہیر (مشہور حضرات) کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہی خرافات میں سے ایک یہ واقعہ ہے، جو بائبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا جائے، لیکن عرض حال کے لئے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے: اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر غٹلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نما رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی، تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی ”بت سبع“ نہیں جو ”حتی اوریاہ“ کی بیوی ہے؟ داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی، پھر وہ اپنے گھر چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ (آیات ۲ تا ۵)

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے ”یوآب“ جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو ”حتی اوریاہ“ کو ایسی جگہ تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو۔

”صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے ”اوریاہ“ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اسکے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو، اور یوں ہوا کہ جب ”یوآب“ نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے ”اوریاہ“ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا کہ بہادر مرد ہیں۔ اور اس شہر کے لوگ نکلے اور ”یوآب“ سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور ”حتی اوریاہ“ بھی مر گیا۔

(کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ آیت ۱۴ تا ۱۷)

علمائے یہود نے اپنی مقدس کتاب میں جو الزام حضرت داؤد علیہ السلام پر لگایا اس کو پھر یوں اچھالا



کہ زبان زد عام ہو گیا۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من و عن ذکر کر دیا۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ سے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، فرماتے ہیں :

”یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے، اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے۔“

امام رازی فرماتے ہیں :

”والذی ادین بہ و اذهب الیہ ان ذالک باطل“

کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔

..... پھر بھی اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں۔ فرماتے ہیں : اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا، اور جس بد بخت نے ایسی فحش بات اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پُر زور تردید کرے گا اور بہتان لگانے والے پر لعنت بھیجے گا۔ ایسا گھناؤنا جرم جسے ایک ادنیٰ درجہ کا امتی اپنے لئے پسند نہیں کرتا، ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب آلودہ ہو سکتا ہے؟

نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داؤد علیہ السلام پر دو سنگین جرم ثابت ہوں گے، ایک قتل بیگناہ اور دوسرا فعلِ قبیح (برا فعل)۔

قرآن میں یہ آیات اس لئے نازل کی گئیں، تاکہ نبی کریم ﷺ کی دلجوئی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کفار کی دل آزاری سے کبیدہ خاطر نہ ہوں، اگر حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ



فرماتا ، جو اپنی خواہش نفس کے سامنے بے بس ہے اور قتل بے گناہ کے ارتکاب کی جرات کرتا ہے ۔

نیز سابقہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کو جن صفات عالیہ سے موصوف فرمایا گیا ہے ۔۔۔۔

عبدنا ( ہمارا بندہ ) ذا الاید ( عبادت و طاعت میں بڑا طاقتور ) اواب ( ہر وقت رجوع کرنے

والا ) صاحب فصل الخطاب وغیرہا ۔

..... اگر آپ علیہ السلام سے ایسی رذیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے

موصوف کرنے کا پھر کوئی مقصد نہ رہتا۔ اور آپ کو ﴿عندنا للزلفی﴾ اور ﴿حسن مآب﴾ کی

خوشخبری ہر گز نہ دی جاتی ۔ اس لئے آیات کاسیاق اور سباق دونوں اس قصہ کی پرزور تردید کرتے ہیں، اور

اسے سراپا لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں ۔

( تفسیر کبیر )

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

” من حدثکم بحديث داؤد علی ما یرویه القصاص جلدتہ مائۃ وستین “

ترجمہ : یعنی جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا

کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ ڈرے (کوڑے) لگاؤں گا۔

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ رواج عام تھا اور

اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی کہ اگر کسی کی منکوحہ (زوجہ) کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو

وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں، چنانچہ بسا اوقات وہ

شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ شخص عدت گزارنے کے بعد اس عورت سے نکاح کر

لیتا۔ لیکن نبی کی شان بڑی اونچی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات پر تنبیہ فرما دی۔

( یعنی داؤد علیہ السلام نے کسی شخص کی عورت کی طرف میلان کر کے اسے طلاق دینے کے متعلق

کہا تھا پھر اس سے نکاح کر لیا تھا )

امام ابو جبر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی ” اوریاہ “



کے ساتھ نہیں ہوئی تھی، صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہوں نے وہ رشتہ آپ کو دے دیا۔ لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔

(اگر واقعہ اس صورت مذکورہ میں پیش کیا جائے تو آپ کی طرف گناہ صغیرہ کی نسبت لازم آئے گی، جس سے انبیائے کرام پاک ہیں۔)

ان تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ نہ گناہ کبیرہ کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ کی مدح و ثناء کا پہلو نکلے۔

بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ کا مخالف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھی، آپ ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے، انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آگئے، تاکہ تنہائی میں آپ کا کام تمام کر دیں اور پہرے داروں کو بھی اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ کے حجرے میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے، جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اور اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ:

”ہم آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے، دروازہ بند پایا، پہرے داروں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اس لئے مجبوراً ہم دیوار پھاند کر اندر آگئے، آپ ان کی بدنیتی پر آگاہ ہو گئے، پہلے تو آپ کو بڑا غصہ آیا اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا، لیکن بعد میں عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔ اور استغفار اس لئے مانگی کہ ان کے دل میں اپنی ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا۔ علامہ رازی آخر میں فرماتے ہیں:

”وكان قولنا اولی وهذا ما عندنا فی هذا الباب واللہ اعلم باسرار کله“



یعنی ہماری یہ توجیہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین ہے :

”ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے ، وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا ، اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ کی عدالت کا وقت نہ تھا ، آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں ، (کیونکہ ایک گروہ آپ کا مخالف تھا) لیکن جب واضح ہو گیا کہ یہ دونوں تو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ (یعنی ان لوگوں کا بے وقت آدھمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادے سے آئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا گھبرا جانا) آزمائش ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں سوء ظن کرنا آپ کی شان نبوت سے فروتر ہے ، (بہت کم ہے) اسلئے آپ مغفرت طلب کرنے لگے ۔

آخر میں علامہ مذکور لکھتے ہیں :

”ونعلم قطعاً ان الانبياء عليهم السلام معصومون من الخطايا لا يمكن وقوعهم في شيء منها ضرورة ان لوجوزنا عليهم شيئا من ذلك بطلت الشرائع ولم يوثق بشيء مما يذكرون انه وحى من الله فما حكى الله في كتابه يمر على ما اراده الله وما حكى القصاص مما فيه نقص لمنصب الرسالة طرحناه ونحن نقول كما قال الشاعر :

ونوثر حكم العقل في كل شبهة

یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیاء کے کرام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں ۔ ان سے ایسے امور



قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہیں رہتا اور انبیائے کرام کے فرمودات (ارشادات) سے اعتبار اٹھ جاتا، قصہ گو (قصے کہانیاں بیان کر نیوالے) لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑ لی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے :

”جس بارے میں شک و شبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گوؤں

کے ہمنشین حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں“

شیخ اکبر حضرت ابن عربی رحمہ اللہ نے یہاں خوب لکھا ہے :

”واعظوں کو چاہئے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں،

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے : کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو سے فرشتے اس

سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں، جب واعظ یہ جانتا

ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری

کوشش کرے۔

پھر فرماتے ہیں :

”ولا يتعرض لما ذكره المؤرخون عن اليهود من زلات من اثنى الله عليهم

واجتباہم ويجعل ذالك تفسيراً لكتاب الله“

(فتوحات مکیہ جلد دوم ص ۲۵۶ مطبوعہ مصر)

واعظ پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے کلیتاً اجتناب کرے جو مؤرخین نے بلا تحقیق یہودیوں سے

نقل کی ہیں، جن میں ان مقدس ہستیوں کی لغزش کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثناء و توصیف فرمائی

ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چن لیا ہے۔ اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ : وہ قرآن مجید

کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

نتیجہ واضح ہوا :

مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی اس ایمان افروز تفسیر..... جو



تفسیر کبیر اور البحر المحیط اور فتوحات مکہ کے حوالہ جات سے مزین ہے ..... سے واضح ہو گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والی کہانیاں کہ ”آپ نے (معاذ اللہ) ایک عورت سے برائی کا ارتکاب کیا اور پھر اس کے خاوند کو قتل کرا دیا، یا آپ نے کسی کی منگنی تڑوا کر خود منگنی کر لی، یا اپنے دوست کی بیوی پر عاشق ہو کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا۔ یہ تمام یہودہ باطل افسانے ہیں۔ یہود کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی شان کے لائق ہر گز ہر گز ایسے واقعات نہیں ہو سکتے۔ صحیح واقعہ وہی ہے جو صاحب تفسیر کبیر نے یا البحر المحیط نے تحریر کیا ہے اور اسی کو صحیح سمجھنے کی تاکید شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔

داؤد علیہ السلام کی خلافت اور عدل و انصاف کا حکم :

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ☆ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ☆ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ☆ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

(پ ۲۳ سورت ص ۲۶، ۲۹)

اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکادے گی تمہیں راہ خدا سے بیٹھک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے، کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو



ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف بڑی بلرکت تاکہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورثہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے، ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے لئے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنایا۔ اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرمادی، اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو، اور اپنی پسند و ناپسند کو کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے اپنی خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ اسکی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

اور جو شخص راہ حق سے بہک جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ضمن میں منہیہ تحریر فرمایا ہے، جو پیش خدمت ہے :

”ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا، ما الخلیفۃ من الملک؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرات طلحہ اور زبیر نے کہا ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلیمان نے عرض کیا :

”الخلیفۃ الذی يعدل فی الرعیۃ ویقیم بینہم بالسویۃ ویشفق علیہم شفقت

الرجل علی اہلہ ویقضی بکتاب اللہ“

یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

سلیمان بن عوجا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے



حاضرین سے کہا:

”ماادری أخلیفۃ انا ام ملک“ ؟

مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔

ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فرق کیا ہے ؟

”قال الخلیفۃ لا يأخذ الا حقاً ولا یضعه الا فی حق انت بحمد الله کذا لک

ولا ملک یعسف الناس فیأخذ من هذا یعطی هذا فسکت عمر“

اس نے کہا ہے خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر

جور و ستم کرتا ہے اس سے لیتا ہے اُس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

(حاشیہ تفسیر مظہری)

سربراہ مملکت کے لئے اسلام نے ”بادشاہ، سلطان، چیئرمین“ وغیرہ کلمات پسند نہیں کئے

کیونکہ ان میں خود سری اور انانیت کی بو آتی ہے، بلکہ ”خلیفہ“ کا لفظ تجویز کیا ہے۔ جس کا معنی خود سراہ

مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب کا نائب

ہوتا ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیئے

ہوئے اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔

یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دوسروں نظاموں اور اسلام کے نظام سیاست میں بنیادی اہمیت کا مالک ہے

قرآن پاک نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر انداز اور پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرض اولین

یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے، فیصلہ کرتے وقت خارجی چیز، سفارش، کوئی طمع

کوئی خوف، حتیٰ کہ اپنے ذاتی مفاد کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے

روز جزاء کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ

وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزانِ عدل کو برابر نہیں رکھ سکتا تو اس کو یہ دعویٰ

کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اسے فراموش کر دیتے ہیں ان کے لئے



عذاب شدید ہے۔

”اللَّهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَّضِلَّ عَنْ سَبِيْلِكَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْحَشْرِ وَعَذَابِ النَّارِ“

کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے، اس میں خوب عیش و عشرت کر لو، خوب مزے اڑاؤ، دولت کماؤ، جتنی کما سکتے ہو۔ حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو، یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ و منصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو، مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہر گز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزار ہا سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آکر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطے کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام عبث اور بے مقصد ہے۔ ایک نیک کار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ متقی اور پرہیزگار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں۔ سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی، ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل ہوں گے۔ حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

(ضیاء القرآن)

حضرت داؤد علیہ السلام کے ”جالوت“ کو قتل کرنے کا واقعہ حضرت ”طالوت“ کے واقعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کیا جائے گا۔





حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین :

## ﴿حضرت سلیمان علیہ السلام﴾

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾

(پ ۱۹ سورۃ نمل ۱۶)

اور سلیمان داؤد کا جانشین ہوا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ورث“ کا معنی ”جانشین“ کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کی بادشاہت اور خلافت کے جانشین بنے۔ مال و دولت کی وراثت یہاں مراد نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق انبیائے کرام کے مال و دولت کا کسی کو وارث نہیں بنایا جاتا۔

”نحن معاشر الانبياء لا نورث ولا نورث“

اسی طرح ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا :

”ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن

ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر“

بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہوتے ہیں اور بے شک انبیائے کرام کے ورثہ دراہم و دنانیر کے وارث نہیں ہوتے، بلکہ ان کے علم کے لوگ وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس (علم) کو حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ حاصل کر لیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے حضرت سلیمان تھے اگر یہاں وراثت مال کی مراد ہوتی تو سب بیٹے وارث ہوتے۔ صرف سلیمان علیہ السلام نہ ہوتے، نیز بادشاہت اور نبوت میں بھی وراثت لزومی طور پر جاری نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے وارث کا ”جانشین“ معنی کرنا بہت ہی کامل اور حسین ہے۔



## حضرت سلیمان علیہ السلام پر ندوں کی بولیاں سمجھتے :

﴿ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ وَأَوْثِنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ  
الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴾

انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطاء ہوا ہے  
شک یہی ظاہر فضل ہے۔

یہ تو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ پرندے ضرور اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں جس طرح ایک قسم  
کے پرندے دوسری قسم کے پرندوں سے مختلف بولیاں بولتے ہیں اسی طرح ایک ہی قسم کے پرندے مختلف  
اوقات میں مختلف قسم کی بولیاں بولتے ہیں۔ ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے ان کے بولنے کا انداز اور ہوتا  
ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کے وقت ان کی گفتگو کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ جب ان پر کوئی درندہ یا  
شکاری حملہ کرنا چاہے تو ان کے کلام کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی بولیاں صرف چیخ  
وپکار شور و غل میں ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں مطالب و مقاصد بھی پائے جاتے ہیں، جنہیں وہ خود اچھی  
طرح سمجھتے ہیں، اگرچہ ہم ان کی بولیوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے  
پرندوں کی بولیاں سمجھنے کی قوت عطا فرمائی تھی۔ آپ علیہ السلام سمجھ لیتے تھے یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

یاد رہے کہ آپ علیہ السلام کا اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرنا سیاست کے قانون کے  
مطابق تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے اسی انداز سے کلام کرتے ہیں اس میں تکبر کی نیت نہیں تھی

بعض حضرات نے کہا کہ پرندوں کی بولیاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے باپ حضرت داؤد  
علیہ السلام دونوں ہی جانتے تھے اسلئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ  
حضرت داؤد علیہ السلام بھی پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔

حضرت سلیمان نے ”مور“ کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے : جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

”ہدھد“ کی آواز کو سن کر کہا یہ کہہ رہا ہے : اے گناہگارو ! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔  
”خطاف“ (لمبے بازوں والا، چھوٹے پاؤں والا، سیاہ رنگ کا پرندہ).....



..... کی بولی سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے : نیکی کے کام کرو : تاکہ آگے ان کی جزا پاؤ۔

”قری“

کی آواز سن کر کہا کہ یہ تسبیح پڑھ رہی ہے ”سبحان ربی الاعلیٰ“

”چیل“

کو بولتے ہوئے سن کر کہا کہ یہ کہہ رہی ہے : رب کے بغیر ہر چیز نے فنا ہو جاتا ہے ۔

”بھٹ تیر“

کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے : جو خاموش رہا وہ سلامتی میں رہا ۔

”مرغ“

کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے : اے غافلوا! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

”گدھ“

کی آواز سن کر فرمایا یہ کہہ رہی ہے : اے انسان جتنا چاہے تو زندہ رہے آخر تجھے موت

آنی ہے۔

”عقاب“

کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ کہہ رہا ہے : لوگوں سے دور رہنے میں ہی انس ہے ۔

”مینڈک“

کی آواز کو سن کر کہا کہ یہ تسبیح پڑھ رہا ہے : ”سبحان ربی القدوس“

(ماخوذ از روح المعانی و مدارک)

خیال رہے کہ ان پرندوں کی ہمیشہ یہ بولی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات یہ بولی انہوں نے بولی۔ مختلف

اوقات میں مختلف بولیاں بولتے ہیں ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے“ یہ بطور شکر ہے  
بطور فخر نہیں : جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ” انا سید ولد ادم ولا فخر “ میں اولاد آدم کا  
سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ یعنی میں نعمت کے اظہار اور شکر کے طور پر کہہ رہا ہوں۔

خیال رہے کہ میں نے اس حدیث کی وضاحت میں اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ تقریباً پانچ سو صفحات  
پر مشتمل تصنیف کی ہے۔ مزید تحقیق کیلئے اس کا مطالعہ فرمائیں ۔

”ہوا“ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی :

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غَدُوْهَا شَهْرًا وَرَوْاحُهَا شَهْرًا﴾

(پ ۲۲ سورۃ ص ۱۲)

اور ہم نے ہوا سلیمان کے تابع کر دی اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ  
کی ہوتی۔



ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع اس طرح کر دیا گیا تھا جس طرح سواری انسان کے تابع ہوتی ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”غدو“ کا مطلب صبح سے زوال تک اور ”رواح“ کا مطلب زوال سے شام تک۔ یعنی آپ صبح سے زوال تک اتنا سفر کر لیتے جتنا سیاح لوگ ایک ماہ میں کرتے اور زوال سے شام تک اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک ماہ میں کیا جاتا۔ آپ علیہ السلام صبح بیت المقدس میں ہوتے تو قیلولہ کے وقت ”اصطغر“ میں پہنچ جاتے۔ پھر ”اصطغر“ سے شام تک خراسان کے قلعہ تک پہنچ جاتے۔ سیاح لوگ اس وقت تک ایک فرسخ یعنی تین میل صبح سے زوال تک سفر کرتے تھے تو آپ تمیں فرح کرتے۔ اسی طرح شام کو بھی۔

خیال رہے علامہ رازی کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع یہ عام ہوائیں نہیں تھیں بلکہ خاص قسم کی ہوائ تھی۔

(تفسیر کبیر، روح المعانی)

سلیمان علیہ السلام کے لئے تانبے کا چشمہ :

﴿وَأَسْلَمْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾

(پ ۲۲ سورت سبا ۱۲)

اور ہم نے ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔

اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے تانبے کو اس طرح نرم کر دیا تھا جیسے آپ کے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا تھا، تانبے کی صنعت والے لوگ آپ کے پاس ٹھنڈا تانبہ لاتے، آپ بغیر آگ اور کوٹنے کے جیسے انہیں ضرورت ہوتی اسی طرح ہٹا دیتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تانبے کی دھات ایک چشمہ کی صورت میں عطا کی تھی، جتنا تانبہ ضرورت ہوتا اتنا اس چشمہ سے لے لیا جاتا۔

سلیمان علیہ السلام کا لشکر :

﴿وَحْشِيرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾

(پ ۱۹ سورت نمل ۱۷)



اور فراہم کئے گئے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے لشکر جنوں انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم و ضبط کے پابند ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ جن، انسان اور پرندے۔

بعض لوگ جو قرآن کریم کو اپنے خیالات اور مزعومات کا لباس پہناتا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے :

کہ ”جن“ سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا باجگزار بنا لیا تھا۔ اور ”طیور“ سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دستے ہیں۔

کاش وہ ”انس“ کا بھی کوئی ایسا معنی گھڑ لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا، جب ”جن“ سے مراد جنگلی قبائل ہیں جو انسان ہیں۔ اور ”طیور“ سے مراد گھڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں۔ تو ان دونوں کے درمیان ”الانس“ یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے ؟

”عطف“ تغار و تخالف پر دلالت کرتا ہے اور آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اور طیور ”انس“ کی طرح دو الگ الگ نوع ہیں کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جہاں یہ لفظ مستعمل ہو گا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہوگا، بلکہ مجازی معنی لینے کے لئے شرط اول یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنی نہ لیا جائے، نیز وہاں کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معنی کا تعین کرے، : یہاں دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دور از کار تاویلات کرنا، یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

(آیت کریمہ میں لفظ یوزعون آیا ہوا ہے) ”وزع“ کہتے ہیں روکنے اور منع کرنے کو، اصل

الوزع الکف والمنع۔



اس سے مراد و مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بد نظمی اور انتشار کا نام و نشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ لشکر کا ہر دستہ سفر و حضر میں فوجی نظم و ضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔

(ضیاء القرآن)

## سلیمان علیہ السلام کے تحت کے متعلق غیر معتبر قصے :

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تحت کے متعلق کچھ قصے اس قسم کے مشہور کر دیئے گئے ہیں جن پر اعتبار کرنا درست نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت ہے کسی معتبر سند سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اکثر واقعات ایسے بیان کئے جاتے ہیں جو غیر معتبر ہیں ان پر اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ صرف ان واقعات پر ایمان لایا جائے جو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ ایسے واقعات جو مبالغہ آمیز ہیں، جنہیں قصہ گو لوگ اور مورخین حضرات بیان کرتے ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ایسے واقعات کو صرف یہ خیال کر کے بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر چیز ممکن ہے اس سے بے دین لوگوں کے لئے دین کے ساتھ مذاق اڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھولنا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اکثر مبالغہ آمیز واقعات لوگوں کو دین سے متنفر کرنے کے لئے بے دین لوگوں نے گھڑ لئے ہوں۔ علامہ آلوسی کے الفاظ یہ ہیں :

”واكثر الاخبار في هذا الشأن لا يعول عليها فعليك بالایمان بما نطق به القرآن ودلت عليه الاخبار الصحيحة وایاك عن الانتصار لما لاصحة له مما يذكره كثير من القصاص والمؤرخين مما فيه مبالغات شنيعة بمجرد انها امور ممكنة يصح تعلق قدرته عز وجل بها ففتح بذلك باب السخرية بالدين والعياذ بالله تعالى ولا يبعد ان يكون اكثر ما تضمن مثل ذلك من وضع الذنادقة يريدون به التفسير عن دين الاسلام“

(روح المعانی ج ۱۰ حصہ دوم ص ۱۷۵)

علامہ آلوسی نے بھی وہ قصے کچھ نقل کئے اور میں بھی نقل کر رہا ہوں تاکہ قارئین کے ذہن میں



رہیں کہ یہ واقعات غیر معتبر ہیں کسی بیان کرنے والے سے سن کر یا کسی غیر معتبر کتاب میں پڑھ کر ان پر یقین نہ کر لیں۔

### غیر معتبر قصہ نمبر ۱

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تین لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں، آپ کے قریب مومن لوگ بیٹھتے، پھر ان کے پیچھے مومن جن بیٹھتے، پھر آپ پرندوں کو حکم دیتے جو ان پر سایہ کرتے، پھر آپ ہوا کو حکم دیتے جو انہیں اٹھا لیتی اور ان کا ”سنبل“ سے گزر ہوتا اور اس میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔

### غیر معتبر قصہ نمبر ۲

سلیمان علیہ السلام کا لشکر ایک سو فرسخ میں پھیلا ہوا ہوتا تھا۔ پچیس فرسخ میں انسان ہوتے۔ پچیس فرسخ میں جن، پچیس فرسخ میں وحشی جانور اور پچیس فرسخ میں پرندے۔ اور لکڑی پر شیشے کے بنے ہوئے ایک ہزار آپ کے گھر تھے۔ تین سو آپکی زوجہ تھیں اور سات سو لونڈیاں۔ آپ جہاں جاتے پسے تیز ہوا کو حکم دیتے وہ ان گھروں کو بلند کرتی، پھر آہستہ آہستہ چلنے والی ہوا کو حکم دیتے وہ ان کو وہاں لے جاتی جہاں آپ جانا چاہتے۔

### غیر معتبر قصہ نمبر ۳

آپ ہوا کے ذریعے زمین و آسمان پر چل رہے تھے کہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ میں تمہاری بادشاہی کو اور زیادہ کر رہا ہوں کہ تمام مخلوق میں سے کوئی بھی کلام کرے گا تو اسے آپ کے کانوں میں ہوا کے ذریعے پہنچا دیا جائے گا۔

### غیر معتبر قصہ نمبر ۴

جنوں نے آپ کے لئے سونے اور ریشم سے بن کر ایک قالین بنایا جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ تھی اور آپ اس کے درمیان اپنا سونے کا منبر رکھ کر بیٹھتے، آپ کے ارد گرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی



کرسیاں بچھائی جاتیں ، سونے کی کرسیوں پر انبیائے کرام بیٹھا کرتے اور چاندی کی کرسیوں پر علماء اور ان کے ارد گرد لوگ بیٹھتے ، پھر ان کے ارد گرد جن بیٹھتے ، پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے ، باد صبا اس قالین کو اٹھا کر ایک مینے کی مسافت طے کر ادیتی۔

اس قسم کے ایک دو واقعے آپ نے اور بھی تحریر کئے ہیں اور ان پر اپنی رائے جو آپ نے قائم کی ہے اس کا ذکر اس بحث کی ابتداء میں کر دیا گیا ہے۔

( واللہ اعلم بالصواب )

سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی کلام سن کر مسکرا نا :

﴿ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمُنُ وَجُنُودُهُ ۖ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۚ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا ۖ ﴾

(ب ۱۹ سورۃ نمل ۱۸، ۱۹)

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی : اے چیونٹیو ! اپنے گھروں میں چلی جاؤ ، تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکری بے خبری میں ۔ تو سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنسے۔

عام طور پر سلیمان علیہ السلام اور آپ کا لشکر ہوا کے ذریعے سفر کیا کرتے ، لیکن اس سفر میں آپ عام لوگوں کی طرح سفر کر رہے تھے ، آپ علیہ السلام لشکر میں کچھ لوگ پیدل چل رہے تھے اور کچھ سوار تھے چیونٹیوں کی وہ بستی طائف یا شام میں تھی ۔ ان کو حکم دینے والی ان کی ملکہ تھی ۔ وہ لنگڑی تھی اس کا نام طاخیه یا منذرہ تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز تین میل سے سنی تھی آپ نے اپنے لشکر کو آگے چلنے سے روک دیا تھا کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے اس میں کوئی بات تعجب کی نہیں۔

نبی کریم ﷺ سے ”گوہ“ نے کلام کیا ۔ آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی ۔ آپ نے گوہ کی



آواز اور شہادت کو سن لیا ، خیبر میں آپ کو بحری کا زہر آلود پایہ دیا گیا تھا ، آپ کے معمولی تناول کرنے کے ساتھ ہی اس پائے نے کلام کیا اور بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے۔ ذبح شدہ بحری کے گوشت سے آواز سنا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا معجزہ ہی تو ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مسکرانے کی ایک وجہ چوٹی کی احتیاطی تدابیر پر تعجب کرنا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو چوٹی کی آواز سننے کی رب نے جو توفیق عطا فرمائی تھی اس پر اظہار فرحت و سرور تھا۔

(مدارک ، جلالین ، روح المعانی)

فائدہ :

ہنسنے کی ابتدائی کیفیت جس میں آواز نہیں ہوتی اسے ”تبسم“ کہا جاتا ہے اور دانتوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی کچھ خفیف آواز بھی پیدا ہو جو انسان خود ہی سن سکے اسے ”ضحک“ کہا جاتا ہے اور اگر آواز اتنی بلند ہو جو دوسرے بھی سن سکیں اسے ”قہقہہ“ کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے قہقہہ لگا کر ہنسا ثابت نہیں۔ تبسم آپ اکثر طور پر فرماتے تھے اور کبھی آپ سے ضحک یعنی معمولی ہنسا بھی ثابت ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں :

”ما رأیتہ مستجمعا قط ضاحکا“

میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی طور پر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

یعنی آپ ﷺ زیادہ طور پر تبسم فرماتے تھے ہمیشہ ضحک یعنی ہنسا آپ کا معمول نہیں تھا۔ کئی احادیث میں آپ کا ضحک ..... جس سے ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں ..... بھی ثابت ہے ، لیکن وہ کبھی کبھی ہوتا البتہ خیال رہے کہ زحشری نے تو یہ کہا ہے کہ جن احادیث میں یہ ذکر ہے .....

”انہ ضحك حتى بدت نواجذہ“

بے شک آپ ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

..... اس کا حقیقی معنی معتبر نہیں ، بلکہ صرف اتنا ثابت ہے کہ کبھی کبھی تبسم سے کچھ زیادتی



ہو جاتی، ورنہ نواجذ آخری ڈاڑھوں کو کہا جاتا ہے۔ اتنا ہنسنا آپ سے ثابت نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(ماخوذ از روح المعانی)

یہودہ قہقہے لگانا، انسان کے دل کو مردہ بنادیتا ہے۔ ہنسی کی بات پر انسان پوری کوشش کرے کہ آواز کو جتنا کم کر سکے اتنا کم کرے گلی کو چوں میں زور زور سے ہنسنا، انسانیت کا کام نہیں۔ دوران اسباق اتنا ہنسنا کہ آواز دور دور تک سنائی دے یہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔

### چیونٹی کے کلام میں عجیب حکمت :

ایک وجہ تو واضح ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو روندے جانے کے خدشے سے اپنے مساکن میں چلے جانے کا حکم دیا۔ دوسری وجہ علامہ رازی نے یہ بیان فرمائی کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا کہ اس نے اپنی قوم کو گھروں میں داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ یہ میری قوم حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور ان کے جلال شان کمال اور انکی عظمت کو دیکھ کر کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران (نا شکری) نہ کر دیں کہ ہمیں تو اتنی عظیم نعمتیں حاصل نہیں؛ اسلئے انہیں حکم دیا کہ گھروں میں داخل ہو جاؤ، تاکہ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم نعمتیں نظر نہ آئیں۔ اور نہ ہی اپنی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان دنیا داروں کی محافل میں کم جائے ان کے دنیاوی مال و متاع سے اس کا دل نہ للچائے۔ (تفسیر کبیر)

### انسان چیونٹی سے کم عقل کیوں؟

چیونٹیوں کی ملکہ نے جب انہیں گھروں میں داخل ہونے کا حکم دیا تو کہا کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں..... ﴿وہم لا یشتعرون﴾ ایسے حال میں کہ وہ بے خبر ہوں..... کہہ کر اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں یہ ان سے کبھی نہ ہو گا کہ وہ ان حیوانوں کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں، ہاں البتہ بھول اور بے خبری کی وجہ سے ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اس میں عظیم تنبیہ ہے کہ عصمت انبیاء پر یقین رکھنا



واجب ہے اس میں شک کرنا ایمان کو ضائع کرنا ہے

”ان النملة قالت وهم لا يشعرون كانها عرفت ان النبی معصوم فلا يقع منه قتل هذه الحيوانات الا على سبيل السهو وهذا تنبيه عظیم علی وجوب الجزم بعصمة الانبياء عليهم السلام“

(تفسیر کبیر)

علامہ رازی کی اس بحث سے واضح ہوا کہ وہ انسان جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گناہگار ٹھہراتے ہیں، وہ چیونٹی سے بھی کم عقل ہیں۔ کہاں انسان اور کہاں چیونٹی؟ خدا را انسان کو حیوانوں سے زیادہ عقل آتی چاہئے، انبیائے کرام کی عصمت پر کامل ایمان ہونا لازم ہے۔

چیونٹیوں کی سمجھداری :

چیونٹیوں کے حالات میں غور و فکر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شعور و سمجھ دے رکھی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ گرمیوں میں اتنا توشہ جمع کر لیتی ہیں جو سردیوں میں انہیں کافی ہو سکے۔ پوپ یہ دانوں کے دو دو ٹکڑے کر دیتی ہیں اس ڈر کے پیش نظر کہ یہ نمی (پانی کی تری) سے کہیں اگ پڑیں۔ البتہ دھنیا اور مسور کے چار چار ٹکڑے کر دیتی ہیں؛ کیونکہ ان کے دو ٹکڑے کر بھی دیئے جائیں تو وہ پھر بھی اگ پڑتے ہیں۔ جیسے ٹکڑے نہ کئے جائیں تو اگتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

”وهذا وامثاله يحتاج الى علم كلي استدلالی وهو يحتاج الى نفس ناطقة

وقد برهن شيخ الاشراف على ثبوت النفس الناطقة لجميع الحيوانات“

(روح المعانی)

چیونٹیوں کے متعلق جو بیان کیا ہے اس سے اور قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں علم کلی استدلالی حاصل ہوتا ہے جو نفوس ناطقہ کو حاصل ہوتا ہے۔ شیخ الاشراف نے اسی پر دلائل قائم کئے ہیں کہ تمام حیوانات کو نفس ناطقہ یعنی کلیات کا اور اک حاصل ہوتا ہے۔

تنبیہ :

تفسیر کبیر اور مدارک میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت قتادہ کوفہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی



طرف متوجہ ہونا شروع ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہتے ہو تم مجھ سے سوال پوچھ سکتے ہو۔ وہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے جو اس وقت نوجوان بچے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا سلیمان علیہ السلام والی نملۃ (چیونٹی) مذکر تھی یا مونث؟ تو وہ لا جواب ہو گئے۔ بعد ازاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بتایا کہ وہ مونث تھی۔ انہوں نے پوچھا: تمہیں یہ بات کہاں سے پتہ چلی؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ﴾ اگر مذکر ہوتا تو ﴿قَالَ نَمْلَةٌ﴾ ہوتا۔ یعنی قالت مونث ہے۔ قال مذکر ہے؛ اور چونکہ لفظ نملۃ، حمامۃ اور نشاۃ کی طرح مذکر اور مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر اور مونث کے درمیان فرق کے لئے لفظ ذکر اور انثی کا اضافہ کرتے ہیں۔ حمامۃ ذکر (کبوتر) حمامۃ انثی (کبوتری)۔ اور اسی طرح نشاۃ ذکر (بحرا) اور نشاۃ انثی (بحری) کہا جاتا ہے۔

تاہم علامہ آلوسی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ لفظ کا اعتبار کر کے صیغہ مؤنث ذکر کیا گیا ہو یعنی جب ایسا لفظ ہو جو باعتبار لفظ کے مونث ہو اور باعتبار معنی کے مذکر ہو اس کے لئے فعل مذکر اور مونث دونوں لاسکتے ہیں البتہ لفظ کا اعتبار کرنا زیادہ فصیح ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لا یضحی بعوراء ولا عمیاء ولا عجفا“

یک چشم جانور، اندھے اور بہت لاغر کو قربانی نہ کیا جائے۔

یہاں بھی نبی کریم نے لفظ نشاۃ اور بقرة وغیرہ کا اعتبار کر کے مونث صفات ذکر کی ہیں حالانکہ قربانی کیلئے مذکر اور مونث جانوروں کا حکم ایک ہی ہے، کوئی مونث کی تخصیص نہیں؛ لہذا ممکن ہے قالت نملۃ میں لفظ نملۃ مونث ہے اس کا اعتبار کر کے مونث صیغہ قالت استعمال کر لیا گیا ہو اور معنی میں مذکر اور مؤنث دونوں کا احتمال ہو۔

”کیف یسئال ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بهذا ویفحم به قتادہ مع غزارة علمہ“

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے یہ سوال کیا؟ اور کیسے ابو قتادہ عظیم علم رکھنے کے



باوجود لا جواب ہوئے؟

”قال ابن المنیر لا ادری العجب منه ام من ابی حنیفة ان ثبت ذالك عنی“

ابن منیر نے کہا کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے تو مجھے یہ علم نہیں کہ تعجب ابو قتادہ کے لا جواب ہونے پر کیا جائے یا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوال کرنے پر کیا جائے کہ آپ نے ایسا سوال کیوں کیا ہے؟ آخر میں علامہ آلوسی نے تحریر فرمایا:

”والأشبه ان ذالك لا یصح عنها“

زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ واقعہ ان دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کرنا ہی صحیح نہیں۔

”هُدْ هُدْ“ کا لشکر سے غائب ہونا اور تخت بلقیس کی خبر لانا:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ☆ لِأَعَذَّبْنَاهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحْنَاهُ أَوْ لِيَأْتِنِي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ☆ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنِيٍّ يَقِينٍ ☆ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ☆ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ﴾

(ب ۱۹ سورت نمل ۲۰، ۲۴)

اور پرندوں کا جائزہ لیا تو بولے: مجھے کیا ہوا میں ہد ہد کو نہیں دیکھتا؟ یا وہ واقعی حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا یا ذبح کر دوں گا یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے تو ہد ہد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور آکر عرض کی کہ: میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں، میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان پر بادشاہی کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے (حصہ) ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوار کر ان کو سیدھی راہ سے روک دیا ہے تو وہ راہ نہیں پاتے۔



حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی تمام رعایا کی دیکھ بھال کرتے، لشکر میں تمام پرندوں کو دیکھتے کہ کون سا موجود ہے اور کون سا غائب ہے۔ خصوصاً آپ اپنی رعایا میں سے کمزوروں کے حال کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے جب اپنے لشکر میں تمام پرندوں کا جائزہ لیا تو ہد ہد پرندوں کا سردار موجود نہیں تھا جس کا نام یعفور تھا۔ تو آپ نے بلا اجازت اس کے غیر موجود ہونے پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ: یا تو وہ آنے پر کوئی معقول دلیل پیش کرے کہ کیوں موجود نہیں، ورنہ میں اسے سخت سزا دوں گا یزید بن رومان کہتے ہیں۔

”لا عذبنہ بنتف ریش جناحیہ“

کہ آپ کے سزا دینے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کے پر اکھیر دوں گا۔

جس طرح ہمارا محاورہ ہے ”چمڑی ادھیڑ دوں گا“ یا اسے ذبح کر دوں گا۔ ہد ہد کا خصوصی طور پر جائزہ لینے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پانی کی تلاش کرتا تھا۔ جہاں وہ اپنی چونچ رکھتا تھا وہاں جن اس زمین کو کھودتے اور پانی نکالتے۔ اسی طرح ہد ہد خصوصی طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام پر سایہ کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیتا تھا۔

(روح المعانی، حاشیہ جلالین)

**فائدہ:** علامہ قرطبی لکھتے ہیں: کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں، انکے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا:

”لو ان سخلۃ علی شاطیء الفرات اخذھا الذئب یسئل عنها عمر“

یعنی اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچہ کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے لئے بھی عمر کو جو لبدہ ہونا پڑے گا۔

اس کے بعد علامہ موصوف حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے خبری اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے تھے۔

(ضیاء القرآن)



## ہد ہد کی واپسی :

زیادہ دیر نہ گزری کہ ہد ہد واپس آگیا ، چونکہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خوف دامن گیر تھا چونکہ پرندے آپ کے بہت ہی زیادہ تابع تھے جس طرح باقی انسان و جن آپ کے تابع تھے۔ ہد ہد آپ کی خدمت میں ڈر اور آپ کے ادب و احترام کے پیش نظر اپنی دم کو ڈھیلا کئے ہوئے اور اپنے پروں کو زمین سے گھسیٹتے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ نے غصہ سے اس کے سر کو اپنی طرف کھینچا تو اس نے کہا۔

”یا نبی اللہ اذکر وقوفک وقومک بین یدی اللہ عزوجل فار تعد سلیمان علیہ السلام وعفا عنہ“

اے اللہ کے نبی یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن آپ کو اور آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہ سن کر سلیمان علیہ السلام پر کپکپی طاری ہو گئی اور اسے معاف کر دیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے اس لئے بھی معاف کر دیا تھا۔

”کان بارا بابویہ یاتیہما بالطعام“

وہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا ، ان کے پاس طعام لا کر انہیں کھلایا کرتا تھا کیونکہ وہ بوڑھے تھے۔

(روح المعانی)

## ہد ہد تاخیر کی وجہ بیان کرتا ہے :

ہد ہد نے آپ کو بتایا کہ میری تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ ملک سبا چلا گیا تھا وہاں سے ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں۔ وہاں ایک ملکہ ہے جس کا نام بلقیس بنت شراحیل ہے جس کے پاس دنیا کا ہر قسم کا مال و متاع ہے اور اس کا تخت بہت بڑا ہے، اس کے تخت کی لمبائی اسی ذراع اور چوڑائی چالیس ذراع اور بلندی تیس ذراع ہے اور وہ تخت سونے چاندی کا بنا ہوا ہے اور موتیوں سرخ یا قوت سبز زمرہ کا اس پر سنگھار کیا ہوا ہے۔ اسکے پائے بھی یا قوت اور زمرہ کے بنے ہوئے ہیں۔ اور وہ سات کمروں میں بند ہے۔ ایک کمرہ دوسرے کمرہ میں اس طرح سات کمرے ہیں۔ ہر ایک کا دروازہ بند ہے۔

(جلالین)



## سلیمان علیہ السلام پر مخفی کیوں؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شام میں تھے اور سبا یمن کا دارالحکومت تھا صرف تین مرحلے کی مسافت تھی پھر آپ پر بلقیس کا تخت مخفی کیسے رہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

”ان الله عزوجل اخفى ذلك عنه لمصلحة رآها كما خفى مكان يوسف على يعقوب“

(قرطبی، روح البیان، حاشیہ جلالین)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مصلحت اور حکمت کے پیش نظر آپ پر مخفی رکھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکان حضرت یعقوب علیہ السلام پر مخفی رکھا۔

حکمت اس میں یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد کریں اور اس سے دعا کریں کیونکہ جب آپ کو علم عطا کر دیا گیا تو یہ آپ پر ایک خصوصی انعام تھا حالانکہ آپ کو حکمت نبوت اور کثیر علوم عطا کئے گئے تھے اور اس معمولی بات کو مخفی رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کو بھی ظاہر فرمادیا۔

(از روح المعانی)

## سباشر کے متعلق:

”سبا اسم مدینة تعرف بمآرب باليمن بينها وبين صنعاء مسيرة ثلاثة“

(قرطبی)

امام یاقوت حموی معجم البلدان میں ”سبا“ کے متعلق لکھتے ہیں:

”ارض باليمن مدینتها مآرب بينها وبين صنعاء مسيرة ثلاثة ايام“

”سبا“ یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر ”مآرب“ ہے جو ”صنعاء“ (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔

یشجب بن یعر ب بن قہطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اسلئے یہ علاقہ ”سبا“ کہلایا۔

(معجم البلدان ج ۳ ص ۱۸۱ طبع بیروت)

علامہ قزوینی نے ”آثار البلاد“ میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔



”سبا“ ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یثرب بن قحطان نے آباد کیا تھا یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ اور بہت میٹھی تھی، باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ارد گرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا، بارش ہوتی تو پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا، ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا، اس بند کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سو راخ تھے۔ حسب ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا۔ جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوشحال ہو گئے خوشحالی اپنے ہمراہ عیش و عشرت اور فسق و فجور کو لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہر الہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا، سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ اس کا ذکر قرآن میں کئی مواقع پر آیا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

بلقیس اور اس کی قوم کا مذہب :

وہ سورج کی پرستش کرنے والے تھے، کچھ ان میں آگ کی پوجا کرنے والے بھی اور کچھ زندیق بے دین، یعنی یہ زمین و آسمان کے نظام کے چلانے یا پیدا کرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ یہ کہتے کہ یہ نظام بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے۔ شیطان نے ان کے لئے سورج کی عبادت اور طرح طرح کے کفر اور برے اعمال کے راستے مزین کر رکھے تھے۔ وہی شیطان یا اس کا باطل راہ کو مزین کرنا حق راہ سے ان کے روکنے کا سبب بنا جس کی وجہ سے وہ راہ راست پر نہ آ سکے، انہوں نے شیطانی راہ کو ہی حسین و جمیل سمجھا۔

فائدہ :

جب یہ قرآن پاک اور تفاسیر سے واضح ہے کہ وہ قوم کافر تھی اور یہ بھی واضح ہے کہ کافروں کے طور طریقے مسلمانوں کے لئے کوئی دلیل نہیں تو اب مسئلہ روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گیا کہ بلقیس کا ملکہ ہونا، عورت کی سربراہی کے جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ کافروں نے اسے سربراہ بنایا ہوا تھا۔ اب بھی کوئی کافر یہ کہے کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے تو اسے یہ حق پہنچتا ہے کیونکہ جب وہ اسلام سے ہی



دور ہے تو جو چاہے کہے۔ اسلامی قوانین تو مسلمانوں کے لئے ہیں کفار کے لئے نہیں۔ کسی اسلامی ملک میں بھی اگر بے دین لوگ کسی عورت کو حاکم بنالیں تو ان کے اس قبیح عمل سے عورت کی حاکمیت کا جواز ثابت نہیں ہوگا، بلکہ ان کا یہ عمل خدا اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت ہی سمجھا جائے گا۔ علماء کرام نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے، مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں۔ اب اس کے بعد اس برائی کے مرتکب ہونے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے خود جو لبدہ ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بکاؤ مولوی، ضدی اور ہٹ دھرم مولوی، جو کسی وقت ایک ہی راگ الاپ رہے تھے۔ ”یہ بھی بری وہ بھی برا“ ان میں سے بعض کی آنکھیں کھل چکی ہیں کہ ملک کو تباہی کے کنارے پر پہنچانے والا کون ہے؟ وہ تو اب کسی مرد کو اچھا سمجھنے لگے۔ بکاؤ مال، پیسے کو دین سمجھنے والے سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ عورت کی سربراہی کو جائز کہہ سکے، بلکہ اس نے بھی عجیب منطق پیش کی کہ عورت کی سربراہی کو ہم جائز نہیں سمجھتے بلکہ برداشت کئے ہوئے ہیں۔ یعنی پیسا مل رہا ہے۔ نگاہوں کی ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ دل خوش ہو رہا ہے۔ اس لئے شراب پینا یا پیشاب پینا ناجائز تو ہے لیکن برداشت کر کے ہڑپ کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو بخاری شریف کی حدیث کافی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسری کو اپنی ملکہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا :

”لن یفلح القوم ولوا امورہم امراة“

ہر گز وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے اپنے امور عورت کے سپرد کر دیئے۔

یعنی عورت کو حاکم بنانے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے، ذلت ان کا مقدر ہوگی ملک کو تباہ کر دیں گے۔ لوٹ مار سے اودھم مچا دیں گے۔

(روح المعانی بزیادہ)

ہدہ کی بات کی تحقیق :

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾

آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی



کرنے والوں سے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری بات کی پوری تحقیق کریں گے اس سے یہ معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی عذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرا نہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اسکی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے :

” لیس احد احب الیہ العذر من الله من اجل ذلك انزل الكتاب وارسل الرسل “  
یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں اسی لئے اس نے قرآن نازل کیا اور رسول مبعوث فرمائے۔

(ضیاء القرآن)

بلقیس کی طرف سلیمان علیہ السلام کا خط :

﴿ اِذْهَبْ بِكِتَابِيْ هٰذَا فَالْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ قَالَتْ  
يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا اِنِّیْ اُلْقِیْ اِلَیْ كِتَابٍ كَرِیْمٍ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ  
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ اَنْ لَا تَعْلُوْا عَلٰی وَاَتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿

(پ ۱۹ سورت نمل ۲۸، ۳۱)

(سلیمان علیہ السلام نے کہا) میرا یہ خط جا کر ان پر ڈال پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں ؟ وہ عورت بولی اے سردارو بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا بیشک وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ، کہ مجھ پر بندی نہ چاہو اور اطاعت کرتے ہوئے میرے حضور حاضر ہو ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط تحریر فرمایا اس پر کستوری لگائی بند کر کے اس پر مہر لگادی ، ہد ہد کو دیا کہ اسے لے جاؤ اور بلقیس کو پہنچا دو۔

ہد ہد خط لے کر گیا تو اسے سوتے ہوئے پایا وہ اپنے محل میں سوئی ہوئی تھی ۔ وہ جب سوتی تھی تمام دروازے بند کر دیتی تھی ۔ چابیاں اپنے سر کے نیچے رکھتی تھی ۔ اس کا تخت اندر ساتویں کمرہ میں تھا۔ ہد ہد



مکان کے روشن دان سے داخل ہوا۔ اور خط اس کے سینہ پر رکھ دیا جبکہ وہ لیٹی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ہد ہد اس کے پاس پہنچا تو اس کے درباری لشکری اس کے پاس موجود تھے۔ ہد ہد کچھ دیر اوپر پھڑپھڑایا لوگ یہ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ بلقیس نے بھی اوپر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ہد ہد نے خط اس کی گود میں ڈال دیا جو اس نے سر نمبر خط دیکھا تو کانپ گئی، ڈرتے ہوئے اپنی قوم کے سرداروں کو خط کے مضمون سے مطلع کیا۔

بلقیس نے خط کو عزت والا کہا :

آپ کے خط کو ”کتاب کریم“ کہنے کی تین وجوہات تھیں۔

ایک تو یہ کہ اس خط کا مضمون بہت ہی حسین تھا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک کریم یعنی عزت والے کرم والے بادشاہ کی طرف سے یہ خط آیا ہے لہذا یہ خط بھی عزت والا ہے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ خط سر نمبر تھا اور جس خط پر مہر لگی ہوئی ہوتی تھی اسے کریم خط کہا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی جب بادشاہوں کی طرف خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے مہر بنوائی تھی کیونکہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ بادشاہ بغیر مہر کے خط قبول نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ ایک وجہ یہ بھی ہو کہ بلقیس باوجود سورج پرست ہونے کے اللہ تعالیٰ کو بھی کسی طرح مانتی ہو جیسے بت پرست لوگوں کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾

(ب ۲۱ سورت لقمان ۲۵)

اے محبوب اگر آپ ان (مشرکوں) سے سوال کریں زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو ضرور بر ضرور کہیں گے اللہ۔

کانہا عللت بكونه من سليمان وتصديره بسم الله هو سكتا ہے اس نے خط کو ”کریم“ اسلئے کہا کہ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اسے بسم اللہ سے شروع کیا گیا ہے



انبیائے کرام کے خطوط کے مضامین :

”ان الانبیاء علیہم السلام لا یطیلون بل یقتصرون علی المقصود“

بے شک انبیائے کرام اپنے خطوط و مواعظ کو لمبا نہیں کرتے بلکہ بیان مقصد پر ہی اقتصار کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پورے مضمون کو شامل تھا اگرچہ مختصر تھا۔ لیکن مقصود اس میں مکمل تھا۔ اسلئے کہ مخلوق سے دو چیزوں کا ہی مقصد طلب کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ تم علم حاصل کرو، اور دوسرا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ اور علم، عمل پر مقدم ہوتا ہے۔

آپ علیہ السلام نے خط ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کے متعلق علم موجود ہے۔

”لأنه مشتمل علی اثبات الصانع سبحانه تعالیٰ واثبات کونه عالما قادرا

حیا مریدا حکیمًا رحیمًا“

اسلئے کہ بسم اللہ شریف سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا خالق موجود ہے اور وہ لامحدود علم کا مالک ہے، وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے، وہ کام سے پہلے ارادہ بھی فرماتا ہے اس کا ہر کام حکمت کے تقاضہ کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر رحیم ہے کیونکہ مہربان اور رحم والا اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ تمام صفات اس میں موجود ہوں۔

عمل کا دار و مدار اوامر و نواہی پر ہے یعنی جن کاموں کا حکم دیا جائے ان پر عمل کرے اور جن کاموں سے روکا جائے ان کاموں سے رک جائے۔ آپ کے خط میں ..... ﴿ان لا تعلوا علی﴾ یہ کہ مجھ پر بلندی نہ چاہو..... خواہشات نفسانیہ کی اطاعت اور تکبر کرنے سے نہی ہے۔ یعنی ان کاموں سے روکا گیا ہے اور ﴿واتونی مسطمین﴾ اور مطیع بن کر میرے پاس حاضر ہو۔ یہ امر ہے کہ میری فرمانبرداری کرو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ !

واضح ہوا کہ آپ کا خط نہایت مختصر ہونے کے باوجود دین و دنیا کے ضروری احکامات پر مشتمل تھا۔

(کبیر)



استراض :

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط کو بسم اللہ شریف سے پہلے اپنے نام سے کیوں شروع کیا یعنی ﴿انہ من سلیمان﴾ بسم اللہ سے پہلے ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کو پہلے ذکر کرنا چاہیے تھا۔

جواب :

”حاشا من ذلك بل ابتداء هو بسم الله الرحمن الرحيم وانما ذكرت بلقيس ان هذا الكتاب من سليمان ثم حكت ما في الكتاب“

حاشا وکلا سلیمان علیہ السلام نے خط کو اپنے نام سے شروع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کی، لیکن بلقیس نے اپنی قوم کے سرداروں کو یہ بتایا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے آیا ہے۔ گویا انہ من سلیمان یہ الفاظ بلقیس کے ہیں۔ اس کے بعد اس نے خط کو ابتدا سے پڑھا جو بسم اللہ سے شروع ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی انداز پر بلقیس کا قول اور آپ کے خط کی حکایت بیان فرمائی۔ (کبیر)

بلقیس کا خط کے متعلق مشورہ :

﴿قَالَتَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُوْنَ ☆  
قَالُوْا نَحْنُ أَوْلُوْا قُوَّةً وَأَوْلُوْا بِأَسْ شَدِيْدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِيْنَ﴾

(ب ۱۹ سورت نمل ۳۲، ۳۳)

بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو، میں کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم زور والے اور بڑی سخت لڑائی والے ہیں اور اختیار تیرا ہے تو نظر کر کہ کیا حکم دیتی ہے؟

فتویٰ کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی نیا واقعہ درپیش آنے پر کسی سے کوئی رائے طلب کی جائے۔



بلقیس نے بھی اپنی قوم کے سرداروں کے دل کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے ان سے رائے طلب کی کہ میں اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک تم میرے پاس موجود ہو کر مجھے اپنی رائے نہیں دو گے۔

قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہمارے پاس جنگی ساز و سامان تو کافی مقدار میں موجود ہے اور ہمیں جسمانی قوت حاصل ہے اور لڑائی میں ہم ثابت قدم رہنا بھی جانتے ہیں، یعنی لڑائی کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے۔ قوت ذاتیہ یعنی قوت جسمانیہ اور لڑائی میں ثابت قدمی یہ بھی ہمیں حاصل ہے اور قوت عرضیہ یعنی لڑائی کے ہتھیار جنگی ساز و سامان کا پایا جانا یہ بھی ہمارے پاس ہے اس لئے اگر جنگ کرنی ہو تو ہم اس کیلئے تیار ہیں لیکن ہم تو تمہارے حکم کے پابند ہیں، اصل حکم تمہارا ہی ہے تمہاری رائے ہی درحقیقت اصل رائے ہوگی لہذا جو حکم ہو گا ہمیں منظور ہو گا۔

(تفسیر کبیر)

بلقیس کا جنگ کو ناپسند کرنا :

﴿ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً

وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ☆ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴾

(پ ۱۹ سورت نمل ۳۴، ۳۵)

بولی بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں، اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ اپنی کیا جواب لے کر پلٹے۔

بلقیس نے کہا کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہیں، بادشاہ جب کسی ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وہاں کے لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں، کچھ کو قیدی بنا لیتے ہیں، کچھ کو جلاوطن کر دیتے ہیں، عزت والے لوگوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، بادشاہوں کا یہی طریقہ کار ہے۔

خیال رہے کہ رب نے ”واذلو ااعزة اهلها“ نہیں کہا حالانکہ یہ مختصر تھا اور اس کا معنی بھی یہی تھا کہ وہ عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں، اسلئے کہ ”جعلوا“ سے یہ ثابت کیا کہ وہ ذلیل کرنے میں



پوری کوشش کرتے ہیں، اس میں کوئی کمی نہیں رہنے دیتے۔ بلقیس نے کہا جب بادشاہوں کی یہ شان ہے تو ہمیں صرف اپنی تعداد، اپنی طاقت، جنگی ساز و سامان اور مکمل تیاری پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کہ ہم ضرور فتح حاصل کر لیں گے، شکست بھی ہو سکتی ہے اسلئے صلح کی راہ اختیار کرنی چاہئے!

(روح المعانی)

ہدیہ بھیجنے کی وجہ :

بلقیس نے کہا دیکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا نبی۔ اگر بادشاہ ہے تو ہم اسے مال دیکر خوش کر لیں گے۔ وہ ہدیہ قبول کر لے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہوا تو ہدیہ قبول نہیں کرے گا پھر ہمیں چاہئے کہ ہم اس کے دین کو قبول کر لیں۔

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمانے کے لئے کثیر تعداد میں غلام کنیرین سونا چاندی کستوری عنبر اور یاقوت وغیرہ بھیجے کہ ہو سکتا ہے کہ مال سے کام چل جائے۔

(روح المعانی)

اگرچہ ہدیہ کی مقدار محققین کے قول کے مطابق معین نہیں، تاہم ہدیہ میں تنوین تعظیم کی ہے جو ہدیہ کے بہت بڑے ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ علامہ رازی فرماتے ہیں :

”فاما الکلام فی صفة الهدیۃ فالناس اکثر وافیہا لکن لا ذکر لها فی الکتاب“

(کبیر)

ہدیہ کی تعریف میں لوگوں نے بہت کلام کیا ہے، تاہم اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں یعنی اتنا ایمان رکھنا کافی ہی کہ وہ ہدیہ بادشاہی شان کے مطابق بہت بڑا ہدیہ ہوگا، کیا تھا؟ کتنی مقدار میں تھا؟ اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ہدیہ کو دیکھ کر سلیمان علیہ السلام کا جواب :

﴿ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنُ قَالَ اَتُمِدُّوْنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِي اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ☆ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلْ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذَلَّةً وَهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾



پھر جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا فرمایا: کیا مال سے میری مدد کرتے ہو؟ تو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ پر خوش ہوتے ہو، پلٹ جان کی طرف تو ضرور ہم ان پر وہ لشکر لائیں گے جن کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور ضرور ہم ان کو شہر سے ذلیل کر کے نکال دیں گے، یوں کہ وہ پست ہوں گے۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے دین نبوت علوم عطا فرمائے ہیں جو سعادت اخرویہ سعادت لدیہ کے اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کا مال و دولت بھی اتنا عطا فرما دیا ہے جس پر زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں۔

”فکیف یستمال مثلی بمثل هذه الهدية“

میرے جیسے شخص کو اس قسم کے ہدیہ سے کیسے اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے؟

اس ہدیہ پر تم خود ہی خوش ہوتے رہو کہ تمہیں یہ ہدیہ حاصل ہے۔ یہ ہدیہ جو تم مجھے دے رہے ہو اس کی قدر و منزلت ہمارے نزدیک تو کچھ نہیں، تمہیں ہی اس کی کوئی قدر ہوگی، اسلئے تم خود ہی اس پر خوش ہوتے رہو۔ اس قسم کے ہدایا قبول کرنا تمہارا ہی حق ہے اور تمہیں ہی ایسے ہدایا سے خوشی ہوتی ہے ہمیں تو ایسے ہدایا کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ہم ایسے مال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

ہدیہ لانے والے قاصد کو آپ نے کہا:

جاؤ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر چلے جاؤ اور اپنی ملکہ کو بتادو کہ اگر تم نے کفریہ عقائد سورج پرستی وغیرہ کو نہ چھوڑا اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے تو ہم اپنے لشکر سے تمہاری سرکوبی کریں گے، تمہیں ذلیل و خوار کر دیں گے اور تمہیں شہروں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے، تمہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی۔

”لا قبل لهم ای لا طاقة و حقيقة القبل المقاومة والمقابلة لا يقدر ان يقابلوهم“

(کبیر)

قرآن پاک میں جو لفظ لا قبل لهم استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ حقیقتاً قبل کا معنی ہی مقابلہ کرنا ہے۔



## سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کا تخت منگوانا :

﴿ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴾

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا : اے درباریو! تم میں سے کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہوں۔

بلقیس کا قاصد جب ہدایا واپس لے کر گیا اور سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو وہ سمجھ گئی کہ آپ نبی ہیں، آپ سے جنگ کرنا ممکن نہیں، اس نے سلیمان علیہ السلام کے پاس آنے کی تیاری کر لی۔ چلنے سے پہلے اس نے اپنے تخت کے تمام کمروں کے دروازے بند کئے؛ کیونکہ وہ ساتویں کمرے میں تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کر دیئے۔ خود اپنی قوم کے سرداروں کو ساتھ لے کر آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ کی طرف پیغام بھیج دیا کہ میں اپنی قوم کے بڑے بڑے سرکردہ لوگ ساتھ لا رہی ہوں، دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کس دین کی ہمیں دعوت دے رہے ہو؟ سلیمان علیہ السلام سے ایک فرسخ کی دوری پر وہ پہنچ گئی تو آپ نے اپنے درباریوں کو کہا کہ اس کا تخت کون لائے گا؟

(روح المعانی)

## تخت کی طلب میں حکمت :

آپ نے بلقیس کے تخت کو اپنے پاس منگوانے کا ارادہ کیوں فرمایا؟ اس کی چند وجوہ ہیں :

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب بلقیس آئے تو اس کے آنے سے پہلے جب اس کا عظیم تخت جو بند کمروں میں ہے اور پہرے داروں کی حفاظت میں ہے یہاں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا اسے پتہ چلے گا تو وہ ایمان لانے کی طرف مائل ہوگی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ تخت کی عظمت بادشاہی کی وسعت پر دلالت کرتی ہے اسلئے آپ نے کہا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی پتہ چل جائے کہ اس کی بادشاہی میں کتنی وسعت ہے؟

تیسری وجہ یہ تھی کہ کافروں کے مال کو حاصل کرنا جائز تھا، ابھی وہ کافرہ تھی۔ آپ نے خیال کیا کہ اس کا تخت ابھی منگوا لیا جائے تو اس کی ملکیت ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو



پھر اس کے تخت پر قبضہ کرنا جائز نہیں رہے گا۔

چوتھی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کی ذہنی آزمائش کرنا چاہتے تھے کہ اس کی عقل و فہم کتنی ہے کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا.....

﴿قَالَ نَكِرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ﴾

(ب ۱۹ سورت نمل ۴۱)

آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔

یعنی آپ نے تخت منگوانے کے بعد اس کی شکل میں تغیر و تبدل کرنے کا حکم دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تبدیل شدہ تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ آپ اس کی سمجھ دانائی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ اسی سے پتہ چل جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو بھی سمجھ سکتی ہے یا نہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ :

﴿قَالَ عَفَرْتُ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ﴾ ☆ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾

(ب ۱۹ سورت نمل ۳۹، ۴۰)

(سلیمان علیہ السلام نے جب فرمایا تخت کون لائے گا؟) تو ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا اس سے پہلے کہ آپ اجلاس برخواست کریں اور بے شک میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں، اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ ایک پل مارنے سے پہلے۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہ یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا۔



کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے۔ سب خوبیوں والا۔

”عفریت“ سرکش و خبیث کو کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا خبیث و منکر جو اپنے ساتھیوں پر سرکشی اور خباثت کرے۔ یعنی جنوں میں سے ایک سرکش خبیث جن..... جسے اپنی طاقت پر ناز تھا..... نے کہا کہ میں بقیس کے تخت کو آپ کے سامنے آپ کے اجلاس برخواست کرنے سے پہلے لے آؤں گا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام صبح سے لے کر ظہر تک مجلس عدالت قائم فرماتے تھے، جس میں لوگوں کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔ گویا اس جن کا مطلب یہ تھا کہ میں آدھا دن گزرنے سے پہلے پہلے آپ کے پاس پہنچا دوں گا؛ کیونکہ مجھے اتنے بڑے عظیم تخت کا اٹھانا کوئی بھاری محسوس نہیں ہوگا۔ میں بڑی بڑی چیزوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ یعنی یہاں قوی کا معنی قادر لیا گیا ہے اور میں وہ تخت لانے میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کروں گا۔ نہ اس سے کچھ توڑوں گا اور نہ ہی اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں گا، بلکہ امانت کا پاس کروں گا۔

(روح المعانی)

اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا:

چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے مؤدبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت وہاں سے اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور و نخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سر اپنا بن کر اپنے مولا کا شکر ادا کرنے لگے، عرض کیا: ”یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی ہے کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں“ اس کے بعد فرمایا: فضل بہت بڑی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایات جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔



امتحان کبھی مصیبت سے اور کبھی آسائش سے لیا جاتا ہے :

مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش تصور کرتے ہیں لیکن جو فرحت و سرور کا دور آتا ہے جب اس کے انعامات کی بے مہابا بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے، اور پہلی قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے اس میں کامیاب ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے تکالیف و مصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور آرام و آسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سر اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف زبان سے ہی شکریہ ادا کرتے رہیں بلکہ حقیقی شکریہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

شکر کرنے میں انسان کا اپنا بھلا :

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ﴾ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے تم اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے، بلکہ اپنے لئے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہے ہو۔ اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ اپنے پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو وہ اسے اور زیادہ دیتا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دست جو دو عطا، سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

تخت لانے والا کون تھا؟

ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت ”سبا“ سے بیت المقدس پہنچا دیا؟ نیز وہ تخت کہیں صحن میں تو پڑا نہیں ہو گا بلکہ قصر شاہی کی کسی محفوظ ترین جگہ رکھا ہو گا، اور اس کی نگہبانی کے لئے خصوصی پیرے داروں کا انتظام بھی ہو گا۔



اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر علیہ السلام کا نام اور کسی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام اور کسی نے آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے، لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا یعنی اس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول (عقلوں کو حیران کرنے والے) کارنامے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی لکھتے ہیں:

”وان لهذا الوصف تاثيرا في نقل ذلك العرش“

(کبیر)

امام عبدالقاهر جرجانی نے ”اسرار البلاغہ“ میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صلہ سے کی جائے تو اس فعل کے صدور میں اس صلہ کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس..... ”علم من الكتاب“..... کتاب کا علم تھا۔

اس آیت کریمہ سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی، الکتاب کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے، تو سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی امت کا ولی جو الکتاب کا ہی نہیں بلکہ الکتاب المبین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے؟ وہ لوگ جو حضور نبی کریم ﷺ کی امت کے اولیائے کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر (بار بار) غور کرنا چاہئے۔

تنبیہ:

ہمارے تجدید پسند مفسرین لکھتے ہیں: کہ آپ علیہ السلام نے جب بقیس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو بقیس کے بیٹھنے کیلئے کوئی تخت بنادے تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھا دیا جائے۔ ان کی اس تاویل کو دیکھ کر برملا یہ کہنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں۔ ورنہ وہ ﴿ایکم یاتینی بعرشھا﴾ کہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا



تخت لاسکتا ہے ؟ کا یہ ترجمہ ہر گز نہ کرتے ۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا ، کھلے بندوں اس کا انکار کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کو کوشش کر رہے ہیں۔

(از ضیاء القرآن)

بلقیس، سلیمان علیہ السلام کے دربار میں :

﴿ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا  
وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ☆ ﴾

(پ ۱۹ سورت نمل ۴۲)

پھر وہ جب آئی اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ؟ بولی : گویا یہ وہی ہے اور ہم کو اس واقعہ سے پہلے خبر مل چکی ، اور ہم فرمانبردار ہوئے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے اس کے تخت میں تغیر و تبدل کرا دیا تھا۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ کتنی عقل و سمجھ کی مالکہ ہے ؟ اس کے آنے پر پوچھا کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے ؟ اس نے جواب دیا گویا یہ وہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھتے ہوئے یہ نہیں کہا ” اھذا عرشک “ کیا یہی تیرا تخت ہے ؟ کیونکہ اگر آپ یہ سوال کرتے تو آزمانے کا مقصد فوت ہو جاتا ۔ اس سے تو اسے جواب دینے کی طرف اشارہ مل جاتا۔ بلقیس کا جواب بھی نہایت عقلمندی پر موقوف تھا ۔ یعنی اس نے یہ نہیں کہا ” ہو ہو “ یہ وہی ہے۔ کیونکہ بعینہ وہی نہیں تھا بلکہ اس میں تغیر و تبدل کیا گیا تھا اور اس نے یہ بھی نہیں کہا ۔ ” لیس بہ “ یہ وہ تو نہیں ؛ کیونکہ درحقیقت تخت تو وہی تھا اس کی نفی کرنی بھی درست نہیں تھی ، اسلئے اس نے بڑی عقل مندی سے جواب دیا ۔ ﴿ کانہ ہو ﴾ گویا کہ یہ وہی ہے ۔ یعنی ہے تو وہی ، لیکن اس میں کچھ تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی نبوت ، علم ، معجزات اور اللہ تعالیٰ کے متعلق علم تھا ۔ اور دل سے تو پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے صرف آپ کے پاس آکر دل کو زیادہ تسلی دینا مقصود تھا۔



اتنی عقلمند عورت سورج پرست کیوں رہی؟

﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾

(پ ۱۹ سورت نمل ۴۳)

اور اسے روکا اس چیز نے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتی تھی، بے شک وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔

”انہا کانت من قوم راسخین فی الکفر فلذلك لم تكن قادرة علی اظهار اسلامها“

(روح المعانی)

وہ چونکہ ایسی قوم میں تھی جو کفر میں راسخ تھی اسی وجہ سے وہ اسلام کے اظہار پر قادر نہ ہو سکی۔

یعنی سلیمان علیہ السلام کے خط کے بعد اسے کافی حد تک آپ علیہ السلام کی حقانیت کا علم ہو چکا تھا لیکن پھر وہ اسلام کو ظاہر نہ کر سکی کیونکہ وہ کافر قوم میں پیدا ہوئی تھی، کافر قوم میں رہ رہی تھی۔

بلقیس کا چمکدار فرش کو پانی سمجھنا:

﴿قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

(پ ۱۹ سورت نمل ۴۴)

اس سے کہا گیا صحن میں آ، پھر جب اس نے اسے دیکھا گھر اپنی سمجھی اور اپنی پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک چکنا صحن ہے شیشوں جڑا، عورت نے عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب ایمان لاتی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

”الصرح القصر وقيل صحن الدار“

صرح کا معنی محل بھی ہے اور گھر کا صحن بھی۔

والممرود المملس مرد جس میں چکناہٹ پائی جاتی ہو، چمکدار چکنا فرش چکنا پتھر وغیرہ۔



”امرد“ جس کے چہرے پر بال نہ اُگے ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے آنے سے پہلے سفید شیشے کا ایک محل تعمیر کرایا جو پانی کی طرح نظر آتا تھا محل بنوانے کی غرض یہ تھی کہ بلقیس ملکہ ہے وہ صرف اپنے انتظامات کو ہی نہ دیکھتی رہے بلکہ اسے آپ کی نبوت اور خلافت کی عظمت اور آپ کی مجلس کا رعب معلوم ہو جائے۔ اس بلورین فرش کے نیچے پانی اور مچھلیاں بھی تھیں۔ آپ کا تخت اس کے درمیان تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ اور تخت پر چل کر بیٹھ جاؤ تو اس نے فرش کو پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اوپر چڑھایا تو آپ نے فرمایا: یہ تو بلور کا بنا ہوا فرش ہے، پانی نہیں۔ تو اسے جلدی ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور سلیمان علیہ السلام کی عظمت، نبوت اور نورانیت نے ایسا اثر کیا کہ برملا کہنے لگی: میں نے آج تک اپنی عمر گنوا دی، اپنی جان پر کفر یہ عقائد کے مظالم ڈھاتی رہی، اب تو سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں۔ اس طرح بلقیس کو دولت ایمان نصیب ہوئی۔

تنبیہ:

یہ جو مشہور ہے اور بعض مفسرین نے بھی تحریر کیا ہے کہ آپ کو مطلع کیا گیا تھا کہ بلقیس ویسے تو خوبصورت ہے لیکن اس کی پنڈلیاں بد صورت ہیں، گدھے ٹھروں کی طرح ہیں۔ یا بعض نے کہا: کہ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے اس کی پنڈلیوں کو دیکھنے کے لئے ایسا فرش بنوایا تھا۔ یہ درست نہیں۔ نبی کی شانِ عظمت کے سراسر خلاف ہے۔ اسی کے متعلق علامہ رازی فرماتے ہیں۔

”کان المقصود من الصرح تہویل المجلس وتعظیمہ وحصل کشف

الساق علی سبیل التبع“

شیشے کا محل چمکدار فرش بچھانے کا مقصد فقط مجلس کو بارعب بنانا اور اظہارِ عظمت تھا۔ بلقیس کا پنڈلیوں کو ننگا کرنا، اس کی اپنی غلط فہمی کی وجہ سے تھا۔ اس نے چمکدار صحن کو پانی سمجھتے ہوئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کیا تھا گویا کہ وہ پانی سے گزرنا چاہتی ہے۔



یہ واقعہ بالکل اسی قسم کا ہے جیسے حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں بیٹک نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کیا مشرکوں سے ایک شخص نے مسلمانوں کو جلا کر رکھ دیا (یعنی اس کے ہاتھوں مسلمان بہت تنگ آچکے تھے) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اسے تیرا رو (ماں باپ کو جمع کرنے کا یہی معنی ہے) وہ کہتے ہیں میں نے اپنا تیر نکالا، حالانکہ اس میں لوہے کی نوک نہیں تھی میں نے وہی اس کے پہلو پہ گاڑ دیا وہ گرا اس کا ستر کھل گیا وہ ننگا ہو گیا نبی کریم ﷺ اسے دیکھ کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں مجھے نظر آنے لگیں۔

”وانكشفت عورته فضحك رسول الله ﷺ حتى نظرت الى نواجزه“

اس حدیث کے ماتحت علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں :

”فضحك فرحا بقتله عدوه لا لانكشافه“

نبی کریم ﷺ کے ہنسنے کی وجہ حضرت سعد کا دشمن کو قتل کرنا ہے آپ اس کے ننگے نگیز کو دیکھ کر نہیں ہنسے تھے۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸۸، ۲۸۹ باب فضائل سعد بن ابی وقاص)

کسی کے ننگے نگیز کو دیکھ کر ہنسنا نبی کی شان کے لائق نہیں نہ ہی آپ ﷺ نے ایسا کبھی کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں فرمایا کہ آپ نے غیر محرم عورت کی ننگی پنڈلیاں دیکھیں۔

غیر یقینی واقعات :

کچھ واقعات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آکوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”وكل ذالك اخبار لا يدري صحتها ولا كذبها ولعل في بعضها ما يميل القلب الى القول بكذبه والله اعلم“

یہ جتنی خبریں بھی ہیں ان کے صحیح ہونے یا جھوٹا ہونے میں کچھ پتہ نہیں، ممکن ہے کہ بعض



واقعات جھوٹے ہوں جن کی طرف دل مائل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال بہر جانتا ہے۔

وہ واقعات جن پر یقین نہیں کیا گیا انہیں روح المعانی میں اس طرح نقل کیا گیا ہے :

☆ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غلام اور لونڈیاں بھیجیں، غلاموں کو زمانہ لباس پہنایا گیا ان کے ہاتھوں میں کنگن اور کانوں میں بالیاں پہنائی گئیں۔ اور لونڈیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور انہیں ہدایت کی کہ غلاموں نے عورتوں کی طرح کلام کرتا ہے اور لونڈیوں نے مردوں کی طرح۔ اور ساتھ یہ کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو غلاموں اور لونڈیوں میں فرق کر کے دکھاؤ۔ اور بتاؤ کون سے غلام ہیں اور کون سی لونڈیاں۔

☆ ایک اس نے موتی دیا جس میں سوراخ نہیں تھا اس کے متعلق کہا کہ سلیمان علیہ السلام کو کہنا اگر تم نبی ہو تو اس میں سوراخ کرا دو۔ اور یہ کام انسانوں اور جنوں سے نہیں کراؤ۔

☆ اور ایک موتی دیا جس میں سوراخ میڑھا تھا اس کے متعلق یہ کہہ کر بھیجا کہ اس میں دھاگہ ڈال دو۔ اور بھگے ہوئے قاصد کو کہا کہ دیکھنا اگر وہ شخص تمہیں جواب سخت کاامی، تند مزاجی سے دے تو وہ بادشاہ ہو گا۔ اس سے ڈرنا نہیں میں اس پر غالب آ جاؤں گی۔ اور اگر وہ شخص خوش اخلاقی نرم مزاجی، لطافت طبع، نرم گوئی سے جواب دے تو سمجھنا کہ وہ نبی ہے۔ پھر اس کی بات کو غور سے سننا اور سمجھنا۔

بلقیس نے غلام اور غلامہ جمع سونے چاندی کے زیورات سونے اور چاندی کی اینٹیں، موتی لعل و جواہر، عنبر کستوری، گھوڑے وغیرہ کثیر تعداد میں بطور ہدیہ بھیجے۔ لیکن سلیمان علیہ السلام نے وہ ہدیہ آنے سے پہلے ہی نو فرخ تک سونے اور چاندی کے محلات جنوں سے تعمیر کرا دیئے۔ دریائی جانور منگوائے جن کے پروں کے عجیب و غریب رنگ تھے۔ گھوڑے کی طرح ان کی گردن اور پیشانی کے بال تھے۔ مرغ کی طرح ان کے سر پر کلفیاں تھیں۔ جن، انسان، جانور، درندے، پرندے غرض یہ کہ ہر قسم کی مخلوق کو آپ نے اپنے پاس کئی کئی میلوں تک صفوں میں کھڑا کر دیا۔ ہدیہ لانے والے نے یہ منظر دیکھ کر اپنے ہدیہ کو حقیر سمجھا۔



سلیمان علیہ السلام نے خوش طبعی سے اس سے ملاقات کی۔ اس نے بقیس کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے ڈبیہ طلب کی۔ اس نے ڈبیہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کو کھولنے سے پہلے بتانا اس میں کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے آپ کو بتایا، تو آپ علیہ السلام نے اس شخص کو کہا کہ اس میں ایک موتی بغیر سوراخ کے ہے اور ایک ٹیڑھے سوراخ والا ہے۔ اس نے کہا آپ نے سچ کہا ہے۔

اس نے کہا کہ بغیر سوراخ موتی میں سوراخ کر دو اور ٹیڑھے سوراخ والے منکے میں دھاگہ ڈال دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ موتی میں سوراخ کون کرے گا؟ دیمک (لکڑی کھانے والا کیڑا) نے کہا یہ کام میں کروں گا۔ اس نے اپنے منہ میں ایک بال لیا اور موتی میں ایک سرے سے گھوم کر دوسرے سرے سے نکل گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا تمہاری کوئی حاجت ہو؟ اس نے کہا ہاں! اے اللہ کے نبی میرا رزق درختوں میں کر دو۔ آپ علیہ السلام نے اسے کہا کہ ٹھیک ہے۔ تمہارا رزق درختوں میں ہی ہو گا۔ پھر آپ نے ٹیڑھے سوراخ والے منکے (موتی) کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا اس میں دھاگہ کون ڈالے گا؟ ایک سفید رنگ کا کیڑا آیا اس نے کہا یہ کام میں کروں گا۔ اس نے دھاگہ اپنے منہ میں لیا اور ایک طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کیڑے سے پوچھا اگر تمہاری ہی کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ کے نبی میرا رزق پھلوں میں کر دو۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تمہیں پھلوں سے ہی ملے گا۔

پھر ہدیہ لانے والے نے کہا: آپ غلاموں اور لونڈیوں میں تمیز کریں۔ ان کے حجاب ہٹانے سے پہلے بتاؤ۔ آپ نے فرمایا سب ہاتھ دھوؤ! جب انہوں نے ہاتھ دھونے شروع کئے تو جو دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھونے لگے۔ آپ نے کہا یہ غلام ہیں اور جنہوں نے پہلے پانی ایک ہاتھ میں لیا اور پھر دوسرے ہاتھ پر ڈالا آپ نے فرمایا: یہ لونڈیاں ہیں۔

(روح المعانی)



گزشتہ سے پیوستہ :

سلیمان علیہ السلام نے ”ہدہد“ کو غائب پا کر جو ارشاد فرمایا : اس میں ”لا اذبحنہ“ کا ذکر ہے جس میں لام کے بعد الف زائد لکھا گیا ہے بظاہر الف کے زائد کرنے کی وجہ نظر نہیں آرہی لیکن ایک شائد ارنکتہ یہ تحریر کیا گیا ہے ۔

”هو التنبيه على ان الذبح لم يقع“

(روح المعانی)

کہ اس میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ واقعہ میں ذبح نہیں ہوا۔

یعنی آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ذبح کر دوں گا یا وہ کوئی دلیل لے کر آئے۔ اس نے دلیل پیش کر دی تھی اسلئے ذبح سے محفوظ رہا۔

رب کی یاد کے لئے گھوڑوں سے محبت :

﴿ اِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّفْنَٰتُ الْجَيَادُ ☆ فَقَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ☆ رَدُّوْهَا عَلٰی فَطْفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴾

(پ ۲۳ سورت ص ۳۱، ۳۲)

جبکہ اس پر پیش کئے گئے تیسرے پہر کو کہ روکے تو تین پاؤں پر کھڑے ہوں، چوتھے سم کو کنارہ زمین پر لگائے ہوئے اور چلائے تو ہوا ہو جائیں تو سلیمان علیہ السلام نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی اپنے رب کی یاد کے لئے، پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ نگاہ سے پردے میں چھپ گئے۔ (نگاہ سے او جھل ہو گئے) پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ (جب واپس لائے گئے) تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان پر گھوڑے پیش کئے جائیں تاکہ انہیں دیکھیں اور ان کے احوال کی کیفیت پر واقف ہوں تو آپ کے حکم کے مطابق گھوڑوں کو عصر سے دن کے آخر تک پیش کیا جاتا رہا، گھوڑوں کی دو لفظوں سے صفات بیان کی گئی ہیں۔ ”صافنات“ اور ”جیاد“ صافن کا ایک معنی یہ



بھی ہے کہ دونوں قدموں کا ایک قطار میں رکھنا۔ اور گھوڑا جب تین قدموں پر زور ڈال کر کھڑا ہو، چوتھے قدم کا سم صرف زمین پر معمولی سہار لگائے ہوئے ہو تو اسے بھی ”صافن“ کہتے ہیں۔ مقصد بیان یہ ہے کہ وہ ایسے گھوڑے تھے جب انہیں کھڑا کیا جاتا تو نہایت آرام سکون سے کھڑے ہو جاتے۔

”جیاد“ تیز گھوڑوں کو کہا جاتا ہے یعنی جب وہ چلتے ہیں تو ہوا کی طرح تیز چلتے ہیں، لیکن ان کی تیز رفتاری ایسی نہیں ہوتی کہ سوار کو گرا دیں، بلکہ تیز رفتاری میں بھی سوار کو سکون حاصل رہتا ہے آپ نے کہا

﴿إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي﴾

مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے۔

علامہ رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”بمعنی ان هذه المحبة الشديدة انما حصلت عن ذكر الله وامره لاعتناء الشهوة والهوى“

یعنی مجھے ان گھوڑوں سے اتنی شدید محبت دنیاوی خواہشات و لذات کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی یاد کی وجہ سے ہے۔

جس طرح قرآن پاک میں گھوڑوں کو جہاد کے لئے پالنے کا حکم اور تعریف کو ذکر کیا گیا ہے اسی طرح توراۃ میں بھی ذکر کیا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام گھوڑوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے دیکھ رہے تھے کہ اس سے رب اور اس کے حکم کی یاد حاصل ہو رہی ہے۔ جب ایک مرتبہ گھوڑوں کو آپ کے سامنے سے گزار دیا گیا اور وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے پھر انہیں لوٹانے کا حکم دیا۔ جب بھی آپ کے قریب سے گھوڑے گزارے جاتے تو آپ ان سے از روئے محبت ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرتے اور ساتھ ساتھ اپنی امت کو اپنے اس فعل سے یہ تعلیم دے رہے تھے کہ حاکم وقت کو اکثر کام اپنے ہاتھ سے بھی سرانجام دینے چاہئیں۔ اور وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کو گھوڑوں کے امراض کا علم بھی حاصل تھا آپ اس وجہ سے بھی ان پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ گھوڑوں کے احوال، امراض، عیوب دیکھیں کہ کسی میں کوئی نقص تو نہیں۔ اگر ہو تو اس کا علاج کیا جائے۔ علامہ رازی نے یہ تفسیر بیان کرنے کے بعد فرمایا



”فہذا التفسیر الذی ذکرنا ینطبق علیہ لفظ القرآن انطباقا مطابقا موافقا“  
یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے قرآن پا کے الفاظ مبارکہ کے مطابق یہی ہے اور ہم پر یہ لازم  
نہیں کہ ایسے واقعات کو بیان کریں جو درست نہیں۔

### ایک مشہور لیکن غیر معتبر واقعہ :

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر گھوڑے  
پیش کئے جاتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ آپ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی تو آپ نے حکم دیا کہ  
گھوڑوں کو مجھ پر واپس لوٹایا جائے۔ جب گھوڑے آپ پر واپس لوٹائے گئے تو آپ نے ان کی ٹانگیں کٹوا دیں،  
گردنیں اڑا دیں کہ یہ میری نماز کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں۔

علامہ رازی اسے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ معنی لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد :  
﴿احببت حب الخیر عن ذکر ربی﴾ مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی اپنے رب کی یاد کے  
لئے..... کے خلاف ہے۔

”فان تلك المحبة لو كانت عن ذکر الله لما نسي الصلوة ولما ترك ذکر الله“  
کیونکہ جب آپ کو گھوڑوں سے محبت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے تھی تو نماز آپ کو کبھی نہیں  
بھول سکتی تھی اور نہ ہی آپ اللہ تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ سکتے تھے۔

نیز اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

﴿فطفق مسحاً بالسوق والاعناق﴾ کا اگر معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے تلوار سے ان  
کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹا تو پھر وضو کے حکم میں رب کے ارشاد : ﴿وامسحوا بروسکم﴾ میں بھی  
معنی یہ نہیں ہوگا کہ ”تم اپنے سروں کا مسح کرو“ بلکہ یہ معنی کرنا پڑے گا ”تم اپنے سروں کو تلواروں سے  
کاٹو“ کیا یہ معنی کوئی عقلمند تسلیم کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یقیناً جب یہ معنی غلط ہے تو حضرت  
سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی اس قسم کا مطلب منسوب کرنا بھی غلط ہے۔ اور اس میں کئی خرابیاں یہ



لازم آئیں گی کہ سلیمان علیہ السلام نے نماز چھوڑ دی اور آپ پر دنیا کی محبت غالب آگئی تھی کہ آپ گھوڑوں کو دیکھتے رہے ، نماز کے تارک بن گئے ۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

”حب الدنيا رأس كل خطيئة“

دنیا کی محبت ہر قسم کے گناہوں کی اصل ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسا گمان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ؟ پھر آپ سے (معاذ اللہ) اگر نماز چھوڑنے کا عظیم گناہ سرزد ہوا تھا تو آپ کو توبہ کرنی چاہئے تھی ۔ جہاد والے گھوڑوں کی گردنیں اڑانے کا کیا مقصد تھا ؟ پھر اگر ”ردوہا علی“ کا معنی یہ لیا جائے کہ آپ نے رب کو کہا کہ مجھ پر سورج کو واپس لوٹایا جائے تو یہ اور ہی بہت بڑی خرابی کا باعث بنے گا کہ ادھر نماز کے چھوڑنے کا گناہ ادھر توبہ کے بجائے رب کو حکم دینا ، یہ درحقیقت رب کی شان میں گستاخی ہے ۔ اور جمع کا صیغہ بھی اس معنی کو رد کر رہا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا :

﴿واذكر عبدنا داود﴾

ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو ۔ اس کے بعد آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا گویا کہ رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا : اصبر یا محمد علی ما یقولون واذکر عبدنا سلیمان

اے محمد (ﷺ) یہ کفار جو آپ سے کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کرو

اب اس کے بعد اگر واقعہ اس طرح بیان کیا جائے جس سے پتہ چلے کہ سلیمان علیہ السلام اچھے اعمال ، اچھے اخلاق کے مالک تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے تھے ، دنیا کی خواہشات و لذات سے دور تھے ، تو کلام کا کوئی مقصد نکل سکتا ہے کہ رب نے حضور ﷺ کو آپ کی یہ صفات بتا کر تسلی دی ۔ اور اگر یہ بیان کیا جائے کہ آپ دنیا کی محبت کی وجہ سے نماز چھوڑ کر عظیم گناہوں کے مرتکب ہو جاتے تھے ۔ تو کلام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا ۔ (معاذ اللہ) کیا حضور ﷺ کو یہ کہا گیا ہے کہ آپ بھی ایسا کریں ۔

علامہ رازی نے اس مشہور واقعہ کو بڑی تفصیل سے رد کیا اور آخر میں فرمایا :

”واقول انا شديد التعجب من الناس كيف قبلوا هذه الوجوه السخيفة مع“



ان العقل والنقل یردها“

میں لوگوں پر بہت بڑا تعجب کرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ کمزور وجوہ کیسے تسلیم کر لی ہیں؟ جن کو عقل بھی نہیں مانتی اور شریعت کے بھی خلاف ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۲۶ ص ۲۰۶)

سلیمان علیہ السلام کا ”ان شاء اللہ“ کہنا بھول جانا :

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ﴾

(پ ۲۳ سورت ص ۳۴)

اور بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محققین مفسرین کرام نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میں آج رات ستر عورتوں سے جماع کروں گا۔ (آپ کی شریعت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا منع نہیں تھا) ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو بہت بڑا شہسوار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے ”ان شاء اللہ“ نہ کہا۔ آپ نے ستر عورتوں سے جماع کیا لیکن کوئی بھی عورت حاملہ نہ ہوئی۔ سوائے ایک عورت کے، اس کا بچہ بھی نامکمل، بے جان پیدا ہوا۔ خیال رہے مسلم میں ستر عورتوں کا ذکر ہے اور بخاری میں چالیس عورتوں کا ذکر ہے۔ نیز یہ بھی روایات میں آیا ہوا ہے کہ آپ کو فرشتے نے کہا۔

..... ”قل ان شاء اللہ فلم یقل“ ان شاء اللہ کہو..... لیکن آپ نے نہ کہا آپ کا نہ کہنا بھول کر تھا یا قصداً تھا کسی صورت میں بھی گناہ نہیں۔ کیونکہ فرشتے کا حکم ماننا آپ پر کوئی فرض نہیں تھا۔

”وغایتہ ترک الاولی فلیس بذنب وان عدہ ہو علیہ السلام ذنباً“

فرشتے کے کہنے پر آپ کا ان شاء اللہ نہ کہنا زیادہ سے زیادہ ترک اولی (بہتر کام کو چھوڑنا) پایا گیا ہے۔ اسے گناہ نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ انبیائے کرام کے ترک اولی کو بھی ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔



”فالمراد بالجسد ذالك الشق الذی ولد له ومعنی القائه علی كرسیه وضع القابله له علیه لیراه“

(روح المعانی)

جسم سے مراد وہی نامکمل، بے جان بچہ ہے۔ اور کرسی پر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دایہ نے وہ بچہ لا کر اس کے تحت یا کرسی پر ایک بے جان جسم ڈال دیا۔

”فجیء به علی كرسیه فوضع فی حجره“

اس بے جان بچے کو پہلے کرسی پر رکھا گیا اور کرسی پر اٹھا کر لایا گیا وہ آپ کی گود میں رکھ دیا گیا کہ آپ دیکھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”فوالذی نفسی بیدہ لو قال ان شاء الله لجاهدوا کلهم فی سبیل الله فرسانا“

(روح المعانی و کبیر)

ایک روایت میں ”والذی نفس محمد بیدہ“ کے الفاظ مبارکہ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی (میری) جان ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء الله کہہ لیتے تو تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے اور تمام کے تمام بڑے شہسوار اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی نے ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے جسے پیر کرم شاہ صاحب حسین و جمیل الفاظ میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

آپ علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے، بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا کڑیل جسم ہڈیوں کو ڈھانچا بن کر رہ گیا، وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے جن وانس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اب ضعف و نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا۔ تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بارہ گاہ الہی میں بڑے عجز و نیاز سے اپنی صحت کے لئے دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ علیہ السلام بالکل



صحت یاب ہو گئے اور جہان بینی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔

(تفسیر ضیاء القرآن)

سلیمان علیہ السلام کے حق میں یہود کی گستاخی :

یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا من گھڑت واقعہ پیش کیا کسی نیک آدمی کے متعلق ایسا گمان کرنا بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق ایسی بناوٹی کہانیاں منسوب کی جائیں۔ یہودیوں نے کہا :

سلیمان علیہ السلام کو سمندر میں ایک شہر کی خبر ملی کہ وہاں کوئی شخص حکومت کر رہا ہے آپ نے اپنا لشکر ساتھ لیا اور ہوا کو حکم دیا جس نے آپ کو اور آپ کے لشکر کو وہاں پہنچا دیا۔ آپ علیہ السلام نے اس شخص کو جو وہاں کا حاکم تھا قتل کر دیا اور اس کی ایک بہت ہی خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام ”جرادہ“ تھا اسے آپ نے اپنے لئے پسند کر لیا۔ وہ اسلام لے آئی آپ بھی اس سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے باپ کو یاد کر کے روتی رہتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے شیطان کو حکم دیا کہ اسے اس کے باپ کی تصویر بنا کر دے دو، تاکہ اسے دیکھنے سے تسلی حاصل رہے۔ اس کے باپ کی شیطان نے تصویر بنادی اس عورت نے تصویر کو اپنے باپ کے لباس کی طرح ہی لباس پہنا دیا۔ صبح و شام اپنی لونڈیوں کے ساتھ لے جا کر اسے سجدہ کرتی تھی۔ سلیمان علیہ السلام کو ان کے وزیر آصف نے جب اس معاملہ کی خبر دی تو آپ نے تصویر کو توڑنے کا حکم دیا اور اس عورت کو سزا دی۔ پھر اکیلے جنگل کی طرف نکل گئے۔ خاکستر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے۔

سلیمان علیہ السلام کی ایک لونڈی ام ولد بھی، جسے ”امینہ“ کہا جاتا تھا جب آپ طہارت کے لئے تشریف لے جاتے یا اپنی ازواج سے مجامعت کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر ”امینہ“ کو دے جاتے آپ کی بادشاہی انگوٹھی میں تھی۔ آپ انگوٹھی پہن رکھتے تو انسان و جن آپ کے تابع ہوتے۔ آپ اتار دیتے تو کوئی بھی آپ کے حکم کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ ایک دن آپ نے انگوٹھی ”امینہ“ کے پاس



رکھی۔ آپ قضائے حاجت کے لئے چلے گئے۔ دریاؤں پر متصرف شیطان سلیمان علیہ السلام کی شکل میں امینہ کے پاس آیا اور کہا اے امینہ میری انگوٹھی دے۔ امینہ نے انگوٹھی اسے دے دی وہ انگوٹھی پہن کر آپ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ تمام انسان جن پر ندے وغیرہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اسی کا حکم ان پر چل رہا تھا اور یہ اس کے تابع تھے۔

سلیمان علیہ السلام کی شکل بدل دی گئی تھی۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر امینہ کے پاس آئے کہ میری انگوٹھی دو تو اس نے انکار کر دیا۔ تم سلیمان علیہ السلام کب ہو جاؤ اپنا کام کرو۔ سلیمان علیہ السلام تو اپنی انگوٹھی لے گئے ہیں۔

آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری خطا کی وجہ سے مجھے گرفت میں لے لیا گیا ہے آپ لوگوں کے گھروں پر دستک دیتے ان کے سامنے کھانے کے لئے ہاتھ پھیلاتے کہ مجھے کھانے کو کچھ مل جائے۔ جب آپ بتاتے کہ میں سلیمان (علیہ السلام) ہوں تو لوگ آپ پر مٹی ڈالتے اور آپ کو گالیاں دیتے۔ آخر آپ نے مچھیروں کی غلامی اختیار کر لی۔ ان کی مچھلیاں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچاتے۔ وہ آپ کو دو مچھلیاں ہر روز دے دیتے۔ آپ اسی سے گزر اوقات کرتے رہے۔

چالیس دن اسی حال میں گزر گئے کیونکہ چالیس دن آپ کے گھربت پرستی ہوتی رہی تھی۔ جب آپ کے چالیس دن گزر گئے ادھر آصف اور بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لیڈروں نے شیطان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شیطان آپ کے تخت کو چھوڑ کر چلا گیا اور انگوٹھی کو دریا میں ڈال دیا، اس کو مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی جب آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے اس کے پیٹ کو چاک کیا تو آپ کو انگوٹھی مل گئی۔ آپ نے انگوٹھی پہن لی آپ کو حکومت واپس مل گئی آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔

علامہ رازی نے اسے بہت شدت و تفصیل سے رد کیا اور فرمایا:

”واعلم ان اهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام“

یقیناً یہ جان لو کہ یہ محققین کے نزدیک لغو اور باطل کلام ہے۔



اس قسم کا معاملہ شیطان علماء سے بھی نہیں کر سکتا انبیائے کرام سے کیسے کر سکتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ شیطان کو سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر مسلط کرتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا صورت بنوا کر دینا۔ وغیرہ سب لغویات ہیں۔

(از کبیر)

## سلیمان علیہ السلام کی دعا :

﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾

پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی میرے رب مجھے معاف فرمادے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میرے بعد بیشک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے۔

پہلے مغفرت کے لئے التجاء کی اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا، ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جود و عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں رب العالمین ہے۔ وہ اکرم الاکرمین ہے۔ اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔

حضرت علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ حضور ﷺ سے بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے ”نبی ملک“ (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے ”نبی عبد“ بنا پسند فرمایا۔

”وَكَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَافِذَ الْحُكْمِ عَلَى الْجِنِّ وَالْإِنْسِ“

یعنی حضور ﷺ کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔

صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں :

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة      تمشي اليه على ساق بلا قدم

حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تئیں



کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔

اور یہی حال خلفائے راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور فقیری دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے۔

(تفسیر ضیاء القرآن، مظہری)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا آج رات کو سرکش شیطان میری نماز کو فاسد کرنے کے لئے میرے قریب منڈلاتا رہا۔

”وان الله تعالى امكنني منه فلقد هممت انا ربطه الى سارية من سواري

المسجد حتى تصبحوا فتظنوا اليه كلکم“

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے زیادہ قوت دے رکھی ہے تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح تم تمام لوگ بھی اسے دیکھ سکو۔

لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی کہ آپ نے رب کے حضور عرض کیا تھا :

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾

اے میرے رب مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔

(روح المعانی)

حضور ﷺ کا کتنا واضح اشارہ ہے کہ مجھے جنوں پر بھی حکومت حاصل ہے لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا کہ سلیمان علیہ السلام کا جنوں پر حکومت کرنا مشہور رہے۔

سلیمان علیہ السلام کے فیصلے :

﴿وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَنَ إِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا

لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ﴾

(پ ۲۳ سورہ ص ۳۵)



اور یاد کرو داؤد و سلیمان علیہما السلام کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بحریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

ایک آدمی کی بحریاں رات کے وقت چھوٹ گئیں ان کے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا وہ دوسرے شخص کی کھیتی کھا گئیں۔ یہ مقدمہ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہوا۔ آپ علیہ السلام نے تجویز کیا کہ بحریاں کھیتی والے کو دے دو چونکہ بحریوں کی قیمت کھیتی کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب فیصلہ سنا تو آپ نے کہا کہ ایک صورت اس سے بہتر اور دونوں فریقوں کے لئے نفع مند ہو سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اچھا تم بتاؤ کہ وہ کیا صورت ہو سکتی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بحریاں کھیتی والے کو صرف اسلئے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرتا رہے اور بحریوں والے شخص کو کھا جائے کہ وہ اس شخص کے کھیت میں کام کرے اور محنت کر کے ضائع شدہ فصل کے برابر اور فصل کاشت کر کے تیار کرے۔ جب کھیتی اپنے حال پر آجائے تو کھیتی والے کو اس کی کھیتی دے دی جائے اور بحریوں والے کو اس کی بحریاں دے دی جائیں۔

یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال تھی یہ دونوں فیصلے اجتہادی تھے جو اس وقت کی شریعت کے مطابق تھے۔

حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قانون کے مطابق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی صورت میں تھا ہماری شریعت میں اگر جانور از خود چھوٹ جائیں کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچائیں تو جانوروں کے مالک پر کوئی ضمان لازم نہیں۔

(از خزائن العرفان)

دو عورتوں کے جھگڑے میں فیصلہ :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :



ایک وقت دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے ان کے ساتھ تھے، ایک بھیڑیا ایک بچے کو لے گیا ایک عورت نے دوسری کو کہا بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری کہنے لگی تمہارے بچے کو لے گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑے نے طول پکڑا تو وہ اپنا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آگئیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا یعنی ان عورتوں میں سے ایک عمر میں چھوٹی تھی اور ایک بڑی۔ جب وہ دونوں (فیصلہ کے بعد) نکلیں تو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے سامنے آئیں تو ان کو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

” ائتونی بالسکین اشقه بینکما فقالت الصغری لایرحمک اللہ ہو ابنہا  
فقضی بہ للصغری“

چھری لاؤ میں اس کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں، تو چھوٹی نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے ایسا نہ کریں وہ اسی کا بیٹا ہے تو آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۵۸)

### وضاحت حدیث :

حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا تھا؟ آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ یا تو بچے میں آپ نے بڑی سے کچھ مشابہت دیکھی تھی یا ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں بڑے کو مقدم رکھا جاتا ہو، یا یہ کہ بچے پر قبضہ بڑی کا تھا۔ اور آپ کی شریعت میں جس کا قبضہ ہوتا تھا اس کے حق کو ترجیح دی جاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کیوں کیا؟ اس لئے کہ آپ نے دیکھا کہ بچے سے محبت کسے ہے، جب آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ کہ میں اس کے ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں تو آپ کے اس ارشاد پر بڑی خاموش تھی؛ کیونکہ حقیقتاً وہ جانتی تھی کہ میں جھوٹی ہوں۔ اس وجہ سے بھی خاموش تھی کہ میرا بیٹا تو ضائع ہو چکا تھا یہ بھی قتل ہو جائے تو دوسری عورت کو بھی میری طرح غم لاحق ہو۔ لیکن چھوٹی نے کہا حضور اسے قتل نہ فرمائیں بلکہ اسے ہی دے دیں؛ کیونکہ جب حقیقت



میں بیٹا ہی اسی کا تھا تو اس نے از روئے محبت بیٹے کا قتل ہونا پسند نہیں کیا۔ بلکہ اس کی خواہش یہ تھی کہ مجھے ملے نہ ملے لیکن کم از کم زندہ تو رہے۔ چھوٹی کے اس پیار و محبت کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکا اسی کا بیٹا ہے دوسری کا نہیں، لہذا آپ علیہ السلام نے اسی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کیسے توڑا؟ قانون یہ ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا فیصلہ نہیں توڑ سکتا حالانکہ دونوں حضرات کے فیصلے اجتہادی تھے۔ وحی کے ذریعے کوئی ایک فیصلہ نہیں تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بظاہر توڑنا درست نظر نہیں آتا لیکن اس کی چند وجوہ ہیں :

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے حتمی فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ بڑی کے قبضے کو دیکھ کر بچہ اسی کے پاس رہنے کی رائے قائم کی تھی۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ فتویٰ اور قضا میں فرق ہے۔ قضاء یعنی فیصلہ پر عمل لازم ہوتا ہے لیکن فتویٰ پر عمل لازم نہیں ہوتا کیونکہ مفتی کو عمل کرانے کے اختیار حاصل نہیں ہوتے۔

(۳) ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایک مجتہد دوسرے کا فیصلہ توڑ سکتا ہو اور یہ جائز ہو۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام نے اظہار حق کے لئے حیلہ کیا اس پر چھوٹی کا سچا ہونا جب واضح ہو گیا تو حضرت داؤد نے خود ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا ہو۔

(شرح نووی علی المسلم)

دیو آپ کے تابع :

﴿وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ﴾

(ب ۲۳ سورہ ص ۳۷)

اور تمام معمار اور غوطہ خور دیو آپ کے تابع کر دیئے۔

یعنی کچھ وہ جن تھے جو فن تعمیر میں ماہر تھے، بڑی بڑی عمارات بہت جلدی تیار کرتے اور کچھ جن دریاؤں سمندروں میں غوطے لگا کر طرح طرح کے موتی، ہیرے، لعل و جواہر نکالتے۔ دریاؤں میں سب



سے پہلے موتی نکالنے کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی شروع کیا۔

(از خزائن العرفان)

﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَفْعَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ☆ يَفْعَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَ تَمَاثِيلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ﴾

(ب ۲۲ سورت سبا ۱۲، ۱۳)

اور (آپ کے تابع کر دیئے) جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں سے ہمارے حکم سے اعراض کرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے، اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔

”محاریب“ جمع ہے محراب کی اور حرب سے لیا ہوا ہے جس کا معنی لڑائی کرنا۔ یہاں محاریب سے مراد وہ محلات ہیں جن کی حفاظت کے پیش نظر ان کا مالک دوسروں سے لڑائی کرے۔ اگر وہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔

”تماثیل“ سے مراد پیتل، تانبہ، بلور، سنگ مرمر وغیرہ سے تصویریں بنانا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ

”کان اتخاذ الصور فی ذالک الشرع جائزا کما قال الضحاك وابو العالیة“  
حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویریں بنانا جائز تھا یہی قول حضرت ضحاك اور ابو العالیہ کا ہے۔

ایک شریعت کے مسائل کو دوسری شریعت میں اس وقت تک ثابت نہیں کیا جاسکتا جب تک دونوں شریعتوں میں ان کا حکم ایک نہ ہو۔

”جفان“ سے مراد وہ برتن جس میں طعام ڈالا جائے۔ ایسا برتن جس میں اتنا طعام آئے کہ جو ایک شخص کو سیر کر سکے۔ اسے صحیفہ کہا جاتا ہے اور جو دو یا تین آدمیوں کو سیر کر سکے اسے مسئلہ کہا جاتا ہے اور جو پانچ آدمیوں کو سیر کر سکے اسے صحفہ کہا جاتا ہے اور جو دس آدمیوں کو سیر کر سکے اسے



قصعہ کہا جاتا ہے اور جفان مطلقاً برتن کو کہا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ لیکن یہاں کالجواب کہہ کر ثابت کر دیا کہ وہ بڑے حوضوں کی طرح لگن بناتے تھے جس میں سے ایک ہزار آدمی سیر ہو کر کھانا کھا لیتے تھے۔

قدور راسیات بڑی بڑی دگیں بناتے تھے جن کے نیچے پائے ہوتے تھے بہت بڑی ہونے کی وجہ سے انہیں اتارا نہیں جاتا تھا۔

## سلیمان علیہ السلام کی وفات :

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتِهِ  
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانَُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾

(ب ۲۲ سورت سبا ۱۴)

پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا پتہ نہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آئے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رُسوا کن عذاب میں۔

جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اسوجہ سے انسانوں پر اپنا رب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی باتیں بتاتے جن کا تعلق امور غیبیہ سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا چور ہے میں پھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے۔ آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے اور آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے۔ وہ آپ کو کھڑا ہوا دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ و سلامت ہیں۔ ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گی۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ حکم الہی سے دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے، تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے انہوں نے



اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا اور وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے۔ تو اب ان کے دعویٰ کے حقیقت فاش ہو گئی۔ نیز وہ لوگ جو ان جنات کی غیب دانی کے دعویٰ کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں۔

تبیین کا فاعل یا تو جن ہیں یعنی تمام جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے سردار جو غیب دانی کی لافیں مارا کرتے تھے وہ بالکل جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ سال بھر اپنی جان کو اس مصیبت میں نہ ڈالے رکھتے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر حقیقت کھل گئی کہ جنات کو غیب کا کوئی علم نہیں۔

جنات کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شان نبوت کا مشاہدہ بھی کرادیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور وہ اونگھ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے۔ جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے، چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا، بدن بالکل تروتازہ رہا، تعفن اور بوسیدگی (جسم کا بدبودار ہونا، اور گل سڑ جانا) تو کجا، لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا، نہ موسم گرما کی حدت لو اور جس نے جسد اطہر کو متاثر کیا اور نہ موسم سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شان رفیع کو دیکھو۔

دابة الارض دیمک، منساة عصا یہ لفظ نسات الغنم سے ماخوذ ہے جس کا معنی میں نے ریوڑ کو ہانک دیا اسی سے منساة لیا گیا ہے یعنی ہانکنے کا آلہ (عصا)۔

(ماخوذ از ضیاء القرآن)





## موت العالم موت العالم :

روایت میں آتا ہے : موت العالم موت العالم۔ عالم کی موت جہان کی موت ہے۔

آج بروز جمعرات ۶ جون ۱۹۹۶ء مطابق ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ سحری کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ جب قلمبند کر رہا تھا اسی وقت استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا اسرار الحق حقانی قدس سرہ (راولپنڈی) کا وصال ہو گیا۔ صبح مدرسہ (جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی) پہنچنے پر استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام محی الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی نے خبر دی کہ قاضی صاحب کا وصال ہو گیا ہے۔ تو بہت زیادہ پریشانی ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت پر صابر و شاکر رہنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر انوار پر ہزار ہزار نعمتیں فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

پڑھانے کے دوران ایک ہونہار تلمیذ رشید عزیزم عبدالناصر میرے دقت آمیز پڑھانے کو تعجب سے دیکھ رہا تھا شاید اسے میری پریشانی کا علم نہیں تھا۔





## ﴿حضرت حزقیل علیہ السلام﴾

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾

(ب ۲ سورت بقرہ ۲۴۳)

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں، جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ! پھر انہیں زندہ فرمادیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اپنی قوم کو جہاد کرنے کے لئے کہا تو گھروں سے باہر نکل کر وہ کہنے لگے ہم تو اس زمین میں نہیں جائیں گے جہاں تم ہمیں لے جانا چاہتے ہو؛ کیونکہ وہاں وباء پھیلی ہوئی ہے۔ جب وباء (طاعون) وہاں سے زائل ہو جائے گی تو پھر ہم جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام پر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اپنے علاقہ میں ہی شہر سے باہر موت کو مسلط کر دیا۔ وہ آٹھ دن تک اسی حال میں رہے، یہاں تک کہ ان کے جسم پھول گئے۔ دوسرے علاقہ کے بنی اسرائیل کو جب ان کی موت کا علم ہوا تو وہ ان کو دفن کرنے کے لئے آئے لیکن ان کی بدبو کی وجہ سے وہ انہیں دفن کرنے سے عاجز آ گئے۔ اسلئے انھوں نے ان کے ارد گرد ایک دیوار بنادی۔

ایک اور روایت میں اسی طرح ذکر ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت جہاد دی لیکن انہوں نے یزدلی کا مظاہر کیا اور جہاد میں شرکت کو ناپسند سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو مسلط کر دیا جب ان میں سے کثرت سے موتیں واقع ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے شہروں سے موت کے ڈر کی وجہ سے بھاگنا شروع کر دیا جب ہزاروں کی تعداد میں شہروں سے باہر نکلے ہی تھے تو حزقیل علیہ السلام نے دعا کی:

”اللهم اله يعقوب واله موسى ترى معصية عبادك فارهم اية في انفسهم



تدلہم علی نفاذ قدرتک وانہم لا یخرجون عن قبضتک فارسل اللہ علیہم الموت

اے اللہ اے یعقوب علیہ السلام کے خدا اور اے موسیٰ کے خدا تو اپنے بندوں کی نافرمانی دیکھ رہا ہے تو انہیں اپنی کوئی نشانی دکھا جس سے انہیں تیری قدرت کا پتہ چل جائے کہ وہ تیرے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے ، تو آپ کی اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم پر موت مسلط کر دی وہ ہزاروں کی تعداد میں شہر سے نکلے ہی تھے کہ مر گئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے جب ہزاروں کی تعداد میں اپنی قوم کے افراد کو مرا ہوا دیکھا تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ خیال ہوا کہ یہ دوبارہ زندہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے حزقیل تم ہڈیوں کو کھو اے ہڈیو تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم جمع ہو جاؤ آپ کے کہنے پر وہ تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مل کر جسموں کے ڈھانچے مکمل ہو گئے ، لیکن ابھی تک ان میں گوشت اور خون نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اب تم یہ کھو اے جسمو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے گوشت کا لباس پہن لو، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر گوشت چڑھا دیا ، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی اب تم کھو اے جسمو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اب اٹھ کھڑے ہو اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو پھر سے زندہ کر دیا جب وہ زندہ ہو کر اٹھے تو کہہ رہے تھے :

﴿سبحانک اللہم ربنا وبحمدک لا الہ الا انت﴾

زندہ ہونے کے بعد بھی ان پر اثرات موت باقی رہے یہاں تک کہ جس طرح موت کے وقت ان کا رنگ زرد ہوا تھا اسی طرح زرد ہی رہا۔

﴿وبقی فیہم شیء من ذالک النتن وبقی ذالک فی اولادہم الی هذا الیوم﴾

اور ان کے مرنے کی وجہ سے جو ان کے جسموں میں بدبو پیدا ہوئی تھی وہ ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی باقی رہی بلکہ آج تک ان کی اولاد میں بھی بو پائی جاتی ہے۔

خیال رہے کہ موت کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا، اس پر اوامر و نواہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا کیونکہ یا تو انہیں موت کے وقت سکرات موت اور موت کی



بہ سے لاحق ہونے والی ہولناکیاں نہیں حاصل ہوئی تھیں یا یہ چیزیں تو حاصل ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلا دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ کسی چیز کو ذہنوں سے مٹانے پر بھی قادر ہے اور یا یہ وجہ ہے کہ یہ موت ان پر بطور سزا عادت کے خلاف ان پر مسلط کی گئی تھی اس لئے اس پر حکام موت جاری نہیں کئے گئے یہی وجہ ہے کہ انہیں زندہ کرنے کے بعد بھی مکلف بنایا گیا۔

”وقد روى ان هذا لاهياء انما وقع في زمان حزقيل النبي عليه السلام  
ببركة دعائه“

اور تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور یہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ ہے۔

حضرت حزقیل کی کنیت ابن العجوز تھی کیونکہ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کی عمر زیادہ تھی اس لئے آپ بڑھیا کے بیٹے کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کا لقب ذوالکفل ہے کیونکہ آپ نے ستر نبیوں کی کفالت کی اور ان کو شہید ہونے سے بچایا یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کے نبی ذوالکفل نام کے بھی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے وہ علیحدہ ہیں۔

(از روح المعانی، کبیر)

**فائدہ:** انسان موت سے بھاگ نہیں سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ﴾

(پ ۲۱ سورت احزاب ۱۶)

فرمادیجئے ہر گز تمہیں موت سے بھاگنا نفع نہیں دے سکتا خواہ موت سے بھاگوا قتل سے موت اپنے وقت میں آکر رہتی ہے۔

اس میں دیر یا سویر نہیں یہ ہمارے خیالات باطلہ ہیں کہ فلاں کو موت بے وقت آگئی فلاں شخص کاش سفر نہ کرتا تو یہ حادثہ پیش نہ آتا موت کے وقت انسان نے موت کے منہ میں جانا ہی ہوتا ہے۔





## ﴿حضرت اشموئیل علیہ السلام﴾

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَأِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا  
مَلِكًا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا  
قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ  
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾

(پ ۲ سورۃ البقرہ ۲۴۶)

اے محبوب کیا تم نے دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد  
ہو جب اپنے ایک نبی سے بولے ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو کہ ہم خدا کی راہ میں  
لڑیں نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو؟  
بولے ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے وطن اور  
اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں سے تھوڑے اور اللہ  
تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

الملاء قوم کے بڑے سرکردہ لوگ ان کے بڑے لوگوں کو ملأ کہنے کی وجہ یہ ہے :  
”لَا نَهِيْتُهُمْ تَمَلُّاَ الصَّدْرَ اَوْ لَا نَهْمُ يَتَمَلُّوْنَ اِي يَتَعَاوَنُوْنَ“

کہ ان کا رعب دوسرے لوگوں کے سینوں کو بھر دیتا تھا یا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دوسروں  
سے تعاون کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام آئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات ان میں قائم کرتے رہے  
اور تورایت کے مطابق عمل کرنے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ ان کے بعد ”کالب“ اور ان کے بعد ”حزقیل“  
اور ان کے بعد ”الیاس“ اور ان کے بعد ”الیسع“ علیہم السلام آئے۔ ان حضرات کے بعد بنی اسرائیل  
پر ان کے دشمن جالوت کی قوم عمالقہ کے لوگ غالب آگئے۔ اس وقت بنی اسرائیل بحر روم یعنی مصر  
اور فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ بنی عمالقہ نے ان کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا اور ان کے بڑے بڑے  
رہنماؤں کے بچے چار سو چالیس کی تعداد میں قیدی بنائے۔ اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا۔ اور ان کی تورایت



بھی لے گئے۔ اس وقت ان کے کوئی نبی نہیں تھے جو ان کے معاملات کی تدبیر کرتے۔ خاندان نبوت کے سب لوگ وفات پا چکے تھے۔ صرف ایک عورت خاندان نبوت سے زندہ تھی جو حاملہ تھی، دعا کرتی رہتی تھی۔ ”اشمویل“ (اے اللہ سن) یعنی اے اللہ دعا قبول کرو! عبرانی زبان میں اشمو کا معنی سن ایل کا معنی اللہ۔

بچہ پیدا ہونے پر یہی نام رکھا۔ جب بچہ بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو تورات دی اور بیت المقدس کی خدمت پر مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت عطا فرمائی۔ جب وہ نبی بن کر اپنی قوم میں آئے تو قوم نے کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو جس کی زیر قیادت ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا تم وعدہ کو پورا نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ضرور جہاد کریں گے۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے۔ ہماری اولاد کو قیدی بنایا گیا ہے۔ اولاد سے مراد ان کے آباء کی اولاد تھی۔ یا وہ بڑی عمروں کے تھے اور ان کی اپنی ہی اولاد ہو۔ (واللہ اعلم)

لیکن جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا تھا ایسے ہی ہوا کہ وہ سب لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے تھے۔ صرف تین سو تیرہ تھے جو ثابت قدم رہے تھے۔

خیال رہے کہ اس واقعہ میں جس نبی کا ذکر ہے ان کے نام میں اختلاف اگرچہ ہے لیکن علامہ رازی نے فرمایا:

”کان اسم النبی اشمویل من بنی ہارون واسمہ بالعبریۃ اسمعیل وهو قول الا کثرین“

’اللہ تعالیٰ کے اس نبی کا نام ’اشمویل‘ تھا۔ عبرانی زبان میں ’اسماعیل‘ کہا جاتا ہے یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔



## بادشاہ کے لئے طالوت کا انتخاب :

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾

(ب ۲ سورۃ بقرہ ۲۴۷)

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے، بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ فرمایا : اسے اللہ تعالیٰ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔

پہلے انہوں نے خود ہی اللہ تعالیٰ کے نبی سے سوال کیا کہ ہمیں کوئی بادشاہ عطا کریں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ منتخب کیا ہے، اب اس کا انکار کرنے لگے کہ یہ کیسے ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ ان کا اسے بعید سمجھنا دو وجہ سے تھا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل میں نبوت لادی بن یعقوب کی اولاد میں آرہی تھی اسی خاندان سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے اور بادشاہت یسودا کی اولاد میں آرہی تھی اس خاندان سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام تھے۔ چونکہ طالوت ان دونوں قبیلوں میں سے ایک سے بھی نہیں تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ طالوت ایک غریب شخص تھے۔ رنگ ساز تھے یا ماشکی تھے لہذا انہوں نے کہا :

﴿ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ﴾ اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی۔

..... وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی نے جواب دیا کہ طالوت بادشاہت کا مستحق اسلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مختص کر دیا ہے اور تم سے زیادہ اسے پسند کر کے چن لیا ہے۔ اور ملک اللہ تعالیٰ کا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ اور اس کے انتخاب میں اعتراض کرنا، صاحب عقل کا کام نہیں۔



اور ظاہر چیز جسے تم بھی سمجھ سکتے ہو وہ یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے علم اور جسمانی طاقت زیادہ ہونی چاہیے یہ دونوں چیزیں طاقت کو تم سے زیادہ حاصل ہیں اسی وجہ سے وہ بادشاہت کا مستحق ہوا۔

## علم اور طاقت بادشاہت کے اسباب کیوں؟

علم اور طاقت حقیقی کمالات ہیں۔ مال اور مرتبہ ظاہری کمالات ہیں۔ یہ واضح ہے کہ حقیقی کمالات کو برتری حاصل ہے۔ اسی طرح علم اور قدرت انسان کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں، لیکن مال اور مرتبہ آبی جانی چیزیں ہیں، کبھی حاصل ہو گئیں اور کبھی زائل ہو گئیں، ان کا انسان کی ذات سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ صفات عارضہ ہیں۔ علم اور قدرت انسان سے زائل ہونے والی چیزیں نہیں اور مال و مرتبہ زائل ہونے والی چیزیں ہیں۔ تو یقیناً علم اور قدرت کو برتری حاصل ہے۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نظام مملکت چلانے اور جنگوں کے طریقہ کار کا علم رکھتا ہو۔ جنگی تدابیر کو جانتا ہو کہ کسی طرح کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور اسے یہ قدرت حاصل ہو کہ دشمنوں کے شر سے قوم کو بچا سکے اور شہری حدود کی حفاظت کر سکے۔ انہی تمام وجوہ کے پیش نظر بادشاہت کا استحقاق علم و قدرت پر ہے، مال اور مرتبہ پر نہیں۔

## عورت اور بادشاہت :

جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ حاکم صاحب علم اور بہادر ہونا چاہیے، تو اس سے خود بخود یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ کم عقل قوم کو حاکم بنانا بے وقوفی نادانی حماقت ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر، روح المعانی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

اے عورتوں کی جماعت ! صدقہ زیادہ کیا کرو۔ میں بہت سی عورتوں کو جہنمی دیکھ رہا



ہوں، عورتوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ پھر آپ نے فرمایا:

”ما رأیت من ناقصات عقل و دین اذهب لب الرجل الہازم من احداکن“  
میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر کسی اور کو ایسا نہیں دیکھا کہ عقل اور دین میں بھی کم ہو لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلوں کو ضائع کر دے۔

عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دین اور ہماری عقلوں میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایک عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف برابر نہیں؟ عورتوں نے عرض کی ہاں! یا رسول اللہ ایسے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عقل کی کمی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ تم حیض کے دنوں میں نماز اور روزہ ادا نہیں کر سکتی؟ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح باب الایمان ص ۱۳)

سبحان اللہ جس کو نبی کریم ﷺ بے عقل کہہ دیں وہ حکومت کے منصب پر فائز ہو کر بھی بیوقوف ہی رہے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے بنت کسریٰ کو اپنی ملکہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا:

”لن یفلح قوم ولو امرهم امراة“

وہ قوم ہر گز کامیاب نہیں ہوگی جنہوں نے عورت کو اپنا حاکم بنا لیا۔

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص ۳۲۱، بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے امراء تم سے نیک ہوں اور تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشاورت سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اوپر کا حصہ نیچے سے بہتر ہے (زندہ رہنا بہتر ہے) اور اگر تمہارے امراء (حکام) شریر ہوں اور تمہارے غنی کنجوس ہوں۔



..... ”وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظہرها“

..... اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو تمہارے لئے زمین کا اندرونی حصہ ظاہر سے بہتر ہے۔ (مر جانا بہتر ہے)۔ یعنی مر جانا زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب تغیر الناس ص ۴۵۹)

طالوت کی بادشاہت پر تابوت کا بطور نشانی آنا :

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾

(ب ۲ سورت بقرہ ۲۴۸)

اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کاسمان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون علیہما السلام، اٹھالائیں گے اس صندوق کو فرشتے، بے شک اسمیں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان دار ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کے نبی نے اپنی قوم کو بتایا کہ حکومت کے لئے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے اور دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔

..... بائبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے، اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ رب العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لئے منتخب فرمایا ہے تمہیں اس کی عطا و بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے.....

بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے! کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس وقت ان کے نبی نے فرمایا کہ اس کی حکومت



کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہاری تسکین و طمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وہ تمہیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمہیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جب فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے یا اس ہیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تہوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انہیں طالوت کے بادشاہ بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انہیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتیاب ہوں گے؛ کیونکہ انبیائے کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ (پگڑی) تھا انہیں واپس مل گیا۔

فائدہ :

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور ﷺ کے ناخن اور بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور ﷺ کا ایک بال مبارک رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔

(تفسیر صبا، القرآن)

قوم کی آزمائش :

﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنْ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا اللَّهَ كَمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَنَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ بِأَذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾

(پ ۲ سورۃ بقرہ ۲۵۹)



پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا، بولا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیئے اور میرا نہیں اور جو اس کا پانی نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو ہاتھ سے لے لے۔ تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے اور پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں (کے ساتھ جنگ) کی، بولے وہ جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

جب طالوت کی حاکمیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی آگئی تو بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا وہ ان کی زیر قیادت میدان جنگ میں نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ طالوت نے اعلان کیا جو لوگ اپنے مکانوں وغیرہ کی تعمیر میں مشغول ہوں ابھی تک تعمیر سے فارغ نہ ہوئے ہوں وہ میرے ساتھ نہ نکلیں اور تاجر جو تجارت میں مشغول ہوں وہ بھی میرے ساتھ نہ نکلیں اور جنہوں نے نئی نئی شادیاں کی ہوں اور ابھی جماع نہ کر چکے ہوں وہ بھی میرے ساتھ نہ چلیں۔ میرے ساتھ چلنے والے صرف نوجوان، پھر تیلے اور تمام دنیاوی حاجات سے فارغ ہونے چاہئیں۔ مقصد یہ تھا کہ میدان جنگ میں جا کر کسی کو بھی گھر کی یاد نہ آئے کہ میں نے فلاں کام کرنا تھا جو مکمل نہیں ہوا تھا۔

حضرت طالوت جب بہت بڑا لشکر لے کر شہری حدود سے باہر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے نبی اشمویل علیہ السلام نے یا حضرت طالوت نے لشکر کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرے دین پر نہیں اور جس نے اس کا پانی نہ پیا وہی میرا مطیع ہوگا اور میرے دین پر قائم ہوگا، ہاں صرف چلو بھر پانی اس سے لینے کی اجازت ہوگی۔

یہ آزمائش ان کے لئے بہت سخت تھی؛ کیونکہ ان پر پیاس کی شدت کا غلبہ تھا۔ پانی کو دیکھ کر صبر کرنا ان کے لئے بہت دشوار تھا۔ تمام لشکر والوں نے اس سے پانی پی لیا، صرف تین سو تیرہ تھے جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف ایک چلو پانی پی لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس چلو



بھرپانی میں اتنی برکت رکھ دی تھی کہ انہیں بھی کافی ہوا اور وہی چٹوان کے خادموں اور ان کی سواریوں کو بھی کافی ہو گیا۔

”وہذہ کان معجزۃ لنبی ذالک الزمان کما انہ تعالیٰ کان یروی الخلق

العظیم من الماء القلیل فی زمان محمد علیہ الصلوۃ والسلام“

یہ اس وقت کے نبی کا معجزہ تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھوڑے

پانی سے بہت بڑی مخلوق کو سیراب کرتا رہا یہ کئی مرتبہ ہوا۔

جو لوگ آزمائش میں ناکام ہو گئے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام کے نافرمان ہو گئے، وہ بزدل ہو

گئے اور کہنے لگے : ہم تو آج جالوت اور اس کے لشکر سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کو نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے انسان کافروں سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ آج تمام اسلامی ممالک کفار سے ڈر کر زندگی گزار رہے ہیں۔ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت عطاء کی کہ انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کر لیا اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ موت تو ایک دن آنی ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جان دے کر جاودانی زندگی کیوں نہ حاصل کی جائے؟ جب کہ ایک دن رب سے ملاقات بھی کرنی ہے تو کامیابی کی ملاقات ہو اس سے ثواب ملے اور اس کی رضا حاصل ہو۔ وہ ملاقات کیا جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب حاصل ہو؟ انہیں یقین کا وہ اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا کہ کہنے لگے کہ کتنی تھوڑی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ بے شک زیادہ لوگ ہم سے پھر چکے ہیں ہم تھوڑے رہ گئے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں امداد حاصل ہوگی تو ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

قوم کو آزمانے کی وجہ :

قوم بنی اسرائیل کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے نبی کی مخالفت ہی کرتے تھے۔ اس لئے انہیں آزمایا گیا کہ صدیق اور زندیق، مطیع اور عاصی میں فرق ہو جائے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں ان کو ساتھ



لیا جائے، مخالفین کو ساتھ نہ لیا جائے۔ اس لئے کہ دشمن کے مقابلے میں جانے سے پہلے ہی پیچھے ہٹ جانا دوسرے مسلمانوں کے لئے زیادہ پریشانی کا سبب نہیں تھا، لیکن دشمن کے مقابلے میں جا کر اگر وہ بھاگ آتے تو بہت بڑی پریشانی کا سبب ہوتا۔ اور بھاگنے والوں کو بھی زیادہ ذلت ہوتی۔

(ماخوذ از کبیر)

## داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا :

﴿وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ﴾

(پ ۲ سورۃ بقرہ ۲۵۱)

اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام بحریاں چراتے تھے آپ گلاخن (پتھر پھینکنے کا آلہ) کے ذریعے بھیڑیوں اور شیروں کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کے سات بھائی طالوت کے ساتھ میدان جنگ میں تھے۔ جب ان کو خبر پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی کہ کس حال میں ہیں تو آپ کو آپ کے باپ ”ایشا“ نے بھیجا کہ جاؤ اور بھائیوں کی خبر لاؤ۔ آپ علیہ السلام آئے تو دیکھا کہ بھائی جنگ کرنے کے لئے ایک صف میں کھڑے ہیں۔ اور جالوت بنی اسرائیل کو کہہ رہا ہے کہ اگر تم حق پر ہو تو میرے مقابلے کے لئے کوئی نکلے۔

داؤد علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا کہ تم اس غیر ختنہ شدہ (کافر) کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن اس کی بہادری کے پیش نظر کوئی اس کے مقابل جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام جب دوسری صف میں گئے تو دیکھا طالوت لوگوں کو جالوت کے قتل کرنے پر ابھار رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کہا جو اسے قتل کرے اس سے تم کیا سلوک کرو گے؟ طالوت نے کہا اسے اپنی بیٹی نکاح میں دوں گا اور آدھی بادشاہی دوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے آواز دے کر کہا تھا کہ ہمیں اٹھا لو، جالوت کا قتل ہم میں ہے۔ آپ نے وہ پتھر اٹھا لئے تھے۔ ایک پتھر جالوت کے سینے پر مارا وہ قتل ہو گیا آپ نے کئی اور لوگوں کو بھی قتل کیا اس طرح جالوت اور اس کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور نبوت عطا کر دی۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)



## حضرت عزیر علیہ السلام

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

(پ ۳ سورت بقرہ ۲۵۹)

یا (کیا آپ نے نہیں دیکھا) مثل اس کے جو گزرا اوپر بستی کے، حالانکہ وہ گری ہوئی تھی اوپر چھتوں کے؟ آپ نے کہا کہ کیسے زندہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی (مردہ رکھا) سو برس، پھر اٹھایا اسے، کہا: کتنا ٹھہرا؟ تو کہا ٹھہرا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا۔ کہا بلکہ ٹھہرے ہو تم سو برس، پس دیکھو تم اپنے کھانے اور پینے کی طرف اب تک بونہ لایا اور اپنے گدھے کی طرف دیکھو (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہیں رہیں) اور تاکہ کریں ہم آپ کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھو گدھے (کی ہڈیوں) کی طرف کیسے اٹھاتے ہیں ہم ان کو؟ پھر پہناتے ہیں ہم ان کو گوشت۔ پس جب اس پر معاملہ ظاہر ہوا تو کہا میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

بنی اسرائیل بہت المقدس میں آباد تھے جب وہ اپنے گناہوں، نافرمانی، فسق و فجور میں حد سے تجاوز کر گئے اور اپنے نبی کے اطاعت نہ کی تو نخت نصر نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا اور قبضہ کر لیا۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ علمبردار (جھنڈے اٹھانے والے) تھے اور ہر جھنڈے کے نیچے بے شمار فوج تھی۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر ڈالا۔ تورات شریف کے تمام نسخے جلادیئے۔ بنی اسرائیل کے تقریباً ایک تہائی لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور ایک تہائی لوگوں کو شام کے علاقہ میں بہت ذلت سے رکھا۔ اور ایک تہائی کو قیدی بنالیا۔ یعنی بنی اسرائیل کو



تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ان قیدیوں میں حضرت عزیر اور دانیال بھی تھے۔ جو اس وقت چھن کی عمر میں تھے۔

(از روح البیان)

بہت عرصہ کے بعد جب کچھ لوگ قید سے آزاد ہوئے تو ان آزاد ہونے والوں میں عزیر بھی تھے۔ عزیر علیہ السلام بیت المقدس سے گزرے جو اس وقت برباد ہو چکا تھا آپ ادھر ادھر پھرے لیکن آپ کو کوئی نظر نہ آیا، البتہ باغوں میں مختلف قسم کے درخت پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھلوں کا کھانے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے کچھ انجیر اور انگور توڑ کر کھائے اور ان کا رس نکال کر پیا اور کچھ انجیر اور انگور توشہ دان میں رکھ لئے اور کچھ رس بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آپ نے ویران آبادی کو دیکھا تو بڑے تعجب سے افسردہ حال میں کہنے لگے: رب اسے پھر زندہ کرے گا؟ اسکی کیسی عظیم قدرت ہوگی؟ سوال رب کی قدرت میں شک کے طور پر نہیں تھا بلکہ اپنے تعجب کا اظہار تھا کہ رب اس بستی والوں کو پھر کیسے زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کاملہ پر مطلع کرنا چاہا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے جس گدھے پر سوار تھے اسے باندھا اور اپنے کھانے پینے کے پھل وغیرہ اور انگور کا رس جو نچوڑ کر آپ نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا انہیں قریب ہی رکھ کر آپ سو گئے۔ سوئے ہوئے حال میں ہی آپ پر موت کو مسلط کر دیا گیا۔ آپ کا گدھا بھی مر گیا یہ واقعہ تقریباً دوپہر سے پہلے کا ہے۔

جس طرح نمرود کے ناک میں مچھر گھس گیا تھا ایسے ہی نخت نصر یعنی شداد کی ناک میں بھی مچھر گھس گیا تھا جس سے وہ مر گیا اس طرح بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی تقریباً ستر سال کے بعد فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا تو اس نے بیت المقدس کو پہلے سے بھی بہتر طور پر آباد کر دیا بنی اسرائیل جو نخت نصر کے مظالم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ پھر بیت المقدس میں آباد ہو گئے۔ تیس سال تک یہ لوگ کافی حد تک بہتر حالت میں آگئے اور ان کی نسل میں بھی اضافہ ہو گیا۔ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمادیا۔

اتنے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کاملہ سے لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا اور آپ کو درندے، پرندے، چرندے وغیرہ بھی اتنا عرصہ نہ دیکھ سکے۔ آپ پر وفات صبح کے وقت دوپہر سے



پہلے آئی تھی اور آپ زندہ شام کے وقت ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رب نے آپ سے پوچھا کہ کتنی دیر یہاں ٹھہرے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم۔ یعنی آپ کا خیال تھا کہ میں آج صبح ہی یہاں لیٹا ہوں اس لئے پہلے آپ نے ایک دن کہا پھر خیال کیا کہ ابھی تو ایک دن بھی مکمل نہیں ہوا بلکہ دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا یہاں سو سال ہو چکے ہیں۔

سبحان اللہ مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ ایک سو سال عزیر علیہ السلام پر موت طاری رہی جسم مکمل طور پر محفوظ رہا، کھانے پینے کی اشیاء جوں کی توں رہیں، اور آپ کے سامنے رب نے گدھے کو زندہ کر کے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دیا۔ گدھے کی ہڈیوں کو حکم ہوا جو آپس میں آکر مل گئیں۔ آپ کے سامنے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر گدھے کو آواز دی۔ اب تم زندہ ہو جاؤ! وہ زندہ ہو گیا۔

یہ سب کچھ آنا فنا ہو گیا۔ اب آپ زندہ ہو کر شہر میں آئے تو دیکھا شہر تو پہلے سے زیادہ اچھے طریقہ سے آباد ہے۔ بنی اسرائیل کے نئے نئے لوگ بھی ہیں جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ آپ پر جب موت مسلط ہوئی تھی اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تک تھی اور اب بھی وہی چالیس برس تھی۔ شہر سے باہر جب آپ گئے تھے آپ کے بیٹے کی عمر اٹھارہ برس تھی اب اس کی عمر ایک سو اٹھارہ برس تھی۔ بلکہ آپ کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ جب اپنے مکان میں تشریف لائے تو وہاں آپ کی ملاقات ایک بڑھیا سے ہوئی جو آپ کی لونڈی تھی۔ اب اس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ بڑھاپے کی وجہ سے ٹانگیں کمزور ہو چکی تھیں۔ چلنے سے عاجز ہو چکی تھی۔ بینائی ختم ہو چکی تھی۔

ایک سو سال گزر جانے کی وجہ سے مکانات کے نقشے بدل چکے تھے۔ نئی نئی تعمیرات کی وجہ سے آپ کو اپنے مکان کا صحیح تعین نہیں تھا، یعنی یہ یقین نہیں تھا کہ یہ ہمارا ہی مکان ہے۔ اندازے سے گئے تھے۔ جب آپ نے بڑھیا سے پوچھا کہ عزیر کا یہی مکان ہے؟ تو وہ رونے لگی اور کہنے لگی اتنے عرصہ بعد عزیر کا نام لینے والا کون ہے؟ وہ تو ایک سو سال سے گم ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک سو سال مردہ رکھ کر زندہ فرما دیا ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ مجھے نظر عطا کرے کہ میں تمہیں دیکھ کر پہچان سکوں اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ عزیر کی دعا قبول فرماتا تھا۔ آپ کی دعا کے قبول ہونے کی وجہ سے بھی یقین آجائے گا کہ تم ہی عزیر ہو۔



آپ نے دعاء فرمائی تو اسے نظر مل گئی اور اس کی ٹانگیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ وہ چلنے کے قابل ہو گئی اب اس نے آپ کو پہچان لیا آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے اور دوسرے اہل خانہ کے پاس لائی کہ عزیر آگئے ہیں سب لوگ سن کر تعجب کر رہے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عزیر سو سال بعد آگئے ہوں؟ اس بڑھیا نے بتایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ رہے کہ مجھے انکی دعا سے اللہ تعالیٰ نے نظر عطاء کی۔ چلنے پھرنے کے قابل بنا دیا۔

آپ کے بیٹے نے کہا کہ میرے باپ کے دونوں کندھوں کے درمیان سیاہ بال چاند کی شکل میں تھے جب آپ کے کندھوں کو دیکھا گیا تو اسی طرح بال موجود تھے۔

نخت نصر نے تورایت کے تمام نسخے جلادیئے تھے تورایت کسی کو یاد نہ تھی بلکہ پہلی کتب صرف انبیائے کرام کو ہی یاد ہوا کرتی تھیں لوگوں نے کہا کہ اگر تم عزیر ہو تو تورایت سناؤ؟ آپ نے انہیں تمام تورایت لفظ بلفظ لکھوا دی، کسی ایک حرف کا بھی فرق نہ آنے دیا۔ اس وقت ایک شخص بولا کہ میں نے دادا سے سنا تھا کہ نخت نصر کے مظالم کی وجہ سے میرے دادا نے تورایت کا ایک نسخہ دفن کر دیا تھا۔ حضرت عزیر نے اس نسخے کے دفن کی جگہ کی نشاندہی بھی فرمائی۔ جب وہ نسخہ نکالا گیا تو اس کا مقابلہ اس نسخے سے کیا گیا جو آپ نے تحریر کرایا تو کسی ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا گیا۔ لوگوں نے آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ یہودیوں نے کہا عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی، ابو سعود، روح البیان، جمل، خازن، خزائن العرفان)





## ﴿حضرت شعیب علیہ السلام﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ایک مدین اور دوسرے اصحاب ایک، آپ چونکہ مدین قبیلہ سے تھے اس لئے جب مدین کا ذکر ہوا تو فرمایا :

﴿وَالِیٰ مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ اور مدین کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا

(پ ۸ سورت اعراف ۸۵)

اور اصحاب ایکہ کے ذکر میں اخوہم نہیں کہلبلکہ صرف کہا :

﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ﴾ اور جب ان کو شعیب (علیہ السلام) نے کہا۔

(پ ۱۹ سورت شعراء ۱۷۷)

اس طرح دونوں قوموں پر عذاب بھی مختلف قسم کے تھے ، جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں آئے گا ، البتہ دونوں قوموں کے لوگ قریب قریب فاصلہ پر رہنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کے ساتھ روابط کی وجہ سے ایک جیسے عمل کیا کرتے تھے۔ اس لئے دونوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے تبلیغ ایک جیسی فرمائی۔

## شعیب علیہ السلام کی مدین کو تبلیغ :

﴿وَالِیٰ مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَةٌ مِنْ رَبِّکُمْ فَآوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ☆ وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُوْنَ وَتَصُدُوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْهَا عَوْجًا وَاذْکُرُوْا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَرْتُکُمْ وَاَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ﴾

(پ ۸ سورہ اعراف ۸۶)

اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ



دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی (ٹیزھاپن) چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو فساد یوں کا کیا انجام ہوا ؟

”مدین“ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے۔ اس کی اولاد پر بھی مدین ہی بولا جاتا رہا۔ یعنی ایک قبیلہ کا نام مدین ہوا تو پھر اسی قبیلے کے لوگوں نے ایک شہر آباد کیا۔ اس کا نام بھی مدین رکھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلے کے فرد تھے۔  
آپ علیہ السلام کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

شعیب بن نویب بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام .

ان آیات کریمہ میں ذکر ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین چیزوں کا حکم دیا اور ایک یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ تمام انبیائے کرام کی شریعتوں میں یہ قانون معتبر رہا شعیب علیہ السلام نے اسی قانون کے مطابق اپنی قوم کو کہا :

﴿يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾

اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔  
دوسری بات یہ تھی کہ آپ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور فرمایا :

﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾

بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی۔

یہاں ”بیئنة“ سے مراد معجزہ ہے۔ اس لئے کہ ہر مدعی نبوت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا معجزہ دکھائے۔ اگر اس کے پاس کوئی معجزہ نہ ہو تو وہ نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ متنبی (جھوٹا نبوت کا دعویدار) ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ آپ علیہ السلام کو معجزہ حاصل تھا جو آپ کی صداقت پر دلالت



کرتا تھا۔ البتہ یہ معجزہ کیا تھا؟ اس کا ذکر قرآن پاک اور حدیث پاک میں واضح طور پر نہیں، البتہ صاحب کشف نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا دیا تھا۔ جس سے آپ نے جادو گروں کا مقابلہ کیا تھا اور ان کے بڑے بڑے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا۔

اسی طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تھا کہ ان کی جہیزوں کے بچے سیاہ سفید رنگ کے ہوں گے تو ایسے ہی ہوا۔

تیسری بات جو آپ نے اپنی قوم سے کی وہ یہ تھی کہ انہیں برائیوں سے روکا۔ تمام انبیائے کرام کی یہ عادت شریفہ رہی کہ وہ اپنی قوموں کو برائیوں سے روکتے رہے۔ خصوصاً سب سے بڑی برائی سے روکنے میں زیادہ توجہ دیتے رہے اور اسی سے ابتدا کرتے آپ نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے یہ کہا:

﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ﴾ ناپ اور تول کو پورا کرو۔

چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تاجر تھے وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اس طرح لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرتے تھے۔ اس برائی پر فتنہ فساد مرتب ہوتا تھا اسلئے سب سے پہلے اسی چیز کی طرف آپ نے توجہ فرمائی۔ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد عمومی طور پر یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ﴾ اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو۔

یہ ارشاد تمام قسم کی برائیوں سے روکنے کو شامل ہے یعنی کسی کا مال نہ چھینو، (غصب نہ کرو) چوری نہ کرو رشوت نہ لو ڈاکہ نہ ڈالو کسی طرح بھی کسی حیلہ سے بھی لوگوں کا مال نہ بٹورو۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾

اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔

زمین میں فساد پھیلا نا دین و دنیا کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی بھیج کر جب زمین میں اصلاح



پیدا کر دی، ایک خاص نظام پر منتظم کر دیا، تو اب تم برائیوں کے ارتکاب سے اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کثیر مال اور نعمتیں عطا کر کے زمین میں انتظام پیدا کر دیا تو تم اس میں حرام کی آمیزش کر کے فساد کیوں پھیلاتے ہو؟ ان تمام امور کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم بجالاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کو تسلیم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربانی کرو۔ اگرچہ تم تمام مخلوق کو نفع تو نہیں پہنچا سکتے لیکن کم از کم فساد کو چھوڑ کر، کم تو لے کر اپنے کو چھوڑ کر اور ہر قسم کے شر سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ایذا (تکلیف) سے تو بچا سکتے ہو، اگر تم ایمان لاتے ہو تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہی بہتر ہے۔

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا:

﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾

(پ ۹ سورت الاعراف ۸۶)

اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گروں کے ڈارو، اللہ تعالیٰ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو۔

صراط کا ایک معنی یہاں راستہ لیا گیا ہے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لوگ راستے پر بیٹھ جاتے اور شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والا جو شخص بھی وہاں سے گزرتا اسے ڈراتے دھمکاتے۔ دوسرا معنی دین کے طریقے۔ یعنی اب مطلب ہو گا کہ تم شیطان کے طریقے پر نہ چلو کیونکہ اس نے کہا تھا:

﴿لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾

(پ ۸ سورت الاعراف ۱۶)

میں ضرور بر ضرور ان کے راستے پر بیٹھوں گا۔

یعنی جس طرح شیطان کا کام ہے کہ وہ انسان کو دینی راہ پر چلنے سے روکتا ہے تم بھی وہ طریقہ اختیار نہ کرو۔



شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ آپ پر ایمان لانے والوں کو تین طریقے سے روکتے تھے۔  
رب تعالیٰ نے انہیں تین طریقوں سے منع کیا، کہ ایسا نہ کرو۔ وہ کبھی ڈرا دھمکا کر لوگوں کو سیدھی راہ سے  
برگشتہ کرتے اور کبھی ویسے ہی ان کو باتوں میں لگا کر نیکی کے کام سے روکنے کی کوشش کرتے اور کبھی دین میں  
اپنی حماقت کی وجہ سے اعتراض کرتے اور اس میں نقص نکالنے کی کوشش کرتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے انہیں اپنی نعمت یاد دلانی اور کہا:

﴿وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرَكُمْ﴾

(پ ۸ سورت الاعراف ۸۶)

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھایا۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے تم پر کثیر انعامات ہیں تو تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کی  
عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے دور ہو۔

”کثرت“ کے تین مقصد ہو سکتے ہیں:

☆ ”کثر عددکم بعد القلة“

تم تعداد میں تھوڑے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑھادیا۔ یعنی اب تم تعداد میں بہت زیادہ ہو یہ اس کا  
تم پر احسان عظیم ہے۔

☆ ”وکثرکم بالغنی بعد الفقر“

تم غریب تھے تمہارے پاس مال و دولت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال و دولت کو بڑھادیا،  
حق تو یہ تھا کہ تم اس کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کرتے اور حلال طریقے سے مال حاصل کرتے لیکن تم  
نے تو حرام طریقے سے مال بٹورنا شروع کر رکھا ہے۔

☆ ”وکثرکم بالقدرة بعد الضعف“

تم کمزور تھے اس نے تمہیں طاقت و رہنمائی دی۔ جن کی طاقت کم ہو وہ خواہ کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ  
ہوں وہ قلیل ہی نظر آتے ہیں۔ ان کو کسی بھی قسم کا رعب اور دبدبہ حاصل نہیں ہوتا، لیکن جنہیں



اللہ تعالیٰ طاقت دے دے وہ کثیر تعداد والوں پر بھاری ہونے کی وجہ کثیر ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے اپنی قوم کو عبرت حاصل کرنے کا سبق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

﴿وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ دیکھو ! فساد یوں کا کیا انجام ہوا ؟

یعنی تم سے پہلے جو سرکش اور ظالم اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوئے انہیں سوائے ذلت و رسوائی اور عذاب الہی کے کچھ حاصل نہیں ہوا اگر تم بھی اس حال پر رہے تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

حلال مال میں ہی بھلائی ہے :

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لوگوں کو چیزیں گھٹا کر دینے اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا تو ساتھ ہی رزق حلال پر اکتفاء کرنے کی ترغیب بھی دی۔ ارشاد فرمایا :

﴿بَقِيتُ اللَّهُ خَيْرَ لَكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ﴾

(ب ۱۲ سورت ہود ۸۶)

اللہ کا دیا جو سچ رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ اور میں کوئی تم پر نگہبان نہیں۔

آپ کے ارشاد کا یہ مقصد تھا کہ اگر تم نے ناپ تول میں کمی نہ کی، لوگوں کو ان کے حقوق پورے کر کے دیئے اور کسی کے مال میں کمی نہ کی، تو جو مال تمہارے پاس سچ رہے گا اس میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا، اور رزق کا دروازہ کھول دے گا، اور رب کی اطاعت میں جو عظیم ثواب حاصل ہوتا ہے، وہ دنیا کے مال سے قدر و منزلت کے لحاظ پر عظیم درجہ رکھے گا۔

یہ بات سمجھ اسے ہی آسکتی ہے جسے ایمان اور یقین حاصل ہو، کہ موت بھی آنی ہے اور اس جہان کے بغیر ایک اور جہان بھی ہے، جہاں حساب و کتاب ہوتا ہے۔ اور ثواب و عذاب بھی حاصل ہوتا ہے۔ یقین کامل ہو تو پھر ہی انسان برائیوں سے اجتناب کر سکتا ہے۔

اور آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا کام صرف تمہیں بھلائی کی نصیحت کرنا ہے میں تمہیں برائیوں



کے ارتکاب سے منع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اگر تم نے برے اعمال نہ چھوڑے اور ان کی نحوست سے تمہاری نعمتوں کا زوال ہو گیا اور مال و دولت برباد ہو گیا تو میں تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔

قوم کا بطور طنز جواب :

﴿قَالُوا يَشْعِيبُ اَصْلَوْتُكَ تَأْمُرُكَ اَنْ نَّتْرِكَ مَا يَعْبُدُ اَبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ اِنَّكَ لَآَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۸۷)

بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں؟ یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں۔ ہاں جی تم بڑے عقلمند نیک چلن ہو۔

شعیب علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا تو قوم نے کہا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے، وہ کئی معبودوں کی عبادت کرتے تھے ہم بھی یہی کریں گے۔ اور آپ علیہ السلام نے قوم کو کم تولنے اور کم ناپنے سے منع کیا اور کہا کہ لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو مال جمع کرنا چاہتے ہیں، مال جمع کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ہیں ہم جس طرح جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ طنزاً انہوں نے کہا تم (معاذ اللہ) بڑے نمازی، ایمان دار اور دیندار بنے بیٹھے ہو! یہ تمہاری نمازیں تمہیں کہتی ہیں کہ تم ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے پھیر دو اور ہمیں مال نہ جمع کرنے دو، ہاں جی تم بڑے عقلمند اور نیک چلن سمجھتے ہو اپنے آپ کو، (معاذ اللہ) ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں ہم تمہاری باتوں میں کیسے آئیں؟

آپ نے کہا میں جو کہتا ہوں وہی کرتا ہوں :

﴿قَالَ يَقُوْمُ اَرَايْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ وَرَزَقْنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفْكُمْ اِلٰی مَا اَنْهَاكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِیْبُ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۸۸)



کہا: اے میری قوم بھلا بتاؤ! اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں، میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے میں نے اسی کی طرف بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ہدایت دین اور نبوت عطا کی ہے اور مجھے رزق حلال بہت زیادہ عطا کیا ہے، (یاد رہے حضرت شعیب علیہ السلام بہت مالدار تھے) جب اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت روحانیہ یعنی نبوت و معجزات اور سعادت جسمانیہ یعنی مال و رزق حلال عطا کیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اتنے عظیم انعامات کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے اوامر و نواہی میں خیانت کروں؟ خیال رہے کہ

﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ﴾ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ کے حوصلہ اور عقلمندی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ تم تو حوصلہ مند اور عقلمند ہو پھر بھی ہمیں اپنے آباء اجداد کے دین سے کیوں روکتے ہو؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میری عقلمندی کے معترف ہو تو سمجھ لو کہ میں تمہیں بہتر راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور خود بھی اس پر قائم ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں تو برے اعمال سے منع کروں اور خود ان پر عمل کروں۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ حاصل ہے اور مجھے اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

نبی کی مخالفت عذاب کا سبب :

﴿وَيَقَوْمٌ لَا يَجْرِمُكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلَ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ  
أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ، وَمَا قَوْمٌ لَوْ طِ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ☆ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ  
إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ☆﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۸۹، ۹۰)

اور میری قوم ہر گز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے



تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بے شک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے۔

”لا یجرمنکم شقاقی ان یشیکم ای لا یکسبنکم شقاقی اصابۃ العذاب“

یعنی آپ نے اپنی قوم کو فرمایا: اے میری قوم میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حاصل نہ کرو، اگر تم اسی طرح میری عداوت پر قائم رہے تو تم بھی ایسے تباہ و برباد ہو جاؤ گے جیسے نوح، ہود اور لوط علیہم السلام کی قومیں تباہ و برباد ہو گئیں، انکا کوئی نام و نشان نہیں رہا۔ اور لوط علیہ السلام کی تباہ شدہ بستیاں تمہارے علاقہ سے کوئی دور نہیں اور ان کا زمانہ بھی تمہارے زمانے سے کوئی دور نہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے تمام جرائم کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس سے مغفرت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے رحیم ہے وہ کبھی اپنی طرف جھکنے والوں کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔

## قوم کے جوابات :

شعیب علیہ السلام نے قوم کو راہ حق کی تبلیغ فرمائی انہیں عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن قوم نے آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

﴿قَالُوا يَشْعِبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ﴾

(ب ۱۲ سورت ہود ۹۱)

انہوں نے کہا: کہ اے شعیب! ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی باتیں اور بیشک ہم تمہیں اپنے میں بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور ہماری نگاہ میں تمہاری کچھ عزت نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ساتھ ان کی زبان میں کلام فرما رہے تھے لیکن وہ پھر بھی کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ وہ آپ کی باتوں سے بہت زیادہ نفرت کرنے کی وجہ سے توجہ ہی



نہیں دیتے تھے، گویا کہ ان کے کانوں پر پردے چھائے ہوئے تھے۔ اور جو سن لیتے وہ بھی آپ کی باتوں کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ گویا کہ ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہوتا اور آپ نے انہیں توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان لانے اور ظلم لوٹ کھسوٹ کے چھوڑنے پر جن دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی انہوں نے کہا ہمارے نزدیک ان دلائل کی کوئی حیثیت نہیں، ہمیں گویا یہ دلائل سنائی ہی نہیں دیتے۔

قوم نے آپ کو کہا کہ تم ہمارے ہی قبیلہ سے ہو۔ تمہارا خاندان ہمارے نزدیک عزت اور احترام والا ہے۔ اگرچہ تمہاری عزت ہمارے نزدیک کچھ نہیں اور نہ ہی کوئی تم اتنے بہادر ہو۔ ہم صرف تمہیں تمہارے خاندان کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں ورنہ ہم تم پر پتھر اوڑھ کر کے تمہیں ہلاک کر ڈالتے۔

### قوم کی حماقت پر تعجب :

﴿ قَالَ يَقَوْمِ اَرَهْطِيْ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وِرَآءَ كُمْ ظَهْرِيَّا اِنَّ رَبِّيْۤ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُّحِيطٌۭ ﴾

(پ ۱۲ سورت ہود ۹۲)

آپ علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! کیا تم پر میرے کنبہ کا دباؤ اللہ سے زیادہ اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک جو تم کرتے ہو وہ میرے نزدیک رب کے احاطہ (قدرت) میں ہے۔

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی حماقت پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے خاندان کی عزت کرتے ہو ان کی وجہ سے مجھے ہلاک نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہو، اس کی تابعداری نہیں کرتے، حالانکہ حق یہ تھا کہ تم نے اگر میری حفاظت کرنی ہی تھی تو مجھے اللہ تعالیٰ کا نبی سمجھ کر میری حفاظت کرتے، اس سے تمہیں رب کی خوشنودی حاصل ہوتی۔ مجھے دھمکیاں دینے والو! یہ بھی خیال کرو کہ میرا رب تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ تم کبھی اس کے احاطہ قدرت سے بچ نہیں سکتے۔

### متکبر سرداروں نے کہا :

﴿ قَالَ الْمَلَاۗءُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِبُۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا



مَعَكَ مِنْ قَرِيْنَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴿

(پ ۹ سورت اعراف ۸۸)

آپ کی قوم کے متکبر سردار بولے : اے شعیب قسم ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں آ جاؤ۔

آپ کی قوم کے رئیس و سردار لوگ جو بہت بڑے متکبر تھے۔ آپ علیہ السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ اور تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی ہمارے دین میں آ جائیں۔ اگر تم نے ہمارے دین کو قبول نہ کیا تو ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

نبی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے :

﴿ قَالَ اُولُوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ ☆ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلٰى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ

اِذْ نَجَّانَا اللّٰهُ مِنْهَا ﴿

(پ ۹ سورت اعراف ۸۸-۸۹)

کہا : کیا اگرچہ ہم بے زار ہیں ضرور ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ کیا ہم اس دین میں آ جائیں جس سے ہم بیزار ہیں، جو ہمیں ناپسند ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے ہم پر جس نے ہمیں تمہارے باطل دین سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہارے کہنے پر ہم اس دین میں آ جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) لازم آئے گا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اور اس پر ایمان لانے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتے ہیں؟ یہ تصور کرنا بھی ناممکن ہے یہ خیال بھی محال ہے۔

فیصلہ کن بات :

﴿ وَيَقُوْمُ اَعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاتِيْهِ عَذَابٌ

يُخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَّارْتَقِبُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿

(پ ۱۲ سورت ہود ۹۳)



اور اے قوم تم اپنی جگہ اپنے کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں ، جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے گا اور کون جھوٹا ہے ؟ اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں۔

یعنی آپ نے اپنی قوم کو کہا کہ تم اپنی طاقت کے مطابق جو چاہو کر لو مجھے اگر تکلیف پہنچا سکتے ہو تو پہنچالو، لیکن یہ بھی خیال کر لو میں بھی کوئی بے سارا نہیں، میرا بھی کوئی ہے۔ مجھے بھی اس نے بڑی قدرتوں سے نوازا ہے۔ بس اب تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ قوم نے کہا پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کچھ دیر تو نہیں، تمہیں عنقریب ہی پتہ چل جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے ؟ اور جھوٹا کون ہے ؟ وہ قومیں جنہوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ کے احکام تسلیم نہیں کئے ان کے لئے رب نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیا جائے اب تمہارے لئے بھی فیصلہ کی گھڑی آنا ہی چاہتی ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

## اللہ تعالیٰ کے عذاب کا آنا اور مدین کی تباہی :

﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَمِينَ ☆ كَانُوا لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا إِلَّا بُعْدًا لِمَدِينٍ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودُ﴾

(ب ۱۲ سورت ہود ۹۶)

اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب علیہ السلام اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور ظالموں کو گرجدار آواز نے آیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے، گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ اور دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے ثمود۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: جب ہمارے عذاب کا امر آگیا تو ہم نے اپنے ایک فرشتے کو بھیجا جس کی آواز سے سب مر گئے۔

”وہی صیحة جبریل علیہ السلام یعنی ان جبریل علیہ السلام لمصاح بہم

تلك الصيحة زهق روح كل واحد منهم بحيث يقع في مكانه ميتا“

(از تفسیر کبیر)



وہ آواز جبریل علیہ السلام کی تھی جب آپ نے زوردار گرجدار آواز سے انہیں کہا ”موتوا“  
مر جاؤ تو ہر ایک کی روح نکل گئی اور اپنے اپنے گھروں میں سب اوندھے گرے ہوئے پائے گئے۔ اس  
طرح ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا جیسے کہ وہاں یہ لوگ کبھی بستے ہی نہیں تھے۔

قوم مدین کو ایسا ہی عذاب دیا گیا جیسے قوم ثمود کو عذاب دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ  
نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دو امتوں کو ایک جیسا عذاب نہیں دیا سوائے شعیب علیہ السلام اور حضرت صالح  
علیہ السلام کی قوم کے۔ ان دونوں قوموں کو زوردار آواز سے ہلاک کیا گیا۔ صالح علیہ السلام کی قوم کے  
پاس وہ آواز نیچے سے آئی اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے پاس وہ آواز اوپر سے آئی۔

(واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام از ابتداء تا این جا از تفسیر کبیر)

### شعیب علیہ السلام اور اصحاب ایکہ :

﴿كَذَّبَ اصْحَابُ الثِّكَّةِ الْمُرْسَلِينَ ☆ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُونَ ☆ اِنِّیْ  
لَكُمْ رَسُولٌ اٰمِیْنٌ ☆ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ☆ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ  
اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ☆ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ☆  
وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ☆ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ اَشْیَآئَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِی  
الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ☆ وَاَتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ☆ قَالُوا اِنَّمَا اَنْتَ  
مِنَ الْمُسَخَّرِیْنَ ☆ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكََاذِبِیْنَ ☆  
فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ☆ قَالَ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا  
تَعْمَلُوْنَ ☆ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ☆  
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ☆ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿

(پ ۱۹ سورت شعراء ۱۷۶، ۱۹۱)

جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی رسولوں کو جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے : کیا تم (قر  
الہی سے) نہیں ڈرتے ؟ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ  
سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر میرا جو تو اس کے  
ذمہ ہے جو جانوں کو پالنے والا ہے۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔



اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔ انہوں نے (جھلا کر) کہا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور نہیں ہو تم مگر ایک بثر ہماری مانند۔ اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا، اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا ان کو چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بیشک یہ بڑے دن کا عذاب تھا بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں، لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابرہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اسلئے دونوں کی ہدایت کے لئے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مقرر فرمایا گیا۔

نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اسلئے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔

”الا یك الشجر الكثير الملتف الواحدة ایكة فہی الغیضة“

وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں ”ایکہ“ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقے میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لئے انہیں



اصحاب الایکہ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا، لیکن جنہوں نے لیکہ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لیکہ ایک بستی کا نام تھا۔

علامہ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ایکہ اور لیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام ہیں، جس طرح مکہ اور بکہ۔

(تفسیر قرطبی)

مدین کی طرح اصحاب ایکہ کی بھی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا، وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر ان سے باز آجاتے، شعیب علیہ السلام تو ان کو یہ کہہ رہے تھے:

﴿وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبْلَةَ الْأُولَى﴾ الْجِبْلَةُ قَالَ مُجَاهِدٌ هِيَ الْخَلِيقَةُ

یعنی اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے (بقول علامہ مجاہد) جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔

حق تو یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ بلکہ الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جہی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو، جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گمراہی یا دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے، اے شعیب! یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا، پہلے اپنا علاج کرو پھر آکر ہمیں نصیحت کرنا، اور تم ہم سے کوئی بڑے بھی تو نہیں ہو، ہمارے جیسے ہی ایک بشر ہو۔ ہمیں تو تمہاری باتوں پر کوئی یقین نہیں آ رہا، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے قوم کی طرح طرح کی یہودیگیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تبلیغ کا فریضہ جاری رکھا۔ ان کو دھوکہ بازیوں سے باز آنے کے متعلق اصرار کرتے رہے، وہ راہ راست پر آنے کے



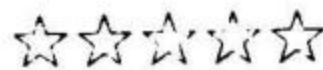
جائے تیخ پا ہو کر اور شر مہو حیا کی چادر کو اتار کر کہنے لگے کہ : ” لو ہم تمہاری بات نہیں مانتے اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گر ادو۔“

ان کا خیال یہ تھا کہ عذاب تو آئے گا نہیں ، اس طرح شعیب علیہ السلام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ نبی کا صبر اور کمال کتنا عظیم ہے۔ وہ لوگ آپکو جھوٹا کہہ رہے ہیں ، جادو کے اثرات سے آفت زدہ کہہ رہے ہیں ، بلکہ خود مطالبہ کر رہے ہیں تم نے جو کرنا ہے کر لو۔ آسمان گرانا ہے گرا لو۔ ہم تو تمہاری باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں آپ پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں :

﴿ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ تمہارے کر تو توں کو میرا رب بہتر جانتا ہے ۔

یعنی آپ نے ان حالات کے باوجود معاملہ رب کے سپرد کر دیا ، ان کی ہلاکت کی دعائے کی اور یہ نہیں عرض کیا : اے اللہ اب تو ان پر عذاب بھیج ہی دے ، بلکہ کمال صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

جب انہوں نے بار بار شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی ، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر دیا سات دن تک اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو روک لیا اور ریت کو مسلط کر دیا ، ان کے دم گھٹنے لگے۔ نہ انہیں کوئی سایہ نفع پہنچا سکتا اور نہ ہی پانی ۔ وہ پریشان ہو کر جنگل کی طرف نکلے اور ان پر ایک بادل نے آکر سایہ کر دیا۔ جس سے انہوں نے خوب ٹھنڈک محسوس ہوئی اور باد نسیم کے خوشگوار مزے لوٹنے لگے۔ اس طرح سب اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ تو یکایک ان پر آگ کی بارش برسنے لگی جس سے سب جل کر راکھ ہو گئے ایسے تباہ و برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ رب تعالیٰ نے انکی بستی کو صفحہ ہستی سے ایسے مٹایا کہ گویا یہاں کوئی بستی تھی ہی نہیں۔





## ﴿حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام﴾

### بنی اسرائیل :

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ ”اسرائیل“ آپ علیہ السلام کا ”لقب“ ہے یا آپ کا دوسرا نام ہے۔ لفظ ”اسرائیل“ میں ایک قول یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ اسراء اور ایل سے مرکب ہے۔ اسراء کے چار معنی بیان کئے گئے ہیں۔ عبد (بندہ، عبادت کرنے والا)، صفوة (برگزیدہ)، انسان اور مہاجر (ہجرت کرنے والا)۔ اور ایل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اس لحاظ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اس کے برگزیدہ اور اس کے پیدا کردہ عظیم المرتبت انسان اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے یعنی ہجرت کرنے والے بھی تھے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو لے جانا اور ایل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ اب اس لحاظ پر آپ کا نام اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات کے وقت اپنی طرف رجوع کرایا کہ آپ اس کی طرف ہجرت کرنے والے ہوئے۔

(ماخوذ از تفسیر قرطبی، روح المعانی)

### موسیٰ علیہ السلام :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران ہے جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ لادی بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام میں اختلاف ہے یارخا، ایارخت، نوحانذ، یوخانذ، لوخا، مریم۔ یہ تمام نام ذکر کرنے کے بعد حاشیہ جلالین میں ذکر کیا گیا ہے :

﴿والاصح هو الاول كما في روح البيان﴾

صحیح قول پہلا ہی ہے۔ یعنی یارخا جیسے روح البیان میں ہے : مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے

تفسیر نعیمی میں ”عائذ“ لکھا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(حاشیہ جلالین ص ۳۲۶)



## حضرت ہارون علیہ السلام :

آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے بھائی ہیں ، بہت بڑے حوصلہ مند اور بردبار تھے۔  
بنی اسرائیل آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

”وہو اکبر من موسیٰ علیہ السلام بثلاث سنین“  
وہ موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔

(صاوی ، حاشیہ جلالین ص ۱۴۱)

## ”سامری“ کا نام بھی ”موسیٰ“ تھا :

”سامری“ جس نے بنی اسرائیل کو پتھرے کی پوجا پر لگادیا تھا..... جس کا ذکر آگے آئے گا،  
(ان شاء اللہ)..... اس کا نام بھی ”موسیٰ“ تھا۔ سامری کے نام و نسب اور جائے سکونت کے بارے  
میں اقوال مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ رائج قول یہی ہے کہ اس کا نام موسیٰ اور اس کے باپ کا نام ظفر تھا۔ اور  
بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ سامرہ سے تھا۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس کی جائے سکونت کا نام بھی ”  
سامرہ“ ہوا۔ اس لئے اس کو سامری کہتے ہیں۔ یہ شخص خود اور اس کا سارا قبیلہ بلکہ اطراف و جوانب کے  
تمام لوگ گائے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ سامری اس زمانے میں پیدا ہوا جب کہ فرعون بنی  
اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو ذبح کر دیتا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اسے پہاڑ کے غار  
میں چھپا دیا۔ بنی اسرائیل کے اس قسم کے بچوں کی تربیت کے لئے حضرت جبرائیل امین کو اللہ تعالیٰ  
نے مقرر فرمایا تھا۔ اس موسیٰ بن ظفر یعنی سامری کی تربیت کے لئے بھی حضرت جبرائیل متعین تھے۔ وہ  
اس کے غار میں تشریف لاتے اور اس کا اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے دیتے جس سے وہ دودھ اور شہد  
چوستا رہتا۔

(تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۲۸۴)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام خود اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دے دیتے تھے  
جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا تھا۔ صاحب روح المعانی نے اس ضمن میں دو شعر بھی نقل کئے ہیں :



اذا المرء لم يخلق سيعدا تحيرت عقول مربيه و خاب الموئل  
فموسی الذی رباہ جبریل کافر و موسی الذی رباہ فرعون مرسل

جب آدمی اصل خلقت میں سعادت سے محروم ہو تو اس کی تربیت کرنیوالوں کے دماغ حیرت زدہ اور اس سے بہتری کی امید رکھنے والے خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ موسیٰ جس کی پرورش جبرائیل امین علیہ السلام نے کی کافر ہوا اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) جس کی پرورش فرعون نے کی اللہ تعالیٰ کا رسول (فرستادہ، بھیجا ہوا) ہے۔

(روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۷۷)

”سامری“، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بظاہر ایمان لایا، مگر پکا منافق تھا۔

(تبیان)

## فرعون :

مصر کے بادشاہوں کا لقب ”فرعون“ ہوا کرتا تھا جس طرح روم کے بادشاہوں کا قیصر، فارس کے بادشاہوں کا ”کسریٰ“ یمن کے بادشاہوں کا ”تبع“ ترک بادشاہوں کا ”خاقان“ اور حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ”نجاشی“ تھا۔

”ولم یکن من الفراعنة احد اشد غلظة ولا اقسى قلبا منه“

مصر کے جتنے بادشاہ بھی گزرے ہیں کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون سے زیادہ بد خلق، سخت دل اور ظالم نہیں تھا۔ یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ”ریان بن ولید“ تھا جس نے ایمان قبول کر لیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پایا جانے والا فرعون ”ولید ابن مصعب“ یا مصعب بن ریان“ تھا۔ بعض نے اس کا نام ”قابوس“ بھی تحریر کیا ہے۔ قبیلہ قبطیہ سے تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پائے جانے والے فرعونوں کے درمیان چار سو سال سے زائد عرصہ تھا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے :

بنی اسرائیل کی حالت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے یہ تھی کہ یہ لوگ فرعونوں کے خدام تھے۔ فرعونوں نے ان کو مختلف قسم کے کاموں پر مقرر کیا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو تعمیر کے



کاموں پر لگایا ہوا تھا۔ اور کچھ لوگوں سے ہل چلانے کا کام لیا جاتا، اور کچھ لوگوں سے کھیتی باڑی کے مختلف کام لئے جاتے، فصل کی کاشت اور کٹائی وغیرہ کے کاموں پر مقرر تھے۔ گندے کاموں پر بھی انہیں ہی لگایا جاتا، بیت الخلاء کی صفائی انہی لوگوں کے ذمہ تھی۔ کیچڑ صفائی وغیرہ کے کاموں پر ان کو ہی مقرر کیا جاتا۔ پتھر تراشنا اور پتھروں کو اٹھا اٹھا کر لانا انہی کے ذمہ تھا۔ جو لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے ان پر جزیہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص سورج کے غروب ہونے سے پہلے جزیہ نہ ادا کرتا اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے جاتے اور ایک مہینہ تک اس کے ہاتھ اسی طرح بندھے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں سے اس طرح کام لئے جاتے جیسے لونڈیوں سے کام لئے جاتے ہیں، یعنی گھریلو تمام کام ان کے سپرد ہوتے، سوت کاٹنا اور سلائی بنائی وغیرہ کے کام ان عورتوں سے ہی لئے جاتے تھے۔

### بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرنا :

فرعون نے ایک خواب دیکھا ہے کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا اور تمام قبیلوں کو جلا دیا، لیکن بنی اسرائیل کو اس نے کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ اس خواب سے فرعون بہت پریشان ہوا اس نے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے ماہرین سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس خواب سے تو یہی سمجھ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تمہاری بادشاہی کے زوال کا سبب بنے گا۔ یہ سن کر فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو اسے ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح اس کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں ان کی بچے ذبح کر دے گئے وہ جو ذبح کئے گئے ان کی تعداد بارہ ہزار یا ستر ہزار تھی۔ اتنی بات واضح ہے کہ ہزاروں کی تعداد تھی۔

(تفسیر جلالین، جمل)

رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی حالات یاد کرانے کی لئے یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانے کے بنی اسرائیل کو یاد کرنے کے لئے کہا کہ تمہارے آباء و اجداد پر ہمارے بڑے انعام تھے، وہ بھی شکر کرنے کی بجائے رب تعالیٰ کے احکام کا انکار ہی کرتے رہے اور خائب و خاسر ہوئے، تمہیں چاہیے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔



﴿وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾

(پ ۱ سورت بقرہ، ۴۹)

جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعون کی آل سے، وہ تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، ذبح کرتے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری لڑکیوں کو، اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

ایک اور معنی و يستحيون نسائكم کا یہ بھی ہے کہ وہ تمہاری عورتوں کی شرمگاہیں دیکھتے تھے کہ یہ حاملہ ہیں یا نہیں۔ زندہ چھوڑنے والا معنی زیادہ مشہور ہے کہ انہیں لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہ تھا اس لئے ان کو زندہ چھوڑ دیتے

﴿وَفِي ذَالِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی،

اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تم جن مصیبتوں میں گرفتار تھے وہ تمہاری بہت بڑی آزمائش تھی کہ صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام کئے کہ تمہیں فرعونوں سے نجات دی یہ تمہاری آزمائش تھی کہ کیا تم نعمتوں کا شکر کرتے ہو یا نہیں؟

(تفسیر روح المعانی و کبیر)

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفَتْ عَلَيْهِ فَالْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۷)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے، اور نہ ڈر اور نہ غم کر، بیشک اسے ہم تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔



آپ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال کر یقین کرا دیا گیا تھا کہ پیدائش کے بعد تم بچے کو دودھ پلاتی رہو، جب تمہیں فرعون کے جاسوسوں سے خطرہ لاحق ہو یا بچے کے رونے وغیرہ سے پڑوسیوں سے تمہیں خطرہ ہو تو بچے کو دریا میں ڈال دو، ہم اس بچے کی حفاظت کریں گے اور تمہاری طرف لوٹا دیں گے۔ اور اسے رسول بنائیں گے۔

آپ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دریا میں پھینکنے سے پہلے کتنی مدت دودھ پلایا اس کی حد کا ذکر قرآن پاک میں تو نہیں البتہ ایک قول ابن جریج کا یہ ہے۔

”انہ بعد اربعة اشهر صاح فالقى فى اليم و المراد باليم ههنا النيل“

کہ بے شک آپ چارہ ماہ بعد روئے تو پڑوسیوں وغیرہ کے خطرہ کے پیش نظر آپ کو دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کے پاس ایک دایہ آئی۔ ان میں سے جو فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے مقرر کر رکھی تھیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نور کی کرنیں ظاہر ہو رہی تھیں جن کو دیکھتے ہی دایہ کا ہر جوڑ کانپنے لگا۔ اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی گئی۔ اس نے کہا: اے عورت (اے اس بچے کی ماں) میں تو اسے قتل کرنے کے لئے آئی تھی لیکن مجھے اس سے شدید محبت ہو چکی ہے، اس لئے تو اپنے بچے کو محفوظ کر لے وہ دایہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ اتنے میں فرعون کے جاسوس آپ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جاسوسوں کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا: اے ماں فرعونى آرہے ہیں، آپ کی ماں کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، ہوش و حواس جاتے رہے، بچے کو ڈر کے مارے کپڑے میں لپیٹ کر جلتے تنور میں ڈال دیا۔ جب فرعونی آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو جلتے تنور کی طرف تو وہ نہ گئے اور گھر تمام چھان مارا کوئی چہ نظر نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیکھا تو ان کے رنگ میں بھی کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔ جو عام طور پر عورتوں کا بچے کی پیدائش پر رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور آپ کا دودھ بھی نظر نہ آنے پر پوچھا کہ وہ دایہ تمہارے گھر کیوں آئی تھی؟ آپ نے کہا وہ میری دوست تھی جو مجھے ملنی آئی تھی۔ یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا وہ آپ کی دوست بھی تھی۔



جب فرعون نے آپ کے گھر سے نکل گئے تو آپ کو ہوش آیا اور اپنی بیٹی سے پوچھا چہ کہاں گیا یعنی آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بچے کو کہاں ڈالا تھا۔ بیٹی نے جواب دیا مجھے تو کچھ پتہ نہیں، اتنے میں تنور سے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آئی تو آپ نے دیکھا کہ بچے پر آگ ٹھنڈی سلامت ہو چکی ہے۔ انہوں نے بچے کو تنور سے نکال لیا۔ والدہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ فرعون بچے کی تلاش میں پوری جدوجہد کر رہا ہے تو آپ نے بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پختہ بات ڈال دی تھی کہ اس طرح بچہ محفوظ رہے گا اور ایک دن انہیں واپس مل جائے گا۔

آپ کی والدہ ایک نجار کے پاس گئیں تاکہ اس سے ایک صندوق حاصل کریں اس نے پوچھا تم نے لکڑی کے صندوق کو کیا کرنا ہے تو آپ نے سچ سچ بتا دیا کہ اپنے بیٹے کو اس میں ڈال کر دریا میں ڈالنا ہے، ہو سکتا ہے فرعونوں سے بچ جائے۔ صندوق اس نے آپ کو فروخت کر دیا، لیکن بڑھئی کے دل میں بد نیتی پیدا ہو گئی وہ فرعونوں کے پاس گیا جو بچوں کو ذبح کرنے پر مقرر تھے کہ انہیں بتا سکے، جب وہ ان کے پاس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو بند کر دیا۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا، ان لوگوں نے اسے (پاگل سمجھ کر) مارا اور بھگا دیا جب وہ واپس اپنے گھر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو اس پر پھر لوٹا دیا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ ان لوگوں کی طرف گیا تاکہ انہیں بتا سکے پھر اس کی زبان بند ہو گئی پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے کی وجہ سے انہوں نے اسے مارا گھر لوٹا، پھر اس کی زبان ٹھیک ہو گئی۔ پھر تیسری مرتبہ انہیں بتانے کے لئے گیا تو اس کی زبان بھی بند ہو گئی اور اندھا ہو گیا۔ پھر اس کی پٹائی ہوئی اور اسے واپس بھگا دیا گیا۔ اب وہ بچے کے دل سے توبہ کرنے لگا: اے اللہ تعالیٰ اگر تو مجھے میری نظر اور زبان دے دے تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا اور اسے زبان اور نظر دے دی۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی وہ اپنی بیٹی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا وہ بھی ہر روز اپنے باپ کے پاس تین حاجات پیش کرتی تھی۔ وہ بہت زیادہ برص کی بیماری میں مبتلا تھی۔ فرعون نے اس کے بارے میں طبیبوں اور جادو گروں سے مشورہ کیا انہوں نے کہا اے بادشاہ یہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک دریا میں سے ایک انسان کے مشابہ کوئی چیز نہ پائی جائے اور اس کی لعاب لیکر اس کے برص والے



مقامات پر ملی جائے پھر یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور یہ بھی اس وقت ہو گا جب فلاں دن اور فلاں مہینہ ہو اور سورج خوب روشن ہو، جب وہی دن آگیا تو فرعون نے دریا کے کنارے پر محفل سجائی اس کے ساتھ اس کی زوجہ آسیہ بنت مزاحم بھی تھی، فرعون کی بیٹی بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئی۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محلات کی طرف آئی ہوئی تھی، اسمیں فرعون کی بیٹی اور اس کی لونڈیاں نہانے لگیں، انہوں نے دیکھا ایک تابوت دریا کی موجوں میں ہچکولے کھا رہا ہے، جو ایک درخت کے ساتھ آکر رکا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ جلدی سے وہ تابوت میرے پاس لایا جائے کشتی والے لوگوں نے جلدی سے وہ تابوت فرعون کے پاس پیش کر دیا۔

انہوں نے کوشش کی کہ اسکو کھولیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے، پھر توڑنا چاہا لیکن توڑنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے، فرعون کی زوجہ آسیہ کو اس تابوت کے اندر ایک نور چمکتا ہوا نظر آیا جو دوسروں کو دکھائی نہ دیا۔ جب آسیہ نے تابوت کو کھولنا چاہا تو کھول لیا جس میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا جس کی آنکھوں کے درمیان ایک نور چمک رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس بچے کی محبت ڈال دی فرعون کی بیٹی نے اس بچے کا لعاب لیکر جب اپنے برص والے مقامات پر لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔ اس نے بچے کو سینے سے لگایا۔ فرعون کو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ وہی بچہ نہ ہو جس سے ہم بچنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ڈر کی وجہ سے اسے دریا میں پھینک دیا گیا ہو گا۔ فرعون نے یہ سن کر بچے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، لیکن فرعون کی زوجہ آسیہ نے بچے کی بخشش طلب کی اور اسے اپنا بیٹا بنالیا۔ اس طرح یہ پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کی لعاب کی خیر و برکت کا مظاہرہ بھی کر لیا گیا آپ کو قتل ہونے سے بچا کر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھادی کہ جس بچے کو ختم کرنے کی غرض سے تم ہزاروں بچے ذبح کرادیئے اسے میں نے تمہارے پاس پہنچا دیا ہے لیکن تم اسے نہ ذبح کر سکے اور نہ ہی کر سکو گے۔

فرعون کی زوجہ بہت نیک عورت تھی، انبیائے کرام کی نسل سے تھی، غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرتی تھی، اس نے فرعون کو کہا کہ یہ بچہ پتہ نہیں کس سرزمین سے آیا ہے تمہارے لئے خطرہ تو اسی ملک کا ہے ہو گا، یہ بچہ کتنا پیارا اور خوبصورت ہے۔ یہ تو بچہ بنانے کے قابل ہے۔ اسے قتل نہیں کرنا ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے اس لئے ہم اسے اپنا بچہ بنالیں گے۔ آسیہ کی یہ بات فرعون اور اس کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے



تسلیم کر لی۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل ہونے سے بچا لیا، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ  
وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ☆ وَقَالَتِ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنٍ لِي وَلَكَ  
لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ☆﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۸، ۹)

تو اسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو، بیشک  
فرعون اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی زوجہ نے کہا: یہ بچہ میری اور تیری  
آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور  
وہ بے خبر تھے۔

یعنی فرعون اور اسکے وزیر ہامان اور ان کے دوسرے سرکردہ لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہی وہ  
بچہ ہے جس نے بڑے ہو کر ہماری بادشاہی کو تباہ کرنا ہے تو وہ اس بچے کو نہ اٹھاتے اور اگر اٹھا بھی لیا تھا تو قتل  
ضرور کرتے لیکن قدرت باری کا مقابلہ ممکن نہیں۔

﴿وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۳۹)

اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی اور اس لئے کہ تو میری نگاہوں کے سامنے تیار ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا اور مخلوق کا محبوب  
کر دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا  
ہو جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی ملاحت،  
خوبصورتی اور نورانیت رکھی گئی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا وہی آپ سے محبت کرنے لگتا۔ جب اللہ تعالیٰ  
نے آپ کو اپنا محبوب بنالیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آسمان وزمین والے آپ سے محبت نہ کرتے۔

(از کبیر، روح المعانی، خزائن العرفان)



## موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور بہن کی بے قراری :

﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَنْ رَبَّنَا عَلَىٰ قُلُوبِنَا لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ☆ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾

(ب ۲۰ سورة القصص ۱۰، ۱۱)

اور صبح کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا ضرور قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی اگر ہم ڈھارس نہ بندھاتے اس کے دل کو کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے اور اس کی ماں نے اس کی بہن کو کہا اس کے پیچھے چلی جاؤ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔

”فارغا“ کا ایک معنی یہ ہے۔

”فراغ الفواد هو الخوف والا شفاق“ کہ دل کو خوف اور ڈر لاحق ہوتا۔

یعنی آپ کی والدہ کو جب یہ خبر ملی کہ چھ فرعون کے ہاتھ آگیا تو آپ کو بہت زیادہ خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں قتل ہی نہ کر دیں۔ دوسرا معنی ہے خالی ہونا۔ یعنی آپ کا دل اور تمام غموں سے فارغ ہو گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کا غم دامن گیر ہوا۔ اس معنی کے لحاظ سے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کے ہاتھ بچے کا تابوت آگیا ہے تو آپ کا دل عقل سے خالی ہو گیا، ہوش اڑ گئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پھر یہ القاء کیا کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ تو آپ کے دل کو تسلی ہوئی اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ڈھارس نہ بندھاتا تو ہو سکتا ہے کہ آپ دریا میں پھینکتے وقت واویلا شروع کر دیتیں۔ ہائے میرے بچے! ہائے میرے بچے! کی پکار سے لوگ خبردار ہو جاتے۔ یا آپ کو جب یہ خبر ملی کہ فرعون کی زوجہ آسیہ بچے پر مہربان ہو گئی اس وقت آپ خوشی سے ظاہر کر دیتیں کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر کرنے سے روک رکھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام ”مریم“ تھا۔ زیادہ مشہور یہی نام ہے اگرچہ ”کلثوم“ اور



”کلمہ“ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی والدہ نے مریم کو کہا کہ جاؤ دیکھو تاہوت کدھر گیا۔ کیا واقعی فرعون کے ہاتھ آگیا ہے؟ انہوں نے بچے سے کیا سلوک کیا؟ مریم دور دور سے دیکھتی رہی تاکہ انہیں پتہ نہ چل سکے۔

**تنبیہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”مریم“ تھا اور ”مریم“ کے باپ کا نام ”عمران“ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی سگی بہن کا نام بھی ”مریم“ ہے اور آپ کے باپ کا نام بھی ”عمران“ ہے۔ بعض حضرات نے وہم کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی۔ یہ غلط ہے ان دونوں انبیائے کرام کے درمیان زمانے کے اعتبار سے بہت بڑا فاصلہ ہے

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش آپ کی ماں کے ذمہ :

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ﴾ ☆ ﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ☆

اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں، تو بولی : کیا میں تمہیں بتا دوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچے کو پال دیں؟ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور غم نہ کھائے۔ اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں اپنی ماں کے دودھ کے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں سے نفرت پیدا کر دی تھی۔ فرعون نے بچے کی پرورش کے لئے دایہ بلانے کا حکم دیا۔ جو دایہ بھی آتی آپ اس کا دودھ نہ پیتے۔ لیکن بھوک کی وجہ سے بے قرار ہو رہے تھے۔ فرعون بھی اپنی زوجہ آسیہ کی وجہ سے بچے کی حالت سے فکر مند تھا۔ بچے کو گود میں لے کر تسلیاں دے رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ کاش کوئی ایسی دایہ مل جائے جس کا دودھ یہ بچہ پینا شروع کر دے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کی بہن نے کہا میں تمہیں ایک گھر والوں کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کی تربیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہونے دیں گے



جو اس کی پرورش کی ضمانت دیں گے، کسی قسم کی خیانت کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ خلوص سے سب کام کریں گے، کوئی نقص لازم نہیں آنے دیں گے۔

﴿وہم لہ ناصحون﴾ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے یہ کہا کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔ تو ہامان نے کہا کہ یہ اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے اسے پکڑ لو تو خود بچے کے گھرانے کا پتہ چل جائے گا۔ تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میرا مطلب یہ ہے کہ اس گھرانے کے لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ اس بچے کے خیر خواہ میں نے نہیں کہا۔ چونکہ وہ خاندان نبوت کی لڑکی تھی اس کی ذہانت اسی قابل تھی کہ اس نے نہایت حسین جواب دے کر اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو بچا لیا۔ اس کے اس جواب کو سن کر فرعون نے کہا اچھا تم اس عورت کو لے آؤ جس کے متعلق تم کہہ رہی ہو۔ تو وہ اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں لے گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھوں میں تھے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے قرار تھے وہ آپ کو تسلیاں دے رہا تھا، جیسا کہ آپ کی والدہ پنچیں تو ماں کی خوشبو سونگھ کر فوراً ماں کی طرف لپکے اور دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون نے بڑے تعجب سے پوچھا تم کون عورت ہو؟ کہ اس بچے نے تمہارا دودھ پسند کیا حالانکہ کتنی ہی دایہ ہم نے طلب کیں کسی کا دودھ اس نے نہیں پیا تو آپ کی والدہ نے جواب دیا:

”انی امرأۃ طیبۃ الریح طیبۃ اللبن لا اوتی بصبی الا قبلنی“

کہ بے شک میں ایسی عورت ہوں کہ مجھ سے خوشبو آتی ہے یعنی میں اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی ہوں میرا لباس صاف ستھرا ہوتا ہے میں اچھی قسم کی خوشبو استعمال کرتی ہوں۔ اور قدرتی خوشبو بھی میرے جسم سے آتی ہے میرا دودھ بھی پاکیزہ، اچھا، خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے آج تک میں نے جس بچے کو بھی دودھ پلایا ہے اس نے ضرور میرا دودھ پیا ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا اور ان کا خرچ بھی مقرر کر دیا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک وعدہ ڈالا تھا کہ تم اس بچے کو دریا میں پھینک دو میں تمہارے پاس اسے واپس لوٹا دوں گا۔ اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا تاکہ آپ کی والدہ کو یقین ہو جائے کہ جب یہ وعدہ پورا ہو



گیا ہے تو یہ بچہ رسول بھی ضرور بنے گا۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے بے خبر ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کی قدرت کے مقابل تمام تدبیریں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

(از کبیر و روح المعانی)

## موسیٰ علیہ السلام کا قبیلہ کو گھونسا مارنا :

﴿وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ، فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِّنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ۚ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۚ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَن أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ۚ﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۱۵، ۱۷)

وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے، پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے، پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا، اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تعلق رکھتا تھا، تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا، بے شک وہ کھلا دشمن بہکا دینے والا ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے عرض کی: اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عرض کی: اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہر گز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام کے پوشیدہ طور پر شہر میں داخل ہونے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں، تاہم زیادہ صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو روزاول سے ہی اپنی والدہ کے پاس رہنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا۔ ساری صورت حال سے آپ اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ نیز آپ کو اپنے جلیل القدر آباء و اجداد کے منصب نبوت پر آگاہی ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون خدا بنا



بیٹھا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے تو آپ کا موحد ذہن اس شرک صریح کو زیادہ عرصہ گوارا نہ کر سکا اور آپ کے پر جلال مزاج نے فرعون کو اس ناشائستہ حرکت پر ٹوکا۔ اور آپ نے فرعون اور فرعونوں کی گمراہی کا رد شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل آپ کی بات سنتے اور آپ کی اتباع کرتے، آہستہ آہستہ اس کا چرچا ہو گیا۔ فرعون کو بھی براہ راست خدائی دعویٰ سے ٹوک چکے تھے، اس لئے قطع تعلق تک نوبت جا پہنچی آپ کو مجرم اور باغی سمجھا جانے لگا، چنانچہ اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے روپوش ہو گئے اور اگر کسی ضروری کام کے لئے آپ کو شہر میں آنا پڑتا تو آپ ایسے وقت شہر میں آتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب آپ ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ لوگ آرام کر رہے تھے۔

چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر محققین نے اسی قول کو ترجیح دی۔

﴿ قال ابن اسحاق وکان فی هذا الوقت قد اظهر خلاف فرعون وعاب علیہم عبادة فرعون والاصنام فدخل مدينة فرعون یوما علی حین غفلة من اهلها ﴾

اور اس سے پہلے علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

﴿ فکان لا یدخل مدينة فرعون الا خائفا مستخفيا ﴾

(تفسیر قرطبی)

آپ کے شہر میں خوف سے چھپ کر داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے فرعون کے ساتھ اختلاف کو ظاہر فرمادیا اور فرعونوں کی بتوں اور فرعون کی عبادت کی مذمت کی تو ان کی طرف سے شدید رد عمل ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لئے پوشیدہ رہنے کی راہ اختیار کی، ان دنوں میں ہی آپ شہر میں پوشیدہ طور پر اس وقت داخل ہوئے جب کہ وہ لوگ غفلت میں تھے۔

جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریبان ہیں ایک اسرائیلی اور دوسرا قبطی، اسرائیلی نے آپ کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ آگے بڑھے کہ قبطی کو دست درازی سے منع کریں جب اس نے بات نہ مانی تو آپ نے اسے ایک مٹکا رسید کیا، اسے قتل کرنے کا



کوئی ارادہ نہ تھا لیکن وہ مکا جان لیوا ثابت ہوا ، اور اس کا قصہ تمام ہو گیا۔

حضرت قتادہ نے ان دونوں کے لڑنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ قبلی ، اسرائیلی کو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھانے کا حکم دے رہا تھا اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا ، چنانچہ اس قبلی نے حاکم قوم کا فرد ہوتے ہوئے اسے زد و کوب شروع کی ، اتنے میں آپ تشریف لائے اور اسرائیلی نے آپ سے فریاد کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی فریاد رسی کے لئے محض اس لئے نہیں گئے کہ فریاد کرنے والا اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔

”وانما اغاثہ لأن نصر المظلوم دین فی الملل کلھا علی الامم و فرض فی جمیع الشرائع“

(تفسیر قرطبی ماخوذ از ضیاء القرآن)

### شیطان کی طرف قتل کو منسوب کرنے کی وجہ :

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو قتل کرنا مباح کر رکھا ہے لیکن ایک وقت تک ان کے قتل کو موخر کیا گیا تھا کچھ عرصہ بعد قتل کرنا مستحب ہوتا ، لیکن وقت سے پہلے قتل کرنے سے مستحب کو ترک کرنا لازم آگیا اس وجہ سے آپ نے اس فعل کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا ، کہ میرا اقدام ، ترک مستحب پر شیطان کے عمل سے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا اشارہ مقتول کے عمل کی طرف تھا اپنے عمل کی طرف تھا ہی نہیں آپ کا مطلب یہ تھا۔

”عمل هذا المقتول من عمل الشيطان المراد منه بيان كونه مخالفا لله تعالى مستحقا للقتل“

یہ شخص جو قتل ہو گیا ہے اس کے کام ہی شیطانی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مخالف تھا اس لئے یہ قتل کا مستحق تھا تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے عمل کا معنی لشکر اور گروہ لیا۔

”یعنی انہ من جند الشيطان و حزبه يقال فلان من عمل الشيطان ای من احزابه“



آپ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ یہ قتل ہونے والا شخص شیطانی لشکر اور شیطانی گروہ سے ہے۔

عام طور پر عربی محاورہ میں فلان من عمل الشیطان کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شخص شیطانی گروہ سے ہے۔

﴿رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی﴾ کہنے کا ایک مطلب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ جو مستحب کام مجھ سے چھوٹ گیا کہ میں نے اسے جلدی قتل کر دیا اگرچہ حق یہ تھا کہ تاخیر کی جاتی اس کی وجہ سے میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے اور تو اس ترک مستحب کو بھی معاف فرما۔

دوسرا مطلب یہ ہے۔

”رب انی ظلمت نفسی حیث قتلت هذا الملعون فان فرعون لو عرف ذلك لقتلنی به فاغفر لی ای فاستره علی ولا توصل خبره الی فرعون فغفر له ای ستره عن الوصول الی فرعون“

اے میرے رب میں اس ملعون کو قتل کر کے اپنی جان کے لئے وبال بنا لیا ہے کیونکہ اگر فرعون کو یہ پتہ چل گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اسلئے اے اللہ میری پردہ پوشی فرما کہ یہ خبر فرعون تک نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون تک اس خبر کو پہنچنے سے مخفی رکھا۔

(تفسیر کبیر)

قتل کا راز ظاہر ہونا :

﴿فَاصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ☆ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ يَا مُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُحِينَ﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۱۸-۱۹)

تو صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے؟ جیسی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی فریاد کر رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا بے شک تو کھلا گمراہ ہے تو جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جو ان دونوں کا



دشمن ہے وہ بولا اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے ایسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح نہیں کرنا چاہتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فرعون کی قوم کے لوگوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ کسی بنی اسرائیل نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے اس پر فرعون نے کہا کہ قاتل اور گواہوں کو تلاش کرو، فرعونی گشت کرتے پھرتے تھے اور انہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا تھا۔ دوسرے روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہی بنی اسرائیلی جس نے ایک روز پہلے ان سے مدد چاہی تھی آج پھر ایک فرعونی سے لڑ رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے فریاد کرنے لگا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک تو کھلا گمراہ ہے یعنی ہر روز لوگوں سے لڑتا ہی رہتا ہے، اپنے آپ کو بھی مصیبت اور پریشانی میں ڈالتا ہے اور اپنے مددگاروں کو بھی۔ اور تو احتیاط کیوں نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے خوب رعب اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ارشاد فرمایا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم بھی آگیا کہ فرعون بڑے ظالم ہیں لہذا اس کی امداد کرنی ہی چاہیے جب آپ آگے بڑھے کہ اپنے اور اس بنی اسرائیلی کے دشمن کی گرفت کریں تو اس بنی اسرائیلی نے غلط فہمی میں خوف کرتے ہوئے کہ آج شاید میرا کام تمام کرنا چاہتے ہیں کہا: کہ اے موسیٰ علیہ السلام آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے کل ایک شخص کو تم نے قتل کر دیا تھا؟ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ راز کھل گیا کہ کل فرعون کو قتل موسیٰ (علیہ السلام) نے کیا ہے۔ جب فرعون کو یہ خبر ملی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم نافذ کر دیا لوگ آپ کو ڈھونڈنے لگے۔

(خزائن العرفان)

ایک منجر نے موسیٰ علیہ السلام کو بتادیا:

﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَا تَمْرُونُ بِكَ لَيَقْتُلُونَكَ فَأَخْرِجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۲۰)

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) بے



شک دربار والے (فرعونی درباری) آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جائے میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے والا ..... کہ وہ لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں اور فرعون نے تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ بھی کر دیا ہے ..... شخص آل فرعون سے تھا، جو مومن تھا لیکن ایمان کو چھپاتا تھا - علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

”کون هذا الرجل الجانی مومن من ال فرعون هو المشهور“

(روح المعانی)

موسیٰ علیہ السلام کا ”مَدِّین“ کی طرف ہجرت کرنا :

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ☆ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ☆ ﴿

(پ ۲۰ سورت القصص ۲۱، ۲۲)

تو اس شہر سے نکلے ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی اے میرے رب مجھے سمکاروں (ظالموں) سے بچالے اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے کہا : قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ بتائے۔

”مدین“ سے مراد وہ شہر ہے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس شہر کو مدین بن ابراہیم کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ مصر اور مدین میں آٹھ دنوں کی مسافت تھی اس شہر پر فرعون کی حکمرانی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی شہر کی جانب جانے کی ہدایت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو یہ شہر اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا راستہ جانتے تھے۔ کوئی سواری پاس نہیں تھی راستے کا کوئی خرچ اپنے پاس نہیں تھا۔ صرف درختوں کے پتوں پر گزر کر کے آپ نے راستہ کی مسافت کو طے کیا۔ راستہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی معاونت کے لئے جبرائیل امین علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ فرعونی لوگ آپ کو تلاش کرتے رہے لیکن آپ کو تلاش نہ کر سکے، کیونکہ مدین کو جانے والے تین راستے تھے آپ نے درمیانی راہ کو اختیار کیا اور وہ دوسرے راستوں پر آپ کو تلاش کرتے رہے۔ جب رب تعالیٰ آپ کی حفاظت کر رہا تھا تو وہ آپ کو تلاش کر بھی کیسے سکتے تھے۔

(ماخوذ از روح المعانی)



## موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر :

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ  
امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؟ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا  
شَيْخٌ كَبِيرٌ ☆ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ  
خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾

(پ ۲۰ سورۃ القصص ۲۳، ۲۴)

اور آپ جب مدین کے پانی پر آئے ، وہاں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے اس طرف دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں کا کیا حال ہے ؟ وہ بولیں ہم پانی نہیں پلاتیں جب تک سب چرواہے پلا کر پھیر نہ لے جائیں۔ اور ہمارے باپ بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان دونوں کو پانی پلا دیا۔ پھر سایہ کی طرف پھرا، عرض کی: اے میرے رب میں اس کھانے کا جو تو میرے لئے اتارے محتاج ہوں۔

جب آپ مدین کے ایک کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ کثیر مقدار میں کنویں پر جمع ہیں جو اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، کوئی اونٹوں کو پانی پلا رہا ہے، کوئی گائے بھینس کو اور کوئی بھیڑ بھریوں کو، لیکن دیکھا کہ دو عورتیں ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کھڑی ہیں، وہ یہ نہیں چاہتیں کہ مزاحمت کر کے آگے بڑھیں، ان کے نزدیک لوگوں سے پانی حاصل کرنے میں مزاحمت کرنا، جہاں بری بات تھی وہاں عورتوں کا مردوں سے آزاد نہ میل جول اور دھکابازی حرام تھی۔ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بھی دور کھڑی تھیں کہ کنویں سے پانی نکالنا زور آور مردوں کا کام تھا۔ اس پر استعمال ہونے والے ڈول کو دس آدمی مل کر نکالتے تھے۔ اور کنویں کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا اسے ڈھکنے کے لئے اور ہٹانے کے لئے بھی دس آدمی مل کر ہٹاتے، نیز وہ یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ ان کے جانور دوسرے لوگوں کے جانوروں سے مل جل جائیں کہ انہیں علیحدہ کرنے میں دشواری ہو۔ ان وجوہ کے پیش نظر وہ اپنے جانوروں کو علیحدہ ایک طرف روک کر کھڑی تھیں۔ لوگوں کے فارغ ہو کر چلے جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔



موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تم ایک طرف اپنے جانوروں کو روک کر کیوں کھڑی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں ہم خود پانی نکال نہیں سکتیں اس لئے ایک طرف کھڑی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو جو پانی حوض میں بچ جائے وہ ہم اپنے جانوروں کو پالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو ان پر رحم کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے کہا کہ اگر تم اتنے ہمدرد ہو تو خود ہی پلا دو۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے مل کر بھاری پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا اپنے اکیلے ہی اس پتھر کو ہٹا دیا اور دس آدمیوں کے نکالنے والے ڈول کو اکیلے ہی نکال لیا۔

”ودعا بالبرکۃ ثم قرب غنمهما فشربت حتی رویت“

(تفسیر کبیر)

اور برکت کی دعا کی اور ان کی بحریوں کو پانی کے قریب کیا۔ وہ ایک ہی ڈول سے پانی پی کر سیراب ہو گئیں۔

پھر آپ ایک طرف سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ مجھے کھانا عطا فرما دے؛ کیونکہ آپ سات دنوں سے صرف درختوں کے پتے ہی کھا رہے تھے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر، روح المعانی)

سبحان اللہ! نبی کی شان عظمت کا اندازہ کیجئے! کہ سات دنوں سے بھوکے لیکن دس آدمیوں سے بڑھ کر زور ابھی موجود ہے، سفر کی تھکان بھی اور کناں سخت تپتی دھوپ میں، لیکن کوئی چیز بھی رکاوٹ نہ بن سکی، ہمدردی کی ایک عظیم مثال قائم کر دی۔

شعیب علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو طلب کرنا:

وہ دونوں لڑکیاں شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں جب عام معمول سے ہٹ کر آج وہ جلدی اپنے گھر لوٹ کر آگئیں تو ان سے ان کے باپ نے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے آگئی ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ آج کنویں پر ایک نیک اور بہادر شخص تھا جس نے ہماری بحریوں کو پانی پلا دیا اسلئے ہم جلدی واپس آگئی ہیں کہ ہمیں تمام لوگوں کے فارغ ہونے اور باقی بچ جانے والے پانی کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔



شعیب علیہ السلام نے کہا کہ جاؤ اس شخص کو بلا کر لاؤ۔ یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم عطا فرمادیا ہوگا کہ آنے والا شخص موسیٰ علیہ السلام ہے وہ بھی میرا نبی ہے جس کو کچھ عرصہ بعد میں نے اعلان نبوت کا حکم دینا ہے اسے تم اپنے پاس رکھو۔

﴿فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

ب ۲۰ سورت القصص (۲۵)

تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی، بولی میرا باپ تمہیں بلاتا ہے کہ تمہیں بدلہ دے اس کا جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) اس کے پاس آیا اور اسے باتیں کر سنائیں اس نے کہا ڈریے نہیں آپ بچ گئے ظالموں سے۔

اگرچہ اس عورت نے تو یہ کہا تھا کہ آپ کو میرے باپ بلارہے ہیں تاکہ تمہیں اجرت عطا کریں جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے

”وان قالت ذالك فلعل موسى عليه السلام ما ذهب اليهم طلبا للاجرة بل للتبرك برؤية ذالك الشيخ“

لیکن موسیٰ علیہ السلام اجرت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں گئے تھے بلکہ صرف شعیب علیہ السلام کی زیارت کرنے کی غرض سے گئے تھے۔

آپ نے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ اجرت لینے کے لئے میں جاؤں، یہی وجہ ہے کہ جب آپ شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچے تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اعوذ باللہ اللہ کی پناہ! شعیب علیہ السلام نے پوچھا تم نے یہ کیوں کہا؟ تو آپ نے جواب دیا:

”انا اهل بيت لا نبيع ديننا بدنينا ولا نأخذ على المعروف ثمنا“

بے شک ہمارے گھرانے کے لوگ اپنے دین کو دنیا کے بدلے نہیں بیچتے، اور کسی بھلائی کی کوئی



قیمت نہیں لیا کرتے ہیں۔ شعیب علیہ السلام نے کہا:

”ولكن عادتي و عادة آبائي اطعام الضيف فجلس موسى عليه السلام فاكل“

لیکن وہ میری اور میرے آباؤ اجداد کی عادت ہے کہ ہم مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد پر موسیٰ علیہ السلام بیٹھے اور کھانا کھایا۔

لیکن پھر بھی بار بار خیال یہی آرہا تھا کہ کہیں میری نیکی کے عمل کی یہ اجرت نہ ہو، جس سے میرے عمل کے خلوص میں فرق آئے۔ بعد ازاں شعیب علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے بتایا میں موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔ بچوں کا قتل کیا جانا آپ کو دریا میں ڈال دینا اور دایہ کا طلب کرنا۔ آپ کا اپنی والدہ کے پاس پرورش پانا پھر قبیلے کا ان کے ہاتھوں قتل ہونا اور فرعونیوں کا آپ کو تلاش کرنا۔ تمام واقعہ سننے کے بعد شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

خوف نہ کرو ظالموں سے تمہیں نجات مل سکتی ہے۔

یعنی ہمارے علاقہ پر فرعون اور اس کے لشکر کا ان شاء اللہ تسلط نہیں چلے گا یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ فرعون اپنے لاکھوں لشکریوں کے ہوتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرنے کے باوجود صرف آٹھ دن کی مسافت پر تلاش نہ کر سکا۔

شعیب علیہ السلام کو بیٹی کا مشورہ:

﴿قَالَتْ احْدَاهُمَا يَا ابْتَ اسْتَجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِينُ﴾

ان دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو بے شک بہتر نوکر وہ ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

چونکہ شعیب کی بیٹی موسیٰ علیہ السلام کی بہادری کو دیکھ چکی تھی کہ دس آدمیوں کے نکالنے



والے ڈول کو آپ نے اکیلے ہی نکال لیا اور بھاری پتھر کو اکیلے ہی کنویں کے منہ سے ہٹا دیا اور آپ کے تقویٰ کو بھی دیکھ چکی تھیں کیونکہ ان سے سوال کرنے میں آپ کی نگاہیں نیچے تھیں اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بھی یہی کہا کہ تم پیچھے پیچھے چلو۔ میں آگے چلتا ہوں تم مجھے پیچھے سے راہ بتلاتی آنا۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ اگر میں پیچھے چلا تو میری نگاہ اس پر پڑے گی۔ خیال رہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہو رہا تھا۔ یہ کہنا کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی جوان بیٹی کو اکیلے ہی ایک اجنبی کو بلانے کے لئے بھیج دیا تھا، درست نہیں۔ علامہ رازی فرماتے ہیں :

﴿لعلہ علیہ السلام کان قد علم بالوحی طہارتھا فکان یعتمد علیہا﴾

شعیب علیہ السلام کو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ اپنی بیٹی کو بھیج کر اس شخص کو بلائیں آپ کی بیٹی پاک دامن، تمام عیوب سے پاک اور بااعتماد ہے اور جس کو بلانے کے لئے جارہی ہے وہ بھی تو میرا پیارا صاحبِ کمال نبی ہے۔ شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے موسیٰ علیہ السلام کے دو کمال ذکر کئے۔ قوت اور امانت۔ یعنی آپ قوی (بہادر) اور امین (صاحب تقویٰ) ہیں۔ حالانکہ دو اور وصف جب تک نہ پائے جائیں اس وقت تک انسان کامل انسان نہیں ہوتا۔ وہ ہیں فطانت اور زیرک ہونا۔ لیکن یہ دونوں وصف امانت میں موجود ہیں۔ کیونکہ کامل امانت انسان میں فطانت اور عقلمندی کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔

(تفسیر کبیر)

سبحان اللہ شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا انتخاب کیا خوب تھا؟ کہ بہادر ہونا جو کافروں کے ساتھ جنگ بھی کر سکے اور صاحب تقویٰ عقلمند اور سمجھ دار ہونا ہی انسان کو انسان بناتا ہے،

اور پھر یہ انتخاب بھی مشورہ کی حد تک تھا۔ عرض باپ سے ہی کیا؛ کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ ہمارے باپ نے اپنی شریعت کے مطابق کسی شخص کو اپنے پاس رکھ کر اس سے بطور مہر خدمت لے کر ہمارا نکاح اس سے کرنا ہے۔

آج کی لڑکیاں اس سے سبق حاصل کریں جو والدین کی مرضی کے بغیر سبزباغ دکھانے والے



لڑکوں کو پسند کر کے والدین کو عمر بھر کا روگ لگا کر از خود ہی ان کے پاس چلی جاتی ہیں، لیکن ایسی لڑکیاں سو فیصد ناکام رہتی ہیں، چند دنوں کے بعد انہیں ذلت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

## شعیب علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام کو شادی کی پیشکش :

﴿ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حِجَجَ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ☆ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴾

(پ ۲۰ سورت القصص ۲۷، ۲۸)

کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو، پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمہاری طرف سے ہے۔ اور میں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان اقرار ہو چکا ہے میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں۔ ہمارے اس قول پر اللہ کا ذمہ ہے۔

شعیب علیہ السلام کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے لہذا آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بیٹی کا نکاح اس نیک شخص سے کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے مشورہ لیا کہ اگر تمہارا نکاح ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے کر دیا جائے تو کیا تم مہر کے بدلے آٹھ سال تک ہماری خدمت کر سکو گے؟ یعنی آٹھ سال تو تم پر واجب ہوں گے مزید دو سال خدمت کرنا مستحب ہو گا وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہو گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کر لیا اور عرض کیا کہ ان دو مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر لوں مجھے یہاں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس طرح دونوں کے درمیان معاہدہ طے ہو جانے کے بعد نکاح ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے مہر ادا کرنے کے لئے آپ کے گھر بحیثیت داماد خدمت کرنی شروع کر دی۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بحریاں ہانکنے اور انہیں درختوں کے پتے جھاڑ کر کھلانے کے لئے ایک عصا دیا جو ساگوں کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جو آدم علیہ السلام



ساتھ لائے تھے اور پھر انبیائے کرام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آگیا یہی عصا بعد میں آپ کا معجزہ بن گیا۔

(از مدارك، حاشیہ جلالین ص ۳۲۹)

مدت کی تکمیل کے بعد مصر واپسی :

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ☆ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾

(پ ۲۰ سورت قصص ۲۹)

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی میعاد پوری کر لی اور اپنی بی بی کو لے کر چلے، طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنے گھر والی سے کہا، تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک آگ نظر پڑی ہے شائد میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لئے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں کہ تم تاپو۔ پھر جب آگ کے پاس آئے ندا کی گئی، میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں درخت سے کہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ رب ہوں سارے جہان کا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے آٹھ سال اور دس سال خدمت کرنے کے متعلق کہا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ اس کے متعلق امام بخاری اور دوسرے کئی حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی تو آپ نے جواب دیا۔

”قضى اكثر واطيها ان رسول الله اذا قال فعل“

کہ موسیٰ علیہ السلام نے اکثر مدت یعنی دس سال مکمل خدمت کی تھی (کیونکہ آٹھ سال تو واجب تھے اور اوپر دو سال مستحب تھے جو پاکیزہ اور زیادہ ثواب کا ذریعہ تھے اس لئے آپ نے زیادہ ثواب والی مدت کو بھی یقیناً پورا کیا۔) اور اللہ تعالیٰ کا رسول جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا

ہے۔

(روح المعانی)



دس سال جب آپ نے خدمت کے مکمل کر لئے تو آپ نے شعیب علیہ السلام سے مصر جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنی والدہ اور اپنے بھائی سے ملاقات کریں اور یہ خیال کیا کہ قبطنی کے قتل کو بھی کافی عرصہ گزر چکا ہے اب معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ چکا ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا ایک سواری اور کچھ بحریاں بھی ساتھ تھیں۔ مختصر سامان سفر ضروریات کے لئے ساتھ لیا اور شام کے بادشاہوں کے خطرہ کے پیش نظر آپ نے عام راستہ کو چھوڑ کر ایک اور صحرائی راستہ اختیار کیا، راستہ بھی بھول گئے۔ آپ کی بحریاں وغیرہ بھی متفرق ہو گئیں۔ پانی وغیرہ بھی پاس نہیں تھا۔ طور کی غربی جانب وادی طوی میں جب آپ پہنچے تو جمعہ کی رات کو جو بہت زیادہ سرد تھی آپ کے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ آپ نے طور کی بائیں جانب راستہ میں آگ دیکھی، تو اپنی زوجہ کو کہا:

تم یہاں ہی ٹھہرو کہ میں وہاں سے آگ کی چنگاری لے آؤں یا وہاں سے آگ سلگا کر لاؤں تاکہ تم آگ تاپ سکو، اور سردی کم محسوس ہو۔

خیال رہے کہ قرآن پاک میں جذوة (چنگاری)، قبس (شعلہ) اور شہاب (چمک، شعلہ) کے لفظ استعمال ہیں، یعنی میں چنگاری لے آؤں یا شعلہ لے آؤں، یعنی کوئی ایسی چیز وہاں سے سلگا کر لے آؤں یا وہاں کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے یہ راہ معلوم کر لوں۔

آپ علیہ السلام جب آئے تو دیکھا کہ آگ آہستہ آہستہ شعلے مار رہی ہے۔ جب قریب آئے تو آگ نے شدت اختیار کر لی۔ بہت بڑی شعلے مارنے والی آگ نظر آئی۔ عجیب منظر یہ تھا کہ آگ ایک درخت سے نکل رہی تھی آگ جتنی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح درخت کے پتے بھی زیادہ سبز ہوتے چلے جاتے ہیں، آپ اسی سوچ میں کچھ دیر تک گم رہے کہ آگ کی شدت کہاں اور درخت کے پتوں کا سبز ہونا کہاں؟ کافی دیر سوچنے کے بعد اگرچہ ذہن نے کوئی فیصلہ نہ کیا تاہم خیال کیا کہ آگ سلگا کر لے جاؤں جب آپ ارادہ کرتے ہیں کہ آگ سلگاؤں تو آگ دور ہو جاتی ہے پھر سوچ میں گم ہو جاتے ہیں۔



تنبیہ: آگ کی چار قسمیں ہیں:

- ☆ ایک وہ جو کھاتی ہے پتی نہیں، یہ ہے دنیا کی آگ۔
- ☆ دوسری وہ جو کھاتی بھی ہے اور پتی بھی ہے وہ ہے معدہ کی آگ،
- ☆ تیسری وہ جو کھاتی بھی نہیں اور پتی بھی نہیں یہ وہ آگ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی۔
- ☆ چوتھی وہ آگ ہے جو پتی ہے کھاتی نہیں یہ وہ آگ ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے کیا۔

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ﴾

(پ ۲۳ سورت یسین ۸۰)

جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی جیسی تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔

یعنی عرب کے علاقوں میں دو درخت ہوتے ہیں جو وہاں جنگلوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ایک کا نام ”مرخ“ اور دوسرے کا نام ”عفار“ ہے ان کی خاصیت یہ ہے کہ جب ان کی سبز شاخیں کاٹ کر ایک دوسرے پر رگڑی جائیں تو ان سے آگ نکلتی ہے باوجودیکہ وہ اتنے تر ہوتے ہیں کہ ان سے پانی ٹپکتا ہے۔ اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کی کتنی عظیم نشانیاں ہیں کہ آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

ایک اور لحاظ پر بھی آگ کی چار قسمیں ہیں۔

- ☆ ایک وہ آگ جس میں روشنی تو تھی لیکن جلانے کی تاثیر نہیں تھی، یہ وہ آگ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی تھی۔
- ☆ دوسری وہ جس میں جلانے کی طاقت تو ہوگی لیکن اس میں روشنی نہیں ہوگی۔ یہ جہنم کی آگ ہے۔
- ☆ تیسری وہ آگ ہی جس میں روشنی بھی پائی جاتی ہے اور جلانے کی طاقت بھی اسے حاصل ہے، یہ دنیا کی آگ ہے۔

☆ چوتھی قسم یہ ہے کہ اس میں روشنی بھی نہیں اور جلانے کی تاثیر بھی نہیں جو آگ درخت میں رکھی گئی ہے جب ان کی شاخوں کو نہ رگڑیں اس وقت تک ان میں آگ تو ہوتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی۔

(از کبیر پ ۱۶ ج ۲۲ ص ۱۵، خزائن العرفان پ ۲۳ ع ۴)



موسیٰ علیہ السلام آگ کے عجیب منظر سے سوچ میں گم تھے کہ آپ کو آواز دی گئی۔

﴿يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾

اے موسیٰ علیہ السلام بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بے شک تو پاک جنگل ”طوی“ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے فضل و کرم سے یہ علم دے دیا کہ آپ نے آواز کو سن کر سمجھ لیا، یقین کر لیا کہ یہ میرے رب کی آواز ہی ہے۔ یہ آپ کا معجزہ ہے رب تعالیٰ کی آواز کسی مکان سے نہیں آرہی تھی، وہ مکان سے پاک ہے اس کی آواز کی کیفیت کو بھی نہیں بیان کیا جاسکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت سے آسمانوں کی طرف اٹھنے والے نور کو دیکھا اور اسمیں فرشتوں کی تسبیحات کو سنا اور آپ کو جب یہ آواز دی گئی تو آپ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا۔ لبیک میں تیری خدمت میں حاضر ہوں میں تیری آواز تو سن رہا ہوں، تجھے دیکھ نہیں رہا تو کہاں ہے رب تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔

”اَنَا مَعَكَ وَامَامُكَ وَخَلْفُكَ وَمَحِيطُ بِكَ وَاقْرَبُ إِلَيْكَ مِنْكَ“

میں تمہارے پاس ہوں، تمہارے سامنے ہوں، تمہارے پیچھے ہوں، تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہوں اور تم سے بھی تمہارے زیادہ قریب ہوں۔

آپ نے تمام وسوسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی آواز کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے پیچھے سے اور اپنے دائیں طرف سے اور اپنی بائیں طرف سے ایسے ہی سن رہا ہوں جیسے سامنے سے سن رہا ہوں۔

﴿فَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَيْسَ بِكَلَامِ الْمَخْلُوقِينَ﴾

مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کلام مخلوق میں سے کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔

**فاخلع نعلیک** آپ اپنے جوتے اتار دو۔ ایک تو اس کا مشہور و معروف مطلب یہ ہے کہ آپ پاکیزہ جگہ آگئے ہیں جہاں میری تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے اور میں تم سے ہم کلام ہوں اسلئے ادب کا تقاضا یہ



ہے کہ تم اپنے جوتے اتار دو۔ ایک اور وجہ جوتے اتارنے کی یہ بھی تھی۔

”انما امر بخلعہما لینال قدمیہ برکۃ الوادی وهذا قول الحسن و سعید بن جبیر ومجاہد“

حضرت حسن، سعید بن جبیر اور مجاہد کا قول یہ ہے کہ آپ کو جوتے اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ آپ کے قدموں کو اس سر زمین کی برکت حاصل ہو جائے۔

(کبیر)

اور وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ خواب میں جوتے دیکھنے سے مراد زوجہ اور اولاد لیا جاتا ہے اب معنی یہ ہو گا کہ آپ اپنے دل میں زوجہ اور بچے کا خیال نہ رکھو، ان کی طرف مشغول نہ ہو، بلکہ خالص توجہ میری ذات کبریائی کی طرف ہو۔ اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کو چھوڑ دو گویا کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کلی طور پر تم اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اپنے دل کو مستغرق کر دو۔

(کبیر ج ۲۲ ص ۱۷)

رب تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام کو ارشادات :

﴿وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ ☆ ﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ ☆ ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أَخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى﴾ ☆ ﴿فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَى﴾ ☆

(پ ۱۶ سورۃ طہ ۱۳، ۱۶)

اور میں نے تجھے پسند کیا اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے، بے شک میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم رکھ، بے شک قیامت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو ہر گز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے، جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام میں نے اپنی رسالت و نبوت کے لئے تمہیں تمام



لوگوں اور تمہاری قوم سے چن لیا ہے، اس لئے اب میں تمہیں وحی کرنے لگا ہوں تم کامل توجہ سے سنا۔ رب تعالیٰ کے اس حکم کو سنتے ہی آپ ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور ایک پتھر سے سہارا لگالیا۔ اپنے دائیں ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اپنی ٹھوڑی کو اپنے سینے سے لگایا اور کامل طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

**فائدہ:** حضرت وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

”ادب الاستماع سکون الجوارح و غص البصر والاصغاء بالسمع وحضور العقل والعزم على العمل و ذلك هو الاستماع لما يحب الله تعالى“

(کبیر)

سننے کے آداب یہ ہیں کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو حرکت دینے سے باز رکھے نظر نیچے رکھے یعنی ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ کلام کرنے والے کی طرف ہی صرف متوجہ ہو اور مکمل طور پر کان لگا کر سننے اور عقل کو حاضر رکھے اور پھر کام کرنے کا مصمم ارادہ رکھے بس یہی وہ سننا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

**فائدہ:** اسی انداز و آداب پر سبق سننے والے طلباء اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کامیاب ہو جاتے ہیں، ورنہ ایک ہی کلاس میں بیٹھے ہوئے ذہین اور زیرک طلباء محروم ہو جاتے ہیں۔ کم ذہن والے برتری لے جاتے ہیں شرارتی قسم کے طلباء استاذ کے ادب سے محروم، چوہدار ہٹ کے طلبگار حضرات کی قسمت میں محرومیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی وحدانیت کا ذکر فرمایا کیونکہ اس کی ذات و صفات پر ایمان لانا اصل الاصول (سب اصولوں کی اصل) ہے، پھر اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا، پھر نماز کا حکم دیا کہ یہ میری یاد کا ذریعہ ہے، پھر قیامت کا ذکر فرمایا کیونکہ جسے یہ یقین ہو گا کہ قیامت آتی ہے اور نیکیوں اور برائیوں کا حساب بھی ہوتا ہے، وہی شخص ایمان لائے گا اور عبادت بھی کرے گا اور حرمت سے اجتناب بھی کرے گا، پھر قیامت کو مخفی رکھنے کا ذکر فرمایا اس لئے کہ اگر وقت بتا دیا جاتا تو لوگ کہتے ابھی قیامت دور ہے، دوسرے مقام پر قیامت کے قریب ہونے کا ذکر کیا کہ اخروی لازوال زندگی کے مقابل یقیناً قیامت قریب ہی ہے۔



## موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا ہونا :

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يُمُوسَىٰ﴾ ☆ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاهْبُشْ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ☆ قَالَ أَلْقِهَا يُمُوسَىٰ ☆ فَالْقَهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ☆ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ☆ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ☆ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿

(ب ۱۶ سورۃ طہ)

اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ علیہ السلام؟ عرض کی: یہ میرا عصا ہے، میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔ فرمایا: اسے ڈال دے اے موسیٰ علیہ السلام! تو موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ جھبی دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا، فرمایا: اسے اٹھالے اور ڈر نہیں، اب ہم اسے پھر پہلی طرح کر دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملا، خوب سفید نکلے بغیر کسی مرض کے۔ ایک اور نشانی کہ ہم تمہیں بری بڑی نشانیاں دکھائیں۔

وما تلک بيمينک تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تلک اشارہ ہے عصا کی طرف، اور یمینک سے مراد آپ کا ہاتھ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا دونوں کی طرف تو ہر ایک کو غالب معجزہ اور روشن دلیل بنادیا۔ جمادیت (بے جان جسم) سے مقام کرامت تک پہنچادیا۔ جب رب تعالیٰ کی ایک نظر سے جماد حیوان بن گیا اور کثیف جسم نورانی اور لطیف بن گیا، تو کون سی تعجب والی بات ہے کہ مسلمانوں کے گناہوں کی وجہ سے مردہ دلوں کو، عبادت کی سعادت اور نور معرفت حاصل ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اپنی نظر رحمت سے نوازتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی برکت کی وجہ سے جب عصا اڑدھا بن گیا اور آپ علیہ السلام کا عظیم معجزہ بن گیا تو کون سا مقام تعجب ہے؟ کہ مومن کا دل معصیت سے نکل کر نور معرفت کی طرف منتقل ہو جائے؟ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے۔

﴿قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن﴾



رب تعالیٰ نے آپ سے پوچھا تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تاکہ آپ جب جواب دیں گے کہ یہ عصا ہے تو پھر اڑدہا بننے پر آپ کو کوئی خوف نہیں ہوگا کہ یہ تو وہی عصا ہے جو ابھی میں نے پھینکا تھا۔

(از کبیر)

فائدہ :

موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا گیا کہ رب تعالیٰ نے آپ سے کیا فرمایا اور آپ نے کیا عرض کیا؟ لیکن نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا اسے یوں ذکر کیا

﴿ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴾ وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ اس کی تفصیل نہیں بیان فرمائی کہ

”والذی ذکرہ مع محمد ﷺ کان سرا لم یستأهل له احد من الخلق“ جو باتیں حضرت محمد ﷺ سے ہوئیں وہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز کی باتیں تھیں مخلوق سے کوئی اس کا اہل ہی نہیں تھا کہ اسے بتایا جاتا۔

(کبیر)

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو قیامت کو نبی کریم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور سلام سے عزت و تکریم بخشے گا رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴾ ان پر سلام ہو گا مہربان رب تعالیٰ کا فرمایا ہوا۔

(کبیر)

موسیٰ علیہ السلام نے سوال کے جواب میں فرمایا ہی عصا یہ میرا عصا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام بھی کر رہے ہیں لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہونے کا مقام حاصل نہ ہوا کیونکہ آپ کو اپنے عصا کا علم ہے کہ یہ میرا عصا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی طرف توجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہیں۔



﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ﴾ آنکھ نہ کسی کی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔

آپ انوار تجلیات باری تعالیٰ میں ایسے محو تھے کہ کسی اور طرف آنکھ پھرتی ہی نہ تھی، بلکہ جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو کہا گیا ہے ”امدحنا“ ہماری مدح کیجئے! تو آپ ﷺ نے عرض کیا: لا احصى ثناء عليك میں تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا، اس کے بعد آپ رب تعالیٰ کی ثناء اور اپنے آپ کو بھی بھول گئے اور عرض کیا:

”انت کما اثنت علی نفسک“ اے اللہ تیری وہی تعریف ہے جو تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

(تفسیر کبیر)

**نکتہ:** موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو جب زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن گیا، قرآن پاک میں اس کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:

”حیة، جان، ثعبان“ چھوٹا سانپ ہوا یا بڑا، مذکر ہوا یا مونث، سب کو حیة کہا جاتا ہے، لیکن ثعبان بہت بڑے جسم والے سانپ کو کہا جاتا ہے۔ اور جان باریک سانپ کو کہتے ہیں۔ تینوں الفاظ کا ایک ہی سانپ پر استعمال اس طرح ہے کہ جب آپ علیہ السلام عصا کو پھینکتے تو ابتدائی طور پر وہ باریک سانپ بن جاتا پھر آہستہ آہستہ پھیلتا جاتا اور بڑا اژدہا بن جاتا۔ یا صورت یہ تھی کہ وہ جسم کے لحاظ پر تو بہت بڑا سانپ یعنی اژدہا بن جاتا لیکن دوڑ اور پھرتی میں باریک سانپ کی طرح ہوتا۔

(کبیر)

موسیٰ علیہ السلام کا جواب صرف اتنا کافی تھا کہ یہ میرا عصا ہے، لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے سلسلہ کلام بڑھاتے ہوئے از روئے محبت کے بات کو لمبا کیا اور کہا: میں اس پر سہارا لگاتا ہوں، اس سے پتے جھاڑ کر اپنی بھریوں کو کھلاتا ہوں اور بھی اس سے میں منافع حاصل کرتا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ عطا ہوا کہ آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈالتے ہیں تو وہ اژدہا بن جاتا ہے اور جب اسے پکڑتے ہیں تو وہ پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ کر عصا بن جاتا ہے۔ دوسرا معجزہ



آپ کو یہ عطا ہوا کہ آپ اپنے دائیں ہاتھ کو بغل کے نیچے بازو سے لگاتے ہیں اور پھر باہر نکالتے ہیں تو وہ سنیہ چمکدار ہو جاتا جو نظروں پر چھا جاتا حالانکہ آپ کا رنگ گندم گوں تھا۔

فرعون کو تبلیغ کا حکم :

﴿ اذهب الی فرعون انه طغی ﴾ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش من گیا ہے۔

رب تعالیٰ نے جب آپ کو رسالت و نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تو حکم دیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جاؤ اے میری وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دو، وہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے میرے حقوق کا انکار کر چکا ہے۔ میری ربوبیت کا منکر ہے۔ اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں اس سے غافل ہوں، قسم ہے مجھے اپنی عزت کی اگر میں نے بندوں کو مہلت نہ دے رکھی ہوتی تو وہ میری گرفت میں کب کا آچکا ہوتا۔ اور میرے غضب کی وجہ سے زمین و آسمان پہاڑ دریا وغیرہ سب چیزیں اس پر غضب میں ہوتیں۔ اب اس پر میری گرفت کا وقت آچکا ہے۔ تم اسے بتاؤ کہ اللہ ایک ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں تو اپنے رب ہونے سے توبہ کر لے اگر وہ راہ راست پر آگیا تو بہتر، ورنہ اسے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

(از روح المعانی)

موسیٰ علیہ السلام کی دعا :

﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ☆ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ☆ وَاخْلُ عَقْدَةً مِن لِسَانِي ☆ يَفْقَهُوا قَوْلِي ☆ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ☆ هَؤُلَاءِ أَخِي ☆ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ☆ وَاشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ☆ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ☆ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ☆ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ☆ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَمُوسَىٰ ﴾

(ب ۱۶ سورت طہ)

عرض کی اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لئے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں۔ اور میرے لئے میرے گمراہوں سے ایک وزیر کر دے۔ وہ کون؟ میرا بھائی ہارون علیہ السلام اس سے



میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر، کہ ہم کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام تیری مانگ تجھے عطا ہوئی۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اسے راہ حق دکھاؤ تو بظاہر یہ بہت عظیم کام تھا اس لئے آپ نے اپنی کامل عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ جب تو نے مجھ پر اتنا بڑا کام لازم کر دیا ہے تو میرا سینہ کھول دے، ہو سکتا ہے زبان میں پیدا نشی طور پر لکنت ہو جس کے زوال کی آپ نے دعا کی ہو۔ لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کی زبان چپن میں جل گئی تھی جس کی وجہ سے بولنے میں لکنت آگئی تھی۔

وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ فرعون نے آپ کو ایک مرتبہ اٹھایا ہوا تھا آپ نے اس کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچ لیا چونکہ وہ اپنی داڑھی میں لعل و جواہر سجا کر رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کی داڑھی کو کھینچنے کی وجہ سے غصہ میں اس نے آپ کو تھپڑ مار دیا اور کہا کہ یہ ہی میرا دشمن ہے ایک تلوار والے شخص کو ہلا کر آپ کو قتل کرنا چاہتا تو اس کی زوجہ آسیہ جو موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتی تھی کہنے لگی یہ چہ ہے اس نے تو تمہارے جواہر دیکھ کر کھینچ لیا ہے۔ اسے ابھی یا قوت اور آگ کے انگاروں میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی حاصل نہیں۔ فرعون نے کہا ٹھیک ہے دیکھتے ہیں کہ یہ سمجھ دار ہے یا نہیں۔ دہکتی آگ کے انگارے اور یا قوت آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اپنا ہاتھ یا قوت کی طرف بڑھانا چاہا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے ہاتھ کو آگ کے انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ جب آپ کو آگ گرم لگی تو آپ نے وہ چنگاری منہ میں ڈال لی جس کی وجہ سے آپ کی زبان کچھ جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی۔ اب اسی کے زوال کی دعا کی تاکہ لوگ میری بات کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے بھائی کی معاونت کی درخواست کی کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔

لیکن خیال رہے کہ دعا کرتے وقت یہ ہی حالت تھی کہ ہارون علیہ السلام کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی وہ کلام صاف کرتے تھے اور ان کا انداز بیان فصیح ہوا کرتا ان کی بات کو آسانی سے سمجھ لیتے لیکن



موسیٰ علیہ السلام کی زبان کو سمجھنے میں لوگوں کو مشکل درپیش آتی جب آپ نے دعا کی اور رب تعالیٰ نے اسے قبول فرما کر یہ مرثدہ سنایا۔

﴿قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام تمہاری مانگ تمہیں دے دی گئی۔

تو آپ کی زبان مکمل صحیح ہو گئی۔ آپ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام سے زیادہ فصاحت حاصل ہو گئی، لیکن آپ نے دعا میں حضرت ہارون علیہ السلام کی جو معاونت طلب کی تھی وہ بھی قبول ہو گئی۔ یعنی رب تعالیٰ نے آپ کی زبان کو درست فرما کر مزید احسان فرماتے ہوئے آپ کو ہارون علیہ السلام کی معاونت بھی عطا فرمادی۔

”والحاصل ان ما استدل به علی بقاء عقدة ما فی لسانه علیہ السلام وعدم زوالها بالکلیۃ غیر تام“

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دلائل پیش کرنا کہ ”آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو مکمل نہیں کھولا گیا تھا گرہ باقی رہی جس کی وجہ سے کچھ لکنت باقی رہی“ درست نہیں۔

(روح المعانی)

فائدہ :

”وزیر“ مشتق ہے وزر سے، جس کا معنی ہے بوجھ اٹھانا۔ وزیر کا معنی ہوا بوجھ اٹھانے والا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے زمانے کے وزراء قوم کا بوجھ اٹھانے کی بجائے قوم پر بوجھ بن کر بیٹھے ہیں۔ قومی خزانہ کو لوٹ کر کھا چکے ہیں۔ کھریوں روپے پاکستان پر قرض، ان وزراء کی شاہ خرچیوں اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے لازم آرہا ہے۔ شرعی اصولوں کو چھوڑ کر مغربی جمہوریت کی رٹ لگانا یہودگی ہے۔

دونوں بھائیوں کو حکم دیا :

﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوكَ بِاَيْتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿ اِذْهَبَا اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ﴿ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّیْنَا لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴿﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۴۱۔ ۴۴)



اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے، اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لیکر، اور نہ سستی کرنا میری یاد میں آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس، وہ سرکش بنا بیٹھا ہے اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

دونوں بھائیوں کو فرعون سے نرم بات کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری سخت گفتگو سے طیش میں آکر تمہارے لئے مصیبت نہ بن جائے۔ اور تمہاری وجہ سے جو دوسروں کو تعلیم حاصل ہونی ہے اس کا مقصد بھی نہ فوت ہو جائے۔ ہر مبلغ کے لئے اسمیں رہنمائی ہے۔ مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔

”قلت القول اللین هو القول الذی لا خشونة فیہ فاذا کان موسیٰ امر بان

یقول لفرعون قولاً لیناً فمن دونہ احرى“

میں کہتا ہوں کہ قول لین ہے کہ اس میں نرمی ہو کوئی سختی نہ ہو جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ فرعون سے نرم کلام کریں تو دوسروں کو زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی نرم کلام کریں۔

لعلہ میں لعل کے معنی میں جو امید و رجاء ہے اس کا تعلق ذات باری سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام سے ہے۔ یعنی تم اس امید پر پوری کوشش کرنا کہ شاید وہ ہدایت قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔

(از ضیاء القرآن)

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا :

﴿ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ☆ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ☆ قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ☆ فَفَرَزْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ☆



(پ ۱۹ سورۃ شعراء)

فرعون نے کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے ہاں محسن میں نہیں پایا؟ اور تم نے ہمارے ہاں اپنی عمر کے کئی برس نہیں گزارے؟ اور تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم ناشکرے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے وہ کام کیا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی، تو میں تمہارے ہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا۔ اور یہ کوئی نعمت ہے جس کا تو مجھے احسان جتنا ہے حالانکہ تو نے غلام بنا کر رکھے ہیں بنی اسرائیل۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سال کی عمر میں قبیلہ کو مکہ مارا تھا جس سے وہ مر گیا اور آپ مدین چلے گئے یا اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔ زیادہ مناسب قول یہی نظر آتا ہے کیونکہ آپ دس سال شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے، اس طرح چالیس سال مکمل ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام کا اعلان نبوت چالیس سال کی عمر میں ہی ہوتا رہا۔

فرعون نے کہا: ہم نے تمہیں محسن میں پایا اور اتنی عمر تک تم ہمارے پاس رہے تو ہماری نعمتیں کھاتے رہے لیکن تم نے ان نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور ہمارے ایک آدمی کو بھی مار ڈالا۔

آپ علیہ السلام نے کہا: قتل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا صرف اس شخص کو ادب سکھانا مقصود تھا، لیکن وہ بے ارادہ قتل ہو گیا۔ اس کی ناگہانی موت پر مجھے مجرم بھی نہیں ٹھرایا جاسکتا تھا اور نہ ہی مجھے شر کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت تھی، لیکن جب تم نے غلط فیصلہ کر دیا تھا کہ مجھے قتل کرنے کا حکم دے دیا تو میں اپنی جان کے خوف سے شر چھوڑ کر چلا گیا۔

”فعلتھا اذا وانا من الضالین والمراد بذالك الذاهلین عن معرفة ما یؤول

الیہ من القتل لانه فعل الوکرة علی وجه التادیب“

ضالین کا معنی ہے غافل ہونا، یعنی میں نے یہ کام غفلت میں کیا۔ یہ بات میرے علم میں بھی نہ تھی کہ وہ ایک مکے سے ہی مر جائے گا۔ میں نے مکہ اسے ادب سکھانے کے لئے مارا تھا، قتل کرنے کے



موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اب میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہوں؛ کیونکہ اس نے مجھے حکم عطا فرمایا جسے حکم حاصل ہو اسے علم بھی حاصل ہوتا ہے، جسے علم حاصل ہو اس کی عقل اور رائے کامل ہوتی ہیں۔ علم سے مراد دین ہے جس میں توحید باری تعالیٰ کا علم سب سے اصل ہے..... اور آپ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، یقیناً میرا منصب وہی ہو گا جو سب انبیائے کرام کو حاصل رہا۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ تو مجھے یہ احسان جتلا رہا ہے کہ تو نے میری تربیت کی، حالانکہ تو نے سارے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ مالک پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اپنے غلاموں کی پرورش کرے۔ مالک کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے غلاموں کی تربیت کا انہیں احسان جتلائے۔

پھر یہ کہ تو نے مجھے کون سی نعمتیں اپنی طرف سے دی ہیں؟ مجھ پر مال تو وہی خرچ کیا جو میری قوم سے بحیثیت غلام وصول کیا جاتا رہا۔ پھر تجھے یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ تو نے میرے خاندان کے لاکھوں آدمیوں سے ہر مشکل کام لیا اور ان پر جزیہ مقرر کیا؟ اس خاندان کے ایک بچے کی تربیت کا احسان جتلا نا تجھے زیب نہیں دیتا۔ مجھے پالنے والے بھی تو میرے اپنے لوگ ہی تھے۔ یا میری ماں نے مجھے پالا ہے۔ یا میرے خاندان کے لوگوں نے۔ تم تو مجھے قتل کرنا چاہتے تھے، میری وجہ سے تو تم نے میری قوم کی ہزاروں بچے ذبح کر دیئے، یہ میری تربیت اور مجھے ذبح ہونے سے بچانا تو صرف میرے رب تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہے، ورنہ تیرے احسانوں سے تو تیرے ظلم زیادہ ہیں۔ تیرے مظالم نے تیرے احسان تباہ و برباد کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اب تو کس وجہ سے احسان جتلا رہا ہے؟

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حکم سے کہا:

﴿فَارْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تَعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ☆ إِنَّا قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ☆﴾ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَى ☆ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ



(پ ۱۶ سورت طہ ۴۷، ۵۰)

پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے، اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت، پھر مقصد تخلیق کی طرف ہر چیز کی رہنمائی کی۔

بنی اسرائیل پر مصر میں بڑے بڑے مظالم ہو رہے تھے، انہیں بیگار میں پکڑا جاتا۔ بے زبان چوپایوں کی طرح ان سے دن بھر مشقت کے کام لئے جاتے اور ان سے ہر طرح کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے اپنے دو بندوں کو روانہ فرمایا

مصری لوگ سورج دیوتا کو ”الہ اکبر“ (بڑا خدا) یقین کرتے تھے، اور مصر کے فراعنہ (تمام فرعون) اپنے آپ کو اس سورج دیوتا کا ”اوتار“ کہتے تھے۔ اسی طرح مصریوں کے مذہبی عقیدے کا سہارا لے کر انہوں نے اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رکھی تھیں۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے آپ کو رع (سورج دیوتا) کا مظہر سمجھتا اور..... ﴿اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی﴾ ہونے کی ڈینگیں مارتا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا :

﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ اے فرعون ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں۔ تو وہ چونکا اور بڑبڑایا، ہیں..... میرا بھی کوئی رب ہے؟ سب مصریوں کا رب ہوں، میرا کوئی رب نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ (علیہ السلام) غلط کہہ رہا ہے۔

اس نے پوچھا ذرا اس رب کی حقیقت بتاؤ جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ایک فقرہ کہا اور کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیا فرمایا:



”میرا پروردگار وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفہ حیات اور مقصد تخلیق حسن و خوبی ادا کر سکے، پھر اسے اتنی سوجھ بوجھ بھی عطا کر دی کہ وہ صحیح طور پر ان قوتوں سے کام لے سکے، پرندوں کو پر بٹھے اور پھرا نہیں اڑنے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھا دیا، مچھلی کو ایسا جسم دیا کہ وہ گہرے دریاؤں اور طوفانی سمندروں میں تیر سکے اور ساتھ اس نے تیرنے کا ڈھنگ بھی بتایا، گوشت خورد درندوں کے پنجے اور دانت ایسے بنائے کہ وہ اپنا شکار پکڑ سکیں، اونٹ کی قامت کو بلند کیا تو اس کی گردن بھی لمبی بنادی تاکہ اونچے درختوں کے پتے بھی کھا سکے اور نیچے زمین سے گردن جھکا کر پانی پی سکے۔ صحراؤں میں جہاں پانی کی سطح بہت نیچی ہوتی ہے وہاں جو درخت اگائے ان کی جڑیں اتنی لمبی بنادیں کہ وہ زمین کی تہ سے اپنی خوراک حاصل کر سکیں، ہر خطہ زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات کو وہاں کے مخصوص موسمی تقاضوں کے مطابق لباس بھی دیا اور رزق بھی، پھر اس گلشن ہستی کے گل سرسبز اور بزم حیات کے صدر نشین حضرت انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالئے، آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کی عظمت کا یقین ہو جائے گا۔

علامہ زمخشری ”اعطی کل شئی خلقه“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اعطی کل شئی صورته و شکله الذی یطابق المنفعة المنوطة به“

یعنی ہر چیز کو ایسی شکل و صورت بخشی جو ان فوائد اور منافع کے لئے موزوں و مناسب ہے جن کے لئے اس کی تخلیق ہوئی اور ”ثم هدی“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”ای عرف کیف یرتفق بما اعطی و کیف یتوصل الیه“

یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے۔

(تفسیر کشاف ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن)

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَلَمِينَ﴾ فرعون نے کہا اور سارے جہان کا رب کیا ہے؟

یعنی جس رب العلمین کا تم اپنے آپ کو رسول کہتے ہو، وہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟



جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت بیان کرنا انسانی طاقت سے ماوراء ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسا حکمت بھرا جواب دیا جسے وہ بھی سمجھنے کی کوشش کرتا تو سمجھ جاتا۔

﴿ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴾ ☆

(پ ۱۹ سورت شعراء ۲۴)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں یقین ہو۔

یعنی اگر تم اشیاء کو دلیل سے جاننے کی صلاحیت رکھتے ہو تو ان چیزوں کی پیدائش ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی کافی دلیل ہے۔

خیال رہے کہ ”ایقان“ اس علم کو کہتے ہیں جو استدلال سے حاصل ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان میں ”مُوقِن“ نہیں کہا جاتا۔

﴿ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ ﴾ فرعون نے اپنے آس پاس والوں سے کہا کیا تم غور سے سنتے نہیں؟

اس کے گرد اس وقت اس کی قوم کے بڑے بڑے سردار تھے، وہ لوگ پانچ سو کی تعداد میں زرق برق لباس سے آراستہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے فرعون نے کہا: کیا تم غور سے موسیٰ (علیہ السلام) کی بات نہیں سنتے ہو؟ یہ کہتا ہے زمین و آسمان کو بھی پیدا کرنے والا ہے حالانکہ زمین و آسمان قدیم ہیں، انہیں تو کسی نے پیدا ہی نہیں کیا، ان کے لئے رب تعالیٰ کی کیا حاجت ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر دلیل بدل دی۔ ایسی چیزوں کا ذکر کیا جن کے حادث ہونے یعنی پہلے نہ ہونے پھر فنا ہونے کا وہ بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

﴿ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴾ آپ نے کہا: وہ تمہارا رب تعالیٰ ہے اور تمہارے اگلے آباء و اجداد (باپ دادوں) کا بھی رب ہے۔

﴿ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴾



فرعون نے کہا تمہارے یہ رسول جو وحی تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور عقل نہیں رکھتے۔

فرعون اپنے سوا کسی کو معبود نہ سمجھتا تھا؟ طنز کے طور پر کہا : یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے یعنی یہ خود جو رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، یہ عقل سے دور ہیں؛ کیونکہ فرعون اس شخص کو عقل سے دور سمجھتا تھا جو اسے معبود نہیں مانتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی گفتگو انسان اس وقت کرتا ہے جب دلائل سے عاجز آجائے، لیکن نبی کی عظمت کو دیکھئے ! آپ علیہ السلام اپنے دلائل پھر بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کو مجنون، دیوانہ کہہ رہا ہے لیکن آپ رب تعالیٰ کی ربوبیت کو اپنے دلائل سے بیان فرما رہے ہیں۔

﴿ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ☆

(پ ۱۹ سورت شعراء ۲۸)

آپ علیہ السلام نے فرمایا : وہ تو مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب تعالیٰ ہے اگر تمہیں عقل ہو۔

مشرق سے سورج کو ہر روز طلوع کرنا، مغرب میں غروب کرنا اور سال میں ہر موسم، ہر بہار کا اپنے وقت پہ آنا، بارشیں برسانا، ہواؤں کا چلانا، یہ سب کچھ اس کے نظام قدرت میں ہے۔ کاش کہ تمہیں بھی کچھ سمجھ آجائے۔

فرعون نے آپ کو (معاذ اللہ) صراحتاً مجنون کہہ کر اپنی حماقت کا ثبوت دیا لیکن آپ نے حکمت آمیز جملہ ذکر فرمایا کہ اگر تمہیں عقل ہو، یعنی رب تعالیٰ کی قدرت اس کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہ کرنا تمہاری حماقت پر دلالت کر رہا ہے۔

(از خزائن العرفان پ ۱۹ سورت شعراء ۶)

فرعون کی دھمکی :

﴿ قَالَ لَنْ اتَّخَذَ إِلَهًا غَيْرِي لِأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴾ ☆

(پ ۱۹ سورت شعراء ۲۹)

فرعون نے کہا اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا ٹھہرایا تو میں ضرور تمہیں قید کروں گا۔



فرعون کی قید قتل سے بھی بدتر تھی اس کا جیل خانہ تنگ و تاریک عمیق (گہرا) گڑھا تھا، اس میں اکیلا ڈال دیتا تھا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کچھ نظر آتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں معجزات لے کر آیا ہوں :

﴿ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴾ (ب ۱۹ سورت شعراء، ۳۰)

کہا : میں اگرچہ تمہارے پاس کوئی روشن چیز لاؤں ؟

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری نبوت پر دلالت کر رہے ہیں، کیا تو میری حقانیت کے ظاہر ہونے پر بھی مجھے قید خانہ میں بھیجے گا ؟

﴿ قَالَ فَاتَّبِعْهُ إِنَّ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴾ ﴿ فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴾  
﴿ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظَرِينَ ﴾

(ب ۱۹ سورت شعراء، ۳۱، ۳۲)

فرعون نے کہا تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا جیسی وہ صریح (ظاہر) اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو جیسی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ بہت بڑا اژدہا بن گیا، رنگ اس کا زرد تھا اس کے جسم پر بال تھے، منہ کھولا ہوا تھا۔ اس کی دونوں جبرٹوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو پچیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا۔ اور ایک میل تک بلند ہو گیا۔ اس نے اپنا نیچے والا جبرٹ زمین پر رکھا اور اوپر والا فرعون کے محل کی دیواروں پر، فرعون کی طرف متوجہ ہوا تاکہ اسے پکڑے۔ فرعون نے تخت سے نیچے چھلانگ لگائی اور اس کی ہوا خارج ہونے لگی۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کی چار سو مرتبہ اس دن ہوا نکلی اور مرتے دم تک اسی وجہ سے پیٹ کی بیماری میں مبتلا رہا، اسی حال میں غرق ہو گیا۔

جب اژدہا نے لوگوں کی طرف رخ کیا تو لوگ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنا شروع ہوئے۔ اس بھگدڑ کی وجہ سے پچیس ہزار آدمی ایک دوسرے پر گر کر مر گئے۔ فرعون نے چلانا شروع کیا اور کہنے لگا :



اے موسیٰ علیہ السلام اس کو پکڑو میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب پکڑا تو وہ پھر اپنے حال پر لوٹ آیا یعنی عصا بن گیا۔

(روح المعانی ج ۵ حصہ دوم ص ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا ایک معجزہ دکھا دیا تو فرعون نے کہا کیا اور بھی تم نشانی لائے ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں آپ نے اپنے ہاتھ کو بغل میں لے کر باہر نکالا تو وہ سورج کی شعاعوں کی طرح چمکنے لگا۔

﴿وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظَرِينَ﴾ اور اپنا ہاتھ نکال تو جی بھی وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں جگمگانے لگا۔  
(پ ۱۹ سورت شعراء ۳۳)

﴿قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ﴾ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا کہ بے شک یہ دانا جادوگر ہیں۔  
(پ ۱۹ سورت شعراء ۳۴)

فرعون نے جب اپنے گرد بیٹھے ہوئے سرداروں کو کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں تو انہوں نے بھی فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بطور مشاورت کے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔

﴿قَالَ الْمَلَإِ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ﴾ (پ ۱۹ اعراف ۱۰۹)

فرعون کی قوم کے سرداروں نے یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے

﴿يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ

وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ يَا تَوَكُّ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٌ﴾

(پ ۱۹ سورت شعراء ۳۵، ۳۷)

(فرعون نے اپنے قوم کے سرداروں کو کہا) چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال

دیں اپنے جادو کے زور سے تب تمہارا کیا مشورہ ہے؟ وہ بولے انہیں اور ان کے بھائی کو

ٹھہرائے رہو اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیجو کہ وہ تیرے پاس بڑے بڑے دانا جادو

گروں کو لے آئیں۔



فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کے لئے کہا :

﴿ قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَمُوسَىٰ ۖ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ  
فَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۖ قَالَ  
مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخَشِرَ النَّاسُ ضُحًى ۖ ﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۵۷، ۵۹)

فرعون نے کہا : کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو؟ اے موسیٰ (علیہ السلام) تو ضرور ہم بھی تیرے آگے ویسا ہی جادو اائیں گے ، تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرا دو جس سے نہ ہم بدلیں گے نہ تم۔ (جہاں مقابلہ ہو گا وہ) ہموار جگہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا : تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔

فرعون نے کہا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو ؟ ہم بھی اپنے جادو گر بلاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے ؛ لہذا تم ہمارے ساتھ ایک دن اور ایک جگہ مقرر کر لو تا کہ اس دن مقابلہ ہو ، وعدہ پر دونوں فریق قائم رہیں ، کوئی بھی اپنے وعدے سے نہ پھرے ۔ ایسی جگہ کا انتخاب کرنا جو ہموار میدان ہو ، اس میں نشیب و فراز نہ ہو تا کہ سب لوگ یہ مقابلہ دیکھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے تم اپنے میلے کا دن مقرر کر لو اس لئے کہ تمہارے تمام لوگ اس دن فارغ ہو کر ایک جگہ عیش و عشرت کے لئے جمع ہوتے ہیں اس طرح تمام لوگ اس مقابلہ کو آسانی سے دیکھ سکیں گے اور تمام لوگوں کو دن چڑھے جمع ہونا چاہیے۔

جادو گروں کا آجانا :

﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ۖ  
لَعَلَّنَا نَتَّبِعَ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ  
إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۖ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۖ ﴾

(پ ۱۹ سورت شعراء ۳۸، ۴۲)



تو جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے شاید ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں اگر یہ غالب آجائیں پھر جب جادوگر آئے فرعون سے بولے کیا ہمیں کچھ مزدوری ملے گی اگر ہم غالب آئے اس نے کہا ہاں اس وقت تم میرے مقرب ہو جاؤ گے۔

جادوگر میلے کے دن آگئے، لوگوں کو بھی کہہ دیا گیا کہ سب لوگ ضرور جمع ہونا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ ہمارے جادوگر ہی غالب آئیں گے ہم ان کے دین پر قائم رہیں گے، اگرچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دین پر آنا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن لوگوں کو مائل کرنے کے لئے انداز ایسا رکھا کہ جس کلام میں شک ہو کہ شاید ہم ان جادوگروں کی ہی تابعداری کریں گے اگر یہ غالب آگئے۔

جادوگر جب فرعون کے دربار میں آئے تو انہوں نے شاہی دربار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں بہت بڑا معاوضہ ملے گا جو بادشاہ کی شان کے لائق ہو؟ فرعون نے کہا ہاں! میں تمہیں اپنا مقرب بنالوں گا۔ بادشاہ جن کو اپنا قریبی بنا لیتے ہیں ان پر قومی خزانوں کا تو منہ کھول دیا جاتا ہے وہ انعام کا سن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

(از روح المعانی)

## موسیٰ علیہ السلام کی جادوگروں کو تبلیغ :

﴿ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيَلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ ☆ فَتَنَّا زَعُورًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ☆ قَالُوا إِنَّ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ☆ فَاجْمَعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اتُّوْا صَفًّا وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَىٰ ﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۶۱، ۶۲)

ان سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہیں خرافاتی ہوا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو، کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا، اور وہ اپنے



معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے اور چھپ کر مشورہ کرنے لگے، بولے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین لے جائیں، تو اپنے داؤ کو پکا کر لو، (تمام میلے میں مل کر جمع کر لو) پھر سب صف باندھے آجاؤ، آج وہی کامیاب ہوگا جو اس مقابلہ میں کامیاب رہا۔

یہاں سے یہ بیان کیا جا رہا ہے فرعون نے جب جادوگروں کو جمع کر لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے ہونے پر کیا کیا؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

”قال لهم بطريق النصيحة“ آپ نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا

کہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے معجزات عطا فرمائے ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ میں یہ جادو کر رہا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے، اس سے تو تمہاری بربادی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب سے تباہ کر دے گا۔ جس عذاب کو ٹالنے کی تمہیں کوئی قدرت حاصل نہیں ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت پر.....

”فتنازعوا ای السحرة حين سمعوا كلامه عليه الصلوة و السلام كان ذلك غاظهم فتنازعوا“

یعنی آپ کے کلام کو سن کر جادوگر غیظ و غضب میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے اور بحث کرنے لگے کہ کیسے اسے جواب دیا جائے؟ اور یہ مشورہ ان کا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے چھپ کر تھا کہ وہ اس پر واقف نہ ہو جائیں۔ آخر کار ان کو اسی پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، یہ تو ہمیں اس زمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان سے سر توڑ مقابلہ کرنا چاہیے اپنے اپنے داؤ اس کے سامنے لا کر اسے عاجز کرنا چاہیے، کامیابی پر ہمیں غلبہ حاصل ہوگا۔

(تفسیر ابو سعود)

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ :

﴿قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ﴾ ☆ قَالَ الْقَوَا فَلَمَّا



اَلْقُوا سَحَرُوكَا اَعْيَنَ النَّاسِ وَاَسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيْمٍ ☆

(ب ۹ سورت اعراف ۱۱۵، ۱۱۶)

انہوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ (اپنا عصا) ڈالیں یا ہم (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈالنے والے ہیں، آپ علیہ السلام نے کہا: تم ڈالو، جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا، اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے انہیں تبلیغ کی کہ تم غلط راہ پر ہو اپنی بربادی نہ تلاش کرو، لیکن جادو گر جب باز نہ آئے، مقابلہ پر ہی ان کا اتفاق ہوا اور انہوں نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو کہ اب ذرا سامنے آ جاؤ یا پہلے تم اپنا عصا ڈالو یا ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ نے انہیں کہا کہ ٹھیک ہے پہلے تم ہی ڈال دو۔

یاد رہے کہ جادو گروں کو موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا: ”پہلے تم ڈالو“ یہ جادو کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ ان کی ضد پر انہیں پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالنے کی اجازت دی، ذکر کردہ بحث سے وہ اعتراض مندرج ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو جادو کرنے کی اجازت دی، حالانکہ جادو کرنا کفر ہے۔ کفر کی اجازت دینا بھی کفر ہے تو آپ نے کیسے اجازت دی؟ اس کا جواب واضح ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام نے انہیں جادو سے روکا اور یہ بتایا کہ یہ باعث عذاب ہے۔ لیکن جب وہ جادو کرنے پر بضد تھے تو آپ نے کہا ٹھیک ہے اگر اپنے کفر کی وجہ سے میرے معجزے سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو کر لو، تاکہ حق اور باطل میں فرق واضح ہو جائے۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو لوگوں کی آنکھوں پر اثر کر دیا کہ وہ صحیح دیکھنے سمجھنے کے قابل نہ رہیں، اس سے واضح ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلا جاسکتا یہ صرف ایک بناوٹ ہوتی ہے۔

”لو کان السحر حقاً لکانوا قد سحر واقلوبہم لا اعینہم“

اگر جادو حق ہوتا یعنی اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ ذکر کیا جاتا کہ ان کے دلوں پر جادو کر دیا یہ نہ کہا جاتا کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

بعض روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے رسیوں اور لاٹھیوں پر پارہ چڑھا دیا تھا، پھر دھوپ میں رکھنے کی وجہ سے ان میں حرکت پیدا ہو گئی، لوگوں نے سمجھا کہ یہ اپنے اختیار سے حرکت کر رہی ہیں،



ان کی حرکت کو دیکھ کر لوگ ڈر گئے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈرانے لگے کہ بچ جاؤ یہ تو سانپ بن گئے ہیں۔ کیونکہ کثیر مقدار میں تو خود جادو کرتے، اور پھر ہر ایک کے ہاتھ میں کتنی کتنی لاٹھیاں اور رسیاں تھیں۔ اس طرح اس میدان میں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگ گئے۔

(تفسیر کبیر)

﴿فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۚ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۚ﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۶۷، ۶۸)

تو اپنے نفس میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف پایا ہم نے فرمایا: ڈر نہیں بے شک تو ہی غالب ہے

موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو بلا خوف و خطر تبلیغ فرمائی کہ بے شک تم اپنے جادو گروں کو بلالو تو ڈرنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے جبکہ.....

”قد علم موسیٰ علیہ السلام انہم لا یصلون الیہ وان اللہ ناصرہ“

موسیٰ علیہ السلام کو یقینی طور پر علم حاصل تھا کہ یہ جادو گر اور ان کے بنائے ہوئے سانپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ میرا ناصر ہے آپ کو ڈر اس چیز کا محسوس ہوا۔

”انه خاف ان تدخل علی الناس شبهة فیما یرونہ فیظنوا انہم قد ساووا

موسیٰ علیہ السلام و یشتبہ ذالک علیہم“

کہ لوگ کہیں جادو گروں کے جادو کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ لوگ بھی موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہی ہیں، لوگوں پر کہیں جادو اور معجزہ میں فرق کرنا مشکل نہ ہو جائے۔ جو اصل مقصد ہے کہ لوگوں پر معجزہ کا غلبہ واضح ہو جائے وہ فوت نہ ہو جائے پس صرف اسی بات کا خوف تھا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام ڈریے نہیں بے شک آپ کو ہی غلبہ حاصل ہو گا یعنی جادو گر خود ہی اپنی شکست کا جب اعتراف کر لیں گے اور آپ کی حقانیت تسلیم کر لیں گے تو مقصد پورا ہو جائے گا۔

(ماخوذ از کبیر)

﴿وَاَوْحٰیْنَا اِلٰی مُّوسٰی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنُ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ



وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ☆ فَعْلَبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَغِيرِينَ ☆ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ  
سُجْدِينَ ☆ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ☆ ﴿

(۹ سورۃ اعراف ۱۱۷-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال، تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نکلنے لگا،  
تو حق ثابت ہوا اور ان کا کام باطل ہوا، تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹے اور جادو  
گر سجدے میں گرادیئے گئے، بولے ہم ایمان لائے جہاں کے رب پر جو رب ہے موسیٰ  
علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا۔

وحی کرنے سے مراد حقیقی وحی بھی ہو سکتی ہے اور الہام بھی، یعنی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کے  
دل میں القاء کر دیا گیا ہو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، وہ ان کے جادو سے بنائے ہوئے سانپوں کو نکل جائے گا  
جب آپ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا اثر دھا بن گیا اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے منہ کے درمیان اسی  
ذراع (ایک سوئس فٹ) کا فاصلہ تھا اور اس نے ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نکل لیا، حالانکہ وہ تین  
سو اونٹوں پر لاد کر لائے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا ہو گیا۔  
جادو گروں کی رسیاں اور لاٹھیاں معدوم ہو گئیں۔ یعنی ایسے باقی نہ رہیں جیسے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

بعض جادو گروں نے دوسرے جادو گروں کو کہا کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا کیونکہ جادو میں ایک چیز کی  
حقیقت نہیں بدلتی صرف دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر اثر ہوتا ہے، اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور  
لاٹھیوں کو نہ نکل لیتا۔

”فاستدلوا به علی ان موسیٰ علیہ السلام نبی صادق من عند اللہ تعالیٰ“

اس سے انہوں نے دلیل پکڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

(تفسیر کبیر)

**فائدہ:** واضح ہوا کہ علم کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے جادو کا علم میں کامل  
درجہ رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی انتہاء کہاں ہے؟ جب وہ اپنے فن کا  
اعلیٰ درجے کا علم رکھتے تھے تو.....



”وجدوا معجزة موسى عليه السلام خارجة عن حد السحر علموا انه من المعجزات الالهية لا من جنس التمويهات البشرية“

انہیں معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو کی حد سے خارج ہے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزات سے ہے، انسانی بناوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ نہ رکھتے ہوتے تو وہ معجزہ اور جادو میں فرق نہ کر پاتے، بلکہ کہتے کہ وہ شخص جادو کے علم میں ہم سے زیادہ ہے، اسی لئے ہم اس سے عاجز آ گئے ہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جادو کے علم میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اسی کامل علم کی وجہ سے وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہوئے۔

”فاذا كان حال علم السحر كذا لك فما ظنك بكمال حال الانسان في علم التوحيد“

جب جادو کے علم سے ان کو اتنا فائدہ حاصل ہو گیا تو اے انسان ذرا غور کر کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم حاصل ہو تو اس میں کتنا ہی کمال ہو گا؟

(کبیر)

جب جادو گروں پر موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کھل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے بے اختیار سجدہ میں گر گئے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا کی ہے کہ ہمیں پتہ چل گیا یہ معجزہ ہے جادو نہیں، پھر انہوں نے کہا رب العالمین پر ہمارا ایمان ہے۔

خیال رہے کہ صرف رب تعالیٰ پر ایمان لانے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب نبی پر ایمان لائے، کیونکہ نبی پر ایمان لانے سے تمام ایمانیات پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے اسی لئے انہوں نے پھر کہا کہ ہمارا ایمان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب تعالیٰ پر ہے یعنی انہیں اسی نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

**فائدہ جلیلہ:** جادو گروں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کہا :

﴿يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ﴾

اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالنے والے ہیں۔



انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا اور اپنا ذکر بعد میں کیا :

” ان القوم راعوا حسن الادب حیث قدموا موسیٰ علیہ السلام فی الذکر  
وقال اهل التصوف انهم لما راعوا الادب لاجرم رزقهم اللہ تعالیٰ الایمان  
ببرکۃ رعاۃ هذا الادب “

بے شک جادوگر قوم نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کر کے آپ کے ادب و احترام کی اچھے طریقے سے پاسداری کی ، صوفیائے کرام نے فرمایا ہے : کہ اسی ادب و احترام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی نعمت سے سرفراز کیا ۔

(تفسیر کبیر)

سبحان اللہ ! کیا شان ہے انبیائے کرام کی ، کہ ان کے ادب و احترام سے کافروں کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گستاخی کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے والے بھی مردود ہو جاتے ہیں ۔

**تنبیہ :** اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اس زمانے میں جادوگر کثیر تعداد میں تھے ، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس سے آپ نے جادوگروں کا مقابلہ کیا اور ان کو عاجز کر دیا ، تمام انبیائے کرام کو ان کے زمانے کے مطابق معجزات عطا کئے گئے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (حکمت) کا زور تھا آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطاء ہوئے کہ تمام اطباء (حکماء) ان سے عاجز رہے ؛ کیونکہ آپ کو مردوں کا زندہ کرنا ، مادر زاد اندھے کو نظر عطا کرنا ، برص والے کو درست کرنے کے معجزات عطاء ہوئے ، جو کسی طبیب کی طاقت میں یہ نہ تھا کہ ایسا کر سکے ، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں فصاحت کا زور تھا ، بڑے بڑے شعراء ایک ایک طرح و مصرعہ پر قصائد لکھ دیتے تھے ، لیکن آپ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جو آپ کا عظیم معجزہ ہے تو وہ تمام عاجز آ گئے ، کسی ایک کو جرأت نہ ہو سکی کہ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورۃ کا مقابلہ کر سکے جبکہ قرآن پاک نے انہیں بار بار چیلنج بھی کیا ۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

**نتیجہ حاصل ہوا :** فرعون ..... جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا ، کہتا تھا : ﴿ انا ربکم الاعلیٰ ﴾ میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں اس ..... کے متعلق تمام لوگوں کو پتہ چل گیا کہ وہ ذلیل ، عاجز ، گھٹیا



انسان ہے۔

”والا لما احتاج الى الاستعانة بالسحرة في دفع موسى عليه السلام“

ورنہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے دفاع میں جادو گروں سے امداد طلب نہ کرتا۔

اگر خدا ہوتا تو خود ہی صرف ”کن“ سے کام تمام کر دیتا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جادو گر کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتے، اگر وہ کسی چیز کی حقیقت کو بدل سکتے تو فرعون کو یہ نہ کہتے کہ ”اگر ہم غالب آگئے تو کیا تو ہمیں اجرت دے گا“؟ بلکہ وہ خود ہی مٹی سے سونا بنا لیتے۔ بلکہ وہ اپنے جادو کے ذریعے فرعون کی بادشاہی پر قبضہ کر لیتے یا کسی اور ملک کی بادشاہی حاصل کر کے بہت بڑے رئیس بن جاتے۔ انسانوں کو ان آیات سے متنبہ کیا گیا کہ تم باطل اور جھوٹے اقوال اور شعبہ بازی کے افعال سے فریب نہ کھا جانا، بلکہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

فرعون کی جادو گروں کو دھمکی :

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ إِنَّ هَذَا لَمَكْرٌ مَكْرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ  
لَتُخْرِجُونَهَا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ☆ لَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ  
خِلَافٍ ثُمَّ لَا صَلْبَنَكُمْ أَجْمَعِينَ ﴾

(ب ۹ سورۃ اعراف ۱۲۳، ۱۲۴)

فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا یہ تو بڑا  
مکر ہے جو تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو، تو اب جان جاؤ  
گے قسم ہے کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر  
تم سب کو سولی دوں گا۔

جب فرعون نے دیکھا کہ جادو گروں نے تمام مخلوق کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو  
تسلیم کر لیا ہے اسے خوف ہوا کہ تمام لوگ آپ پر ایمان نہ لے آئیں، اس نے دو قسم کے شبہات ڈال کر  
قوم کو ایمان لانے سے منع کرنے کی کوشش کی، ایک تو اس نے یہ کہا: کہ ان لوگوں کا ایمان لانا اس وجہ



سے نہیں کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو دیکھا ہے بلکہ انہوں نے پہلے سے موسیٰ علیہ السلام سے ساز باز کر رکھی تھی کہ ہم تمہاری نبوت کا اقرار کر لیں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر تم پر ایمان لائیں گے۔

دوسری بات اس نے یہ کہی کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا اتفاقی مشورہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے شہروں سے باہر نکال دیں اور خود اس ملک پر قابض ہو جائیں۔ وطن سے لوگوں کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اس لئے وہ ان لوگوں کو ایمان سے دور رکھنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ اس کے دونوں شبہات کی کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن قوم بھی توبہ سمجھ ہی تھی۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

### نو مسلموں کا فرعون کو جواب :

﴿قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ☆ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ☆ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ☆ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ☆ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى﴾

(ب ۱۶ سورت طہ ۷۲، ۷۶)

انہوں نے کہا ہم ہر گز تجھے ترجیح نہیں دیں گے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں، ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو کر لے جو تجھے کرنا ہے، تو اس دنیا ہی کی زندگی میں تو کرے گا۔ بیشک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ بے شک جو اپنے رب تعالیٰ کے حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے اور نہ جیئے، اور جو اس کے حضور ایمان کیساتھ آئے کہ اچھے کام کیئے ہوں انہی کے درجے اونچے بننے کے باغ، جن کے نیچے جاری نہریں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ان میں



رہیں گے۔ اور یہ صلہ اس کا ہے جو پاک ہوا۔

فرعون کی دھمکی کو انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں رد کر دیا اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا؛ کیونکہ انہیں کامل یقین اور مکمل بصیرت حاصل ہو چکی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں، انہوں نے فرعون کو کہا کہ تمہارے فیصلہ کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے جو فانی ہے اور ہمارا مطلوب اخروی زندگی کی سعادت حاصل کرنا ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ اور عقل کا تقاضہ ہے کہ ان فانی نقصانات کو برداشت کر لیا جائے جو باقی رہنے والی سعادت تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں۔

﴿قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ☆ وَمَا نَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّفْنَا مُسْلِمِينَ ☆﴾

(پ ۹ سورت اعراف ۱۲۵، ۱۲۶)

انہوں نے کہا ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا، یہی نہ کہ ہم اپنے رب کی طرف نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے رب ہمارے! ہم پر صبر انڈیل دے (ہمیں صبر عطا کر) اور ہمیں مسلمان اٹھا۔

انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم مرعوب ہونے والے، ڈرنے والے نہیں؛ کیونکہ ہم تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنے والے یعنی اس پر ایمان لانے والے ہیں۔ اے بے عقل، خدائی کے دعوے دار! تو کس چیز کو برا سمجھ رہا ہے؟ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آگئیں ہم ان کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بس یہی چیز تجھے ناپسند آئی۔

پھر انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی، کہ اے اللہ تعالیٰ! اگرچہ تو نے ہمیں سیدھی راہ پر قائم کر دیا اور فرعون کی دھمکیوں کے مقابل صبر عطا کر دیا ہے، لیکن یہ نعمت ہمارے پاس قائم اسی وقت رہ سکتی ہے جب تیرا فضل ہمیں شامل حال رہے۔ انہوں نے عرض کیا:

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ اے ہمارے رب ہمیں کامل صبر عطا کر۔

”افراغ الإناء“ اس وقت کہا جاتا ہے جب برتن کو انڈیل کر اس میں موجود چیز کو کامل طریقہ



سے بہادیا جائے، گویا انہوں نے کامل صبر طلب کیا، کہ اللہ صبر ہم پر انڈیل دے۔ اور لفظ ”صبرا“ نکرہ ذکر کیا جس میں تنوین تعظیم پر دلالت کر رہی ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عظیم صبر کی دعاء کی۔ ان کی دعاء کو رب تعالیٰ نے قبول فرمایا اور انہیں وہ عظیم صبر عطاء فرمایا جس کی بدولت انہیں شہادت جیسا عظیم مرتبہ نصیب ہوا۔

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فعل ذالک و قطع ایدیہم و ارجلہم من خلاف و هذا هو الاظهر مبالغۃ منه فی تحذیر القوم عن قبول دین موسیٰ علیہ السلام“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون نے اپنی دھمکی پر عمل کر دکھایا وہ جادوگر جنہوں نے ایمان قبول کر لیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور انہیں شہید کروا دیا گیا، یہی قول زیادہ واضح ہے کیونکہ فرعون نے اپنا رعب جمانے اور قوم کو موسیٰ علیہ السلام کا دین قبول کرنے سے روکنے اور ڈرانے میں مبالغہ ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا۔

فرعون کو قوم کے سرداروں کا ڈرانا :

﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَالْهَتَكَ قَالَ سَنَقْتِلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ﴾

(پ ۹ سورت اعراف ۱۲۷)

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں؟ اور تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ فرعون نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے۔ اور بیشک ان پر غالب ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے مقابلہ کرانے کے بعد فرعون نے آپ علیہ السلام کو کچھ نہ کہا نہ گرفتار کیا اور نہ ہی اور کسی قسم کی سزا دی بلکہ آپ کو آزاد چھوڑ دیا۔



”واعلم ان فرعون کان کلما رأى موسى خافه اشد الخوف فلهذا السبب  
لم يتعرض له“

یقین کیجئے بیشک فرعون نے جب بھی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اس پر آپ کا شدید رعب  
طاری ہوا وہ آپ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا ، یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ علیہ السلام کا  
راستہ کھلا چھوڑ دیا تھا ۔

فرعون کی قوم کے سرداروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون تو موسیٰ علیہ السلام سے ڈرتے ہوئے  
آپ کو آزاد رکھے ہوئے ہے ، انہوں نے کہا : کہ اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو اسی طرح  
آزادی دیئے رکھی کہ وہ اپنی تبلیغ کرتے رہے تو تمہیں اور تمہارے خداؤں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔  
ایک قول زجاج کا یہ بھی ہے۔

”ایکون منك ان تذر موسى وان يذرك موسى“

تم نے اگر موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح آزادی دیئے رکھی ، اس کا راستہ کھلا چھوڑے رکھا تو  
موسیٰ علیہ السلام تم سے اور تمہارے معبودوں سے دور رہے گا۔

خیال رہے کہ فرعون اگرچہ خود بھی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا لیکن اس نے لوگوں کو بتوں کی عبادت کی  
اجازت دے رکھی تھی ، یہی مفہوم ہے ”الہتک“ کا ، کہ تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں گے ۔

”قيل ان فرعون كان قد وضع لقومه اصناما صغارا وامرهم بعبادتها وقال

انا ربكم الاعلى ورب هذه الاصنام قال الحسن كان فرعون يعبد الاصنام“

کہا گیا کہ فرعون نے اپنی قوم کے لئے چھوٹے چھوٹے بت بنا رکھے تھے وہ انہیں بتوں کی  
عبادت کا حکم دیتا تھا اور کہتا تھا میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں اور ان بتوں کا بھی میں رب  
ہوں حضرت حسن کا قول ہے کہ فرعون خود بھی بتوں کی عبادت کرتا تھا قوم کا مقصد یہ تھا  
کہ موسیٰ علیہ السلام کو قید کر لیا جائے اور سخت ترین سزا دی جائے ۔

”فعند هذا لم يذكر فرعون ما هو حقيقة الحال وهو كونه خائفا من موسى

عليه السلام“



قوم کے اس مطالبہ پر فرعون نے حقیقت حال کو ان پر واضح نہ کیا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام سے شدید خوف لاحق ہو چکا ہے۔

البتہ یہ کہنے لگا کہ ہم بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے، اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معاون مرد نہیں رہیں گے، اور ان کی قوم کی نسل ختم ہو جائے گی، یہ کام کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں کیونکہ ان پر غلبہ حاصل ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

بنی اسرائیل کا ڈرنا اور موسیٰ علیہ السلام کا تسلی دینا:

﴿قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ☆ قَالُوا أَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ تَأْتِنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾

(پ ۹ سورت اعراف ۱۲۸، ۱۲۹)

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو اور صبر کرو، بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے۔ اور آخر میدان پر ہیزگاروں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے کہا: کہ ہم ستائے گئے ہیں آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد۔ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: قریب ہے کہ تمہارا رب دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ زمین کا مالک تمہیں بنائے، پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو۔

قوم نے جب سنا کہ فرعون نے ہمارے بچوں کو ذبح کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے تو بہت زیادہ پریشان ہوئے، ان پر بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہوئی، کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں آپ کے تشریف لانے سے پہلے بہت ستایا گیا، جزیہ ہم سے وصول کیا گیا اور ہر مشکل کام اور ہر حقیر کام ہم سے لیا جاتا رہا کسی قسم کی نعمت آسائش ہم تک نہیں پہنچنے دی گئی۔ ہمارے بچوں کو ذبح کر لیا گیا۔ ہماری لڑکیوں کو زندہ چھوڑا گیا۔ اے موسیٰ علیہ السلام اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے کیا اب بھی ہمیں



پہلے کی طرح ہی ستایا جائے گا؟ یاد رہے کہ ان کا یہ سوال حقیقت حال جاننے کے لئے تھا، کوئی اعتراض نہ تھا اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ناراضگی کا اظہار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے دو چیزوں کا حکم دیا، اور دو چیزوں کی بشارت دی۔ آپ علیہ السلام نے ایک حکم یہ دیا۔

”استعینوا باللہ“ اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرو اور دوسرا حکم آپ نے یہ دیا ”واصبروا“ صبر کرو۔ پہلے آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور جہان میں مدبر (تمام امور کی تدبیر فرمانے والا) نہیں تو اس کا سینہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے کھل جاتا ہے۔ اور اس پر تمام قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا مشاہدہ کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام قسم کی مصیبتیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دو بشارتیں دیں ان میں سے ایک یہ ہے :

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

بیشک زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مالک بنائے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ تسلی دیتے ہوئے یہ خوشخبری دی کہ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا اور تمہیں اس زمین کا مالک بنادے گا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدے پر ایمان رکھتے ہوئے خوش ہو جائیں اور فرعون کی دھمکیوں کے خطرہ کو دل سے نکال دیں۔

دوسری بشارت آپ علیہ السلام نے یہ دی۔

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ اور آخر میدان پر ہیزگاروں کے ہاتھ ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کتنا پیارا ترجمہ فرمایا ! اس کی تفسیر میں علامہ رازی فرماتے ہیں :

”فقيل المراد امر الآخرة فقط وقيل المراد امر الدنيا فقط وهو الفتح“



والظفر والنصر علی الاعداء و قیل المراد مجموع الامین  
بعض حضرات نے کہا اس سے مراد صرف آخرت کی کامیابی ہے، یعنی متقین کا آخر میں  
انجام اچھا ہوگا، بھٹوں نے کہا مراد اس سے صرف دنیا کی کامیابی و کامرانی اور دشمن پر ان  
کو امداد حاصل ہونا اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد دین اور دنیا کی کامیابی ہے۔  
زیادہ بہتر یہ آخری معنی ہے کیونکہ ”للمتقین“ کی تفسیر میں علامہ رازی فرماتے ہیں :

”اشارة الى ان كل من اتقى الله تعالى وخافه فالله يعينه في الدنيا والاخرة“  
اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور خوف رکھتا ہے اللہ تعالیٰ  
اس کی دنیا اور آخرت میں امداد فرماتا ہے۔

یعنی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا میدان پر ہیزگار لوگوں کو ہی حاصل رہے گا۔

## فرعون کی قوم کا مشورہ :

﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا  
نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴾ ☆

(پ ۲۴ سورت مومن ۲۵)

پھر جب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں  
نے کہا قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی  
لڑکیوں کو اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مکر ایگاں۔

جب موسیٰ علیہ السلام دین حق لے کر ان کے پاس آئے اور اپنی صداقت اور اپنے دین کی حقانیت  
کو براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا تو وہ لوگ دلائل و براہین کے میدان میں زچ ہو گئے اور  
جھوٹے الزامات پر اتر آئے اور بہتان تراشی کا شیوہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہنا شروع کر  
دیا۔ اس سے بھی جب بات نہ بنی تو تشدد پر اتر آئے۔ یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی کی  
جائے، بچے مار ڈالے جائیں، لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کی عددی قوت  
ختم ہو جائے گی اور وہ کسی طرح ہمارے لئے خطرہ کا باعث نہ بنے گی، لیکن ان کی یہ سازش ناکام ہو گئی۔



کیا پیارے الفاظ ہیں : ﴿وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

یعنی انہوں نے یہ منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کو کمزور کرنے کے لئے اور آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لئے سوچا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال سیدھی راہ سے بہک گئی اس لئے مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

(از ضیاء القرآن)

## فرعون کا شیخی مارنا :

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ﴾ ☆

(پ ۲۴ سورت مومن ۲۶)

اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کے لئے) مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلادے ملک میں۔

فرعون شیخی بگھارتے ہوئے کہتا ہے کہ اے اعیان مملکت! اگر مجھے کچھ نہ کہو میں چشم زدن میں موسیٰ علیہ السلام کا کام تمام کر دوں، مجھے تو تمہاری رائے کا پاس ہے اور میں اسے کچھ نہیں کہتا گویا کہ موسیٰ علیہ السلام پر امرائے حکومت کی پاسداری کی وجہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا گیا، حالانکہ فرعون دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے زیادتی کی تو کہیں موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا اڑدھا بن کر اسے نکل نہ جائے اپنی رعایا کو اپنی پالیسی کے بارے میں مطمئن کرنے کے لئے فرعون نے دو خطروں کو ذکر کیا۔

پہلی بات تو یہ بتائی کہ اگر تم نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کی تو یہ تمہارے عقائد کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔

دوسری یہ بات ہے کہ اب تو تم بڑے امن و سکون اور خیر و عافیت سے زندگی بسر کر رہے ہو نہ بیرونی حملے کا خطرہ ہے اور نہ اندرون ملک کوئی شور برپا کر سکتا ہے اور اگر بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں کو پذیرائی حاصل ہو گئی تو یاد رکھو بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پسماندہ اور مفلوک الحال



لوگ تمہاری بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملک بھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔  
عقلمندی اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابھرتے ہوئے خطرہ کا آج ہی مکمل طور پر انسداد کر دیا جائے

حقیقت میں اس کی ذات اور اس کا تختِ شاہی خطرے سے دوچار تھا، وہ صرف مصریوں کا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ان کا خدا بھی تھا، اس نے سوچا اگر موسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو لوگ اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیں گے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کو قبول کریں گے۔ نیز اس ظلم و ستم کی پھر اس حاکم قوم کو اجازت نہ ہوگی۔

در اصل دعوت موسوی سے اس کی ذات کو خطرہ لاحق تھا، عصائے موسوی کی ہیبت سے اس کا تخت کانپ اٹھا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اپنی قوم کو رضامند کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی ذات اور اس کا اقتدار سلامت رہے، لیکن ایک چالاک اور شاطر سیاست دان کی طرح ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ اقدامات قوم کے مذہب کی سلامتی اور ملک میں امن و امان پر قرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

صد ہا سال پہلے فرعون نے جو چال چلی، ”فرعونی سیاست کے پیروکار“ آج بھی حرفِ برف اس کی تقلید کر رہے ہیں جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ان کی دھاندلیوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان عقل کے اندھوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خامیوں کی اصلاح کر لیں، جو روستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ قانون کی فرمانروائی محال کریں، الٹا وہ لٹھ لے کر ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، ان کو فساد، اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

(ضیاء القرآن)

موسیٰ علیہ السلام کا جواب :

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾ ☆

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر

اس متکبر (کے شر) سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔



موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپ گھبرائے نہیں، پریشان نہیں ہوئے، بلکہ آپ کی زبان سے وہی جملہ نکلا جو موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ رسول کے شایان شان تھا، فرمایا: مجھے اکیلا نہ سمجھو! مجھے اس رب ذوالجلال کی پناہ اور حمایت حاصل ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ تم لاکھ اس کی بندگی کا رشتہ توڑنا چاہو، تم فرعون کو اپنا خدا سمجھتے ہو، تم حقیقت کو بدل نہیں سکتے، بندے پھر بھی تم اسی رب تعالیٰ کے ہو، جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے ہر متکبر اور سرکش کے شر سے اس کے دامن رحمت میں پناہ لی ہوئی ہے، تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

(ضیاء القرآن) س

ایمان چھپانے والے شخص نے کہا:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ☆ يَقُومُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ ، فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾

(ب ۲۴ سورت مومن ۲۸، ۲۹)

اور کہنے لگا ایک مرد مومن، جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو، کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے (اسے اپنے حال پر چھوڑ دو)، اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی، اور اگر وہ سچا ہوا (اور تم نے اس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں وہ عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو، اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے، (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں، (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون چائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے؟ اگر وہ ہم پر آجائے گا۔ (یہ سن کر فرعون) کہنے لگا: میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس



کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف۔

”قبطی“ قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا، لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا، اس نے جب سنا کہ فرعون اپنے حواریوں سے مل کر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس نے ان کو اس ارادہ سے باز آنے کی تلقین شروع کی، پہلے تو انہیں جھڑکا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے درپے آزار کیوں ہو؟ اس نے تمہارا کیا جرم کیا ہے؟ اس نے کون سی قانون شکنی کی ہے؟ محض اس لئے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے؟ اور اس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کر دی ہے، تمہارا معاشرہ تو بڑا ترقی یافتہ ہے، تم اس کے ذاتی عقیدہ میں کیوں خل دیتے ہو؟ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا، ہمیں اپنے ہاتھ اس کے لہو سے سرخ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آج کل ہم بڑی عزت و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں حکومت ہماری ہے، ہمارے اشارے ابرو پر لوگوں کی قسمیں بدلتی ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے فرمان سے سر تانی کرے، دولت، سامان عیش و عشرت کی فراوانی ہے، ہم اس حالت کو بد لانا نہیں چاہتے، ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ حالات برقرار رہیں۔

اگر موسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو خدا ”مسرف کذاب“ (حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹ بولنے والا) سے خود نیٹ لے گا اور اگر وہ سچا ہے اور ہم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھو خدا کا غضب جوش میں آئے گا اور عیش و عشرت کی یہ بساط الٹ کر رکھ دی جائے گی، اس لئے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو نہ چھیڑیں۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور مفروضہ خطرات سے حواس باختم ہو کر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں کہ خدا کے عذاب میں یوں گرفتار ہو جائیں کہ بچ نکلنے کی پھر کوئی صورت نہ رہے۔

اس کے جواب میں فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے میرے نزدیک



وہ درست ہے اور میں تمہیں اس راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود آج کل کے فرعونوں کی طرح تنگ مزاج اور کم ظرف نہیں تھا کہ ادھر کسی نے مخالف رائے دی جھٹ وہ غدار اور گردن زدنی قرار دے دیا گیا بلکہ وہ اختلاف رائے کو بڑے تحمل سے برداشت کرتا تھا۔

﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ يَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ☆ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ☆﴾

(پ ۲۴ سورت مؤمن ۳۰، ۳۱)

اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آجائے، جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا۔ اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔

اس مرد مومن نے جب دیکھا کہ اس کی پند و موعظت اثر انگیز نہیں ہو رہی تو اس نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور گزشتہ زمانوں میں اپنی بد اعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کیا اور فرمایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

اور اس نے کہا مجھے پکار کے دن کا تم پر ڈر ہے، یعنی اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ذرا سا زلزلہ آجائے یا کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو اتنا شور و غل مچتا ہے کہ کانوں پر پی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب لوگ یکایک قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے، قدموں کے نیچے زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہوگی، اوپر سے سورج کی کرنیں آگ برسا رہی ہوں گی، سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، چاروں طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا۔ اس سراپا سیمگی کے عالم میں شور و غل کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس دن کو ”یوم التناد“ یعنی ایک دوسرے کو پکارنے کا دن کہہ دیا۔

﴿يَوْمَ تُكَلِّفُونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ

هَادٍ ☆﴾

(پ ۲۴ سورت مؤمن ۳۳)



مزید اس نے اپنی نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس دن سے ڈرو جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔  
اس مرد مومن نے ان کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور کہا:

﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ☆ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٌ ☆﴾  
(ب ۲۴ سورہ مومن ۳۴، ۳۵)

اے میری قوم! بے شک آئے تمہارے پاس یوسف علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں وہ جو لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول، یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے دل پر۔

پہلے جن قوموں کا ذکر ہوا وہ دور دراز علاقوں میں بسنے والی تھیں، اب اس نبی اور اس کے منکرین کا ذکر ہو رہا ہے، جو کچھ عرصہ پہلے اسی ملک کے باشندے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے نام سے کون ایسا مصری تھا جو واقف نہ تھا؟ ان کا دور حکومت مصر کی تاریخ کا وہ درخشاں دور تھا جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا نور برسر رہا تھا۔ قانون کی بالادستی قائم تھی، غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کی اس طرح دل داری کی جاتی تھی کہ سبحان اللہ! اس عام اور شدید قحط کی چیرہ دستیوں سے انہیں یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام کے باعث پناہ ملی تھی۔ اس نبی اور عادل فرمانروا کے ساتھ اس کی قوم نے جو برتاؤ کیا



”مومن آل فرعون“ اس کا ذکر فرما کر انہیں تنبیہ کر رہا ہے کہ بے داغ سیرت ان کے بے عدیل نظام حکومت ان کی عدل گستری اور ان کی رعایا پروری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود ان کو نبی ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے، بلکہ ان کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی کی یہ نبی ہے کہ نہیں؟ قطعی اور یقینی دلائل کے باوجود وہ تذبذب کا ہی شکار رہے اور شک کی وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے عمر گزار دی۔ اور جب وہ نیر تاباں غروب ہو گیا تو پھر کف افسوس ملنے لگے اور کہنے لگے: ایسی ہستی اب دوبارہ پیدا نہیں ہوگی۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

پہلے ہدایت سے یوں محروم رہے اب امکان یہ تھا کہ کوئی دوسرا نبی تشریف لائے تو یہ اپنی گزشتہ غفلت اور کوتاہی کی تلافی کر لیں، یہ کہہ کر ”اب اور کوئی ایسا نہیں آئے گا“ انہوں نے اس امکان کو بھی کالعدم کر دیا۔

رجل مومن نے اپنی کلام کے آخر میں ایک اصول بیان فرمادیا کہ جس فرد یا قوم میں یہ تینوں عیوب پیدا ہو جائیں ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ کوئی معجزہ کوئی پند و نصیحت انہیں چاہِ ضلالت سے نہیں نکال سکتی۔ وہ اندھیروں سے اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ نور سے انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ وہ تین عیب یہ ہیں:

(۱) مسرف: حد سے بڑھنے والا جو احکام و اوامر اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے والا اسے ہزار سمجھایا جائے وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجانے کا نام ہی نہیں لیتا۔

(۲) مرتاب: وہ شخص جو شک کی بیماری کا مریض ہو اس کے سامنے روشن دلائل کے انبار لگا دو شک کے جراثیم اس کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں۔

(۳) من یجادل: جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بے جا تاویل کرتا ہے ان میں عیب نکالتا ہے تضاد ثابت کرتا ہے جس فرقہ میں یہ تین عیب ہوں خدا انہیں کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَهْمَانُ ابْنِ لِي صِرَاحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ☆ اسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ



عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنْ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ☆

(پ ۲۴ سورت مومن ۳۶، ۳۷)

اور فرعون نے کہا: اے ہامان بنا میرے لئے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) ان راہوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں تک، پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لئے اس کا برا عمل، اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے۔

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ اس مرد مومن کی گفتگو حاضرین کو متاثر کر رہی ہے تو اس نے فوراً پتیرا بدلا اور کہنے لگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی صداقت پر کھنا کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ ہم اس کے بارے میں پریشان رہیں اور کسی حتمی (یقینی) فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں۔ ابھی ایک بلند مینار تعمیر کرتے ہیں اور اس پر چڑھ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کا سراغ لگائیں گے۔ زمین پر تو کہیں ہے نہیں اگر آسمان پر مل گیا تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر آسمان پر بھی اس کا سراغ نہ ملا تو پھر سب کو یقین ہو جائے گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی بات غلط ہے۔

پھر ہامان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ہامان، اے وزیر بادبیر! یہ کام تم کرو۔ ہمیں ایک اونچا بہت اونچا مینار تعمیر کر دو اس پر چڑھ کر ہم آسمان پر چڑھنے کا راستہ دریافت کر لیں گے اور آسمان کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔

خیال رہے ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اسے ”سبب“ کہتے ہیں یہاں اسباب سے مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں، یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔

فرعون نے ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی بات میں سچائی نام کو نہیں۔



خیال رہے۔ ظن بمعنی گمان غالب بھی لیا جاسکتا ہے اور بمعنی یقین بھی۔ یعنی فرعون نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سچے نہیں یا اس کا مطلب ہو گا میرا یقین ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو سچے نہیں۔

فرعون کا مکرو فریب اس کی تباہی کا سبب بنا یعنی اس کی مکاری عیاری حیلہ سازی اور دانستہ انکار حق کے باعث اس کے برے اعمال اسے حسین و خوشناظر آنے لگے وہ انہیں کے پیچھے پڑا رہا اور جو حیلہ سازیاں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کی تھی وہ سب خود اس کی قیاس اور بربادی کا سبب بنیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ☆﴾

(ب ۲۴ سورت مومن ۳۹)

اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا اے میری قوم میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔

یعنی بھلائی اور نجات کا راستہ وہ نہیں جس پر فرعون تمہیں چلانا چاہتا ہے بلکہ او میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاتا ہوں جس پر چل کر تم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

﴿يَقَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ☆ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنَّثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ☆﴾

(ب ۲۴ سورت مومن ۴۰، ۴۱)

اے میری قوم یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بھر طیکہ وہ ایمان دار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں، رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب۔

مرد مومن کا سلسلہ وعظ شروع ہے اب اس نے مصلحت کے سارے حجاب تار تار کر دیئے ہیں اور اس کے نتائج اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اعلان حق کر دیا اور کہا :



﴿ يَقَوْمٍ مَّالِيَ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوَةِ وَتَدْعُوْنِىْ اِلَى النَّارِ ﴾ تَدْعُوْنِىْ لَا كُفْرًا  
بِاللّٰهِ وَاَشْرِكْ بِهِ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿ لَا جَرَمَ  
اَنَّمَا تَدْعُوْنِىْ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْآخِرَةِ وَاَنْ مَّرَدَّنَا اِلَى اللّٰهِ  
وَاَنْ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ ﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُولُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ  
اَمْرِىْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ﴿

(پ ۲۴ سورت مومن ۴۲، ۴۴)

اے میری قوم میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی  
طرف اور تم بلا تے ہو مجھے آگ کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ  
کا انکار کر دوں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک  
نہیں اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت  
والا بخشنے والا ہے سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلا تے ہو  
اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور آخرت میں اور یقیناً ہم  
سب کو لوٹنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے جہنمی ہیں پس  
(اے میرے ہم وطنو) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں  
اور میں اپنا (سارا) کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا  
ہے (اپنے) بندوں کو۔

اس مرد مومن نے کہا یعنی میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب و غریب ہے۔ میں تمہیں  
نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں کودنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی  
بندگی کی تلقین کرتا ہوں جو سب سے زبردست بھی ہے اور اس کے باوجود بڑا بخشنے والا ہے، عمر بھر خطائیں  
کر کے بھی اگر اس کے در کرم پر کوئی آجائے تو معاف کر دیتا ہے۔ اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار  
کر دوں اور اس کے ساتھ ایسے شریک بناؤں جو بالکل بے بس اور بے اختیار ہیں۔ اور جن کی خدائی کا مجھے کوئی  
علم نہیں۔ میں تو تمہاری خیر خواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی ڈوب دینا چاہتے  
ہو۔ تم میرے عجیب دوست ہو، مجھے تمہاری ایسی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے اس قسم کی



نصیحتیں نہ کیا کرو اور اس نے کہا جن معبودان باطلہ کی عبادت اور بندگی کی تم مجھے نصیحت کر رہے ہو یہ تو ایسے ہیں کہ انہیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ دنیا میں یا آخرت میں انہیں خدا تسلیم کیا جائے اور نہ انہوں نے خود کبھی اپنی خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ دنیا میں ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ قیامت کے دن کسی کی فریاد سنیں گے۔

فرعون جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کہلاتا تھا اس کے روبرو اور بھرے دربار میں اتنی حق گوئی ایک مرد مومن کو ہی زیبا ہے لیکن جب سامعین کو اس نے متاثر ہوتے نہ دیکھا تو اس نے صاف کہا آج تو تم میری بات نہیں مان رہے اور میری تلخ نوائی تمہیں گراں گزر رہی ہے عنقریب وہ وقت آئے گا جب عذاب الہی تم پر نازل ہو گا اس وقت تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

﴿فَوَقَّاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكْرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ☆ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ☆﴾

(ب ۲۴ سورت مومن ۴۵، ۴۶)

پس بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہو گا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں۔

چنانچہ فرعونیوں نے اس مرد حق کیش کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خود حفاظت فرمائی اور کوئی اس کا بال ہیکانہ کر سکا، الثا فرعون اپنے لاؤ لشکر اور جاہ و حشمت سمیت غرق کر دیا گیا۔

(غرق کرنے کا واقعہ تفصیلی طور پر ان شاء اللہ بعد میں ذکر کیا جائے گا)

فرعون اور اس کا ٹھانٹھیں مارتا ہوا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ گئے۔ دنیا میں ہی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔



یاد رہے کہ ان کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کے پرستاروں کو ہر صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ جب عالم برزخ کی میعاد ختم ہو جائے گی تو قیامت قائم ہوگی اس کے بعد انہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے ”عذاب قبر“ کا اثبات کیا ہے۔ قبر سے مراد صرف وہ گڑھا نہیں جس میں کسی کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبر تو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کے وقت کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ آل فرعون کو دیئے جانے والے دو عذابوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے ایک وہ جس میں وہ قیامت سے پہلے مبتلا ہیں دوسرا وہ جو قیامت کے بعد انہیں دیا جائے گا۔

”هذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور“

(تفسیر ضیاء القرآن پ ۲۴ ع ۱۰۰۹)

فرعون اور اسکی قوم قحط سالی میں مبتلا :

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ﴾ ☆

(پ ۹ سورۃ اعراف ۱۳۰)

اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ برباد کرنے سے پہلے دنیا میں چھوٹے چھوٹے عذاب دے کر سوچنے سمجھنے کا موقع دیا کہ یہ کفر و معصیت سے باز آجائیں، فرعون نے اپنے چار سو برس کی عمر میں سے تین سو بیس سال تو اس آرام کے ساتھ گزارے تھے کہ اس کی مدت میں کبھی درد یا بخوک میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ اب قحط سالی کی سختی ان پر اس لئے ڈالی گئی کہ وہ اس سختی ہی سے خدا کو یاد کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں، لیکن وہ کفر میں اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ ان تکلیفوں سے بھی ان کی سرکشی ہی بڑھتی رہی۔

﴿فَإِذَا جَاءَ نَهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى وَمَنْ



مَعَهُ إِلَّا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ☆ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِنَسْحَرَنَّ بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ☆ ﴿

(پ ۹ سورت اعراف ۱۳۱، ۱۳۲)

تو جب انہیں بھلائی ملتی کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں سے بد شگوننی لیتے سن لو ان کے نصیبہ کی شامت تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں اور بولے تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان لانے والے نہیں۔

جب ان کو ارضانی فراخی خوشحالی اور امن و عافیت حاصل ہوتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے ہم جب مستحق تھے تو اسی لئے ہی یہ امن و عافیت کی حالت ہمیں حاصل ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھتے اور نہ ہی شکر بجالاتے اور جب انہیں تنگ حالی قحط سالی اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا تو کہتے کہ یہ بلائیں تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے پہنچیں اگر یہ نہ ہوتے تو یہ مصیبتیں بھی نہ آتیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شامت تو تمہارے اپنے اعمال یعنی کفر و ضلالت کی وجہ سے ہے جو اس نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے وہی تمہیں حاصل ہونا ہے پھر اصل شامت تو وہ ہوگی جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

حق تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تنبیہات کی وجہ سے سوچتے سمجھتے کفر و ضلالت کو چھوڑتے اور ایمان لے آتے لیکن وہ اپنی سرکشی میں اتنے غالب آچکے تھے کہ ایمان لانے سے سراسر انکار کر دیا جب وہ اپنی ہٹ دھرمی میں یہاں تک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کر دی۔

﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾

اے رب ہمارے! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے۔ آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا فرعونینوں کے درہم و دینار پتھر ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ پھل اور کھانے کی چیزیں بھی برباد ہو گئیں اور طرح طرح کی ان پر آزمائشیں آئیں۔



## مختلف قسم کے عذاب :

﴿ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴾ ☆

(پ ۹ سورۃ اعراف ۱۳۳)

تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور مڈی، گھن (یا کلنی یا جوئیں) اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم قوم تھی۔

جب جادو گروں کے ایمان لانے کے بعد بھی فرعون نے اپنے کفر اور سرکشی پر جسے رہے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے نشانیاں آنے لگیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کر دیا تھا کہ اے اللہ فرعون اس دنیا میں بہت سرکش ہو چکا ہے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اسے اور اس کی قوم کو ایسے عذاب میں گرفتار کر جو ان کے لئے سزا اور میری قوم اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سبب بنے تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا، ابر آیا اندھیرا ہوا، کثرت سے بارش ہونے لگی۔ قبطیوں کے گھروں میں پانی بھر گیا یہاں تک کہ وہ اس میں کھڑے رہ گئے اور پانی ان کی گردنوں کی ہنسلوں تک آگیا۔ ان میں سے جو بیٹھا ڈوب گیا۔ نہ ہل سکتے اور نہ کچھ کام کر سکتے تھے۔ ہفتہ کے دن سے پھر ہفتہ کے دن تک سات روز اسی مصیبت میں مبتلا رہے اور باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کے گھروں سے متصل تھے ان کے گھروں میں پانی نہ آیا۔ جب یہ لوگ عاجز ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے ہمارے لئے دعا فرمائیے کہ یہ مصیبت دور ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی، طوفان کی مصیبت دور ہوئی، زمین میں سرسبزی و شادابی آئی جو پہلے نہ دیکھی تھی، کھیتیاں خوب ہوئیں، درخت خوب پھلے تو فرعون نے کہنے لگے۔ یہ پانی تو نعمت تھا۔ اور وہ ایمان نہ لائے ایک مہینہ اسی طرح ان کا عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ”مڈی“ بھیجی، وہ کھیتیاں اور پھل، درختوں کے پتے، مکانوں کے دروازے، چھتیں، تختے، سامان یہاں تک کہ لوہے کی کیلیں تک کھا گئی۔ اور قبطیوں کے گھروں میں بھر گئیں اور بنی اسرائیل کے گھروں میں نہ گئیں۔ اب قبطیوں نے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ



علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ اس پر عہد و پیمان کیا۔ سات روز تک مڈی کی مصیبت میں گرفتار رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات پائی، کھیتیاں اور پھل جو کچھ باقی رہ گئے تھے انہیں دیکھ کر کہنے لگے، یہ ہمیں کافی ہیں۔ ہم اپنا دین نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ایمان لانے کا وعدہ انہوں نے ایفاء نہ کیا اور اپنے برے اعمال میں مبتلا رہے۔ ایک ماہ پھر ان کا اس طرح عافیت میں گزر گیا۔

اس کے بعد ان پر ”قمل“ کا عذاب آیا۔ قمل سے مراد گھن یا جوں یا کوئی اور چھوٹا سا کیڑا ہے۔ اس کیڑے نے جو کھیتیاں اور پھل باقی بچے تھے وہ کھالئے، کیڑوں میں گھس جاتا تھا اور جلد کو کاٹتا تھا کھانے میں بھر جاتا تھا۔ اگر کوئی دس بوری گیہوں چکی پر لے جاتا تو تین سیر واپس لاتا۔ باقی سب کیڑے کھا جاتے۔ یہ کیڑے فرعونوں کے بال بھنویں پلکیں چاٹ گئے۔ جسم پر چیچک کی طرح بھر جاتے۔ سونا دشوار کر دیا تھا۔ اس مصیبت سے فرعونی چیخ پڑے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا ہم توبہ کرتے ہیں، آپ اس بلا کے دفع ہونے کی دعا فرمائیے۔ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مصیبت کو بھی سات روز کے بعد دور فرمایا۔ لیکن فرعونوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور ایمان نہ لائے بلکہ پہلے سے زیادہ برے اعمال شروع کر دیئے ایک ماہ ان کا پھر آرام سے گزر گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ”مینڈک“ بھیجے۔ اور یہ حال ہوا کہ آدمی بیٹھتا تھا تو اس کی مجلس میں مینڈک بھر جاتے تھے۔ بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک کود کر منہ میں داخل ہو جاتا۔ ہانڈیوں میں مینڈک، کھانے میں مینڈک اور چولہوں میں مینڈک پھر جاتے تھے۔ آگ بجھ جاتی تھی۔ مینڈک اوپر سوار ہو جاتے تھے۔ اس مصیبت سے فرعونی روپڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اس دفعہ ہم پکا وعدہ کرتے ہیں کہ توبہ کریں گے ایمان لائیں گے۔ آپ دعا کریں یہ مصیبت ہم سے ٹل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد و پیمان لے کر پھر دعا فرمائی سات روز یہ عذاب بھی ان پر رہا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بھی دور ہوا ایک مہینہ ان کا پھر امن و عافیت میں گزر گیا لیکن انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا اور اپنے کفر پر برقرار رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب نازل کیا ان کے تمام کنوؤں کا پانی نہروں اور چشموں کا پانی



دریائے نیل کا پانی غرضیکہ ہر پانی ان کے لئے تازہ خون بن گیا، انہوں نے فرعون سے اس کی شکایت کی تو کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جادو سے تمہاری نظر بندی کی ہے انہوں نے کہا نظر بندی کیسے ہمارے برتنوں میں خون کے سوا پانی کا نام و نشان ہی نہیں تو اس نے حکم دیا کہ قبطنی اور بنی اسرائیل ایک ہی برتن سے پانی لیا کریں، لیکن اس کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بنی اسرائیل جب نکالتے تو پانی ہی نکلتا لیکن جب اسی برتن سے قبطنی نکالتے تو خون نکلتا۔ یہاں تک کہ فرعون عورتیں پیاس سے عاجز ہو کر بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس آئیں اور ان سے پانی مانگا تو وہ پانی ان کے برتن میں آتے ہی خون ہو گیا تو فرعون عورت کہنے لگی کہ تو پانی اپنے منہ میں لے کر میرے منہ میں ڈال دے جب تک وہ پانی اسرائیلی عورت کے منہ میں رہا پانی تھا جب فرعون عورت کے منہ میں آیا خون بن گیا۔ فرعون کاشدیت پیاس کی وجہ سے برا حال تھا۔ درختوں کا رس چوس رہا تھا۔ وہ بھی منہ میں پہنچتے ہی خون بن جاتا۔ پھر اس مصیبت سے تنگ آکر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور ایمان لانے کا وعدہ فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا کی اس طرح یہ عذاب بھی سات روز رہنے کے بعد ختم ہو گیا مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے ان کے بار بار ایمان لانے کے وعدے اور مصیبت اٹھ جانے پر وعدے کو توڑنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَمُوسَىٰ اذْعُ لَنَا رَبِّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ☆ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْغُورَةِ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ☆﴾

(پ ۹ سورت اعراف ۱۳۴، ۱۳۵)

اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا کہتے اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم پر عذاب اٹھا دو گے تو ہم ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جی بھی وہ پھر جاتے۔

ان پر تمام عذاب ایک ایک ہفتہ رہے جب بھی کوئی عذاب آتا موسیٰ علیہ السلام سے ایمان لانے کا



وعدہ کرتے کہ تم دعا کرو کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھالیا جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے عذاب جب اٹھالیا جاتا پھر وعدہ توڑ دیتے ایک مہینہ ان کا آرام سے گزر جاتا پھر دوسرے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہر بار انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن توڑ دیا۔

(ماہود از خزائن العرفان)

## بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم :

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾ ☆

(پ ۱۶ سورت طہ ۷۷)

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور ان کے لئے دریا میں خشک راستہ نکال دے تجھے ڈرنہ ہو گا فرعون آلے اور نہ خطرہ۔

موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو رات میں مصر سے نکال کر لے جاؤ یعنی اب بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا وقت آچکا ہے۔

رات کو نکالنے کا حکم دیا تاکہ بنی اسرائیل کا اجتماع دشمن کے سامنے نہ ہو اور وہ ان کی مراد کی تکمیل میں مانع نہ بنے، رات کو نکالنے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فرعون اور اس کا لشکر ان کا پیچھا کر کے ان کو روک نہ سکے اور فرعون کے عظیم لشکر کو دیکھ کر بنی اسرائیل خوف نہ کریں۔ چاندنی رات میں موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے۔ بنی اسرائیل کے پاس کافی مقدار میں سونے اور چاندی کے زیورات بھی تھے جو انہوں نے قبیلوں سے مانگ کر لئے ہوئے تھے کہ ہم انہیں اپنی عید میں استعمال کریں گے وہ پہلے بھی ان سے زیورات لیتے رہتے تھے۔

یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تم مصر سے نکلو تو میرا تابوت بھی ساتھ لے کر جانا تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق ایک بوڑھی عورت کی نشاندہی پر وہ تابوت نکال کر خود بنفس نفیس اٹھایا۔



ابن ابی حاتم حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی کے پاس ایک مرتبہ ٹھہرے، اس نے حضور کی مہمان نوازی کی اور بہت تعظیم اور تکریم کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کبھی ہمارے پاس بھی آنا، تو وہ دیہاتی ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ کہ میں تمہیں عطا کروں۔ اس نے کہا: ایک اونٹنی جس پر کجاوہ پڑا ہوا ہو اور ایک دودھ دینے والی بکری جس کا دودھ میرے گھر والے پیئیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا تو تو بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔ (اس نے تو جنت کی طلب کی تھی) صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت کا واقعہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ساتھ لے کر چلے تو راستہ بھول گئے اس پر حیرانگی سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے یہ کیا ہوا کچھ لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کا علم عاوانہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ہمارے آباؤ اجداد سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ مصر سے نکلتے وقت میرا تابوت ضرور ساتھ لے جانا، ہمارے بھولنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو یوسف علیہ السلام کی قبر کو جانتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم میں سے ایک بوڑھی عورت کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کس جگہ واقع ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو بلا کر کہا کہ تم بتاؤ کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک میری ایک شرط نہ پوری کرو۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میری صرف یہ خواہش ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کچھ سوچ میں پڑے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس سے وعدہ کر لو۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے تمہاری درخواست منظور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب اس عورت کے ساتھ چلے تو اس نے آپ کی قبر کی نشاندہی کی۔ جب یوسف علیہ السلام کے تابوت کو نکالا گیا تو اندھیری رات روشن ہو گئی اس طرح انہیں راستہ مل گیا، یہ حدیث غریب ہے۔ قریب ہے کہ صحابی تک موقوف ہو۔



صبح ہونے پر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کی طرف روانگی :

﴿فَارْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ☆ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ☆  
وَأَنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ☆ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حٰذِرُونَ ☆ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ  
وَعُيُونٍ ☆ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ☆ كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَٰئِيلَ ☆  
فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ☆ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا  
لَمُدْرَكُونَ ☆ قَالَ إِنْ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿

(پ ۱۹ سورت شعراء ۵۳، ۶۲)

فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بچے کہ یہ لوگ ایک تھوڑی جماعت ہیں اور بے شک ہم سب کا دل جلاتے ہیں اور بیشک ہم سب چوکنے ہیں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) تو ہم نے انہیں باہر نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ہم نے ایسا ہی کیا اور ان کا وارث کر دیا بنی اسرائیل کو، فرعون نے ان کا تعاقب کیا دن نکلے، پھر جب آمناسامنا ہوا دونوں گروہوں کا تو موسیٰ علیہ السلام والوں نے کہا: ہم کو انہوں نے آلیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یوں نہیں بیشک میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ مجھے ابھی راہ دیتا ہے۔

فرعون نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل موجود نہیں ہیں تو بہت غصہ میں ہوا اس نے ہر طرف اپنے کارندے دوڑا کر اپنی فوجوں، لشکروں اور اپنے تمام حامیوں کو جمع کر لیا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہمارے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے وہ ہمیشہ غیظ و غضب کو بھڑکاتے رہتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کو برباد کرنے کے لئے ان کے دلوں میں یہ بات ثابت کر دی کہ سب لوگ بنی اسرائیل کا پیچھا کر کے ان کا مکمل صفایا کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ان تمام فرعونوں کو برباد کر کے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ فرعون کو ماننے والے تمام اس کے کہنے پر اپنی نعمتوں اپنے اعلیٰ قسم کے مکانات اور پھلدار درختوں کے باغات اور اپنے سامان تعیش یعنی اپنی عیش و عشرت کے



سامان کو چھوڑ کر بظاہر بنی اسرائیل کو تباہ کرنے کے لئے چلے جو درحقیقت اپنی ہی بربادی کی طرف چل رہے تھے۔

فرعون کے کہنے پر سب لوگ جمع ہو کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے، دریائے قلزم کے کنارے پران کے سامنے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا تو کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے جائیں گے، ان کے دلوں میں پہلے ہی فرعون کا رعب چھلایا ہوا تھا اور وہ تعداد میں بھی فرعونوں سے بہت کم تھے اور کسی قسم کا ان کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا اس لئے ان پر بہت زیادہ خوف طاری ہوا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ ابھی میری راہنمائی فرمائے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں عصا مارنے کا حکم :

﴿ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطُّوْدِ الْعَظِيمِ ☆ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ☆ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ☆ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ☆ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ☆ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ☆ ﴾

(پ ۱۹ سورت شعراء ۶۳، ۶۸)

تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار تو جیسا کہ دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسا بڑا پہاڑ اور وہاں قریب لائے ہم دوسروں کو اور ہم نے بچا لیا موسیٰ علیہ السلام اور اس کے سب ساتھ والوں کو پھر دوسروں کو غرق کر دیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے اور بیشک تمہارا رب تعالیٰ وہی عزت والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا دریا پر مارو آپ نے جب اپنا عصا دریا پر مارا تو دریا پھٹ گیا اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ درمیان میں خشک راستہ اور ادھر ادھر پانی کی بلندی اتنی عظیم تھی جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہوں۔ بنی اسرائیل چونکہ بارہ قبائل تھے ایک ہی راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنا مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے ہر قبیلہ کے لئے علیحدہ راستہ بتایا گیا، یعنی دریا میں بارہ راستے



بنائے گئے۔ ہر راستہ کے دائیں بائیں پانی کی بندی عظیم پہاڑوں جیسے تھی۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہمارے دوسرے بھائی زندہ ہیں یا پانی کی طغیانی میں غرق ہو چکے ہیں۔ تو درمیان سے روشن دانوں کی طرح پانی کو ہٹا دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دریا عبور کر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے بھی دریا میں راستہ دیکھ کر اپنے گھوڑے دوڑائے لیکن وہ بنی اسرائیل کو نہ پاسکے۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعونوں اور بنی اسرائیل کے درمیان جبرائیل امین تھے۔ بنی اسرائیل کے پچھلے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ جلدی چلو، اگلے لوگوں سے مل جاؤ۔ اور فرعونوں کے دلوں میں یہ بات ڈال رہے تھے کہ آہستہ چلو پچھلے لوگوں کو ساتھ ملنے دو بنی اسرائیل جب دریا عبور کر چکے اور فرعونی ابھی درمیان میں ہی پہنچے تھے تو پانی آپس میں مل گیا اس طرح فرعون اور اس کی قوم کے تمام لوگ..... ایک روایت کے مطابق یہ چھ لاکھ کی تعداد میں تھے..... غرق ہو گئے۔ بنی اسرائیل یہ تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

فرعون کا غرق ہونے پر ایمان لانا اور قبول نہ ہونا :

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ، بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ☆ أَلْتَنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ☆ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِيَدِنَا لَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ☆﴾

(ب ۱۱ سورت یونس ۹۰، ۹۲)

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا میں پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک جب اسے ڈوبنے نے آلیا بولا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فساد ہی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو اترادیں گے (تند موجوں سے باہر پھینک دیں گے اور باقی رکھیں گے) کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو اور بیشک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔



سبحان اللہ! مالک الملک کی کتنی عظیم قدرت ہے؟ کہ وہ شخص..... جو کبھی ﴿انار بکم الاعلیٰ﴾ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا..... آج جب اس کی گرفت میں آتا ہے، دریا کی طغیانی میں شدید موجوں کے تھپیڑوں میں آتے ہی ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ ایمان لاتا ہے ایک مرتبہ کہا ”آمنت“ میں ایمان لایا دوسری مرتبہ کہا:

﴿اِنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا الَّذِيْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْا۟ اِسْرٰٓئِیْلَ﴾ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔

تیسری مرتبہ کہا:

﴿وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور میں مسلمان ہوں۔

لیکن یہ اس کا ایمان قبول نہ ہوا؛ کیونکہ رب تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر، فرشتوں کا سامنا کرتے ہوئے ایمان لانا نفع مند نہیں ہو سکتا۔

﴿فَلَمْ یَكْ یَنْفَعْهُمْ اِیْمَانُہُمْ لَمَّا رَاَوْا۟ اَبَآ سَنَآ﴾

تو ان کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا: اب تو ایمان لاتا ہے پہلے نافرینیاں کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا، یعنی پہلے تمہیں ایمان لانے کا کتنا وقت دیا؟ کئی مرتبہ تجھے آزمائشوں میں مبتلا کر کے ایمان لانے کی طرف سوچنے کے مواقع فراہم کئے، لیکن اس وقت تو ایمان نہ لایا، اب غرق ہونے پر تیرے ایمان لانے کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اب تو تیرے جسم کو دریا کی موجوں سے باہر پھینک کر لوگوں کے لئے نشانی بنایا جائے گا۔ سب کو پتہ چل جائے کہ آج خدائی کا دعویٰ غرق ہو کر مردہ حالت میں پڑا ہے۔ خدائے حقیقی تو وہ ہو سکتا ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)





## بنی اسرائیل کی ناشکری :

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا  
يُمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ☆ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا  
مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ☆ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ  
عَلَى الْعَالَمِينَ ☆﴾

(بارہ ۹ سورۃ الاعراف ۱۳۸)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا، تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے  
بتوں کے آگے آسن مارے تھے بولے : اے موسیٰ علیہ السلام ! ہمیں ایک خدا  
بنادے جیسے ان کے لئے اتنے خدا ہیں، آپ نے فرمایا : تم ضرور جاہل لوگ ہو یہ  
حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ سر اسر باطل ہے  
آپ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے  
تمہیں زمانے بھر پر فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے انہیں  
دریا سے سلامتی سے گزار دیا۔ حق تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان کی  
جہالت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ کتنے جاہل اور ناشکرے لوگ تھے کہ وہ بت پرستوں کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ”ہمیں  
بھی ایسا خدا بنا دو۔“

”تلك الاصنام تماثيل بقر“

بنی اسرائیل نے جو بت دیکھے تھے وہ گائے کی شکل کے تھے۔ (بت پرستی کی طرف ان کے  
میلان کو دیکھ کر ہی سامری نے انہیں ہنجرے کی پوجا پر لگادیا تھا)

موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم تو جاہل لوگ ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عبادت تو اعلیٰ  
درجے کی تعظیم کا نام ہے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم اسی ذات کی ہو سکتی ہے جس کے عظیم انعامات ہوں اور سب  
سے بڑے انعامات جسم کی تخلیق، زندگی عطا کرنا، خواہشات، قدرت عطا کرنا اور نفع مند اشیاء کا پیدا کرنا ان



اشیاء پر قادر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر)

تورات لینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا :

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں فرعونوں سے نجات دے گا تو میں تمہیں رب تعالیٰ سے ایک کتاب لا کر دوں گا جس میں حرام و حلال، امر و نہی کا ذکر ہو گا اسی وعدہ کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تورات لینے طور پر آئے۔

﴿وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فِتْنٍ مِيقَاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ﴾ ☆

(پارہ ۹ سورۃ الاعراف ۱۵۲)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پوری کیں تو اسکے رب کا وعدہ پوری چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح کرنا اور فساد یوں کی راہ کو دخل نہ دینا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تم طور پر آؤ تمہیں چالیس دنوں کے بعد کتاب دی جائے گی آپ کو حکم دیا گیا کہ تم تیس دن ایسے نیک اعمال کرنا جو میرے قرب کا ذریعہ بنیں پھر دس دنوں میں تمہیں کتاب عطا کر دی جائے گی اس طرح تیس دنوں کا وعدہ چالیس دنوں تک ہوا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ذی القعدة کے تیس روزے رکھنے کا حکم دیا جب آپ نے تیس دن کے روزے مکمل کر لئے تو منہ میں بو نامناسب سمجھ کر مسواک کی، فرشتوں نے کہا کہ ہم تو تمہارے منہ سے کستوری کی خوشبو سونگھ رہے تھے لیکن تم نے مسواک کر کے ضائع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی :

”اما علمت ان خلوف فم الصائم اطيب عندی من ريح المسك“

کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔



آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ذی الحجہ کے دس روزے پورے رکھیں، اس طرح چالیس دن بڑھا کر چالیس کر دیئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جاتے ہوئے اپنے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا جو خود بھی مستقل نبی تھے یہ نیابت نبوت میں نہیں تھی بلکہ رسالت میں تھی یعنی حضرت ہارون علیہ السلام فقط نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اس لئے آپ نے انہیں اپنے منصب رسالت کا نائب اور خلیفہ بنایا وہ بھی فقط طور سے واپسی تک۔

دوسری وجہ ہے کہ آپ کا ارشاد ایک محاورہ کے مطابق ہے یعنی جس طرح دو شخصوں کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے تو ان میں سے ایک نے اگر کہیں جانا ہو تو دوسرے سے کہتا ہے :

”کن عوضا عنی علی معنی ابدل غایۃ و معک و نہایۃ جہدک بحیث یکون فعلک فعل شخصین“

تم میری جگہ بھی کام کرنا یعنی بہت زیادہ کوشش سے یہ کام کرنا ایسے پتہ چلے کہ تم دو آدمیوں کی جگہ کام کر رہے ہو۔

(روح المعانی)

رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا :

﴿وَنَسَاجَا مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرَاكَ وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ سُجَّدًا﴾

(پارہ ۹ سورۃ الاعراف ۱۴۳)

جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر حاضر ہوئے اور ان سے ان کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا : تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اچھی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔



اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا البتہ اس کلام کی حقیقت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کلام سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے طہارت کی اور پاکیزہ لباس پہنا اور روزہ رکھ کر طور سینا میں حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک بادل نازل فرمایا جس نے پہاڑ کو ہر طرف سے بقدر چار فرسنگ کے ڈھک لیا، شیاطین اور زمین کے جانور یہاں تک کہ ساتھ رہنے والے فرشتے تک وہاں سے علیحدہ کر دیئے گئے اور آپ کے لئے آسمان کھول دیا گیا تو آپ نے فرشتوں کو دیکھا اور آپ نے عرش معلیٰ کو دیکھا، لوح محفوظ کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا، آپ نے اس کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اگرچہ ساتھ تھے لیکن وہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام اور رب تعالیٰ کے درمیان ہونے والے کلام کو نہ سن سکے۔

موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام کو سن کر ایسی لذت محسوس کی کہ آپ کے دل میں رب تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہو گئی اور عرض کی اے اللہ تعالیٰ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تم مجھے نہیں دیکھ سکتے“ یہ نہیں فرمایا: ”مجھے نہیں دیکھا جاسکتا“ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات رب کا دیدار کیا۔ نیز یہ دیکھنے کی نفی دنیا سے متعلق ہے جنت میں مومنین رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس چیز پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ نے ممکن چیز کا سوال کیا اگر رب تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا تو آپ سوال نہ کرتے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی تجلیات کا ظہور پہاڑ پر کرتا ہوں تم پہاڑ کو دیکھو اگر تم نے پہاڑ کو دیکھ لیا تو سمجھنا کہ مجھے بھی دیکھ لو گے لیکن رب تعالیٰ کی تجلیات کی تاب پہاڑ نہ لاسکا کہ وہ قائم رہتا بلکہ وہ بھی پاش پاش ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بھی ہوش برقرار نہ رکھ سکے۔

(ماخوذ از خزائن العرفان)

قوم نے پتھرے کی پوجا شروع کر دی :

﴿ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴾ ☆ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ



قَوْمِهِ غَضَبَانِ أَسِفًا قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ☆ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ☆ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خِيَارٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمُ وَإِلَهُ مُوسَى فَنَسِيَ ☆ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ☆

(پارہ ۱۶ سورۃ طہ ۸۵ تا ۸۹)

رب تعالیٰ نے کہا ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے آپ نے کہا اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا کیا تم پر لمبی مدت گزری یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب (عذاب) اترے۔ تو تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی لیکن ہم سے کچھ بوجھ اٹھوائے گئے اس قوم کے زیورات کے تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے ڈالا تو اس نے ان کے لئے ٹھکانہ بنایا ہے جو بے جان جسم ہے گائے کی طرح بولتا ہے تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود موسیٰ علیہ السلام تو بھول گئے تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ انہیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی بُرے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔

موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کے ستر سر کردہ افراد کو ساتھ لے کر طور پر کتاب لینے کے لئے گئے قوم سے چالیس دنوں کا وعدہ کر کے گئے آپ اپنی قوم کے ان افراد سے ذرا جلدی ہی آگے طور پر پہنچ گئے رب تعالیٰ نے پوچھا تم اپنی قوم کے افراد سے پہلے کیوں آگئے تو آپ نے عرض کیا اے مولائے کائنات وہ بھی میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں میں صرف تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جلدی آ گیا۔ طور پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ تمہاری قوم گمراہ ہو چکی ہے آپ کو گئے ہوئے جب بیس دن مکمل ہو



گئے تو سامری نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو گئے بیس دن اور بیس راتیں ہو چکی ہیں چالیس کی تکمیل ہو گئی آپ نہیں آئے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارے پاس فرعونوں کے زیورات ہیں وہ تم پر حرام ہیں اس لئے وہ زیورات تم لوگ مجھے دے دو کہ میں ایک خدا بنادوں کیونکہ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ قوم ایسا خدا چاہتی ہے جو انہیں نظر آئے۔ یہ خود بھی گائے کی پرستش کرتا تھا اس لئے اس نے تمام زیورات جمع کر کے انہیں ایک پتھر بنادیا۔

پتھر کے بولنے کی وجہ :

چونکہ فرعون کے لشکر نے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈالنے سے سوچ وچار شروع کر دی تھی تو جبرائیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آئے وہ جہاں قدم رکھتی تھی وہاں سبز گھاس پیدا ہو جاتی سامری نے یہ ماجرا دیکھ لیا تھا اس لئے اس نے گھوڑی کے سم کے نیچے سے مٹی اٹھا کر محفوظ کر لی تھی وہی مٹی پتھر کے ڈھانچے میں ڈال دی تھی جس کی وجہ سے اس میں اثر حیات پیدا ہو گیا اور وہ گائے کی طرح ڈکارنے لگا سامری سے جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔

﴿فَمَا خَطْبُكَ يَا مَارِي﴾ ☆ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ☆ ﴿

(بارہ ۱۶ سورۃ طہ ۹۵، ۹۶)

سامری تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا۔ تو ایک مٹی بھر لی فرشتے کے نشان سے، پھر اسے ڈال دیا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا۔

گھوڑی کے قدموں کے نشانات سے مٹی لینا :

علامہ قرطبی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں کے نشان کی جگہ سے ایک مٹی بھر مٹی لے کر پتھر کے ڈھانچے میں ڈالی۔

(قرطبی جلد ۱۱ ص ۲۳۹)

خیال رہے کہ سب سے پہلے اس قول (گھوڑی کے قدموں کے نشان سے مٹی لینا) کو ابو مسلم



اصفہانی نے تسلیم نہیں کیا جو بہت بڑا معتزلی ہے۔ پھر اس قول کا سہارا لیتے ہوئے مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں بھی یہی تحریر کر دیا کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا۔

مودودی صاحب کی یہ سوچ غلط ہے۔ قرآن پاک نے اگرچہ واضح طور پر اس قول کو نقل بھی نہیں کیا لیکن رد بھی نہیں کیا اس لئے متقدمین حضرات کی تفاسیر کو چھوڑ کر ایک معتزلی کی بات کو تسلیم کرنا بھی کوئی عقل و دانش کا کام نہیں۔

واپسی پر موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی سرزنش کی :

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعْجَلْتُمُ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ☆ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ☆﴾

(پارہ ۹ سورۃ الاعراف ۱۵۰، ۱۵۱)

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے جھنجھلائے ہوئے، کہا تم نے کیا میری جانشینی کی، میرے بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور (آپ نے) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے (ہارون علیہ السلام نے) کہا: اے میرے ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا۔ عرض کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی گمراہی کو دیکھ کر حمیت دینی اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اتنے شدید غصہ میں آئے کہ آپ سے بے اختیار توراۃ کی تختیاں گر گئیں اور اسی بے اختیاری کی صورت میں اپنے بڑے بھائی کے سر اور داڑھی کو پکڑ کر کھینچنے لگے یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا بلکہ



مدح کے ضمن میں آیا آخر کار بھائی کے عذر پیش کرنے پر ان کی دلجوئی کے لئے رب تعالیٰ کے حضور دعا کی اے اللہ تعالیٰ مجھ سے غصہ کی حالت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو یا میرے بھائی سے قوم سے عاجز آنے کی وجہ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو معاف فرمادے۔

(ماخوذ از روح المعانی)

## سامری کی سزا:

﴿قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ﴾

(موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو) کہا تو چلتا بن کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے چھوٹا نہیں اور بے شک تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ کا وقت ہے

سامری کی دنیا میں یہ سزا مقرر ہوئی کہ جو شخص اس کے قریب آکر اسے ہاتھ لگاتا وہ شخص اور یہ شدید عذاب میں مبتلا ہو جاتے اس لئے یہ دور سے آتے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہتا مجھ سے مصافحہ نہ کرنا مجھے چھوٹا نہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگوں کے درمیان ایک وحشی جانور کی حیثیت میں ہو گیا لوگوں نے اس سے میل ملاقات اس کے ساتھ مل کر کھانا اس کے ساتھ خرید و فروخت اور اس کے ساتھ کلام کرنا چھوڑ دیا یعنی ہر قسم کے معاملات جو لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ اس سے منقطع کر دیئے گئے اور اخروی سزا جس نے ضرور واقع ہونا ہے جس نے معاف بھی نہیں ہونا وہی سزا ہو گی جو مشرک کی ہو گی بلکہ اور لوگوں کو مشرک و گمراہ بنانے کی وجہ سے اس سزا میں شدت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ

فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

(پ ۵ سورۃ نساء ۱۱۶)

اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے (شرک کے بغیر ہر قسم کے گناہ) جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔



**فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دنوں کے بعد تورات عطا کی گئی کہ آپ چالیس دن دنیا والوں سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں، اس طرح اس کے ذکر و فکر سے آپ کے قلب و روح کو ایک خاص قسم کی قوت حاصل ہو جائے جو اس عظیم بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہو جائے۔

”ان للاربعةین خصوصية فی اختصاص الکلام للانبیاء کما ان لها اختصاصا فی ظهور ینابیع الحکمة من قلوب الاولیا کقوله علیہ السلام من اخلص لله اربعین صباحا ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه“

(از روح البیان)

بیشک چالیس کو ایک خصوصیت حاصل ہے اسی وجہ سے انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت کے اعلان کا حکم دیا جاتا رہا ان سے رب تعالیٰ کا کلام بذریعہ وحی اسی عمر میں ہوا پھر اولیاء عظام کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ چلاکشی کرتے ہیں یعنی چالیس روز تک دنیا سے علیحدہ ہو کر فقط رب تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کے دلوں پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص چالیس صبح خلوص سے (دنیا سے الگ تھلگ ہو کر) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس کے دل سے اس کے زبان پر حکمت کے چشمے نمودار ہو جاتے ہیں۔

کاش کہ لوگوں کو یہ سمجھ آجائے کہ چالیس دن تک فوت شدہ کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے رہنا پھر چالیس پر اس کے لئے اجتماعی دعا کتنی مقبولیت کا سبب ہوگی خیر جس بد قسمت کے لئے دعا کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہمیں ان لوگوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔

**بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم:**

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾



اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم نے مجھ کو  
معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ (توبہ  
کرو) تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے  
نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، بے شک وہی ہے  
بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

الغرض موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا ”انکم ظلمتم انفسکم“ کہ تم نے مجھ کو  
کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور تمہاری توبہ کی صورت یہ ہے  
کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو چنانچہ توبہ کرنے والوں نے اسی طرح توبہ کی کہ ہر ایک کے ہاتھ  
میں تلوار تھی بلا امتیاز ہر ایک نے دوسرے کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہر قاتل و مقتول  
نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس مجھ کو ذبح کر کے اس کا خون بہایا اور ہڈیوں کا ریتی سے برادہ کر کے جلا  
دیا اور خاکستر پانی میں بہادی موسیٰ علیہ السلام کا مجھ کو ذبح کر کے اس کا خون بہانا اس بات کی دلیل ہے کہ  
سونے چاندی کی دھات سے بنا ہوا اس کا جسم گوشت اور ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا اور اس میں حیات پیدا ہو گئی  
بعض نے کہا کہ ریتی سے اس کا برادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جسم دھات سے گوشت اور ہڈیوں میں  
تبدیل نہیں ہوا لیکن یہ دلیل اس لئے ضعیف ہے کہ دھات کا ہی برادہ نہیں کیا جاتا بلکہ ریتی سے ہڈی کا برادہ  
بھی کیا جاتا ہے قدامت مفسرین کے مطابق صحیح یہی ہے کہ وہ مجھ کو دھات سے گوشت اور ہڈی میں تبدیل ہو گیا  
تھا قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ :.....

﴿وَانْظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾

(پ ۱۶ سورت طہ ۹۷)

اپنے اس معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے

پھر ریزہ ریزہ کر کے اسے دریا میں بہائیں گے .....

اپنے ظاہر الفاظ کے ساتھ قدامت مفسرین کے قول کی تائید کرتا ہے۔

(روح المعانی پ ۱۶ ص ۲۵۷، بیان پ ۱ ص ۲۰۶)



## بنی اسرائیل کی پشیمانی کے بعد بھی کج روی :

پھڑے کی پوجا کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی سرزنش کرنے کے بعد وہ لوگ بہت پشیمان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کے بہترین ستر افراد کو ساتھ لے کر طور پر آجائیں تاکہ وہ تمام قوم کی طرف سے پھڑے کی پوجا کے جرم کی معافی طلب کریں۔ آپ ان کو جب ساتھ لے کر گئے تو انہوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام تم اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرو یہاں تک کہ ہم بھی اس کے کلام کو سنیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا تو اسے قبول کر لیا گیا۔

جب آپ پہاڑ کے قریب پہنچے تو ستون کی شکل میں بادل نمودار ہوا جس نے تمام پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل کے قریب ہوئے یہاں تک کہ اس میں داخل ہو گئے موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے رب تعالیٰ سے کلام کیا تو آپ کی پیشانی سے ایک نور چمکنے لگا انسانوں میں سے کوئی ایک اسے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ قوم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا یہ کرو اور یہ نہ کرو جب کلام کا سلسلہ ختم ہوا تو بادل کو اٹھالیا گیا۔

قوم نے کہا ”لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ“ ہم ہرگز تمہارا نہیں یقین کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہیں دیکھ لیں گی تو ان کو بجلی کی کڑک نے اپنی گرفت میں لے لیا اور سب مر گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ اور عرض کیا اے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے لایا تھا تاکہ ان کی توبہ کے قبول ہونے پر میرے گواہ بنیں اب میں ان کی طرف واپس جاؤں گا تو میرے ساتھ کوئی ایک بھی نہیں ہو گا تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گے موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو لوٹا دیا۔

خیال رہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے کے لئے طور پر گئے اس وقت ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے پھر واپس لوٹنے پر قوم کے پھڑے کی پوجا کرنے کے بعد لے کر گئے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے ان آدمیوں کو لے کر گئے پھر انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کر کے توبہ کی یا توبہ کے واقعہ کے بعد لے کر گئے۔



رہا یہ امر کہ بعض آیات قرآنیہ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد دنیوی حیات حاصل نہیں ہوتی ان آیات میں اسی عادت الہیہ کا قانون عام کا بیان ہے لیکن خرق عادت بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے اور بعض امور کا قانون خاص کے تحت ہونا قرآن و حدیث سے واضح ہے اس لئے یہاں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علم الہی میں باقی تھی اور بطور سزائے معصیت یا کسی دوسری حکمت کی وجہ سے ان پر موت طاری کی گئی ان لوگوں کو مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے اور جن لوگوں کی دنیوی مدت عمر علم الہی میں پوری ہو چکی ان کو دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جاتی ہے۔

(تبیان پ اول ص ۲۰۷)

### قوم کا احکام خداوندی ماننے سے انکار:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ☆

(پ ۱ سورت بقرہ ۶۳)

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور طور (پہاڑ) کو تمہارے اوپر اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا (اسے) مضبوطی سے پکڑو اور جو اس میں ہے (اسے) یاد کرو تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی ایک اور اشد ترین بغاوت و سرکشی کا ذکر فرمایا وہ یہ کہ اس قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے خود ہی مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب آنی چاہیے جس کے احکام کے مطابق ہم اپنی زندگی بسر کریں اور ان احکام کی روشنی میں فلاح اور بھلائی کی راہ پائیں۔ موسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات لائے تو اس میں ان کی طبعی سرکشی اور طغیان کے لحاظ سے کچھ بھاری احکام بھی تھے مگر ایسے نہیں جو ناقابل عمل ہوں بلکہ ان کی حالت کے مناسب اور حکمت الہیہ کے عین مطابق تھے بنی اسرائیل نے صرف بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام نے پہاڑ کا ایک حصہ ان پر اٹھالیا اور ارشاد ہوا۔



﴿خذوا ما آتینکم بقوة﴾ ہم نے تمہیں جو کچھ دیا اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ اس پر ان سے پختہ عہد لیا گیا لیکن انہوں نے اس عہد کو بھی توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطنی فساد کو خوب اچھی طرح ظاہر کرنے اور انہیں رسوا کرنے کے لئے قرآن مجید میں الفاظ ”رفعنا“ کے ساتھ ان پر پہاڑ اٹھالینے کا ذکر بار بار فرمایا۔

خیال رہے کہ بعض لوگوں نے یہاں سے مراد زلزلہ لیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ جب لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جاسکتا ہے تو مجازی معنی لینا جائز نہیں۔

قرآن پاک میں اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے تین مرتبہ ”رفعنا“ اور ایک مرتبہ ”ننقنا“ ذکر کیا گیا اگر آیت کریمہ میں یہی مشہور و متعارف معنی مراد نہ لئے جائیں تو قرآن پاک میں اس واقعہ میں تینوں جگہ لفظ ”رفعنا“ بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ صرف پہاڑ کا بلند ہونا معنی مراد نہیں اس لئے کہ پہاڑ تو پیدائشی طور پر بلند ہی ہیں یہی ہو سکتا ہے کہ پہاڑ ان کے سروں پر سائبان کی طرح بلند کیا گیا یہی معنی ”ننقنا“ کا بھی صحیح ہو سکتا ہے یعنی ہم نے پہاڑ کو جڑوں سے اکھیڑ کر بلند کر دیا یہی تفسیر متقدمین مفسرین کرام کی ہے تعجب ہے ان لوگوں پر جو متقدمین علماء کرام اسلام کی تحقیقات کو پس پشت ڈال کر یہود انصاری کی بے بنیاد کتابوں اور جدید ملحدانہ نظریات پر اعتماد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مادہ پرستی اور لادینی افکار سے متاثر ہو کر محض عقل نامہ تمام اور ناقص تجربات پر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں جن کی نظر میں علماء متقدمین اور اسلاف کی تحقیقات کوئی وقعت نہیں رکھتی وہی لوگ کتاب و سنت کی نصوص میں غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہی کا شکار ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے ”ضلوافاضلوا“ (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) کا مصداق بن جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

واضح رہے کہ پہاڑ کو اس جگہ سے اکھاڑ کر بلند کرنا اس لئے نہ تھا کہ تو راایت کے احکام ان سے جبراً منوائے جائیں بلکہ محض ان کی اور طغیان کی وجہ سے تھا لہذا اس آیت کریمہ کا ”لا اکراہ فی الدین“ دین میں کوئی جبر نہیں سے کوئی تعارض نہیں۔



علاقہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی :

﴿ يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى  
أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ☆ قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنَ  
نَدْخُلُهَا حَتَّى يُخْرِجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ☆ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ  
الَّذِينَ يَخَافُونَ اللَّهَ عَلَيَّهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ  
غَالِبُونَ ☆ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ☆ قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا لَنَ  
نَدْخُلُهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ☆ قَالَ  
رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ☆﴾

(ب ۶ سورت مائدہ ۲۱، ۲۵)

(موسیٰ علیہ السلام نے کہا) اے میری قوم داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے  
لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو  
گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام اس زمین میں تو بڑی  
جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہر گز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ  
جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے۔  
(اس وقت کہا) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے، انعام  
فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے جن پر کہ، (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازے سے  
اور جب تم داخل ہو گے دروازے سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پر  
بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔ کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم تو ہر گز داخل  
نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور  
دونوں لڑوان سے، ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی  
اے میرے رب میں مالک نہیں ہوں سوائے اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس  
جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔

بنی اسرائیل کا اصل آبائی وطن مالوف ملک شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ



مصر آکر مقیم ہوئے اور وہاں مختلف حالات سے گزرتے رہے فرعون مصر کی غلامی کا کٹھن دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات دلائی فرعون دریا میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا اس دور ان ملک شام پر قوم عمالقہ قابض ہو چکی تھی اور انہوں نے وہاں تسلط قائم کر لیا تھا فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا اصل وطن آزاد کرائیں اور وہاں جا کر مقیم ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بارہ نقیب (سردار) روانہ کئے جو چالیس روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ قوم کے سامنے بر ملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے ان کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت ان کی قد و قامت ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلا اٹھے اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لئے ہر گز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رخ کریں گے انہوں نے کہا ہم شام کی زر خیز زمینوں ٹھنڈے پانی کے ابلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزت کی زندگی سے باز آئے ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔

دوسرے دوسر داروں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو۔ ذرا ہمت کر کے دشمن کے شہر کے دروازے سے داخل ہو کر حملہ کر کے دیکھو۔ نصرت الہی کس طرح تمہارے دشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا جب وہ عمالقہ کی طاقت کا حال سن کر دل چھوڑ بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزایوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک واپس نہ پہنچ سکے اور چالیس برس تک وادی تہ میں حیران و پریشان گھومتے رہے۔

”تہ“ مصر اور شام کے درمیان ایک وسیع اور کھلا میدان تھا۔ تہ کے معنی ہی حیرانی و پریشانی کے ہیں۔ بنی اسرائیل اس میدان میں چالیس سال تک انتہائی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں سرگرداں



رہے اسی لئے اسے وادی تہ کما جاتا ہے بنی اسرائیل اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے رات بسر کرنے کے بعد صبح اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔

(از تیان و ضیاء القرآن)

## بنی اسرائیل کی سرکشی کے باوجود ان پر انعامات :

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴾ ☆

(ب ۱ سورت بقرہ ۵۷)

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا اور من اور سلوی تم پر اتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں سے اور انہوں نے (ہماری نافرمانی) کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا، ہاں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی انتہائی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات فرمائے اس آیت کریمہ میں جن نعمتوں کا ذکر ہے ان کا تعلق میدان تہ سے ہے جہاں وہ چالیس برس تک پریشان حالی اور سرگردانی میں رہے اس وادی میں نہ کوئی سایہ ہے، نہ کوئی درخت، نہ ہی کوئی عمارت، نہ پینے کے لئے پانی، نہ کھانے کے لئے کوئی چیز، نہ روشنی تھی اور نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات۔ اس بے سرو سامانی اور غریب الوطنی کے عالم میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لئے سب سامان مہیا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لئے بادل بطور سائبان نازل فرما دیا کھانے کے لئے من سلوی بھیج دیا من و سلوی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا سلوی کے بارے میں متعدد اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ وہ بیڑ تھا بعض نے کہا کہ وہ بھنا ہوا اترتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ بھرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے۔ الغرض من اور سلوی ان کی شیریں اور نمکین لطیف غذائیں تھیں جنہیں شکم سیر ہو کر وہ کھاتے تھے تاریکی دور کرنے کے لئے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی اعجازی شان اس طرح ظاہر فرمائی کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے اور نہ



ہی پھٹتے اور ان کے پھوں کے جسم کے ساتھ پھوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔

﴿وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ☆

یہاں لفظ ”فعصوا“ محذوف ہے یعنی اتنے عظیم و جلیل احسانات و انعامات کے باوجود انہوں نے نافرمانیاں کیں اور اپنی نافرمانیوں سے انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا ہاں وہ اپنے (آپ) ہی کو نقصان پہنچاتے رہے۔

(قرطبی ج ۱ از بیان)

پتھر سے پانی نکالنا :

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ ☆

(پ ۱ سورت بقرہ ۶۰)

اور جب پانی طلب کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے تو ہم نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ بے شک ہر گروہ نے پانی پینے کی اپنی جگہ کو پہچان لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ (تعالیٰ) کے رزق سے اور نہ پھروز میں میں فساد کرتے ہوئے۔

میدان تہ میں چھ لاکھ کی تعداد میں بارہ میل پر پھیلے ہوئے لشکر جب پیاس کی شدت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی بے بسی کا ذکر کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور حکم دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنا عصا پتھر پر مارو پانی جاری ہو جائے گا آپ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے مختص کر لیا پتھر سے جاری ہونے والا پانی اتنی بڑی تعداد کے لوگوں کے لئے کافی تھا پتھر مکعب شکل کا تھا اور ہر طرف سے تین تین چشمے جاری ہوئے یہ پتھر کوئی خاص معین تھا یا کہ عام پتھر تھا اگرچہ اس میں مختلف اقوال تو ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ قرآن پاک میں کسی پتھر کو مختص جب نہیں کیا گیا تو وہ پتھر عام تھا۔

(تفسیر ابی السعود)



## میدان تہ سے نجات اور ان کی سرکشی :

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ  
سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ☆ فَبَدَّلَ الَّذِينَ  
ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ  
بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ☆﴾

(پ ۱ سورت بقرہ ۵۸، ۵۹)

اور جب ہم نے فرمایا اس شہر میں چلے جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو با فراغت کھاؤ اور  
تم داخل ہو دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور کہو ”حطہ“ (ہمارے گناہوں کو  
معاف کر) ہم تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو عنقریب  
ہم زیادہ دیں گے تو بدل دیا ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی دوسری  
بات سے تو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کر  
لیا، بائبل کی تصریح یہ ہے :

” اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور  
وہاں بڑی بدکاریاں کیں جن کے نتیجہ میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور چوبیس ہزار آدمی ہلاک کر  
دیئے۔

(گنتی ۱۰ آیت ۱-۸ باب ۲۵)

ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ نظر رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ قرآن جن واقعات کا ذکر  
کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب  
نہیں ہوتا اس لئے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درس عبرت ہو عموماً  
غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ  
قصص قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان و مکان کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح  
کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔



جب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا واقعہ مراد لیا جائے تو بستی سے مراد ریحانہ ہوگی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے، اگر بیت المقدس مراد لیا جائے تو یہ واقعہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانے سے متعلق ہوگا۔ رب تعالیٰ نے اس قوم کو کہا کہ جب تم شہر میں داخل ہو تو سجدہ کرتے ہوئے عجز و انکساری سے داخل ہونا اور زبان سے ”حطہ“ کہنا لیکن قوم نے اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے سرکشی سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کے بجائے اپنی سرینوں کے بل گھیٹتے ہوئے داخل ہونا اختیار کیا اور ”حطہ“ کہنے کی جگہ ”حنطہ“ (ہمیں گندم چاہیے) کہا ان کی سرکشی اور حدود سے تجاوز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعون کا عذاب بھیجا جس سے وہ چوبیس ہزار کی تعداد میں مر گئے۔

(از کبیر)

### من وسلوی سے اعراض اور ذلت کا تسلط :

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِيهَا وَبَصِلِهَا قَالَ آتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبِ اللَّهِ ذَلِكَ بَانْتِهِمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ☆﴾

(پ ۱ سورت بقرہ ۶۱)

جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ ہم سے ایک کھانے پر ہر گز صبر نہ ہوگا تو ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ (من وسلوی کی بجائے) ہمارے لئے زمین سے اگنے والی چیزیں پیدا کرے زمین کی سبزی (ترکاری)، لکڑی، گندم، مسور اور پیاز فرمایا کیا تم ادنیٰ (گھٹیا) چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو، اترو شہر میں تو بے شک (وہاں) تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگئے یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے



ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے (بھی) کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔

یہ بات بھی بنی اسرائیل نے میدان تیرہ میں کہی تھی۔

(قرطبی ج ۱ ص ۴۲۲)

بنی اسرائیل عرصہ دراز تک بلا ناغہ من و سلوی کھاتے رہنے کی وجہ سے اکتا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اب ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہ کر سکیں گے من و سلوی کی دو مختلف قسم کے کھانوں کو ایک کھانا اس لئے کہا گیا کہ دونوں قسم کے کھانے وہ ایک ساتھ کھاتے تھے یا اس لئے کہ ہر روز بطور غذا انہیں یہی دو چیزیں ملتی تھیں یہ نفیس کھانا باقی کھانوں سے بہتر تھا لیکن بنی اسرائیل کے اصرار پر ارشاد ہوا ”اہبطوا“ تم مصر میں اتر جاؤ جو کچھ تم نے مانگا وہ تمہیں وہاں ملے گا اس مصر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ فرعون کا مصر تھا یا کوئی اور شہر رائج ہے کہ اس سے غیر متعین شہر مراد ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وادی تیرہ کے قریب کوئی شہر تھا جس میں عارضی طور پر جانے کا حکم ان کی خواہش کے مطابق دیا گیا تھا بڑھتی ہوئی نفسانی خواہشات کی بناء پر طاعت اور بندگی کی حدود سے بار بار یہود کا تجاوز اور ظغیانی ان کے حق میں دائمی ذلت و مسکنت (مسکینی) پر منتج ہوا۔

قوم یہود پر ذلت و مسکنت کا مسلط ہونا ایسی حقیقت ثابت ہے جس کا انکار واقعات کی روشنی میں کوئی اہل انصاف نہیں کر سکتا قرآن مجید میں بھی (علی روس الاشہاد) واضح شہادت سے فرما رہا ہے کہ ذلت و مسکنت اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا غضب ان کے حق میں مقدر ہو چکا ہے دنیا جانتی ہے کہ یہود کی تاریخ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں سے بہت پرانی اور قدیم ہے ابتداء سے لیکر آج تک ان کی تاریخ کو سامنے رکھ لیجئے کوئی دور ان کا ذلت و مسکنت سے آپ کو خالی نظر نہیں آئے گا حالانکہ ان میں ایک طبقہ بہت بڑا سرمایہ دار ہے لیکن انتہائی غلیل اور حریص غلیل کتنا ہی مالدار ہو مگر غفل کی وجہ سے وہ ہمیشہ مسکینی کی ہیئت پر رہتا ہے اور حریص کمال حرص کے سبب ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مال جمع کرنے کی فکر میں رہتا ہے و تعجب (مصیبت اور مشقت) میں مبتلا رہتا ہے پھر یہ کہ سب یہودی مالدار نہیں بلکہ بہت سے یہود فقر و مسکنت کا شکار ہیں۔ حیوانیت و بربریت، ظلم و جور، دکھی انسانیت پر لرزہ خیز مظالم ان کی طبائع میں مرکوز ہیں۔ عہد



شکنی، وعدہ خلافی ان کا طرہ امتیاز ہے، ان کے ظلم و ستم کے باعث اقوام عالم کی نظروں میں وہ لائق گردن زنی (گردن اڑا دینے کے قابل) رہے ہیں اسی لئے انکی پوری تاریخ میں ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ ان کے جرائم کی پاداش میں لوگ انہیں قتل کرنے اور سخت تکلیفیں پہنچانے کے درپے نہ رہے ہوں قرآن مجید کے اعلان کے مطابق یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ يَسُوءُ لَهُمْ سَاءَ الْعَذَابِ﴾

(پ ۹ سورۃ اعراف ۶۷)

یعنی آپ کے رب تعالیٰ نے بتادیا تھا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب دیں گے۔

اس زمانہ میں بھی جب کہ یہود کی نام نہاد حکومت فلسطین میں قائم ہے مظلوم فلسطینی ہر وقت ان کی تاک میں رہتے ہیں گویا وہ یہودیوں پر مسلط رہتے ہیں جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ یہود کو تکلیفیں پہنچانے قتل کرنے اور قیدی بنانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور یقیناً یہ صورت حال قیامت تک جاری رہے گی البتہ ان کے لئے جان و مال کی بے حرمتی سے بچنا اللہ تعالیٰ کی رسی کے سہارے ہو سکتا ہے یا اس کے علاوہ ذلت و خواری سے محض بظاہر محفوظ رہنا لوگوں کی رسی کے ذریعے ممکن ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَمَا تُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ﴾

(پ ۴ سورۃ آل عمران ۱۱۲)

یعنی وہ جہاں بھی پائے جائیں ذلت ان پر مسلط کر دی گی بجز اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کے اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن اور اسلام ہے قرآنی اور اسلامی حکم ہے۔

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ﴾

(پ ۱۰ سورۃ توبہ ۶)

یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو اور ارشاد فرمایا

﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

(پ ۱۰ سورۃ توبہ ۲۹)

یعنی (اگر شہ پناہ طلب نہ کریں تو) ان کا مال و جان محفوظ نہیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔



اگرچہ پناہ مانگنا اور جزیہ ادا کرنا دونوں باتیں موجب ذلت ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں مستامن اور ذمی کا جان و مال بے حرمتی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور لوگوں کی رسی سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلم لوگ ان سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت کا ذمہ اٹھالیں جیسا کہ آج کل بعض غیر مسلم بڑی طاقتوں نے یہود سے معاہدہ کر کے ان کی حفاظت ذمہ اٹھایا ہوا ہے، جس کی بل بوتے پر فلسطین میں یہود کی بے بنیاد حکومت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ اگر وہ لوگ آج اپنا معاہدہ ختم کر دیں تو یہ نام نہاد حکومت باقی نہ رہے۔

بعض مفسرین نے ”لوگوں کی رسی“ کا مفہوم ”جزیہ“ بیان کیا ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رسی اور لوگوں کی رسی ایک ہی قرار پائے گی حالانکہ نسب یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ ہوں۔

(ملخصاً البحر المحیط ج ۲ ص ۳۲ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۶)

غالباً اسی لئے قرآن مجید میں ”وحبل من المسلمین کی بجائے وحبل من الناس“ فرمایا گیا ہے ایسی حکومت کا قیام قرآن کی پیشگوئی کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ حبل من الناس کے الفاظ میں اس مسئلہ میں قرآنی صداقت کا اعلان کر رہے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ قرآن کے مطابق محض لوگوں کے سہارے فلسطین میں بے بنیاد اسرائیلی حکومت قائم ہے جو آج بھی حقیقی ذلت و مسکنت اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہے اور یقیناً آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں یہ لوگ مبتلا ہوں گے۔

﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے

”بغیر الحق“ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے کوئی ایسا کام سرزد ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کا قتل حق قرار پائے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں ان سے کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا یہاں بغیر الحق فرما کر انبیاء کے قاتلین کے فعل کا وصف بیان فرمایا کہ وہ ناحق تھا۔

(فرطی ج ۱ ص ۴۳۲)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء کا قتل ان کی نبوت کے خلاف نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حق میں وعدۃ الہیہ ..... ﴿وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے چائے گا..... حضور کی خصوصیات سے ہے، ورنہ نفس قتل کا نبی پر وارد ہونا ہرگز اس کی نبوت کی نفی نہیں کرتا، جس کی روشن دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اگر رسول اللہ ﷺ پر موت طاری ہو جائے یا مقتول ہو جائیں تو اے



مسلمانو کیا تم پچھلے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یعنی رسول کے لائے ہوئے دین کو چھوڑ دو گے۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی انتہائی شقاوت قلبی کا بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو قتل کرنے والوں سے بڑھ کر کون شقی القلب ہو سکتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا یہ سب کچھ یہو کی نافرمانی اور پرانی سرکشی کا ظہور تھا۔

(تبیان)

گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ :

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ☆ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالِ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لِّأَفَارِصَ وَلَا بَكْرٌ عَوَّانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ☆ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لُونَهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقْعَ لُونَهَا تَسْرُ النَّاطِرِينَ ☆ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقْرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ☆ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِئَةَ فِيهَا قَالُوا الْتَنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ☆﴾

(ب ۱ سورت بقرہ ۶۷، ۷۱)

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے ایک گائے ذبح کرنے کا، وہ بولے: کہ آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں نادانوں سے ہو جاؤں انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتا دے وہ کیسی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ ننھی (بلکہ) اس کے درمیان متوسط عمر کی، پس جلاؤ جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: ہمارے لئے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بتائے



اس کا رنگ کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک وہ یقیناً وہ زرد گائے ہے گہرے چمکدار رنگ کی دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے وہ بولے اپنے رب تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے وہ ہمیں کھول کر بتائے اس کا وصف کیا ہے؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور بیشک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ضرور راہ پائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیشک وہ فرماتا ہے یقیناً وہ گائے ہے جو نہ محنت کش ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ وہ کھیتی کو پانی دیتی ہے صحیح سالم ہے (یک رنگ) جس میں کوئی (داغ) دھبہ نہیں وہ بولے آپ ٹھیک بات لائے پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے کے قریب نہ تھے۔

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کر دیا تاکہ اس کا وارث بن جائے۔ قتل کر کے اس کی لاش کو چوراہے میں پھینک دیا پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر آگیا موسیٰ علیہ السلام نے کوشش کی قاتل کا پتہ لگانے کی لیکن پتہ نہ چل سکا وہ لوگ کہنے لگے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ وہ بتائے کہ اس کا قاتل کون ہے۔ آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی۔ آپ نے اپنی قوم کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کر کے اس کا گوشت مردہ کو مارو وہ زندہ ہو کر بتائے گا کہ میرا قاتل کون ہے انہوں نے تعجب کیا کہ ذبح شدہ جانور کا گوشت مردہ کو کیسے زندہ کرے گا یہ تو ایک مزاح نظر آرہا ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

”یعنی ان الاشتغال بالاستہزاء لا یكون الا بسبب الجهل ومنصب النبوة

لا یحتمل لاقدام علی الاستہزاء“

یعنی مزاح اڑانا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی سے مزاح اڑائے اور خصوصاً دینی معاملات میں مزاح اڑانا شدید عذاب اور وعید کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ وہ ایسا اقدام کر سکتا ہے جو عذاب کا سبب بنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

”لو ذبحوا اية ارادوا لأجزاء منهم لكنهم شددوا علی انفسهم فشد الله علیهم“



اگر وہ کوئی گائے بھی ذبح کرتے تو ان کو کفایت کرتی لیکن انہوں نے خود بار بار سوال کر کے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”والذی نفس محمد بیدہ لو لم یقولوا ان شاء اللہ لحیل بینہم و بینہا ابدًا“

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہتے تو ہمیشہ ان کے اور گائے کے حصول میں سوالات حائل رہتے۔ یعنی جب انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ہدایت پائیں گے تو اسی وقت ان کو سوالات ختم کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔

بہت بھاری قیمت سے گائے حاصل کی:

اس وقت عام طور پر گائے کی قیمت تین دینار تک ہوتی تھی لیکن انہوں نے سوال کر کے اپنے لئے اتنی مشکل پیدا کر دی تمام اوصاف کسی گائے میں بیک وقت پائے جانے دشوار نظر آئے آخر کار تلاش کرتے کرتے انہیں ایک بیوہ اور اس کے یتیم بچے کے پاس ایسی گائے نظر آئی جس میں بیان کردہ جمیع اوصاف موجود تھے بوڑھی نہیں تھی اور ننھری نہیں تھی بلکہ درمیانی عمر کی تھی زرد رنگ تھا دیکھنے والوں کو خوش کرتا تھا زمین میں اس نے ہل نہیں چلایا تھا اور نہ ہی کھیتی کو سیراب کیا تھا اور اس میں کوئی عیب اور داغ دھبہ نہیں تھا کیونکہ اس یتیم کے بوڑھے، نیک، پرہیزگار باپ نے اپنی ایک ننھری کو جنگل میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دے دیا تھا کہ میرا بچہ کچھ بڑا اور سمجھدار ہو کر اسے لے جائے گا۔ وہ بچہ بھی والدین کا فرمانبردار تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنی گائے جنگل سے لے آیا تھا۔ اسی گائے میں تمام اوصاف موجود تھے۔ موٹی تازی تھی، خوبصورت تھی، بنی اسرائیل کو اس کے چمڑے میں جتنی مقدار میں سونا آسکتا تھا اتنی مقدار میں سونا بطور قیمت ادا کرنا پڑا۔

سبحان اللہ! مالک الملک نے اپنے بندے کی گائے کی جنگل میں حفاظت فرمائی اور اس نیک بندے کی بیوہ اور اس کے یتیم بچے کو کثیر مقدار میں مال و دولت عطا فرمایا۔



بنی اسرائیل اگرچہ گائے کی بھاری قیمت ادا کرنے پر خوشی رضا مند نہیں تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ہمارا مقتول زندہ ہو گیا تو ہمارا اپنا ہی عیب ظاہر ہو گا لیکن انہیں پھر بھی گائے ذبح کرنی پڑی کیونکہ اب ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا تھا اگرچہ وہ ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔

(از کبیر)

گائے کے ذبح کرنے میں حکمت :

ایک وجہ تو یہی تھی کہ نیک آدمی کے یتیم بچے اور اس شخص کی بیوہ کو کثیر مال عطا کرنا تھا اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ سوال کرتے ہیں اس طرح وہ گائے کہیں اور نہ مل سکی دوسری وجہ یہ تھی کہ گائے کی قربانی کا طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اور وہ لوگ گائے کی قربانی کو عظیم سمجھتے تھے اس لئے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کے ذہن اسے قبول کر لیں کہ گائے کی قربانی میں یہ اثر ہو گا مقتول کو زندہ کرنے کا یہ عجیب انداز بیان کر کے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے مردوں کو زندہ کرتا ہے نیز یہ کام ان کے اپنے ہاتھوں سے کر لیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر وہ جادو گری کا الزام عائد نہ کر سکیں۔

## ﴿قوم موسیٰ علیہ السلام میں قارون﴾

ارشاد خداوندی ہے :

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ☆ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ☆ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرَ جَمْعًا وَلَا يَسْتَلْ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ☆ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا



أَوْتَى قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ☆ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ☆ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ☆ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيَكَآئُ اللَّهُ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْ لَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بَنَّا وَيَكَآئُهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ☆ ﴿

(پ ۲۰ سورت القصص ۷۶، ۸۲)

بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی چابیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اتر انہیں ہے بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال تجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ چاہ بیشک اللہ تعالیٰ فساد یوں کو دوست نہیں رکھتا بلکہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرمادیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جماعتیں اس سے زیادہ (اللہ خود ہی جانتا ہے) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا (کہ تمہارا مال کہاں ہے، تمہاری زیادتیاں کیا ہیں؟) تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں، بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا بے شک اس کا بڑا نصیب ہے اور بولے جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ تعالیٰ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے بچانے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا اور کل جس نے اس مرتبہ کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کیلئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب! کافروں کا بھلا نہیں۔



قارون (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کا قریبی رشتہ دار تھا زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کا چچا زاد بھائی تھا بعض حضرات نے اسے آپ کا خالہ زاد کہا ہے اس نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی نبوت پر حسد کرتے ہوئے منافقت اختیار کر لی تھی جیسے آپ کی قوم میں سامری منافق تھا قارون خوبصورت ہونے کی وجہ سے منور کہلاتا تھا اور تورات کا بھی بہت بڑا قاری تھا لیکن نبی کا گستاخ ہونے کی وجہ سے ذلیل ہوا وہ بہت بڑا مالدار تھا دس آدمیوں کی جماعت اس کے مال کو شمار نہیں کر سکتی تھی یا یہ لوگ اس کے خزانوں کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

﴿ان اختیار ابن عباس والحسن أن تحمل المفاتيح على نفس المال﴾

حضرت ابن عباس اور حسن (رضی اللہ عنہم) کا مختار مسلک یہ ہے کہ مفاتیح سے مراد مال لیا جائے یعنی اس کے مال کو دس آدمی نہیں اٹھا سکتے تھے

﴿والعصبة الجماعة الكثيرة مثلها فالعشرة عصبه﴾

عصبہ اور عصابہ بڑی جماعت کو کہتے ہیں دس کی تعداد پر عصبہ بولا جاتا ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا ونحن عصبه اور ہم ایک جماعت ہیں یہ کہنے والے دس کی تعداد میں تھے۔

”ان تلك المفاتيح بلغت ستين حملا ليس مذكورا في القرآن فلا تقبل هذه الرواية“

جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ سواریوں کا بوجھ تھا اس کا ذکر قرآن پاک میں نہیں لہذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

قارون اپنی مالداری کی وجہ سے اپنی قوم کے غرباء کو گھٹیا سمجھتا تھا ان کے ایمان کا کچھ پاس نہ کرتا اپنے کثرت مال کی وجہ سے اس کے دل میں ان کی کوئی عظمت نہ تھی مصر میں رہنے کے دوران بھی فرعون کا ایجنٹ تھا اس لئے وہاں بھی بنی اسرائیل پر مظالم ڈھاتا رہتا تھا اور اپنے تکبرانہ انداز سے بھی ان پر غصہ کا اظہار کرتا رہتا تھا۔

(کسر)

اس کی قوم نے اسے کہا کہ تم اپنے کثیر مال کی وجہ سے اتراؤ نہیں اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں



کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق تمہیں مزید نعمتیں عطا کرے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾

(پ ۱۳ سورت ابراہیم ۷)

اگر تم شکر یہ ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید نعمتیں دوں گا۔

اس لئے تمہیں چاہیے کہ تم دنیا میں آخرت کے لئے عمل کر کے عذاب سے نجات حاصل کرو اس لئے کہ دنیا میں انسان کا حقیقی حصہ یہ ہے کہ آخرت کے لئے عمل کرے صدقہ دے کر صلہ رحمی کرے اور اعمال خیر کے ساتھ آخرت کا ثواب اور کامیابی حاصل کرے اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پانی، صحت، قوت و جوانی اور دولت کو نہ بھول بلکہ ان سے اے انسان آخرت کو طلب کر۔

حدیث شریف میں ہے کہ پانچ سے پہلے پانچ کو غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، ثروت کو ناداری سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے، قارون نے کسی کی نصیحت کو قبول نہ کیا بلکہ کہنے لگا یہ مال تو مجھے کسی نے نہیں دیا میں نے تو اپنے علم سے اسے حاصل کیا۔

علم سے مراد تورات کا علم یا کیمیاگری جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا تھا اور اس کے ذریعے قلعی کو چاندی اور تانبے کو سونا بنا لیتا تھا یا علم تجارت یا علم زراعت یا اور پیشوں کا علم۔

(از خزائن العرفان)

جب وہ زرق برق لباس زیب تن کئے ہوئے شاندار سواری پر سوار ہو کر شاہانہ انداز پر نکلتا تو اسے دیکھ کر دنیا اور لوگوں کا جی للچاتا دل میں حسرت پیدا ہوتی وہ کہتے کتنا خوش نصیب ہے یہ قارون کاش ہمیں بھی اس جیسا مال و دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میسر ہوتی، لیکن جو لوگ صاحب علم تھے دنیا کے مال کی حقیقت سے باخبر تھے کہ یہ ناپائیدار چیز ہے ان کے دل میں کسی قسم کو کوئی خیال پیدا نہ ہوتا کہ ہمیں بھی ایسا مال ملے بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی سمجھایا کہ تمہاری بربادی ہو تم دنیا کا مال طلب کر رہے ہو تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے لئے اپنے ایمان پر ثابت رہو اور اچھے اعمال کرتے رہو۔



## قارون کا زمین میں دھنس جانا :

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال سے زکوٰۃ وصول کروں۔ قارون نے انکار کر دیا اس نے دوسروں کو بھی برگشتہ کرنے کی کوشش کی لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس نماز ادا کرنے کا حکم لائے اور بھی کئی احکام لائے کہ تم ان پر عمل کرو تو ہم نے ان پر عمل کیا اب وہ ہم سے ہمارا مال بھی چھیننا چاہتے ہیں یہ ہم کیسے برداشت کریں سب نے کہا ہاں یہ تو ہم کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا کیا جائے؟ اس نے کہا فاحشہ عورتوں میں سے ایک عورت کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلاتے ہیں اور اسے انعام کا لالچ دے کر موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگاتے ہیں تاکہ سب لوگ اسے چھوڑ جائیں اس نے اپنی منصوبہ کے مطابق ایک فاحشہ عورت کو بلایا اسے ایک ہزار دینار یا سونے سے بھر اہو ایک طشت دینے کا وعدہ کیا کہ تم سب لوگوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ موسیٰ علیہ السلام نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔

موسیٰ علیہ السلام نے عید کے دن خطبہ دیا اور احکام الہیہ بیان کئے اس دوران قارون نے بھی اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی مذموم لیکن ناکام کوشش کی یا کہ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم بنی اسرائیل کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاؤ کہ مجھے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ہے آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا ممکن ہے قارون کے کہنے پر عید کے دن ہی سب کو جمع کر کے آپ نے خطبہ دیا ہو اس طرح روایتوں کا مقصد ایک ہی ہو گا آپ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پیغام تمہیں پہنچاؤں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہراؤ صلہ رحمی کرو اس طرح آپ نے اور بھی کئی احکام بیان فرمائے اور آپ نے یہ فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زانی کو سنگسار کر دوں۔ قارون اور اس کے چچے کڑ جھے کہنے لگے، یہی کام اگر تم کرو؟ آپ نے فرمایا مجھے بھی سنگسار کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ تم نے تو زنا کیا ہے (معاذ اللہ)۔ آپ علیہ السلام نے کہا میں نے؟ انہوں نے کہا ہاں تم نے۔ ابھی وہ عورت مجمع عام میں آکر بتائے گی اس عورت کو بلایا گیا سب نے کہا کہ تم بتاؤ جو معاملہ تمہارے ساتھ درپیش آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا



اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے سچ سچ بتاؤ کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ اس عورت نے کہا جب تم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے تو اب میں سچ سچ بیان کروں گی کوئی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوگی۔

اس نے کہا ان لوگوں نے مجھے بلایا اور کثیر مال دینے کی پیش کش کی ہے کہ میں تم پر تہمت لگاؤں کہ تم نے میرے ساتھ برائی کا ارتکاب کیا ہے میں گواہی دیتی ہوں کہ بے شک تم پاک دامن ہو ہر طرح سے پاک و صاف ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔ موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے اور رب تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے اے مولائے کائنات جب میں تیرا رسول ہوں تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام زمین کو تمہارے حکم کے تابع کر دیا ہے اسے جو حکم دیں گے وہ تسلیم کرے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا کہ مجھے رب تعالیٰ نے قارون کی طرف بھی ایسے ہی بھیجا جیسا کہ فرعون کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے اس پر شاہد ہے :

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ﴾

(پ ۲۴ ع ۸)

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف۔

اس لئے جو شخص اس کا ساتھ دینا چاہے وہ اس کا ساتھ دے اور جو میرا ساتھ دینا چاہتا ہے وہ اسے چھوڑ دے آپ کے اس ارشاد پر اس کے ساتھ صرف دو آدمی رہ گئے باقیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا پھر آپ علیہ السلام نے کہا: ”اے زمین ان کو (قارون اور اس کے ساتھیوں کو) پکڑ لے“ زمین نے ان کو ایڑیوں تک اپنے اندر دھنسا لیا وہ کہہ رہے تھے اے موسیٰ علیہ السلام، اے موسیٰ علیہ السلام لیکن آپ بدستور فرما رہے تھے اے زمین ان کو پکڑ لے۔ تو زمین نے ان کو گھٹنوں تک دھنسا لیا۔ پھر اس نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام، اے موسیٰ علیہ السلام لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ زمین کو کہا ان کو اپنی گرفت میں لے لے تو زمین نے ان کو کمر تک دھنسا لیا پھر اسی طرح گردنوں تک وہ دھنس گئے اس حالت میں وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے آپ پر رحم کرنے کے واسطے ڈال رہے تھے لیکن آپ نے شدت غضب کی وجہ سے ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ کیا بلکہ زمین کو آخری حکم بھی دے دیا کہ اے



## تذکرۃ الانبیاء

زمین ان کا مواخذہ کر لے۔ آخر زمین نے ان کو مکمل طور پر اپنے اندر سمیٹ لیا۔

رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور کہا اے موسیٰ تم نے کتنی سخت دلی کا مظاہرہ کیا ہے وہ تمہیں بار بار پکار رہے تھے لیکن تم نے ان پر کچھ رحم نہ کیا ان کی آہ وزاری پر کچھ توجہ نہ دی۔

”اما وعزتی و جلالی لو بی استغاث لا غتہ“

اور دوسری روایت میں ہے کہ

”لو ایای دعوا مرة واحدة لوجدونی قریبا مجیبا“

خبردار مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر مجھ سے کوئی فریاد طلب کرتا تو میں اس کی فریاد کو ضرور پہنچتا یعنی اس کی حاجت کو پورا کرتا کہ اگر مجھے ایک مرتبہ ہی کوئی پکارتا تو مجھے اپنی پکار قبول کرنے والا پاتا۔ رب تعالیٰ کے اس ارشاد کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا خوب دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

”رب غضبا لك فعلت“

اے میرے رب میں نے تیری لئے ہی تو غصہ کرتے ہوئے یہ کیا ہے۔

یعنی اے اللہ تعالیٰ جب وہ تیرے دین کی دھجیاں بکھیر رہے تھے تیرے احکام کو پامال کر رہے تھے خود گمراہ ہو رہے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے تھے تو میں نے تیرے حضور عرض کیا کہ اے مولائے کریم جب میں تیرا رسول ہوں انہیں تیرے احکام پہنچا رہا ہوں لیکن یہ اپنے طریقہ سے باز نہیں آ رہے تو تو ان کو اپنی گرفت میں لے لے اے رب کریم تجھ سے بڑھ کر کون جانتا ہے کہ میں نے ان پر اس لئے غصہ نہیں کیا کہ انہوں نے مجھ پر تہمت لگائی ہے اس میں وہ خود ہی ذلیل ہو چکے تھے میرا غصہ تو تیری ذات کی وجہ سے تھا میں ان کی آہ و پکار کو کیسے سنتا ؟

(از روح المعانی)

موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ایذا سے بری کرنا :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ

عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ☆﴾

(پ ۲۲ سورت احزاب ۶۹)



اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ستایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بری فرمادیا اس بات سے جو انہوں نے کی اور موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے مال کی تقسیم پر جب ایک شخص نے اعتراض کیا تو حضور ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :

”یرحمہ اللہ موسیٰ لقد اودى باکثر من هذا فصر“

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا لیکن آپ نے صبر کیا۔

(بخاری و جلالین)

موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک واقعہ تو ابھی گزرا ہے کہ آپ پر تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمایا۔

دوسرا واقعہ جو مسند احمد بخاری ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت حیا فرماتے تھے، آپ اپنے جسم کو اس طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے کہ آپ کے جسم کی جلد کو کوئی شخص نہ دیکھے۔ یہ اہتمام آپ حیا کی وجہ سے کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں سے آپ کو بعض نے ذہنی اذیت (تکلیف) پہنچائی، وہ کہنے لگے کہ آپ اپنے جسم کو کسی عیب کی وجہ سے ڈھانپتے ہیں تو آپ کو برص کی مرض ہے یا ادرۃ (خصیتین میں ہوا بھری ہونا) کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جب ہی آپ ہمارے ساتھ مل کر ننگے ہو کر نہیں نہاتے۔ وہ سب لوگ مل کر ننگے نہاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ نبی کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام ایک دن سب لوگوں سے علیحدہ ہو کر نہانے لگے۔ آپ نے اپنے کپڑے پتھر پر رکھے غسل کیا جب غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کے لئے پتھر کی طرف متوجہ ہوئے تو پتھر آگے بھاگ کھڑا ہوا موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے پیچھے۔ ا ثوبی حجر، ثوبی حجر اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے



اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ) میں رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب میں انہیں کیسے پاؤں گا تو آپ کو بتایا گیا کہ تم اپنے تھیلے میں ایک مچھلی بند کر کے اپنے ساتھ لے لو جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے وہی ان کا مقام ہو گا۔

(مسلم باب فضائل خضر علیہ السلام ج ۲)

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ☆  
فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ☆ فَلَمَّا  
جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ☆ قَالَ أَرَأَيْتَ  
إِذَا وَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ  
وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ☆﴾

(پ ۱۵ سورت کہف ۶۰، ۶۳)

اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرونوں چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتے ہوئے۔ پھر جب وہاں سے گزر گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے خادم سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک ہمیں اپنے سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا بولا بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بیشک میں مچھلی کو بھول گیا تھا اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ میں اس کا ذکر کروں اس (مچھلی) نے تو سمندر میں اپنی راہ لی ہے جو باعث تعجب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جس جوان کو اپنے ساتھ لیا وہ یوشع بن نون تھے جو آپ کی خدمت و صحبت میں رہتے تھے اور آپ سے علم اخذ کرتے تھے اور آپ کے بعد آپ کے ولی عہد ہیں۔

مجمع البحرین سے مراد دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ یعنی بحر فارس اور بحر روم جہاں ملیں گے وہاں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے اس کی نشانی یہ بتائی گئی کہ جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے اسی مقام میں ان کو تلاش کرنا موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچنے کا مصمم عزم (پکا ارادہ) کر لیا اور فرمایا کہ میں



اپنی کوشش جاری رکھو گا یہاں تک کہ وہاں پہنچ جاؤں بیشک وہ جگہ کتنی ہی دور ہو میرا سفر وہاں پہنچنے تک جاری رہے گا پھر ان حضرات نے روٹی اور بھونی ہوئی نمکین مچھلی اپنے ساتھ ایک تھیلے میں لی تاکہ راستہ میں کام آئے پھر یہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک پتھر کی چٹان تھی وہاں ان حضرات نے آرام کیا اور سو گئے بھونی ہوئی مچھلی تھیلے میں زندہ ہو گئی تڑپ کر دریا میں گر گئی اس پر سے پانی کا بہاؤ رک گیا اور ایک محراب سی بن گئی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بیدار ہو چکے تھے مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں گرنے کو دیکھ رہے تھے لیکن یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے تھے دونوں حضرات وہاں سے چلے دوسرے دن کھانے کے وقت تک اپنا سفر جاری رکھا جب دوسرا دن ہوا کھانے کا وقت ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا سفر کی تھکان بھی ہے اور بھوک کی شدت بھی اس لئے تھیلے سے روٹی اور مچھلی نکالو تاکہ کھانا کھالیں اس وقت یوشع بن نون کو یاد آیا انہوں نے کہا مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی بھونی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں جانا حیران کن اور تعجب ناک معاملہ تھا۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے بھولنے کو شیطان کی طرف منسوب کیا اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کے دل میں وطن سے دوری اور گھر کے افراد کا خیال ہو آپ نے نفس کے خیالات کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا ہو جو مثل شیطان ہے دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے مشاہدہ میں مستغرق ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف کامل توجہ کی وجہ سے اور کچھ خیال نہ رہا ہو اس کا حقیقی فاعل تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آپ نے عاجزی کے طور پر یہ کہا ہو کہ مجھے کچھ نہ کچھ دیگر امور کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے تھی یہ میرا توجہ نہ کرنا مجازاً شیطان کی طرف منسوب ہے۔

(از خزائن العرفان و روح المعانی)

**فائدہ:** ﴿واذ قال موسیٰ لفته﴾ میں ”فتی“ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں خادم کو ادب و احترام کے لئے خادم کے بجائے فتہی (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ فرق مراتب کے باوجود ہمیں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل ہو اور دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ کاش کہ یہ سبق پولیس کے افراد کو حاصل ہو جائے جن میں



اکثریت شرفاء سے یہودہ کلام سے درپیش آتی ہے اور یہ سبق اللہ تعالیٰ کرے سکولوں اور دینی مدارس کے ہزاروں مدرسین میں سے کسی ایک یہودہ کو بھی حاصل ہو جائے جو گندی زبان استعمال کرتے ہیں طلباء کرام کو اپنی اولاد و اقارب سے کم سمجھنے والے یہودہ بجواس کرنے والے والے مخرب اخلاق تو ہو سکتے ہیں معلم اخلاق نہیں ہو سکتے علم سے دور کرنے کا ذریعہ تو ہو سکتے ہیں علم عطا کرنے کا سبب نہیں بن سکتے طلباء کو بد کلامی تو سکھا سکتے ہیں شیریں سخنیں سکھانا ان سے بھلا کیسے ممکن ہے۔

مچھلی زندہ ہونے کی جگہ لوٹنا:

﴿قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَأَرْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۖ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا  
آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ  
عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ  
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا  
وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ﴾

(ب ۱۵ سورۃ کہف ۶۴، ۶۹)

(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا اس سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی کہا آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی کہا آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیونکر صبر کریں جسے آپ کا علم محیط نہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا عنقریب اللہ تعالیٰ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع وہاں لوٹ کر آئے جہاں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی



گئی تھی پانی کا بہاؤ رکنے کی وجہ سے مختلف نشانات موجود تھے موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی مقام ہمارا مقصود ہے دونوں نے تلاش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ایک چٹان کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے لیٹ رہا ہے موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا انہوں نے کہا اس زمین میں سلام کہاں سے آگیا؟ (یہاں تو کوئی سلام کرنے والا کبھی نظر نہیں آیا) آپ نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا بنی اسرائیل کا موسیٰ؟ آپ نے کہا جی ہاں حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا وہ مجھے عطا نہیں فرمایا اور جو علم مجھے عطا فرمایا تمہیں نہیں عطا فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کیا میں آپ کی تابعداری کر سکتا ہوں کہ تم مجھے وہ علم عطا کرو خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انہیں ظاہری شریعت کا علم عطا کیا گیا ہے یہ باطنی امور پر صبر نہیں کر سکیں گے اس لئے انہوں نے کہا تم کیسے صبر کر سکو گے موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا۔

(از مسلم شریف و شرح مسلم)

حضرت خضر علیہ السلام نے شرط عائد کر دی :

﴿ قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ ☆

(پ ۱۵ سورت کہف ۷۰)

کہا اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔

موسیٰ علیہ السلام چونکہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ صبر کروں گا اور آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا اس لئے آپ کو خضر علیہ السلام نے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔

خضر علیہ السلام کا کشتی توڑنا :

﴿ فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتُهَا لِتُفَرِّقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴾ ☆ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ☆ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ☆ ﴿

(پ ۱۵ سورت کہف ۷۱، ۷۳)



اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے اس بندہ نے اسے چیر ڈالا (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا تم نے اسے اس لئے چیرا کہ اسکے سواروں کو ڈبا دو بے شک تم نے بری بات کی کہا میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ دونوں چلے ، یوشع علیہ السلام کا ذکر نہیں ، یا تو اس لئے کہ وہ تابع تھے ان کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی ، یا یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا ہو۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں دریا کے کنارے چل رہے تھے ان کے قریب سے ایک کشتی کا گزر ہوا کشتی والے لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا تھا اس لئے انہوں نے آپس میں کلام کیا کہ انہیں کشتی میں سوار کرنا چاہیے لہذا انہوں نے بغیر اجرت لینے کے ان حضرات کو سوار کر لیا یہ دونوں جب سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی جو کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھی اس نے دریا میں اپنی چونچ ماری تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا :

”ما نقص علمی و علمک من علم اللہ الا مثل ما نقص هذا العصفور من البحر“  
میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کی چونچ  
میں آنے والے پانی کو دریا کے پانی میں نسبت ہے۔

یہ بات صرف سمجھانے کی حد تک ہے ورنہ ان دونوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل اس سے بھی قلیل ہے۔ خیال رہے یہاں ظاہری معنی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ ظاہری معنی یہ ہے کہ میرے اور تمہارے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی سوائے اتنی مقدار کے جتنی چڑیا کی چونچ نے دریا میں کمی کی ہے۔ یہ معنی کسی حد تک بھی درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کمی کا واقع ہونا کسی طرح بھی ممکن نہیں ماقبل بیان کردہ معنی کو ہی علامہ نووی نے شرح مسلم میں ان الفاظ سے پیش کیا ہے :

” قال العلماء لفظ النقص ههنا ليس على ظاهره وانما معناه ان علمي



وعلمك بالنسبة الى علم الله تعالى كنسبة ما نقرة هذا العصفور الى ماء  
البحر هذا على التقريب الى الافهام والا فنسبة علمها اقل و احقر

(شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکیڑ دیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے  
کہا کہ اس قوم نے ہمیں بغیر اجرت کے کشتی پر سوار کیا تم نے اسے توڑ دیا کیا تم لوگوں کو غرق کرنا چاہتے ہو  
خیال رہے یہ کشتی کا توڑنا کنارے کے قریب جا کر تھا اور خضر علیہ السلام نے وقتی طور پر اس میں کیل بھی لگا دیا  
تھا۔

﴿لقد جئت شیاء امرا﴾ تم نے بہت بری بات کی۔

یعنی تمہارا کام اچھا نہیں۔ امرا کا معنی داهیا منکرا بہت خوفناک معاملہ عام طور پر  
امرا الامر لفظ بولا جاتا ہے جبکہ کوئی عظیم کام واقع ہو یا کثیر امور کا وقوع ہو

خضر علیہ السلام نے کہا میں نے جو کہا تھا کہ تم ظاہر دیکھ کر صبر نہیں کر سکو گے موسیٰ علیہ السلام  
نے کہا مجھ سے بھول واقع ہو گئی ہے اس لئے اس میں میری کوئی گرفت نہ کریں۔

(از روح المعانی)

خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا:

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقْتَلْتَنِي زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ  
لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ☆ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ☆ قَالَ  
إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ☆﴾

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے قتل کر دیا موسیٰ (علیہ السلام) نے  
کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دی بیشک تم نے بہت بری  
بات کی کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہر گز صبر نہیں کر سکو گے، کہا: اس کے بعد تم  
سے پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہ رہنا بیشک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا ہے۔

جب کشتی سے دونوں حضرات نکلے تو کنارے پر چل رہے تھے جب ان کا گزر ایک بستی سے



ہوا، وہاں لڑکے کھیل رہے تھے ایک لڑکا ان میں جس کا نام جیسو ریا جنبشور تھا جو تمام لڑکوں سے زیادہ حسین اور صاف ستھرا تھا آپ نے اسے سر سے پکڑا اور اس کا جدار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے اسے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بڑے غصہ میں زوردار آواز سے کہا یہ تم نے کتنا برا کام کر دیا ایک نابالغ بچے کو قتل کر دیا جو صاف ستھرا گناہوں سے پاک تھا اس پر کوئی قصاص لازم نہیں تھا یہ ایسا کام تم نے کیا ہے جو سراسر عقل کے خلاف ہے حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے جو کہا تھا کہ تم صبر نہیں کر سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد اگر میں نے کوئی سوال کیا تو تم میرا ساتھ چھوڑ دینا کیونکہ اس وقت تمہیں میری طرف سے عذر حاصل ہو جائے گا۔

(از روح المعانی)

خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا :

﴿فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا آتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ ۖ اسْتَطَعَمَا أَهْلُهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّقُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ ۖ فَاقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ﴾ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ ﴿

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے خضر علیہ السلام نے کہا یہ میری اور آپ کی جدائی ہے اب میں ان باتوں کی وجوہ بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

یہ بستی انطاکیہ یا ایلہ تھی موسیٰ علیہ السلام بھوک کی وجہ سے اس حالت میں تھے کہ کسی سے طعام طلب کرنا جائز بلکہ جان چانے کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے ایسے حال میں ان لوگوں پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ طعام کھلائیں اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے دیوار درست کرنے پر اعتراض کیا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں شدید بھوک کے حال میں کھانا بھی نہیں کھلایا تو ان سے اجرت لینا ضروری تھی جب



ان دونوں نے دیوار کو دیکھا جو ایک طرف جھکی ہوئی تھی گرنے کے قریب پہنچ چکی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ سے اسے سیدھا کر دیا صرف ہاتھ پھیرا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی یہ درحقیقت ان کا معجزہ تھا موسیٰ علیہ السلام کے اس اعتراض پر خضر علیہ السلام نے کہا اب آپ کے وعدہ کے مطابق میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آچکا ہے البتہ یہ تین کام جو میں نے کئے ہیں جن پر تم نے اعتراض کیا ان میں سے ہر ایک کی وجہ اور حکمت میں بیان کر دیتا ہوں تاکہ تمہیں پتہ چل جائے اور تم جس غرض سے آئے تھے یعنی علم حاصل کرنے کے لئے وہ بھی حاصل ہو جائے علامہ رازی فرماتے ہیں کہ میں نے حکایات کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئی جس میں ہے

﴿ فابوا ان یضیفوہما ﴾ اس بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔

اس بستی والے جن کے آباء اجداد نے انکار کیا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سونا لیکر حاضر ہوئے کیونکہ انہیں اس سے بڑی شرم آرہی تھی کہ ان کے آباء اجداد اتنے گھٹیا لوگ تھے کہ صرف دو یا تین بھوک سے ستائے ہوئے مسافروں کو کھانا نہیں کھلا سکتے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس سونے کے بدلے صرف باء کے بدلے تاء خریدنا چاہتے ہیں یعنی.....

”فابوا ان یضیفوہما“ کی جگہ ”فاتوا ان یضیفوہما“.....

آپ کر دیں جس کا معنی ہو جائے وہ ان کے پاس مہمان نوازی کے لئے کھانا لے کر آئے اس سے ہماری بستی والوں سے ملامت اور ندامت اٹھ جائے گی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صاف انکار کر دیا فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تغیر و تبدل کیا جائے اگر ایک نقطہ کے بدلنے سے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی لازم آرہی ہو تو یہ رب تعالیٰ کے کلام میں کذب ثابت کرے گا اس سے احکام الہیہ پر اعتبار ہی نہیں رہے گا رب تعالیٰ کی ربوبیت اور عبد کی عبودیت کا بطلان لازم آئے گا۔

(از کبیر)

ان کا مطالبہ ہی حقیقت میں حماقت پر مبنی تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ جس قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے اٹھایا ہو اس میں تبدیلی کوئی انسان کر سکے اور خاص کر کے اللہ تعالیٰ کے رسول سے امید کرنا اور ہی زیادہ عقل سے دوری کی علامت ہے۔



کاش کہ موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے :

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”رحمة الله علينا و على موسى عليه السلام لولا انه عجل لرأى العجب  
ولكنه اخذته من صاحبه ذمامة قال ان سالتك عن شئ بعدها فلا تصاحبني  
قد بلغت من لدني عذرا“

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹)

اللہ تعالیٰ ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر آپ جلدی نہ کرتے تو اور عجیب واقعات  
دیکھتے لیکن آپ نے جو اپنے ساتھی سے وعدہ کر لیا تھا اس نے آپ کو آلیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر میں اس  
کے بعد سوال کروں تو تم میرے ساتھ نہ رہنا بیشک تمہیں میرے طرف سے عذر مل گیا۔

اسی وعدہ کے مطابق تیسرے سوال کے بعد دونوں کے درمیان فراق ہو گیا :

حدیث پاک کے الفاظ مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نووی فرماتے ہیں :

”قال اصحابنا فيه ابتدا الانسان بنفسه في الدعاء وشبهه من امور الآخرة

واما حظوظ الدنيا فالادب فيها الايثار وتقديم غير على نفسه“

اسی حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کر دیا ہے کہ دعاء میں یعنی اس قسم کے اخروی  
امور میں انسان اپنا ذکر پہلے کرے لیکن دنیاوی معاملات میں ایتار کرنا یعنی اپنے آپ پر  
دوسرے کو ترجیح دینا اور دوسرے کو اپنے آپ پر مقدم رکھنا ہی بہتر ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اپنے کاموں کی وضاحت کرتے ہیں :

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ

وَرَأَيْتُهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾

وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار  
کردوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔



آپ نے فرمایا یہ کشتی دس مسکینوں کی ہے جن میں کچھ اپاہج بھی ہیں وہ اس کی مزدوری سے اپنی گزر اوقات کر رہے ہیں جب یہ واپس لوٹیں گے تو ان کو ایک کافر بادشاہ جلندی کا سامنا کرنا پڑے گا وہ صحیح کشتیوں کو پکڑ رہا ہے لیکن عیب دار کو نہیں پکڑتا اس لئے میں نے اسے عیب دار بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ یہ کشتی وہ نہ چھین سکے اور ان کی محنت و مزدوری جاری رہے آپ نے کہا:

﴿فَارِدَتْ اَنْ اَعِيْهَا﴾ میں نے ارادہ کیا اسے عیب دار بناؤں۔

یہ نہیں کہا ”فاعبتھا“ میں نے اسے عیب دار کر دیا اس لئے کہ ظاہر اگرچہ عیب دار ہو گیا تھا لیکن درحقیقت اسے نفع مند بنایا گیا تھا۔

﴿وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبُوْهُ مُؤْمِنًا فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَارَدْنَا اَنْ يُّبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكٰوَةً وَّاَقْرَبَ رَحْمًا﴾

(پ ۱۶ سورت کہف ۸۰، ۸۱)

اور وہ لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھادے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے۔

حضرت انی ابن کعب کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان الغلام الذی قتله الخضر طبع کافرا ولو عاش لارهق ابویه طغیانا و کفرا“

(مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۵)

بیشک وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس پر کافر ہونے کی مہر لگادی گئی تھی کہ اگر یہ زندہ رہا تو اپنے والدین کو سرکشی اور کفر کی طرف مجبور کر دے گا۔

”معناه ان الله علم انه لو بلغ لکان کافرا لانه کفر فی الحال ولا یجری علیه فی الحال احکام الکفار والله اعلم“

(نوی)

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ بڑا ہو کر کافر ہو جائے گا اگرچہ اسے بچپن میں کافر نہیں کہا جاسکتا تھا۔

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ



## تذکرۃ الانبیاء

أَبُوهُمَا صَالِحًا فَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ☆ ﴿

(ب ۱۶ سورت طہ ۸۲)

رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے پیچھے ان کا خزانہ تھا اور اس کا باپ نیک آدمی تھا تو آپکے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں آپکے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں اپنے حکم سے نہ کیا، یہ وجہ ہیں ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

”وكان ابوهما صالحا يدل على ان صلاح الآباء يفيد العناية باحوال الابناء“  
(کیر)

آیت کریمہ میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا باپ نیک آدمی تھا اس سے پتہ چلا کہ آباء کی نیکی سے ان کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوتی ہے۔

”قال محمد بن منکدر ان الله يحفظ بصلاح العبد ولده وولد ولده وعترة وعشيرته واهل دويرات حوله في حفظ الله مادام فيهم“

(از مظہری)

محمد بن منکدر فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کی نیکیوں کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اسکے قبیلہ، اور اس کے ارد گرد رہنے والے پڑوسیوں کی حفاظت کرتا ہے وہ لوگ جب تک اس نیک بندے کے پڑوس میں رہیں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوں گے۔

فائدہ :

تین واقعات کے متعلق حضرت خضر علیہ السلام نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿فاردت ان اعیبا﴾ میں نے ارادہ کیا کشتی کو عیب دار بناؤں

دوسری توجیہ میں فرمایا :

﴿فاردنا﴾ ہم نے یہ ارادہ کیا۔



اور تیسری میں فرمایا :

﴿فأراد ربك﴾ آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا۔

اسلوب بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کے متعلق مختصر گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر و شر نفع و ضرر ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہل ادب و عرفان کا طریقہ یہ ہے کہ خیر و نفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا ارشاد ہے :

﴿وإذا مرضت فهو يشفين﴾

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی مجھے شفا دیتا ہے۔

بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اللہ کی طرف حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو ”فاردت“ کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ کشتی توڑنا بظاہر مذموم نظر آتا تھا اور جب دیوار درست کرنے کی بات آئی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی ”فأراد ربك“ کیونکہ وہ فقط خیر ہی ہے اور قتل غلام کے دو پہلو تھے خیر اس لئے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جا رہی تھی اور شر اس لئے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جا رہا تھا اس لئے ”فاردنا“ جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ خیر کے پہلو کی نسبت ذات خداوندی کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا علامہ بدر الدین نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا فرماتے ہیں :

”لما أراد ذكر العيب للسفينة نسبة لنفسه ادبا مع الربوبية فقال اردت ولما كان قتل الغلام مشترك الحكم بين المحمود و المذموم استتبع نفسه مع الحق فقال فى الاخبار بنون الاستتباع ليكون المحمود من الفعل وهو راحة ابويه المومنين من كفره عائد الى الحق سبحانه والمذموم ظاهرا وهو قتل الغلام بغير حق عائد الىه وفى اقامة الجدار كان خيرا محضا فنسبه للحق فقال فأراد ربك ثم بين ان الجميع من حيث العلم التوحيدى من الحق بقوله وما فعلته عن امرى“



(ضیاء القرآن سے نقل کرنے کے بعد کبیر کو دیکھا تو اس میں بھی یہی وجہ مذکور ہے البتہ الفاظ مختصر

ہیں)

## حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی ؟

اس مسئلہ میں اہل علم کے ہر طرف سے دلائل موجود ہیں کچھ حضرات نے ولی کہا اور کچھ نے نبی کہا محققین حضرات اس طرف ہیں کہ آپ نبی تھے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے ان کا نام بلیابن ملکان ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لئے خضر علیہ السلام آپ کا لقب تھا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی یہ رائے ہے کہ وہ نبی تھے کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔

(از ضیاء القرآن)

## آپ کو نبی ماننے والوں کے دلائل :

۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا﴾ ہم نے اسے اپنی طرف سے رحمت عطا کی۔

رحمت سے مراد اس مقام میں نبوت ہی ہے دوسرے مقام پر رحمت بمعنی نبوت استعمال ہے۔ جب کافروں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

﴿لَوْلَا نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾

(پ ۲۵، ع ۹۴ سورۃ زخرف)

کیوں نہ اتارا گیا قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

یعنی مکہ اور طائف کے کسی امیر ترین آدمی پر قرآن اترنا چاہئے تھا تو ان کے جواب میں رب تعالیٰ



نے ارشاد فرمایا :

﴿ اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ﴾ کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔

یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے مولنا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں خزان العرفان میں فرماتے ہیں یعنی کیا نبوت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کو چاہیں دے دیں کس قدر جاہلانہ بات کہتے ہیں۔

۲ : ارشاد ربانی ہے :

﴿ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ﴾ اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے استاذ کے واسطے کے بغیر اور راہنمائی کرنے والے کی راہنمائی کے بغیر علم عطا کیا۔

” وکل من علمہ اللہ لا بواسطۃ البشر وجب ان یکون نبیا یعلم الامور بالوحی من اللہ تعالیٰ “

ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ بغیر کسی انسان کے واسطے سے ایسا علم عطا فرمائے جو قطعی درجے کا ہو وہ صرف وحی کے ذریعے ہی عطا ہوگا۔

خواہ وحی جلی ہو یا خفی ہو ایسا شخص نبی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ولی کا علم جو اسے الہام کے ذریعے حاصل ہو وہ قطعی نہیں ہو تا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

۳ : موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا :

﴿ هَلْ أَتَبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ﴾

کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔

نبی تعلیم حاصل کرنے میں غیر نبی کی تابعداری نہیں کرتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نبی تھے۔

۴ : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کہا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی



## تذکرۃ الانبیاء

اجازت دے دو انہوں نے اپنی رفعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا﴾

اور تم کیسے صبر کرو گے اس بات پر جسے آپ کا علم محیط نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے تواضع سے جواب دیا:

”ولا اعصى لك امرا“ اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

اس سے پتہ چلا کہ علم لدنی کے لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام پر خضر علیہ السلام کو فوقیت حاصل تھی۔

”ومن لا يكون نبيا لا يكون فوق النبي“

جو نبی نہ ہو اسے نبی پر کسی قسم کی بھی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

خیال رہے کہ خضر علیہ السلام کو صرف جزوی فضیلت یعنی علم لدنی کے لحاظ سے حاصل تھی ورنہ

مدارج کے لحاظ پر موسیٰ علیہ السلام کو برتری حاصل ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی زیر آیت.....

”هل اتبعك على ان تعلمن“ ..... کے تحریر فرماتے ہیں

”وهذه الآية تدل على ان المفضل قد يكون له فضل جزئي على من هو

افضل منه و على ان الفاضل ينبغي ان يطلب هذه الحصة من الفضل من

المفضل“

(مظہری)

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبھی کم درجہ والے شخص کو زیادہ درجہ والے پر جزوی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ زیادہ مرتبہ والے کو چاہیے کہ کم مرتبہ والے سے وہ فضل و کمال حاصل کرے جو اسے حاصل ہے۔

علم لدنی کیا ہے؟ امام رازی فرماتے ہیں:

”الصوفية سمو العلوم الحاصلة بطريق المكاشفات العلوم الدنية“

صوفیاء کرام نے ان علوم کا نام لدنی رکھا جو کشف کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔

یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے عطا سے حاصل ہوتے ہیں ان میں انسان کے کسب کو دخل نہیں۔

(تفسیر کبیر)



۵: حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

”وما فعلته عن امری“ میں نے اپنے حکم سے کچھ نہ کیا۔

یعنی میں نے یہ تمام کام اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے نہیں کئے۔

”وانما فعلته بامر اللہ ووحیہ“

بلکہ میں نے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے کئے ہیں۔

”لان الاقدام علی تنقیص اموال الناس و اراقة دمائهم لا يجوز الا بالوحی

والنص القاطع“

اس لئے کہ لوگوں کے مال کا نقصان کرنا اور کسی کو قتل کرنا بغیر وحی اور قطعی نص کے کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔

”وهو يدل علی النبوة“

اس سے واضح ہوا کہ جب آپ کی طرف وحی آتی تھی تو آپ نبی تھے۔

۶: موسیٰ علیہ السلام کی جب ابتدائی ملاقات آپ سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿السلام علیک﴾ آپ نے جواب دیا:

﴿وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل﴾ اے بنی اسرائیل کے نبی تم پر بھی

سلام ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”من عرفک“

تمہیں کس نے بتایا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں۔

آپ نے کہا:

”الذی بعثک الی“ اسی ذات نے بتایا جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔

”وهذه يدل علی انه انما عرف ذالك بالوحی والوحی لا یكون الا مع النبوة“

اس سے پتہ چلا کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے پہچانا۔ وحی صرف نبی کے پاس ہی

آتی ہے اس طرح آپ کا نبی ہونا واضح ہوا۔



خیال رہے علامہ رازی نے ان کے جوابات بھی نقل کئے ہیں لیکن راقم چونکہ آپ کی نبوت کا قائل ہے اس لئے ان دلائل پر اکتفا کر رہا ہے جو حضرات آپ کی ولایت کے قائل ہیں نبوت کے نہیں۔ وہ کبیر اور روح المعانی کا تفصیلی مطالعہ کریں۔

## کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

اس کے متعلق پیر صاحب تحریر فرماتے ہیں رہی بات یہ کہ خضر علیہ السلام اب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں اس میں علماء کے دو گروہ ہیں اور ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں علامہ آکوسی نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوئی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی شاء اللہ پانی پتی کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے انہوں نے اس سلسلہ میں ایسی بات رقم کی ہے کہ جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہو گا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کے بغیر ناممکن ہے حضرت مجدد سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہ الہی میں حقیقت حال کے انکشاف کے لئے متوجہ ہوئے۔

” فرأى الخضر حاضرا عنده فسأله عن حاله فقال انا والياس لسنا من الاحياء لكن الله سبحانه اعطى لارواحنا قوة تتجسد بها و نفعل بها افعال الاحياء من ارشاد الضال و اغاثة الملهوف اذا شاء الله و تعليم العلم اللدنى و اعطاء النسبة لمن شاء الله و جعلنا معينا للقبط المدار من اولياء الله تعالى الذى جعله الله تعالى مدارا للعالم و جعل بقاء العالم ببركة وجوده و افاضيته و قال الخضر ان القبط فى هذا الزمان فى ديار يمن متبع للشافعى فى الفقه



قال فنحن نصلي مع القطب صلوة على مذهب الشافعي فبهذا الكشف  
الصحيح اجتمع الاقوال وذهب الاشكال والحمد لله الكبير المتعال

(از تفسیر مظہری)

تو حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس کھڑے ہیں آپ  
نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں  
سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہوتے  
ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے  
ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ  
کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں ہمیں اولیاء اللہ تعالیٰ میں سے جو قطب مدار  
ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مدار عالم بنایا ہے اور اس کی برکت  
و فیض سے دنیا کی بقاء ہے آج کل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں  
ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اس کشف صحیح سے مختلف اقوال  
کا تضاد اور اشکال دور ہو گیا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے جو کبیر و متعال ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

(ضیاء القرآن)

فوائد:

موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ کثیر علوم و اعمال کے مالک تھے اور آپ کا منصب بھی بلند تھا آپ  
کے حق میں کامل شرافت کے اسباب مجتمع تھے لیکن پھر بھی آپ خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے  
کے لئے گئے اور ان کے سامنے تواضع اختیار کیا۔

”وذلك يدل على ان التواضع خير من التكبر“

یہاں سے پتہ چلا تواضع تکبر سے بہتر ہے یعنی انسان تواضع سے ہی اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے



متعلم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ متعلم جو کچھ بھی نہیں جانتا اس کو ٹھیس کرنے قیل و قال کا کوئی تجربہ نہیں تقریر کو لوٹا نہیں سکتا اعتراض کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا دوسرا متعلم وہ ہے اسے پہلے ہی کثیر علوم حاصل ہوتے ہیں استدلال اور اعتراض کرنے کا اسے تجربہ حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ کسی کامل انسان کو مل کر علم میں اور درجہ کمال حاصل کرے ایسے شخص کا علم حاصل کرنا بہت مشکل ہے اس لئے کہ وہ جب کسی چیز کو دیکھے گا کوئی کلام سنے گا تو بسا اوقات ظاہر طور پر اسے وہ کام بیانات درست نظر نہیں آئے گی تو وہ اعتراض کرے گا قیل و قال کرے گا اس میں جھگڑا کرے گا کیونکہ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہو گا حالانکہ حقیقت میں وہی کلام درست ہو گا۔ ایسے متعلم کے مجادلہ سے استاذ جو علم میں کمال درجہ رکھتا ہے متنفر ہو جاتا ہے، دو تین مرتبہ برداشت کرنے کے بعد اسے کہتا ہے آپ چلے جائیں میں تمہیں نہیں پڑھا سکتا تم پہلے ہی زیادہ علم رکھتے ہو۔

متعلم وہی بہتر ہے جو استاد پر اعتراض برائے اعتراض نہ کرے، اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے، نہ کچھ منصب تدریس پر فائز ہم نے انہیں ہی دیکھا جو باادب تھے، نیاز مند تھے، متواضع تھے۔ بے ادب، گستاخ اور بے وفاؤں نے اگر دنیا کا مال و دولت حاصل کیا بھی ہو تو استاذ کی ناراضگی کا طوق ان کے گلے میں پڑ کر ان کی ذلت کا سبب بنا۔ کئی ایسے تھے جنہیں ہم سمجھتے تھے کہ یہ استاذ بن کر دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونگے لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ ان کی بدطینتی نے انہیں مقام ذلت پر پہنچا دیا۔ یہی حال مرید کا ہے کہ وہ اپنے شیخ کے ادب و احترام کا لحاظ کرے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں ذکر کرتے ہیں۔

”﴿ قَالَ فَاِنْ اتَّبَعْتِي فَلَا تَسْئَلْنِي ﴾ وَهَذِهِ الْاَيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ يَجِبُ عَلٰى الْمُرِيْدِ

تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ عَلٰى الشَّيْخِ“

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مرید کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ پر اعتراض کرنا چھوڑ دے موسیٰ علیہ السلام نے جب خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنا چاہا تو ادب و احترام اور نیاز مندی کا بہت ہی پاس کیا۔

آپ نے اپنے آپ کو ان کا تابع بناتے ہوئے یوں عرض کیا اهل اتبعک کیا میں آپ کا تابع ہو



جاؤں اس تابعداری پر قائم رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں گویا آپ نے یوں کہا:

”هل تاذن لی ان اجعل نفسی تبعالك“

کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں خود کو آپ کا تابع رکھوں۔

اس میں آپ نے بہت بڑی عاجزی کا اظہار کیا آپ نے علی ان تعلمن مجھے آپ علم سکھائیں کہہ کر گویا اقرار کیا کہ جو علم لدنی آپ کو حاصل ہے وہ مجھے حاصل نہیں یہ بھی ادب کا ایک طریقہ ہے۔

۴: اور آپ نے کہا:

﴿مما علمت﴾ آپ کو جو علم دیا گیا اس سے کچھ بتادیں۔

اس میں مقصد یہ تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھے تمام علوم عطا کر دیں کہ میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ میں تو آپ سے کچھ علوم حاصل کرنا چاہتا ہوں جس طرح فقیر غنی سے کچھ مال طلب کرتا ہے اس طرح کا سوال موسیٰ علیہ السلام نے کر کے عاجزی کا اعلیٰ معیار قائم کیا خیال رہے کہ اسمیں من تبعیضیہ ہے۔

۵: آپ نے کہا:

﴿مما علمت﴾ کہہ کر اعتراف کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا کیا ہے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

۶: کہا: ﴿رشد﴾ (نیک بات) یعنی آپ کو جو نیک بات عطا ہوئی وہ مجھے بھی سکھا دیں۔

اس میں خضر علیہ السلام کے نیکی کے راہ پر ہونے کا اعتراف ہے اور اپنا رشد و ہدایت طلب کرنے کا اظہار ہے۔

۷: کہا: ﴿علی ان تعلمن مما علمت﴾ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا کیا ہے وہ مجھے آپ سکھا دیں۔

یہ کہہ کر گویا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ وہ معاملہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے معاملہ کیا ہے یعنی آپ کا مجھ پر ایسا احسان ہو گا جیسا رب تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے اسی لئے استاذ کے



احسان کا اعتراف کرنے والے کسی بزرگ نے کہا ہے :

”انا عبد من تعلمت منه حرفاً“

میں نے جس سے ایک حرف بھی حاصل کیا ہے میں اس کا عبد ہوں۔

۸ : متابعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام غیر کی طرح کرنا صرف اس لحاظ پر کہ یہ کام فلاں نے کیا ہے میں نے بھی اس کی تابعداری کی وجہ سے کرنا ہے خود انسان کے پاس اس کام کرنے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور یہود بھی یہی کلمہ کہتے ہیں، لیکن ہم ان کے متبع نہیں کیونکہ ہمارے پاس اس کی دلیل موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن ہمارا پانچ نمازیں ادا کرنا نبی کریم ﷺ کی اتباع ہے کیونکہ آپ کے افعال و اقوال کے بغیر ہمارے پاس اور کوئی دلیل نہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”هل اتبعک“ کہہ کر خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کی اجازت طلب کی یعنی میں آپ کے افعال کو دیکھ کر اقوال کو سن کر ہی آپ کی تابعداری کروں گا مجھے کسی اور دلیل کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس مسئلہ سے واضح ہوا کہ

”ان المتعلم يجب عليه في اول الامر التسليم و ترك المنازعة والاعتراض“

بے شک متعلم کے لئے ضروری ہے کہ ابتدائی طور پر ہی استاذ کی بات تسلیم کرے اور جھگڑا کرنا اور اعتراض کرنا ترک کر دے۔

سمجھنے کے لئے پوچھنا درست ہے استاذ نے عدم توجہ سے درست نہ بیان کیا ہو تو مستحسن طور پر علیحدگی میں وہ مسئلہ دوبارہ پوچھ لیا جائے۔

۹ : موسیٰ علیہ السلام نے ”اتبعک“ کہہ کر یہ کہا کہ میں تمام امور میں آپ کی تابعداری کروں گا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں کچھ باتوں میں تابعداری کروں گا۔

۱۰ : جب روایات سے یہ واضح ہے کہ خضر علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں صاحب تورات ہیں رب تعالیٰ نے آپ سے بلا واسطہ کلام کر کے آپ کو خصوصیت سے نوازا ہے آپ کو عظیم الشان معجزات عطا کئے گئے ہیں پھر موسیٰ علیہ السلام کا بلند و بالا منصب رکھنے کے باوجود اور بلند درجات حاصل ہوتے ہوئے اتنی بڑی تواضع کرنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ علم حاصل کرنے میں کتنی عظیم کوشش فرما رہے ہیں اور یہ آپ کی شان



کے لائق بھی تھا کیونکہ جتنا علم زیادہ ہو گا اسی قدر چہرے پر علم کی نورانیت اور سعادت زیادہ حاصل ہوگی اور وہ شخص اور زیادہ علم حاصل کرنے میں شدید کوشش کرے گا۔

”وكان تعظيماً لارباب العلم اكمل واشد“  
وہ شخص علم والوں کی کامل طور پر زیادہ سے زیادہ تعظیم کرے گا۔

۱۱: موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿هل اتبعك على ان تعلمن﴾

کیا میں آپ کی تابعداری کروں اس شرط پر کہ آپ مجھے علم سکھادیں۔  
آپ نے تابعداری، خدمت گزاری کا ذکر پہلے کیا اور علم حاصل کرنے کا بعد میں۔

”وهذا منه ابتداء بالخدمة ثم في المرتبة الثانية طلب منه التعليم“  
اس سے واضح ہوا کہ متعلم پہلے استاذ کی خدمت کو شعار بنائے پھر حصول تعلیم کو مد نظر رکھے۔

(از کبیر)

وہ طالب علم بد بخت ہے جو استاذ کی خدمت کو عار سمجھتا ہو یا استاذ کے بتائے ہوئے کام نہ کرے اور مثال مٹول سے کام لے۔

تاہم استاذ کے لئے بھی ضروری ہے کہ حسن اخلاق سے طلباء کو اپنے قریب کرے، آدم خور کے قریب ہونے والے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح استاذ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے خدمت گزار کی تعلیم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دے۔ ایسا استاذ جو صرف اپنے کاموں کو ترجیح دے، اپنے خدمت کرنے والے کی تعلیم کا نقصان کرے، وہ اس طالب علم کا در حقیقت دشمن تو ہو سکتا ہے محسن نہیں۔ خدمت گزار پر احسان یہی ہے کہ اس کی تعلیم میں جو کام نقصان کا سبب بن رہے ہوں ان پر سختی سے متنبہ کرے۔ اچھا سبق یاد کرنے پر شفقت کرے۔ شفقت سے ہی اپنی اولاد کی طرح اس سے محبت رکھے

ایسا استاذ بھی طلباء کا محسن نہیں ہو سکتا جو لطائف قصے کہانیاں سنا کر تضييع اوقات کا سبب بنے اور کتاب نہ پڑھائے اور ایسا استاذ بھی طلباء کا محسن نہیں جو اپنا سبق مکمل کر کے کسی کو کام پر لگائے اور دوسرے استاذ کی حق تلفی کرے، یا سبق مکمل کرنے کے بعد قصے کہانیاں شروع کر دے اور دوسروں کا حق ضائع کر



کے ظلم کا مرتکب ہو۔

فارغ ہونے کے بعد یقیناً طلباء کو احساس ہوتا ہے کہ کون سا استاذ ہمارے اوقات ضائع کرتا رہا اور کس استاذ نے ہمیں پڑھانے کی طرف توجہ دی تھی؟ کاش یہ بات طلباء کو دورانِ تعلیم ہی پتہ چل جائے۔

۱۲: موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے تابعداری کرنے کے عوض مال و دولت یا کچھ مرتبہ نہیں طلب کیا بلکہ صرف تحصیلِ علم کا مطالبہ کیا۔

(از کبیر)

وہ طلباء درحقیقت احمق ہوا کرتے ہیں جو استاذ کے قرب کی وجہ سے دوسرے طلباء کی شکایتیں لگاتے رہتے ہیں، دوسرے طلباء کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اے دین کے معلمین! خدا را انصاف سے بتائیں کہ جاسوس مقرر کرنا کون سی شریعت میں جائز ہے؟ کبھی استاد پر جاسوس مقرر کرنا، کبھی طلباء پر، یہ انصاف سے بعید ہے۔ آج کا استاد کل اپنی طالب علمی کو دیکھے، جس استاد کو اپنا ماضی بھول جائے، کمینی حرکات کا مرتکب وہی ہو سکتا ہے۔

اے آج کے آدم خور استاد! تو ذرا اپنے ماضی کو جھانک کر دیکھ تو کتنا لائق تھا؟ کتنا فرشتہ سیرت تھا؟ کیا تو نے کوئی غلطی نہیں کی؟ کیا تجھ سے کوئی تساہل نہیں ہوا؟ کیا تجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی؟

جب تو بھی آج کے طلباء کی طرح ہی تھا تو آج یہودہ بجواس کیوں کر رہا ہے؟ آج تو ڈنڈے کیوں برسا رہا ہے؟ آج تو انسانوں کو گدھا کیوں سمجھ رہا ہے؟ کیا تیرا استاذ بھی تیری طرح ہی یہودہ تھا؟ جیسا تو ہے۔ ذرا غور تو کر! ذرا سوچ، انسانیت کیا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام کا انتقال:

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملک الموت (عزرائیل فرشتہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آیا تو



”صکھ لفقاعینہ“ آپ نے تھنر مار کر اس کی آنکھ نکال دی۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے رب تعالیٰ کا حکم قبول کرو تو آپ نے اسے تھنر رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ ضائع ہو گئی عزرائیل واپس اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا عرض کی :

”ارسلنی الی عبد لا یرید الموت“ مجھے تو نے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے

جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو آنکھ پھر عطاء کر دی یعنی نظر پھر لوٹا دی اور فرمایا کہ جاؤ میرے بندے کے پاس اسے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے عمر اتنے سال بڑھا دوں گا۔ آپ نے عرض کی اے میرے رب پھر کیا ہوگا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا پھر موت آجائے گی۔ آپ نے عرض کی موت ابھی آجائے۔ ساتھ یہ سوال کیا کہ اے میرے رب مجھے بیت المقدس کی سر زمین پر پہنچا دینا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے میرے صحابہ اگر میں چاہوں تو تمہیں سرخ ریت کے ٹیلوں کے پاس راستے کی ایک جانب آپ کی قبر اب بھی دکھا سکتا ہوں۔

(مسلم شریف)

**فائدہ :** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش اس لئے کی کہ وہ مقام انبیائے کرام علیہم السلام کے دفن ہونے کی وجہ سے مشرف تھا آپ کی دعا سے واضح ہوا کہ فضیلت والے مقام میں صالحین کے قرب و جوار میں دفن ہونا مستحب ہے۔

(نوی شرح مسلم)

”ان الدفن بقرب الصالحین فی مواضع متبرکۃ امر مندوب“

(بخاری ص ۴۴۷)

نیک لوگوں کے قریب متبرک مقامات میں کسی کو دفن کرنا امر مستحب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم ﷺ کے ساتھ روضہ مطہرہ میں دفن ہونے کی خواہش کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایثار فرماتے ہوئے اجازت دی، اس پر فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہو رہا ہے کہ نیک لوگوں کے قریب دفن ہونے کی



تمنا پائی جائے اس خیال کے پیش نظر کہ ان پر جب رحمت کا نزول ہو گا مجھے بھی اس سے فائدہ ہو گا نیک لوگ جب ان کی زیارت کو آئیں گے اور ان کے لئے دعا کریں گے تو اس دعا کا فائدہ مجھے بھی ہو گا۔

(صحیح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۶۶)

**تنبیہ:** مسلم شریف کی حدیث پاک سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ عزرائیل علیہ السلام کو انبیائے کرام علیہم السلام پر کوئی تسلط نہیں بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے حکم باری کو قبول کرتے ہوئے ابتدا ہی میں عزرائیل علیہ السلام کو خوش آمدید کہا۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے عزرائیل علیہ السلام کو اپنے پاس بلا اجازت آنے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ عزرائیل کو ان پر کوئی تسلط حاصل نہیں پھر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو بھی ترجیح دی عمر کی مہلت ملنے کے باوجود قبول نہیں فرمائی تو واضح ہوا کہ ان کا مشاعرہ کا حصول نہیں ہو تا بلکہ شان انبیائے کرام علیہم السلام کو عوام الناس پر واضح کرنا مقصد عظیم ہوتا ہے۔

**فائدہ جلیلہ:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب ﷺ کے حضور حاضر ہو خبردار بغیر اجازت کے حاضر نہ ہونا بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو عزرائیل نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کی:

”السلام علیکم اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة و مختلف الملائكة“

اے معدن رسالت، ملائکہ کے مقام آمد و رفت، اہل بیت نبوت تم پر سلام ہو

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے،

دوسری مرتبہ پھر اجازت طلب کی یہی جواب ملا، تیسری مرتبہ اجازت طلب کی اور باوازیلہ اجازت طلب کی۔ چنانچہ جتنے صاحبان گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا حضور ﷺ ہوش میں آئے اور آنکھ مبارک کھول کر فرمایا کیا بات ہے؟ صورت حال آپ کی خدمت میں



عرض کی گئی آپ نے فرمایا اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ لذتوں کو توڑنے والا، خواہش اور تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی ہندھنوں کو کھولنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا اور بچوں کو یتیم کرنے والا ہے۔

(مدارج النبوت جلد دوم)

## موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا کرنا :

حضرت سلیمان تیمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”مردت علی موسیٰ وهو یصلی فی قبرہ“

میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تو اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

”مردت لیلۃ اسری بی“ معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۶)

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۱۱۶)

خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا پھر بیت المقدس میں اپنے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا پھر آسمانوں پر آپ کو مر جہا کہتے ہوئے بھی دیکھا، اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ براق پر سوار تھے آپ براق کی رفتار سے سفر کر رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر کسی سواری کے اپنی شان نبوت سے چل رہے تھے، اس لئے آپ نبی کریم ﷺ سے پہلے بیت المقدس اور آسمانوں پر پہنچ گئے۔ یعنی رفتار نبوت، براق کی رفتار سے بڑھ کر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک وقت میں قبر میں بھی تشریف فرما ہوں اور بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں میں بھی۔

(واللہ اعلم بالصواب)



﴿كل نفس ذائقة الموت﴾

# تذكرة اسلاف كرام

رحمة الله عليهم اجمعين





آہ میرے والد مرحوم کے چچا زاد بھائی :

میرے پردادا قاضی غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ کے چار پوتوں میں سے تین کا پہلے وصال ہو چکا تھا، آخری (بزرگ) مولانا عبدالحق صاحب بھترالوی جو میرے والد مکرم کے چچا زاد بھائی تھے، آج بروز منگل ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء بمطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو وصال فرما گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون .

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ہر چھوٹے بڑے سے شفقت فرماتے، اپنے بیگانے میں تمیز کم ہی کرتے تھے۔ جب کسی سے سلام کرتے تو مصافحہ کرتے وقت سنتِ مصطفوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق آپ اپنا ہاتھ پہلے نہیں چھڑایا کرتے تھے۔

کچھ اسی طرح کا حسن سلوک آپ کا فوت شدہ حضرات سے بھی ہوا کرتا۔ نماز جنازہ کے بعد آپ بڑے اہتمام سے دعا کیا کرتے، ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص سب لوگوں کو پڑھنے کے لئے کہتے اور پھر دعا فرماتے۔ جب کسی کے گھر فاتحہ خوانی کے لئے جاتے تو اسی محبت و خلوص سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، صبر و تحمل کی تلقین فرماتے۔

ایک دفعہ اپنے گاؤں کے قریب ”جودھ“ نامی گاؤں کے ملک اشرف صاحب کے انتقال پر مجھے بھی فاتحہ خوانی میں ساتھ لے گئے، حالانکہ میں جنازہ پہلے پڑھ آیا تھا، آپ راولپنڈی سے دو تین دن بعد پہنچے تھے۔ محمد اشرف صاحب کا چونکہ جوانی میں انتقال ہوا تھا، پسماندگان بہت زیادہ غمزدہ تھے تو آپ نے وہاں ارشاد فرمایا :

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے، رب کا اپنا نظام ہے اس لئے یہی سمجھا جائے کہ جب کوئی شخص اپنی چیز کسی کو نفع اٹھانے کے لئے دے پھر واپس لے لے تو مانگنے والے کو کچھ کہنے کا حق نہیں۔

ساتھ یہ واقعہ بھی بیان فرمایا :

(ابن ابی شیبہ نے حضرت خیمہ سے روایت کیا) کہ ایک مرتبہ ملک الموت (عزرائیل علیہ



## تذکرۃ الانبیاء

السلام) حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک کو بہت گھور کر دیکھنے لگے جب آپ چلے گئے تو اس شخص نے سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا یہ ملک الموت تھے اس نے عرض کیا کہ آپ ہوا کو حکم دیں کہ وہ مجھے سر زمین ہند میں پہنچا دے آپ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا اس شخص کو سر زمین ہند میں چھوڑ آئی پھر ملک الموت تشریف لائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم میرے ایک ساتھی کو گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس پر تعجب کر رہا تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کی روح ہند میں قبض کروں اور یہ آپ کے پاس بیٹھا ہے کیسے ہند پہنچے گا؟

(شرح الصدور للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

میرے گاؤں کے ایک دوست محمد حنیف مرحوم کے والد محمد حیات درزی کے جنازہ پر چچا مرحوم تشریف لے گئے جنازہ آپ ہی نے پڑھایا (یہ جنازہ بحر امنڈی راولپنڈی کے قبرستان میں پڑھایا گیا تھا) فوت ہونے والے مرحوم چونکہ نمازی، متقی، پرہیزگار تھے تو آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی زوجہ نے آپ کو قریب الموت دیکھ کر پریشانی کے عالم میں کہا ”واحزناہ“ کتنا ہی افسوس ہے کہ آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کیا خوب کہا ”واطر باہ القی عند الاحبة محمدا وصحبہ“ کتنی ہی خوشی کا مقام ہے کہ میں اس دنیا سے جا رہا ہوں اپنے مہربان دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ یعنی حبیب پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملاقات ہوگی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی اپنی موت پر خوش ہونا صرف اسی وجہ سے تھا کہ روحوں کی ملاقات ہوتی ہے میری ملاقات نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے ہوگی یہ میرے لئے کتنی خوشی کا مقام ہوگا۔

(شفا شریف جلد ثانی باب علامات محبة)

حضرت محمد بن مکرر (مشہور تابعی) سے مروی ہے:

دخلت علی جابر بن عبد اللہ وهو یموت فقلت علی رسول اللہ ﷺ

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی وفات کے وقت کے قریب حاضر ہوا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس میرا سلام پیش کرنا۔



اس حدیث کی نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ محمد اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن عبد اللہ بن انیس سے حدیث بیان فرمائی کہ ام انیس بنت ابی قتادہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی وفات کے پندرہ دن بعد حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتی ہیں جبکہ وہ مرض الموت میں تھے تو انہوں نے کہا: کہ اے میرے چچا میرا سلام میرے باپ کی خدمت میں پیش کرنا۔

(راقم کی وضاحت) چچا مرحوم کے جنازے میں ہزاروں لوگ شریک تھے اور جب آپ کے جنازے کو اٹھایا گیا تو بلند آواز سے خوبصورت انداز میں کلمہ شریف پڑھا جا رہا تھا، کلمہ کی گونج میں جنازہ گاہ تک آپ کو پہنچایا گیا، جنازے کے بعد بڑے بلند آواز سے دعا کی گئی، مرحوم کے اخلاق کریمہ کی وجہ سے اپنے تو اپنے تھے غیروں کو بھی روتے ہوئے دیکھا گیا، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آمین بجا د سید المرسلین

یہ چند الفاظ میں نے چچا مرحوم کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر کئے ہیں اور اس لئے بھی کہ میری اولاد اور آنے والی نسل کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے خاندان کے بزرگوں کا طریقہ کار کیا تھا اور مرحوم کے بیٹوں کو بھی شاید ان الفاظ سے سوچنے سمجھنے کا موقع مل جائے کہ ہمارے والد مکرم کا طریقہ کار کیا تھا۔ آپ کے ایک بیٹے کو جنازہ کے بعد دعائے کرتے ہوئے دیکھ کر افسوس ہوا کہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے طریقہ سے کیوں ہٹ رہے ہیں؟ حالانکہ ہمارے اسلاف کوئی جاہل نہیں علم کے سمندر تھے۔ چچا مرحوم محقق عالم تھے، معمولی علم نہیں رکھتے تھے علم کا موجزن دریا تھے، ان کے علم کے مقابلہ میں ان کے بچوں کا علم ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے اتنے عظیم عالم کے بیٹے ان کے نقش قدم سے ہٹ جائیں تو کتنا افسوس ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بزرگ، عظیم باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔





## ﴿حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ﴾

### ﴿حضرت یحییٰ علیہم السلام﴾

عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا نذر ماننا :

﴿ اِذْ قَالَتْ امْرَاةٌ عِمْرَانُ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ  
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ☆ ﴾

(پ ۳ سورت آل عمران ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے عرض کی اے میرے رب میں تیرے لئے نذرمانتی  
ہوں جو میرے پیٹ میں ہے خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول  
کر لے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم نانی کا نام حنہ، نانا کا نام عمران ہے، حنہ کی ایک اور  
بہن تھی جس کا نام ایشاع تھا یہ دونوں فاقوذ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت عمران اور حضرت زکریا علیہ  
السلام دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ حنہ عمران کے نکاح میں تھیں اور ایشاع زکریا علیہ السلام کی زوجیت  
میں تھیں۔ ایشاع حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم  
علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد ہیں۔

**اعتراض :** بخاری و مسلم میں واقعہ معراج میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

”فاذا انا بابنی الخالة عیسیٰ ابن مریم و یحییٰ ابن زکریا“

پھر میری ملاقات دو خالہ زاد یعنی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے ہوئی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ یہ دونوں حضرات خود خالہ زاد تھے۔

**جواب :** صاحب تقریب نے جواب دیا ہے کہ حدیث پاک میں مجاز پایا گیا ہے کثیر طور پر خالہ کی

بیٹی کو عزت و تکریم کے پیش نظر خالہ کہہ دیا جاتا ہے۔ (جیسے ہمارے رواج میں ماں کی خالہ اور ماموں کو

بچے خالہ اور ماموں کہہ دیتے ہیں)



”والغرض ان بینہما علیہما الصلوۃ والسلام هذه الجهة من القرابة وهي  
جهة المخولة“

مقصد صرف ان دونوں انبیاء کرام کی قربت کو بیان کرنا ہے کہ ان دونوں میں باعتبار خالہ کے  
رشتہ پایا گیا ہے۔

(روح المعانی)

خیال رہے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن محی السنہ رحمہ اللہ اور علامہ رازی رحمہ اللہ قائل ہی  
اس کے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی بہن تھیں۔

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمر ان کی زوجہ حنہ کی اولاد  
نہیں تھی یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی ایک دن درخت کے سائے میں بیٹھی تھی انہوں نے ایک  
پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو چوگ کھلا رہا تھا تو آپ کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی تو آپ نے  
اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے اللہ تعالیٰ مجھے بچہ عطا فرما، آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا جب آپ حاملہ ہو  
گئیں تو آپ نے نذرمانی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف  
کر دوں گی جو تیرے گھر کی خدمت گزاری کرے گا، اگرچہ آپ نے صرف اتنا ہی کہا تھا جو میرے پیٹ میں  
ہے، لیکن اس سے مراد مذکر تھا کیونکہ اس وقت بیت المقدس کی خدمت کے لئے مذکر بچے ہی وقف  
کئے جاتے تھے۔ مؤنث بچیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں جب آپ نے اپنی نذر کا ذکر اپنے خاوند سے کیا  
تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہاری بچی پیدا ہو گئی تو پھر کیا کرو گی؟ تو انہوں نے پھر رب تعالیٰ کے حضور عرض  
کی:

”فتقبل منی“ اے اللہ تعالیٰ میری نذر قبول کر۔

یعنی مجھے بچہ ہی عطا کر تاکہ میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر سکوں

(روح المعانی، کبیر)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو نذرمانی  
تھی وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہام ہوا تھا اگر الہام نہ ہوتا تو شاید آپ نذر بھی نہ مانتیں۔



یہ ایسے ہی تھا جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حالانکہ اس میں صراحتاً وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی الہام کے ذریعے ہی آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔

بچی پیدا ہونے پر حسرت :

﴿ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَاْلَاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ☆ ﴾

(پ ۳ سورت آل عمران ۳۶)

پھر جب اس نے جنا، بولی اے میرے رب تو نے یہ لڑکی جنی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا اس لڑکی سا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں راندے ہوئے شیطان سے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے لڑکے کو بیت المقدس کی خدمت میں وقف کرنے کی نذر مانی تھی کیونکہ اس وقت ان کی شریعت میں لڑکوں کی ہی نذر مانی جاتی تھی لڑکیوں کی نہیں، مذکر ہی عبادت کے مقام کی ہمیشہ خدمت کر سکتے ہیں مونث کو یہ مقام حاصل نہیں؛ کیونکہ ان کو حیض (ماہواری) کا عارضہ لاحق ہوتا ہے مذکر اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے جو خدمت کر سکتا ہے وہ مونث نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں طاقت کی کمی ہوتی ہے مذکر خدمت کے معاملات میں لوگوں سے میل جول رکھ سکتا ہے اس کے لیے عیب نہیں لیکن مونث کے لئے لوگوں سے اختلاط عیب ہے مذکر کے لئے مردوں سے ملنے جلنے میں کوئی تہمت عائد نہیں ہوتی لیکن مونث کے لئے تہمت ہے جب لڑکی پیدا ہو گئی تو خوف لاحق ہوا کہ اب میں نذر کیسے پوری کر سکوں گی عذر پیش کرتے ہوئے حسرت اور اظہار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا

﴿ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ﴾ اے میرے رب میں نے بچی جنی۔

اب میں کیا کروں نذر کو کیسے پورا کروں تو رب قدوس نے کہا:



﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا

جو لڑکا تمہارا مطلوب تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے یعنی تم تو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہونے کے لئے لڑکا جو طلب کر رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ لڑکی عطا کی جسے عیسیٰ روح اللہ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہونا ہے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ میں نے اس کا نام ”مریم“ رکھا۔ مریم عبرانی زبان میں عابدہ (عبادت کرنے والی) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی گئی کہ اسے دین و دنیا کی آفات سے محفوظ فرما اور ساتھ ہی یہ دعا کی اے اللہ تعالیٰ اسے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھ یعنی نیک و مطیع بنا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے کفیل حضرت زکریا علیہ السلام :

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرِئُمُ إِنِّي لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ☆

(پ ۳ سورت آل عمران ۳۷)

تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا۔ اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے زکریا (علیہ السلام) کی نگہبانی میں دیا جب زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا : اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے گنتی دے۔

اچھی طرح قبول کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے جو علماء اور قراء موجود تھے ان کے حوالے کر دیا یہ لوگ بیت المقدس کی خدمت گزاری میں رہتے تھے

چونکہ مریم علیہا السلام ان کے امام کی بیٹی تھی اس لئے ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کی کفالت کا حق مجھے ملے حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا کہ میں حقدار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری زوجیت میں ہے لیکن



سب نے کہا کہ نہیں قرعہ ڈالتے ہیں یہ حضرات ستائیس کی تعداد میں تھے سب نے اپنے اپنے قلم ایک کپڑے کے نیچے رکھے اور ایک نابالغ بچے کو کہا گیا کہ کپڑے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال لو اس نے جو قلم نکالا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں اب سب نہر اردن کی طرف چلے کہ اپنے اپنے قلم نہر میں ڈالتے ہیں جس کا قلم تاثیر یعنی پانی کے آنے کی طرف اس کا رخ ہو اوہ کامیاب ہو گیا یہ قرعہ بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے حق میں ہی نکلا کیونکہ آپ کا قلم ہی تاثیر۔

پھر سب کہنے لگے کہ ایک مرتبہ اور قرعہ ڈالتے ہیں اب جس کا قلم سیدھے رخ کی طرف چلا وہ کامیاب ہو گا تیسری مرتبہ میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کو ہی کامیابی حاصل ہو گئی آپ کا قلم ہی پانی کے بہاؤ کے رخ کی طرف چلا قرعہ میں کامیابی پر آپ نے کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

﴿وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ اور اسے اچھا پروان چڑھایا جو ان ہونے تک۔

ایک دن میں آپ اتنی بڑی ہو جاتیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑے ہوتے ہیں اسی طرح آپ کو نیکی، پاک دامنی، سیدھی راہ پر چلنے اور اطاعت میں بھی بلند و بالا مقام عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کا کفیل بنادیا اور مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال ہر مصلحت کے کام کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ﴾ جب زکریا اس کے پاس نماز پڑھنے کی جگہ جاتے۔

اس وقت محراب کا اطلاق مساجد پر ہوتا تھا یہاں مراد وہ کمرہ ہے جس میں مریم علیہا السلام کو ٹھہرایا گیا تھا اس کا دروازہ دیوار کے درمیان تھا اس کمرہ میں جانے کے لئے سیڑھی کو استعمال کیا جاتا تھا خیال رہے کہ آج کل مساجد میں جو محراب بنائے جاتے ہیں ان کی ابتداء نبی کریم ﷺ کے زمانے سے نہیں ہوئی بلکہ یہ عمر بن عبد العزیز کے زمانے سے شروع ہوئے۔

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ اس کے پاس نیازِ رزق پاتے۔

حضرت زکریا علیہ السلام جب اس کے کمرے سے نکل کر آتے تو اس کے ساتھ دروازے بند کر کے تالے لگا کر آتے کوئی اور شخص وہاں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن آپ جب بھی کمرے میں آتے تو دیکھتے کہ



مریم علیہا السلام کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے گرمیوں میں موجود ہوتے۔

﴿قَالَ يَمْرَيْمُ اَنْتِ لَكَ هَذَا﴾ کہا اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟

یہ سوال حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب کی وجہ سے تھا خیال رہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا یہ آپ کی کرامت ہے۔

”واستدل بالآیة علی جواز الکرامة للاولیاء لان مریم علیہا السلام لا نبوة لها“

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت حاصل نہیں ہوئی۔

﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ انہوں نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت مریم علیہا السلام نے یہ جواب دیا کہ جنتی رزق ہے جو کسی انسان کے واسطہ کے بغیر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ کلام بچپن میں ہے کہ یعنی اس عمر میں جس میں عام بچے کلام نہیں کرتے یا کہ کچھ بڑی عمر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کلام بچپن میں ہے آپ نے ایک نظم میں ذکر کیا ہے کہ گیارہ شخصوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی (محمد) ﷺ  
(و یحییٰ وعیسیٰ والخلیل والمریم)

ومبری (جریج) ثم (شاهد یوسف)  
(و طفل الذی الاخدود) یرویه مسلم

(و طفل) علیہ مر بالامۃ التی  
یقال لها ترنی ولا تتکلم

وما شطۃ فی عہد فرعون (طفلہا)  
وفی زمن الہادی (المبارک) یختم

۱: نبی کریم ﷺ : ۲: یحییٰ علیہ السلام

۳: ابراہیم علیہ السلام : ۴: مریم علیہا السلام



- ۵ : جرج سے تہمت زائل کرنے والے نے عیسیٰ میں کلام کیا۔
- ۶ : یوسف علیہ السلام سے تہمت زائل کرنے والے نے عیسیٰ میں کلام کیا۔
- ۷ : اصحاب اخدود میں ایک بچے نے ماں کو کہا کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔
- ۸ : ایک عورت پر تہمت لگا رہے تھے تو وہ خاموش تھی ایک عورت نے اسے دیکھ کر کہا میرے بچے کو اللہ تعالیٰ ایسے نہ بنانا، تو بچے نے کہا اے اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ہی بنانا یعنی یہ عورت بے گناہ ہے۔
- ۹ : فرعون نے جب ایک عورت کو ایمان لانے پر عذاب دیا تو اس کے بچے نے دین پر قائم رہنے کی تلقین کی۔
- ۱۰ : مبارک نے عیسیٰ میں کلام کیا۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ☆

بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ اپنے بندوں میں اللہ تعالیٰ جسے پسند فرماتا ہے انہیں کسی انسان کے وسیلہ کے بغیر ہی رزق عطا فرماتا ہے جو اپنی وسعت کے پیش نظر بے حساب ہوتا ہے۔

(از روح المعانی و کبیر)

فائدہ :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کو چند دن کھانے کے لئے کچھ میسر نہ ہوا یہاں تک کہ بھوک کے غلبہ کی وجہ سے آپ پر معاملہ شاق ہوا (مشکل در پیش آئی) تو آپ نے تمام ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ تمام سے جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور انہیں کہا: اے میری پیاری بیٹی آپ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ کیونکہ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ انہوں نے عرض کیا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کچھ بھی نہیں۔

نبی کریم ﷺ وہاں سے لوٹے ہی تھے کہ ایک پڑوسی عورت نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی



خدمت میں دو روٹیاں اور کچھ گوشت پیش کیا۔ آپ نے اسے برتن میں رکھ لیا اور خیال کیا کہ اپنے آپ پر اور دوسرے اپنے گھر کے افراد پر نبی کریم ﷺ کو ہی ترجیح دینی چاہیے، حالانکہ گھر کے سب افراد ہی بھوک میں مبتلا تھے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ پر میں اور میری ماں قربان! اللہ تعالیٰ نے کھانا عطا فرمایا ہے جو میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے میری پیاری بیٹی وہ کھانے کا برتن لے آؤ جب آپ نے برتن سے کپڑے وغیرہ کو ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو حیران ہوئیں۔ پھر سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے میں برکت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور کھانا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ جب آپ ﷺ نے کھانا دیکھا تو آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور پوچھا اے میری پیاری بیٹی یہ کھانا کہاں سے آیا تو آپ نے عرض کی اے میرے باجان!

”هو من عند الله إن الله يرزق من يشاء بغير حساب“

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔

نبی کریم ﷺ نے پھر حمد کی اور پھر کہا

”الحمد لله الذي جعلك شبيهة سيدة نساء بني اسرائيل“

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے تمہیں بنی اسرائیل کی ایک سردار عورت (مریم) کی طرح بنایا۔

کیونکہ انہیں بھی جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا تو ان سے یہ پوچھا گیا کہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے بے شک جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے بغیر حساب کے پھر آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور دوسرے اہل بیت کو جمع کیا سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا اسی طرح موجود تھا جیسے پہلے تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھانا دوسرے پڑوسی گھروں میں بھی بھیجا۔



حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نعمت کے حاصل ہونے پر ”الحمد للہ“ پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر والدین کو ترجیح دے۔ اپنے پڑوسیوں کو بھی کھانے وغیرہ کی اشیاء بطور ہدیہ دی جائیں۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ اس کھانے میں برکت نازل ہونا اور کھانے کا بڑھ جانا نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے۔

اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ، قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾

(پ ۳ سورہ آل عمران آیت ۳۸)

یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو کہا اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما بیشک تو ہی ہے سننے والا۔

آپ نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل عطا فرمائے ہیں تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگرچہ میری عمر بڑھا پے تک پہنچ چکی ہے اور میری زوجہ بھی بانجھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مہربانی فرمادے تو کچھ بعید نہیں تو آپ نے اولاد کی دعا کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کی جگہ لڑکی کو قبول کر لیا تو اس پر بھی خیال آیا کہ بوڑھے کو جوان اور بانجھ کو غیر بانجھ کا مقام عطا فرمادے تو یہ بھی اس کی رحمت کا ہی ایک حصہ ہوگا۔

بیت المقدس کی خدمت کے لئے بڑوں کو قبول کیا جاتا تھا جب ایک ننھی سی عیسیٰ کو قبول کر لیا گیا تو یہ بھی اس دعا کے لئے خیال کا سبب بنا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے قبول کر لے جب حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام کرنے کی طاقت عطا فرمائی جب بچے نہیں بولتے تو آپ کو خیال آیا کہ بے وقت اولاد عطا کرنا بھی اس کی اسی طرح مہربانی ہو سکتی ہے۔

(روح المعانی)



خیال رہے کہ یہاں یہ مقصد نہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی قدرت میں پہلے یقین نہیں تھا بلکہ

”فلما شاهد علم انه اذا وقع کرامة لولی فبان یجوز وقوع معجزة لنبی کان

اولی فلا جرم قوی طمعه عند مشاهد تلك الکرامات“

جب آپ نے ولی کی کرامات کا مشاہدہ کیا تو دل کی توجہ اس طرف واضح طور پر ہو گئی کہ نبی کا معجزہ تو اس سے بڑھ کر ہے ان کرامات کے مشاہدہ پر اولاد کی طمع بڑھ گئی توجہ زیادہ ہو گئی عرض کرنے کا خیال آگیا۔

﴿ذُرِّيَّةٌ طَيِّبَةٌ﴾ پاکیزہ اولاد۔

ذریۃ کا معنی نسل، یہ ایک اور جماعت اور مذکر اور مؤنث پر بولا جاتا ہے۔ آپ کی دعا ایک مذکر بچے کے لئے تھی جس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آرہا ہے ذریۃ کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے طیبۃ لفظ مؤنث لایا گیا دعا مؤنث کے لئے نہیں بلکہ مذکر کے لئے ہے۔

﴿اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔

اگرچہ ظاہری طور پر تو یہی معنی ہے لیکن حقیقت میں مراد یہ ہے کہ تو ہی دعا قبول کرنے والا ہے اور کسی کو تو سوا نہیں کرتا، جس طرح نمازی حضرات کہتے ہیں :

”سمع الله لمن حمده“ اس کا حقیقی مطلب بھی یہ ہے

”قبل حمد من حمد من المؤمنین“

مومنوں میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حمد قبول کرتا ہے۔ ظاہری معنی یہاں بھی حمد کا سننا ہے وہ مراد نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مخفی دعا کرنا :

﴿كَهَيِّصَ☆ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكْرِیَّا☆ اِذْ نَادٰی رَبَّهُ نِدَاءً خَفِیًّا☆



قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ☆ ﴿٤١﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۴۱ تا ۴۲)

یہ ذکر ہے تیرے رب تعالیٰ کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا عرض کی اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہو گئی اور سر سفید ہو گیا بڑھاپے کی وجہ سے اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہ رہا۔

حضرت زکریا علیہ السلام سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے تھے بڑھئی کا کام کرتے تھے آپ کے آباؤ اجداد جو نبی تھے وہ بیت المقدس میں وحی لکھا کرتے تھے۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے رب تعالیٰ سے دعاء کی، آپ نے دعائیں قبولیت کے وقت میں کی دعا مخفی طور پر کی تاکہ ریاکاری سے دور رہے اور اس میں کامل خلوص پایا جائے اور لوگ بھی یہ نہ کہیں کہ یہ بڑھاپے کی عمر میں اولاد کو مانگ رہا ہے اور یہ بھی خیال کیا تھا کہ اس دعا پر میرے موالی مطلع نہ ہوں دعا کرتے ہوئے پہلے اپنے عجز کا اظہار کیا کہ اے میرے اللہ تعالیٰ میرے ہڈی کمزور ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد نے ترجمہ ”العظم“ کا ہڈی کیا ہے اور دوسرے مترجمین نے ہڈیاں آپ کے ترجمہ پر لوگوں نے اعتراض بھی کیا ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں کیا ہے حقیقت میں یہی ترجمہ معتبر ہے علامہ آکوسی فرماتے ہیں

”واسناد ذالك الى العظم لما انه عماد الدين ودعام الجسد فاذا اصابه

الضعف والرخاوة تداعى ما وراءه وتساقطت قوته“

”وہن“ (ضعف و کمزوری) کی نسبت ”العظم“ کی طرف کی کیونکہ یہ صلب (ریڑھ) کی ہڈی ہی بدن کا ستون اور جسم کا ستون ہے جب اسے ضعف اور نرمی پہنچے تو تمام ہڈیوں کو ضعف پہنچتا ہے اور ان کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔

”وافرد على ما قاله العلامة الز محشري وارتضاه كثير من المحققين لان

المفرد هو الدال على معنى الجنسية والقصد الى ان هذا الجنس الذي هو

العمود والقوام و اشد ما تركب منه الجسد قد اصابه الوهن“

(روح المعاني)



لفظ ”العظم“ مفرد ذکر کیا ہے علامہ ز محشری اور کثیر محققین نے یہی پسند کیا ہے کہ مفرد معنی جنسیت پر دلالت کر رہا ہے مراد اس سے جنس ہے یعنی وہ جسے بدن میں ستون کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور وہ بدن کا قوام ہے اور اس سے بدن کو قوت حاصل ہے اس میں کمزوری آنے سے تمام بدن میں کمزوری حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ بحث کے بعد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی فوقیت واضح ہو گئی۔

جب آپ علیہ السلام نے اپنی کمزوری پیرانہ سالی سر کے بالوں کے سفید ہونے کا ذکر کر دیا تو عرض کیا میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصہء دراز سے اپنے لطف و کرم کا خوگر بنادیا ہے، جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا، جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا کیا، تیرے کرم نے ہمیشہ میری آرزوؤں کی لاج رکھی، تیری عنایت نے آج تک مجھے کبھی ناشاد و نامراد نہ کیا، مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس خوگر لطف و عنایت کی التجاء بھی شرف قبول سے سرفراز ہوگی۔

(ضیاء القرآن)

بچے کی تمنا کیوں؟

﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۶۰، ۵)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قربت داروں کا ڈر ہے اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے دے جو میرا کام اٹھالے اور وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر۔

موالی جمع ہے مولیٰ کی۔ اس کے کئی معنی ہیں: مددگار، مالک، صاحب، چچا زاد، غلام، رشتہ دار۔ یہاں مراد قربت دار رشتہ دار ہیں۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنے رشتہ داروں پر خوف ہے کہ وہ دین کے امور کو کامل طور پر سرانجام نہیں دے سکیں گے۔ دین میں فساد پھیلانیں گے۔ اس لئے تو مجھے بچہ عطا فرما جسے منصب نبوت پر فائز کر دے، تاکہ وہ امور دین کی حفاظت کر



## تذکرۃ الانبیاء

سکے۔ اسے میرے علم اور نبوت کا میرا اور اولاد یعقوب میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کا جانشین بنا۔ یہاں وراثت سے مراد مال و دولت نہیں بلکہ علم اور نبوت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

”نحن معشر الانبياء لانورث ما تركنا صدقة“

ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا ہم جو مال بھی چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا :

”العلماء ورثة الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما وانما ورثوا العلم“

”علماء“ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کا کوئی وارث دراہم و دنانیر کا نہیں ہوتا بلکہ ان کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔

(از کبیر)

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت :

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيٰ فِی الْمِحْرَابِ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ مُّصَدِّقًا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُوْرًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ☆

(پ ۳ سورہ آل عمران آیت ۳۹)

فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو

مژدہ دیتا ہے یحییٰ علیہ السلام کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا

سردار اور ہمیشہ کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خالص بندوں میں سے۔

ملائکہ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی یہ خوشخبری دینے والے جبرائیل علیہ السلام ہیں ذکر

جمع کا صیغہ ہے مراد مفرد ہے جیسا کہ .....

﴿الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾

(پ ۴ سورہ آل عمران آیت ۱۷۳)

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان

اور زائد ہوا۔



..... میں پہلے الناس سے مراد نعیم بن مسعود انجلی اور دوسرے لوگوں سے مراد ابو سفیان ہے۔ یعنی ذکر الناس کیا گیا ہے جس کا معنی ”لوگوں“ ہے۔ لیکن مراد دونوں جگہ ایک ایک شخص ہے (یہاں واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں) آپ کو بشارت دینے کے لئے جب جبرائیل علیہ السلام آئے تو آپ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔

”فی المحراب ای فی المسجد اوفی موقف الامام منه او فی غرفة مریم“  
محراب سے مراد مسجد یا امام مسجد کے کھڑے ہونے کی جگہ (آج کل کے محراب کی طرح اس وقت محراب نہ ہوتے تھے) یا حضرت مریم علیہا السلام کے رہنے والا اونچا کمرہ۔  
(اعلیٰ حضرت کا ترجمہ کنز الایمان ان سب کو شامل ہے)

آپ کو جس بیٹے کی بشارت دی گئی اس کے چند اوصاف بھی ذکر کئے گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ یہاں کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے ہیں۔ سب سے پہلے آپ ہی اسے تسلیم کرنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمہ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ سے ملاقات کی جو ان کی خالہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں حاملہ ہوں تو مریم علیہا السلام نے کہا:

”وانا ایضا حبلی“ اور میں بھی حاملہ ہوں۔

تو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ نے کہا:

”فانی وجدت ما فی بطنی یسجد لما فی بطنک“

جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے میں نے اسی اپنے پیٹ والے بچے کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

یعنی میرا بچہ تمہارے بچے کو سجدہ کرتا ہے یہ واقعہ خواب کا ہے یا کشف کا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

”وسیدا“ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سردار بنایا سید کے مختلف معانی ہیں حلیم یعنی بردبار مومنین کا



سردار دینی امور میں رئیس یعنی علم حلم عبادت تقویٰ میں اسے سرداری حاصل ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم فقیہ عالم جس شخص پر غضب غالب نہ آسکے لوگ جس کی طرف اپنی حاجات اور مصائب و آلام میں رجوع کریں اور وہ ان کی حاجات کو پورے کرے حسن اخلاق کا مالک، شریف، اللہ تعالیٰ کی قضا پر رضا مندی کا اظہار کرنے والا، متوکل، عظیم الہمت، وہ کسی پر حسد نہ کرے، ہر بھلائی کے کام میں اپنے ہم زمان لوگوں پر فوقیت رکھنے والا۔

”و حصورا“ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ایک وصف عطا فرمایا حضور کا معنی ہے کہ اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ روکنے والا یعنی زاہد اور تقویٰ کی وجہ سے آپ کو عورتوں کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی تھی اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ راغب رہنا اور نکاح نہ کرنا افضل تھا ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت میں نکاح کرنا سنت ہے و نبیا: اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا خیال رہے کہ آپ کو رب تعالیٰ نے سیادت عطا فرمائی اس میں دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کہ آپ کو مخلوق کی بہتری مصلحت اور تعلیم دین کی قدرت عطا فرمائی اور دوسری مخلوق کو ادب سکھانے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی طاقت عطا فرمائی اور آپ کو حضور بنایا یعنی آپ کو کامل زہد و تقویٰ عطا فرمایا سیادت اور زہد اور تقویٰ کے اجتماع کے بعد نبوت عطا فرمائی ان دونوں چیزوں کے بعد اعلیٰ مقام نبوت کا ہی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھا:

﴿يُزَكِّرِيَا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۷)

اے زکریا ہم تجھے خوشی سناتے ہیں کہ ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ ہر بچے کا نام اس کے والدین رکھتے ہیں اور وہ بھی پیدائش کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کا نام رب تعالیٰ نے رکھا اور وہ بھی ایسا نام کہ آپ سے پہلے یہ نام کسی شخص کا بھی نہیں تھا۔ خیال رہے کہ ”سمیا“ کا ایک معنی نظیر مثل بھی ہے یعنی ہم نے آپ سے پہلے کوئی شخص آپ کی مثل نہیں بنایا آپ کو عظیم تر زہد و تقویٰ حاصل ہوا۔

(از محمد)



آپ کا نام یحییٰ علیہ السلام کیوں رکھا :

حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور بعض اوقات اسماء یا القاب میں ماخذ اشتقاق کا کوئی خاص اعتبار نہیں کیا جاتا، لیکن مفسرین کرام نے بعض وجوہ بیان کی ہیں اصل معنی زندہ کرنا ہے اسی مناسبت سے نام میں وجوہ مذکور ہیں :

۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ان کی والدہ کے بانجھ پن کو زندگی عطا فرمائی۔

۲: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو ایمان و طاعت عطا کر کے زندہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مطیع کو زندہ کہا ہے اور عاصی (نافرمان) کو مردہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ﴾ اور کیا مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا۔  
یعنی کافر کو ایمان عطا کیا عاصی کو مطیع بنایا۔

۳: آپ کو اللہ تعالیٰ نے نافرمانی اور نافرمانی کے ارادہ سے دور رکھ کر طاعت کی زندگی سے سرفراز کیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں عصیان کے ارادہ سے بھی دور رکھا۔

۴: آپ کو شہادت کی زندگی عطا فرمائی کیونکہ شہداء اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہوتے ہیں رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔

۵: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ تسلیم کیا تو اس ایمان کی وجہ سے آپ کے دل کو زندگی حاصل ہوئی۔

۶: دین کو آپ کے ذریعے زندہ رکھا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے دین کے قیام کے لئے ہی تو آپ کے لئے دعا کی تھی۔



حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت پر تعجب ہوا:

﴿ قَالَ رَبِّ اَنِّیْ یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ وَاْمْرَاَتِیْ عَاقِرٌ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِیْ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُکَ اَنْ لَا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمَزًا وَاذْکُرْ رَبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاَبْکَارِ ﴿

(پ ۳ سورہ آل عمران آیت ۴۰، ۴۱)

عرض کی اے میرے رب میرا لڑکا کہاں سے ہوگا؟ مجھے تو پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ یونہی کرتا ہے جو چاہے۔ عرض کی اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی کر دے۔ فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کر۔

آپ کو جب بشارت دی گئی اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ کی عمر نوے سال تھی، یہی قول زیادہ معتبر ہے اگرچہ اور اقوال بھی ہیں۔ آپ نے بیٹے کے لئے دعاء بھی کی تھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مشاہدہ کر چکے تھے نبی کو رب تعالیٰ کی قدرت میں کبھی کو شک نہیں ہو سکتا پھر اس سوال کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اے میرے رب میرا لڑکا کہاں سے ہوگا؟ اس سوال کا جواب علامہ آلوسی ان الفاظ میں دیتے ہیں:

” ذٰلِکَ عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِعْظَامِ لِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالتَّعَجُّبِ الَّذِیْ یَحْصُلُ

لِلْاِنْسَانِ عِنْدَ ظَهْوَرِ اٰیَةِ عَظِیْمَةٍ “

آپ کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے اور اس پر بطور تعجب تھا یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اسے کوئی بڑی نشانی حاصل ہو تو وہ تعجب کرتے ہوئے کہتا ہے ایسا بھی ہو جائے گا؟ انسانی سوچ سے بلند چیز کا حصول یقیناً متعجب کرتا ہے۔

رب تعالیٰ نے جواب دیا:

﴿ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴾ یونہی اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔



اللہ تعالیٰ کی قدرت سے عجیب افعال کا وقوع پذیر ہونا اور عادت کے خلاف عجیب کام ہوئے  
بعید نہیں بڑھاپے کے حال میں اولاد عطا کرنا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

دوسرے مقام پر اسی سوال کا جواب ان الفاظ سے دیا :

﴿ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنٍ ۖ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۚ ﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۹)

فرمایا ایسا ہی ہے تیرے رب نے فرمایا وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے  
تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ نہ تھا۔

رب تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو کن کہتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے بلکہ صرف ارادہ کرنا بھی  
کسی کام کے معرض وجود میں آنے کے لئے کافی ہے جو رب تعالیٰ تمہیں عدم سے وجود میں لایا وہ تمہیں اولاد  
بھی عطا فرمادے گا اس میں تعجب کرنے حیران ہونے کی ضرورت نہیں اور یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں  
کہ تمہیں اولاد بڑھاپے کے حال میں ہی عطا کرے گا یا تمہیں جو ان کر کے اولاد عطا کرے گا اس کی قدرت سے  
کوئی بعید نہیں کہ تمہیں تمہارے اپنے حال پر رکھتے ہوئے صاحب اولاد کر دے کیونکہ وہ تمہیں نیستی سے  
ہستی میں لایا اور جہاں تمہاری ذات موجود ہوئی وہاں تمہیں صفات بھی عطا ہوئیں۔

(از کبیر)

نشانی طلب کرنے کی وجہ :

آپ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسی علامات بتا کہ جن سے مجھے نطفہ کے قرار پکڑنے  
سے ہی پتہ چل جائے تاکہ میں تیری اس نعمت کے شکر بجالانے میں تاخیر نہ کروں اور مجھے جلدی ہی سرور  
بھی حاصل ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین دن تک کلام نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے البتہ اللہ تعالیٰ کا  
ذکر اور تسبیحات نماز پڑھ سکو گے یعنی زبان صحیح ہوگی لیکن قدرتی طور پر لوگوں سے کلام کی طاقت نہ ہوگی اسی  
لئے رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ آيَتِكَ إِلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۚ ﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱)



تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا چنگا ہو کر۔

”خص ذالك بالتکلم مع الناس وهذا يدل بطریق المفهوم انه كان قادر علی

التکلم مع غیر الناس“

لوگوں کے ساتھ کلام نہ کر سکنے کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی طاقت رہے گی۔

”ایتک ان لا تکلم الناس فی هذه المدة مع کونک سویا لم یحدث بک

مرض“

تم بالکل صحیح ہو گے زبان میں کوئی نقص، بیماری نہ ہوگی، چنگے بھلے ہونے کے باوجود قدرتی طور پر لوگوں سے کلام نہیں کر سکو گے، بس یہی تمہارے لئے نشانی ہے۔ تم سمجھ لینا اب نطفہ قرار پا چکا ہے۔

(از کبیر)

﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ ☆

(پ ۱۶، ع ۴۰ . سورت مریم)

تو اپنی قوم پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح شام تسبیح کرتے رہو۔

جب آپ کو لوگوں سے کلام کرنے کی طاقت نہ رہی آپ نے انہیں اشارہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی صبح و شام تسبیح کرتے رہو اس کیفیت سے آپ کو پتہ چلا گیا کہ آپ کی بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا منصب نبوت پر فائز ہونا :

﴿يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ ☆

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۲)

اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن میں ہی نبوت دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعے آپ کو یہ حکم دیا یہاں جس کتاب کا حکم دیا جا رہا ہے اس سے مراد تورات ہے کیونکہ علیحدہ کوئی مستقل کتاب نہیں عطا کی گئی حکم دیا گیا کہ تورات پر لوگوں کو عمل کرائیں۔ ابو نعیم ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سات سال کی عمر میں عقل و فہم وافر مقدار میں عطا فرمائے اور عبادت گزار



بنایا ایک اور مرفوع روایت میں ذکر ہے کہ عجم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لڑکوں نے کہا ہمارے ساتھ کھینے کی لئے چلو تو آپ نے فرمایا :

”اللعب خلقنا اذهبوا نضلی“ کیا ہمیں کھینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے چلو ہم نماز پڑھیں۔

﴿وَآقِنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ یہاں الحکم سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں : حکمت، عقل، معرفت آداب، خدمت، فراست، صادقہ۔

”وقیل النبوة وعلیه کثیر“ بعض نے کہا اس سے مراد نبوت ہے یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

یحییٰ علیہ السلام پر رب تعالیٰ کے انعامات :

﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكْوَةً وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ☆ وَبِرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ☆ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ☆ ﴿

(ب ۱۶ سورہ مریم ۱۵، ۱۳)

نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جانب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بندوں پر مہربان بنایا اور انہیں اچھا بدلہ دینے والا بنایا جس طرح نبی کریم ﷺ کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ ان کے لئے نرم دل ہوئے۔

اور آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا فرمائی لیکن دینی احکام میں آپ نرمی نہیں فرماتے جیسے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا :



﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ اور تمہیں ان (زانی وزانیہ) پر ترس نہ آئے اللہ تعالیٰ کے دین میں۔

یہ معنی بھی ممکن ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں پر مہربان بنایا اور گناہوں سے دور رکھانہ انہوں نے کوئی گناہ کیا اور نہ ہی کسی گناہ کا ارادہ کیا اور یہ معنی بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت تھی اور مزید آپ کو نفس کی پاکیزگی عطا کر کے مشرف بنایا۔

﴿وَبِرَّاءُ الْوَالِدِ﴾ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے۔

”لا عبادة بعد تعظیم اللہ تعالیٰ مثل تعظیم الوالدین“

اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے بعد والدین کی تعظیم جیسی کوئی اور عبادت نہیں۔

اسی لئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ۲۳)

آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔

یعنی آپ میں تواضع اور نرم دلی پائی جاتی تھی اور یہی سب سے اعلیٰ وصف ہے۔

رب تعالیٰ نے حضور کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفُضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

(پ ۴ سورہ آل عمران ۱۵۹)

اگر آپ تند و مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

سب سے اعلیٰ عبادت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ میں گھٹیا ہوں اور ذات باری کو پہچانے کہ وہ عظیم ذات ہے۔

”ومن عرف نفسه بالذل وعرف ربه بالكمال كيف يليق به الترفع والتعجب“



جس شخص نے اپنے آپ کو حقیر سمجھا اور رب کو عظیم اور باکمال سمجھا وہ کبھی تکبر نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پیدائش کے دن شیطان سے محفوظ رکھ کر سلامتی عطا فرمائی اور موت کے دن قبر کے عذاب سے بچا کر آپ کو سلامتی سے سرفراز کیا جائے گا سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ مخلوق تین اوقات میں نہایت وحشت میں ہوتی ہے یعنی بہت ہی گھبراہٹ میں مبتلا ہوتی ہے پیدائش کے دن جب شکم مادر سے خروج ہوتا ہے تو انسان کو بہت پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ پتہ نہیں اب میرے لئے کیا مقام کیسا ہو گا پھر جب وہ فوت ہوتا ہے تو ایسی قوم کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی ہوتی یہ حالت بھی اس کے لئے ہیبت ناک ہوتی ہے پھر جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو عظیم محشر میں پائے گا تو اس سے بھی وہ نہایت خوفزدہ ہو گا لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان تینوں مواقع میں سلامتی کا مژدہ سنا دیا گیا کہ تمہیں ان مقامات میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

**فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکر فرمایا آپ کے اوصاف ذکر فرمائے آپ پر سلام بھیجا بفضلہ تعالیٰ امت مصطفیٰ ﷺ بھی آپ کے میلاد کو اسی طرح بیان کرتی ہے جو قرآن کے مطابق ہے سبحان اللہ تعالیٰ میرے نبی کریم ﷺ کا معجزہ کیسے ثابت ہے؟ اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

﴿وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ﴾

(ب ۳۰ سورہ الضحیٰ ۴)

(اور بیشک ہر آنے والی گھڑی کے لئے پہلی سے بہتر ہے۔)

کس آب و تاب سے جگمگا رہا ہے کہ جو لوگ پہلے میلاد النبی ﷺ کے لفظ سے الرجک تھے اب وہ بھی ذکر ولادت کا نفر نیس کرنے لگے۔ ”سیرت سیرت“ کی رٹ لگانے والے شاید ترمذی شریف میں باب میلاد النبی کو نہیں دیکھ سکے تھے؟ پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ جنہوں نے.....

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (ب ۱۷ سورہ الانبیاء ۱۰۷)

میں آپ کی رحمت کو صرف اس جہان کے لئے خاص کر دیا تھا وہ بھی ”رحمۃ للعالمین کا نفر نس“ کر کے آپ کو سب جہانوں کے لئے رحمت ماننے لگے۔ ماشاء اللہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق



ان لوگوں کا کام کرنا اس بات پر قوی دلیل ہے کہ مسلک اہل سنت ہی حق ہے۔

## حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت :

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت منصب پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ کی زندگی بتاتی ہے آپ نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا جا کر لوگوں کو پیغام حق سنایا اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہ حق پر آ گئے، فسق و فجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔

علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے تھے کہ احکام الہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں انہیں فرمایا :

اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا ہے کہ آنے والے غضب سے بھاگو، پس توبہ کے موافق حل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

(منی باب ۳ آیت ۱۰۰۷)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرہ حق سے لرزہ بر اندام تھا بادشاہ وقت ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ہیرودیس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا آپ نے اس کو بر ملا جا کر کہا اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو روا (جائز) نہیں۔

انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں :

”پس ہیرودیس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا

کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے چائے



رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا اور ایک موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی اور اسی ہیرودیس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا اور اس سے قسم کھائی جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدمی سلطنت تک تجھے دوں گا اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کاسر۔ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کاسر ایک تھال میں ابھی مجھے منگو آدے بادشاہ بہت غمگین ہوا اور اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے انکار نہ کرنا چاہا پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کاسر لائے اس نے جا کر قید خانہ میں اس کاسر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔“

(مرفس باب ۶ آیت ۱۹، ۲۸)

اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب تعالیٰ کے اس فرمان : ﴿يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾ کی تعمیل کا حق ادا کیا۔

(ب ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۲) (از ضیاء القرآن ج ۳ ص ۷۵ پ ۱۶)

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا گیا :

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچنے کیلئے شہر سے باہر جانے کا رخ کیا۔ بادشاہ نے اسی فاحشہ عورت کے کہنے پر آپ کو پکڑنے کے لئے بھی اپنے سپاہیوں کو بھیجا آپ نے اپنی جان بچانے کے لئے درخت کے تنے میں چھپا لیا جو اندر سے خالی تھا۔

”فوجد فی جوف شجرة ففلقوا الشجرة معه فلقین طولاً بمنشار“

آپ کو درخت کے اندر سے خالی تنے میں جب پایا گیا تو ان لوگوں نے درخت کو اوپر سے نیچے آرے سے کاٹ دیا۔



یعنی اس طرح آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ خیال رہے کہ جان کی حفاظت کا وعدہ صرف نبی کریم ﷺ سے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

اور دوسرے رسولوں سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے لوگوں کی مخالفت کے باوجود میرے احکامات ان تک پہنچا سکو گے تمہارے دلائل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور تمہارے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کو قتل کرادوں گا جب دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوگوں سے بچائے رکھنے کا وعدہ نہ فرمایا تو ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ وہ (بنی اسرائیل) انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے۔

(پ ۱ سورہ البقرہ ۶۱)

یعنی وہ خود بھی سمجھتے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں ہمیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔  
﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ بیشک ہم اپنے رسولوں کی امداد کرتے ہیں۔  
یعنی دلائل و حجت اور ظاہری غلبہ میں۔

(از روح المعانی ج اول ص ۲۷۷)

## حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت :

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ☆

(پ ۳ سورہ آل عمران ۴۲، ۴۳)

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا اے مریم! اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر۔

آیت کریمہ میں ملائکہ کا ذکر ہے لیکن مراد صرف جبرائیل علیہ السلام ہیں کیونکہ سورۃ مریم میں آپ سے کلام کرنا جبرائیل علیہ السلام کا ہی ثامت ہے۔



”وهذا وان كان عدولا عن الظاهر الا انه يجب المصير اليه“

یہ جمع کے صیغہ سے مفرد والا معنی لینا اگرچہ ظاہر سے عدول ہے مگر اس معنی کی طرف پھیرنا ضروری ہے۔

(کبیر)

حضرت مریم علیہا السلام کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں اصطفاء چن لینا۔ التطہیر پاک ستھرا کرنا اور الا صطفاء علی نساء العالمین، جہاں کی عورتوں پر پسند کرنا۔ پہلی صفت کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی مونث کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اجازت نہیں دی گئی تھی۔ صرف آپ کو ہی اس مقصد کے لئے چن لیا گیا تھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو دودھ نہیں پلایا تھا بلکہ پیدا ہوتے ہی بیت المقدس میں حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو جنت کے کھانے عطا کر کے خصوصیت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت کے لئے چن لیا اور اسی وجہ سے آپ پر مختلف قسم کی مہربانیاں کیں اور ہدایت سے نوازا اور آپ کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔ آپ کی معیشت کا معاملہ بغیر ظاہری اسباب کے اپنے قبضہ قدرت میں لیا آپ کو ہمیشہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل رہا، کسب معیشت کی ضرورت نہ رہی فرشتے کا کلام آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست سننے کی توفیق عطا فرمائی جو کسی دوسری عورت کو میسر نہ ہوئی۔

دوسری صفت یعنی آپ کو پاک ستھرا بنایا اس کی بھی چند وجوہ ہیں کفر و معصیت سے آپ کو پاک رکھا اور آپ کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا اور آپ کو حیض سے پاک رکھا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے آپ کو حیض نہیں آتا تھا اور آپ کو برے افعال اور بری عادات سے پاک رکھا اور آپ کو یہودیوں کی تہمت جھوٹ اور ان کی چہ میگوئیوں سے بری فرمایا۔

(کبیر)

”والاولی الحمل علی العموم ای طهرک من الاقدار الحسیة والمعنویة والقلبیة والقالبیة“

بہتر یہ ہے کہ معنی عام ہی مراد لیا جائے یعنی آپ کو حسی اور معنوی اور جسمانی تمام عیوب سے پاک بنایا۔



تیسری صفت آج سارے جہان کی عورتوں پر تجھے پسند کیا، اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام جہان کی تمام عورتوں کی سردار ہیں یا کہ آپ کو حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پر فضیلت حاصل نہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ آج بڑھا کر اپنا مختار قول بیان کر دیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنے زمانہ میں تمام عورتوں پر افضلیت حاصل تھی ہر زمانہ میں ہر عورت پر فضیلت حاصل نہیں یہی قول اسی آیت کے تحت محشی جلالین کا بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کا عطا ہونا اگرچہ آپ کی خصوصیت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فضیلت کی وجہ سے ان کو مطلقاً فضیلت حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر حاصل ہو جائے اگرچہ یہ فضیلت مختصہ ان دونوں کو حاصل نہیں۔

”لکن فضائلہما کثیرۃ واردۃ فی الاحادیث لا یوجد منها شیء فی مریم علیہا السلام ففاطمۃ و عائشۃ افضل نساء العالمین من الاولین والآخرین  
کما ہو مذهب المحققین من العلماء“

(حاشیہ جلالین ص ۵۱)

لیکن ان دونوں کے فضائل کثیر ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں وہ فضائل حضرت مریم علیہا السلام کو حاصل نہیں اس لئے فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کو تمام جہان کی ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت آنے والی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے یہی محققین علمائے کرام کا مذہب ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا تا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور مراتب کی بلندی حاصل ہو سجدہ کا حکم رکوع سے پہلے دیا اس لئے کہ واوترتیب کے لئے نہیں آتی یعنی ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ ادا بھی پہلے کیا جائے البتہ پہلے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں سے سجدہ افضل ہے اس کی فضیلت کے پیش نظر ذکر پہلے کر دیا گیا ہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دے کر یہ کہا گیا ہے کہ نماز جماعت سے ادا کرو اور اس مسئلہ کی طرف



بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جس شخص نے امام کے ساتھ رکوع میں نماز کو پالیا اسے وہ رکعت مل گئی۔

**اعتراض:** حضرت مریم علیہا السلام کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم کیسے دیا گیا حالانکہ وہ ایک جوان لڑکی تھیں؟

**جواب:** یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اپنے حجرہ میں نماز جماعت سے ادا کرتی ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ باپردہ ہو کر مردوں کی صف سے علیحدہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المقدس کے تمام خدام آپ کے اقرباء ہوں یہی وجہ تھی کہ آپ کی کفالت کا ہر شخص تقاضا کر رہا تھا یہ بھی احتمال ہے کہ نماز کے وقت اور عورتیں بھی حاضر ہوتی ہوں تو آپ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتی ہوں۔

(از روح المعانی)

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام کا آنا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ☆ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ☆﴾

(ب ۱۶ سورہ مریم ۱۶، ۱۷)

بیان کیجئے کتاب میں مریم علیہا السلام (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ، پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔

حضرت مریم علیہا السلام نے تمام سے علیحدہ ہو کر بیت المقدس کی شرقی جانب کو اختیار کیا۔

”لتتخلى هناك للعبادة“ تاکہ عبادت کے لئے آپ کو خلوت حاصل ہو سکے۔

اسی وجہ سے آپ نے علیحدہ پردہ کو بھی اختیار کیا کہ کوئی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہو سکے مشرقی جانب کو اختیار کرنا ہو سکتا ہے صرف اتفاق ایسا ہوا ہو کوئی خاص ارادہ نہ ہو۔



”وكونه شرقيا كان اتفاقيا“

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القاء کیا ہو کہ مشرقی جانب کو اختیار کرو

کیونکہ :

”وقد علم سبحانه انه حان ظهور النور العيسوي منها فناسب ان يكون

ظهور النور المعنوي في جبهة ظهور النور الحسي“

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی ابدی کی وجہ سے مناسب یہی سمجھا کہ یہ نور عیسوی کے

ظہور کا وقت ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ نور معنوی کا ظہور نور حسی کے ظہور

کے بالکل سامنے ہو۔

جن حضرات کا قول یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حیض سے پاک تھیں یعنی ان کو حیض نہیں

آتا تھا ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مقصد یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے۔ کچھ حضرات کا قول یہ ہے کہ آپ

کو حیض آتا تھا آپ مسجد کی خدمت کے لئے وقف تھیں مسجد میں ہی رہتی تھیں لیکن حیض کے دنوں میں اپنی

خالہ کے گھر (جو حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ تھیں) آجاتی تھیں۔ اور جب حیض سے پاک ہو جاتیں تو

مسجد میں لوٹ آتی تھیں۔ آپ کو حیض کے بعد غسل خانہ میں جاتے ہوئے ایک شخص نظر آیا جو بڑا وجیہ تھا

چمکدار خوبصورت اس کا رنگ تھا اور اس کے گھنگریالے بال تھے یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ رب تعالیٰ نے

فرمایا :

﴿فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا﴾

ہم نے اس کی طرف روح الامین (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا۔

چونکہ جبرائیل علیہ السلام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لاتے رہے جو دین کے احیاء کا

سبب بنتی رہی اس لئے آپ کو بھی روح کہہ دیا گیا چونکہ آپ بھی بذریعہ وحی احیائے دین کا ذریعہ بنے۔

جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس کامل انسانی شکل میں تھے۔

”لم يفقد من حسان نعوت الادمية شيئا“



یعنی انسانی اوصاف سے کوئی بھی آپ میں کمی نظر نہیں آتی تھی بلکہ کامل انسان نظر آتے تھے خیال رہے کہ جبرائیل علیہ السلام کامل بھر نظر آنے کے باوجود بھی نور تھے جبرائیل علیہ السلام حقیقت میں نور اور ظاہر میں بھر تھے نبی کریم ﷺ حقیقت میں نور اور ظاہر میں بھر ہوں تو اس میں کون سی مشکل درپیش ہے بات صرف ایمان کی ہے۔

(روح المعانی)

حضرت مریم علیہا السلام کا خوف :

﴿قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا﴾

(آیت ۱۸ سورہ مریم پارہ ۱۶)

بولی میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے ڈر ہے۔

ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر آپ پر خوف طاری ہو گیا کہ معلوم نہیں یہ انسان میرے پاس کہاں سے کس ارادہ سے آگیا؟ فوراً کہا خدا کی پناہ اگر تو متقی شخص ہے رب کا تجھے کوئی خوف ہے تو دور ہو جا میرے پردہ میں خلل انداز نہ بن۔

جبرائیل علیہ السلام کا تسلی دینا :

﴿قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ لَا هَبْ لَّكَ غُلَامًا زَكِیًّا﴾

(پ ۱۶ سورہ مریم)

بولامیں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں  
”لیزوں عنہا ذالک الخوف“

(جبرائیل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوں اس کا مطلب یہ تھا )  
حضرت مریم علیہا السلام کا خوف زائل ہو جائے۔

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا مالک بنا کر اور تمہاری مصلحت کا ناظر بنا کر بھیجا ہے جو تم نے مجھ پر شرکا وہم کیا ہے وہ مجھ سے کبھی توقع نہیں کی جاسکتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے رب کی پناہ



طلب کی توجہ ایل علیہ السلام نے مسکرا کر کہا میں تمہاری قمیص میں پھونک مار کر تمہیں پاکیزہ اور ستھرا بیٹا دینے کیلئے آیا ہوں یعنی ایسا بیٹا عطا کرنے کے لئے جو گناہوں کی آلودگی سے پاک و صاف ہو گا اس کے نیک اعمال میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا اور مقام نبوت پر فائز ہو گا۔

(از روح المعانی و کبیر)

فائدہ :

حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے اس لئے بطور مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کردی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔

(از صیاء القرآن)

حضرت مریم علیہا السلام کی حیرت اور بڑھ گئی :

﴿ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴾ ☆

(سورہ مریم آیت ۲۰)

بولی میرا لڑکا کیسے ہو گا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی میں بدکار ہوں ” و كانها عليها السلام من فرط تعجبها وغاية استبعادها لم تلتفت الى الوصف في قول الملك عليه السلام لاهب لك غلاما زكيا “

(از روح المعانی)

آپ کو یہ سن کر اتنا زیادہ تعجب ہوا اور آپ نے اسے عقل سے بعید سمجھتے ہوئے یہ کہا میرا بیٹا کیسے ہو گا؟ آپ کو حیرانگی کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں رہی کہ مجھے ایک فرشتہ کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں ایک ستھرا بیٹا دینے کے لئے آیا ہوں

آپ نے یہی سمجھا کہ بیٹا تو عام عادت کے مطابق ہی پیدا ہو سکتا ہے یا تو جائز نکاح سے یا بدکاری سے نیز آپ عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس طرف توجہ ہی نہ کر سکیں کہ رب کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں۔



## حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جواب :

﴿ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنٍ وَلَنَجْعَلَ لَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ ☆

(آیت ۲۱ سورہ مریم)

کہا یونہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور اس کام کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

بغیر باپ کے بیٹے کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دخل ہو گا اس کی قدرت کے سامنے کوئی مشکل نہیں اور اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو سمجھیں اور یہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے رب کی عظیم رحمت ہے اور رب کے علم ازلی کے مطابق اسے لوح محفوظ پر لکھا جا چکا ہے اس فیصلہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(از روح المعانی)

سورۃ آل عمران میں اسی سوال کا جواب یہ دیا :

﴿ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾

(آیت ۴۷ سورہ آل عمران پارہ ۳)

فرمایا : بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو فوراً ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

ایک چیز یہاں قابل غور ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی حیرانی کے موقع پر فرمایا :

﴿ يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴾ (اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے) اور حضرت مریم علیہا السلام کے

تعجب کو دور کرنے کے لئے فرمایا اللہ یخلق ما یشاء (اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) جواب میں یہ تفاوت (فرق) کیوں؟ اس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لئے فعل اور خلق کا معنوی فرق ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

” لفظ الفعل يستعمل كثيرا فيما يجرى على قانون الاسباب المعروفة



## تذکرۃ الانبیاء

ولفظ الخلق يستعمل فی الابداع والایجاد

(المنار)

یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں انہیں عام طور پر لفظ فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رونما ہوتے ہیں ان کی تعبیر عام طور پر لفظ خلق سے کی جاتی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت چونکہ ماں باپ کی وجہ سے تھی اور یہی ولادت کا سبب عادی (عادت کے مطابق) ہے اسلئے وہاں فرمایا: یفعل اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت صرف ماں سے ہوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقود تھا (یعنی نہیں تھا) اسلئے لفظ خلق سے بیان کیا ”یخلق ما یشاء“ (کہا)۔

(ضیاء القرآن)

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں :

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا﴾

(آیت ۲۲ سورہ مریم)

پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔  
حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیل میں نیک زاہدہ مشہور تھیں اور سب کو یہ علم تھا کہ آپ کی والدہ نے نذرمانی جو قبول کر لی گئی آپ کی تربیت میں انبیاء کرام صلحاء حریص تھے وہ کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوئی آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق آتا رہا ان واقعات کی شہرت کے پیش نظر آپ کو بہت پریشانی لاحق ہوئی کہ میں رب کی اس قدرت سے لوگوں کو کیسے مطمئن کروں گی لوگ میری بات کیسے مانیں گے اسی وجہ سے آپ نے بیت المقدس کے حجرہ کو چھوڑ کر علیحدہ دور و دراز جگہ کو اختیار کیا تاکہ وقتی طور پر کوئی مطلع نہ ہو سکے۔

(از کیں)

### دروازہ کے وقت پریشانی میں اضافہ :

﴿فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ



(آیت ۲۳ پارہ ۱۶ سورہ مریم)

پس لے آیا انہیں دردزہ (پیدائش کے وقت کا درد) ایک کھجور کے تنے کے پاس  
(بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں کاش میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل  
فراموش کر دی گئی ہوتی۔

”اجاء“ منقول ہے جاء سے لیکن صرف لے آیا پہنچانا معنی مقصود نہیں ہوتا اس کے لئے لفظ  
بلغنیہ یا ابلغتہ استعمال ہوتے ہیں جب کسی کو کہیں جانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اس وقت لفظ اجاء  
استعمال ہوتا ہے یعنی آپ کو دردزہ کی تکلیف کی وجہ سے جو حسرت حاصل تھی اس نے ایک کھجور کے درخت  
کے پاس کے لئے مجبور کر دیا تھا اور یحتمل للتستر بہا من یخشی منه القالة اذراھا اس  
وجہ سے بھی آپ نے کھجور کے درخت کا رخ کیا تاکہ باتیں کرنے والوں سے پردہ پوشی رہے زیادہ یہی فکر  
دامن گیر تھا۔

تفسیر کشاف میں ذکر کیا گیا ہے کہ کھجور کا درخت صرف تنا تھا اوپر سے کاٹا ہوا خشک تھا اور پھل بھی  
نہیں دیتا تھا البتہ درخت اتنا مشہور تھا کہ صرف جذع النخلة کہنے سے یہی مراد ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج کر ان کے گریبان میں  
پھونکنے کا حکم دیا حضرت مریم علیہا السلام کو بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹا عطا کرنا ہے تمہیں اور  
تمہارے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنانا ہے وجعلناھا وابنھا ایۃ للعالمین لیکن پھر بھی  
آپ کہہ رہی ہیں یا لیتنی مت قبل هذا کاش میں اس پہلے مر چکی ہوتی آخر اتنی بے قراری کی کیا وجہ  
تھی؟ وجہ واضح ہے کہ یہ احساس تیز تر ہو گیا کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب چہ پیدا ہو گا  
تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی شدت بے چارگی اور درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ گئے  
رب پر کوئی شکوہ نہیں تھا بلکہ لوگوں کی طعنہ زنی کی فکر تھی اور زیادہ ترنا سمجھ لوگوں کو سمجھانے کی فکر تھی نیز  
رب سے خوف کی حالت میں اس طرح کے الفاظ صالحین سے ادا ہوتے رہے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو بکر  
صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا اے پرندے تو کتنا ہی



خوش نخت ہے کہ درخت پر بیٹھ کر اس کا پھل کھا رہا ہے۔

و ددت انی ثمرة ينقرها الطائر كاش میں بھی کوئی پھل ہوتا کہ مجھے پرندے کھا جاتے آپ کا یہ کلام خوف الہی کی وجہ سے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھاس کا ایک تنکا ہاتھ میں لیا اور فرمایا:  
لیتینی هذه التبنۃ یالیتنی لم اک شیئا كاش میں بھی گھاس کا ایک تنکا ہی ہوتا کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔

آپ کا یہ ارشاد بھی اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم جمل میں فرمایا:

یالیتنی مت قبل هذا عشر سنین کاش میں آج سے دس سال قبل مر چکا ہوتا۔

آپ کا یہ کہنا ظاہری فتنہ سے پریشانی کی وجہ سے تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لیت بلا لا لم تلده امہ کاش بلال کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ آپ نے اس کلام سے اپنے کمال عجز کا اظہار کیا ہے۔

(از کبیر و ضیاء القرآن)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا پھر بھی آپ اس قسم کے الفاظ اپنی زبان پر لا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:

استحياء من الناس وخوفا من لائمهم لوگوں سے شرم کے مارے اور ان کی ملامت کرنے کے خوف کے پیش نظر آپ کی یہ بے قراری تھی اور دوسری وجہ یہ تھی:

”حذرا من وقوع الناس فی المعصية بما يتكلمون فیها“

کہ آپ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ بچے کی پیدائش پر لوگ میرے متعلق جھوٹا کلام کرنے اور مجھ پر بہتان لگانے کی وجہ سے گناہگار ہوں گے۔



سبحان اللہ تعالیٰ کتنا عظیم تقویٰ ہے کہ فکر بھی لاحق ہے تو ان لوگوں کی جن سے خدشہ ہے کہ وہ تہمت لگائیں گے اور اس فعل کی وجہ سے گناہگار ہو جائیں گے شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان را نکردند تنگ

میں نے سنا ہے کہ راہ خدا کے مرد (نیک لوگ) دشمنوں کے دل بھی تنگ نہیں کیا کرتے۔

اس قسم کی صورت میں موت کی تمنا جائز ہے البتہ مرض، فاقہ، دشمن کے مظالم، دنیا کے مصائب و آلام سے تنگ آکر موت کی تمنا منع ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

” لا يتمنين احدكم الموت لضرر نزل فان كان لابد متمنيا فليقل اللهم

احيني ما كانت الحياة خيرا الي وتوفني اذا كانت الوفاة خيرا لي “

کوئی شخص موت کی تمنا تکالیف کی وجہ سے نہ کرے اگر کوئی موت کی تمنا ضرور

کرنا ہی چاہتا ہے تو یہ کہے اے اللہ تعالیٰ مجھے زندہ رکھ اگر میرے لئے میری زندگی

بہتر ہے اور مجھے موت عطا کر اگر میرے لئے میرا امرنا بہتر ہے۔

خیال رہے کہ اگر کسی شخص نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق یہ گمان کیا کہ انہوں نے

درودہ یا اور دنیاوی تکالیف کے پیش نظر موت کی تمنا کی تھی

” فقد اساء الظن “

تو اس نے برا گمان کیا۔

(از روح المعانی)





## کھانے پینے کا انتظام اور مزید تسلی :

﴿فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ☆ وَهَزَيَا إِلَيْكَ  
بِجَزَعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ☆ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَمَا  
تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنَّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ  
إِنْسِيًّا ☆﴾

(ب ۱۶ ع ۵)

تو اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کھا، بیشک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بہا  
دی ہے اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا، اتھھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی، تو کھا اور پی  
اور آنکھ ٹھنڈی رکھ پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے آج رخصت کا روزہ مانا ہے  
تو آج ہر گز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔

آپ کو وادی کے نشیب سے آواز آئی تم غم نہ کرو ہم نے تمہاری جگہ سے نشیبی جگہ کی طرف ایک  
نہر بہادی جو تمہارے حکم کے ماتحت ہوگی (جبرائیل علیہ السلام نے پاؤں کی ٹھوکریں تو یہ نہر جاری ہوئی یا  
عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد ایڑی رگڑی تو اس سے جاری ہوئی)، کھجور کا خشک تنا جس کا سر کٹا  
ہوا ہے۔ موسم بھی سردیوں کا ہے۔ وہ ان حالات میں اگرچہ پھل نہیں دیتا لیکن تم اسے اپنی طرف بلاؤ تو وہ  
تمہیں پکی ہوئی تازہ کھجوریں دے گا کھاؤ اور پیو یعنی کھجوریں کھاؤ جو پیدائش کے وقت زچہ اور چھہ دونوں کے  
لئے بہت مفید غذا ہے اور جاری شدہ چشمہ سے پانی پیو، اسی سے اندازہ لگا لو کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح  
تمہارے کھانے اور پینے کا انتظام فرمادیا ہے اسی طرح وہ خطرات جو تمہارے ذہن میں آرہے ہیں وہ بھی  
زائل کر دے گا۔ تمہارے نفس کو اطمینان حاصل ہوگا، آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی، اس لئے حکم دیا  
نفس کو مطمئن رکھو اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھو۔

”فان العين اذارات ما يسر النفس سكنت اليه“

بیشک آنکھ جب اس چیز کو دیکھتی ہے جس سے نفس کو خوشی حاصل ہوتی ہو تو اس سے آنکھ  
کو بھی سکون ملتا ہے۔



ابن زید سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

”لا تحزنی“ غم نہ کھا۔ آپ نے کہا کیسے غم نہ کھاؤں جب تم میرے ساتھ ہو گے۔ میرا خاوند کوئی ہے نہیں اور میں کسی کی لونڈی بھی نہیں لوگوں کے سامنے کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

انا اکفیک الکلام میرا کلام ہی تمہیں کفایت کر جائے گا۔

رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب تم بچے کو ساتھ لے کر جاؤ تو کوئی بھی تمہیں ملے تو تم اشارے سے اسے بتانا کہ میں نے نذرمانی ہوئی ہے کہ رب تعالیٰ کی رضامندی کے لئے روزہ رکھوں گی اور کسی آدمی سے کلام نہیں کروں گی:

”وانما امرت علیہا السلام بذالك على ما قاله غير واحد لكر اهة مجادلة السفهاء والاكتفاء بكلام عيسى عليه السلام فانه نص قاطع في قطع الطعن“  
آپ کو یہ حکم دیا گیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کئی اہل علم حضرات نے بیان کیا کہ بے وقوفوں سے آپ کو کلام کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام خود ہی کلام کر کے ان کے طعنوں کا جواب دیں آپ کا کلام کرنا اور انہیں جواب دینا طعنوں کے ختم کرنے میں نص قطعی کا درجہ اسے حاصل ہوگا۔

(از روح المعانی)

واپسی پر لوگوں کی طعنہ زنی:

﴿فَآتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَمْرَيْمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ  
مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ﴿

(پ ۱۶ آیت ۲۷ سورہ مریم)

تو اسے میں گود میں لئے اپنی قوم کے پاس آئیں انہوں نے کہا اے مریم علیہا السلام بیشک تو نے بہت ہی برا کام کیا ہے اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی



آپ جب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تو اپنے فرزند دلبند کو گود میں اٹھا کر اپنے گھر لوٹیں، جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ کنواری مریم بچہ اٹھائے آرہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہوگا (روح المعانی میں ہے ”فتباکوا“ انہوں نے رونا شروع کر دیا) اور فرط خجالت (بہت زیادہ شرمندگی) سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ یا مریم۔۔۔۔۔ الخ۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی، ملامت کرنے کے لئے مرد و زن (مرد اور عورتیں) دوڑے آئے، ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ سوکھ گیا۔ ایک مرد نے کہا ”یہ تو زنا کارہ ہے“ تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا برا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم انداز میں اتنا ہی کہہ سکے :

﴿قد جئت شیئا فریا﴾ خود سوچئے ! اگر کسی شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا اس کی آؤ بھگت یوں کی جاتی ہے؟ لفظ فریا کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں :

”الفری کفنی الامر المختلق المصنوع او العظیم نقلھا الجوہری  
او العجیب نقله الراغب“

یعنی فری جو غنی کا ہم وزن ہے جوہری نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں :

”المختلق المصنوع“ گھڑا ہوا بناوٹی اور العظیم بہت بڑا

امام راغب رحمہ اللہ نے اس کا معنی عجیب، حیران کن کیا ہے۔

لیکن علامہ ابن حبان اندلسی رحمہ اللہ نے اس کا معنی.....

العظیم الشنیع بتایا ہے کہ یعنی بہت قبیح فعل ہے۔

(بحر)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

”انه يستعمل فی العظیم من الامر شرا او خیرا قولا او فعلا“

(روح المعانی)

ہر بڑے کام کے لئے خواہ وہ برا ہو یا اچھا قول ہو یا فعل یہ لفظ (فری) استعمال ہوتا ہے۔



کیونکہ یہ وضاحت مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے اور موقع کے بھی مناسب ہے حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی کا نام ہارون تھا، اسیلئے قوم نے آپ کو ”یاخت ہارون“ (اے ہارون کی بہن) کہہ کر پکارا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں حضرت مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہا گیا ہے حالانکہ ہارون مریم علیہا السلام سے صد ہا سال پہلے گزرے ہیں وہ کوئی جواب نہ دے سکے جب واپس آئے تو بارگاہ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا:

”انہم کانوا یسمون بانبیائہم والصالحین قبلہم“

کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیائے کرام علیہم السلام کے اور پہلے بزرگوں کے نام پر رکھا کرتے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ایک بھائی تھے جن کا نام حسب دستور حصول برکت کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔

جن الفاظ سے لوگ مریم علیہا السلام کو عار دلارہے ہیں وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا، تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی، تم نے یہ بے دین اور بد اعتقاد لونڈا کیسے جنا؟ بلکہ یہ کہ رہے ہیں کہ تیرا باپ ”امرء سوء“ (مرد بدکار) نہ تھا اور تیری ماں ”بغیا“ (بدکارہ) نہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ عورت کو یوں عار دلائی جاتی تھی؟

(از ضیاء القرآن)

حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ بچے کی طرف کر دیا:

﴿فَإِشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ☆

(پارہ سولہ آیت ۲۹ سورہ مریم)

اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ نے کسی سے کلام نہیں کرنا بلکہ اشارہ سے بتانا ہے کہ میں نے رب تعالیٰ کے لئے روزہ کی نذرمانی ہوئی ہے، کسی سے بولنا نہیں، اسی ارشاد کے مطابق



آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسی سے کلام کر کے پوچھ لو۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جب بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے کلام کرو تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے ساتھ مزاح کر رہی ہے، اس سے ہماری توہین کر رہی ہے، ہمیں گھٹیا سمجھ رہی ہے، یہ تو اس کا جرم (معاذ اللہ) زنا کے جرم سے بڑا برا ہے۔

المسہد کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ماں کی گود، گوارہ، چارپائی، وہ جگہ جہاں بچہ قرار پکڑے ہوئے ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ان تمام کو شامل ہے (وہ بچہ جو پالے میں ہیں)۔ ان لوگوں نے بطور انکار اور تعجب کے کہا ہم اس بچے سے کیسے کلام کریں؟ جو ابھی ماں کی گود میں گوارہ میں ہے۔

### علمی نکتہ :

بظاہر آیت کریمہ میں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ”کان“ زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہو گا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو گوارہ میں ہوتا تھا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ہر ایک بچہ پہلے ماں کی گود یا گوارہ میں ہوتا ہے جب وہ بڑا ہو جاتا ہے اس سے کلام کیا جاتا ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد زمانہ ماضی مبہم ہے خواہ قریب ہو یا بعید، یہاں سے مراد قریب لیا گیا ہے یعنی ابھی چند لمحے پہلے جسے ہم تمہاری گود میں دیکھ رہے ہیں اس سے کیسے کلام کریں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کبھی کلام نہیں کیا اور نہ ہی ایسی عمر کے بچوں میں جواب دینے کی طاقت ہوتی ہے۔ اے مریم بچے کی طرف تمہارا اشارہ کرنا سراسر مزاح ہی نظر آتا ہے۔

اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ ماضی سے حال کی حکایت بیان کی جا رہی ہے۔ ”من“ موصوفہ ہے اب



معنی یہ ہو گا ہم کیسے کلام کریں انہوں سے جو ماں کی گود یا گوارہ میں ہونے کے وصف سے متصف ہیں؟ ہم نے آج تک ایسے بچوں سے کلام نہیں کیا۔ تو اس سے کیسے کلام کریں ماضی سے حال کی طرف عدول میں تصور لانا اور استمرار مقصود ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”کان“ زائد ہو صرف تاکید کے لئے آیا ہو، زمانے پر اس کی کوئی دلالت نہ ہو اور جیسا حال ہو، اب معنی یہ ہو گا کہ ہم اس سے کیسے کلام کریں جو ابھی پالے میں ہے، حال ہونے اس کے کہ وہ بچہ ہے۔

اور یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ”من“ شرطیہ ہو اور معنی یہ ہو :

”من کان فی المہد فکیف نکلمہ“ جو پالے میں ہے اس سے ہم کیسے کلام کریں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے :

”کیف اعظ من لا یعمل بموعظتی“

میں اسے کیسے نصیحت کروں جس نے میری نصیحت پر عمل نہیں کرنا۔

اس صورت میں ماضی بمعنی مستقبل کے ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں وارد ہو گا۔

(از روح المعانی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا :

﴿ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اَتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ☆ وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْمًا کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ☆ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلَنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ☆ وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ وَیَوْمٍ اَمُوتُ وَیَوْمٍ اُبْعَثُ حَیًّا ☆ ﴾

(بارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۳۰، ۳۳)

بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا نبی کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی۔ جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا۔ اور مجھے زبردست بد بخت نہ



کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے، جب آپ نے بنی اسرائیل کا کلام سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں ہم بچے سے کیسے کلام کریں؟ تو آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا ان کی طرف متوجہ ہوئے بائیں ہاتھ پر سہارا لگا کر اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے کلام کرنا شروع کر دیا سب سے پہلا اعلان یہ فرمایا:

﴿انی عبد اللہ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔

چونکہ سالکین کا مقام ہی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کلام میں ان لوگوں کا رد بھی پایا گیا ہے جنہوں نے آپ کو رب کہنا تھا۔

(روح المعانی)

سبحان اللہ نبی کا کتنا عظیم مقام ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی یہ علم عطا فرمادیا کہ تمہیں لوگ خدا مانیں گے۔ آپ نے اپنی عبودیت کا اعتراف کر کے واضح طور پر فرمادیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مجھے کوئی معبود ماننے کی حماقت نہ کرے۔

﴿اتانی الکتاب وجعلنی نبیا﴾ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا:

”انه سيعثني من بعد ولما تكلم بذلك سكت وعاد الى حال الصغر ولما

بلغ ثلاثين سنة بعثه الله نبيا“

(از کبیر)

کہ بے شک اللہ تعالیٰ مجھے مبعوث فرمائے گا یعنی اعلان نبوت کا حکم دے گا آپ نے جب یہ کام مکمل کیا تو اس کے بعد خاموش ہو گئے اور عام بچوں کے حال کی طرف لوٹ کر آگئے پھر جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

”درس الانجيل والحكمة في بطن امه“

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ہی انجیل پڑھادی اور نبوت عطا فرمادی۔



اصل تطبیق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو نبوت یا کتاب عطاء تو اسی وقت فرمادیں جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے، البتہ لوگوں کو تبلیغ کرنے اور اعلان نبوت کا حکم بعد میں دیا گیا، تمام انبیاء کرام کی صورت حال یہی ہے۔

﴿وجعلنی مبارکاً این ما کنت﴾

(آیت ۳۱ سورہ مریم پارہ سولہ)

مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں۔

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے دین پر قرار پکڑنے والا بنایا اور مجھے معلم الناس بنایا ہے کہ میں لوگوں کو دین کی تعلیم دوں ان کو راہ حق کی طرف بلاؤں، یعنی جب وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے بھٹک جائیں تو میں انہیں سیدھی راہ دکھاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کاتب کے پاس لے گئیں اور کہا کہ اس بچے کو لکھنا سکھانا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کو مارنا نہیں، معلم نے آپ کو کہا کہ لکھو آپ نے کہا میں کیا لکھوں تو اس نے کہا ابجد (ابت و غیرہ) لکھو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے سر اٹھایا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ابجد کیا ہیں؟ معلم نے اپنا کوڑا آپ کو مارنے کے لئے اٹھایا تو آپ نے فرمایا: اے مؤدب (ادب سکھانے والے) مجھے ماریں نہیں اگر آپ کو علم نہیں تو مجھ سے پوچھیں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ

الف، آلاء اللہ (اللہ کی نعمتیں) سے لیا ہوا ہے اور

ب، بہاء اللہ (اللہ کی خوبصورتی) سے اور

ج، جمال اللہ (اللہ کا جمال) سے اور

د، اداء الحق الی اللہ (اللہ تعالیٰ کے حقوق اس کے سپرد کرنا) سے ماخوذ ہے۔

اور برکت والا بنانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا فرمایا تمام احوال میں مجھے غالب بنایا جب تک میں دنیا میں رہوں گا مجھے اللہ تعالیٰ دلائل میں غیروں پر غالب رکھے گا اور جب دنیا سے جانے کا میرا وقت آجائے گا تو مجھے زندہ ہی آسمانوں پر اٹھالیا جائے گا اور میری برکت کے اثرات کالوگوں کو



## تذکرۃ الانبیاء

فائدہ ہو گا کہ میری دعا سے مردے زندہ ہو جائیں گے، مادر زاد اندھے بینا (نظر والے) ہو جائیں گے اور برص کے مرض والے صحت یاب ہو جائیں گے۔

﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ☆

(آیت ۳۱ بارہ سولہ سورۃ مریم)

مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب میں زندہ رہوں۔

یعنی رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بالغ ہونے کے بعد نماز ادا کروں اور لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نصیحت کروں۔

(از کبیر)

**تنبیہ :** ” لا زکوة علی الانبیاء علیہم السلام لان الله نزههم عن

الدنيا فما فی ایدیہم لله تعالیٰ ولذا لا یورثون“

(روح المعانی)

انبیائے کرام علیہم السلام پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے مال سے پاک رکھا ہوتا ہے (اگر ان کے پاس کوئی مال آ بھی جائے تو وہ تمام اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں وہ ایک سال جمع کر کے رکھتے ہی نہیں کہ ان پر زکوٰۃ لازم آئے) اسی وجہ سے ان کے مال کو بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں مال در حقیقت اللہ تعالیٰ کا مال ہوتا ہے وہ اس کے مالک ہی نہیں ہوتے۔

(کبیر)

﴿وبرا بوالدتی﴾ اور مجھے ماں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔

اس کلام سے اشارہ تھا کہ میری ماں پاک دامن ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معصوم رسول کو اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا اگر معاذ اللہ اس میں کوئی عیب ہوتا تو معصوم رسول کو اس کی تعظیم کا کبھی حکم نہ دیا جاتا۔

(از کبیر)

﴿ولم يجعلنی جبارا شقیا﴾ مجھے زبردست بدبخت نہیں بنایا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے متکبر نہیں بنایا بلکہ خضوع کرنے والا اور اپنی ماں کے سامنے عاجزی کا اظہار



کرنے والا بنایا ہے اگر میں متکبر ہوتا تو نافرمان اور بد نخت ہوتا ایک روایت میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”قلبی لین وانا صغیر فی نفسی“

میرا دل نرم ہے اور میں اپنے خیال میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہوں۔  
یعنی عجز کا اظہار کرتا ہوں بعض علماء نے فرمایا:

”لا تجد العاق الا جبارا شقیا“ ماں باپ کا نافرمان متکبر اور بد نخت ہی ہوتا ہے۔

ان حضرات نے اپنے اس قول پر یہی آیت کریمہ بطور دلیل پیش کی:

﴿وَلَا تَجِدُ سَيِّئَ الْمُلْكَةِ إِلَّا مَخْتَلًا فَخُورًا﴾

بد خلق کو تم ضرور اترانے والا، بڑائی مارنے والا پاؤ گے۔

اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا﴾ ☆

(آیت ۳۶ سورۃ النساء پارہ ۵)

بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے بڑائی مارنے والے (متکبرین) کو پسند نہیں کرتا۔

(از کبیر)

﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ وَیَوْمٍ أَمُوتُ وَیَوْمٍ أُبْعَثُ حَیًّا﴾ ☆

(۳۳ سورہ مریم پارہ سولہ)

اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس قول کے مطابق ہے:

”لام التعریف فی السلام منصرف الی ماتقدم فی قصۃ یحٰی علیہ السلام“

یعنی الف لام عہد خارجی ہے اور مراد یہ ہے کہ جس پر سلامتی کا یحییٰ علیہ السلام کے لئے رب تعالیٰ نے خود تین مقاموں کے لئے ذکر فرمایا ہے وہی سلامتی مجھ پر بھی ان تین وقتوں میں ہے۔

صاحب کشاف کا قول یہ ہے کہ یہ الف لام تعریف کا عوض ہے حضرت مریم علیہا السلام پر لگائی



گئی تہمت کا اور ان پر کئے گئے لعن و طعن کا یعنی اب مطلب یہ ہو گا کہ تم نے تو میری والدہ پر لعن و طعن کیا اور ان پر تہمت لگائی لیکن اس کے بدلے رب تعالیٰ نے مجھے اس عظیم انعام سے نوازا ہے کہ مجھے پیدائش موت اور زندہ اٹھائے جانے کے وقت سلامتی عطا فرمادی۔ علامہ رازی فرماتے ہیں :

”و تحقیقہ ان اللام للاستغراق“ تحقیق یہ ہے کہ لام استغراق کے لئے ہے۔

اب مطلب یہ ہے کہ ان تین وقتوں میں مجھ پر ہر قسم کی سلامتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے طفیل میرے متبعین کو ہر قسم کی سلامتی عطا فرمادی ہے میرے دشمنوں کے لئے سوائے لعنت کے کچھ بھی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا :

﴿وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی﴾ سلامتی ہو اس پر جس نے تابعداری کی۔

اسی سے ضمنا یہ خود ہی سمجھ میں آگیا کہ

﴿اِنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی﴾ (ب ۱۶ سورت طہ ۴۸)

یعنی جنہوں نے تکذیب کی اور راہ حق سے پھر گئے ان پر عذاب ہے۔

انبیاء کرام اس طرح تعریضاً (اشارہ سے کافروں کو عذاب کے متعلق بتانا) کلام فرماتے رہے کیونکہ کسی کو سمجھانے اور سوچنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے بہتر صورت ہے سلام سے مراد امن حاصل ہونا نعمتوں میں سلامتی اور آفات کا زائل ہونا، دنیوی اور اخروی خطرات سے محفوظ ہونا۔

خیال رہے یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کو بتایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرمادی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ نے دعا کی ہو کہ اے اللہ جس طرح تو نے یحییٰ علیہ السلام کے متعلق خود بتایا گیا ہے کہ میں نے انہیں سلامتی عطا فرمائی ہے ایسے مجھے عطا فرمادی آپ کی دعاء کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تین اوقات میں سلامتی عطا فرمادی۔

”ولا بدفی الانبیاء من ان یكونوا مستجابی الدعوة“

انبیاء کرام کا مستجاب الدعوات (دعاؤں کا قبول ہونا) ہونا ضروری ہے۔



## عیسیٰ علیہ السلام کے القاب :

کلمۃ اللہ، مسیح، وجیہ، مقرب، صالح، مہد و کہولیت میں متکلم۔

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَا مَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يَبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيسٰى  
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى  
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ☆

(پ ۳ سورت آل عمران ۴۵، ۴۶)

اور یاد کرو جب فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم علیہا السلام کا بیٹا وجیہ ہو گا دنیا اور آخرت میں قرب والا اور لوگوں سے باتیں کرے گا پالنے اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہو گا۔

## آپ کو ”کلمہ“ کیوں کہا گیا؟

اس کی کئی وجوہ ہیں :

- ۱: آپ کی پیدائش بغیر باپ کے واسطہ کے اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے ہوئی آپ کی تخلیق میں جب باپ کا واسطہ نہیں۔ بیج (نطفہ) کا استعمال نہیں بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہوئی تو اس وجہ سے آپ کو کلمہ کن کہا گیا یعنی کلمۃ اللہ سے پیدا شدہ جیسے مخلوق کو خلق مقدور کو قدرت کہہ دیا جاتا ہے۔
- ۲: آپ نے بچپن میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام فرمایا اس لئے آپ کو کلمہ کہہ دیا گیا۔
- ۳: کلمہ معانی اور حقائق کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام حقائق اور اسرار الہیہ کی راہنمائی فرماتے رہے لہذا آپ کو کلمہ کہہ دیا گیا۔
- ۴: آپ کی بشارت آپ ﷺ کے آنے سے پہلے انبیاء کرام کی کتابوں میں آچکی تھی جب آپ تشریف لائے تو کہا گیا کہ یہ وہی کلمہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس لحاظ سے آپ کا نام کلمہ رکھ دیا گیا۔
- ۵: جس طرح انسان کا نام کبھی فضل اللہ اور کبھی لطف اللہ رکھ لیا جاتا ہے اسی طرح آپ کا



ایک نام کلمۃ اللہ رکھا گیا۔ خیال رہے کہ کلمہ سے مراد اس مقام پر کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے آپ کوئی بعینہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے پیدا ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ ہوئے ہیں، یہ تاویل کرنی ضروری ہے ورنہ اس کا معنی درست نہیں ہو سکتا۔

(کبیر پ ۳ زیر آیت ان اللہ یبشرک بیحی)

**تنبیہ:** تمام مخلوق کی تخلیق اور ہر نطفہ کا قرار اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہی ہوتا ہے لیکن ان میں عام مشہور اور متعارف سبب ہی ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق باپ کے واسطہ اور نطفہ کے قرار پکڑنے سے ہوئی لیکن عیسیٰ علیہ السلام میں اس طرح کی کوئی وجہ موجود نہ تھی باپ کا کوئی واسطہ نہیں نطفہ آپ کی پیدائش کا ذریعہ نہیں اس لئے آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کی نسبت زیادہ کامل اور مکمل ہے۔

(کبیر پ ۳ زیر آیت ان اللہ یبشرک بکلمۃ)

**فائدہ:** عادل بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے:

”ظل اللہ فی ارضہ“ اللہ تعالیٰ کا سایہ اس کی زمین میں۔

اسی طرح کبھی کہا جاتا ہے: ”انہ نور اللہ“ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔

جب بادشاہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو وہ مخلوق پر عدل و انصاف کے فیصلے کرتا ہے اس کے عدل

کا سایہ زمین پر پھیلتا ہے تو اسے .....

”ظل اللہ فی ارضہ“ کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح جب اس کے احسانات کا نور جگمگاتا ہے تو اسے

..... ”نور اللہ“ کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کثیر بیانات کی

وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ظاہر فرمایا اور لوگوں کے شبہات کو زائل کیا رب تعالیٰ کے کلام میں لوگوں کی

تحریفات کو زائل کیا تو اس مناسبت کی وجہ سے بھی آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا۔

(از کبیر زیر آیت ان اللہ یبشرک بکلمۃ)

آپ کو ”مسیح“ کیوں کہا گیا؟

اس میں چند وجوہ ہیں۔ خیال رہے کہ مسیح فعیل کا وزن ہے فعیل کبھی بمعنی فاعل

کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول کے۔ اگر بمعنی فاعل کے ہو تو آپ کو مسیح کہنے کی یہ

وجوہ ہیں:



۱: جب کوئی شخص آفت زدہ ہوتا یعنی کسی بھی مرض میں مبتلا ہوتا تو آپ اس پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کو شفا حاصل ہو جاتی۔

۲: مسح الارض لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہوتا ہے زمین کو قطع کرنا یعنی سفر کرنا اور سیر کرنا آپ بھی چونکہ ایک جگہ پر ساکن نہیں رہتے تھے بلکہ چلتے پھرتے رہتے تھے اس لئے آپ کو مسح کہا گیا۔

۳: آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اس لئے آپ مسح ہوئے۔

اور اگر فعیل بمعنی مفعول کے استعمال ہو تو آپ کو مسیح کہنے کی یہ وجوہ ہوں گی :

۱: آپ سے گناہوں اور گناہوں کے بوجھ، آلودگی کو مٹا دیا گیا تھا یعنی آپ کو رب تعالیٰ نے گناہوں سے دور رکھا ہوا تھا۔

۲: آپ کے قدموں سے نشیب کو مٹایا ہوا تھا یعنی آپ کے قدم بالکل سیدھے تھے عام آدمیوں کی طرح نہیں تھے کہ قدموں کے تلووں کا کچھ حصہ زمین پر نہیں لگتا کیونکہ اس میں نشیب ہوتا ہے۔

۳: آپ کو زیون کا مبارک تیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگا دیا گیا تھا جو تمام انبیاء کرام کو لگایا جاتا تھا جس سے فرشتوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ اس ہستی کو نبی بنایا جائے گا۔

۴: جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے پروں سے مس کیا تھا تاکہ آپ شیطان کے مس سے محفوظ رہیں۔

۵: آپ جب والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ کو تیل لگا ہوا تھا عام بچوں کی طرح آپ کے بالوں کو تیل لگانے کی ضرورت درپیش نہیں آئی۔

(از کبیر)

تنبیہ :

”دجال کو“ بھی مسیح کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین (ایک آنکھ اس کی ضائع ہو چکی ہوگی) ہو گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو قطع کرے گا مختلف علاقوں میں پھرے گا اسی مقام پر روح المعانی میں مذکور ہے کہ امام نخعی نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا جب لقب ہو گا تو اس وقت مسیح ”میم کے فتح اور سین کی تخفیف سے“ پڑھا جائے گا اور



جب اللہ تعالیٰ کے دشمن دجال کا لقب ہو گا تو مَسِيح ”میم کے کسرہ اور سین کی شد“ سے پڑھا جائے گا۔

فائدہ :

مسیح آپ کا لقب ہے اور عیسیٰ نام ہے اور ابن مریم آپ کی کنیت ہے آپ کا لقب ایسا ہے جو آپ کی شرافت اور مراتب کی بلندی پر دلالت کر رہا ہے جس طرح صدیق لقب ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور فاروق لقب ہے عمر رضی اللہ عنہ کا۔ ان کے القاب بھی ان کی شرافت اور بلندی مراتب پر دال ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لقب کو پہلے ذکر کیا تاکہ ابتداًی طور پر ہی آپ کی شان کا ہر شخص کو پتہ چل جائے۔

خیال رہے کہ بشارات بھی حضرت مریم علیہا السلام کو دی جا رہی ہے اور پھر ابن مریم بھی کہا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام انبیائے کرام کو ان کے آباء کے ناموں کی طرف منسوب کیا آپ کو ماں کی طرف منسوب کر کے حضرت مریم علیہا السلام کو بشارات کے وقت ہی بتا دیا گیا کہ تمہارا بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہو گا۔

(از کبیر)

آپ کو وجیہ کہا گیا :

وجیہ کا معنی صاحب مرتبہ، صاحب شرافت اور صاحب قدر و منزلت ہے۔

”وجه الرجل یوجه و جاہة فهو وجیه“

یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کا مرتبہ لوگوں یا بادشاہ کے نزدیک زیادہ بلند و بالا ہو۔ اور بعض اہل لغت نے بیان کیا ہے الوجیہ کا معنی کریم ہے کیونکہ انسان کے تمام اعضاء سے اشرف اس کا چہرہ ہے اس لئے الوجہ کا معنی بطور استعارہ کرم اور کمال لیا جاتا ہے۔ آپ دنیا میں وجیہ تھے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے آپ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا مادرزاد اندھوں کو نظر عطا فرمائی برص والے مریضوں کو برص سے نجات دی۔



اور دنیا میں آپ کے وجیہ ہونے کی اور وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام عیوب سے بری رکھا جو یہود آپ پر لگاتے تھے یعنی آپ کا حقیقت میں عیوب سے بری ہونا ہی وجیہ ہونے کا سبب تھا اگرچہ آپ پر یہود عیب لگاتے رہے لیکن آپ کی شان میں کوئی فرق نہ آسکا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وجیہ بنایا اگرچہ آپ پر بھی یہود عیب لگاتے رہے آخرت میں بھی آپ وجیہ ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے مومنین کو حق راہ پر چلنے والوں کا شفیع بنایا آپ کی شفاعت کو دوسرے تمام اکابر انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت کی طرح قبول کیا جائے گا۔

(از کبیر)

اور وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ذریعے زیادہ ثواب اور بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔

آپ مقربین سے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کی عظیم مدح کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین کہا تو آپ کو بھی یہی صفت عطا فرمائی کیونکہ آپ بھی بلند مراتب اور رفیع درجات رکھتے ہیں اور فرشتوں کے ساتھ ہی زندہ رہیں گے نیز آخرت میں جس شخص کو وجیہ بنایا گیا اس نے مقرب تو ہونا ہی ہے کیونکہ اسے جنت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوں گے۔

(از کبیر)

مہد اور کھولیت میں آپ کو متکلم بنایا :

مہد سے مراد پنگھوڑا یا ماں کی گود تاہم یہاں مراد یہ ہے :

”فانہ یکلم الناس فی الحالة التي یحتاج الصبی فیہا الی المہد“

کہ آپ اس حالت میں کلام کرنے والے ہوں گے جب بچہ پنگھوڑے کا محتاج ہوتا ہے۔

(از کبیر)

خواہ وہ پنگھوڑے میں ہو یا ماں کی گود میں ، آپ نے چھن میں ایک مرتبہ کلام فرمایا جس سے



اپنی والدہ کی برائت بیان کی اور اپنے اوصاف بیان کئے پھر آپ نے خاموشی اختیار کی پھر عام بچوں کی طرح بولنے کی وقت بولنا شروع کیا یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے اور یہی معتبر بھی ہے البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے جب سے کلام شروع فرمایا اسی وقت سے آپ نے اعلان نبوت بھی فرمادیا اور پھر آپ مسلسل تبلیغ فرماتے رہے۔

(واللہ اعلم بالصواب) (روح المعانی)

کہولیت یعنی بڑی عمر میں بھی آپ کلام فرمائیں گے بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ بڑی عمر میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے اس میں آپ کی فضیلت کیسے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کا رد پایا گیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے قائل ہیں کہ جو شخص پہلے چھوٹا ہو پھر بڑا ہو اس میں تغیر آتا رہے وہ اللہ نہیں بن سکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا بچپن میں کلام کرنا والدہ کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے بھی معجزہ ہے اور بڑی عمر میں وحی اور نبوت کے ذریعے کلام کرنا بھی معجزہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں کا ذکر ایک ساتھ ہے کہ آپ بچپن میں اس طرح فرمائیں گے جس طرح بڑی عمر میں یعنی بچپن کا کلام بڑی عمر کے کلام سے مختلف نہیں ہو گا۔ خیال رہے کہ کہولیت سے مراد بڑھاپا نہیں بلکہ

”ان الکھل فی اصل اللغة عبارة عن الکامل التام“

اصل میں کہولیت کی عمر وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا جسم کامل ہو۔

یہ تیس سال سے لے کر چالیس سال تک کی عمر ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت کو تینٹھ سال کی عمر میں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا اور پھر آپ دنیا میں تشریف لا کر لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اس عمر میں آپ کا آسمانوں سے اتر کر کلام کرنا آپ کا اعجاز ہے۔

آپ کا صالحین سے ہونا :

اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظیم صفات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا :



﴿وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ آپ صالحین سے ہوں گے۔ کیونکہ

” لَا رَتْبَةَ اعْظَمَ مِنْ كَوْنِ الْمَرْءِ صَالِحًا لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ كَذَلِكَ إِلَّا وَيَكُونُ فِي

جَمِيعِ الْأَفْعَالِ وَالتَّوَكُّلِ مُوَظَّبًا عَلَى النَّهْجِ الْأَصْلَحِ وَالطَّرِيقِ الْأَكْمَلِ “

اس سے بڑھ کر کوئی اور مرتبہ نہیں کہ انسان صالح ہو اس لئے کہ صالح ہو ہی

وہ سکتا ہے جس کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق عمل سے ہو یا چھوڑنے سے ہمیشہ

بہتر طریقہ پر ہوں اور کامل طریقہ پر ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صالح ہونے کا تعلق تمام مقامات سے ہے خواہ ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا

سے اسی طرح ایسے افعال جو دل سے متعلق ہوں یا ظاہری اعضا سے تمام میں صلاحیت ہوگی۔

(از کبیر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ”روح“ :

﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ

مِّنْهُ﴾

(۱۷۱ سورۃ النساء پارہ ۶)

مسیح عیسیٰ مریم علیہا السلام کا بیٹا، اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ

مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح۔

آپ علیہ السلام کو روح کہنے کی چند وجوہ ہیں :

۱: عام لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب کسی طہارت اور نظافت کے اعلیٰ درجہ کی تعریف کرنی ہو تو

اسے روح کہہ دیتے ہیں جب عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق باپ کے نطفہ سے نہیں ہوئی بلکہ نفخ

جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو یقیناً آپ کی صفت روح سے بیان کی گئی۔

۲: آپ مخلوق کے دین کے زندہ رہنے کا سبب بنے جس کی وجہ سے کسی کا دین زندہ رہے اسے روح کہہ

لیا جاتا ہے جیسے قرآن پاک کو روح کہا گیا :

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾

(آیت ۵۲ سورت الزحرف)



اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز (قرآن) اپنے حکم سے۔

۳: روح بمعنی رحمت کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے

﴿وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ﴾

یہاں روح سے مراد رحمت ہے حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

”انما انا رحمة مہداة“ میں رحمت اور ہدایت بن کر آیا۔

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے آپ ان کو دین و دنیا میں نیکی کے راستے کی ہدایت کرتے تو اسی وجہ سے آپ کو روح کہا گیا۔

۴: روح کلام عرب میں نفخ (پھونک) کے معنی میں بھی استعمال ہے روح اور ریح معنی میں قریب قریب ہیں لہذا آپ کو روح اس لئے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے نفخ جبریل سے پیدا ہوئے۔

۵: روح پر تنوین تعظیم کی ہے اب یہ معنی ہے کہ:

”روح من الارواح الشریفة القدسیة العالیة“

شریف، قدسی، بلند مراتب رکھنے والی روحوں میں سے آپ کی روح بھی ہے۔

یعنی آپ کی روح عظیم روح ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی لئے آپ کو ”روح“ کہہ دیا گیا۔

(از کبیر)

”روح قدس“ سے آپ کی امداد کی گئی:

﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ اور پاک روح سے اس کی مدد کی۔

(آیت ۸۷ البقرہ)

اس پاک روح سے مراد کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن ان تمام وجوہ سے آپ کو امداد دی گئی

رئیس المحققین والمدققین استاذی المکرم حضرت مولانا ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ فرماتے ہیں:

کہ کسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہوں یا کسی حدیث پاک کی شرح میں محدثین کرام کے مختلف اقوال ہوں اور ان میں کوئی تعارض نہ ہو تو سب کو جمع کر



لیا جائے۔ اس قانون و ضابطہ کے مطابق آپ کو مختلف طریقوں سے امداد دی گئی :

۱:- ”روح قدس“ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ کی امداد فرماتے رہے۔ جبرائیل علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت اور بلندی مرتبہ حاصل ہے اس کی وجہ سے روح قدس کہا گیا اور جس طرح بدن کو روح کے ذریعہ زندگی حاصل ہوتی ہے ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دین کو زندگی حاصل ہوتی رہی کیونکہ آپ تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لاتے رہے جس کے ذریعے انبیائے کرام علیہم السلام احیاء دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اگرچہ تمام فرشتوں کو روحانیت حاصل ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کو تمام سے زیادہ اور کامل روحانیت حاصل ہے اسی وجہ سے آپ کو ”روح قدس“ کا لقب عطا کیا گیا۔

۲: ”روح قدس“ سے مراد انجیل بھی ہو سکتی ہے جیسے قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾

اسی طرح انجیل کو بھی روح کہہ دیا گیا کیونکہ آسمانی کتب کے ذریعے ہی انبیائے کرام علیہم السلام تک احکام خداوندی پہنچے اور انبیاء کرام نے وہی احکام اپنی امتوں کو پہنچا کر ان کے دنیاوی امور کو بھی درست فرمایا اور ان کے دین کو بھی زندہ کیا۔

۳: ”روح قدس“ سے مراد اسم اعظم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسم اعظم آپ کو عطا کر کے آپ کی امداد فرمائی اسی اسم اعظم کے ذریعے آپ مردوں کو زندہ فرماتے۔

۴: ”روح“ سے مراد وہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو عطاء فرمائی۔ ”قدس“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی آپ میں مالک الملک نے اپنی طرف سے روح بواسطہ جبرائیل علیہ السلام پھونک کر آپ کو اپنا مقرب بنایا اور روح اللہ کا لقب عطاء فرمایا۔

(از کبیر)

اگرچہ تمام معانی بیک وقت لینے درست ہیں تاہم زیادہ حضرات نے روح قدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہی لئے ہیں کہ آپ کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ حاصل رہی کیونکہ آپ جہاں جاتے جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہی چلتے اور جمیع احوال میں آپ کا ساتھ دیتے رہے اور آسمانوں میں بھی آپ کے ساتھ گئے۔

(از کبیر)



## آپ کو کتاب و حکمت عطا کی گئیں :

کتاب سے مراد کتابت یعنی آپ کو لکھنے کا علم عطا کیا گیا :

”اعطی اللہ عیسیٰ علیہ السلام تسعة اجزاء من الخط واعطی سائر الناس جزءا واحدا“

(روح المعانی جلد ۲ حصہ دوم ص ۱۶۶)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے خط کے نو حصے عطا فرمائے اور باقی تمام لوگوں کو ایک حصہ عطا کیا گیا۔

”حکمت“ سے مراد فقہ ، حلال و حرام کا علم ، تمام امور دین کا علم ، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتوں کا علم اور تمام علوم عقلیہ آپ کو عطا کئے گئے ۔

(روح المعانی ج ۲ حصہ دوم ص ۱۶۶)

## عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات :

﴿ اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَبِّکُمْ اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فِیْکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهٗ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاَنْبِئُکُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدْخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ ☆

(آیت ۴۹ سورۃ آل عمران)

میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی طرح مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً زندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

پرندے بنانا :

آپ کو یہ معجزہ عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیدائش پر دلیل قائم فرمادی یعنی عیسیٰ علیہ السلام



نے گویا کہ اپنی قوم کو بتایا اے میری قوم پیدائش میں شک کرتے ہو یہ درحقیقت رب تعالیٰ کی قدرت میں شک ہے رب تعالیٰ نے تو مجھے بھی یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں بغیر ماں باپ کے مٹی سے پرندے کی صورتی بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ حقیقی طور پر پرندہ بن جاتا ہے۔ بنی اسرائیل نے آپ سے بھی اسی طرح سرکشی کے طور پر چمگاڑ بنانے کا مطالبہ کیا جس طرح وہ اپنی عادت کے مطابق پہلے انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات کا سوال کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب آپ نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھا دیا تو وہ کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے۔

انہوں نے آپ سے چمگاڑ بنانے کا مطالبہ ہی کیوں کیا تھا؟ اس لئے کہ یہ ایسا پرندہ ہے جس میں پرندوں حیوانوں اور انسانوں والے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اسے بنانے میں انہیں بظاہر مشکل نظر آئی کہ اسے بنانا تو بہت بڑی قدرت کا تقاضا ہے۔ چمگاڑ کے دانت اور داڑھیں ہوتی ہیں۔ اسے حیض آتا ہے اور یہ بچے جنتی ہے۔ انڈے نہیں دیتی۔ بغیر پروں کے یعنی گوشت کے بازوؤں سے اڑتی ہے۔ اس کے کان ہوتے ہیں اس کے پستان ہوتے ہیں۔ اس کے تھنوں سے دودھ آتا ہے یہ انسانوں کی طرح ہنستی ہے۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں نہیں دیکھ سکتی۔ اسے صرف دو وقتوں میں نظر آتا ہے ایک سورج کے غروب ہونے کے بعد جب تک روشنی رہے اور دوسرا صبح کے بعد زیادہ روشنی ہونے سے پہلے پہلے۔

مشہور یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چمگاڑ کے بغیر کوئی اور پرندہ نہیں بنایا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آپ نے جس چمگاڑ کو بنایا وہ لوگوں کے سامنے اڑی اور جب نظروں سے غائب ہو گئی تو گر کر مر گئی تاکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندے کے بنانے میں فرق رہے۔ البتہ بعض دوسرے اہل علم نے کہا کہ آپ نے کئی قسم کے پرندے بنائے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

(روح المعانی)

آپ کے پرندے بنانے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ایک مرتبہ لڑکوں کے ساتھ مکتب میں تھے آپ نے گوندھی ہوئی مٹی لی اور آپ نے لڑکوں کو کہا کیا میں تمہیں اس سے پرندہ بنا دوں؟ انہوں نے کہا: کیا تم بنا سکتے ہو؟ آپ نے کہا ہاں، میں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر سکتا ہوں پھر آپ نے ایک پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک ماری تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن گیا اور آپ کے ہاتھ سے



نکل کر اڑ گیا بچوں نے یہ واقعہ اپنے استاذ کے سامنے بیان کیا اور یہ دوسرے لوگوں میں بھی مشہور ہو گیا تاہم پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔

(روح المعانی)

مادر زاد اندھے اور برص والے کو شفا دینا :

”الاکمہ هو الذی ولد اعمی“ جو پیدائشی طور پر اندھا ہوا سے اکمہ کہتے ہیں۔

اسی طرح جس کی آنکھوں کا نشان نہ ہو اسے بھی اکمہ کہتے ہیں۔ آپ علیہ السلام ایسے اندھوں کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نظر عطا فرمادیتا۔ اسی طرح آپ برص کے مرض والے کے لئے دعا فرماتے اسے بھی اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا۔ ان دو مرضوں سے شفا دینے کا خصوصی طور پر معجزہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا کیونکہ اس وقت کے بڑے بڑے طبیب جو کثیر تعداد میں تھے ان دو مرضوں کا علاج کرنے سے عاجز آچکے تھے۔ ان کو پیچیدہ امراض قرار دے دیا گیا تھا۔

آپ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب کا زور تھا بڑے بڑے طبیب موجود تھے تو آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ جس سے تمام طبیب عاجز آچکے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا زور تھا تو آپ کو ایسے معجزات عطا کئے گئے خصوصاً عصا سے اژدھا بنانا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر عاجز آگئے تھے حضرت وہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے پچاس ہزار آدمیوں نے علاج کر لیا جو آپ کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ خود حاضر ہوئے اور جو آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے جاتے ان سے ایمان لانے کی شرط رکھتے پھر آپ ان کا علاج اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے فرماتے۔ آپ اندھوں مجنونوں چلنے پھرنے سے عاجز اور ہر قسم کے مریضوں کے لئے یہ دعا فرماتے :

”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اِلٰهٌ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ اِلٰهٌ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا اِلٰهَ فِیْهِمَا غَیْرُكَ وَاَنْتَ جَبَّارٌ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ جَبَّارٌ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِیْهَا غَیْرُكَ وَاَنْتَ مَلِکٌ مَنْ



فِي السَّمَاءِ وَمَلِكُ مَنْ فِي الْأَرْضِ لَا مَلِكَ فِيهِمَا غَيْرُكَ قُدْرَتُكَ فِي الْأَرْضِ  
كَقُدْرَتِكَ فِي السَّمَاءِ وَسُلْطَانُكَ فِي الْأَرْضِ كَسُلْطَانِكَ فِي السَّمَاءِ أَسْأَلُكَ  
بِاسْمِكَ الْكَرِيمِ وَوَجْهِكَ الْمُنِيرِ وَمُلْكِكَ الْقَدِيمِ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(از روح المعانی)

فائدہ :

حضرت وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ دعا کسی مصیبت زدہ پریشان حال اور جنون کے مرض والے پر پڑھی جائے اور لکھ کر اسے پلائی جائے تو انشاء فائدہ ہوگا۔

(از روح المعانی)

مردوں کو زندہ کرنا :

آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے اور یاجی یا قیوم پڑھتے مردہ زندہ ہو جاتا۔ محی السنہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ آپ نے چار شخصوں کو زندہ کیا :

۱: عازر ۲: بڑھیا کا بیٹا ۳: عاشر کی بیٹی ۴: سام بن نوح۔

آپ کا دوست عازر جب فوت ہو گیا تو اس کی بہن نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی عازر فوت ہو گیا۔ عازر کے گھر اور آپ جہاں تشریف فرما تھے اس کے درمیان تین دنوں کی مسافت تھی آپ اور آپ کے کچھ ساتھی جب وہاں تشریف لائے تو اس کی بہن کو کہا مجھے اس کی قبر پر لے جاؤ۔ آپ نے قبر پر آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ وہ اسی طرح کچھ زمانہ زندہ رہا یہاں تک کہ زندہ ہونے کے بعد اس کی اولاد بھی ہوئی۔

اسی طرح بڑھیا کا بیٹا فوت ہو گیا اسے چارپائی پر اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے قریب سے جنازہ کا گزر ہوا تو آپ نے اس کی لئے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور نیچے اتر آیا۔ اس نے کفن اتار کر کپڑے پہن لئے اور چارپائی کو خود کندھوں پر اٹھا لیا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ وہ بھی کچھ



زمانہ زندہ رہا اور اس کی اولاد بھی بعد میں ہوئی۔

ایک شخص جو لوگوں سے عشر و صول کرتا تھا یعنی بادشاہ کی طرف سے اسے عشر و صول کرنے پر مقرر کیا ہوا تھا اس کی بیٹی فوت ہو گئی دوسرے دن عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی وہ زندہ ہو گئی۔ وہ بھی اس کے بعد کچھ وقت تک زندہ رہی اس کی بھی اس کے بعد اولاد ہوئی۔

نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کو فوت ہوئے کئی صدیاں بیت چکی تھیں عیسیٰ علیہ السلام اس کی قبر پر آئے اس کے لئے دعا کی اسے بھی اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا جب وہ قبر سے نکلا تو قیامت کے خوف سے اس کا سر نصف سفید ہو چکا تھا حالانکہ اس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے۔ اس نے قبر سے نکلتے ہوئے پوچھا کیا قیامت آگئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں قیامت تو ابھی نہیں آئی البتہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے تمہیں زندہ کیا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا اب تم پھر مر جاؤ اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن یہ شرط ہے کہ مجھے سکرات موت سے محفوظ رکھا جائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے سکرات موت کے بغیر ہی دوبارہ موت عطا فرمادی۔

سام بن نوح کو زندہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب قوم نے کہا کہ تم نے جو مردے ابھی زندہ کئے ہیں ان کی موت کے بعد جلدی ہی تم نے ان کو زندہ کیا ہے ہو سکتا ہے وہ حقیقت میں مرے ہی نہ ہوں بلکہ ان کو سکتہ کا مرض لاحق ہو تو اس کے کہنے پر آپ نے سام بن نوح کو زندہ کیا آپ کے اور اس کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ تھا جب وہ زندہ ہوا تو اس نے کہا اے لوگو تم ان پر ایمان لے آؤ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں کچھ لوگوں نے تو ایمان قبول کر لیا تھا لیکن کچھ بد بختوں نے یہ عظیم معجزہ دیکھنے کے بعد بھی یہ کہا کہ جادو ہے وہ ایمان لانے سے محروم رہے۔

(از روح المعانی)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نے اپنے بیٹے کے زندہ کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ وہ زندہ ہو کر میرا خلیفہ بن سکے تو آپ کی دعا سے وہ بھی زندہ ہو گیا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم



سے اور اس سے دعا کر کے کئی جانوروں کو بھی زندہ کیا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو علوم غیبیہ عطا کئے گئے :

﴿وَأَنبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾

(۴۹. پارہ ۳ آل عمران)

اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔

علامہ رازی نے اس مسئلہ کا عنوان ذکر کیا :

”واما النوع الخامس من المعجزات اخباره عن الغيوب“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی پانچویں قسم غیبی خبریں دینا۔

آپ نے چمن میں ہی غیبی خبریں دینی شروع کر دی تھیں جب آپ کے ساتھ بچے کھیلتے تو آپ انہیں ان کے والدین کے افعال کی خبریں دیتے اور یہ بتاتے تمہاری ماں نے تمہارے لئے کیا چیز چھپا کر رکھی ہوئی ہے؟ بچے گھر آکر وہ چیز مانگتے، نہ ملنے پر روتے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بچوں کو یہ بتاتے ہیں تو انہوں نے بچوں کو کہا تم اس جادوگر کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ انہوں نے اپنے بچوں کو اپنے اپنے گھروں میں روک لیا، باہر نکل کر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کھیلنے پر پابندی عائد کر دی۔ آپ خود ہی بچوں کو بلانے ان کے گھروں میں آگئے۔ ان کے والدین نے کہا کہ وہ گھر نہیں ہیں آپ نے کہا وہ تو گھر ہی ہیں اگر وہ گھر نہیں ہیں تو کون گھروں میں ہیں؟ انہوں نے کہا خنزیر ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا خنزیر ہی ہوں گے۔ آپ کے کہنے پر وہ خنزیر ہی ہو گئے۔

اسی طرح مائدہ کے اترنے پر آپ نے قوم کو کہا کہ ذخیرہ بنا کر نہیں رکھنا، اتنا ہی لینا ہے جو اس وقت تم کھا سکو، لیکن قوم نے ذخیرہ بنانا اور دوسرے وقت کے لئے جمع کرنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے جو تم کھاتے اور جو جمع کرتے ہو آپ نے ہر ایک کو واضح طور پر بتایا تم نے کتنا کھایا ہے اور کتنا جمع کیا ہے۔

(از کبیر)



متنبیہ :

انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات آلات کے تابع نہیں ہوتے، عادات کے خلاف کام کرتے ہیں۔ لیکن ان میں فقط تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔ آج کل سائنسی ترقی نے بہت سے طریقے ایجاد کئے ہیں اگرچہ وہ عام عادات کے خلاف ہیں۔ لیکن وہ آلات کے محتاج ہیں اس لئے انہیں معجزات و کرامات نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً دور سے کلام سنا اور کرنا اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے، لیکن فون کا واسطہ ہے اسی طرح دور سے کسی کی تصویر ٹیلی ویژن کے ذریعے دیکھنا بھی ایسے ہی ہے۔ لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات میں کوئی آلہ استعمال نہیں ہوا۔ نجومی بعض اوقات غیبی خبریں دیتے ہیں لیکن

” لا یمکنہم ذالک الا عن سوال یتقدم “

وہ اس وقت تک کوئی خبر نہیں دے سکتے جب تک وہ پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال نہ کر لیں۔

” ثم یتعینون عند ذالک بآلۃ و یتوصلون بها الی معرفۃ احوال الکواکب “

پھر وہ اپنے (حساب وغیرہ کے) آلات کی امداد طلب کرتے ہیں ان آلات کے ذریعے ستاروں کے احوال کو حاصل کرتے ہیں۔

اور تب جا کر آنے والے واقعہ کی خبر دے سکتے ہیں لیکن پھر بھی صحیح خبر ان سے بہت کم ہی واقع ہوتی ہے اور غلط زیادہ ہوتی ہے۔

” ثم یتعرفون بانہم یغلطون کثیرا “

پھر وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ طور پر غلطیاں ہی واقع ہوتی ہیں، ہماری خبریں یقینی طور پر صحیح نہیں ہوتی۔

” فاما الاخبار عن الغیب من غیر استعانة بآلۃ ولا تقدم مسالة لایکون

الابالوحی من اللہ تعالیٰ “

لیکن غیبی خبروں میں آلات سے کوئی امداد طلب نہیں کی جاتی اور نہ ہی پہلے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔

(محمّد)



علامہ رازی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کے بعد بھی کوئی یہ کہتا پھرے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے حاصل ہو جائے اسے علم غیب نہیں کہا جاتا تو وہ نادان اپنی عقل کا علاج کرے یا پھر اپنی مردہ عقل کا ماتم کرتا پھرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کو رب تعالیٰ نے بلند کر دیا وہ کسی کے کم کرنے سے کم نہیں ہو سکتی۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”ومن هنا يعلم ان علم الجفر و علم الفلك و نحوهما لما كانت مقرونة باصول وضوابط لا يقال عنها انها علم غيب ابدا اذ علم الغيب شرطه ان يكون مجردا عن المواد و الوسائط الكونية“

(روح المعانی)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم جفر اور علم فلکیات یا اس قسم کے اور علوم چونکہ اصول و ضوابط پر مشتمل ہیں لہذا انہیں کبھی علم غیب نہیں کہا جاسکتا علم غیب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مادہ اور تکوینی واسطوں سے خالی ہو۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو غیبی کہنے سے انکار کرنا جہالت

ہے۔

حواریین کا ایمان لانا :

﴿وَإِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ☆﴾

(ب ۷ سورة المائدة ۱۱۱)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ”اوحیت“ کا معنی القاء یعنی دل میں ڈالنا اور الہام ہی کرنا ہے کیونکہ وحی انبیاء کرام کی طرف ہی فقط آتی ہے غیر نبی کی طرف وحی کا معنی القاء و الہام ہی ہوتا ہے جیسے

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ﴾ ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں القاء کیا۔ اور



﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾

(آیت ۶۷ النحل پارہ ۱۴)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو انعامات عطا فرمائے ان میں سے یہ بھی ہے کہ حواریین نے آپ کے ارشادات کو تسلیم کیا اور ایمان لائے۔

”لأن صيرورة الانسان مقبول القول عند الناس محبوبا في قلوبهم من

اعظم نعم الله على الانسان“

اسلئے کہ انسان کا قول جب دوسرے لوگوں کے نزدیک مقبول ہو جائے اور وہ ان کے دلوں میں محبوب ہو جائے تو یہ اس انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے۔

خیال رہے کہ ایمان دل کی صفت ہے یعنی تصدیق قلبی اور اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے گویا کہ رب تعالیٰ نے انہیں دو چیزوں کا حکم دیا:

”امنوا بقلوبهم وانقادوا بظواهرهم“

دلوں سے ایمان لاؤ اور ظاہری طور پر بھی اطاعت کرو۔

(از کبیر)

”قالوا آما طبق ما امرنا به واشهد باننا مسلمون مخلصون في ايماننا

ومنقادون لما امرنا به“

(از روح المعانی)

حواریوں نے کہا جس طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم اسی کے مطابق ایمان لائے اور تو خود ہی گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں یعنی اپنے ایمان میں مخلص ہیں اور ظاہری طور پر بھی تیرے مطیع ہیں جیسے تو نے ہمارے دلوں میں حکم القاء کیا ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

حواریین کون تھے؟

حواریون جمع ہے حواری کی، عام طور پر کہا جاتا ہے:



”فلان حواری فلان“

فلان شخص فلاں کے مددگاروں اور دوستوں میں سے خاص ہے۔  
خیال رہے کہ بظاہر وہم ہوتا ہے حواری جمع ہے کر اسی کی طرح لیکن ایسا نہیں  
”بل هو مفرد منصرف کما صرح به المحققون“  
بلکہ وہ مفرد منصرف ہے جیسا کہ محققین نے وضاحت کی ہے۔

حواری سفید ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہے، گھروں میں باپردہ رہنے والی، سورج کی گرمی  
سے بچنے والی عورتوں کو بھی ”حواریات“ کہا جاتا ہے اسی وجہ سے دھوئی کو بھی حواری کہا جاتا ہے کہ وہ  
کپڑوں کو سفید کرتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو حواریین کہنے کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں۔

وہ سفید کپڑے پہنتے تھے اسلئے انہیں حواریین کہا گیا ہے۔ یا وہ دھوئی تھے لوگوں کے کپڑے سفید  
کرتے تھے اسلئے حواریین کہا گیا۔ یا ان کے دل صاف اور اخلاق پاکیزہ تھے اس لئے ان کا یہ نام ہوا۔

وہ لوگ کیا کام کرتے تھے اس میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مچھلی کا شکار کرتے تھے ان  
میں یعقوب، شمعون اور یوحنا نامی آدمی تھے عیسیٰ علیہ السلام ان کے قریب سے گزرے تو  
انہیں کہا تم مچھلی کا شکار کرتے ہو۔

”فان اتبعتمونی صرتم بحیث تصیدون الناس بالحیة الابدية“

اگر تم میری تابعداری کرو تو تم ہمیشہ لوگوں کا شکار کرو گے یعنی مجھ پر ایمان لاؤ تو  
تمہیں حیات جاودانی حاصل ہوگی۔

لوگ خود بخود تمہاری تابعداری کریں گے تمہارے احکام پر چلیں گے گویا وہ تمہارے شکار ہوں  
گے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول  
ہوں ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا آپ نے شمعون کو پانی میں جال ڈالنے کے لئے کہا جب اس نے  
جال ڈالا تو اتنی مچھلیاں نکلیں کہ دو کشتیاں بھر گئیں۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ رات بھر اپنی کوشش کر چکا تھا



کئی مرتبہ جال ڈالنے پر کوئی مچھلی نہیں نکلی تھی۔ آپ علیہ السلام کے اس معجزہ کو دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے۔ اس وقت وہاں وہ جتنے لوگ تھے بارہ یا انتیس سب ہی ایمان لے آئے۔

یہ جب بھوکے ہوتے تو کہتے اے روح اللہ ہم بھوکے ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ زمین پر مارتے ہر ایک کو دو دو روٹیاں نکال دیتے جب وہ پیاسے ہوتے تو پیاس کی شکایت کرتے تو آپ زمین پر اپنا ہاتھ مار کر ہر ایک کو پانی نکال دیتے تو وہ پانی پی لیتے۔ وہ کہنے لگے ہم سے افضل کون ہوگا جب ہم طعام طلب کرتے ہیں تو آپ طعام کھلا دیتے ہیں اور جب ہم پانی طلب کرتے ہیں تو آپ ہمیں پانی پلا دیتے ہیں تحقیق ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”افضل منکم من يعمل بیدہ و یا کل من کسبہ“

تم سے افضل وہ ہے جو اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور اس سے حاصل کردہ مال کھائے۔

آپ کے اس ارشاد کے بعد انہوں نے محنت و مزدوری شروع کر دی وہ لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اور اس کی حاصل شدہ مزدوری کو ہی اپنا خرچ بناتے۔

حواریین کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک مرتبہ لوگوں کی دعوت کی، طعام تیار ہو گیا تقسیم کے وقت ایک پیالے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہوئے آپ نے تقسیم کرنا شروع کیا ایک ہی پیالہ سب لوگوں سے ختم نہ ہو سکا بادشاہ نے جب آپ کے معجزہ کو دیکھا تو اس نے اپنی بادشاہت چھوڑ دی آپ کی تابعداری اختیار کر لی۔ بادشاہ کے کچھ قریبی لوگ بھی اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہو گئے ان ہی لوگوں کو حواریین کہا جاتا ہے۔

ایک اور قول یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو ایک کپڑے رنگنے والے شخص کے پاس چھوڑا کہ یہ بھی کپڑے رنگنا سیکھ جائیں وہ آپ کو جب بھی اپنے فن کی کوئی بات بتانا چاہتا تو وہ آپ پہلے ہی جانتے ہوتے ایک دن وہ شخص کسی کام کے لئے جانے لگا تو آپ کو کہا کہ یہ کپڑے ہیں ہر ایک پر میں نے نشان لگا دیا ہے اسی کے مطابق تم کپڑے رنگ دینا وہ چلا گیا تو آپ نے تمام رنگ ایک برتن میں ڈال کر پکا دیئے اور اسی ایک



برتن میں تمام کپڑے بھی ڈال دیئے اور کپڑوں سے مخاطب ہو کر کہا :

”کونوا باذن اللہ کما ارید“

تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے ہی ہو جاؤ جیسے میں چاہتا ہوں۔

جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے پوچھا کیا تم نے کپڑے رنگ دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے سب رنگ اور سب کپڑے ایک برتن میں ڈال دیئے ہیں، رنگے جا چکے ہیں آپ نکال لیں۔ اس نے جب یہ سنا تو کہنے لگا تم نے کپڑے برباد کر دیئے ہیں آپ نے فرمایا اٹھ کر دیکھو تو شاید صحیح رنگے ہوں۔ اس نے جب کپڑے نکالنا شروع کئے تو وہ اسی طرح رنگے ہوئے تھے جیسے اس نے نشان لگائے تھے۔ کوئی سرخ کوئی زرد اور کوئی سبز رنگ تھا یہ ماجرا دیکھ کر وہاں سب حاضرین متعجب ہوئے اور سب نے ایمان قبول کر لیا ان لوگوں کو ہی حواریین کہا جاتا ہے۔

ان تمام اقوال کے متعلق حضرت قتال رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ ان میں سے بعض بادشاہ اور اس کے قریبی تھے اور کچھ شکاری تھے کچھ کپڑے رنگنے والے اور کچھ دھونی تھے ان تمام کو حواریین کہا گیا کیونکہ وہ تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے اور ان کے ساتھ محبت کرنے والے اور ان کی اطاعت میں مخلص تھے۔

علامہ آکوسی نے فرمایا کہ یہاں مجازی معنی لینا زیادہ مناسب ہے کہ آپ کے جتنے لوگ بھی معاون اور خلوص سے آپ کے ساتھ محبت کرنے والے تھے وہ تمام حواریین تھے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۶)

حواریین کا آسمانی طعام طلب کرنا :

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا وَعَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾

(آیت ۱۱۲ المائدہ)

جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر



آسمان سے ایک خوان اتارے؟ کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو،  
بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو  
اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو  
جائیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ہل یستطیع ربک﴾.....

(آیت ۱۱۲ المائدہ)

کا ترجمہ کیا..... ”کیا آپ کا رب ایسا کرے گا؟“ کیونکہ یہ سوال کرنے والے  
حوارین تھے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔

”ہم اول من آمن بعیسیٰ علیہ السلام“

حوارین وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔

قرآن پاک میں ان کے ایمان کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کیا گیا ہے:

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ ☆

(آیت ۵ سورۃ آل عمران)

حواریوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور  
عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ایمان لانے پر آپ گواہ رہیں۔

حوارین چونکہ مسلمان تھے انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں کیا اسی وجہ سے  
جلالین میں اس کا معنی بیان کیا گیا ہے۔

”ہل یستطیع ای یفعل ربک“ کیا تمہارا رب کرے گا۔

تفسیر صاوی میں اسی کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی:

”ای یفعل ای فاطلق اللازم وهو الاستطاعة واراد الملزوم وهو الفعل ودفع

بذلك ما يقال ان الحوارین مومنون فکیف یشکون فی قدرة الله تعالیٰ“

یعنی ”ہل یستطیع“ کی تفسیر ”یفعل“ سے مفسر نے اس لئے کی ہے کہ ذکر استطاعت

کا ہے جو لازم ہے اور مراد ملزوم ہے اور وہ فعل ہے کیونکہ جہاں کام کرنا ہو گا وہاں استطاعت



لازم ہوگی یہ مجاز اسلئے مراد ہے کہ ایک سوال کو مندرج کرنا مقصود ہے وہ سوال یہ ہے کہ حواریین تو ایمان والے تھے انہوں نے رب تعالیٰ کی قدرت میں کیسے شک کیا ہے تو اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ یہاں یہ سوال ہی نہیں کہ کیا تمہارا رب ایسا کر سکے گا بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا تمہارا رب ایسا کرے گا۔

فائدہ :

ابو شامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ ابو طالب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ وہ مریض تھے انہوں نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تم اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے عافیت دے دے حضور ﷺ نے دعا فرمائی :

”اللہم اشف عمی“ اے اللہ تعالیٰ میرے چچا کو شفاء عطا فرما۔

”فقام کانما نشط من عقال“

ان کو اسی وقت آرام آیا وہ جلدی سے اس طرح اٹھے جس طرح کسی اونٹ کی رسی کھول کر آزاد کریں تو وہ خوشی سے، پھرتی سے اٹھتا ہے۔

ابو طالب نے کہا اے میرے بھتیجے تم جس کی عبادت کرتے ہو ”یطیعک“ وہ تمہاری بات مانتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”یا عم و انت لو اطعته لکان یطیعک“

اے میرے چچا اگر تم اس کی اطاعت کرو تو وہ تمہاری حاجات کو بھی پورا کرے گا۔

ابو طالب نے ”یطیعک“ لفظ استعمال کیا تو حضور ﷺ نے بھی اس کے جواب میں حسین انداز میں مشاکلت کے طور پر وہی لفظ ”یطیعک“ استعمال کیا ہے۔ جس کا ظاہری معنی ہے وہ تمہاری اطاعت کرے گا حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ اس کا معنی ہے :

”یحیبک لمقصودک“ وہ تمہارے مقاصد کو پورا فرمائے گا۔



”مائدہ“ ہر چیز جسے بچھایا جائے اور پھیلا یا جائے لیکن یہاں مراد ستر خوان ہے اسی طرح مائدہ اسے بھی کہتے ہیں جو چیز بلند ہو اور کھانا کھانے کے لئے اسے تیار کیا جائے۔ (جیسے آجکل ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھایا جاتا ہے)

”والا کل علیہ بدعة لکنہ جائز ان خلا عن قصد التکبر“

اس پر کھانا اگرچہ بدعت ہے لیکن تکبر کی نیت نہ ہو تو جائز ہے۔

اس میں ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو ہر بدعت کو گمراہی بھی کہتے ہیں اور پھر ہزار ہا بدعات کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔

”وتطلق المائدة علی نفس الطعام ایضا“

مائدہ کا اطلاق طعام پر بھی کیا جاتا ہے۔

عام محققین نے ایسا ہی بیان کیا ہے یعنی انہوں نے آسمان سے طعام اترنے کا مطالبہ کیا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم اس قسم کے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو زیادہ نشانیاں اور معجزات کا مطالبہ نہ کرو

حضرت فارسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ تقویٰ رکھو اللہ تعالیٰ خود ہی تمہاری امیدوں کو پورا کرتا رہے گا۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(آیت ۳۰۲ پارہ ۲۷)

اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہو۔

اور آپ نے فرمایا اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت پر ایمان ہے اور میری نبوت کے صحیح ہونے پر یقین ہے اور تمہیں اپنے ایمان میں کمال اور خلوص حاصل ہے اور اگر تم اپنے دعویٰ ایمان اور خلوص میں سچے ہو تو اس قسم کے سوال کرنے کا تمہارا کیا مقصد ہے۔

(از روح المعانی)

قوم نے جواب دیا کہ ہم آسمانوں سے کھانا اترنے کا سوال کر کے ایک معجزہ کی طلب نہیں کر رہے



بلکہ ہمارا یہ سوال درحقیقت کئی چیزوں کی طلب پر مشتمل ہے۔

(۱) ہم چاہتے ہیں کہ آسمانوں سے ہمارے لئے کھانا اترے کیونکہ ہم بھوک میں مبتلا ہیں ہمارے پاس اور کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔

(۲) ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو جائے لیکن جب ہم اس کا مشاہدہ کریں گے کہ یہ کھانا آسمانوں سے نازل ہوا ہے تو ہمارا یقین اور بڑھ جائے گا اور اطمینان میں قوت حاصل ہوگی۔

(۳) ہم آپ کے کئی معجزات کو دیکھ کر آپ کی صداقت پر یقین کر چکے ہیں جب یہ معجزہ بھی دیکھ لیں گے تو آپ کی صداقت و نبوت پر ہمارا یقین اور زیادہ ہوگا آپ کی معرفت اور زیادہ حاصل ہوگی آپ کے متعلق اور اطمینان ہوگا۔

(۴) اس سے پہلے آپ نے اگرچہ کئی معجزات دکھائے ہیں لیکن وہ تمام زمین سے تعلق رکھنے والے تھے اب ہم وہ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آسمانوں سے ہے یہ عظیم اور عجیب معجزہ ہوگا جب ہم اس کا مشاہدہ کر لیں گے تو ہم اس پر گواہ بن جائیں گے بنی اسرائیل کے جو لوگ نہیں حاضر انہیں بھی بتائیں گے۔

(۵) ہم یہ کھانا بطور تبرک کھائیں گے کہ یہ نبی کے معجزہ سے حاصل ہے۔

(۶) اور ہم یہ کھانا بطور محبت کھائیں گے کہ ہمیں یہ اپنے نبی کے ذریعے حاصل ہے۔

(از روح المعانی)

عیسیٰ علیہ السلام کی ماندہ کے لئے دعا:

﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا  
لَأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ☆

(ب ۷ سورت ماندہ آیت ۱۱۴)

عیسیٰ بن مریم نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ، اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان لوگوں کا معجزہ کی طلب پر اصرار ہے اور غرض بھی ان کی



صحیح ہے تو آپ نے دعا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا آپ نے بحری کے بالوں کا بنا ہوا سیادہ موٹا لباس پہنا، وضو کیا غسل کیا، نوافل ادا کئے، قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوئے، نہایت خشوع و خضوع سے آنکھوں کو بند کر کے سر کو جھکایا، آنسو بہاتے ہوئے رب تعالیٰ کے حضور التجا کی: اے اللہ تعالیٰ ہم پر آسمانوں سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید بنے۔

(ار روح المعانی)

”نتخذ اليوم الذى تنزل فيه المائدة عيداً نعظمه نحن ومن ياتى بعدنا“

یعنی جس دن آسمانوں سے خوان اترے گا ہم اسے اپنے لئے عید کا دن سمجھیں گے، ہم بھی اس دن کی عظمت کریں گے اور ہمارے بعد آنیوالے بھی اس کی عظمت کریں گے۔

فائدہ:

اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا، شکر الہی بجالانا، طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم ﷺ کی تشریف آ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف کے موضوع پر نعتیں پڑھ کر، تقاریر کر کے، تلاوت قرآن پاک کر کے شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح و سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ میں نے اپنی کتاب ”شمع ہدایت“ میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے یہاں اس کا ایک ورق بطور خلاصہ ذکر کر رہا ہوں:

”سمى به لان لله فيه عوائد الاحسان ولعوده بالسرور غالباً او تفاؤلاً

ولا يستعمل فى كل يوم فيه مسرة ولذا قيل:

عيد و عيد و عيد صرن مجتمعة وجه الحبيب و يوم العيد و الجمعة

(در مختار باب العیدین)

عید کو عید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات لوٹ کر آتے ہیں اور ان کے آنے سے ہر بھی غالباً لوٹ آتا ہے یا نیک شگون کی وجہ سے عید کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کرے خوشی لوٹ آئے ہر مسرت کے موقع پر لفظ عید استعمال کیا جاسکتا ہے اسی وجہ سے



شاعر نے کہا:

آج تو تین عیدیں جمع ہو گئیں۔ حبیب کے چہرے کا دیدار اور عید کا روز  
اور جمعہ کا دن۔

معلوم ہوا کہ ہر مسرت کے دن کو عید کہنا فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ جب ہر مسرت  
کے دن کو عید کہا جاتا ہے۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن سے بڑھ کر مسرت کا دن اور  
کونسا ہو سکتا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے.....  
﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ الخ

(آیت ۳ سورۃ الساندہ)

آیت کریمہ تلاوت کی تو آپ کے پاس ایک یہودی تھا اس نے کہا اگر یہ آیت کریمہ ہم پر نازل ہوتی  
تو ہم اس دن کو عید بناتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”فانہا نزلت فی یوم عیدین فی یوم جمعة ویوم عرفة“

(مشکوٰۃ باب الجمعة)

کہ بیشک یہ آیت کریمہ اس دن نازل ہوئی جس دن دو عیدیں تھیں ایک جمعہ کا دن اور ایک  
نویں ذوالحجہ کا دن۔

وہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں یعنی ہم ہر ذوالحجہ کی نو تاریخ کو عید مانتے ہیں اور یہ آیت  
کریمہ بھی حجتہ الوداع کے موقع پر اسی دن نازل ہوئی اور جمعہ کا دن بھی ہمارے لئے عید کا دن ہوتا ہے  
اس طرح یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں واضح ہوا کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن اللہ تعالیٰ  
کی خصوصی رحمتوں کے نازل ہونے کی وجہ سے جب عید بن گئے تو یقیناً جس دن سرِ اُپارِ حمت، جانِ رحمت  
حبیب کبریٰ ﷺ تشریف لائے وہ دن سب عیدوں کے دنوں سے بڑا ہے، البتہ محبت و ایمان کے بغیر اسے  
سمجھنا دشوار ہے۔

ارشاد باری اللہ تعالیٰ بجواب عیسیٰ علیہ السلام:

”قَالَ اللَّهُ إِنِّي مَنَزَلْتُهَا عَلَيْكُمْ فَلَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ“



(پ ۷ ع ۵ آیت ۱۴۲ مائدہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اسے تم پر اتارتا ہوں ، پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔ آپ کی دعا سے سرخ رنگ کا مائدہ دو بادلوں کے درمیان اتر جائے سب لوگ دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آگیا اس خوان کے آنے کو رب تعالیٰ نے چونکہ اس سے مشروط کر دیا تھا کہ نازل تو میں کر رہا ہوں لیکن اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا نافرمانی کرے گا اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہان میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔

اس شرط کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام خوان کو اترتے ہوئے دیکھ کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے :

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الشَّاكِرِينَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا مَثَلَةً وَعُقُوبَةً“

اے اللہ تعالیٰ مجھے شکر گزاروں میں رکھ اے اللہ تعالیٰ اس خوان کو ہمارے لئے رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے تباہی اور عذاب نہ بنا۔

پھر آپ نے وضو فرمایا نوافل ادا کئے روتے ہوئے دعا کرتے ہوئے اس سے رومال کو ہٹایا جس سے وہ

ڈھانپا ہوا تھا اور کہا :

”بسم الله خير الرازقين“

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہتر رزق دینے والا ہے۔

اس خوان میں آپ نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی ہے اس مچھلی میں کانٹے اور چھلکے نہیں اس کے سر پر نمک ، دُم پر سرکہ اور اس کے ارد گرد مختلف قسم کی سبزیاں ہیں۔ اس پر ہر قسم کی سبزیاں تھیں سوائے ایک ساگ کراٹ (گندنا کا ساگ) کے۔ اور اس خوان میں پانچ روٹیاں تھیں ایک پر زیتون اور دوسری پر شہد اور تیسری پر گھی اور چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر بھنا ہوا گوشت۔

شمعون نے پوچھا اے روح اللہ علیہ السلام کیا یہ دنیا کا کھانا ہے یا کہ آخرت کا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے اب ہی معرض وجود میں لایا ہے



تمہارے سوال کے مطابق رب تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اب تم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو اگر تم نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا تو وہ تمہاری اور امداد فرمائے گا اور اپنا فضل اور زیادہ فرمائے گا وہ لوگ کہنے لگے اے روح اللہ علیہ السلام اس معجزہ میں آپ کوئی اور معجزہ بھی دکھادیں۔ آپ نے فرمایا:

”یا سمکۃ احیی باذن اللہ“ اے مچھلی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جا۔

وہ مچھلی تڑپی اور زندہ ہو گئی آپ نے پھر فرمایا تو اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ جا وہ پھر اسی طرح بھنی ہوئی مچھلی بن گئی۔

ان لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھایا عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا اس میں خیانت نہ کریں اور اسے دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں لیکن انہوں نے خیانت کی اور ذخیرہ بنا لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آگئے دنیا میں انہیں شدید عذاب یہ دیا گیا کہ انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔ تین سو تیس آدمی اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ رات انہوں نے ٹھیک ٹھاک اپنے اہل و عیال میں گزاری، لیکن صبح خنزیر بنا دیئے گئے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر روتے تھے۔ آپ جب ان کے نام لے کر انہیں بلاتے تو وہ سر ہلاتے لیکن انہیں کلام کرنے کی طاقت نہ ہوتی، اسی حال میں وہ تین دن زندہ رہے پھر مر گئے۔ یہ تو ان کو دنیاوی عذاب دیا گیا اخروی عذاب بھی انہیں شدید ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ من کفر من اصحاب المائدۃ والمنافقون وال فرعون“  
بیشک قیامت کے دن سخت عذاب مائدہ میں خیانت کرنے والوں اور منافقین اور فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔

(روح المعانی)

یہودیوں کی سازش:

﴿ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین﴾

(آیت ۵۳ آل عمران)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر بتائی اور اللہ تعالیٰ



سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کی سازش کافروں نے کیوں کی اس کی چند وجوہ ہیں :

۱: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی وہ سرکش اور نافرمان ہو گئے تو آپ نے ان سے مخفی رہنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ وہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم کا مکہ مکرمہ میں حال تھا کہ آپ کفار کے خوف سے ابتداء میں مخفی طور پر نمازیں ادا فرماتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ کہیں تشریف لے گئے تاکہ ان لوگوں سے کچھ دیر کے لئے کنارہ کش ہو جائیں تو آپ نے ایک بستی میں ایک شخص کے پاس قیام کیا اس نے بہت اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم تھا ایک دن وہ شخص جو آپ کا مہمان نواز تھا، غمگین تھا آپ نے اس سے پوچھا تم اتنے پریشان غمگین کیوں ہو؟ اس نے کہا اس شہر کا بادشاہ بڑا ظالم ہے اور اس کی عادت ہے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص پر باری باری دعوت کو لازم کر دیتا ہے کہ اس کی لور اس کے لشکر کی دعوت کرے۔ انہیں کھانا کھلائے اور شراب پلائے۔ آج میری باری ہے اور میری پاس اتنا مال نہیں کہ میں اس کی دعوت کا انتظام کر سکوں۔

جب حضرت مریم علیہا السلام نے سنا تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی اس کے لئے دعا کرو تاکہ اس کی مشکل حل ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے کہا اے میری امی اگر میں نے اس کے لئے دعا کر دی تو اس میں فتنہ برپا ہو جائے گا، لیکن حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ اس شخص نے ہماری بہت عزت کی احسان و اکرام کیا اس پر بھی احسان ہونا چاہئے۔

والدہ کے ارشاد و اصرار پر آپ نے اسے کہا کہ جب بادشاہ لور اس کا لشکر کے آنے کا وقت قریب ہو جائے تو ہنڈیا لور منکے پانی سے بھر لینا اور مجھے مطلع کرنا جب اس شخص نے آپ کے ارشاد پر عمل کر لیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جتنی ہنڈیا پانی سے بھری تھیں سب میں پکا ہوا گوشت ہو گیا اور سب پانی سے بھرے ہوئے مقلے شراب سے بھر گئے۔

جب وہ بادشاہ لور اس کے لشکر آئے تو انہوں نے کھانا کھایا اور شراب پی تو بادشاہ نے اس شراب کو عام شربوں سے مختلف لذت والا پا کر سوال کیا کہ شراب تم کہاں سے لائے؟ پہلے تو اس شخص نے کافی ہل



مثول سے کام لیا لیکن بادشاہ کے زیادہ مجبور کرنے پر اس نے ہٹا دیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا چند دن پہلے مر گیا تھا اس نے خیال کیا کہ جس شخص کی دعا سے اللہ تعالیٰ پانی کو شراب بنا دیتا ہے اس کی دعا سے اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو بھی زندہ کر دے گا، اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو زندہ کر دے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ زندہ ہو گیا تو اس پر فتنہ برپا ہو جائے گا اس بادشاہ نے کہا جب مجھے میرا بیٹا نظر آجائے گا تو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوگی اور جب تم میرے بیٹے کو زندہ کر دو گے تو میں تمہیں ہر قسم کی آزادی دے دوں گا تم جو چاہو وہی کرو۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کا لڑکا زندہ ہو گیا جب اس کی بادشاہی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ اس کا لڑکا زندہ ہو گیا تو وہ فوراً اپنے اپنے ہتھیار لے کر آگئے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی جب زیادہ شہرت ہونے لگی تو یہود نے حسد کرنا شروع کر دیا آپ کے نسب میں طعنہ زنی شروع کر دی اور آپ کو قتل کر نیکی سازشیں کرنے لگے۔

۲: عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی بشارت تورات میں رب تعالیٰ نے دے دی تھی اس لئے یہود کو معلوم تھا کہ انہوں نے تورات کے کئی احکام منسوخ کر دیئے ہیں اسلئے پہلے انہوں نے آپ کے نسب پر طعنہ زنی شروع کی پھر آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے یعنی آپ نے جب دین حق کی دعوت دینی شروع کی تو یہود کا غیظ و غضب بڑھ گیا اور آپ کو ایذا پہنچانی اور وحشت پھیلانی شروع کی اور آپ کو قتل کر نیکی کو شش کی۔

(از کبیر)

**تنبیہ:** ﴿وَمَكَرَ اللَّهُ﴾ کا کئی لوگوں نے ترجمہ کیا ”اللہ تعالیٰ نے مکر کیا“ جو اردو زبان میں ”فریب“ اور ”دھوکہ دینے“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسلئے انہوں نے یہ ترجمہ کر کے لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ مکار ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ اور دیگر علمائے اہل سنت نے ترجمہ کیا ہے ”اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر کی“ یہی معنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔



## تذکرۃ الانبیاء

حضرت پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہل زبان ان الفاظ کو بلا تامل ان کے مختلف معنوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی معنی جو ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں اس کی ایک مثال لفظ ”مکر“ ہے اس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اردو میں ہم اس لفظ ”مکر“ کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جب اس فعل کی نسبت ذات باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذات مقدس ہو جو ہر عیب ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ مکر کا معنی صرف خفیہ تدبیر یا خفیہ طریقہ جس سے دشمنان حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔

”قال المفضل ودبروا ودبر الله والمکر لطف التدبیر“

(بحر محیط)

مفضل فرماتے ہیں :

﴿ومکرو ومکر الله﴾ کا معنی ہے اور یہودیوں نے بھی (مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مسیح علیہ السلام کو بچانے کی) خفیہ تدبیر کی، کیونکہ مکر کا معنی یہاں صرف لطیف تدبیر، خفیہ تدبیر ہی لیا جاسکتا ہے اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لئے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدہ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اس لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو مثلاً

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔

(آیت ۴۰ الشوری)

اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوا کرتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً



## تذکرۃ الانبیاء

﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو

(آیت ۱۹۴ البقرہ)

حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرمادیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔

(صیاء القرآن)

لیکن یہ نکات و ضوابط صرف اہل علم ہی جانتے ہیں عوام الناس ان سے بے خبر ہوتے ہیں ان کے سامنے وہی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے وہ کوئی فائدہ حاصل کر سکیں ایسے تراجم کا کیا فائدہ جو شکوک و شبہات تو پیدا کریں لیکن کوئی نفع نہ دے سکیں۔

### ایمان والوں سے عیسیٰ علیہ السلام کا امداد طلب کرنا :

﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ  
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَا مُسْلِمُونَ ☆ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا  
الرَّسُولَ فَكَتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ☆﴾

(پ ۳ سورت آل عمران آیت ۵۱)

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کون ہوتے ہیں میرے مددگار اللہ تعالیٰ کی طرف۔ حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حکیمانہ کلام اور اپنے معجزات اس قوم کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے بجائے اطاعت کے ان کے قتل کرنے کی تدبیر کی لہذا عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس ارادہ اور پختہ کفر کو علامات سے محسوس فرمایا تو اپنے متبعین سے خطاب کیا کہ فی سبیل اللہ تعالیٰ میرا مددگار کون ہے؟ ان کے خاص دوستوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں اے عیسیٰ علیہ السلام ہم آپ کی ضرورت مدد کریں گے۔



اس مدد پر کوئی دنیوی اجرت مانگتے ہیں نہ کوئی اور چیز صرف خواہش یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اور مسلمان ہونے کی گواہی دیں پھر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے مولیٰ! ہم تیری تمام اتاری ہوئی کتابوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کردہ معجزات پر ایمان لائے اور سچے دل سے ظاہر و باطن میں تیرے اس رسول کے پیروکار بنے۔

(از نعیمی)

### عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ :

تفسیر خازن اور روح المعانی میں بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو جب عیسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی تو وہ آپ سے مقابلہ تو نہ کر سکے البتہ آپ کی شان میں گستاخی شروع کر دی اور آپ کی والدہ مکرمہ پر نیب لگانے شروع کر دیئے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کر دیں۔

ایک دن آپ شہر میں گشت فرما رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں اب بہتر یہی ہے کہ تو ان کو خنزیر بنا دے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب خنزیر بن گئے۔ اس واقعہ سے لوگوں پر ایک خوف طاری ہو گیا کسی نے اس وقت کے یہودی بادشاہ کو خبر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے آپ کی دعا سے اتنے لوگ خنزیر بن گئے ہیں تم بھی ان کے مخالف ہو اس لئے تم اپنی فکر رکھو کہیں وہ تمہارے خلاف بھی دعائے کر دیں اور تمہارا بھی ایسا حال نہ ہو جائے۔

اس نے کہا کیا ہو سکتا ہے ایسے مقبول دعا کے مقابلہ میں تو کوئی تدبیر بھی کام نہیں آسکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی حیلہ سے شہید کر دیا جائے تو ان کی دعا کا خوف ختم ہو جائے گا کہ کہیں وہ مخالف دعائے کریں۔ اس نے ایک شخص ”ططیانوس“ کو اس کام کے لئے منتخب کر دیا وہ ایک منافق شخص تھا بظاہر عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملتا تھا لیکن در پردہ وہ یہود سے بھی ملا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ درپیش آنے والا ہی تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے پہلے فرمادیا تھا کہ آج صبح سے پہلے ہی مجھے ایک شخص



چند دراہم کے عوض فروخت کر دے گا۔

خیال رہے کہ منافقین تقریباً ہر دور میں رہے یعنی جہاں مخلصین ہوتے ہیں وہاں منافقین بھی ہوتے ہیں نبی کریم ﷺ کی زمانہ میں بھی منافقین تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں آیا تھا اس وقت تک جاننے کے باوجود آپ ان سے چشم پوشی فرماتے رہے جب حکم آگیا تو ایک ایک کا نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم تھا لیکن آپ بھی رب تعالیٰ کی مشیت پر شاکر تھے اسے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی کسی اور کو کہا کہ اسے قتل کر دیا جائے، چنانچہ ططیانوس کو اس یہودی بادشاہ نے جس کا نام بھی یہودا تھا تیس درہم دینے کا وعدہ کیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خود شہید کر دے یا کسی سے کرادے۔ تیس درہم کے لالچ میں آکر ططیانوس نے یہود کے چند آدمیوں کو ساتھ لیا اور آپ کی قیام گاہ پر آگیا ان لوگوں کو باہر کھڑا کیا اور خود اندر گیا۔ اس کے سامنے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑکی کے ذریعے آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا۔ وہ یہ ماجرا دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور کافی دیر تک اس تعجب میں گم سم رہا، اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید ططیانوس اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے وہ اندر جانا ہی چاہتے تھے لیکن ان کا ساتھی باہر آگیا، اللہ تعالیٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔

اب اس کے باہر نکلتے ہی اس کے ساتھی یہودیوں نے یہی سمجھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ یہ ان کا ہم شکل بھی تھا اسلئے انہوں نے اسے پکڑ لیا یہ چلا چلا کر انہیں بتا رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں حضرت مسیح کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی بات کو کسی ایک نے بھی نہ سنا بلکہ وہ کہنے لگے اے عیسیٰ (علیہ السلام) ! تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہو یہ کہہ کر اسے سولی پر چڑھا دیا

خیال رہے کہ عیسائی بھی آج تک اسی وہم میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا البتہ پھر زندہ کر کے انہیں آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے، اسی وجہ سے سارے عیسائی صلیب کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ططیانوس کو قتل کیا گیا نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو،



﴿ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ  
وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ  
الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴾

(پ ۶ سورت نساء آیت ۱۵۷)

اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم کو جو کہ اللہ تعالیٰ کا رسول  
ہے حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لئے (حقیقۃ) اور یقیناً  
جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک شبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا  
کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔

یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسول مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ مفسرین کرام علیہم  
الرضوان نے لکھا ہے کہ جب وہ آپ کو رسول مانتے تھے تو پھر قتل کا منصوبہ کیوں تیار کیا؟ اس کے دو جواب  
دیئے گئے ہیں :

- ۱: یہ الفاظ انہوں نے بطور تمسخر بڑھائے تھے وہ آپ کو رسول مانتے ہی نہیں تھے۔
- ۲: یہ الفاظ یہود نے نہیں بڑھائے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بیان  
کرنے کے لئے بڑھائے ہیں :

اگر یہود کی گذشتہ تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ کچھ بعید معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسول اللہ مانتے  
ہوئے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو نبی مانتے تھے لیکن  
جب ان بزرگواروں نے انہیں ان کی بد اخلاقیوں پر ٹوکا تو انہیں اپنے ہاتھوں سے شہید کر دیا بہر حال ان کا یہ  
دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ قرآن پاک میں اس کو مکمل اور واضح کر دیا گیا ہے اور پھر ان کا اس  
پر اترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان  
کو قتل کر دیا اور سولی پر دے دیا اور آپ کے ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے  
حضرت مسیح کو سولی پر لٹکتے ہوئے ایلی ایلی (تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) فریاد کرتا رہا اور



باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ اسی محاورے کے مطابق جب دشمن اور دوست اس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آکر حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت و جلالت شان سے پردہ اٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے، جس اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے باعث انہوں نے قتل کرنے کی سر توڑ کوشش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنادیا اور اپنے رسول کا بال بھی میکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھائے جیسے مختلف انجیلوں میں مذکور ہے۔ (تحریف شدہ انجیلیں غیر معتبر ہیں)

مرزا یوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک میں اس جگہ تو صیحی نوٹ لکھا ہے اس میں اس بات کی بڑی زحمت اٹھائی ہے کہ :

” آیات قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایات پر منطبق کریں چنانچہ وہ ان تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجود ہیں بڑی فراخ دلی سے قبول کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کو سولی دی گئی چنانچہ نیم جان ہو کر دوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے آپ کے پہلو میں ضربیں لگا لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خون کے فوارے بہہ نکلے وغیرہ پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن ان چیزوں کا انکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سولی پر مرنے کی نفی کی ہے“

لیکن اگر وہ ذرا سادہ سادہ کرتے (سوچتے) تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمت لا طائل (بے فائدہ) سے بچا لیتا وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سولی پر چڑھائے جانے کی بھی، کیونکہ صلب کا معنی ہے :

”الصلب هو تعليق الانسان للقتل“ کسی انسان کو لٹکا دینا کہ وہ مر جائے۔

مر جانا صلب کے معنی موضوع میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے اور مقصد و غایت مفہوم کو مستلزم ہو تو ہو لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہو گئے انہوں نے اپنے ہی ساتھی ططیانوس کو مسیح سمجھ کر پکڑا بھی اور اس کے منہ پر تھوکا بھی اور اسے کانٹوں کا تاج بھی پہنایا



اور پھر سولی پر بھی چڑھایا گیا اپنی طرف سے انہوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا اب یہ اور بات ہے کہ مسیح جگئے ان کو رب تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا یہود بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اپنے ہی ساتھی کو مسیح سمجھ کر تذلیل و تحقیر بھی کرتے رہے اور اذیت رسانی کے سارے ارمان پورے کرتے رہے لیکن یہ ساری ذلت ان کے اپنے ہی ساتھی کو حاصل ہوئی ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی ناپاک سازش کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسول کی توہین کرنے کا انہیں موقع قطعاً نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے یہود و نصاریٰ کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی چڑھانے میں شک ہی رہا وہ فقط اپنے ظن ہی کی پیروی ہی کرتے رہے یہود کہتے تھے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر ہمارا ساتھی قتل ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں اور اس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی توحید ہی نہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین مشہور فرقوں کی آراء نقل کی ہیں :

(۱) نسطوریہ (۲) ملکانیہ (۳) یعقوبیہ

نسطوریہ فرقہ کا قول یہ ہے کہ حضرت مسیح کا ناسوت سولی چڑھایا گیا لیکن ان کا لاہوت سولی نہیں چڑھایا گیا۔

ملکانیہ کا خیال ہے کہ لاہوت کو بھی سولی چڑھایا گیا لیکن بالذات نہیں بلکہ بواسطہ ناسوت۔

یعقوبیہ کا نظریہ ہے کہ ناسوت اور لاہوت دونوں کو سولی چڑھایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی یہ آراء کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن و گمان کی نقش آرائیاں ہیں حضرت مسیح کے نام سے واقف ہیں جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اسی غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سولی پر چڑھایا گیا اس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح کی عظمت کا اعلان اگر قرآن حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا اسلئے بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے ایک مرتبہ فرمایا :

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ﴾ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھا سکے۔

(آیت ۱۵۷ سورۃ النساء)

اور پھر فرمایا : ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔

(آیت ۱۵۷ النساء)



یعنی یہ بات یقینی ہے شک و وہم اور گمان سے پاک ہے جس بات کو رب تعالیٰ یقینی کئے اس میں پھر شک کرنا کفر نہیں تو اور کیا ہے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھانے اور آپ کی موت کا قول کرنے والے خود ہی اپنی زبان سے بلا طور پر اپنے کفر کا اعلان کر رہے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں پھیلے ہوئے تمام نظریات کا بطلان کر کے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ کہاں گئے فرمایا:

﴿بَل رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ بلکہ اٹھالیا اے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف۔

(آیت ۱۵۸ النساء)

اب قدرنا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اٹھالیا کہیں وہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بلا لیا ہو تو اس کا جواب ہے کہ آسمان پر حضور ﷺ کی حدیث معراج میں اس کی تصریح موجود ہے کیونکہ رفع کا معنی بلند کرنا ہے اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اٹھا کر بلند جگہ رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کر دی جائے تو وہاں رفع کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں یعنی بلندی مقام اور بلندی شان تو رفع کا استعمال کیوں دل میں کھٹکے بات اتنی سی تھی بالکل مختصر اور دو ٹوک کہ یہودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سولی دی دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔

اور حدیث رسول نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا لیکن انسان کی کج بختی یا ندرت آفرینی کا کیا علاج جب تک سیدھی اور صاف بات میں اپنی تیج نہ لگالے حضرت کو قرار نہیں آتا۔

جناب مرزا صاحب تشریف لائے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے وفات مسیح کو بطور اساس قرار دیا حالانکہ ختم نبوت کے مسئلہ کو حیات مسیح کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں اگر فرض محال حیات مسیح ثابت نہ ہو سکے تو بھی خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا صریح انکار اور کفر ہے۔

مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح ہونے کا دعویٰ استدلال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں آپ مسیح کیوں ہیں؟ اس لئے کہ احادیث میں موجود ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے اور حضور ﷺ کا کوئی فرمان غلط نہیں ہو سکتا



اور اگر پوچھا جائے کہ جناب جن احادیث میں مسیح علیہ السلام کی آمد کا ذکر ہے ان میں تو مسیح کا نام اور ان کی والدہ کا نام اور محل نزول اور جو جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حسن اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وہ مسیح کیوں کر ہوئے؟ جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا۔

جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو پھر انہیں احادیث پر اعتراضات کی بو چھاڑ اور جب اس میں کامیابی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اگر بنی اسرائیل کے دانشوروں نے پتھرے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟

﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾

(پ ۶۹۶ آیت ۱۵۹ النساء)

اور کوئی ایسا نہیں ہو گا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ۔

یعنی عیسیٰ علیہ السلام وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانے میں جتنے اہل کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لا کر دین اسلام میں داخل ہوں گے چنانچہ ابن حیان کی عبارت ہے:

”والظاهر ان الضمیرین فی بہ وموتہ عائدان الی عیسیٰ وھو سیاق الکلام“

(بحر محیط)

ظاہر یہی ہے کہ لفظ بہ اور لفظ موتہ میں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں سیاق کلام سے یہی سمجھ آتا ہے۔

اور امام ابن جریر فرماتے ہیں:

”واولی الاقوال بالصحة والصواب قول من قال تاویل ذالك ان من اهل

الكتاب الا لیؤمنن بعیسی قبل موت عیسی“

تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہ اور موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ

(علیہ السلام) ہے یعنی تمام کتابی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے سے پہلے ان پر



ایمان لے آئیں گے۔

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

”وقال قتاده وابن زيد وغيرهما واختار الطبري ونحوه عن الضحاك وعن سعيد بن جبير“  
کہ حضرت قتادہ ابن زید وغیرہما کا یہی قول ہے ضحاک سعید بن جبیر اور امام طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

خیال رہے کہ بعض حضرات نے موتہ میں ضمیر کا مرجع اہل الکتاب کو بنایا تھا اور بعض نے ذات عیسیٰ علیہ السلام کو، یہی قول رائج ہے کہ بہ اور منہ کی ضمیریں ذات عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں اور اسی قول کی وجہ ترجیح یہ حدیث بیان کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے :

”عن النبي ﷺ انه قال لينزلن ابن مريم حكما عدلا فليقتلن الدجال وليقتلن الخنزير وليكسرن الصليب وتكون السجدة واحدة لله رب العالمين ثم قال ابو هريرة قبل موت عيسى عليه السلام يعيدها ثلاث مرات“

حضور نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور اتریں گے وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگار عالم ہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو

﴿وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته﴾

(آیت ۱۵۹ النساء)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا موتہ کی ضمیر ”عیسیٰ“ کی طرف لوٹتی ہے آپ نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔

یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی والدہ کا نام ذکر کیا گیا ہے اور ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے انصاف سے کہیے کیا جناب مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جاتی ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ مسیح موعود (یعنی وہ مسیح جس کے آمد کا وعدہ کیا گیا ہے) کیوں کر بن سکتے ہیں ؟

(از ضیاء القرآن، روح المعانی، خازن)



## حیات عیسیٰ علیہ السلام :

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی دے دی اور ان کی جان نکل گئی اور پھر ان کو دفن کر دیا گیا اگرچہ آج تک وہ اس شبہ میں گرفتار ہیں کہ ہمارا اطلیائوس کہاں گیا عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا اور آپ کی جان بھی نکل گئی مگر پھر رب تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی اور آسمان پر اٹھالیا اسی لئے وہ صلیب کو پوجتے ہیں اور اسی سولی کو سارے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں کفارہ کا مسئلہ سولی پر ہی مبنی ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ آپ کو سولی دی گئی اور نہ آپ کی وفات واقع ہوئی بلکہ آپ کو اسی طرح جمع جسم شریف زندہ اٹھالیا گیا چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھالیا جانا قطعی یقینی اجماعی مسئلہ ہے اس پر ساری امت مصطفیٰ ﷺ کا اتفاق ہے البتہ وہب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صرف تین ساعتوں کے لئے موت دی لیکن آپ کو سولی نہیں چڑھایا گیا پھر تین لمحات کے بعد آپ کو زندہ کر کے آسمانوں پر اٹھالیا گیا بہر حال وہب بھی عیسیٰ علیہ السلام کے اب زندہ ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں خیال رہے کہ وہب کا قول جمہور مسلمانوں کے مخالف ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے بہر حال اس مسئلہ میں آج تک مسلمانوں میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔

مرزا یوں نے چودھویں صدی میں اس قطعی اور یقینی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ صرف مرزا صاحب کے نبی بنانے کے شوق میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ :

عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے تختہ دار پر لٹکا دیا اور انہیں بہت ذلیل بھی کیا مگر رب تعالیٰ نے ان کی جان صلیب پر نہ نکلنے دی بلکہ یہود انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے آپ غشی کی حالت سے بیدار ہو کر نصیبین پہنچے ، وہاں سے افغانستان گئے ، وہاں سے کوہ نعمان پہنچے اور وہاں سے پنجاب کی طرف آئے اور یہاں سے کشمیر میں گئے ، آخر میں ایک سو پچیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی ۔ وہاں ہی آپ کا مزار ہے۔

یہ من گھڑت کہانی مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات میں تحریر کی ہے یعنی تبلیغ رسالت



صفحہ ۶۰ تحفہ گولڈویہ صفحہ ۲۰ اور ایام الصلح صفحہ ۱۱۶ پر مرزا صاحب یہ داستان بے سرو پا نقل کر کے اپنے نبی بننے کی راہ ہموار کرتے رہے، لیکن مسلمان بھی ان کی چالبازیوں کو بخوبی سمجھ گئے مرزا صاحب نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی حدیث اور یہاں تک کہ کوئی تاریخی حوالہ بھی نہیں پیش کر سکے اور بے چارے پیش بھی کیا کرتے من گھڑت داستانوں کو کیسے دلائل سے ثابت کرتے ہاں البتہ ان کے چیلے چچے کڑ چھے اب مرزا صاحب کی کہانیوں پر مبنی کتابوں کا حوالہ دے کر اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں لیکن بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں کو ورغلانے دھوکہ دینے اور مرزا کی نبوت کا قائل کرنے میں ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ)

(از تفسیر نعیمی)

## حیات عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل :

﴿وَمَكْرُؤًا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ ☆

(پ ۳ ع ۱۳)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”مکر اللہ تعالیٰ بہم ہو انہ رفع عیسیٰ علیہ السلام الی السماء“

(کیر)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”ومکر اللہ بان القی شبہہ علیہ السلام علی غیرہ فصلب ورفعه الیہ“

(روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ایک اور شخص کو آپ کے مشابہ کر دیا جسے سولی دے دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔

”ومکر اللہ ای جازاہم علی مکرہم بان رفع عیسیٰ الی السماء والقی شبہہ

علی من اراد اغتیالہ حتی قتل“

(مدارک)



اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی ان کے مکر کی انہیں جزا دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا اور اسی شخص کو آپ کے مشابہ کر دیا جو آپ کو دھوکہ سے قتل کرانا چاہتا تھا یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی قتل ہو گیا۔

”وَمَكَرَ اللَّهُ بَانِ رَفْعِ عِيسَىٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْقَىٰ شَبَهَهُ عَلَىٰ مِنْ قَصْدِ اغْتِيَالِهِ حَتَّى قَتَلَ وَمَكَرَ اللَّهُ بِهِمْ بَانَ الْقَىٰ شَبَهَ عِيسَىٰ عَلَىٰ مِنْ قَصْدِ قَتْلِهِ فَقَتَلُوهُ وَرَفَعَ عِيسَىٰ“

(جلالین)

اللہ تعالیٰ نے ان سے خفیہ تدبیر فرمائی کہ جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرانے کا ارادہ رکھتا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا تو انہوں نے اسے ہی قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا تمام مفسرین کرام کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَاحْكُم بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ☆

(آیت ۵۶، ۵۷ سورۃ آل عمران)

یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دوں گا پھر تم سب میری طرف پلٹ کر آؤ گے میں تم میں فیصلہ کر دوں گا جس بات میں جھگڑتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا کر کافروں سے نجات دی کافروں کی سازش سے آپ کو بچالیا کافروں سے پاک کرنے کا یہی مطلب ہے آپ کی تابعداری کرنیوالے یعنی مسلمان آپ پر صحیح عقیدہ رکھنے والے تا قیامت منکرین پر غالب رہیں گے اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ عیسائی حکومت وغیرہ کے لحاظ سے یہودیوں پر غالب رہیں گے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری عمر تک پہنچانے اور آسمانوں پر اٹھانے اور کافروں کی سازشوں سے پاک کرنے کا ذکر واضح طور پر فرمایا۔



”متوفیک“ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ اور حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے: ”میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا“۔ یہی معنی سب سے بہتر ہے۔ پیر صاحب اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

علم معانی کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی پر ترجیح دی جائے گی، ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے، لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کی ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے، اب آپ لفظ توفی کے معنی پر غور فرمائیے! تاج العروس میں لفظ وفی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وتوفاه ای لم یدع منه شیئا“

یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔

امام ابو عبد اللہ رحمہ اللہ الاحکام میں لکھتے ہیں:

”توفیت مالی من فلان ای قبضتہ“ یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا۔

یہ تو ہے لفظ توفی کا حقیقی معنی ہاں یہ لفظ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے:

”ومن المعجاز ادرکتہ الوفاۃ ای الموت والمنية وتوفی فلان اذ مات وتوفاه اللہ عزوجل اذا قبض روحہ“

اس کا مجازی معنی ہے کہ اسے موت نے پایا جو کوئی شخص فوت ہو جائے تو ”توفی فلان“ کہا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کی روح کو قبض کر لیا جائے تو کہا جاتا: ”توفاه اللہ عزوجل“

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی



اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسی قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لئے جانے پر دلالت کرتے ہیں آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ :

ایک تو اس آیت کا سیاق و سباق اس امر کا قوی قرینہ ہے یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے مقصد کلام ہے اثبات توحید باری اور بطلان الوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے :

” قال الحسن قال رسول الله تعالى ﷺ لليهود ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة “

رسول اللہ ﷺ نے یہود کو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا اسی لئے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مد نظر رکھے ہوئے ہیں :

” متوفيك اى مستوفى اجلك ومؤخرى الى اجلك المسمى عاصما اياك عن قتلهم “

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل سے بچائے گا۔

” متوفيك اى مستوفى اجلك معانه انى عاصمك من ان يقتلك الكفار “

(کشاف)

اللہ تعالیٰ تمہیں پوری عمر تک پہنچائے گا یعنی تمہیں کفار کے قتل سے بچائے گا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

” واولى الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنى ذالك انى قابضك من “



الارض ورافعك الى لتواتر الاخبار من رسول الله ﷺ  
یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا  
ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور ﷺ کی احادیث متواتر سے یہی چیز ثابت  
ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔

(ضیاء القرآن)

علامہ رازی فرماتے ہیں: ﴿انی متوفیک﴾

(آیت ۱۱۷ المائدہ)

اور اس کی مثل رب تعالیٰ کے دوسرے ارشاد گرامی:

﴿فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم﴾

پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا۔

میں تفسیر دو طرح کی جاسکتی ہے ایک یہ کہ آیت کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور کسی قسم کی تقدیم و  
تاخیر نہ کی جائے اور دوسری تفسیر میں تقدیم و تاخیر کا اعتبار کرنا فرض ہوگا۔

پہلی تاویل میں پھر چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:

”انی متوفیک ای متمم عمرک فحنینئذ اتوفاک فلا اترکھم حتی یقتلوك بل  
انا رافع الی سمائی ومقربک بملائکتی واصونک عن ان یتمکنوا من ذالک  
وهذا تاویل حسن“

(کشاف)

یعنی ”انی متوفیک“ کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اب  
”اتوفاک“ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تمہیں ایسے ہی نہیں چھوڑ دوں گا کہ یہود تمہیں قتل کر  
دیں بلکہ میں آسمانوں کی طرف تمہیں اٹھا لوں گا اور فرشتوں کا مقرب بنادوں گا اور تمہیں اس  
سے محفوظ رکھوں گا کہ یہود تم پر قادر ہو سکیں علامہ رازی نے اسی تاویل کو اچھا کہا ہے۔

دوسری وجہ:

کہ ”متوفیک“ کا معنی ”ممیتک“ کا کیا جائے یہی معنی حضرت ابن عباد اور محمد بن اسحاق



## تذکرۃ الانبیاء

سے مروی ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ یہود آپ کو قتل نہیں کر سکیں گے بلکہ آپ کو اپنے وقت پر طبعی طور پر وفات ہوگی اگرچہ ابن وہب نے تین ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمانوں پر اٹھائے جانے کا قول کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے سات ساعتیں وفات حاصل ہونے کے بعد آسمانوں پہ اٹھائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

تیسری وجہ :

ربیع بن انس کا قول ہے : آپ کو آسمانوں پر اٹھاتے وقت وفات عطا کی گئی۔

چوتھی وجہ :

اگرچہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی لیکن اگر ترتیب والا معنی اعتبار کر ہی لیا جائے تو پھر بھی اتنا مطلب نکل سکے گا اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ میں تمہیں پہلے فوت کرنے والا ہوں اور پھر آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں لیکن یہ کیسے کرے گا اور کب کرے گا اس کا ذکر نہیں یہ دلیل پر موقوف ہے اور دلیل سے ثابت ہے کہ آپ زندہ ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر فوت ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پہلے جو ہوگی وہ یہی ہے اور آسمانوں پر اٹھایا جانا بعد میں ہوگا جیسے پہلے تھا۔

پانچویں وجہ :

ابو بکر واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”انی متوفیک“ کا معنی یہ ہے کہ میں تمہاری خواہشات اور نفسانی منافع کے حصول کو مارنے والا ہوں اور میں تمہیں آسمانوں پر اٹھانے والا ہوں اور ان خواہشات سے دور کرنے والا ہوں تاکہ تمہیں خواہشات اور غیظ و غضب اور برے اخلاق کے زوال سے ملائکہ کا مقام حاصل ہو جائے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی محبت کو نہیں مارتا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔

چھٹی وجہ :

بیشک ”التوفی“ کا معنی کسی چیز کو مکمل طور پر لینا اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ذات ہے جسے یہ معلوم تھا کہ



کچھ لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو آسمانوں پر اٹھایا ہے جسم کو نہیں تو رب نے ”متوفیک“ ذکر کر کے اس وہم کا ازالہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل طور پر یعنی روح اور جسم دونوں کو آسمانوں پر اٹھایا اس تاویل کے صحیح ہونے پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: ﴿وَمَا يَضُرُّكَ مِنْ شَيْءٍ﴾ وہ آپ کا کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے۔ (آیت النساء) دلالت کر رہا ہے۔

### آہِ رحمت و شفقت سے محرومی :

آج کئی دنوں کے تعطل کے بعد پھر قلم کو ہاتھ میں لیا؛ کیونکہ والدہ مکرمہ جو پیرانہ سالی میں بھی قرآن پاک کے سترہ، اٹھارہ پارے ہر روز تلاوت کیا کرتی تھیں اور آخری دو سال دس پارے تلاوت کرنے کا معمول رہا، اچانک ایک دن ڈیڑھ پارہ تلاوت کرنے کے بعد کمر میں کچھ تکلیف ہوئی اگرچہ بظاہر تکلیف مندفع بھی ہو گئی لیکن خوراک میں کمی ہونی شروع ہو گئی، ضعف بڑھتا گیا تقریباً ڈیڑھ دو ماہ یہی کیفیت رہی قرآن پاک کی تلاوت بھی معمول کے مطابق جاری نہ رکھ سکیں اور آخر کار اتوار کی شب بعد از نماز عشراء ۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ، ۲۸ ستمبر ۱۹۹۶ء اس دار فانی سے آپ نے رحلت فرمائی۔

انا لله وانا اليه راجعون .

مرحومہ و مغفورہ اپنے بیٹے، بیٹیوں اور پوتے، پوتیوں اور نواسے، نواسیوں کو دعاء و رحمت اور شفقت و محبت بھری نگاہوں سے محروم کر دیا، راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے جنہوں نے کثیر تعداد میں جنازہ میں شرکت کی، خصوصاً علمائے کرام اور بالخصوص حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی کا جنہوں نے نماز جنازہ اور سوئم کے ختم قرآن پاک میں شرکت فرما کر میری حوصلہ افزائی کی اور والدہ مکرمہ کو دعاء مغفرت کا ہدیہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ والدہ محترمہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور مدارج بلند فرمائے۔ آمین بحاجہ سید المرسلین۔

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں، امید ہے کہ شرف قبولیت عطا فرمائیں گے۔  
جزاهم اللہ احسن الجزاء



ساتویں وجہ:

”انی متوفیک“ کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں فوت ہونے والے کی طرح کرنے والا ہوں جس طرح اس کی خبر منقطع ہو جاتی ہے اور ظاہر زمین پر اس کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں ایسے ہی تم سے بھی ظاہر طور پر لوگ کوئی نفع حاصل نہیں کر سکیں گے تمہاری زیارت سے مشرف نہیں ہو سکیں گے۔

آٹھویں وجہ:

”التوفی“ کا معنی قبض کرنا بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔

”وفاتنی فلان دراہمی“

یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے۔

اور کبھی کہا جاتا ہے: ”توفیتھا منہ“ تو اس کا معنی ہوتا ہے میں نے اس سے

درہم قبضہ میں لے لئے۔

اب معنی یہ ہو گا کہ میں تمہیں زمین سے نکال کر اپنے قبضہ قدرت میں لے کر آسمانوں پر اٹھانے والا

ہوں۔

**اعتراض:** اس صورت میں تو دونوں لفظوں کا ایک معنی ہو گا کیونکہ ”متوفیک“ کا معنی ہو گا قبض کرنا

یعنی اٹھانا اور ”رافعک“ کا معنی بھی اٹھانا ہو گا یہ تکرار ہے اس کا کیا فائدہ؟

**جواب:** ”متوفیک“ ایک عمومی معنی پر دلالت کر رہا ہے یعنی یہ جنس ہے اس کے تحت مختلف

نوعیں ہیں کیونکہ قبض کرنا کبھی موت کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی آسمانوں پر اٹھا کر ہوتا ہے اب واضح ہوا کہ

”متوفیک“ سے پتہ چلا کہ آپ کو قبض کرنا ہے کہ وہ کیسے؟ پھر رافعک سے یہ واضح ہو گیا کہ آسمانوں پر اٹھا کر۔

نویں وجہ:

”متوفیک“ کا معنی فوت کرنے والا نہیں بلکہ مکمل کرنا مراد لیا گیا ہے اور مضاف یہاں محذوف



ہے اصل عبارت متوفی عملک ہے یعنی میں تمہارے اعمال کو اپنے حضور مکمل طور پر قبول کرنے والا ہوں یہاں تک تو پہلی تاویل کے مطابق کلام ہے جو اپنے ظاہر پر ہے کوئی تقدیم و تاخیر کا اعتبار نہیں۔

دوسری تاویل :

یعنی جب واؤ کو اپنی اصلی حالت میں رکھا جائے کہ واؤ میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تو اب معنی میں تقدیم و تاخیر ہوگی اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا :

”وانی متوفیک و رافعک الی و مطہرک من الذین کفروا و متوفیک بعد انزالی ایاک فی الدنیا“

(آیت ۵۵ آل عمران)

بیشک میں تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور پھر تمہیں دنیا میں جب اتار دوں گا اس کے بعد فوت کرنے والا ہوں۔

(از کبیر)

تقدیم و تاخیر قرآن پاک میں کثیر جگہ واقع ہے اتقان میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی کئی مثالیں دیں ہیں چند ملاحظہ ہوں، حضرت مریم علیہا السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا :

﴿وَأَسْجُدِي وَارْكَعِي﴾

(آیت ۴۳ آل عمران)

اور سجدہ کرو اور رکوع کرو۔

حالانکہ اس وقت بھی نماز میں رکوع پہلے اور سجدہ بعد میں تھا لیکن یہاں تقدیم و تاخیر کے طور پر ذکر ہوا۔ ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو پیدا کیا۔

(آیت ۱۰۲ الملک)

حالانکہ حیات موت سے پہلے ہے۔

﴿خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (وہ ذات جس نے) تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔

(آیت ۲۱ البقرہ)

یہاں بھی مخاطبین کا ذکر پہلے ہوا اور ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا ذکر بعد میں کیا گیا



﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ﴾

(۶۵ آیت الزمر)

اور تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی گئی۔  
یہاں بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر پہلے اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کا ذکر بعد میں۔

(از نعیمی)

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ  
مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾

(۱۵۷ آیت النساء)

اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا  
اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے  
ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور یقینی طور پر انہوں نے  
اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے ماقبل یہود کے وعدہ توڑنے اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے انبیائے کرام  
علیہم السلام کو شہید کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اس کی  
وجہ ان کا کفر کرنا اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانا اور یہ کہنا کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کر دیا ہے  
اس سے واضح ہوا کہ ان کا یہ کہنا ہی کفر تھا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی  
تفسیر میں علامہ آکو سی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”وہو حی فی السماء الثانية علی ما صح عن النبی ﷺ فی حدیث المعراج  
وہو ہنالک مقیم حتی ینزل الی الارض یقتل الدجال ویملوہا عدلا  
کما ملئت جورا“

وہ دوسرے آسمان میں زندہ ہیں یہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث معراج سے ثابت ہے آپ  
وہیں مقیم ہیں یہاں تک کہ زمین میں اتریں گے دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو اس عدل  
وانصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ پہلی ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔

سید الاولیاء حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کلمہ بل آیت مذکورہ میں جس کا



ترجمہ بلکہ ہوتا ہے ابطال ماقبل کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ذمہ یہود کو جو عیسیٰ بن مریم کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے باطل کرتا ہے اور ماقبل اور مابعد بل اضرایہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں میں معاً متحقق نہیں ہوتے۔

(شمس الہدایہ ص ۸)

﴿وما قتلوه یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ﴾ میں حسب مقتضی کلمہ بلی مقتولیت (قتل ہو جانا) اور مرفوعیت (اٹھایا جانا) یعنی مسیح کے مارے جانے اور اٹھائے جانے میں منافات اور عدم اجتماع فی التحقیق چاہیے اور ظاہر ہے کہ مابین مارے جانے اور اٹھائے جانے روح کے آسمان کی طرف کچھ منافات نہیں دونوں امر معاً پائے جاتے ہیں۔ مقربین سے جو قتل کیا جاتا ہے ان کی ارواح بھی عالم علوی کو اٹھائی جاتی ہیں اب بالضرورت رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی دونوں میں تضاد اور تنافی ہے اگر جسم مسیح یہود کے ہاتھ میں مقتول ہو تو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہوا (نہ اٹھایا گیا) اور اگر مسیح بجسدہ العنصری (اپنے ظاہر جسم کے ساتھ) مٹھوا مان اٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھ میں مقتول نہیں ہو سکتے۔

توضیح مقام :

اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ رفعہ اللہ تعالیٰ یا تو کنایہ ہو گا اعزاز اور رفع منزلت ہے جیسا کہ مرزا صاحب بشہادت محاورہ اور حوالہ کتب لغت لیتے ہیں، اس صورت میں ظاہر ہے کہ قتل اور قرب الہی میں تضاد نہیں بلکہ قتل اور شہادت موجب مستقل ہے رفع منزلت عند اللہ تعالیٰ کے لئے سوائے نبوت کے اور یا مراد اس سے رفع روحی بطریق موت طبعی کے ہو گا بقرینہ وعدہ توفی یعنی.....

﴿یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی﴾

(آیت ۵۵ آل عمران)

فقط لفظ ”متوفیک“ اگرچہ مطلق موت پر دال ہے عام اس سے کہ اپنے آپ ہو یا قتل کی وجہ سے لیکن حصر جو مستفاد ہے ضمیر متکلم کے مسند الیہ اور صیغہ مشتق کے مندہانے سے مفید ہے موت طبعی کا اس تقیر میں اگرچہ تضاد متحقق ہے مگر لمحاظ اس کے کہ ماضویت توفی اور رفع کے.....

..... ”بل توفاه اللہ ورفعه اللہ الیہ“ میں بہ نسبت ماقبل کلمہ بل کے طرف ہونی



چاہئے کہ موت طبعی مسیح کی قبل از واقعہ قتل و صلیب زعمی محقق ہو حالانکہ کوئی مؤرخ اسلامی اور غیر اسلامی اس کی شہادت نہیں دیتا بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام اہل اسلام آج تک اسی کے قائل ہیں کہ آپ کے جسم کو سولی چڑھانے سے پہلے ہی اٹھالیا گیا ہے۔

(از شمس الہدایت مع حاشیہ ص ۱۱)

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ

شَهِيدًا﴾ ☆

(آیت ۱۵۹ النساء)

اور کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”والمعنى انه لا يبقى احد من اهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسى

الا ليؤمنن به قبل ان يموت و تكون لاديان كلها ديننا واحدا“

مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں سے اترنے کے وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو آپ کی وفات سے پہلے آپ پر ایمان نہ لائے یعنی سب ایمان لے آئیں گے تمام دین ختم ہو جائیں گے اور صرف ایک دین ہو جائے گا۔

(روح المعانی)

اس آیت میں بھی آپ کے آسمانوں سے اترنے اور آپ پر اہل کتاب کے ایمان لانے کا ذکر ہے۔

﴿وَأَنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾

(آیت ۱۶۱ الزخرف)

اور بیشک عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میری تابعداری کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔

”یعنی نزولہ سبب للعلم بقرب الساعة ويجتمع عيسى عليه السلام

والمهدي رضي الله عنه فيقوم عيسى بالشریعة والامامة والمهدي بالسيف

والخلافة“

(حاشیہ جلالین شریف)



عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کے قریب ہونے کی علامت ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کا اجتماع ایک زمانہ میں ہوگا عیسیٰ علیہ السلام شریعت و امامت کے امور سرانجام دیں گے اور حضرت مہدی کے سپرد خلافت و جہاد کے معاملات ہوں گے۔

”انہ بنزولہ شرط من اشراطہا وتسمیتہ علما لحصولہ بہ“

(ابو السعد ۹)

بیشک عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے آپ کے اترنے کو علم کہا گیا ہے کیونکہ آپ کے اترنے سے قیامت کا علم حاصل ہو جائے گا کہ قیامت اب آرہی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی ان الفاظ سے ہی روح المعانی میں تفسیر کی ہے جن الفاظ سے ابو السعد نے کی ہے اس آیت میں بھی واضح ہوا کہ آپ ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب اتریں گے۔

﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾

(آیت ۴۶ آل عمران)

اور لوگوں سے کلام کرے گا پنگھوڑے میں اور پکی عمر میں۔

یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے بچپن کی وہ عمر جس میں عام بچے کلام نہ کرتے ہوں گے اس وقت کلام کرنا ایک معجزہ ہے لیکن پکی عمر میں تو ہر انسان کلام کرتا ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیسے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”وکھلا ان یکون کھلا بعد ان ینزل من السماء فی آخر الزمان ویکلم الناس ویقتل الدجال قال الحسین بن الفضل وفي هذه الایة نص فی انه علیہ الصلوۃ والسلام سینزل الی الارض“

پکی عمر میں کلام کرنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ آخر زمانہ میں آسمانوں سے اتریں گے اس وقت آپ کی عمر پکی ہوگی اور آپ لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے حسین بن فضلؒ نے کہا یہ آیت واضح طور پر نص ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے۔



## احادیث مبارکہ :

عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا کئی احادیث سے ثابت ہے :

”عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تكون السجدة الواحدة خیر من الدنیا وما فیہا ثم یقول ابوہریرة فاقروا ان شئتم ﴿ وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ﴾ الآیة“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تم میں حاکم اور عادل بن کر اتریں گے صلیب کو توڑ ڈالیں گے جزیہ کا حکم ختم کر دیں گے آپ مال لوگوں کو عطا کریں گے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا اس وقت کا ایک سجدہ دنیا اور دنیا کے مال و دولت سے افضل ہوگا پھر حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیات پڑھ لو۔

﴿ وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ﴾

(آیت ۱۵۹ النساء)

اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا یہاں تک کہ آپ پر ایمان لے آئے گا موت سے پہلے۔

آپ حاکم اور عادل بن کر آئیں گے یعنی نصرانیت کو باطل کر دیں گے اور ملت حنیفیہ یعنی دین اسلام کو قبول کرنے کا حکم دیں گے یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل گمان کو ختم کرنے کے لئے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے یہ ثابت کریں گے کہ میں محمد ﷺ کا امتی ہونے کی حیثیت سے آیا ہوں چونکہ آپ کی شریعت میں خنزیر حرام ہے اس لئے اے عیسائیو تمہارا سے پالنا اور خرید و فروخت کرنا حرام ہے اہل کتاب سے صرف اسلام کو قبول کریں گے کوئی جزیہ ان سے نہیں لیں گے آپ کے زمانہ میں



مال کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ جس طرح وادیوں میں پانی چلتا ہے ایسے ہی مال کی فراوانی ہوگی اس وقت عبادت میں سے صرف لوگ اتنی لذت محسوس کریں گے کہ ایک سجدہ اور ایک نماز انہیں دنیا بھر سے بہتر محسوس ہوں گے حضرت ابو ہریرہ نے آیت کو بطور دلیل پیش کیا کہ اس وقت تمام لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔

”عن ابو ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ واللہ لينزلن ابن مریم حکما عادلا فليکسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليضع الجزية وليترکن القلاص فلايسعی علیہا ولتذهبن الشحنة والتباغض والتحاسد وليدعون الی الکمال فلا يقبله احد رواه مسلم وفي رواية لهما قال كيف انتم اذا نزل ابن مریم فيکم وامامکم منکم“

(مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام . مسلم و بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ابن مریم حاکم و عادل بن کر ضرور بضرور اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور ضرور بر ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور یقینی طور پر جزیہ کو ختم کر دیں گے اونٹوں کو چھوڑ دیں گے ، ان پر کوئی عمل نہیں کریں گے ، عداوت ، بغض اور حسد کو ختم کر دیں گے ، مال کی طرف لوگوں کو بلائیں گے کوئی اسے قبول نہیں کرے گا ۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے بخاری اور مسلم دونوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارے امام بھی تم میں ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔

اس حدیث شریف میں تمام تاکید کے صیغے استعمال ہوئے ہیں کہ آپ کا اترنا یقینی ہے شک و شبہ سے پاک ہے۔

قلاص : بحر القاف قلو ص کی جمع ہے جو ان اونٹنی کو کہا جاتا ہے آپ اونٹوں کو کام میں لانا چھوڑ دیں گے کیونکہ اونٹ کی ضرورت ختم ہو جائے گی اس وقت اونٹ کے بغیر اور سواریاں بوجھ اٹھانے اور سامان کی نقل و حرکت کے لئے کثیر تعداد میں ہوں گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی ایک کو اونٹوں کے حصول کیلئے



مقرر نہیں کریں گے کہ زکوٰۃ کے اونٹ حاصل کئے جائیں کیونکہ اس وقت زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔  
نہایہ میں ذکر کیا گیا ہے :

”ترك زكاتها فلا يكون لها ساع“

آپ زکوٰۃ لینی چھوڑ دیں گے اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے کوئی عامل مقرر نہیں کریں گے۔

تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس وقت نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مخالف کوئی حکم دیں گے زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملے گا اس لئے کوئی عامل مقرر نہیں کیا جائے گا یہ خبر بھی تو نبی کریم ﷺ نے ہی دی ہے۔

”فلا يسعى عليها“ اس کا ایک معنی ہے :

”ولا يامر احدا ان يسعى عليها وياخذها لانه لا يجد من يقبلها الله لاستغناء الناس عنها“

کہ آپ کسی کو اونٹ بطور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل نہیں بنائیں گے کیونکہ اس وقت تمام لوگ غنی ہوں گے کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہیں ملے گا۔  
دوسرا معنی اس کا یہ ہے :

”والمراد بالسعى العمل“ سعی سے مراد عمل ہے۔

یعنی اونٹوں کے ذریعے تجارت اور زمین میں سفر مال کے طلب کرنے اور دوسری ضروریات کے حاصل کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔

شحنہ : کا معنی ہے وہ عداوت جو دلوں کو کینہ اور غیظ و غضب سے بھر دے۔ بتا غرض بغض رکھنا یہ عداوت کا سبب ہے تحاسد حسد کرنا یعنی کسی کی نعمت کا زوال طلب کرنا اور اسی نعمت کو اپنے لئے طلب کرنا یہ حسد بغض کا سبب ہے ان تمام برائیوں کا سبب دنیا کے مال سے محبت رکھنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے دلوں سے دنیا کی محبت زائل کر دیں گے جس کی وجہ سے یہ برائیاں خود بخود زائل ہو جائیں گی۔



دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام دنیا چونکہ ایک ہی دین پر قائم ہوگی یعنی سب کا دین اسلام ہوگا بغض اور حسد وغیرہ جیسی برائیاں مختلف دینوں اور مذاہب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک پہلا معنی ہی زیادہ معتبر ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں آج کے زمانہ میں بہت سے شہروں میں لوگ اسلام پر اتفاق رکھتے ہیں اور ان میں علماء کرام مشائخ کرام بھی موجود ہوتے ہیں باوجود اس کے ان میں بغض حسد عداوت جیسے عیوب پائے جاتے ہیں اور لڑائی جھگڑے قتل و غارت پائے جاتے ہیں ان کے اسباب صرف مخلوق میں بلند مرتبہ حاصل کرنا اور حرام مال کی طرف میلان ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا جب نزول ہوگا اس وقت مسلمانوں کے امام مہدی ہوں گے جو قریش سے ہوں گی آپ اتر کر پہلی نماز امام مہدی کی اقتداء میں ادا کریں گے تاکہ نبی کریم ﷺ کے دین کی عظمت واضح ہو جائے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی شریعت مطہرہ کے احکام ہی لوگوں پر نافذ کریں گے ان کی اپنی شریعت تو کب کی منسوخ ہو چکی ہے نبی کریم کا ارشاد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب تم میں اتریں گے اور تمہارے امام تم میں سے موجود ہوں گے اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا یعنی تمہیں اپنی عظمت و تکریم پر تعجب ہونا چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام آتے وقت پہلی نماز تمہارے امام کی اقتداء میں ادا کریں گے۔

”عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لا تزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين الى يوم القيامة قال فينزل عيسى ابن مريم فيقول اميرهم تعال صل لنا فيقول لا ان بعضكم على بعض امراء تكرمه الله هذه الامة“

(مسلم، مشحوة باب نزول عيسى عليه السلام)

حضرت جابر سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ ایک گروہ میری امت میں سے حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک ان کو غلبہ حاصل رہے گا آپ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم اتریں گے لوگوں کے امیر انہیں کہیں گے آؤ ہمیں نماز پڑھاؤ آپ فرمائیں گے نہیں پیٹھک تم میں سے بعض امیر ہیں بعض پر۔ آپ کا یہ ارشاد اس تکریم کے پیش نظر ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کیا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے پر امام مہدی انہیں نماز پڑھانے کے متعلق کہیں گے کیونکہ ”فان الاولى بالامامة هو الافضل وانت النبی علیہ السلام الرسول الکمل“



امامت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو افضل ہو چونکہ آپ نبی اور رسول ہیں اور کامل درجہ رکھنے والے ہیں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقام نبوت ختم نہیں ہو گا صرف آپ کی شریعت کے احکام جاری نہیں ہوں گے بلکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کے احکام کی تبلیغ فرمائیں گی آپ کے نازل ہونے پر پہلی نماز امام مہدی پڑھائیں گے تاکہ اس امت کی فضیلت واضح ہو جائے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام ہی نمازیں پڑھائیں گے اس حدیث پاک سے بھی عیسیٰ بن مریم کا نزول واضح طور پر ثابت ہوا۔

”عن عبد اللہ بن عمر وقال قال رسول اللہ ﷺ ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکت خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن فی قبری فاقول انا و عیسیٰ بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء“

(مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریں گے پھر شادی کریں گے اور آپ کی اولاد ہو گی اور پتالیس سال ٹھہریں گے پھر آپ فوت ہوں گے پھر میرے ساتھ میرے مقبرے میں دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے یہاں تک کہ ابو بکر اور عمر کے درمیان ہوں حدیث شریف میں جو لفظ قبر استعمال ہوا ہے اس کا معنی مقبرہ ہے یعنی میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔

”فی قبر واحد“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساتھ ہم اپنی اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے ایک قبر سے اٹھ رہے ہوں حضرت عمر اور حضرت ابو بکر دونوں نبیوں کے دائیں بائیں ہو جائیں گے تاکہ یہ دونوں حضرات ایک ساتھ ہوں دائیں جانب ابو بکر اور دوسری جانب عمر ہوں گے۔

بعض راویوں سے ہے :

”وقد بقی فی الیت موضع قبر“

یعنی قبر مبارک کے پاس جگہ خالی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے۔



محقق ابن جوزی فرماتے ہیں عمر کے پاس مدفون ہوں۔ گے کیونکہ ہمیں بہت سے لوگوں نے خبر دی ہے جو حجرہ شریف کے اندر گئے ہیں کہ عمر کے پہلو میں جگہ خالی ہے۔

”واخرج البخاری فی تاریخہ والطبرانی عن عبد اللہ بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعا“

بخاری نے اپنی تاریخ میں اخراج کیا ہے اور طبرانی نے عبد اللہ بن سلام سے کہ وہ فرماتے ہیں عیسیٰ بن مریم محمد ﷺ اور شیخین کے پاس دفن کئی جائیں گے اور ان کی قبر چوتھی ہوگی۔

”واخرج الترمذی وحسنہ عن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہ قال مکتوب فی التوراة صفة محمد و عیسیٰ بن مریم یدفن معہ“

ترمذی نے حدیث کا اخراج کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے فرمایا محمد ﷺ کی صفت توراة میں موجود ہے اور یہ بھی توراة میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔

”عن عائشة قالت قلت یارسول اللہ انی اری اعیش بعدک فتأذن لی ان ادفن الی جنبک فقال وانی لی بذلك الموضع ما فیہ الاموضع قبری وقبر ابی بکر وعمر و عیسیٰ بن مریم“

حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی اگر اجازت ہو تو میں آپ کے پاس مدفون ہوں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو ابو بکر اور عمر کی قبر کے سوا اور جگہ نہیں۔

سید الاولیاء حضرت پیر مر علی شاہ فرماتے ہیں :

آثار دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے اور احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سوا ان کے جو بیا نکر چکا ہوں اور بھی بجزرت موجود ہیں جس کا جی چاہے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر درمنثور اور تفسیر ابن جریر کو ملاحظہ فرمائے اگر اس سے بھی اطمینان حاصل نہ ہو تو کنز العمال و مسند احمد



وغیرہ کتب احادیث کو مطالعہ فرمائے مگر مومن فہیم کے واسطے آثار اور احادیث سے جو بیان کر چکا ہوں کافی ہیں، یہ احادیث متواترہ ہیں نزول کتب کا جو مستلزم ہے رفع کو سب میں اتفاق ہے زیادہ بیان ہونا افعال اور صفات کا بعض حدیثوں میں اور بعضوں میں کم، وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر اوصاف بذریعہ وحی ﷺ کو معلوم ہوئے انکو بیان فرمایا سامع نے ان کو یاد رکھا پھر جب اور معلوم ہوئے ان کو پھر بیان فرمایا علیٰ هذا القیاس“

﴿وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی﴾

(آیت ۴۰۳ النجم)

یہی وجہ ہے کہ بعض راویوں میں سے بعض صفات اور احوال مروی ہیں دوسرے سے کچھ اور کبھی ایک راوی کی روایت میں کمی پیشی ہوا کرتی ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے۔

جو احادیث عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق مروی ہیں وہ ان جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہیں ابو ہریرہ عبد اللہ بن مسعود عثمان بن ابی العاص ابی امامہ نو اس ابن سمعان عبد اللہ بن العاص مجمع بن جاریہ ابی شریحہ حذیفہ بن اسید جابر سمرہ بن جندب عمرو بن عوف عمران بن حصین کیسان حذیفہ بن یمان عائشہ عبد اللہ بن عباس انس رضی اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے بھی مروی ہیں۔

(از شمس الہدایہ ص ۳۸)

افسوس جہالت ایسا مرض ہے کہ ہزاروں اردو خوانوں سادہ لوحوں کے لئے روز بروز ہلاک کرنے والا ثابت ہو رہا ہے نہ تو صحابہ کرام کی طرح مہارت لسانی انہیں حاصل ہے اور نہ ہی صحابہ کرام کی طرح ان کے دل کو روشن و منور کیا گیا ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ کر راہ راست پر چلیں اور نہ ہی علمی استعداد کہ فصاحت و بلاغت اور کلام کے سیاق و سباق سے مقصد کو سمجھیں اور نہ ہی یہ صلاحیت حاصل ہے کہ مقتضی حال کے مطابق مراد کو سمجھ سکیں۔

ان جملاء کے بھٹکنے کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے گمراہ اور بھٹکے ہوئے شخص کو اپنا راہ نما بنا لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائے۔

(ماخوذ از شمس الہدایہ ص ۵۴)



## مقام توجہ :

بیان کردہ احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آسمانوں سے اترنے والی شخصیت کا نام عیسیٰ ہو گا وہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہوں گے ان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملے گا دین ایک ہو جائے گا یہودیت و نصرانیت ختم ہو جائیں گی مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں کہ ان احادیث میں عیسیٰ بن مریم سے میں مراد ہوں مگر خیال رہے کہ مرزا جی کا نام عیسیٰ ہے اور نہ ان کی ماں کا نام مریم علیہا السلام ہے بلکہ ان کا نام غلام احمد اور ان کی ماں کا نام چراغ بی بی ہے اور مرزا جی مدینہ پاک میں نہیں مرے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے لیکن مرزا جیسے ناپاک جسم کو حضور ﷺ اپنے ساتھ کیسے قبول کر سکتے تھے اس لئے اسے قادیان میں ہی مرنا پڑا۔

نیز مرزا صاحب کے زمانہ میں مال و دولت کی کثرت بھی نہیں ہوئی خود وہ انگریزوں سے چندہ لیتے رہے بلکہ وہ انگریزوں کا لگایا ہوا ہی پودا تھا آج تک مرزا یوں کی یہ حالت ہے ربوہ میں دیکھئے دو قبرستان ہیں ایک میں پودے لگے ہوئے ہیں اور دوسرے پودوں اور پھولوں سے خالی ہے اس میں گھاس پھوس اور جھاڑیاں نظر آتی ہیں جو زیادہ پیسے دے دے اسے باغچہ والے قبرستان میں جگہ دی جاتی ہے اور جو تھوڑے پیسے دے اسے دوسرے میں جگہ دی جاتی ہے گویا قبریں بچ کر وہ اب بھی اپنا گزارہ چلا رہے ہیں اور مرزا صاحب کے زمانہ میں یہودیت و نصرانیت کو ختم کر کے ایک دین اسلام میں سب لوگ آگئے ہیں ایسا بھی نہیں ہوا تو مرزا صاحب مسیح موعود کیسے؟

## حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہ کرام سے :

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ائمہ انام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بہت سی احادیث درج فرمائی ہیں۔ ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر



## تذکرۃ الانبیاء

دعوت اسلام فرمائیں گی۔ ان کے زمانہ پاک میں اسلام کے سوا تمام دین مٹ جائیں گے اور شیر اونٹ کے ساتھ اور چیتا گائے کے ساتھ اور بھیڑ یا بھری کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد کی ایک اور روایت شمس الہدایہ کے حوالے سے ہی نقل کی جا چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے آپ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا وہاں چار قبروں سے زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ چوتھی قبر عیسیٰ کی ہوگی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :  
دجال کا نکلنا یا جوج و ماجوج کا خروج، آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰ کا آسمان سے اترنا اور یہ ساری علامات قیامت حق ہیں۔

امام مالک نے کہا :

اس حال میں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیر سن رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔

علامہ زر قانی مالکی اپنی کتاب قسطانی میں فرماتے ہیں :

”عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی ﷺ کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے وہ اگرچہ امت محمدیہ کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ نبی بھی ہوں گے کیونکہ شریعت کے نسخ سے نبوت زائل نہیں ہوتی۔“

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین امام جلال الدین سیوطی اور امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر تفصیلی طور پر بحثیں کی ہیں اور وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابو داؤد اور تمام محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی عقیدہ تھا۔ نیز امام غزالی، امام رازی، امام جوزی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جائے کہ ”سوائے مرزا قادیانی اور اس کے متبعین کے اہل علم میں سے کوئی بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر نظر نہیں آتا۔“



## معجزات و حیات عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات و جوابات :

عیسیٰ علیہ السلام کے جن معجزات کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام کام مرزا یوں نے انکار کیا ہے اور اس آیت میں یہودیانہ تحریفات کیں ، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھر کے نبی اور خود ساختہ مثیل مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی کمال نہ تھا لہذا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام کمالات کا انکار کر دیا۔

**اعتراض :** پیدا کرنا خدا کی صفت ہے ، رب تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (سورۃ الرعد آیت ۱۶)

فرمادیتے ہیں! اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

نیز فرماتا ہے : ﴿خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (سورۃ الفرقان آیت ۲)

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

نیز فرماتا ہے : ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ﴾

ہمارا رب جس نے ہر چیز کو صورت خلق عطا کی۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خالق صرف رب تعالیٰ ہی ہے غیر خدا میں یہ صفت ماننا شرک ہے

رب تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ﴾ (۱۳ سورۃ الرعد آیت ۱۶)

کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ وہ ایسے پیدا کرتے ہیں جیسے اللہ پیدا کرتا ہے۔

نیز بتوں کے بارے میں فرماتا ہے :

﴿لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾ (۱۴ سورۃ النحل آیت ۲۰)

وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود گھڑے گئے ہیں۔



## تذکرۃ الانبیاء

لہذا اگر عیسیٰ علیہ السلام مٹی میں پھونک کر پرندے بناتے ہوں تو انہیں خدا ماننا پڑے گا، مشرکین بتوں کو خالق مان کر ہی مشرک ہوئے، اور مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو خالق مان کر مرتد۔  
(نعوذ باللہ من جہالتہ و کفرہ)

اس آیت کے معانی صرف یہ ہیں کہ :

”میں تمہارے دلوں کو نور ایمانی سے منور کر دیتا ہوں جس سے وہ پرندہ بن کر راہِ الہی طے کرتا ہے نہ کہ کوئی مٹی کا کھلونا“

حدیث شریف میں شہداء کے متعلق ہے کہ شہیدوں کی روح سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہ کر جنت کی سیر کرتی ہے اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے۔

(بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری، مرزائی)

دوسری جگہ کہتے ہیں :

”مر کر دنیا میں لوٹنا قانون قدرت کے خلاف ہے، حدیث شریف میں ہے کہ شہید شہادت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی، کیونکہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے کیونکہ مردے اگر اپنی عمر پوری کر کے مرے تھے تو انہیں دوبارہ عمر کیسے ملی اور اگر انکی عمر باقی تھی تو پہلے موت کیوں آگئی۔“

(بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی لاہوری، مرزائی)

**جواب :** ”خلق“ کا ایک معنی ہے پیدا کرنا، یعنی عدم سے وجود میں لانا، حیات بخشنا اور دوسرا معنی ہے بنانا، گھڑنا، اندازہ لگانا، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص جو خلق ہے وہ بمعنی پیدا کرنے کے ہے۔ شکل و صورت بنانا یہ صفت بندوں کو بھی حاصل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پرندے کی صورت بنائی اور اس کو حیات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ البتہ عیسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر اس لیے یہ آپ کا معجزہ ہوا۔ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو عام عادت کے خلاف ہو اور مدعی نبوت سے سرزد ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا :

﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي﴾

(پ ۷ سورۃ المائدۃ آیت ۱۱۰)



اور جب تو مٹی سے پرندے کی سی صورت میری حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَانْفُخْ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

(پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۴۹)

عیسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اس شکل و صورت میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

ان آیات سے بخوبی واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورتی بناتے تھے اور اس میں پھونک مارتے اور یہ کہتے کہ اللہ کے حکم سے اڑ، وہ پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے حیات عطا فرماتا تھا۔ جو توجیہ محمد علی صاحب نے بیان کی ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ ہی آپ کا معجزہ ہے کیونکہ دلوں کو نور ایمانی سے تمام انبیائے کرام منور کرتے رہے بلکہ یہ وصف اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی حاصل ہے۔

یہ کہنا کہ موت کے بعد زندہ ہونا قانون قدرت کے خلاف ہے تو اس کا جواب بھی واضح ہے کہ معجزہ تو ہے ہی وہ کہ عادت کے خلاف ہو۔ یعنی ہلاک شدہ بستیوں کو زندہ کرنا قانون نہیں، البتہ خصوصیات اس کے علاوہ ہیں۔ قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ یوں بیان فرمایا:

﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ نَعَثَهُ﴾

(پ ۳ سورۃ البقر آیت ۲۵۹)

اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا۔

پھر فرمایا:

﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا﴾

(پ ۳ سورۃ البقر آیت ۲۵۹)

اے عزیر اپنے مرے ہوئے گدھے کی خشک ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح جمع کر کے گوشت پہناتے ہیں۔



## تذکرۃ الانبیاء

حضرت حزقیل علیہ السلام کی قوم کا پورا واقعہ یوں بیان فرمایا:

﴿فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ﴾ (۲ سورة البقرہ آیت ۲۴۳)

یعنی رب تعالیٰ نے ان کو پہلے موت دی پھر ان سب کو زندہ فرمایا۔

نیز قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا۔

﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾

(پ ۱ سورة البقرہ آیت ۵۵، ۵۶)

یعنی تمہیں دیکھتے ہوئے کڑک نے پکڑ لیا پھر ہم نے تمہیں مرے بعد زندہ کیا۔

غرضیکہ مردے زندہ کرنے کے لئے بے شمار واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب دجال لوگوں کو مار کے زندہ کرے گا، اگر ان سب آیات اور احادیث میں مجازی معنی مراد لئے جائیں تو پھر قرآن و احادیث ایک تماشہ بن کر رہ جائیں اور کسی آیت پر اعتماد نہ رہے۔

(از نعیمی پارہ ۳ ص ۵۵۰)

**اعتراض :** اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے، وہ نبوت کرنے آئے تھے نہ کہ طبابت، لہذا یہاں سے دل کے اندھے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (۱۷ سورة الحج آیت ۴۶)

ایسے ہی برص یعنی کوڑھی سے وہ بدمعاش مراد ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہو۔

اور حضرت مسیح یہ فرما رہے ہیں کہ میں دل کے اندھوں اور بدمعاشوں کے کوڑھیوں کو ایمان و تقویٰ کا راستہ بتا کر اچھا کر سکتا ہوں۔

(بیان القرآن، محمد علی مرزائی)

**جواب :** اگر بغیر کسی دلیل کے اپنی رائے سے تفسیر کرنی ہو تو جو چاہو کر لو، لیکن اگر دلائل کی بات کرنی ہے تو یہ بتاؤ کہ یہ معانی کس مفسر نے کئے ہیں؟ بے شک نبوت میں احکام کی تبلیغ ہے۔ مگر نبوت منوانے کے لئے معجزات کی ضرورت اور معجزہ میں عاجز کرنا شرط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایسا معجزہ دکھایا جائے جس سے کام کے ماہر عاجز رہ جائیں تاکہ یہ خدا داد اختیار، نبوت کی دلیل ہو، چونکہ آپ علیہ السلام



کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا تو طبیعوں کو عاجز کرنے کے لئے یہ معجزات عطا فرمائے گئے، جس کی صداہا روایتیں ملتی ہیں، لیکن مرزا صاحب کے چیلے اپنے موقف پر ایک روایت بھی پیش نہیں کر سکتے۔

(از نعیمی پ ۳ ص ۵۵۲)

**اعتراض:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہیں ہوئے بلکہ مریم یوسف نجار کے نکاح میں آئیں آپ ان کے بیٹے ہیں۔

**جواب:** قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی بے شمار گواہیاں دی ہیں:

۱۔ انہیں آدم علیہ السلام سے مشابہت دی ہے۔

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾

(پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۵۹)

عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی طرح ہے۔

۲۔ انہیں عیسیٰ بن مریم کہا، حالانکہ قرآن کریم نے سوائے مریم کے عورت کا نام نہ لیا اگر وہ کسی مرد کے فرزند ہوتے تو اسکی طرف نسبت کی جاتی۔

۳۔ یہود نے حضرت مریم کو تہمت زنا لگائی تھی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں کلام کرنے کی طاقت عطا کر کے ان سے ماں کی پاکدامنی بیان کرائی، اگر مریم شادی شدہ تھیں تو یہود تہمت کیوں لگاتے؟ اور اس تہمت کے دفع کرنے کے لئے اتنا بڑا واقعہ کیوں ہوتا؟ صرف یوسف نجار کہہ دیتا کہ یہ میرا بچہ ہے۔

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہوا کیونکہ وہ کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے

۵۔ قرآن کریم نے ان کی ماں کا یہ قول بار بار نقل فرمایا:

﴿وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ﴾

(پ ۳ سورۃ آل عمران ۴۷)

مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔

اگر ان کا نکاح ہو چکا تھا تو اس کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

۶۔ حضرت مریم جنگل میں جا کر وضع حمل سے فارغ ہوئیں اگر یوسف نجار کی بیوی ہوتیں تو اس



قدر مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

(از نعیمی پ ۳ ص ۵۳۶)

خیال رہے کہ مرزائیوں نے یہ عقیدہ یہودیوں سے حاصل کیا ہے۔

”والیہود تقذف امہ بیوسف النجار“

(روح المعانی ج ۲ حصہ دوم ص ۱۶۳)

یہود عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یوسف نجار سے تہمت لگاتے تھے۔

**اعتراض:** وتكون الملل كلها ملة الاسلام فقرہ کو یہ آیت معارض ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾ ☆ الْإِثْمُ

رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ☆

(پ ۱۲ سورة ہود ۱۱۸، ۱۱۹)

چنانچہ فاضل امر و ہوی (مرزا کا چیلہ) صاحب اعلام الناس لکھتے ہیں کیونکہ حسب مقتضی

اس آیت کے کسی زمانہ میں اتفاق ایک ملت پر ممکن نہیں۔

**جواب:** اس فقرہ حدیث کو بوجہ عدم قبول تاویل کے حسب مطلب اپنے کے اپ کا ثنا چاہتے ہیں

آیت میں استثناء ﴿الامن رحم ربك﴾ موجود ہے اور استثناء زمانیات کا مستلزم ہے۔ استثناء زمان کو

لہذا مسیح کے وقت سب کا مرحوم ہونا اور سب کا متفق ہونا ملت واحدہ پر ممکن ہو گا۔ ضروری امر

بمقتضی آیت کے صرف اتنا ہی ہے کہ اختلاف فی الجملہ اور جہنم کا بھر دینا متحقق ہو، وہاں

اگر بعد ﴿لا يزالون مختلفين﴾ کے ﴿الامن رحم ربك﴾ نہ ہو تا تب بوجہ اختلاف دائمی کے زمان مسیح

کا اتفاق ہونا ممکن تھا۔

(شمس الہدایہ ص ۶۸)

**اعتراض:** جس حدیث سے سمجھ آ رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تمام لوگ ایک دین پر قائم

ہو جائیں گے وہ اس آیت کے مخالف ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک

دین پر قائم کر دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف پر رہیں گے۔ جب یہ حدیث آیت کے مخالف ہے تو اس پر عمل

نہیں ہو سکے گا۔



**جواب :** یہ یہودی طرز عمل ہے کہ کچھ کتاب پر ایمان لانا اور کچھ پر ایمان نہ لانا حالانکہ ساتھ ہی یہ بھی آرہا ہے کہ مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا یعنی وہ ایک دین پر قائم ہوں گے مسیح کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں پر رحم کیا جائے گا، لہذا وہ سب ایک دین پر قائم ہو جائیں گے۔

**اعتراض :** حدیث پاک میں مسیح موعود کی جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ مرزا صاحب میں پائی گئی ہیں صحیح بخاری میں ہے :

”ارانی اللیلة عند الکعبة فی المنام فاذا رجل آدم کا حسن ماتری من آدم

الرجال تضرب لمتہ بین منکیہ رجل الشعر“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں کعبہ کے پاس ایک شخص دیکھا جس کا رنگ گندمی ہے اور بہت خوبصورت ہے اس کے بال سیدھے ہیں اور کندھوں تک پہنچ رہے ہیں مرزا صاحب کا حلیہ بھی یہی ہے ان کا رنگ گندمی ہے بال سیدھے ہیں یعنی گھونگر والے نہیں کندھوں کے قریب کانوں کی لو کے نیچے لٹکے ہیں

**جواب :** اسی صحیح بخاری میں اس کے قریب ہی مسیح حقیقی یعنی صاحب انجیل کا حلیہ یہ لکھا ہے سرخ رنگ اور گھونگر لیے بال چوڑا سینہ

”فاما عیسیٰ فاحمر عریض الصدور“

ناظرین یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے سرخ اور گندمی رنگت دونوں کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں ایسا ہی گھونگر والے اور غیر گھونگر والے دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے، کیونکہ مسیح ابن مریم کی رنگت میں سرخی مائل سفیدی تھی ایسا ہی بالوں میں جعودۃ غیر تامہ یعنی تھوڑے گھونگر والے بال تھے نہ بہت زیادہ پیچیدہ اور نہ سیدھے، اسلئے آپ کے رنگ کو سرخ کہنا بھی صحیح ہے اور گندمی رنگ کہنا بھی صحیح ہے اسی طرح آپ کے بالوں کو گھونگر والے کہنا صحیح ہے اور غیر گھونگر والے بھی۔

**تنبیہ :** بخاری شریف میں جو ..... عن مجاہد عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ عیسیٰ وموسیٰ و ابراہیم فاما عیسیٰ فاحمر جعد عریض الصدر ..... آیا ہے یعنی حضرت ابن عمر



کی روایت ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام کارنگ سرخ اور بال گھونگریا لے اور سینہ چوڑا ذکر ہے یہ بخاری کی خطا ہے حقیقت میں یہ روایت حضرت ابن عباس سے ہی ہے یعنی عن مجاہد عن ابن عباس دیکھو اخراجات محمد بن کثیر اور اسحاق بن منصور سلوی اور ابن ابی زائدہ اور یحییٰ بن آدم وغیرہ کے (رحمۃ اللہ علیہم)۔

یعنی شرح بخاری اور مشکوٰۃ شریف میں ہے :

”وعن ابن عباس عن النبی ﷺ قال رأیت لیلۃ اسری بی موسی رجلا آدم طوالا جعدا کانه من رجال شثوۃ ورایت عیسی رجلا مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الراس“

(متفق علیہ)

اس حدیث میں ابن عباس ہی عیسیٰ علیہ السلام کارنگ سرخی سفیدی سے ملا ہوا بیان کرتے ہیں اور آپ کے بال بہت زیادہ پیچدار نہیں تھے (بلکہ معمولی گھونگریا لے تھے)۔ یہ بھی ابن عباس بیان کر رہے ہیں اور اب یہ گمان کرنا کہ سرخ رنگ والے عیسیٰ علیہ السلام اور تھے اور گندمی رنگ والے عیسیٰ علیہ السلام اور ہیں صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد دونوں روایتوں میں واقعہ معراج کے متعلق ہے جس کے پہلے بروایت مسلم.....

..... عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال عرض علی الانبیاء .

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر انبیائے کرام پیش کئے گئے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دونوں روایتوں میں اسی عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جو انبیائے کرام کی جماعت میں اسی طرح شامل ہیں جس طرح موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام داخل ہیں کسی حدیث پاک میں بھی مثیل مسیح یعنی مرزا صاحب کا کوئی ذکر نہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام اور ہوتے اور مثیل عیسیٰ اور ہوتا تو حضور ﷺ فرماتے میں نے عیسیٰ علیہ السلام اور مثیل عیسیٰ کو دیکھا حالانکہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا پس واضح ہوا کہ حدیث پاک سے مرزا صاحب کا اپنے آپ کو مسیح موعود اور مثیل عیسیٰ ثابت کرنا باطل ہے۔

(شمس الہدایہ ص ۶۸)

اعتراض : مرزا صاحب کا ذکر حدیث پاک میں ہے صحیح مسلم میں ہے :

”لو کان العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس“



اگر علم ثریا کے ساتھ بھی متعلق ہو تو فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص اسے پالے گا۔  
مرزا صاحب کے ایک مرید امرودی نے اس حدیث سے مراد بھی اپنے مرزا صاحب کو ہی لیا ہے۔  
**جواب:** اول: متفق علیہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے:

”قال فوضع النبی ﷺ یدہ علی سلمان ثم قال لو کان العلم..... الخ“

یہ حدیث آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر بیان فرمائی جس سے سلمان فارسی کا مصداق ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی سیاق و سباق سے یہ حدیث مختص ہے عام ہے ہی نہیں

**دوم:** اگر حدیث کو عام رکھا جائے اور مراد فارس کا کوئی شخص بھی لیا جائے تو پھر بھی اس سے مراد مرزا صاحب نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے خود ”ایام الصلح“ میں اپنا سمرقندی ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ سمرقند خراسان سے ہے نہ کہ فارس سے۔ جن لوگوں کو کچھ بھی جغرافیہ وغیرہ میں مہارت ہے ان پر یہ بات واضح ہے۔

**سوم:** اگر حدیث پاک سے مراد زیادہ عموم لیا جائے یعنی اہل فارس کا ایک بامحاورہ معنی یہ لیا جائے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں تو پھر بھی مرزا صاحب کا مدعی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں ”لو کان العلم لفظ العلم“ معرف باللام ہے الف لام عہد خارجی ہے جس سے مراد وہ علم ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہے نہ کہ مخالف، مرزا صاحب کا علم تو شیطانی علم تھا قرآنی علم نہیں تھا ورنہ وہ کفر اختیار کر کے جھوٹی نبوت کا دعویٰ نہ کرتے۔

(از شمس الہدایۃ ص ۷۰)

**جھوٹوں کی کہاوتیں:**

امرویی صاحب نے اپنے مرزا کو مسیح موعود مانا ہے اس لئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ مرزا صاحب دین نصرانیت کو مٹا دیں گے سید اولیاء پیر مر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”آج تاریخ ۱۵ شعبان ۱۳۱۷ھ تک بالکلیہ دین نصرانیت کا مٹ جانا متحقق نہیں ہوا



، حالانکہ مرزا صاحب جو مسیح موعود ہونے کے دعویدار ہیں وہ کتنے عرصہ سے آچکے ہیں،  
بلکہ مرزا صاحب اپنی موت تک بھی یہ کرشمہ نہ دکھاسکے۔“

عیسیٰ علیہ السلام کی صفات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ”لیدعون الی المال فلا یقبلہ  
احد“ لوگوں کو مال کی طرف بلائیں گے لیکن کوئی ایک بھی قبول نہیں کرے گا۔

اس کا مطلب امر وہی نے یہ بیان کیا ہے :

کہ اس سے مراد بھی مرزا صاحب ہیں ؛ کیونکہ انہوں نے بذریعہ اشتہارات روپیہ دینے کا  
وعدہ مخالفین اسلام (ان کے بناوٹی اسلام) کو فرمایا اور کسی نے قبول نہیں کیا۔

اس کا جواب حضرت پیر صاحب یوں دیتے ہیں :

کہ حدیث میں ”فلا یقبلہ منہ“ مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام  
کے زمانہ میں سب لوگ اہل اسلام ہوں گے اور سب کو عبادت کی بہت زیادہ رغبت ہوگی  
اور سب تارک دنیا اور زاہد ہوں گے اس پر حدیث پاک کے الفاظ شاہد ہیں :

حتى تكون السجدة الواحدة خيرا من الدنيا وما فيها .

اس لئے کہ اس وقت مسلمان زاہد اور عابد ہوں گے جو دنیا کو قبول نہیں کریں گے حدیث کا یہ  
مطلب نہیں کہ اس وقت مخالفین اسلام بھی ہوں گے (جیسا کہ مرزائیوں نے معاذ اللہ مسلمانوں کو مخالفین  
اسلام کہا) اور ان کو حقیقت اسلام ظاہر کرنے کے مقابلہ میں اشتہارات کے ذریعے روپیہ دینے کا وعدہ دیا  
جائے گا اور وہ قبول نہیں کریں گے خیال رہے کہ اسلام بذات خود امر حق ہے واقع کے مطابق ہے قیامت  
تک کوئی مخالف بھی یہ نہیں کر سکتا کہ اسلام کے حق ہونے کو زائل کر سکے یا اسلام کے ناحق ہونے کو ثابت  
کر سکے۔

اسلام اپنے حق ہونے میں کسی انسان کا محتاج نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے خود اس کے غلبہ کا ذمہ اٹھا  
رکھا ہے حدیث پاک ”ظاہرین الی یوم القيامة“ (اسلام کو قیامت تک غلبہ حاصل رہے گا) اس  
پر شاہد ہے۔



**اعتراض :** آیت ﴿ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ﴾ دال ہے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکہ حسب مفاد اس آیت کے جو شخص اسی یا نوے سال کو پہنچتا ہے اس کو نکوس اور ٹاڑ گوئی بنسبت پہلی حیاتی کے پیدا ہوتی ہے تو کیسا حال ہو گا اس شخص کا جو دو ہزار سال تک زندہ ہے۔

(ایام الصلح از مرزا)

**جواب :** اسی یا نوے سال کی قید جو آپ نے لگائی ہے یہ قرآن پاک کے کون سے الفاظ مبارکہ سے سمجھ آئی خدا را یہودیوں کی طرح کلام الہی کی تحریف سے باز آئیں کیا آپ کو قرآن پاک میں یہ آیت نظر نہیں آئی :

﴿ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴾

(پ ۱۵ سورة الکہف آیت ۲۵)

وہ (اصحاب کھف) اپنی غار میں تین سو نو سال رہے۔

﴿ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ﴾ کا مفہوم اگر تمہارے خیال میں اسی یا نوے سال کی عمر تک محدود ہے تو پھر اس آیت ﴿ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴾ سے اصحاب کھف کا تین سو نو سال غار میں کیسے ثابت ہو سکتا ہے اور نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) سال اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس (۹۳۰) سال اور حضرت شیث علیہ السلام کی نو سو بارہ (۹۱۲) سال اور حضرت ادریس علیہ السلام کی تین سو چھپن سال (۳۵۶) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو پچیس سال (۱۲۰) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر دو سو تیس سال (۲۲۳) کیسے ہو سکتی تھی۔

(شمس الہدایہ ص ۷۴)

اصل میں یہ سب غلط تاویلیں مرزا صاحب سے اس وجہ سے سرزد ہوئیں۔

﴿ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴾

(پ ۲۴ سورة الزمر آیت ۳۶)

کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔  
ان کے گمراہ کن شیطانی علم نے انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا۔

**اعتراض :** ﴿ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمَرِ ﴾

(پ ۱۷ سورة الحج آیت ۵)



تم میں سے بعض کو فوت کیا جاتا ہے اور بعض کو بڑی عمر تک پہنچایا جاتا ہے ۔

اس آیت میں دو ہی صورتیں ذکر ہیں یا گھٹیا عمر سے پہلے فوت کر دینا اور یا اس عمر تک پہنچا دینا جس میں انسان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے اس آیت سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ رذیل عمر تو نبی کی شان کے لائق نہیں اور کسی جگہ قرآن میں بھی ذکر نہیں ۔

”وَمَنْكُمْ مَنْ صَعِدَ إِلَى السَّمَاءِ بِجَسَدِهِ الْعَنْصُرِيِّ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ“  
اور تم میں بعض اپنے عنصری جسم کے ساتھ آسمانوں پر چڑھ جائیں گے اور پھر آخر زمانہ میں لوٹ آئیں گے ۔

آیت میں صرف دو چیزوں کا ذکر ہے اگر اور کوئی تیسری صورت مانی جائے تو آیت میں جو دو چیزوں کے اندر ایک مسئلہ کو بند کیا ہے اس کا مقصد فوت ہو جائے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کو اگر مانا جائے تو آیت کا حصر باطل ہوتا ہے۔

**جواب :** پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت میں کوئی حصر ہے ہی نہیں اگر بالفرض حصر کو مان بھی لیا جائے تو پھر بھی واضح قانون ہے کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کا وجود ختم نہیں ہوتا نیز تمہارا قول کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھایا گیا اس کا ذکر بھی تو قرآن پاک میں نہیں جب تمہارے نزدیک اس سے حصر باطل نہیں تو آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے والے قول سے حصر کیسے باطل ہے ۔

نیز اہل کشف کے نزدیک ”ارذل العمر“ کی کوئی حد معین نہیں نہ اس پر کوئی آیت و حدیث دلالت کر رہی ہے اور نہ ہی عقلی طور پر ثابت ہے کہ اس سے متجاوز ہونا موت کا سبب ہو علماء طبعین نے جو حد مقرر کی ہے اس کو شیخ اکبر نے اپنے کشفی طریقہ سے فتوحات میں رد فرماتے ہیں ان کے قول کا مضمون یہ ہے کہ اگر جو کچھ علم طبعی میں ہمارے اوپر مکشوف ہوا ہے وہ علماء طبعین کو معلوم ہوتا تو ہرگز انسان کی عمر طبعی کو وہ کسی حد سے معین نہ کرتے نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے مراد رذیل عمر ہے تو پھر بھی اس سے اہل علم مستثنیٰ ہیں۔ ان کا حکم ہی اور ہے ۔

”قَالَ عِكْرِمَةُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ اِنْ لَمْ يَصِرْ بِهَذِهِ الْحَالَةِ اَيْ فَهُوَ مُخْصَوْصٌ بِغَيْرِ



من قرأ القرآن والعلماء وامامهم فلا يردون الى الارذل بل يزداد عقلهم  
كلما طال عمرهم كما هو مشاهد

(صاوی، جلالین ص ۲۷۹)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جس نے قرآن پاک کا علم حاصل کیا اسے یہ حالت نہیں حاصل ہوتی کہ اس کی عقل میں کمی آجائے یعنی یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے قرآن پاک کا علم حاصل نہ کیا جنہوں نے قرآن پاک پڑھا اور علم حاصل کیا انہیں اس حالت کی طرف نہیں پہنچایا جاتا بلکہ ان کی عقل عمر کی زیادتی کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے اس پر مشاہدات دلالت کر رہے ہیں۔

جب اہل علم کا یہ مقام ہے تو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی کا کیا مقام ہو گا یقیناً زیادہ عمر کا دیا جانا رذالت کی طرف نہیں پہنچائے گا۔ نیز آپ کو ”ومن یتوفی“ میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ پر وفات بھی یقینی آتی ہے اور آپ کو دینا کی جس عمر میں اٹھایا گیا ہے اور پھر دنیا میں آپ نے جتنی مدت رہنا ہے آپ کی وہی عمر شمار ہوگی آسمانوں کی زندگی پر وہاں کے قوانین ہی نافذ ہیں نہ وہاں موت نہ بوڑھا ہونا جب لوگ جنت میں جائیں گے تو ان کو وہ زندگی حاصل ہوگی جو ختم ہونے والی نہیں ہوگی اور ان پر کوئی بڑھاپا طاری نہیں کیا جائے گا۔

(ماخوذ از شمس الہدایہ بزیادہ)

**اعتراض:** ﴿انک میت وانہم میتون﴾ سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں کیونکہ یہاں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام کی وفات کا ذکر ہے۔

**جواب:** ﴿انک میت﴾ اور ..... ﴿وانہم میتون﴾ یہ دونوں قضیہ مطلقہ عامہ ہیں، دائمہ مطلقہ نہیں اگر دائمہ ہوتے تو حکم ہمیشہ ہر زمانے میں ثابت ہوتا مطلقہ عامہ میں تو حکم تین زمانوں میں کسی زمانے میں بھی پایا جانا کافی ہوتا ہے اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا تحقیق اے حبیب تم فوت ہونے والے ہو اپنے وقت معین میں اور وہ انبیاء سابقہ بھی اپنے اپنے اوقات معینہ میں مرنے والے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چونکہ اپنے وقت مقرر میں فوت ہونا ہے لہذا وہ ﴿انہم میتون﴾ میں داخل ہیں نزول آیت کے وقت اگر آپ کا فوت شدہ ہونا ضروری ہوتا تو اس کا



مطلب یہ ہوتا کہ نبی کریم ﷺ بھی اس وقت اموات میں داخل ہوتے حالانکہ ایسا سوچنا سراسر غلطی پر مبنی ہے۔

(ار شمس الہدایہ ص ۷۷)

خیال رہے کہ اس سوال و جواب کی حیثیت اسی وقت ہوگی جب ”انہم“ کی ضمیر کا مرجع عام لوگ ہوں جن میں انبیائے کرام بھی داخل ہوں اور اگر ضمیر کا مرجع کفار ہوں جو حضور ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ فوت ہو جائیں گے اور ان کے بیٹے بھی نہیں لہذا دین بھی خود بخود ختم ہو جائے گا تو ان کے جواب میں کہا گیا ہے کہ آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ زندہ رہ جائیں گے؟ یہ کسی کی موت پر خوشی کیوں منے ہیں اپنی فکر کریں اس صورت میں سوال ہی وارد نہیں ہوگا اور نہ جواب کی کوئی ضرورت ہے

**اعتراض:** ”میت“ مشتق ہے جس کا مبداء اشتقاق موت ہے قانون یہ ہے کہ مشتق کو جب کسی قضیہ میں محمول بنایا جائے تو وہ مبداء کے ساتھ قیام کو چاہتا ہے اس ضابطہ کے پیش نظر عیسیٰ علیہ السلام پر موت کا واقع ہونا بھی ثابت ہوا۔

**جواب:** قیام مبداء کا وقت تحقق مضمون قضیہ ضروری ہوتا ہے نہ وقت صدق قضیہ۔

(شمس الہدایہ ص ۷۷)

یعنی جس وقت اس حکم نے واقع ہونا ہے اس وقت مشتق کا قیام مبداء سے ضروری ہوتا ہے۔

اور یہ بات درست ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے وقت میں موت آئی ہے آپ نے میت بننا ہے اس وقت میت کا قیام موت سے ہی ہوگا یہ کوئی ضروری نہیں کہ جب قضیہ عامہ بولا جائے اسی وقت محمول کا قیام موضوع سے ہو اور مشتق کا قیام مبداء اشتقاق سے ہو۔

**اعتراض:**

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۖ أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾

(پ ۱۸ سورۃ النحل آیت ۲۰-۲۱)

اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں مانتے وہ خود بنائے ہوئے ہیں مردے ہیں



زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کے سوا سارے معبود مر چکے ہیں زندہ نہیں چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لوگوں نے معبود مانا اور وہ بھی اللہ کے سوا معبودوں میں داخل ہیں اس لئے وہ مر چکے ہیں زندہ نہیں۔ واضح ہوا کہ یہ آیت وفات مسیح پر دلالت کر رہی ہے۔

**جواب :** یہ آیت سورۃ نحل کی ہے جس کا نزول مکہ (زادھا اللہ شرفاً و تکریمًا) میں ہوا ہے اس لحاظ سے من دون اللہ سے مشرکین مکہ کے معبود ہیں حضرت ابن عباس "اموات" کی تفسیر میں "اصنام اموات" تحریر فرماتے ہیں یعنی بت تو خود بے جان ہیں۔

(شمس الہدایہ ص ۷۷)

خیال رہے کہ راقم نے اپنی کتاب "شمع ہدایت" میں اس آیت کی تفسیر میں مودودی صاحب سے جو غلطیاں ہوئیں ہیں یاد دیدہ دانستہ غلط تفسیر کی اس کا تفصیلی رد کیا ہے۔

**اعتراض :** قانون یہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا اس قانون کے پیش نظر تو یہ چاہئے کہ من دون اللہ سے مطلق معبودان باطلہ مراد ہوں بتوں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں اس لحاظ سے تو مسیح بن مریم بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہوں گے یعنی مر چکے ہیں۔

**جواب :** اگر اس آیت میں حکم کو بتوں کے ساتھ خاص نہ کیا جائے تو ملائکہ بھی اس میں داخل ہوں گے کیونکہ ان کو بھی لوگوں نے معبود مانا تو اس طرح وہ بھی اللہ کے سوا معبود ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتے سب مر چکے ہوں اس طرح جبرائیل بھی مر چکے ہوں گے اس سے تو زیادہ مصیبت مرزا صاحب پر ہی پڑے گی کہ ان کا دعویٰ شروع سے ہی باطل ہو جائے گا کیونکہ وحی تو تمام انبیائے کرام کے پاس جبرائیل ہی لاتے رہے جب ان کو ہی مردہ قرار دے دیا گیا تو مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت خود بخود باطل ہو گیا۔

اگر بالفرض اللہ کے سوا تمام معبود مراد لینے ہوں تو جب قضیہ مطلقہ عامہ مانا جائے تو پھر صرف اتنا ہی ثابت ہو گا کہ اپنے اپنے وقت پر ان کو موت آئی ہے اس طرح عیسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ آیت صادق آئے گی کیونکہ ان کو بھی موت اپنے وقت پر آئی ہے اور فرشتے بھی اس میں داخل ہو سکیں گے کیونکہ نفخ صور



پر ان کو بھی موت آنی ہے لیکن اس سے مرزا صاحب کا مقصد ثابت نہیں ہو سکے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو مر چکے ہیں اور میں مسیح موعود ہوں۔

(از شمس الہدایہ ص ۷۷)

**اعتراض :** رب تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

(ب ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴)

نبی کریم ﷺ سے پہلے سارے رسول وفات پا چکے ہیں۔

یہ تمام رسولوں کے متعلق ہے جن میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اس سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

**جواب :** معترضین نے ”خلت“ کا معنی ”توفت“ (فوت ہو گئے) کیا ہے جو غلط ہے ؛ کیونکہ یہ معنی کرنے سے دو آیتوں میں صریح طور پر تناقض لازم آئے گا اس لئے کہ ایک آیت میں فرمایا :

﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ﴾

(ب ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳)

اور دوسری آیت میں فرمایا :

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

(ب ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۲۳)

اگر ”خلت“ کا معنی موت کیا جائے تو پہلی آیت کا معنی یہ ہو گا سنت خداوندی مرچکی اور معدوم ہو گئی حالانکہ دوسری کا مفاد یہ ہے کہ سنت الہیہ متغیر نہیں ہوتی یعنی ہمیشہ اپنے حال پر باقی رہتی ہے اس لئے یہ بھی صحیح ہے کہ

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ کا ترجمہ یہ ہے ان سے پہلے اور رسول ہو چکے (گزر گئے)

(ب ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴)

اور ﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ﴾

(ب ۲۴ سورۃ المؤمن آیت ۸۵)

کا ترجمہ یہ ہے اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا۔



توجہ سے سنئے کہ ”خلت“ مشفق ہے ”خلی“ سے جس کا معنی ہے تنہا ہونا جیسا کہ :

﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ﴾

(ب ۱ سورۃ البقرہ آیت ۱۴)

میں یہی معنی ہے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں۔

اور دوسرا معنی گزرنا ہے اور یہ معنی زمانہ کی صفت بالذات ہوتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے السّنة الماضيّة گزشتہ سال اور قرون خالیّة (گزرے ہوئے زمانے) اور یہ معنی زمانے کی صفت بالعرض ہوتا ہے یعنی جو اشیاء زمانہ میں موجود ہوتی ہیں ان کو بھی ظرفیت و مظروفیت کے تعلق کی وجہ سے گزرا ہوا کہہ دیا جاتا ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہو گا ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں اس معنی کے لحاظ سے جو فوت ہو چکے ہیں ان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ گزر چکے ہیں اور جو رسالت سے فارغ ہو چکے ہیں اور زمین سے آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں یعنی ابن مریم ان کے متعلق بھی کہا جاتا سکتا ہے وہ گزر گئے ہیں جیسا کہ عام محاورہ میں کہا جاتا ہے ”فلاں حاکم شہر میں تحصیلدار ہو گزرا ہے“ یہ محاورہ دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے اگر وہ مر گیا ہو پھر بھی اور اگر وہ ملازمت سے فارغ ہو چکا ہو تو پھر بھی۔

(ماخوذ از شمس الہدایہ ص ۷۸)

**اعتراض :** اس کے بعد ذکر ہے :

﴿أَفَانِ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾

(ب ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴)

کیا وہ (نبی کریم ﷺ) اگر انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

یہ قرینہ ہے کہ ”قد خلت“ میں بھی معنی موت ہی لیا جائے یعنی حضور سے پہلے اور تمام رسول فوت ہو گئے۔

**جواب :** افان مات چونکہ بمقابلہ او قتل کے واقع ہوا ہے لہذا مات سے مراد موت حتف انفہ ہوگی یعنی اپنے آپ مرنا بغیر کسی کے قتل کرنے کے یہ بات سمجھ کر انصاف سے خود ہی بتایا



جائے کہ اگر افان مات کو قرینہ ارادہ معنی موت پر ”قد خلت“ سے ٹھہرائیں تو ضرور قد خلت سے مراد بھی موت حتف انفہ یعنی موت طبعی ہوگی اس طرح (معاذ اللہ) ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ کا کاذب ہونا لازم آئے گا؛ کیونکہ تمام انبیائے کرام طبعی موت نہیں فوت ہوئے بلکہ کوئی اپنی طبعی موت فوت ہوئے اور بعض کو شہید کیا گیا۔ اور اگر خلت کا معنی مطلق موت لے بھی لیا جائے تو دوسری آیت ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ﴾ اس کے عموم کے لئے مخصوص ہوگی یعنی دوسرے انبیائے کرام تو دنیا سے رخصت ہو گئے فوت ہو گئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمانوں پر اٹھالیا اسی طرح قرآن پاک کو کئی آیات مبارکہ کو دوسری آیات سے خاص کیا گیا ہے۔

جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ (ب ۲۹ سورۃ المرسلات آیت ۲۰).....

اور ایسا..... خَلَقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ☆ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿

(ب ۳۰ سورۃ الطارق آیت ۶-۷)

یہ دونوں آیتیں عام مخصوص البعض ہیں یعنی ان آیات میں انسان کی پیدائش کا ذکر کیا گیا کہ اسے منی سے پیدا کیا گیا ہے حالانکہ یہ حکم آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو شامل نہیں کیونکہ ان کو منی (نطفہ) سے پیدا نہیں کیا گیا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نفخ جبریل سے پیدا کیا گیا ہے اس مثال سے اب سمجھنا ہوگا کہ :

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾

(ب ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴)

آیت بھی مخصوص البعض ہے کیونکہ ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ اور دوسری آیات جن سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت ہے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ حکم دوسرے انبیائے کرام کے لئے ہے حضرت مسیح کے لئے نہیں۔

(از شمس الہدایہ ص ۷۹)

اعتراض : اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی :

﴿فِيهَا تَخْيُونَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ﴾

(ب ۸ سورۃ الاعراف آیت ۲۵)



زمین میں ہی تم کو زندہ رہنا ہے اور اس میں ہی تمہاری موت آتی ہے۔

بہت بڑی دلیل ہے کہ انسان کے رہنے کے جگہ صرف زمین ہی ہے اور کوئی جگہ رہنے کی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر کیسے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

**جواب :** اصل تو یہی ہے کہ انسان کے رہنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن عارضی طور پر کسی کو آسمانوں پر رب تعالیٰ خود رکھے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جیسا کہ ملائکہ کا اصل رہنے کا مقام آسمان ہیں لیکن ان کی آمد و رفت زمین پر بھی رہتی ہے جب فرشتوں کا زمین پر آنا جانا منع نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا کیونکر منع ہو سکتا ہے؟

اس سے واضح ہوا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی بنسبت استقرار اصلی کے ہے اور دوسری آیت ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ﴾ سے بظاہر جو سمجھ آرہا ہے کہ اس میں لام تخصیص کا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا زمین میں رہنا خاص ہے اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تمہارا رہنے کا مقام زمین کو بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی لازم نہیں کیونکہ ایک چیز کو کسی کے لئے بنایا گیا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس سے جدا نہ ہو۔

جیسا کہ : ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾

(پ ۳۰ سورۃ النبا آیت ۱۰-۱۱)

رب تعالیٰ نے رات کو لباس بنایا اور دن کو معاش۔

یعنی رات سونے کے لئے بنائی ہے اور دن روزی کمانے کے لئے حالانکہ بعض اوقات انسان رات کو کام کرتا ہے اور دن کو سوتا ہے تو مقصد یہ نکلا کہ عمومی طور پر رات سونے کے لئے اور دن روزی کمانے کے لئے ہے لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ایسے ہی زمین رہنے کے لئے عمومی طور پر مختص ہے لیکن کسی کو رب تعالیٰ خود آسمانوں میں ٹھہرا لے تو اس میں کسی کو کلام کرنے کی کیا مجال ہو سکتی ہے۔

(از شمس الہدایہ ص ۷۹)





## عقیدہ ختم نبوت :

مفسر قرآن مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیر ویدھ س سرہ نے ﴿ما کان محمد الخ﴾ کی تفسیر میں عقیدہ ختم نبوت پر خوب بحث فرمائی ، صحیح بات یہ ہے کہ ضیاء القرآن کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان افروز تفسیر ہے ، محبت و عرفان کا خزانہ ہے ، اللہ پیر صاحب کی اس سعی جمیل پر آپ کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾

(پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ کے رسول ہونے کا اعلان فرمایا بے شک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں رسول کی نگاہ کرم سے امتی کا جسم اور روح ظاہر اور باطن دل اور عقل سب فیضیاب ہوتے ہیں باپ کی شفقتیں روز حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دیناوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ☆ وَأُمِّهِ وَأَبْنَيْهِ ☆ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾

(پ ۳۰ سورۃ العنکبوت آیت ۲۴-۲۵-۲۶)

محشر کے دن انسان اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور زوجہ اور بیٹوں سے بھاگے گا۔

لیکن رسول کے لطف و عنایت سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا امتی شاد کام ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور اتنی تندہی سے امت کے سامنے دین اسلام کے ساری گوشے آشکارا کرنے کی شدید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور حضور ہی اس سلسلہ ذہبیہ (ختم نبوت کا سلسلہ) کی آخری



کڑی ہیں تو آپ کی محبت اور الفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے ساری بری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دور جاہلیت کی فتنیج رسموں کو نہ مٹایا گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے اتنی محبوبیت، اتنی جامعیت اور اتنا تقدس کہاں پایا جائے گا تاکہ اس کے اشارہ اور پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

### ختم نبوت کا عقیدہ :

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے اگرچہ بد قسمتی سے امت اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن و سکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ فساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعویٰ کیا اس کی مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے اس جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا مسلمانوں نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چھین کا سانس لیا جب اس جھوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اتار دیا بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے۔ جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدیق اکبر نے اتنی قربانی دے کر بھی اس فتنہ کو کچلنا ضروری سمجھا آپ نور صدیقیت سے دیکھ رہے ہیں کہ اگر ذرا تساهل برتا تو یہ امت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں امتوں میں بٹ جائے گی، ہر امت کا اپنا نبی ہو گا اور وہ اس کی شریعت اور سنت کو اپنائے گی اس طرح اس رحمة للعالمین کے زیر سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیت کے اتحاد کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی اور

”انی رسول اللہ الیکم جمیعا“ بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔



کاسانا منظر کبھی بھی نظر نہیں آئیگا ناظرین کو یہ بات بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ مسلمانہ حضور ﷺ کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ اپنے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ وہ حضور کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں اس نے جو عریضہ ارسال خدمت کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :

”من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ“

کہ یہ خط مسلمانہ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔

علامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو اذان مروج تھی اس میں ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ بھی کہا جاتا تھا بایں ہمہ حضرت صدیق نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل جہنم کر کے آرام کاسانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے طالع آزما یافتہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرات کی تو اس کو قتل کر دیا گیا۔ انگریز کی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا اسی طرح ایک ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجہ کا وفادار تھا، ملکہ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے، جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا، سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے۔

انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے بے جانوازشات کے دروازے کھول دیئے ہر مرزائی کے لئے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے



اچھی ملازمتیں مختص کردی گئیں سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی بے شک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ان کے متفقہ علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دل جمعی سے انجام دے سکتا تھا اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لئے تیار نہیں تھا مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گونا گوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اور قطعی اجماع ہو رہا ہے جس طرح ایک مسلمان کے لئے اللہ کی توحید قیامت حضور کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لئے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرات آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح و بسط سے لکھا جائے تاکہ حضور کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے رہے۔ وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کامل ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں، ہمیں ان کے لئے ملول نہیں ہونا چاہئے، نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس کی رسول کو۔ ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے۔

حضور سرور عالم سیدنا محمد ﷺ سب سے آخری نبی ہیں حضور کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ



کرتا ہے اور جو بد نعت اس کے دعویٰ کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے اور سزا کا مستحق ہے، جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی ہے۔

اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور ارشاد خداوندی ہے

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴾

(ب ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب مکرم کا اسم گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیائے کرام کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں جب مولائے کریم جو ﴿ بکل شئی علیم ﴾ ہے نے یہ فرمایا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں تو حضور کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا اس نے اللہ کے اس ارشاد کی تکذیب کی اور جو شخص اللہ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

خاتم النبیین کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہل لغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے اس وقت میرے پاس لغت کی دوسری کتب کے علاوہ الصحاح، الجوہری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لغت عرب کی امہات الکتاب میں ہوتا ہے۔ آئیے ان کے مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔

ایک چیز پیش نظر رہے کہ صحاح کے مولف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سن ولادت ۳۳۲ھ اور سال وفات ۳۹۳ھ یا ۳۹۸ھ ہے اور لسان العرب کے مولف علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری کا سن ولادت ۶۳۰ھ اور سال وفات ۷۱۱ھ ہے۔ یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت سے صد ہا سال پہلے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے کہ ان کا قول حجت نہ رہے بلکہ ان کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمائیے :



”ختم اللہ لہ بخیر“ خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے۔

”وختمت القرآن بلغت آخره“ یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ لیا۔

”اختتمت الشئ نقيض افتحته“ افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔

والخاتم والخاتم بكسر التاء وفتحها والختام والختام كله بمعنى وخاتمة الشئ آخره۔

یعنی خاتم بالفتح خاتم بالكسر ختام اور ختام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے آخر کو خاتمة الشئ کہتے ہیں۔

ومحمد ﷺ خاتم الانبياء عليهم الصلوة والسلام۔

حضور ﷺ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔

علامہ ابن منظور لسان العرب لکھتے ہیں :

خاتم الوادی اقصاه وختام القوم وخاتمهم وخاتمهم اخرهم ومحمد ﷺ

خاتم الانبياء عليه وعليهم الصلوة والسلام۔

وادی کے آخری کونہ کو ختام الوادی کہتے ہیں قوم کے آخری فرد کو ختام خاتم بالفتح اور خاتم بالكسر

کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو خاتم الانبياء فرمایا گیا ہے۔

لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے :

والخاتم والخاتم من اسماء النبي ﷺ وفي التنزيل العزيز ولكن رسول الله

وخاتم النبيين اي آخرهم ومن اسمائه العاقب ايضا ومعناه اخر الانبياء۔

یعنی خاتم اور خاتم نبی کریم ﷺ کے اسماء گرامی میں سے ہیں قرآن مجید میں ہے :

﴿وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾

(پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

یعنی سب نبیوں کے پیچھے آنے والا اور حضور کے اسماء میں سے ”العاقب“ بھی ہے اس کا معنی

آخر الانبياء ہے اہل لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا

معنی آخری ہے اس معنی کی تائید کے لئے اہل لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔



یعنی اہل جنت کو جو مشروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختم نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی (مہر لگانا) مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریف قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے آیت کا یہی معنی ابلاغ اور شان رسالت کے شایان ہے کہ حضور ﷺ انبیائے کرام پر مہر لگاتے ہیں جس پر حضور نے مہر لگادی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ لگائی وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مرقوم (لکھا ہوا) ہے لیکن انہوں نے تصریح (وضاحت) کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر (اصرار کرنے والے) ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا انہوں نے مہر ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ کارڈ پر مہر ٹپھہ لگایا اور اسے آگے بھیج دیا، یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کر دی اور اسے مناسب کارروائی کے لئے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا، حالانکہ مہر کا جو مفہوم اہل لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔

آئیے ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں لسان العرب میں ہے :



ختمہ یختمہ ختما و ختاماً طبعہ فہو مختوم و مختم شدد المبالغۃ .  
یعنی ختم کا معنی مہر لگانا ہے اور جس پر مہر لگادی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر  
مختم کہتے ہیں ۔

اسکے بعد لکھتے ہیں :

ومعنی ختم و طبع فی اللغة واحد وهو التغطية علی الشیء والاستیثاق عن  
ان لا یدخلہ شئی کما قال جل وعلا ﴿ ام علی قلوب اقفالہا ﴾  
اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سنئے یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ  
کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے  
داخلہ کا امکان ہی نہ ہو ۔

پہلے زمانہ میں خلفاء امراء سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی  
تھیلی میں رکھ کر سرنمبر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا ہے اب اس کو سرنمبر کر دیا ہے تاکہ اس مہر کی موجودگی  
میں اس میں کوئی رد و بدل نہ کر دے اگر کوئی رد و بدل کرے گا تو وہ پہلے مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اس  
صورت میں خاتم النبیین کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا حضور ﷺ کی تشریف آوری  
کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگادی گئی تاکہ کوئی کذاب، دجال اس میں داخل نہ ہو سکے اگر کوئی  
شخص زبردستی اس زمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا پکڑا جائے گا اور اسے جہنم  
کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس  
سلسلے میں بھی قول فیصل اور حرف آخر حضور کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی  
تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں :

آئیے اب احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم  
الانبیاء ﷺ نے خاتم النبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے ۔



خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے لئے بے شمار صحیح احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں جن کے دلوں میں ہدایت کی پچی طلب ہوگی، مولیٰ کریم اپنے حبیب رؤف رحیم ﷺ کے طفیل و ہدایت کی راہیں ان کے لئے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دست گیری کرے گی۔

۱. ”قال النبی ﷺ ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ویعجبون له ویقولون هل لا وضعت هذه اللبنة فانا اللبنة وانا خاتم النبیین“

(بخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کہ جگہ چھوٹی ہوئی ہے لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اگر آپ اس حدیث میں غور کریں تو بلاغت نبوی کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا جب ایک عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلے اینٹوں میں سے ایک اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے قصر نبوت مکمل ہو گیا اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں سوائے اس کے کہ سابقہ انبیاء کرام میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لئے جگہ بنائی جائے کیا کوئی عقل سلیم اس کو گوارا کرے گی؟ قصر نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختم نبوت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم



نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المناقب اور ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے :

۲: ”ان رسول اللہ ﷺ قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق كافة وختم بی النبیون“

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا : مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی :

- (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی مختصر الفاظ اور معانی بحر ناپید اکنار۔
  - (۲) رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی (۳) میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا
  - (۴) میرے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔
  - (۵) مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا۔
  - (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔
- ۳: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

”قال رسول اللہ ﷺ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی بعدی“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میری بعد کوئی رسول آئے نہ کوئی نبی۔

سرور عالم کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعویٰ کو تسلیم کرنا سراسر کفر و الحاد ہے۔

۴: ”قال رسول اللہ ﷺ ان الله لم یبعث نبیا الا حذر امته الدجال وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم وهو خارج فیکم لا محالة“

(ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ تک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال



سے نہ ڈرایا ہو بے شک میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو وہ لامحالہ تم میں ہی آئے گا۔

اس حدیث سے جس طرح حضور ﷺ کا آخر الانبیاء کا ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور ﷺ کی امت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

۵: امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے :

” قال النبی ﷺ لو کان بعدی لکان عمر بن الخطاب “

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن خطاب نبی ہوتے۔

۶: امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشاد نبوی نقل کیا :

” قال رسول اللہ ﷺ لعلی انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبی بعدی “

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا آپ کچھ پریشان ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی مگر میری بعد کوئی نبی نہیں۔

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے :

۷: ” عن ثوبان قال رسول اللہ ﷺ وانه سيكون في امتي كذابون ثلاثون

كلهم يزعم انه نبي وانا خاتم النبيين لا نبی بعدی “

حضرت ثوبان سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

علامہ ابن کثیر متوفی (۷۷۴ھ) متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

” فقد اخبر الله تعالى في كتابه ورسوله ﷺ في السنة المتواتره عند انه لا نبی

بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افك دجال ضال

مضل “



یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم ﷺ نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے جھوٹا ہے دجال ہے گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی (۱۲۷۰ھ) روح المعانی میں لکھتے ہیں :

”وكونه ﷺ خاتم النبیین مما نطق به الكتاب وصرحت به السنة واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان اصر“

یعنی حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن و سنت نے کی ہے جس پر امت کا اجماع ہے پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعویٰ پر مصر رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن حبان اندلسی متوفی (۷۴۵ھ) اپنی تفسیر بحر محیط میں رقم طراز ہیں :

”ومن ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع اوالى ان الولي افضل من النبي فهو زنديق يجب قتله وقد ادعى ناس النبوة فقتلهم المسلمون على ذلك وكان في عصرنا شخص من الفقراء ادعى النبوة بمدينة مالقة فقتله السلطان بن الاحمر ملك الاندلس بغرناطة وصلب حتى تناسر لحمه“

یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندقہ ہے اور واجب القتل ہے آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی پر چڑھا دیا وہ اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں کیونکہ قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔



## ختم نبوت کے عقلی دلائل :

جب حضور ﷺ کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے جب حضور پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی معمولی سی تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے جب سرور عالم ﷺ کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی تشریح و توضیح کر رہی ہے جبکہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتی ہے جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے :

﴿ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

الاسلام دیناً ﴾

(پ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا ۔

تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے آفتاب محمدی طلوع ہو چکا عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے ۔

مزید غور فرمائیے نبی کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا کہ نبی آیا جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے کوئی کتنا ہی نیک پاک باز پارسا اور عالم باعمل ہو اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور کفار و مشرکین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ۔

اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجئے :

مسلمانوں کی تعداد اعداد شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے (اب تقریباً پچیس فیصد کا اضافہ



ہو چکا ہے)۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں تمام انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں قیامت کی آمد کے قائل ہیں عملی طور پر غافل و کاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں ضروریات دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند، عبادات کے سختی سے پابند رہے، ان کے اخلاص و للہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اس پاک امت میں آکر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے اور چلو بعض میں ہم عملی کوتاہیاں تسلیم کرتے ہیں لیکن کم از کم نعمت ایمان سے تو وہ بہرور تھے اب حقیقت حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجال اور کذاب قرار دیا نبی کو ماننا اسلام ہے اور انکار کفر ہے۔

مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے اسلام میں رکھا تو یہ ساری بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کفر میں مبتلا ہو گئے صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں رشوت لینے والوں اقربا نوازی اور مرزائیت پروری کی قربان گاہ لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے ان میں اکثر بے نماز داڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکر موجود ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لئے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تاکہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پیڑاپنے خنک سایوں میٹھے پھلوں رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھر مٹ پر گلشن اسلام کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے متقیوں



پر ہیز گاروں عالموں اور عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے مرزا صاحب کے امتی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

(اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ ایمان شرط اول ہے اس کے بعد اعمال کا اعتبار ہوتا ہے کلمہ پڑھ کر جب کسی کو مرزا کی نبوت کا قائل کرنا ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے مرتد بنانا ہے اور یہ کام تو حضور ﷺ کے زمانہ کی یہودیوں نے بھی کیا

﴿وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ﴾  
(پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۷۲)

اور کتابیوں کا ایک گروہ بلا جو ایمان والوں پر اترا صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ۔

اس سے واضح ہوا کہ یہودی بھی اپنے دوسرے یہودیوں کو ایمان لانے اور مرتد ہونے کی تبلیغ کرتے تھے یہی کام مرزا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بھی کیا کہ غیر مسلموں کو اپنے جال میں پھنسا کر بظاہر کلمہ پڑھایا اور درحقیقت انہیں مرتد کیا مرزا کو نبی ماننے والا مسلمان کب ہو سکتا ہے۔

تم تو مرزا صاحب کو اس لئے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا، ہم اولیائے کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا خواجہ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری نے لاکھوں مشرکوں کے زنا توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہ الہی میں شرف سجود بخشا۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویری نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا، وہ آج بھی لہرا رہا ہے اور لاکھوں خفتہ بختوں کو خواب غفلت سے جگا رہا ہے مشائخ چشت اور دیگر اولیاء



کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور فرشتہ صفت مرید بنائے ان کے مقابلہ میں ساری امت مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں ان کا رہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نبوت کا دعویٰ کیا نہ مہدیت کا نہ مسیحیت کا نہ ظلی کا نہ بروزی کا بلکہ اپنے آپ کو غلامانِ مصطفیٰ ہی کہا اور اسی کو اپنے لئے باعثِ صداقت اور موجبِ سعادت سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لئے بڑا دور کا چکر کاٹنا پڑا، آخر کار آپ کی یہ سر یہاں آکر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آئیں گے۔ میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیح موعود کہنا شروع کر دوں تاکہ مجھے لوگ مسیح مان لیں، لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں ان کی زندگانی میں میں مسیح کیسے بن سکتا ہوں، خیال آیا کہ پہلے مسیح کو مردہ ثابت کرو جب وہ مردہ قرار پائے تو پھر میرے لئے میدان صاف ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفاتِ مسیح ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بیشک رحمتِ عالم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے جن احادیث میں نزولِ مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجہ تو اتر کر پہنچی ہوئی ہیں۔ آئیے آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجئے! آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبی برحق نے کوئی مہم پیش گوئی نہیں کی، کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی، جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس کا نام بتایا، اس کی والدہ کا نام بتایا، اس کے لقب سے خبردار کیا، اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا، جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا اس کی تفصیل بیان فرمادی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرمادیا اور اس کا حلیہ بھی بیان فرمادیا۔

اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من و عن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الا اعتبار قرار دینا پڑیگا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب ادھی بات تو



مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے امام بخاری نے کتاب المظالم باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں :

” لا تقوم الساعة حتی ینزل عیسیٰ بن مریم “

اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو ۔

مشکوۃ المصابیح میں حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے :

” فبینما هم یعدون للقتال یسرون الصفوف اذا اقيمت الصلوة فینزل

عیسیٰ بن مریم فامهم فاذا راه عدو الله یدوب کما یدوب الملح فی الماء

فلما ترکه انذب حتی یهلك ولكن یقتله الله بیده فیریهم دمه فی حربته “

حضور نے خروج دجال کے بعد ذکر فرمایا اس اثناء میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر

رہے ہوں گے ، صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ

حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت کرائیں گے اور دشمن خدا دجال

ان کو دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ

دیں گے تو وہ از خود پگھل کر مر جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا

اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے۔

(یہ اترنے کے بعد دوسری نماز پڑھانے کا ذکر ہے کیونکہ اترتے ہی پہلی نماز آپ نہ پڑھائیں گے

بلکہ وہ امام مہدی پڑھائیں گے جیسے کہ دوسری روایت میں وضاحت موجود ہے۔)

” عن جابر عن عبد الله قال سمعت رسول الله ﷺ ینزل عیسیٰ بن مریم

فیقول امیرهم تعال فصل فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الله

هذه الامة “

(مسلم بیان نزول عیسیٰ بن مریم ، مسند احمد ، مرویات جابر بن عبد الله)

حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا



عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا کہ حضور تشریف لائے اور امامت فرمائیے تو آپ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض دوسروں کی امیر ہیں یہ ان کی طرف سے اس امت کی تکریم کے طور پر ہے۔ (اس حدیث کی وضاحت پہلے ذکر کے جا چکی ہے۔)

”عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال لیس بینی و بینہ نبی (یعنی عیسیٰ) و انہ نازل فاذا رأیتموہ فاعرفوہ رجلا مربوعا الی الحمرة والبیاض بین معصفرتین کان رأسہ یقطر وان لم یصبہ بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیہ فی الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویهلك الله فی زمانہ الملل کلہا الا الاسلام ویهلك المسيح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنة ثم یتوفی فیصلی علیہ المسلمون“

(ابو داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال، مسند احمد، مرویات ابی ہریرۃ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں یعنی جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا ان کا قد درمیانہ ان کی رنگت سرخ و سفید و زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا ان سے اب پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیجے ہوئے نہ ہوں گے وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے خنازیر کو مار ڈالیں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام ملتوں کو ختم کر دے گا اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے اور وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے اور پھر وہ وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔

”عن النواس بن سمعان (فی قصة الدجال) فینما هو کذاک اذا بعث الله مسیح بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین مهر و ذنین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین اذا طأطأ رأسہ قطر واذا رفعہ تحدر منه جمان کاللولؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه الامات ینتھی الی حیث ینتھی طرفہ فیطلبہ حتی یدر کہ بباب لد فیقتلہ“



(مسلم ذکر الدجال، ابو داؤد کتاب الملاحم، ترمذی ابواب البقین)

حضرت نواس بن سمرعان نے دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اس اثناء میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصہ سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہو گا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے ان کے سانس کی ہوا جس کا فریاد پہنچے گی اور وہ ان کی حد نظر تک جائے گی اور وہ زندہ نہ پئے گا پھر ابن مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور (مقام لد) کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

آخر میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے :

”عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ عن النبي ﷺ عصابة من امتي احرزهما الله تعالى من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليه السلام“

(نسائی کتاب الجہاد، مسند احمد، مرویات ثوبان)

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرمایا ان میں مسیح موعود کا حلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقت نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں، اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چک بنے رہے، اور اس کی خیرات پر پلتے رہے، اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے۔ ساری دنیا کو دار اسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دور کی بات خدائے مصطفیٰ جل و علا، ﷺ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں ان کی نادانی قابل افسوس ہے۔



اللہ تعالیٰ جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذات پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لئے اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں یوں نہیں کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آئیو الے حالات سے بے خبر ہے مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے بلکہ یہ فیصلہ اس ذات والا صفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالم انسانیت کی فلاح و بقا کا انحصار ہے اس لئے اس کے فیصلے اٹل ہیں وہ منسوخ نہیں ہو سکتے ان میں کسی قسم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

(از ضیاء القرآن)

اس مسئلہ پر مزید تحقیق حاصل کرنی ہو تو سید اولیاء حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کی تصنیف شمس الہدایتہ اور سیف چشتیائی کا مطالعہ کرے ان شاء اللہ تعالیٰ سکون قلب حاصل ہو گا اور برکت بھی حاصل ہو گی۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باطل نظریات :

ایک فرقہ نے آپ کو رب تعالیٰ کا جز مانا انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا : ﴿وَرُوحٌ مِنْهُ﴾ عیسیٰ علیہ السلام اس کی روح ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ اس کی جز اور حصہ ہیں کیونکہ منہ کا معنی ہی یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ ہیں یہ نظریہ باطل ہے آپ کو روح کہنے کی وجہ یہ ہے :

”سمی علیہ السلام روحاً لانه حدث عن نفخة جبریل علیہ السلام فی درع مریم علیہ السلام بامرہ سبحانہ“

(روح المعانی ب ۶ ج ۴ ص ۲۵)

آپ کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے آپ پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونکا تھا۔



چونکہ عربی میں روح بمعنی نفخ (پھونکنا) کے بھی آتا ہے جیسے ذوالرمہ نے آگ کو پھونکیں مار کر بھڑکانے کے متعلق کہا :

واحیہا بروحک۔ اپنی پھونک سے آگ بھڑکاؤ۔

واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے نفخ جبرائیل کا وقوع ہوا اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر دیا۔

بعض نصرانیوں کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے من تبعیضیہ مانا ہے حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔

وہی لا بتداء الغایۃ مجازا لا تبعیضیۃ کما زعمت النصارى۔

اس مقام پر من ابتداء وغایت کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوا ہے من تبعیضیہ نہیں جیسے نصاریٰ نے گمان کیا ہے۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں طبیب نصرانی جو اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا اس سے علی بن حسین واقدی مروزی کا مناظرہ ہوا، عیسائی نے کہا تمہاری کتاب (قرآن پاک) میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو ہمارے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں اس نے بطور دلیل یہ الفاظ تلاوت کئے :

روح منہ کہ یہاں لفظ ”منہ“ استعمال ہے جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔

واقدی نے جواب دیا کہ یہاں من ابتداء غایت کیلئے استعمال ہے اور رب کی طرف نسبت تشریفی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی ..... ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ ..... میں تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ کی جزیبنا لازم آئے گا، حالانکہ اس کے تم بھی قائل نہیں۔ آپ کے اس جواب پر نصرانی لا جواب ہو گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا اس نے علامہ واقدی کو بہت زیادہ انعام سے نوازا۔



**فائدہ :** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح کہنے کی اور بھی وجوہ ہیں روح بمعنی رحمت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ﴾ رب تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے تقویت پہنچائی روح بمعنی وحی بھی آتا ہے یعنی حضرت مریم کو الہام کے ذریعے بشارت دی۔

جب کوئی چیز بہت زیادہ پاک صاف ستھری ہو تو اسے روح کہہ دیا جاتا ہے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر نطفہ کے نفخ روح سے ہوئی اس لئے آپ کو روح سے تعبیر کر دیا گیا۔

روح کا معنی راز اور نشانی بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

روح هذه المسألة كذا .

اس مسئلہ کا راز اس طرح ہے عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اسلئے آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے ۔

”روح منہ“ میں روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے جس طرح تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ۔

”رجل اللہ“ اللہ تعالیٰ کا مرد آپ کے عصا کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا گیا ہے قضیب اللہ، اللہ تعالیٰ کی ٹہنی اور شلیم کو کہا گیا ۔

”بیت اللہ“ اللہ تعالیٰ کا گھر ان تمام الفاظ میں اضافت تشریفی پائی گئی ہے۔

(از روح المعانی ج ۴ ص ۲۵)

**تشلیث کے قائلین :**

نصاری تشلیث کے قائل ہیں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً﴾ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں



بعض محققین نے کہا ہے کہ نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جوہر ہے یعنی قائم بذاتہ ہے کسی چیز کا محتاج نہیں کسی جہت سے خاص نہیں اس کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور وہ حوادث کو بذاتہ قبول نہیں کرتا اس پر حدوث و عدم متصور نہیں وہ جوہریت کے لحاظ پر ایک ہے اور اقنومیت کے لحاظ پر تین ہیں۔ وہ تین اقنوم مانتے ہیں: اقنوم اب، اقنوم ابن، اقنوم روح القدس۔

پہلے اقنوم اب سے مراد ذات یا وجود لیتے ہیں دوسرے اقنوم ابن سے مراد علم یعنی کلمہ ہے اور تیسرے اقنوم روح القدس سے مراد حیات لیتے ہیں۔

اقنوم کیا ہے؟

الاقنوم الشخص الاصل ج اقانیم (المنور) اقنوم کا معنی شخص اور اصل ہے۔

## ملکانیہ کا فرقہ کا قول:

ملکانیہ یہ کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم جوہر قدیم کا غیر ہیں اور ہر ایک ان میں سے الہ ہے وہ اقنوم جس کا نام کلمہ یا علم ہے وہ مسیح کے جسم سے متحد ہے اور اس اقنوم نے مسیح کے ناسوت کا لباس پہن لیا ہے اور اس سے ایسے مل جل گیا ہے جیسے پانی شراب سے مل جاتا ہے اور کثرت وحدت سے بدل گئی، یعنی مسیح جو انسان ہوئے تھے اور بحیثیت انسان ہونے کے کثرت پائی جاتی لیکن جب اقنوم علم سے اختلاط ہوا تو وحدت اتر گئی مسیح کا ناسوت کلی ہے جزئی نہیں وہ قدیم ازلی ہے مریم نے الہ ازلی کو جنم دیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ مریم انسان کلی ہے یا جزئی ہے، اس بات پر اتفاق ہے کہ لاهوت کا اتحاد مسیح سے ہے مریم سے نہیں۔

قتل اور سولی کا تعلق مسیح کے ناسوت اور لاهوت دونوں سے ہے اس فرقہ نے اب کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر اور ابن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا ہے۔



## نسطور حکیم کا قول :

نسطور حکیم مامون کے زمانہ میں ہوا یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے لیکن اقانیم ثلاثہ (تینوں اقنوم) اس کا عین بھی نہیں اور غیر بھی نہیں۔ اقنوم علم یا کلمہ کا مسیح کے جسم سے اتحاد نہیں اور نہ ہی ایسا امتزاج ہے جیسا کہ پانی کا شراب سے امتزاج ہوتا ہے بلکہ اس کو اشراقی حالت حاصل ہے جس طرح روشندان سے سورج کی شعاعیں کسی شیشے پر پڑیں تو ان کا عکس اس میں آجاتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی تجلیات نے مسیح کو صفات الوہیت سے متصف کر دیا۔

## بعض نسطوریہ کا قول :

کچھ نسطوریہ فرقہ سے اس طرف ہیں کہ تینوں اقنوموں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات سے متصف ہے حی (زندہ) ہے ناطق ہے (صفت ادراک و کلام جو اس کی شان کے لائق ہے) موجود ہے اسی فرقہ میں بعض نے اور صفات قدرت ارادہ وغیرہ بھی ثابت کی ہیں لیکن انہوں نے ان صفات کو مستقل اقنوم نہیں تسلیم کیا۔

## نسطوریہ میں سے ایک اور فرقہ :

ایک فرقہ کا قول یہ ہے کہ ابن ہمیشہ اب (باپ) سے متولد ہوتا ہے جب بیٹا یعنی مسیح کا تولد (پیدائش) ہوا تو وہ جسمانی لحاظ سے انسان ہوا اور صفت الوہیت اور صفت وحدانیت بھی اسے حاصل ہے یعنی اسے دو حیثیتیں حاصل ہیں ایک ناسوتی اور دوسری لاہوتی۔

ناسوتی لحاظ پر وہ حادث ہے اور لاہوتی لحاظ پر وہ خدائے کامل ہے ایک ذات کو مختلف دو حیثیتوں سے حادث اور قدیم ماننے سے قدیم کے قدیم اور حادث کے حدوث میں کوئی فرق نہیں پڑتا ان لوگوں کے قول کے مطابق سولی کا تعلق ناسوتی حالت سے ہے لاہوتی سے نہیں خیال رہے کہ صفت الوہیت کو لاہوتی اور صفت انسانیت کو ناسوتی حالت سے تعبیر کیا گیا ہے۔



## یعقوبیہ فرقہ :

یعقوبیہ فرقہ سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقنوم جسے کلمہ یا ابن کہا گیا ہے اس نے گوشت اور خون کی شکل اختیار کر لی اور خدا مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا ان کے نزدیک ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ﴾ بیشک اللہ مسیح بن مریم ہی ہے ۔

## یعقوبیہ میں بعض نے کہا :

جوہر الہ قدیم ہے اور جوہر انسان حادث ہے ان میں ایسا امتزاج پایا گیا ہے جیسے نفس ناطقہ کا بدن سے وہ دونوں مل کر ایک چیز بن گئے وہ مسیح بھی ہے اور وہی خدا بھی اس مذہب والے کہتے ہیں خدا انسان بن سکتا ہے لیکن انسان خدا نہیں بن سکتا جیسے کوئلہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ بن جاتا ہے لیکن آگ (شعلے) کوئلہ نہیں بنتی ان کے نزدیک لاہوت کا انسان سے اتحاد جزئی ہے کلی نہیں بے شک مریم نے خدا کو جنا اور قتل کیا اور سولی لاہوت اور ناسوت دونوں پر واقع ہوئے ہیں اگر ایک پر ان کا وقوع ہوتا تو اتحاد باطل ہو جاتا حالانکہ دونوں مل کر ایک جوہر بن چکے ہیں۔

## بعض اور نے کہا :

یعقوبیہ سے ہی بعض اس کے قائل ہیں کہ جس طرح فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اسی طرح خدا مسیح کی شکل میں نمودار ہوا۔

## ان میں سے کچھ اور نے کہا :

مسیح اپنے جوہ سے متحد ہے ایک لحاظ پر قدیم ہے اور ایک لحاظ سے حادث ہے ۔

## کچھ دوسرے حضرات نے کہا :

اس یعقوبیہ فرقہ سے کچھ حضرات نے کہا اقنوم کلمہ نے مریم سے کچھ حاصل نہیں کیا بلکہ وہ مریم



کے شکم سے ایسے ہی گزر کر آگیا جیسی پر نالہ سے پانی گزر آتا ہے۔

بعض نے یوں کہا :

اسی فرقہ سے کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اقنوم کلمہ مسیح کے جسم میں داخل ہو گیا وہ نشانیاں جو پہلے اقنوم کلمہ سے ظاہر ہوتی تھیں اب وہ مسیح کے جسم سے ظاہر ہونے لگیں لیکن کبھی کبھی وہ اقنوم جسم سے جدا بھی ہو جاتا ہے اسلئے اس پر آفات و آلام کا نزول بھی ہوتا ہے۔

(از روح المعانی ج ۴ پ ۶ ص ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے باطل فرقوں کا رد فرمایا :

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِيُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾

(پ ۱۰ سورۃ التوبۃ آیت ۳۰)

اور یہودی بولے عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے جتے ہیں، اگلے کافروں کی طرح بات بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں برباد کرے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والوں کا رد کیا اور فرمایا کہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے اپنے مونہوں سے من گھڑت باتیں بنانا کر جتے ہیں۔

من گھڑت کہاوتیں بنانا پہلے کافروں کا وطیرہ چلا آرہا ہے یہ بھی ان کی طرح ہی ہیں خدا ان کو برباد کرے یہ کدھر بھٹے جارہے ہیں ان کو سیدھی راہ نظر کیوں نہیں آتی۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ عِبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ أَنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ



وَمَا وَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿

(پ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۷۲)

بے شک کافر ہے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے بیشک اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر رب نے فرمادیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اور یہ اتنے بے سمجھ لوگ ہیں کہ انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود بنی اسرائیل کو یہ تبلیغ فرما رہے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو وہی ذات ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہی میرا بھی رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے اگر تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک مانا تو یاد رکھو کہ تم پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دے گا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا اور تم اس شرک کی وجہ سے ظالم ہو جاؤ۔ گے اور یہ تمہارا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تمہیں رب تعالیٰ کی مدد سے دور کر دے گا کیونکہ تمام مشرکوں کے لئے رب تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا

عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(پ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۷۳)

بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

اس آیت کریمہ میں تین خدا ماننے والوں کو رب تعالیٰ نے کافر قرار دیا اور یہ فرمایا کہ خدا تو ایک ہے یہ تین کیسے مان رہے ہیں اگر یہ تین خداؤں کی رٹ لگاتے ہی رہے اور باز نہ آئے تو ان کو ان کے صریح کفر کی وجہ سے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا



الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ  
فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ  
أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿

(پ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۷۱)

اے کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر نہ کہو مگر سچ، مسیح عیسیٰ مریم کا  
بیٹا، اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف  
سے ایک روح ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو، باز رہو  
(تین ماننے سے) اپنے بھلے کو (چاہو) اللہ تعالیٰ تو ایک ہی خدا ہے وہ اولاد سے پاک ذات  
ہے سب آسمانوں اور زمین کی چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کار ساز ہے۔

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کے عقیدہ کو غلو حد سے متجاوز کہا گیا ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کی طرف حق کے بغیر کوئی چیز منسوب نہ کرو۔

بیشک مسیح عیسیٰ بن مریم فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو حضرت مریم کی طرف  
اس نے القاء کیا ہے اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرو اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ یعنی  
انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق سمجھو ان کو خدا نہ مان بیٹھو۔

تین خداؤں کے قائل نہ بنو تین خدا ماننے کے عقیدے سے باز آ جاؤ اپنی بھلائی کو چاہو وہ بھلائی  
اسی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو خدا نہ کہ اور خدا کا بیٹا بھی تسلیم نہ کرو اور  
خدا کا شریک بھی نہ ٹھہراؤ۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے اور کوئی معبود نہیں اس کی اولاد نہ مانو  
وہ تو اولاد سے پاک ہے زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت ہیں کوئی مملوک مالک کی اولاد نہیں ہوتی  
اور یہ ایمان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر کار ساز ہے۔

﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ  
يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾

(پ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۷۲)



ہر گز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ تعالیٰ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی ہمدگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں۔

یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کو باعث افتخار اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں جب وہ خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے میں عار نہیں سمجھتے تو ان لوگوں کی عقلوں پر کیوں پردے چھا گئے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک مان رہے ہیں اور وہ لوگ بھی کتنے عقل کے اندھے ہیں جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عار محسوس کرنے والے اور تکبر کرنے والے میدان محشر کو یاد رکھیں کہ سب کو رب تعالیٰ نے اپنے ہاں جمع کرنا ہے

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ  
وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنَكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ  
دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾

(پ ۶ سورۃ النساء آیت ۱۷۳)

تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ان کا اجر پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا انہیں دردناک عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوانہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا ان کے ارشادات کو تسلیم کرنا اور رب تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اچھے اعمال ہی اچھے اجر کے حصول کا ذریعہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے زیادہ سے زیادہ رحمتوں سے ان کو ہی نوازتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفرت کرنا اور عار محسوس کرنا تکبر کرنا شدید اور دردناک عذاب کے حاصل ہونے کے ذرائع ہیں۔

ایسے لوگوں کی شفاعت انبیائے کرام شہدائے کرام اولیاء و صلحاء بھی نہیں کریں گے تو دوسرا کون ان کی حمایت کرے گا اور کیسے ان کی امداد کا حق حاصل ہوگا؟



﴿ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴾

(پ ۷ سورۃ المائدہ آیت ۷۴، ۷۵)

تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے مسیح بن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے ہیں دیکھو تو ہم کیسے صاف نشانیاں ان کے لئے بیان کرتے ہیں پھر وہ دیکھو کیسی اوندھے جاتے ہیں۔

یعنی وہ لوگ جو دین میں غلو سے کام لے رہے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول نہیں تسلیم کرتے انہیں چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں ہی توبہ کریں اور اس سے بخشش طلب کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہو گا اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ورنہ اخروی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام تو فقط اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہو گزرے ہیں پھر بھی یہ لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کیوں تسلیم نہیں کر رہے حالانکہ آپ کی ماں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تصدیق کرنے والی ہے پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دیکھ بھی رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کھانا کھاتے ہیں کھانا کھانے کے محتاج، حادث بھی کبھی خدا بن سکتے ہیں نہیں وہ کبھی خدا نہیں بن سکتے۔

سر سید احمد خان کا باطل نظریہ :

مفسر قرآن مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں قرآن کریم کی جن آیات میں ولادت مسیح کا مفصل تذکرہ ہوا ان کا آپ نے مطالعہ فرمالیا آئیے اب ان لوگوں کے موقف کا علمی محاسبہ کریں جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر ماں باپ کے نہیں ہوئی بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں اس طائفہ کے سرخیل سر سید احمد خان ہیں جس شرح و بسط سے انہوں نے اس پر بحث کی ہے اور اپنی طرف سے دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ (بدبختی اور نحوست



اسلام سے بغاوت) انہی کا حصہ ہیں، باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چین ہیں اس لئے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوع بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

”مسیح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہئے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں اس لئے ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ کی پیدائش کے لئے بلاوجہ قانون فطرت کو توڑا گیا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہار قدرت کے لئے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بین اور ظاہر ہو تاکہ کسی کو مجال انکار نہ رہے اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امر مخفی ہے“

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لئے زیادہ مغز ماری کی ضرورت نہیں قرآن کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا :

”لنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ“ کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کس اعتبار سے لوگوں کے لئے آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح کی ولادت ہوئی اس وقت شام و فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔

تخلیق عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ تھا کہ خالق سے تخلیق عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے اسی طرح خالق سے عالم کی تخلیق ظہور پزیر ہوئی عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتادیا کہ وہ ذات پاک جو خالق کائنات اور منبع ارض و سموات ہے اسی کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے وہ ذات باری اسباب کی پابند نہیں اور نہ ان کے سامنے مجبور و مقہور ہے بلکہ وہ قادر و توانا ہے جو چاہتا ہے وقوع پذیر ہو تا رہتا ہے۔

نیز وہ لوگ عالم ارواح کے قائل نہ تھے وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے نزدیک انسان صرف اسی گوشت پوست کے ڈھانچے کا نام تھا یہاں انسانی نطفہ کے بغیر نفخ روح سے



آپ کو پیدا کر کے منکرین عالم ارواح پر اس بات کو آشکار کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ :

”کیونکہ آپ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ آپ بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ بات درست نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت زکریا علیہم السلام کو بھی خوشخبری دی گئی تھی اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا اس لئے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔“

سبحان اللہ ! کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون ان کا بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)۔

پھر جناب اور ارشاد فرماتے ہیں کہ مریم کے لم یمسسنى ..... الخ کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مریم نے اظہار تعجب اس لئے کیا تھا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے حالانکہ فقط بچے کی پیدائش کی بشارت تھی اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہونی تھی۔

آپ خود انصاف فرمائیں اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لئے صرف اتنا بتادینا کافی تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں ! بچہ تب پیدا ہو گا جب تم شادی کر لو گی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعد فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

پھر فرماتے ہیں آپ کا ”آیۃ للناس“ ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے کیونکہ نشانی ایسی ہونی چاہئے جو واضح اور جس کا انکار نہ کیا جاسکے یہ تو ایک امر مخفی ہے اس پر بیسیوں شبہات وارد کئے جاسکتے ہیں۔

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرت خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکار ہو حضرت مسیح کے



کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہو گئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہو گیا کہ ایسا نورانی اور سراپا یمن و برکت چہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہو سکتا بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے باقی رہے بد فطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔

زمین و آسمان دریا و صحرا چاند و ستارے کسی چیز میں بھی ان کو رباطنوں کو قدرت الہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیات بینات کو بھی امر مخفی کہہ کر ان پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے ﴿كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب و غریب تشریح کر کے عقل سلیم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں نہیں کیا تھا بلکہ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گئی اور آپ یہودی علماء کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور ان کو ان کی کج رویوں پر متنبہ کرنے لگے تو علماء یہود احتجاج کرنے کے لئے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بد عقیدگی کی شکایت کی۔

مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کی بجائے اس کو گود میں اٹھالائی اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خود اسی سے بات کر لو انہوں نے جواب دیا۔

﴿كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾

(ب ۱۶ سورۃ المريم آیت ۲۹)

ہم اس شخص سے کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالم شیر خوارگی پنگھوڑے میں جھول رہا تھا۔

آپ نے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا کیا کہنے اس فہم قرآن کے اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انہیں کسی ایسے غلام سے گفتگو نہیں کرنی چاہئے جسے چھن میں گوارے میں لٹایا گیا ہو ان مدعیان علم و دانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضب الہی کا اندیشہ نہ سہی کیا انہیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں؟ نیز



وہ نوخیز جس نے محفل عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناٹقہ بند کر دیا اور انہیں برسر عام جواب دیا اس کے متعلق یہ تو کہتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہو گا اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتے کہ یہ کل کاچہ ہے اور عرصہ تک جھولے میں جھولتا رہا ہے اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔

(از ضیاء القرآن پ ۱۶ ج ۳ ص ۸۰، ۸۱)

اگر یہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ سر سید احمد خان کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کی جائے وہ بھی تو کل تک پنگھوڑے میں جھولتے رہے ہیں کیونکہ وہ یہ تو ثابت نہیں کر سکتے کہ اپنے زعم میں بڑے عالم بن کر اس دنیا میں تشریف لائے انہیں شکم مادر میں رہنے اور پھر ماں کا محتاج ہونے اور جھولے میں جھولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی سبحان اللہ لوگوں کی نظر میں بڑا محقق قرآن سے کتنا دور اور عقل سے کتنا خالی ہے کہ جس نے یہ بھی نہ سمجھا کہ کیسی دلیل دے رہا ہوں نیز یہ بھی خیال رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے یوسف نجار کی طرف یہود نے منسوب کیا۔

”والیہود تقذف امہ بیوسف نجار“

(روح المعانی پ ۳ ج ۲ حصہ دوم ص ۱۶۳)

یہود نے آپ کی والدہ کو یوسف نجار سے متہم کیا۔

یہود اور سر سید احمد خان میں فرق صرف اتنا ہے کہ یہود نے حضرت مریم کو معاذ اللہ زانیہ قرار دیا اور سر سید نے مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے یوسف نجار کی منکوحہ قرار دیا اصل نظریہ دونوں کا ایک ہے

سر سید احمد خان کے اسلام کے خلاف اور نظریات کسی نے معلوم کرنے ہوں تو تفسیر حقانی کے مقدمہ کا مطالعہ کرے نیز وہ یہ کہتے ہیں :

کہ نہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور نہ حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی، اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ نہ کہتے :

❦ انی عبد اللہ بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکار نہیں تم محض افتراء باندھ رہے ہو۔



اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں بلکہ (سورۃ مریم کی) آیت نمبر ۷ اور ۲۸ کا ترجمہ دیکھیں :

”اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے انہوں نے کہا اے مریم تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بد چلن تھی۔“

یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد اپنے دل سے پوچھیں کیا یہ بہتان زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا : انی عبد اللہ..... الخ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی موثر اور اغلب صورت ہو سکتی ہے الہی اپنے محبوب مکرم صاحب قرآن ﷺ کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما۔ آمین ثم آمین

(ضیاء القرآن ج ۳ پ ۱۶ ص ۸۲)

### عیسائیوں کا من گھڑت عقیدہ :

عقیدہ تثلیث کی حقیقت کیا ہے؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآن حکیم کی ان آیات (جن میں تثلیث، ابنیت، الوہیت عیسیٰ کا رد کیا گیا ہے) کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علی وجہ البصیرت مسیحی عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں آئیے نہایت صبر و سکون کے ساتھ اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس امور کی تحقیق کریں۔

اس وقت میرے پیش نظر بائبل کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ ۱۹۶۲) ہے جو دنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ ہدیہ ناظرین ہیں۔

مسیحیت (Christianity) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W. Knox) اور



سڈنی ہربرٹ میلون (S.H. Mellone) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وہ رقم طراز ہیں :

” مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے۔“

( انسانی کلویڈیا بریٹانیکا ج ۵ ص ۶۳۲ )

اس خیال کی تائید میں انہوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات ۳، ۴ کا حوالہ دیا ہے :

” کیا وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہودہ اور شمعون کا بھائی ہے ؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں ؟ پس انہوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی یسوع نے ، ان سے کہا : نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔“

یوحنا کی یہ آیت بھی زیر نظر رہے :

”پھر ان دو دنوں کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔“

( ۴۴:۴۳:۴ )

لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے :

”مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو۔“

( ۲۳:۱۳ )

انجیل کی ان آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوا یا اور اپنی نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا اب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث ( تین خدا ) اور ابنیت ( خدا کا بیٹا ہونا ) کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھس آیا اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

باپ بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحات کو یہودی ذرائع نے مہیا کیا یسوع نے شاذ و نادر ہی آخری اصطلاح استعمال کی ہے ، سینٹ پال کے متعلق یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے استعمال



کیا تثلیث کا مواد یہودی ہے جسے یونانی فلسفہ کے اثرورسوخ نے اس قالب میں ڈھالا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۵، ص ۶۳۳)

دین مسیح کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب و غریب اور انوکھی ہے وہ یہ ہے کہ اس دین کے بنیادی عقائد وہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں اور یہ کونسلیں اس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے انحراف کریں تو وہ انہیں مرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں ان کی کونسلوں کی داستان بڑی عجیب اور دلچسپ ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (خدا کا بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا اس کے متعلق بھی انسائیکلو پیڈیا کے حوالے سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں۔

قسطنطین کے تحت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کئے جاتے تھے اور حکومت روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتبوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور تقویت پکڑتا رہا قسطنطین جب رومن اسمپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے ۳۱۳ھ میں میلان کے فرمان شاہی کے ذریعے مذہبی آزادی کا اعلان کیا اپنے سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایات خسر ومانہ کی بارش شروع کر دی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرے اور ۳۳۷ھ میں جب وہ بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اسے ہتسمہ دیا گیا۔

یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور قسطنطین کے سرپرستی میں ان میں کیا قطع و برید کی گئی اس کے متعلق تاریخ کلیسا (Church History) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اقتباس پیش خدمت ہے :



تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کو کلام الہی (Logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اس کی الوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا اسی اثناء میں ایریس (Arius) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اس نے لوگوں کی طرف توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا نیکیا (Nicaea) کی کونسل جو ۳۲۳ھ میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسوع کی الوہیت کو تسلیم کر لیا گیا تھا جسے باضابطہ طور پر مرتب کرنے کے بعد (Necene Creed) کا نام دیا گیا تنازعہ کچھ عرصہ تک جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اس عقیدے کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح القدس کی الوہیت کی بھی تسلیم کر لی گئی۔

نیکیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزو لاینفک (نہ جدا ہونے والا حصہ) بنا دیا بیٹے کی الوہیت کی منظر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع (جھگڑے کی وجہ) بنی رہی وہ یہ کہ یسوع میں الوہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیدن (Chalcedon) کی کونسل جو ۴۵۱ھ میں منعقد ہوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جوں کی توں قائم ہیں قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ھ میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے مسیح دونوں مشیتوں کا مالک ہے۔

مغربی کلیسا نے نیکیا اور کالسیدن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیتوں (خدائی اور انسانی) کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ مان لیا۔

(انسانیکلو پیڈیا ج ۵ ص ۶۷۷، ۶۷۸)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ تثلیث و ابنیت کے عقائد خدا اور اس کی نبی کے بتائے ہوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انہیں گھڑا اور عیسائیوں کے لئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا قرآن کریم نے بارہا علماء اہل کتاب کے



متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس کا اتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا۔

لیکن یہ بحث تشنہ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقییا کی کونسل میں مسیح کی الوہیت کا جو افتراء باندھا گیا اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بَشپ (پادری) اس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لئے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے قسطنطنیہ کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکون نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی اس طرح قسطنطنیہ نے جس خیال سے اس کی حمایت شروع کی تھی وہ خواب پریشان ہونے لگا چنانچہ اس داخلی انتشار کو دور کرنے کے لئے اس نے نیقییا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی جس کے اجلاس ۲۰ھ مئی سے ۲۵ جولائی ۳۲۳ھ تک جاری رہے سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ یسوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطنیہ تھا اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کئے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور اس کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔

(انسائیکلو پیڈیا ج ۶ ص ۵۸۸)

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنئے :

”یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے نیقییا کی کونسل میں سکندریہ کے عقیدے کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رو پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دباؤ تھا اس کے ثبوت کے لئے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ آریس (Arius) کے



خلاف یہ فیصلہ پورے غور و فکر کے بعد کامل ایمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے آئرس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا یہ حقیقت میں ہے کہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اسی کو نسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور اس کے اعیان حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آرا قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کو نسل میں منظور ہوا اس میں کو نسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کار فرما تھا۔

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقییا کی کو نسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے۔

اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کی راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں نیقییا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پر خار تھا۔

(انسانیکلو پیڈیا بریٹانیکا ج ۱۶ ص ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اب ان آیات (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) ﴿لقد کفر الذین کفرو...﴾ کو غور سے پڑھو آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ (مائدہ) کی آیت ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مہیمنا علیہ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے اس کی صداقت آشکار ہو جائے گی خدا را بتائیے کیا اس دین کو دین الہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صد ہا سال بعد خود وضع کئے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا اس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔

(از ضیاء القرآن ج ۱ ص ۴۹۶ تا ۴۹۸)



## رب تعالیٰ کے استفسار پر عیسیٰ علیہ السلام کا جواب :

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيسَى ابْنُ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ☆ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ☆ إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبْدُكَ وَإِنْ تُغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ☆﴾

(پ ۷ سورة المائدة آیت ۱۱۶ . ۱۱۷ . ۱۱۸)

اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ تعالیٰ کے سوا عرض کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے جائز نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو خوب جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔

میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے۔

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال فرمائے گا اور آپ یہ جواب دیں گے اس سوال و جواب کا مقصد کفار کو خاموش کرانا ان کو زجر و توبیح کرنا ہو گا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے خدا مانتے رہے جب یہ خدا اپنے عبد (بندہ) ہونے کا اقرار کرتے رہے اور تمہیں یہ حکم دیتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں صرف اسی کی عبادت کرو۔



اگرچہ ایک احتمال یہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ یہ سوال آپ سے دنیا میں تھا جب آپ نے تینوں سوالوں کے جواب درست دے دیئے یعنی آپ نے اپنی الوہیت کی نفی کی والدہ کی الوہیت کی نفی کی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا اقرار کیا تو ان تینوں سوالوں کے درست جواب دینے پر آپ نے تین رکعات نماز بطور شکر ادا کی چونکہ یہ سوال وجواب مغرب کے وقت تھے اسلئے اس کے بعد مغرب کی تین رکعات شروع ہیں تاہم یہ قول کوئی خاص معتبر نہیں کیونکہ ان آیات کے بعد آنے والی آیات سے یہی سمجھ آ رہا ہے کہ یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوں گے۔

**اعتراض :** عیسائیوں کی عام تاریخ سے یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے حضرت مریم کو بھی خدا تسلیم کیا ہو تو اس سوال کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ تعالیٰ کے سوا

**جواب :** اگرچہ عیسائیوں کے مشہور مذاہب وہی ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے لیکن ان کے بہت سے مذاہب تھے ان میں یقیناً ایک فرقہ وہ بھی ہو گا جو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو خدا مانتا ہو گا۔

”انہ یحتمل ان یکون فیہم من قال بذالک“

یہ قوی احتمال ہے کہ ان میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو اس کا قائل تھا نیز ابو جعفر نے بعض نصاریٰ سے قول ذکر کیا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے کہ پہلے عیسائیوں میں ایک گروہ تھا۔

”یقال لہم المریمیہ یعتقدون فی مریم انہا الہا“

جن کو مریمیہ کہا جاتا تھا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مریم بھی خدا ہیں۔

یہ فرقہ ایسا ہی تھا جس طرح یہود کہتے تھے :

”ان عزیزا ابن اللہ عزاسمہ والہ۔“ بیشک عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور خدا بھی ہے۔

علامہ آلوسی نے اس کے کئی اور جواب بھی دیئے ہیں لیکن اسی جواب کے متعلق یہ کہا ہے



”وہو اولی الاوجہ عندی“ جواب کی تمام وجوہ سے میرے نزدیک یہی وجہ بہتر ہے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ذکر فرمایا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ان میں ایسا کوئی مذہب نہ ہو۔

”وزعم بعضهم ان المراد اتخاذهما بطريق الاستقلال ووجهه ان النصارى يعتقدون ان المعجزات التى ظهرت على يدى عيسى وامه عليهما الصلوة والسلام لم يخلقها الله تعالى بل هما خلقاها“

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو دو مستقل خدا سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو معجزات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کے ہاتھوں سرزد ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے نہ پیدا کئے اور نہ ہی اس نے عطا کئے ہیں بلکہ ان دونوں نے وہ خود ہی پیدا کئے ہیں۔

حضرت مریم کا خدا ہونا زیادہ مشہور اس لئے نہ ہو سکا کہ بعض چیزوں میں تو ان کو مستقل خدا مانتے تھے اور بعض میں انہیں مستقل خدا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کا یہی عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا لیکن آپ الوہیت میں زیادہ مشہور ہوئے کیونکہ تثلیث اور ابنیت الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے بہت سے گروہ تھے لیکن حضرت مریم کو خدا ماننے والا صرف ایک گروہ تھا جنہوں نے اپنے عقیدہ کو حضرت مریم کی طرف ہی منسوب کیا ہوا تھا اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو مریمیہ کہلاتے تھے۔

فصح انهم اتخذوهما فى حق بعض الاشياء الهين مستقلين ولم يتخذها الهما فى حق ذلك البعض .

صحیح یہ ہی ہے کہ نصاریٰ نے بعض چیزوں میں تو دونوں یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو مستقل خدا مانا اور بعض چیزوں میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مستقل خدا نہیں مانا

**فائدہ :** اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”تعلم ما فى نفسى ولا اعلم ما فى نفسک“ کا ترجمہ کیا ہے تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔

یعنی لفظ نفس کی نسبت جب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تو اس کا معنی کیا ہے میرے جی میں



اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسب کیا ہے تو معنی کیا ہے جو تیرے علم میں ہے۔

اسلئے کہ اس میں علماء و محققین کے کئی اقوال ہیں کہ نفس کا معنی ذات لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا نہیں اسی طرح لفظ فی ذکر ہو تو معنی ہو گا کہ تو جانتا ہے جو میرے نفس جی دل میں منقش ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ جو تیرے جی میں منقش ہیں یہ معنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں بعض حضرات نے اس کی توجیہ میں یہی بیان کیا ہے۔

”المراد لا أعلم معلوماتک فعبّر عنه بلا أعلم مافی نفسک“ عیسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ میں تیری معلومات کو نہیں جانتا یعنی میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے البتہ ”لا أعلم معلوماتک“ کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ”لا أعلم مافی نفسک“ ذکر کر دیا گیا ہے۔

### عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدہ :

عیسیٰ علیہ السلام کا مقام کیا ہے؟ آپ علیہ السلام کو کیا تسلیم کیا جائے؟ اس کا جواب واضح طور پر عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی یہود کو دیا تھا، جب انہوں نے آپ کی والدہ پر معاذ اللہ بدکارہ ہونے کی تہمت لگائی تھی آپ نے شیر خوارگی میں ارشاد فرمایا :

﴿ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اتَّبَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ☆ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا آيْنَمَا كُنْتُ وَأَوْصَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ☆ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ☆ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴾

(پ ۱۶ سورۃ المريم آیت ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳)

مجھ نے (شیر خوارگی میں) کہا میں ہوں اللہ تعالیٰ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا اور اسی لئے مجھے مبارک کیا میں کہیں بھی ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک زندہ رہوں اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے زبردست بدبخت نہیں بنایا اور وہی سلامتی (جو حضرت یحییٰ پر ہوئی) مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن



میں اٹھایا جاؤں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ ہیں، خدا نہیں، خدا کے شریک نہیں، خدا کا بیٹا نہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی ہیں۔ عام انسان نہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب انجیل عطا فرمائی آپ کو برکت والا بنایا یہ برکت آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی ہے آپ کو والدہ کا فرزند اور بنایا جو شخص پیدا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو روح القدس کی تائید حاصل ہے۔ آپ کا لقب روح اللہ، کلمۃ اللہ ہے۔

آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے۔ قرب قیامت میں آپ دنیا میں تشریف لائیں گے شادی کریں گے آپ کی اولاد ہوگی نبی کریم ﷺ کی شریعت پر عمل کرائیں گے۔ جزیہ ختم کر دیں گے لیکن وہ بھی شریعت مصطفوی کا حصہ ہوگا۔ کیونکہ جزیہ لینے کا وقت وہاں تک ہی ہوگا جیسے مؤلفۃ القلوب کا حصہ زکوٰۃ میں ایک وقت تک تھا پھر ختم کر دیا گیا۔

آپ دجال کو قتل کر دیں گے۔ آپ کا نزول امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا۔ پھر آپ کی وفات ہوگی حضور ﷺ کے ساتھ روضہ منورہ میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے اسی عقیدہ حقہ پر قائم رکھے۔

﴿آمین ثم آمین﴾





## ﴿سید الانس والجان﴾

### ﴿حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ﴾

خیال رہے کہ مقصد صرف دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو قلمبند کرنا تھا کیونکہ عام طور پر طلبائے کرام اور عوام الناس قصص الانبیاء نامی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں کئی ضعیف واقعات انبیائے کرام کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں جو انبیائے کرام کی شان میں باعث تنقیص بھی ہیں اور ان کے پڑھنے سے ایمان میں تزلزل بھی آتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا مختصر تذکرہ صرف تبرک کے پیش نظر کرنا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے ذکر کے بغیر کتاب کسی طرح بھی مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک کے واقعات اور آپ کے اوصاف کا علم حاصل کرنے کے لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مدارج النبوة کا مطالعہ کیا جائے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بہت سے واقعات کا علم حاصل ہوگا اور سکون قلب ہوگا۔

نیز مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی قدس سرہ کی ”ضیاء النبی“ کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی ضیاء سے آپ کے دلوں میں نور معرفت حاصل ہوگا۔ ایمان میں پختگی حاصل ہوگی۔

خیال رہے کہ کچھ لوگوں نے ”سیرۃ النبی“ کے نام سے کتابیں لکھ کر آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کو کم کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے ان کی کتابوں کو پڑھ کر اپنے ایمان کو ضائع نہ کریں۔

”سیرۃ النبی“ کے نام سے لکھی ہوئی کتابوں کو بھی دیکھیں اور ان کے مقابل مدارج النبوة اور ”ضیاء النبی“ کو بھی پڑھیں خود بخود نمایاں فرق نظر آئے گا کہ کن حضرات نے عشق رسول، محبت رسول میں



ڈوب کر علم و عرفان کے سمندر سے موتی نکال کر پیش کئے اور کن لوگوں نے زہر پر مٹھائی چڑھا کر لوگوں کے ایمان کو قتل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

بات صرف قسمت کی ہے کسی کی قسمیں رب تعالیٰ نے یہ عظمت عطا فرمائی ہے کہ وہ دن رات نبی کریم ﷺ کے فضائل و کمالات کو تلاش کرتا رہتا ہے اسی میں اس کی عمر بیت جاتی ہے۔ اور کچھ کم بختوں کی عمر اس میں گزر جاتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نقص تلاش کرتے رہتے ہیں۔ فضائل پر مشتمل احادیث اور اقوال علماء و صلحاء ان کی عقلوں میں انہیں ضعیف نظر آتے ہیں اور بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات جو عجز و انکساری پر مشتمل ہیں وہ انہیں حقیقت نظر آتے ہیں۔ سیدھے سادے لوگوں کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ :

”ہم بھی نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ واقعہ درست نہیں“

اس طرح کے گمراہ کن ہتھکنڈے ان کا وطیرہ ہے۔ الامان والحفیظ

## تخلیق اول نور محمدی :

وروی عبد الرزاق بسندہ عن جابر بن عبد الله قال قلت يا رسول الله ﷺ  
بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیء خلقه الله تعالى قبل الاشياء قال يا جابر  
ان الله تعالى قد خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره فجعل ذلك النور يدور  
بالقدرة حيث شاء الله ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار  
ولا ملك ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انس .

(زرقانی ج ۱ ص ۴۹، الانوار المحمدية ص ۱۳، مواہب)

عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ! مجھے یہ خبر دیجئے کہ تمام چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسے پیدا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا پھر وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں بھی اسے منظور تھا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم اور نہ جنت اور نہ دوزخ اور نہ فرشتے اور نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ سورج اور نہ چاند اور نہ جن اور نہ انسان تھے۔



خیال رہے کہ یہ حدیث مولوی اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب ”نشر الطیب“ میں بھی نقل کی ہے۔

”عن العرباض بن ساریہ عن رسول اللہ ﷺ انه قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ“

(شرح السنۃ، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۳، مواہب مع زرقانی ص ۳۹)

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی تک اپنے خیر میں تھے۔

مولوی اشرف تھانوی صاحب دیوبندی اپنی کتاب نشر الطیب میں بیان کرتے ہیں کہ اسے احمد، شہتی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث شرح السنۃ سے مذکور ہے۔

اس حدیث پاک کی وضاحت میں استاذ المکرم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں :

”اس حدیث پاک سے آنحضرت ﷺ کا تحقیقاً آدم علیہ السلام سے قبل نبی ہونا بھی ثابت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہونا بھی ثابت موجود ہونا بھی ثابت اور آپ کی حقیقت کا نور ہونا بھی ثابت کیونکہ بشر وں کا باپ بعد میں پیدا کیا جا رہا ہے اور آپ کی حقیقت پہلے ہی موجود متحقق تھی اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی۔“

اس مقام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے بیان کردہ نکتہ اور ایک توہم کا ازالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں :

”اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ سو اس لئے آپ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا۔ جواب یہ ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص تقدیر تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کے وجود سے مقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور



ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہیں تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔

اس سوال و جواب نے واضح کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت محض علم الہی کے لحاظ سے نہیں تھی بلکہ خارج اور واقع میں آپ کا نور انور اور روح اقدس اور حقیقت محمدیہ اس کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی اور یہی ہمارا نظریہ و عقیدہ ہے کہ بشریت کے لحاظ سے اولاد آدم بھی ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے اصل موجودات ہیں اور آدم علیہ السلام اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی اس لحاظ سے آپ بنیاد ہیں۔

یہی تھانوی صاحب ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں سوال یہ ہے جب انبیاء موجود ہوتے تو ان کے خاتم کا موجود ہونا بھی متصور ہو سکتا تھا جب ان کا بلکہ ان کے والد اور معدن و اصل کا وجود نہیں تھا تو آپ خاتم النبیین کس طرح ہو گئے تھانوی صاحب کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں :

”اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا یہ وصف تو خود تاخیر کو مقتضی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے مرتبہ نبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیلداری کا عہدہ مل جائے تو تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں بھجنے کے بعد۔“

یعنی جس طرح اس تحصیلدار کے منصب کا لوگوں کو علم اس وقت ہو گا جب وہ تحصیل میں جا کر چارج سنبھالے گا اس وقت معلوم کریں گے کہ یہ ہمارے تحصیلدار صاحب ہیں حالانکہ سرکار کے نزدیک وہ اس وقت سے تحصیلدار ہے جب سے اسے نامزد کیا گیا ہے تو نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین کے مرتبہ پر اس وقت فائز ہو چکے تھے جب آدم علیہ السلام ہنوز عالم آب و گل میں تھے اگرچہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب آپ کا ظہور ہوا، الغرض ظہور اگرچہ بعد میں ہوا لیکن وجود پہلے تھا اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت نور یہ کے لحاظ سے آپ اصل موجودات اور بنیاد آدم علیہ السلام ہیں اگرچہ ظہور اور نشاۃ دینیہ کے لحاظ سے اولاد آدم ہیں۔



عن ابی ہریرہ قال قالوا یا رسول اللہ متى وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد .

(ترمذی، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۱۳، ذرقانی ج ۱ ص ۳۴)

فضائل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ان کے جسم میں جب جان بھی نہیں آئی تھی میں اس وقت سے نبی ہوں۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے اور ایسے ہی الفاظ سے میسرہ ضببی کی روایت ہے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصریح کی ہے۔

صحابہ کرام کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہیں۔ پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گزارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گزارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا جب وہ اس طرح کا سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ معلوم ہوا ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے اعلان نبوت و رسالت کب فرمایا؟ بلکہ پوچھا ہے۔

”متی وجبت لك النبوة یا رسول اللہ“

آپ کے لئے یا رسول اللہ ﷺ نبوت کس وقت سے ثابت ہے؟

اور نبی کریم ﷺ کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی روح ابھی ان کے جسم میں پھونکی نہیں گئی تھی صحابہ کرام کے اس نظریہ و عقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گزار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی۔



اس روایت کو ترمذی شریف میں نقل کیا گیا ہے اور ترمذی شریف حدیث کی وہ کتاب ہے کہ جس کے متعلق محدثین نے فرمایا جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ رب تعالیٰ کا رسول میرے گھر میں موجود اور تشریف فرما ہے امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت بھی نہیں کہا اور ضعیف بھی نہیں کہا بلکہ انہوں نے اس کو حسن کہا ہے اصول حدیث میں یہ واضح ہے کہ حسن حدیث حجت و دلیل اور سند ہو سکتی ہے۔

اور پھر اشرف علی تھانوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ میسرہ ضبی کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں گویا یہ روایت دو صحابیوں سے مروی ہوئی اس طرح کل چار صحابیوں (حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری، حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت میسرہ ضبی رضی اللہ عنہم) کی شہادت اور گواہی اب تک آچکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نور ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے پہلے نبوت و رسالت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اس کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے جو اہل سنت کے چوتھے امام ہیں اور امام ابو حنیفہ، امام ابو مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد ان کا درجہ ہے۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی تاریخ میں اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد ابو نعیم نے اس کو حلیہ میں نقل کیا ہے اور حاکم جیسے محدث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ وہ محدث ہیں جس نے بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ و مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ سے رہ جانے والی صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور اس کتاب کا نام مستدرک رکھا ہے۔

(تنویر الابصار ص ۲۲)

نبی کریم ﷺ کا نور و بشر ہونا :

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسئلہ پر دلیل قائم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن نوری ہے۔



” کما قال ﷺ تنام عینی ولا ینام قلبی یعنی فیما یدل علی ان باطنہ ملکی

و ظاہرہ بشری“

جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ کا باطن ملکی (فرشتوں کی طرح نورانی) ہے اور آپ کا ظاہر بشری ہے قاضی شہاب خفاجی فرماتے ہیں :

” و کذا لک سائر الانبیاء تنام اعینہم دون قلوبہم کما ورد مصرحاً بہ فی

حدیث البخاری“

اسی طرح دوسرے تمام انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتے ہیں۔ جس طرح بخاری کی حدیث میں صراحۃً ذکر ہے۔

یعنی تمام انبیائے کرام کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا ظاہر بشر اور باطن نور ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کا نور نور من نور اللہ ہے اور تمام کائنات کے لئے اصل و بیاد کی حیثیت رکھتا ہے یعنی آپ کا نور تمام انبیائے کرام کی نورانیت کا بھی اصل ہے۔

” و هذا دلیل علی ان ظاہرہ ﷺ بشری و باطنہ ملکی ولذا قالوا ان نومہ

لا ینقض الوضوء کما صرحوا بہ ولا یقاس علیہ غیرہ من الامۃ کما توہم

و توضاً بعد نومہ استحباباً او تعلیماً لغيرہ او لعروض ما یقتضیہ“

(نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۴۵)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی : کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار ہوتا ہے یہ دلیل ہے اس پر کہ آپ کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکی نورانی ہے اسی وجہ سے محدثین کرام فقہاء عظام نے اتفاقی طور پر ارشاد فرمایا کہ بے شک آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا نبی کریم ﷺ کی نیند پر آپ کے کسی امتی کی نیند کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یعنی صحابہ کرام اولیائے کرام اور امت کے کسی فرد کو بھی یہ مقام حاصل نہیں اگر کسی صحابی یا ولی کے متعلق کوئی یہ کہے کہ اس کی نیند سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا یہ اس کا وہم ہوگا غلط سوچ ہو گی اس شخص کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے۔



خیال رہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نیند سے ان کے وضو نہیں ٹوٹتے تھے میں نے نور الایضاح کے عربی حاشیہ ذریعۃ النجاح میں بفضلہ تعالیٰ اسے ذکر کیا ہے جبکہ ہدایہ تک تمام فقہی کتب کے محشی حضرات اسے ذکر نہ کر سکے یا دیدہ دانستہ ذکر نہیں کیا۔

نبی کریم ﷺ جاگنے کے بعد وضو کرتے تھے آپ کا یہ وضو کرنا و جوبی طور پر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ مستحب سمجھ کر آپ وضو کرتے یا تعلیم امت کے لئے یا آپ کو چونکہ معلوم ہوتا تھا کہ سوتے ہوئے کوئی چیز وضو کے خلاف سرزد ہوئی ہے اسلئے آپ کبھی کبھی اپنے علم کے مطابق وضو ٹوٹنے کی وجہ سے وضو کرتے ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت کا ثبوت قرآن پاک سے :

﴿ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴾ (ب ۶ سورۃ المائدہ آیت ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تین قول ملتے ہیں ایک عام مفسرین کا جنہوں نے نور سے مراد نبی کریم اور کتاب مبین سے مراد قرآن پاک لیا ہے دوسرا قول معتزلہ کا ہے جنہوں نے نور اور کتاب مبین سے مراد قرآن پاک لیا تیسرا قول محققین کا ہے جیسے علامہ آلوسی اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ انہوں نے نور اور کتاب مبین دونوں سے ہی مراد نبی کریم ﷺ لئے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

” قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ عَظِيمٌ وَهُوَ نُورُ الْأَنْوَارِ وَالنَّبِيُّ الْمَخْتَارُ ﷺ “

نور سے مراد نور عظیم ہے جو سب نوروں کا نور ہے۔ یعنی تمام نوروں کا اصل ہے اور وہ نبی مختار ﷺ ہیں۔

” وَالْإِلَٰهَ هَذَا ذَهَبٌ قَتَادَهُ وَاخْتَارَهُ الزَّجَّاجُ “

یہی قول قتادہ کا ہے اور زجاج نے بھی اسی قول کو مختار قرار دیا ہے۔



وقال ابو علی الجبائی عنی بالنور القرآن لكشفه و اظهاره طرق الهدی  
والیقین واقتصر علی ذالك زمحشری وعلیه فالعطف فی قوله تعالى و کتاب  
مبین لتنزیل المغایرة بالعنوان منزلة المغایرة بالذات .

ابو علی جبائی نے کہا ہے نور سے مراد بھی قرآن ہے کیونکہ قرآن ہدایت و یقین کے راستوں  
کو ظاہر کرنے والا ہے اور منکشف کرنے والا ہے اس لئے اسے نور کہا گیا ہے زمحشری نے بھی  
اسی قول پر اقتصار کیا ہے اس قول پر بظاہر ایک اعتراض تھا کہ عطف مغائرت کے لئے آتا  
ہے جب معطوف اور معطوف علیہ دونوں سے مراد قرآن پاک ہے لیکن دو نام علیحدہ علیحدہ  
ذکر کئے گئے ہیں علیحدہ علیحدہ عنوان کی وجہ سے جو مغائرت پائی گئی ہے وہ مغائرت ذاتی کے  
درجے میں ہے۔

”واما علی الاول فهو ظاهر“

پہلا قول زیادہ ظاہر ہے جس میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن  
پاک ہے۔

”وقال الطیبی انه اوفق لتکریر قوله سبحانه قد جاء کم بغیر عطف فعلق به

اولا وصف الرسول والثانی وصف الكتاب“

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہی لینا زیادہ مناسب ہے  
کیونکہ پہلے ﴿قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ ذکر کیا گیا ہے اور پھر بغیر حرف عطف کے ﴿قَدْ  
جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ﴾ ذکر کیا گیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی ذات ہے  
اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ مغائرت پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ولا یبعد عندی ان یراد بالنور والكتاب المبین النبی ﷺ والعطف علیہ کالعطف

علی ما قاله الجبائی ولا شک فی صحة اطلاق کل علیہ علیہ الصلوۃ والسلام

میرے نزدیک یہ کوئی بعید بات نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ  
ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ عطف مغائرت کے لئے آتا ہے معطوف اور معطوف علیہ



دونوں سے مراد ایک ذات کیسے؟ تو اس کا ہم بھی وہی جواب دیں گے جو جبائی نے دیا ہے کہ عنوان کی مغائرت کو مغائرت کے درجے میں رکھ کر عطف کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق نبی کریم ﷺ پر ہے۔

(از روح المعانی پ ۶)

نبی کریم ﷺ پر دونوں کا اطلاق کیسے صحیح ہے؟ اس کا جواب ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہو جاتا ہے آپ فرماتے ہیں :

”ای مانع من ان يجعل النعتان للرسول ﷺ فانه نور عظیم لکمال ظہورہ بین الانوار و کتاب مبین حیث انه جامع لجميع الاسرار ومظهر للاحكام والاحوال والاخبار“

(شرح شفا ج ۱ ص ۴۲)

نور اور کتاب مبین دونوں صفتیں رسول اللہ ﷺ کی بنانے میں کون سا مانع موجود ہے؟ یعنی کوئی مانع نہیں؛ کیونکہ آپ نور عظیم ہیں اسلئے کہ سب نوروں سے آپ کا نور زیادہ ظاہر ہے۔ اور آپ کتاب مبین (روشن کتاب) ہیں کیونکہ آپ تمام اسرار کے جامع ہونے کی وجہ سے کتاب ہیں اور تمام احکام احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے کی وجہ سے ”مبین“ ہیں۔

**تنبیہ:** مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ آیت کریمہ میں نور سے مراد قرآن پاک جبائی اور ز محشری نے لیا ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ معتزلہ کے رئیس ہیں عام اہل علم کا قول یہ ہے کہ نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن پاک اور محققین حضرات نے دونوں سے مراد نبی کریم ﷺ لیا ہے۔

**اعتراض:** سب سے پہلے تخلیق قلم کی ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کے نور کی کیونکہ قلم کے اول المخلوقات ہونے والی حدیث صحیح ہے۔

اول ما خلق الله القلم . سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔



لیکن رسول اللہ ﷺ کے نور کی تخلیق سب سے پہلے ہونے کی روایت ضعیف ہے صحیح کے مقابل ضعیف کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

**جواب:** سب سے پہلے تو ہم یہ ضابطہ ہی تسلیم نہیں کرتے کہ ضعیف کو مطلقاً چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ قانون یہ ہے کہ دلیل قطعی اور ظنی کا جب تعارض آجائے تو ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی جائے اگر ان میں تطبیق ثابت ہو جائے تو بہتر ورنہ ظنی کو چھوڑ دیا جائے قرآن پاک میں:

﴿فَاقْرَءْ وَامَّا تيسَّرَ مِنْهُ﴾

(ب ۲۹ سورة المزمل آیت ۲۰)

قرآن پاک جہاں سے بھی آسان ہو پڑھو۔

اس آیت سے نماز میں قرآن پاک کا مطلقاً (کسی سورت سے بھی ہو جہاں سے بھی انسان پڑھنا چاہے پڑھ لے) پڑھنا فرض ثابت ہو رہا ہے لیکن حدیث پاک میں ہے:

”لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“

جس کا ظاہری معنی ہے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

قرآن پاک کی آیت قطعی الدلالة ہے اور حدیث پاک جو خبر واحد ہے ظنی الدلالة ہے لیکن حدیث پاک کو مطلقاً چھوڑ دینے کا قول باطل ہو گا بلکہ اہل علم نے ان میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ قرآن پاک کی آیت کریمہ سے نماز میں قرات کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے اور حدیث پاک سے سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ثابت ہو رہا ہے اب حدیث پاک ”لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“ کا صحیح ترجمہ یہ ہو گا کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز کامل نہیں نفی کمال کی ہو گی مطلقاً وجود کی نہیں جیسے ”لا ایمان لمن لا امانة له“ کا ترجمہ بھی یہی ہو گا کہ جو شخص امانت کا پاس نہیں کرتا اس کا ایمان کامل نہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قلم کی تخلیق کی اولیت اضافی ہے اور نبی کریم ﷺ کے نور کی تخلیق میں اولیت حقیقی ہے۔

یہی قول اہل علم، محققین، متقین اور کامل ایمان والوں کا ہے ہاں البتہ جن کا ایمان ضعیف ہے وہ نبی



کریم ﷺ کی شان پر دلالت کرنے والی احادیث کو ضعیف کر کے رد کرتے ہی رہتے ہیں۔

(پ ۹ سورة الاعراف آیت ۱۸۶)

﴿مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ﴾

جن کے دلوں پر مر لگا کر گمراہی کا طوق ان کے گلے میں رب تعالیٰ ڈال دے پھر انہیں ہدایت دینے کی کسے مجال ہو سکتی ہے آئیے اہل علم کے ارشادات دیکھئے۔

”قال رسول الله ﷺ كتب الله مقادير الخلق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة قال وكان عرشه على الماء“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

سرور عالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی مقادیر لکھوا دی تھیں جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہے کہ عرش پہلے موجود تھا علاوہ ازیں قلم کو پیدا کر کے یہ حکم دیا گیا تھا ”اكتب“ لکھ اس نے عرض کیا کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اكتب القدر“ تقدیر خداوندی کو لکھ۔

فكتب ما كان وما هو كائن الى الابد.

تو اس نے جو کچھ ہو چکا تھا وہ بھی لکھ دیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، وہ بھی لکھ دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ قلم سے پہلے مخلوقات تھیں، جس کو ماکان سے تعبیر کیا گیا، جب یہاں اولیت ہی اضافی ہے تو اس حدیث کی آڑ میں نبی اکرم ﷺ کے نوراقدس کی اولیت سے انکار کرنے کا کیا معنی؟

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۶۶ پر فرماتے ہیں:

”في الازهار اول ما خلق الله القلم يعني بعد العرش والماء والريح لقوله

عليه السلام كتب الله مقادير الخلق قبل ان يخلق السموات والارضين

بخمسين الف سنة وكان عرشه على الماء“

(رواہ مسلم)

”وعن ابن عباس رضي الله عنهما عن قوله تعالى وكان عرشه على الماء



علی ای شیء کان الماء قال علی متن الريح

(رواہ البیہقی و ذکرہ الابہری)

ازہار میں ہے کہ قلم کے اول المخلوقات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش پانی اور ہوا کے بعد یہ پہلی مخلوق ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مقدارِ خلأق کو لکھوا دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا عرش پانی پر تھا تو یہ فرمائیے کہ پانی کس پر تھا؟ انہوں نے فرمایا ہوا کی پشت پر۔

”فالاولیۃ اضافیۃ“ اس سے واضح ہوا کہ ”اول ما خلق اللہ القلم“ میں اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے تو اس صورت میں حدیث نور میں اولیت حقیقی ہونے سے یہ حدیث کیونکر مانع ہو سکتی ہے اور یہی تحقیق علماء اعلام اور مقتدایان نے ذکر کی ہے۔

علامہ علی قاری نے فرمایا :

فالاولیۃ اضافیۃ والاول الحقیقی فہو النور المحمدی علی ما بینتہ فی المورد للمولد۔

نور محمدی اول تخلیق حقیقی ہے جس طرح کہ میں نے رسالہ المورد للمولد میں اس کی تحقیق بیان کی ہے اور قلم میں اولیت اضافی ہے۔

نیز علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے فرماتے ہیں :

”قال ابن حجر اختلفت الروایات فی اول المخلوقات وحاصلہا کما بینتہا فی شرح شمائل الترمذی ان اول النور الذی خلق منہ علیہ الصلوۃ والسلام ثم الماء ثم العرش اول المخلوقات“

(مرقاۃ جلد اول ص ۱۴۶)

ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اول المخلوقات کون سی شے ہے؟ اس میں روایات مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق کی صورت وہ ہے جو میں نے شمائل ترمذی میں ذکر کی ہے کہ سب سے اول



تور وہ ہے جس سے نبی کریم ﷺ کو پیدا کیا گیا اس کے بعد پانی اور اس کے بعد عرش۔

علامہ قسطلانی نے اس مسئلہ یعنی قلم کے اول مخلوق ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرمایا:

” اولیۃ القلم بالنسبۃ الی ماعدا النور المحمدی والماء والعرش وقیل

الاولیۃ فی کل بالاضافۃ الی جنسہ ای اول ما خلق اللہ من الانوار نوری

وکذا فی باقیہا“

( مواہب لدنیہ مع زرقانی ج ۱ ص ۴۷، ۴۸ )

اولیت کے بیان میں روایات مختلف ہیں ان تمام میں تطبیق اور موافقت اس طرح ہے کہ قلم کا اول الخلق ہونا نور محمدی پانی اور عرش کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور یہ توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہر شے کی اولیت اپنی اپنی جنس کے لحاظ سے ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اور اقلام میں سے اس قلم کو جس نے تقدیریں لکھیں اور جن اشیاء پر عرش کا لفظ لا جاتا ہے ان میں سے عرش اعظم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

**تنبیہ:** نور مصطفیٰ ﷺ کی اولیت کے بیان والی حدیث کو صرف ضعیف ایمان والوں نے ضعیف کہا ہے ورنہ امام قسطلانی علامہ ابن حجر ہیتمی ملا علی قاری، علامہ یوسف بن اسماعیل بہانی رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا۔

( ماخوذ از تنویر الابصار ص ۹۸ )

عوام حضور ﷺ کو صرف بشر نہ کہیں:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظاہری طور پر بشر ہیں اور باطنی طور پر نور ہیں لیکن عوام جو بشر کے معنی کمال سے بے خبر ہیں وہ لفظ بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ملائیں جو تعظیم پر دلالت کریں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آنحضرت ﷺ بطریق تکریم و تعظیم واجب

اور ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں محسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا

جاتا ہے یا حقارت میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے



مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و نا کس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا لہذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے، خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔

**توضیح:** آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے

﴿ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيدِي ﴾ (پ ۲۳ سورۃ ص آیت ۷۵)

کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

چونکہ ملائکہ کمال آدم علیہ السلام سے بے خبر تھے ایسا ہی ابلیس ”فَقَالُوا مَا قَالُوا“ (انہوں نے وہ کہا جو کہا) فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتلانے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور ہوئے۔

﴿ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ (پ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۳۲)

فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے عطا کیا ہے۔ اور ابلیس کو علاوہ قصور جمل کے غرور بھی تھا لہذا وہ

﴿ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ﴾ ..... شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا ..... کا مصداق بنا۔

بشر ہی کو کمال استجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات استجلائیہ سے از گروہ انبیاء علیہم السلام سیدنا ابو القاسم آنحضرت ﷺ اصالتہ واز جماعت اولیائے کرام وارث مصرع۔

”وانی علی قدم النبی بدر الکمال“ اور میں نبی بدر کمال کے نقش قدم پر ہوں۔

(قصیدہ غوثیہ)

سیدنا عبدالقادر و امثالہ رضی اللہ عنہم وراثتاً مظہر اکمل واثم لاسمہ الاعظم ٹھہرے، بشر ہی کے لئے تنزل اخیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئت اجتماعیہ و ترکیبات اسمائیہ و اتصالات و اوضاع



## تذکرۃ الانبیاء

انی خمرت طینۃ آدم“ سے لیکر تا ظہور جسد عنصری ﷺ واتباعہ من الاکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تاکہ :

”من رأنی فقد رأى الحق“ جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا

(الحديث)

..... کا آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشر ہی ہے کہ جس کو .....

گر خواہی خدا بینی در چہرہ من بنگر

من آئینہ اویم او نیست جدا از من

(گر تو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے تو میرے چہرہ کو دیکھ میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں ہے۔)

..... ہونے اور کہنے کا استحقاق حاصل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کو بشر کہنا از قبیل ذکر آنحضرت ﷺ بالاسماء المعظمہ ہوا خلاف غیر عارف کے اس کے لئے بغیر انضمام کلمات تعظیم صرف لفظ بشر ذکر کرنا جائز نہیں چنانچہ آیت کریمہ میں بشر کے بعد

﴿يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور تشہد میں عبدہ کے بعد ورسولہ کا ذکر ہے اور کلام اہل عرفان میں ہے۔

فمبلغ العلم فيه انه بشر

وانه خير خلق الله كلهم

(قصیدہ بردہ)

ہمارا نہایت علم یہ ہے کہ بیشک حضور ﷺ بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں

(فتاویٰ مہربہ ص ۴)

خلاصہ کلام :

حضرت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اہل علم جو بشر کا معنی اور اس میں جو کمالات پائے جاتے ہیں انہیں جانتے ہیں وہ تو بشر کہہ سکتے ہیں لیکن عام لوگوں کو بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ذکر کرنے چاہئیں تاکہ



انہیں بھی آپ کی عظمت کا پتہ ہو مثلاً سید الکائنات افضل الانبیاء حبیب خدا وغیرہ الفاظ ساتھ ملائے جائیں۔

حقیقت میں بشر میں وہ کمال ہے جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوا کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنی ذات صفات اور اسماء کا مظہر صرف بشر کو ہی بنایا ہے اس کمال سے فرشتے محروم ہیں پھر یہ وصف کمال تمام انبیائے کرام اور نبی کریم ﷺ کو بغیر کسی واسطہ کے عطا ہوا لیکن اولیائے کرام کو آپ کے واسطہ سے یہ کمال عطا کیا گیا پھر اولیائے کرام میں جلیل القدر ہستیوں یعنی شیخ عبد القادر جیلانی اور اس قسم کے اولیائے کرام کو بالواسطہ یہ کمال اعلیٰ درجہ کا حاصل ہوا دوسرے حضرات کو کچھ کم انبیائے کرام کو بعض بعض صفات اور بعض بعض اسماء گرامی کا مظہر بنایا گیا لیکن نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کی آٹھ صفات مختصہ کے بغیر تمام صفات کے مظہر ہیں۔

جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے کہ بشر اس شان والے عظیم شخص کو کہا جاتا ہے اور اس کمال میں حضور ﷺ کا کوئی ثانی نہیں وہ تو سمجھ سکتا ہے کہ بشر آپ کا عظیم وصف ہے لیکن عام انسان تو بشر کا معنی یہی سمجھے گا کہ معاذ اللہ آپ بھی ہماری طرح تھے ایسا سمجھنا ہی دین سے دور ہونے کا نام ہے اور ایسے شخص کو صرف لفظ بشر کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

### امتناع نظیر :

امتناع نظیر کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مثل پیدا کرنا رب تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہے۔ جو چیزیں محال بالذات ممتنع بالذات ہیں وہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہوں تو رب تعالیٰ کی شان اور قدرت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اشیاء اس قابل نہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں۔ اس مسئلہ کو سید الاولیاء حضرت علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

### مقدمات :

(۱) ممتنعات ذاتیہ کا احاطہ قدرت سبحانہ سے خروج کمال ذاتی باری پر دھبہ نہیں لگاتا بلکہ یہ قصور



راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

(۲) انقلاب حقائق واقعہ کا خواہ معدودات سے ہوں مثل انسان، فرس، بقر، غنم، کے یا مراتب عددیہ

سے ہوں مثل ایک دو تین چار یا مختلف یعنی معدود بحیثیت عروض مرتبہ عددی مثلاً زید جو اول مولود ہے بہ نسبت باقی اولاد عمرو کے ممتنع بالذات ہیں۔

(۳) کسی چیز کی نظیر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکت نوعی کے اوصاف ممیزہ کاملہ میں اس چیز کی ہم پلہ ہو۔

(۴) آنحضرت ﷺ بحسب الحقیقة الروحانية النورية اول مخلوق ہیں :

”اول ما خلق الله نوری“ اور ”اول ما خلق الله العقل“

تصریحات محققین از اہل کشف و شہود اس پر شاہد ہیں :

”کما قال الشيخ الاکبر قدس الله سره الاظهر فلم یکن اقرب الیه قبولاً فی

ذالك الهباء الا حقيقة محمد ﷺ المسماة بالعقل فكان مبدأ العالم باسره

واول ظاهر فی الوجود فكان وجوده من ذالك النور الالهی“

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے یا یہ

ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے ان دونوں کا مطلب ہے شیخ اکبر

قدس سرہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہی نور جس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا

اور حقیقت محمدیہ کہلایا اسی کا نام عقل بھی ہے جو تمام عالم کا مبداء ہے تمام جہان سے پہلے اسی

نور کا وجود ہے اور وہ نور نور الہی سے معرض وجود میں آیا ہے۔

جس طرح نبی کریم ﷺ اولیت کی صفت سے متصف ہیں اسی طرح آخریت کی صفت سے بھی

متصف ہیں کہ آپ آخر الانبیاء ہیں :

ارشادی خداوندی : ﴿ وَلَکِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ ﴾ (پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔



اہل بصیرت کو ان مقدمات مذکورہ پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نظیر آنحضرت ﷺ کا وجود ممتنع بالذات بایں معنی ہے کہ خالق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ایسا بنایا ہے کہ اور ایسے کاملہ ممیزہ مختصہ صفات کے ساتھ سنوارا ہے کہ جس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ در صورت وجود نظیر انقلاب حقیقت لازم آتا ہے کیونکہ فرض نظیر کا وجود آپ کے بعد ہی ہو گا تو لا محالہ ایسا معدود ہو گا جس کو مرتبہ ثانیہ عددی عارض ہو اور نظیر کہلانے کا مستحق جب ہی ہو سکتا ہے کہ وصف ممیز کامل یعنی اول مخلوقیت و ختم نبوت میں مشارک ہو تو معروض مرتبہ ثانیہ کا معروض مرتبہ اولیٰ کا ہو۔ (یہ ممتنع بالذات ہے، ایسا ہو نہیں سکتا)

ایسا ہی لحاظ ختمیت فرض کیا کہ آپ مثلاً چھٹے مرتبہ میں تو نظیر آپ کی معروض ساتویں مرتبہ کی مثل ہو کر معروض مرتبہ سادسہ کی ہوگی ”وہو خلف“ (یہی حقیقت کے خلاف ہے)۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ ممتنع ذاتیہ میں سے دو قسم اولین اور قسم ثالث میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قسم ثالث کا امتناع اوصاف عارضہ کے لحاظ سے ہے اس لئے کہ محل بحث امتناع یا امکان نظیر ہے نہ امتناع یا امکان مثل خلاصہ یہ کہ آئینہ احمد علیہ السلام میں خالق عز مجدہ نے جداگانہ کمال دکھایا یعنی ایسا بنایا کہ نظیر ش امکان ندارد (جس کی نظیر ممکن نہیں)۔

فهذا الکمال راجع الیہ سبحانہ کما ان الجمال مختص بہ من منع اللہ  
فسبحان من خلقه واحسنه واجمله واکمله .

(فتاویٰ مہریہ ص ۹)

نبی کریم ﷺ کو اس شان سے پیدا کرنا در حقیقت رب تعالیٰ کا ہی کمال ہے جس طرح یہ شان اور جمال نبی کریم ﷺ سے مختص ہے وہ بھی در حقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہے وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کو اس جداگانہ شان سے بنایا اور آپ کو سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ جمیل اور سب سے زیادہ باکمال بنایا۔

خلاصہ کلام :

نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ سب کائنات سے اول معروض وجود میں لایا اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا



اگر آپ کی نظیر کوئی اور بھی بن سکے تو اسے بھی یہ دونوں وصف حاصل ہوں گے حالانکہ اول تو ایک ہی ہوتا ہے اس کے بعد آنے والے تو دوسرے درجہ میں ہو جاتے ہیں اور اسی طرح خاتم بھی ایک ہی ہوتا ہے اس کے بعد اس کی نظیر کو اگر خاتم کہا جائے گا تو پہلی ذات کا خاتم ہونا باطل ہو گا یہ دونوں صورتیں ممتنع بالذات ہیں ممتنع بالذات قدرت باری سے خارج ہیں ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں رب تعالیٰ کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حقیقت محمدیہ موجودات عالم میں جاری و ساری ہے :

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ شرح وقایہ کی شرح سعایہ میں فرماتے ہیں

السر فی خطاب التشهد ان الحقيقة المحمدية كانها سارية في كل وجود وحاضرة في باطن كل عبد وانكشف هذه الحالة على الوجه الاتم في حالة الصلوة فحصل محل الخطاب وقال بعض اهل المعرفة ان العبد لما تشرف بثناء الله فكانه في حريم الحرام الالهي ونور البصيرة ووجد الحبيب حاضرا في حرم الحبيب فاقبل عليه وقال السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته .

تشہد میں خطاب یعنی ”السلام عليك ايها النبي“ میں رازیہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری و ساری ہے اور ہر بندے کے باطن میں موجود ہے نماز کی حالت میں اس حالت کا کامل انکشاف ہوتا ہے پس محل خطاب حاصل ہو جاتا ہے بعض اہل معرفت نے کہا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ثناء سے مشرف ہوتا ہے تو گویا اس کو حرم حریم الہی میں جگہ مل گئی اور نور بصیرت اس کو حاصل ہوا۔

حبیب (نبی کریم ﷺ) کو دربار حبیب (اللہ تعالیٰ) میں موجود پایا تو فوراً آپ کی طرف متوجہ ہو کر صیغہ خطاب سے کہا : السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته . اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکات ہوں ۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

” نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابداں است



در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آن کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں احوال بیشتر و قوی تر است و بعضی از عرفاء گفته اند کہ این خطاب بجهت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازین باگاہ باشد و ازین شہود غافل نہ بود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منتور و فائز گرد

نبی کریم ﷺ مومنوں کا نصب العین اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں جمیع احوال و اوقات میں خصوصاً حالت عبادت میں اور اس کے آخر میں نورانیت کا وجود اور انکشاف ان احوال میں زیادہ اور بہت قوی ہوتا ہے بعض عرفاء نے کہا ہے تشہد میں خطاب اسی وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے تمام ذرات اور ممکنات کے تمام افراد میں جاری و ساری ہے پس نبی کریم ﷺ نمازیوں کی ذاتوں میں موجود ہوتے ہیں لہذا نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی سے غافل نہ رہے تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے منور اور فیضیاب ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”ویحتمل ان یقال علی طریق اہل العرفان ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت اعینهم بالمناجات فنبهوا علی نوالک بواسطۃ نبی الرحمة وبرکۃ متابعة فالتفتوا فاذا الحبيب فی حرم الحبيب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ“

فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۲۵۰ (مطبوعہ مصر)

اہل معرفت کے طریقہ پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیشک نمازی جب التحیات کے ذریعے ملکوت کا دروازہ کھلوا لیتے ہیں ان کو حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے مناجات سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے ان کو اس پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں نبی رحمت اور ان کی تابعداری کی برکت کے وسیلہ سے حاصل ہے وہ فوراً توجہ



کرتے ہیں تو حبیب کو حرم حبیب میں موجود پاتے ہیں یعنی بارگاہ ذوالجلال میں حبیب پاک کو جلوہ گر پاتے ہیں تو خطاب کے صیغے سے ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ“ کہتے ہیں۔

حقیقت محمدیہ کیا ہے؟

جب یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حقیقت محمدیہ جمیع موجودات عالم میں جاری و ساری ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ حقیقت محمدیہ کیا ہے؟ اس پر علامہ جلال الدین محقق دوانی رحمہ اللہ کا قول ان کی مشہور کتاب اخلاق جلالی کے ص ۲۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:

”تحقیق کلام دریں مقام آن است کہ باطابق اصحاب نظر و برہان و اتفاق ارباب شہود و عیان نخستین گوہر یکہ بامر کن فیکون بوسیله قدرت و ارادہ بے چوں از دریائے غیب مکنون بساحل شہادت آمد جوہر بسیط نورانی بود کہ بعرف حکماء آنرا عقل اول خوانند و در بعضی اخبار تعبیر ازاں بقلم اعلیٰ رفتہ و اکابر ائمہ و کشف و تحقیق آن را حقیقت محمدیہ خوانند“

اس مقام میں کلام کی تحقیق یہ ہے کہ اصحاب نظر و برہان اور ارباب شہود و عیان کا اس پر اتفاق ہے کہ بے مثل ذات (اللہ تعالیٰ) کی قدرت اور اس کے ارادہ کے وسیلہ سے سب سے پہلے جوہر بسیط کن فیکون کے امر سے دریائے غیب مکنون سے ظہور کے ساحل پر آیا (معروض وجود میں آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا) جس کو حکماء کے عرف میں عقل اول کہا گیا ہے اور بعض احادیث میں اس کو قلم اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو اکابر ائمہ کرام اور اصحاب کشف و تحقیق نے حقیقت محمدیہ کہا ہے۔

جناب سید اولیاء پیر مر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ مسئلہ حاضر و ناظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے خیال میں ظہور و سریان حقیقت احمدیہ عالم و ہر مرتبہ اور ہر ذرہ ذرہ میں عند الخلق من الصوفیہ ثابت ہے اس کو حقیقة الحائق کہتے ہیں اور لکھتے ہیں:



”فہو نور محمد ﷺ“ وہ آپ ﷺ کا نور ہے۔

اولا جو بصورت تقی تقی اور جسد شریف عنصری کے ظاہر ہوا ظہور آنحضرت ﷺ بصورت مثالیہ شریفہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر مکان و زمان میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس کا اقرار واقعی آنحضرت ﷺ کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے :

کما فی حدیث البخاری فی کتاب الایمان :

اس سے مراد وہ حدیث ہے جو نکیرین کے سوال سے متعلق وارد ہوئی ہر میت سے سوال کرتے ہیں ما کنت تقول فی حق هذا الرجل لمحمد .  
تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق کیا کہتے تھے۔

چونکہ اس حدیث میں لفظ ”هذا“ استعمال ہوا ہے جو محسوس مبصر پر دلالت کرتا ہے جبکہ ایک وقت میں کئی حضرات کو دفن کیا جاتا ہے تو اس طرح آپ کا بصورت مثالیہ کئی جگہ پر تشریف فرما ہونا یقینی ہے اسی کو ماننا ایمان ہے اور اسی کا انکار کفر ہے ۔

اہل تجربہ کو ظہور کذائی مثالی کا کراتا مراتا (بار بار) اتفاق ہو تا رہتا ہے البتہ ظہور آنحضرت ﷺ کا بجسدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں سے ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف و خصائص و لوازم مختصہ جسد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد (بعید) نہیں ۔

هذا ما عندي والعلم ما عند الله .

(فتاویٰ مہربہ ص ۵)

انه لما تعلق ارادة الحق بايجاد خلقه وتقدير رزقه ابرز الحقيقة المحمدية

(مواہب لدنیہ)

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو موجود کرنے اور اس کے رزق کی تقدیر کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حقیقت محمدیہ کو ظاہر فرمایا۔

زر قانی میں اس عبارت کی جو شرح بیان کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ :

صاحب مواہب کے قول ”ابرز الحقيقة المحمدية“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات کو جمع



صفت اول کے سب سے پہلے ظاہر فرمایا جیسے توقیف میں ذکر کیا گیا ہے اور لطائف کاشی میں اس طرح مذکور ہے کہ محققین حضرات حقیقت محمدیہ سے مراد وہ حقیقت لیتے ہیں کہ جس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں یہ حقیقت تمام حقائق میں اسی طرح جاری و ساری ہے جیسے کلی اپنی جزئیات میں جاری و ساری ہوتی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت محمدیہ - حقیقة الحقائق کی صورت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان برزخ و واسطہ کی حیثیت رکھتی ہے اس وقت اس پر نبی کریم ﷺ کا اسم و وصف غالب نہیں تھا یہی وہ واسطہ یعنی حقیقت محمدیہ ہی نور احمدی ہے جس کی طرف خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اشارہ کر رہا ہے وہ یہ کہ :

”اول ما خلق الله نوری ای قدر علی اصل الوضع اللغوی وبهذا الاعتبار

سمى المصطفى ﷺ بنور الانوار وبابی الارواح“

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اسی وجہ سے مصطفیٰ ﷺ کا نام نور الانوار اور ابو الارواح رکھا گیا ہے۔

(زرقانی ص ۲۷)

مختصر یہ کہ حضور ﷺ کے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے تمام مخلوق کو آپ کے نور سے پیدا کیا گیا تمام انبیائے کرام اپنی اپنی نبوتوں میں اصلی نبی ہونے کے باوجود آپ کے تابع ہیں حقیقت محمدیہ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے حقیقت محمدیہ کو عقل اول قلم اعلیٰ جوہر بسیط نورانی نور الانوار ابو الارواح یعنی روح الارواح کہا گیا ہے زیادہ وضاحت کے لئے میرے رسالہ عقیدہ حاضر و ناظر کا مطالعہ کریں۔

نبی کریم ﷺ پاک نسلوں سے تشریف لائے :

علامہ امام ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کو نقل کیا ہے کہ :

لما اراد الله عز وجل ان يخلق محمدا ﷺ امر جبرائيل عليه السلام فاتاه

بالقبضة البيضاء التي هي موضع قبر رسول الله ﷺ فعجنت بماء التسنيم

فغمست في انهار الجنة وطيفها في السموات فعرفت الملائكة محمدا ﷺ

قبل ان يعرف آدم ثم كان نور محمد يرى في غرة جبهة آدم وقيل له يادم

هذا سيد ولدك من المرسلين فلما حملت حواء بشيث انتقل النور من آدم



الی حواء و كانت تلد فی کل بطن ولدین ولدین الا شیثا فانه ولدتہ وحده  
کرامۃ لمحمد ﷺ ثم لم یزل ینقل من طاهر الی طاهر الی ان ولدتہ آمنۃ  
من عبد اللہ ابن عبد المطلب .

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۴۴ باب فضائل سید المرسلین)

جب اللہ تعالیٰ نے محمد (رسول اللہ) ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل کو حکم دیا کہ  
انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی جگہ سے سفید مٹی کی ایک مٹھی لی پھر اسے ماء  
تسنیم (جنت کی نہر تسنیم کے پانی) سے گوندھا گیا پھر اسے جنت کی نہروں میں ڈھویا گیا  
اور آسمانوں میں اسے پھرایا گیا پس فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو پہچاننے سے پہلے ہی  
محمد ﷺ کو پہچان لیا پھر نور محمدی ﷺ کو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا جس کی وجہ  
سے آپ کی پیشانی جگمگاتی تھی اور آپ کو بتایا گیا اے آدم یہ تمہاری اولاد سے ہوں گے اور  
تمام رسولوں کے سردار ہوں گے پس جب حضرت حوا کے پیٹ میں شیث آئے تو وہ نور آدم  
علیہ السلام کی پیشانی سے منتقل ہو کر حوا کے پاس آگیا حالانکہ حضرت حوا کے بطن مبارک  
سے دو دوپٹے ہر حمل سے پیدا ہو رہے تھے لیکن (نبی کریم ﷺ کے نور کو منقسم ہونے سے  
بچانے کے لئے) صرف شیث علیہ السلام ہی اکیلے پیدا ہوئے اس میں حضور ﷺ کی کرامت  
کو مد نظر رکھا گیا پھر آپ کا نور ہمیشہ سے پاک ہستی کی طرف منتقل ہوتا رہا  
یہاں تک کہ آپ کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو عبد اللہ بن عبد المطلب سے جنا۔

خیال رہے کہ پاک نسلوں سے منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد بدکاری اور کفر  
سے پاک تھے طہارت کو صرف بدکاری کی نجاست سے پاک ہونے کے ساتھ خاص کر ناباطل ہے بلکہ زیادہ  
مقصود ہی کفر سے پاک ہونا ہے یہ تفصیل حضرت ابراہیم کے حالات میں دیکھی جائے وہاں میں نے وضاحت  
سے بیان کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری :

والا کثرون انه ولد عام الفیل وانه بعد الفیل بخمسين يوما وانه فی شہر



ربیع الاول یوم الاثنين لثنتی عشرة خلت من عند طلوع الفجر .

( مواہب ، انوار محمدیہ ص ۲۷ )

اکثر اہل علم کا قول یہی ہے کہ حضور ﷺ اس سال دنیا میں تشریف لائے جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں پر سوار ہو کر کعبہ شریف کو شہید کرنے کی مذموم ( حرکت ) کی اور وہ تباہ و برباد ہوا اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں یعنی آپ اس واقعہ کے پچاس دن بعد تشریف لائے یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اور اس کی بارہ تاریخ تھی پیر کا دن تھا صبح صادق کا وقت تھا۔

پیر کے دن کو نبی کریم ﷺ سے تعلق :

آپ کی پیدائش پیر کے دن آپ کو نبوت عطا ہوئی پیر کے دن مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت پیر کے دن کی مدینہ طیبہ میں پہنچے پیر کے دن قریش کے نزاع کو مٹانے کے لئے حجر اسود کو اپنی چادر مبارک میں رکھ کر سب قبائل کے سرداروں کو اٹھانے کے متعلق ارشاد فرمایا اور خود حجر اسود کو اٹھا کر کعبہ شریف کی دیوار میں نصب کر دیا یہ بھی پیر کا دن تھا مکہ شریف فتح فرمایا پیر کے دن سورہ مائدہ کا آپ پر نزول پیر کے دن ہوا تھا۔

( مواہب ، انوار محمدیہ ص ۲۷ )

نبی کریم ﷺ کا نور منتقل ہونے کے بعد بھی اثر انداز رہا :

نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے پچاس دن پہلے ابرہہ کا واقعہ درپیش آیا اس وقت وہ نور حضرت عبدالمطلب سے منتقل ہو کر حضرت عبد اللہ کی والدہ کے پاس اور ان سے حضرت عبد اللہ کے پاس اور ان سے حضرت آمنہ کے پاس آچکا تھا لیکن پھر بھی اس کے اثرات حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں موجود تھے

فرکب عبدالمطلب فی قریش حتی طلع جبل ثبیر فاستدارت دارة غرة  
رسول الله على جبهته كالللال واشتد شعاعها على البيت الحرام مثل  
السراج فلما نظر عبد المطلب الى ذلك قال يا معشر قریش ارجعوا فقد  
کفیتم هذا الامر فوالله ما استدار هذا النور منی الا ان یکون الظفر لنا .

( مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۸۵ )



حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر (ابرهہ کے لشکر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے) ثبیر پہاڑ پر چڑھے تو آپ کی پیشانی میں نبی کریم ﷺ کا نور گول چاند کی طرح ظاہر ہوا اور اس کی شعاعیں چراغ کی طرح کعبہ شریف پر پڑیں۔ جب عبدالمطلب نے یہ حال دیکھا تو آپ نے کہا: اے قریش کی جماعت واپس لوٹ چلو یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ نور میری پیشانی میں جو چمکا ہے یہ ہماری کامیابی کی دلیل ہے۔

آپ کے نور سے شام کے محلات روشن ہو گئے:

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینة وساخر کم باول امری دعوة ابراهیم وبشارة عیسی ورویا امی التی رات حین وضعتنی وقد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام“

(شرح السنة، مسند احمد از ساخر کم تا اخیر، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۳)

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین لکھا ہوا تھا کہ جب آدم علیہ السلام کیچڑ میں تھے یعنی آپ کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا تمہیں اپنے اول امور کی خبر دے رہا ہوں کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کی رویا ہوں جو آپ نے اس وقت دیکھا جب مجھے جنا کہ آپ سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

دعوة ابراهیم سے اشارہ اس طرف تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد دعا کی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾

(پ ۱ سورة البقرة آیت ۱۲۹)

کہ اے ہمارے رب تعالیٰ ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان میں سے ہی ہو۔

”بشارة عیسیٰ“ سے مراد جو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾

(پ ۲۸ سورة الصف آیت ۲)

آپ نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک رسول تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔



**رؤیا :** کیا رویا سے مراد خواب ہے یا ظاہر طور پر دیکھنا مراد ہے اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

ظاهر هذا الكلام ان روية نور اضاء به قصور الشام كانت في المنام وقد جاء ت الاخبار انها كانت في اليقظة واما لذي في المنام فهو انها رأت انه اتاها آت فقال لها شعرت انك قد حملت بسيد هذه الامة ونبيها فينبغي ان يحمل الرؤيا على الرؤية بالعين والله اعلم .

(لمعات)

اگرچہ ظاہر طور پر تو یہ سمجھ آتا ہے کہ آپ کا نور کو دیکھنا جس سے شام کے محلات روشن ہوئے خواب کا واقعہ ہو لیکن احادیث میں یہی واقعہ جاگتے ہوئے بھی درپیش آنے کا ذکر ہے خواب کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص میرے پاس آکر مجھے کہہ رہا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اس امت کے سردار اور نبی سے حاملہ ہو چکی ہو، مناسب یہی ہے کہ اس حدیث میں رویا سے آنکھ سے جاگتے ہوئے دیکھنا مراد لیا جائے۔

راقم کے نزدیک اس حدیث میں خواب کا معنی لینا ہی حقیقت سے دوری کی علامت ہے اس لئے کہ ”حين وضعتني“ ظرف ہے ”رأت“ کی (جس وقت میری والدہ نے مجھے جنا اس وقت دیکھا)۔ پیدائش کے وقت خواب کا دیکھنا ممکن ہے اس حدیث میں ظاہری طور پر دیکھنا مراد لیا جائے تو یہ معنی ظاہری ترکیب کے بالکل مطابق ہے خواب والا معنی لینا تکلفات اور تاویلات سے خالی نہیں۔

**نبی کریم ﷺ کی پیر اور ربیع الاول کو پیدائش میں حکمت :**

اگرچہ بظاہر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت رمضان المبارک میں ہوتی کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا اور اس میں لیلۃ القدر بھی ہے لیکن ایسا نہیں ہوا، ان چار مہینوں میں آپ کی پیدائش نہیں ہوئی جنہیں عزت والے مہینے کہا گیا ہے۔ شعبان کی پندرہویں رات کو آپ کی پیدائش نہیں



ہوئی، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو آپ کی پیدائش نہیں ہوئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت سے اس زمانے کو مشرف فرمایا جس میں آپ پیدا ہوئے یعنی ربیع الاول اور پیر کو آپ سے باکمال بنایا گیا اگر دوسرے بابرکت اوقات میں آپ کی پیدائش ہوتی تو وہم ہوتا کہ آپ کو شاید کسی مہینہ یا کسی دن یا کسی وقت سے کمال ملا ہے۔

اور وجہ یہ ہے کہ ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں جو تمام موسموں سے اعدل (معتدل) ہے اور احسن ہے آپ کو ربیع الاول میں پیدا فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے معتدل ہے نہ اس میں افراط ہے اور نہ تفریط یعنی بہت سختیاں بھی نہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں اور بہت نرمیاں بھی نہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تھیں۔

پیر کو آپ ﷺ کے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیر کو تمام درخت پیدا کئے گویا کہ انسانوں کا رزق پھل سبزیاں وغیرہ جن پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے وہ پیر کو پیدا ہوئے تو آپ کو بھی اس دن پیدا کر کے اشارہ فرمادیا کہ آپ کی ذات بھی انسانوں کی روحوں کو زندگی بخشنے کا ذریعہ ہے جس طرح رزق کے بغیر انسان کا زندہ رہنا محال ہے اسی طرح آپ کے بغیر ارواح کی بقا نہیں۔

(از حاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۷)

نبی کریم ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار :

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک اصل میلاد النبی ﷺ منانے کا جو طریقہ رائج ہے وہ جائز ہے کیونکہ جو لوگ جمع ہوتے ہیں قرآن پاک پڑھتے ہیں نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت کے واقعات بیان کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی ولادت اور آمد باسعادت پر دلالت کرنے والی آیات بیان کرتے ہیں پھر دسترخوان بچھاتے ہیں اور سب لوگ مل کر کھانا کھاتے ہیں اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں کوئی ناجائز کام نہیں کرتے یہ تمام کام بدعات حسنہ ہیں

التي يثاب عليها صاحبها لما فيه من تعظيم قدر النبي ﷺ و اظهار الفرح



(الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۹)

جن کے کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم پائی جاتی ہے اور خوشی کا اظہار ہے اور آپ کی آمد باسعادت پر بشارت کا حصول ہے۔

### محافل میلاد میں علماء و صلحاء کی شرکت :

ملک مظفر نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی ہر سال قائم کی گئی محافل میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا اس کے دسترخوان پر پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر اور دس ہزار مرغیاں ایک لاکھ مکھن کی ٹکیاں اور تین ہزار طشت مٹھائیوں کے رکھے جاتے۔

”وكان يحضر عنده في المولد اعيان العلماء والصوفية“

اس کے پاس میلاد النبی ﷺ کی محافل میں علمائے کرام اور صوفیہ عظام حاضر ہوا کرتے تھے یہ بھی خیال رہے کہ ملک مظفر الدین بن زین الدین ایک نیک عادل شخص تھا سلطان صلاح الدین بن ایوب کا بہنوئی تھا ایک دن صلاح الدین ایوبی کی بہن اور اس کی زوجہ نے ان کو کہا تم لباس قیمتی کیوں نہیں پہنتے یہ پانچ درہم کے کھدر کے کپڑے پہن لیتے ہو یہ سن کر ملک مظفر نے جواب دیا :

لبسی ثوبا بخمسة والتصدق بالباقي خير من ان البس ثوبا مثمنا وادع  
الفقير والمسكين .

میرے لئے پانچ درہم کا لباس پہننا اور باقی صدقہ کر دینا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ میں قیمتی لباس پہنوں اور فقیروں، مسکینوں کا خیال رکھنا چھوڑ دوں ۔

حافظ ابو الخطاب بن دحیہ جو مشہور علماء اور عظیم فضلاء سے تھے نے ایک کتاب نبی کریم ﷺ کی ولادت کے ذکر میں لکھی جس کا نام تھا ”كتاب التنوير في مولد البشير النذير“ اس میں ملک مظفر الدین نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا ۶۲۵ھ میں بادشاہ کے پاس میلاد النبی ﷺ کی چھ مجلسوں میں اس کتاب کو پڑھا گیا ۔



نبی کریم ﷺ نے خود اپنی ولادت کا تذکرہ کیا :

نبی کریم ﷺ نے اگرچہ ربیع الاول میں بنسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ عبادت نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ تھی :

”وما ذاك الا لرحمته ﷺ بامته ورفقه بهم لانه عليه الصلوة والسلام كان يترك العمل خشية ان يفرض على امته رحمة منه بهم لكن اشار عليه السلام الى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله للسائل الذي سأل عن صوم يوم الاثنين ذاك يوم ولدت فيه“

کہ آپ نے اپنی امت پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے زیادہ عبادت اس مہینہ میں نہیں کیں کہ میری امت پر کہیں یہ فرض نہ کر دی جائیں آپ اسی ڈر کی وجہ سے کئی عمل ہمیشہ نہیں فرماتے تھے لیکن اس مہینہ کی فضیلت کی طرف آپ نے اشارہ کر دیا کیونکہ جب آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ میری پیدائش کا دن ہے ۔

اس دن کی فضیلت کی وجہ سے سارا مہینہ ہی فضیلت والا ہے :

فينبغي ان نحترمه حق الاحترام ونفضله بما فضل الله به الاشهر الفاضلة .  
لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس مہینہ کا ایسا احترام کریں جیسا اس کا حق ہے اور ایسے ہی اس ماہ کو افضل سمجھیں جیسے دوسرے مہینے جن کی افضلیت کا ذکر رب تعالیٰ نے فرمادیا ہے ۔  
نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں :

انا سيد ولد آدم ولا فخر و آدم فمن دونه تحت لوائى .  
میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور فرمایا آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے ۔

کسی زمان یا مکان کو ذاتی طور پر کوئی فضیلت حاصل نہیں بلکہ جن عبادات اور فضیلت والے اسباب سے ان کا تعلق ہوتا ہے ان کی وجہ سے وہ زمان و مکان بھی افضل ہو جاتے ہیں جس مہینہ اور دن میں سید



## تذکرۃ الانبیاء

اکائنات تشریف لائے یقیناً اسے بھی فضیلت حاصل ہے

الا تری ان صوم هذا اليوم فيه فضل عظیم لانه ﷺ ولد فيه .  
کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس دن (پیر کے دن) روزہ رکھنا بہت عظیم ہے کیونکہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔

اخرج البيهقي عن انس ان النبي ﷺ عرق عن نفسه بعد النبوة .  
بیہقی نے حضرت انس سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔

حالانکہ آپ کے دادا عبدالمطلب آپ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کر چکے تھے اور عقیقہ دوبارہ لوٹایا بھی نہیں جاتا تو کیا وجہ تھی کہ آپ نے اپنا عقیقہ پھر کیا؟

”ان الذي فعله النبي ﷺ اظهارا للشكر على ايجاد الله اياه رحمة للعالمين  
وتشريح لامته كما كان يصلي على نفسه“

آپ نے اپنا عقیقہ اس لئے کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنایا تو آپ نے اس سے شکریہ کا اظہار فرمایا اور اس لئے بھی کہ آپ کی امت کے لئے بھی آپ کی ولادت کی خوشی منانا مشروع ہو جائے جیسا کہ آپ پر کوئی ضروری نہیں تھا کہ اپنے آپ پر آپ ﷺ درود پڑھیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ اپنی ذات پر اسی وجہ سے درود پڑھتے تھے کہ آپ کی امت کے لئے سنت بھی بن جائے۔

اعترض :

نبی کریم ﷺ کی پیدائش بارہ ربیع الاول کو علم تقویم کے حساب سے درست نہیں بنتی کیونکہ آپ کی پیدائش ۲۲ اپریل ۵۷۰ء کو ہوئی اس کا حساب کیا جائے تو نو (۹) ربیع الاول بنتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر بارہ ربیع الاول پیدائش کا دن ثابت ہو جائے تو وہی وفات کا دن بھی ہے تو پھر اس دن خوشی کا اظہار کرنا کیسے ممکن ہوگا وہ دن تو غمی کا بھی ہے؟



اعتراض کی پہلی صورت کا جواب تو یہ ہے کہ جناب محمد عرفان رضوی سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی نے اپنی ایک کتاب میں تقویم کی رو سے ہی بارہ ربیع الاول تاریخ کو درست ثابت کر دیا اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل اسلامی مہینوں کا کیلنڈر مستقل نہیں تھا بلکہ کفار اپنی مرضی سے اس میں تبدیلی کرتے تھے۔

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا  
الْمُشْرِكِیْنَ كَافَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴾

(ب ۱۰ سورۃ التوبۃ آیت ۳۶)

بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

بارہ قمری مہینوں میں سال کی تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں کہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ محکم نظام روز ازل سے قائم فرمایا ہے اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب ذیقعد، ذی الحج اور محرم حرمت والے مہینے ہیں ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے زمانہ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل بھی انہیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ کہتے کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا قرآن حکیم۔

﴿ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہی محکم فریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی حساب ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انہیں قمری مہینوں کا اعتبار ہو گا قیم اصل میں قیوم تھا پھر سید کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی احکام الہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے، لیکن ان حرمت والے



## تذکرۃ الانبیاء

مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے اس لئے خصوصی طور پر ان مہینوں میں بازرہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس اور مبارک اوقات میں نیکی کا زیادہ ثواب ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے

”ان وقوع الطاعة في هذه الاوقات اكثر تاثيرا في طهارة النفس ووقوع المعاصي فيها اقوى تاثيرا في خبث النفس“

(از کبیر)

اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ کافہ۔ کف کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہو ہے واحد تشبیہ اور جمع مذکر و مونث سب کے لئے یہی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی ان کا پیشہ قزاقی رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا تین ماہ تک متواتر (ذیقعد، ذی الحج، محرم) ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا ان کے لئے ناقابل برداشت تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت گری کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کر دیا حرمت والے مہینوں کی تعداد بھی چار ہی رہی۔ اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز ”حج“ ایک عبادت کے ہونے کے علاوہ ان کیلئے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا، دور و دراز سے تجارتی قافلے بھی آتے جس سے انہیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ چونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لئے یہ ایسی موسم میں بھی آجاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انہیں دل خواہ نفع نہ ہوتا اس مشکل کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا کیا جائے اس کے لئے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک



مہینہ بڑھا دیا اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں نو ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا، ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے اس لئے ان کے اس فعل کو ”زیادۃ فی الکفر“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا:

۱۰ھ میں جب رحمت عالم ﷺ حجۃ الوداع کیلئے مکہ تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی نو اور دس ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا۔  
اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھینۃ یوم خلق اللہ السموات والارض .  
یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لئے مقرر فرمائی تھیں اسمیں مسلمانوں کے لئے بھی عبرت کا درس ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسرے وجوہ کیلئے احکام الہی میں رد بدل نہ کریں۔

نساء کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے موخر کر دینا۔

قال الجوہری النسی فعیل بمعنی مفعول من قولك نسات الشئی فهو منسو  
اذا اخرته .

(قرطبی، ضیاء القرآن)

میرا مقصد تو صرف اتنا ہی تھا کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے سال کے مہینوں میں تبدیلی کی جاتی تھی اس پر دلیل کے لئے میں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کو پیش کیا عوام الناس کے فائدہ کے لئے آیت کریمہ کی پوری تفسیر نقل کر دی صحیح بات تو یہ ہے کہ مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر کرم شاہ صاحب قدس سرہ کی تفسیر ضیاء القرآن علمائے کرام، طلبائے عظام، وکلاء دانشوروں اور عوام الناس کے لئے یکساں مفید ہے۔ میں اپنی کتاب میں اس کے اقتباسات پیش ہی اس لئے کرتا ہوں کہ کسی کی نظر میں میری کتاب آجائے اور ابھی تک اس نے ضیاء القرآن کا مطالعہ نہ کیا ہو تو وہ ضرور مطالعہ کرے اللہ تعالیٰ



اسے نور معرفت عطا فرمائے گا۔

حساب دان حضرت ان چیزوں کو مد نظر رکھیں کہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف تریسٹھ برس ہے آپ کا وصال بارہ ربیع الاول میں ہوا بلکہ بزرگان دین دو ربیع الاول کی روایت پر زیادہ عمل کرتے ہیں حجة الوداع آپ کے وصال سے تین ماہ قبل ہوا اس حجة الوداع سے تینتیس سال پہلے حج اپنی خاص تاریخوں پر آیا تھا۔

بہر حال جمہور علمائے کرام کا اجماع اسی پر ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہی ہے بارہ پر اعتراض کرنے والے نور ربیع الاول کو ہی خوشی کا اظہار کر دیں تو ہمیں ان پر کیا اعتراض ہے لیکن انکے گھر تو اس دن بھی صف ماتم ہی نکھی رہتی ہے۔

اعتراض کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک تاریخ کو ہی اگر پیدائش بھی ہو اور وصال بھی ہو تو غم کیوں نہیں کیا جاتا صرف خوشی کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے اس کے جواب میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی ولادت ہمارے لئے عظیم نعمت ہے اور آپ کی وفات عظیم مصیبت ہے لیکن شریعت نے نعمتوں کے شکر کا اظہار کرنے کا حکم دیا۔ اور مصیبتوں کے وقت صبر و سکون اور ان کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ شریعت نے بچے کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرنے کے لئے عقیقہ کا حکم دیا لیکن وفات پر جانوروں کے ذبح کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اور ایسے کاموں کا حکم ہے جو خوشی کے موقع پر کئے جاتے ہیں بلکہ نوحہ سے بھی منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بے صبری کی علامت ہے۔

فدلت قواعد الشریعة علی انه یحسن فی هذا الشهر اظہار الفرح

بولادته ﷺ دون اظہار الحزن فیہ بوفاته .

قوانین شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کی وجہ سے اس مہینہ میں خوشی کا اظہار کرنا اچھا ہے لیکن آپ کی وفات پر غم کا اظہار کرنا اچھا نہیں ہے۔



ان رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اللطائف میں رافضیوں کے یوم عاشوراء کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کرنے پر مذمت کرتے ہوئے بیان کیا :

” لم یامر الله ولا رسوله باتخاذ ايام مصائب الانبياء وموتهم ماتما فكيف ممن هو دونهم .

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیائے کرام پر مصائب کے دنوں اور ان کے وصال کے دنوں کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا تو ان سے کم درجہ والوں پر ماتم کیوں کر کیا جائے۔

(الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۳)

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ برزخ میں دنیا کی زندگی سے اعلیٰ زندگی گزار رہے ہیں جب آپ زندہ ہیں تو غم کرنے کا مقصد ہی کیا ہے علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اخرج ابويعلى في مسنده والبيهقي في كتاب حياة الانبياء عن انس ان النبي ﷺ قال والانبياء احياء في قبورهم يصلون.

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۴)

مسند ابی یعلیٰ اور شہقی میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ نماز ادا کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس قسم کی کئی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

” فحصل من مجموع هذه النقول والاحاديث ان النبي ﷺ حي بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث شاء في اقطار الارض و في الملكوت وهو بهيئة التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء وانه مغيب عن الابصار كم غيب الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اكرامه برويته راه على هيئة التي هو عليها لا مانع من ذلك ولا داعي الى التخصيص بروية المثال “

(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۵)

ان تمام روایات و احادیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنے روح و جسم کے ساتھ زندہ ہیں زمین کے اطراف اور ملکوت میں جہاں چاہیں سیر کریں اور تصرف کریں آپ کو وصال



سے پہلے جو ہیئت حاصل تھی وہی اب بھی حاصل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی صرف آپ نظروں سے غائب ہوئے ہیں جیسے فرشتے نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں آپ اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ جس کو آپ کے دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے آپ سے حجاب اٹھا دیتا ہے وہ آپ کو اسی حال میں دیکھتا ہے جیسے آپ ظاہری حیات میں تھے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ آپ کے جسم کو کئی مثالیں عطا کر دیتا ہے اور آدمی آپ کی مثالوں کو دیکھتا ہے بلکہ آپ کو ظاہری طور پر دیکھا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا نسب شریف :

آپ کا نسب مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی (بضم قاف و فتح صاد و تشدید یاء) بن کلاب (بکسر کاف) بن مرہ (بضم میم و تشدید راء) بن کعب (بفتح کاف و سکون عین) بن لوی (بضم لام و فتح حمزہ و تشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فاء و سکون ہاء) بن مالک بن نضر (بفتح نون و سکون ضاد) بن کنانہ (بکسر کاف دو نون کے ساتھ) بن خزیمہ (بخاء معجمہ و زاء مصغر) بن مدرکہ (بضم میم و سکون دال و کسر راء) بن الیاس (بکسر حمزہ ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق بفتح حمزہ بمعنی یاس جو راء) (امید) کی ضد ہے اور حمزہ وصل کے لئے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم و فتح ضاد) بن نزار (بکسر نون و بزاء) بن معد (بضم میم و فتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم و سکون عین، اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین و سکون دال)۔

یہاں تک سلسلہ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم انساب سب کا اتفاق ہے اس سے اوپر میں کچھ اختلاف ہے اس میں اتفاق ہے کہ حضور ﷺ اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں ہیں۔



والدہ کا نسب :

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہے ان کا نسب بھی پانچویں درجہ پر آپ کے والد گرامی کے نسب سے مل جاتا ہے آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ۔

خیال رہے کہ آپ کی والدہ کا اپنی والدہ کی جانب سے بھی نسب آپ کے والد کے نسب سے مل جاتا ہے ۔

آمنہ بنت برہ (حضور ﷺ کی ثانی) بنت عبد العزی بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ۔

آپ کی والدہ کی ثانی کا نسب بھی آپ کے والد کے نسب سے ملتا ہے حضور ﷺ کی ثانی برہ کی والدہ ام حبیب کا نسب یہ ہے ام حبیب بنت اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر حضور ﷺ کی ثانی کا نام برہ اور برہ کی ثانی کا نام بھی برہ تھا آمنہ بنت برہ بنت ام حبیب بنت برہ ام حبیب کی والدہ برہ کا نسب بھی حضور ﷺ کے والد کے نسب سے ملتا ہے وہ اس طرح ہے ۔

برہ بنت عوف بن عبد عوتج بن کعب بن لوی بن غالب وغیرہ۔

یعنی نبی کریم ﷺ کا نسب والد اور والدہ دونوں جانب سے بہتر تھا اور عزت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔

(تاریخ ابن ہشام)

حضور ﷺ اکلوتے تھے :

آپ کا کوئی بھائی بہن نہیں تھے بلکہ اپنے والدین کریمین کے اکلوتے بیٹے تھے نہ ہی آپ کے باپ حضرت عبد اللہ کی کوئی اور اولاد تھی اور نہ ہی آپ کی والدہ حضرت آمنہ کی کوئی اور اولاد تھی یعنی ان دونوں کا



یہ ایک ہی نکاح تھا حضرت عبداللہ نے بھی کوئی اور شادی نہیں کی اور حضرت آمنہ نے بھی۔

## آپ کے والدین کی ایک جگہ قبریں :

آپ کے والد حضرت عبداللہ آپ کے پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے حضرت عبداللہ بسلسلہ تجارت مدینہ طیبہ گئے ہوئے تھے وہاں ہی راستہ میں بیمار ہو گئے اور بنی نجار کے پاس ٹھہر گئے اور آپ کی وہاں ہی وفات ہو گئی اور مقام ابواء میں مدفون ہوئے ابواء مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

(از مدارج النبوة ص ۲۲ ج ۲)

جب نبی کریم ﷺ کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بنی عدی بن النجار کے قبیلہ میں آئیں غرض یہ تھی کہ آپ کی ملاقات آپ کے ماموؤں سے کرائیں تو وہاں سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں انتقال فرما گئیں۔

اسی طرح ایک مشہور قول کے مطابق آپ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ دونوں مقام ابواء میں مدفون ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ مدینہ طیبہ میں مقام نابغہ میں مدفون ہوئے (واللہ اعلم بالصواب) لیکن غالب خیال کچھ ایسے آتا ہے کہ کئی سال پہلے اخبار میں ذکر تھا کہ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی کا جسم اطہر مقام ابواء میں صحیح سلامت ہے کسی کھدائی کے دوران یہ پتہ چلا۔

خیال رہے کہ ابن ہشام نے کہا عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ سلمی بنت عمرو بنجار قبیلہ سے تھیں اس لئے اصل میں بنی نجار حضرت عبداللہ کے ناخال تھے اور نبی کریم ﷺ کے ناخال بھی کہہ دیئے جاتے ہیں ورنہ حضرت آمنہ بنجار یہ نہیں تھیں۔

(اللہ اعلم بالصواب) (از ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۹)

## حضور ﷺ کے چچا :

آپ کے بارہ چچا تھے اور تیرہویں ان کے بھائی آپ کے والد حضرت عبداللہ تھے حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹوں کے نام یہ ہیں :



عبداللہ (حضور ﷺ کے والد گرامی)، حارث، ابوطالب ان کا نام عبد مناف، زبیر اس کی کنیت ابو الحارث، حمزہ ان کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ ابو لہب اس کا نام عبدالعزیٰ، غیداق، مقوم، ضرار، عباس، قثم، عبد الکعبہ، جل اس کا نام مغیرہ۔

صرف دو چچا نے اسلام کو قبول کیا :

حضرت حمزہ جن کی کنیت ابو عمار اور ابو یعلیٰ ہے انہوں نے اسلام قبول کیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”خیر اعمامی حمزہ“ میرے چچاؤں میں سے بہتر حمزہ ہیں۔

بدر میں بھی شریک تھے اور احد میں بھی احد میں ہی وحشی نے آپ کو شہید کر دیا تھا آپ کی عمر انسٹھ سال تھی۔

حضرت عباس کی کنیت ابو الفضل تھی آپ نبی کریم ﷺ سے صرف دو یا تین سال بڑے تھے قریش کے رئیس شمار ہوتے تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے اسلام لانے کے بعد نبی کریم ﷺ ان کی بہت تعظیم فرماتے تھے آپ کا ارشاد گرامی ہے :

العباس عمی و صنوابی من اذاہ اذانی .

عباس میرے چچا ہیں میری باپ کی مثل ہیں جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔

تینتیس ہجری میں حضرت عثمان کی خلافت کے دوران اٹھاسی سال کی عمر میں وصال ہوا بقیع میں دفن ہوئے حضور ﷺ کے سب سے چھوٹے چچا یہی تھے سب سے بڑا حارث تھا۔

(انوار محمدیہ ص ۱۵۹)

نبی کریم ﷺ کی پھوپھیاں :

آپ کی چھ پھوپھیاں تھیں عاتکہ، امیمہ، بیضاء، انکی کنیت ام حکیم، برہ، صفیہ، اروی



صفیہ جو زبیر کی والدہ ہیں ان کا اسلام لانا بالاتفاق ثابت ہے یہ غزوہ خندق میں شریک تھیں انہوں نے ایک یہودی کو بھی قتل کر دیا تھا پس ہجری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں تتر سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک انہوں نے اسلام قبول کیا۔

### نبی کریم ﷺ کی دادیاں :

حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ اور حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو نجاریہ حضرت ہاشم کی والدہ عاتکہ بنت مرہ سلیمیہ، عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت فالح سلیمیہ قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد ازدیہ کلاب کی والدہ، نعم بنت سریر کنانیہ مرہ کی والدہ وخشیہ بنت شیبان فہمیہ کعب کی والدہ سلمیٰ بنت محارب فہمیہ، لوی کی والدہ وخشیہ بنت مدح کنانیہ غالب کی والدہ سلمیٰ بنت سعد ہزلیہ فہر کی والدہ جندلہ بنت حارث جرہمیہ مالک کی والدہ ہند بنت عدوان قیسہ نصر کی والدہ برہ بنت مرہ مریتہ۔

### نبی کریم ﷺ کی نانیاں :

آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب زہریہ رضی اللہ عنہا آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ بنت عبد العزیٰ رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے باپ وہب کی والدہ عاتکہ بنت او قص سلیمیہ رضی اللہ عنہا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ کی والدہ ام حبیبہ یا ام حبیب بنت اسد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ برہ بنت عوف رضی اللہ عنہا یہ تینوں قریشیہ ہیں اس برہ یعنی ام حبیب کی والدہ کی والدہ قلابہ بنت الحارث ہزلیہ قلابہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت یزوع ثقفیہ رضی اللہ عنہا۔

(انوار محمدیہ ص ۱۶۱)

### رضاعی والدہ :

آپ کو حضرت حلیمہ بنت املی ذؤیب سعدیہ ہوا زنیہ نے دودھ پلایا اور جب رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت ختم ہوئی تو آپ کو واپس اپنے والدہ کے پاس لایا گیا۔



حنین کے دن جب یہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔

فقام الیہا وبسط رداءہ لہا فجلست علیہ۔

تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بٹھادی جس پر یہ بیٹھیں۔

ثویبہ (ثاء پر پیش، واؤ پر زبر) جو ابو لہب کی غلامہ تھیں نے بھی آپ کو دودھ پلایا یہ وہی ثویبہ ہے جس نے ابو لہب کو اشارہ سے جا کر بتایا کہ تمہارے بھائی عبد اللہ کا بیٹا پیدا ہوا تو اس نے خوشی سے اپنی انگلی سے اشارہ کیا کہ جا تو آزاد ہے اور میرے بھتیجے کو دودھ پلا ابو لہب کو موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا اس کا حال پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں البتہ پیر کے دن عذاب سے راحت ہوتی ہے کہ محمد (ﷺ) کی پیدائش پر ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

سبحان اللہ کافر کو عذاب سے تحفیف حاصل ہو جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت پر صرف بھتیجا سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا ہو تو یقیناً مسلمان کو بلند مقام حاصل ہو گا جس نے محمد ﷺ کو نبی مان کر سید الکائنات افضل الانبیاء سمجھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ سے بھی ثویبہ کی طرف کپڑے بھیجا کرتے تھے۔

(انوار محمدیہ ص ۱۶۳، الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۱)

پرورش کرنے والی :

ام ایمن نے حضور ﷺ کی پرورش کی آپ فرمایا کرتے تھے ”ام ایمن امی بعد امی“ میری ماں کے بعد میری ماں ام ایمن ہے شیماء بنت حلیمہ سعدیہ نے بھی اپنی ماں کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کی پرورش کی۔

آپ کے رضاعی بہن بھائی :

حضرت حمزہ (جو آپ کے چچا ہیں) اور ابو سلمہ بن عبد الاسد حضور ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں ان کو بھی ثویبہ نے دودھ پلایا ہے ان دونوں کو اور حضور ﷺ کو اس نے اپنے پیٹے مروح کے ساتھ دودھ پلایا ہے ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب جو آپ کے چچا زاد بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ ان کو بھی حضرت حلیمہ



سعدیہ نے دودھ پلایا ہے۔

عبداللہ بھی آپ کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے ہیں۔

آسیہ اور حذافہ آپ کی رضاعی بہنیں ہیں کیونکہ یہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹیاں ہیں خیال رہے کہ حذافہ کا مشہور اور عرفی نام شیماء تھا ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے لشکر نے بنی ہوازن پر حملہ کیا تو قیدیوں میں یہ شیماء بھی آگئیں انہوں نے صحابہ کرام کو بتایا کہ میں تمہارے نبی کریم ﷺ کی (رضاعی) بہن ہوں صحابہ کرام ان کو آپ کے پاس لائے تو انہوں نے کہا :

”یا محمد انا اختک“ اے محمد (ﷺ) میں تمہاری بہن ہوں حضور ﷺ نے انہیں مرحبا کہا اور ان کیلئے ایک چادر بچھائی اور انہیں چادر کے اوپر بٹھایا۔ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے آپ نے فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہتی ہو تو تمہیں عزت و تکریم سے رکھا جائے گا اور اگر تم اپنی قوم کی طرف واپس لوٹنا چاہتی ہو تو تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا انہوں نے کہا میں اپنی قوم کے پاس لوٹنا چاہتی ہوں انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا ان کو حضور ﷺ نے ہدایا عطا فرما کر عزت و تکریم سے ان کی قوم کی طرف واپس لوٹا دیا۔

(از انوار محمدیہ ص ۱۶۲)

**فائدہ:** نبی کریم ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی حضور ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

**آپ کی ازواج مطہرات :**

حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد، عائشہ بنت ابی بکر، حفصہ بنت عمر فاروق، ام حبیبہ بنت ابی سفیان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن)، ام سلمہ بنت ابی امیہ اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن یہ چھ ازواج مطہرات تمام قریشیہ ہیں۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو اسد بن خزیمہ کے قبیلہ سے تھیں، میمونہ بنت الحارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا، زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا جن کا لقب ام المساکین تھا، جویریہ بنت حارث



مطلقہ رضی اللہ عنہا یہ تمام عربیہ ہیں اور ایک زوجہ مطہرہ غیر عربیہ ہیں جو نبی نصیر کے سردار حبیبی کی بیٹی ہیں یہ قبیلہ بنی اسرائیل سے ہیں جن کا نام صفیہ بنت حبیب رضی اللہ عنہا ہے۔

ان تمام ازواج مطہرات سے دو کا وصال آپ کی ظاہری حیات میں ہو گیا تھا ایک خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا جن کا لقب ام المہاجرین ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت نو ازواج مطہرات ظاہری حیات میں موجود تھیں ازواج مطہرات کے مختصر حالات میں نے اپنی کتاب اسلام میں عورت کا مقام میں تحریر کئے ہیں وہاں دیکھے جائیں یا مدارج النبوة میں دیکھے جائیں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔  
آپ کی اولاد مطہرہ :

آپ کی چار بیٹیاں ہیں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ میں نے اپنی کتاب ”اسلام میں عورت کا مقام“ میں چار بیٹیوں کا ثبوت شیعہ کی کتب سے پیش کیا ہے اور تمام کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

آپ کے تین بیٹے تھے قاسم، ابراہیم اور عبد اللہ خیال رہے کہ طیب، مطیب، طاہر اور مطہر انہی کے القاب تھے یہ کوئی علیحدہ بیٹے نہیں تھے۔ قاسم کی ولادت اعلان نبوت سے پہلے ہے یہ کوئی دو سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ فوت ہو گئے اور ان کے نام سے ہی آپ کی کنیت ابو القاسم ﷺ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی بڑی بیٹی ہیں ان کی ولادت جب ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال تھی ان کا نکاح ان کی خالہ کے بیٹے ابو العاص لقیط بن ربیع سے ہوا انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام علی تھا وہ بچپن میں فوت ہو گیا تھا یہ چھ نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک اونٹنی پر سوار تھا اس سے گر کر فوت ہو گیا۔

ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام امامہ تھا یہ حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔



حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جب ولادت ہوئی تو حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت تینتیس سال تھی یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں انہوں نے دو ہجرتیں کیں یعنی پہلے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی جب نبی کریم ﷺ بدر میں تھے تو ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا جب نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا میں تمہاری بہتر راہنمائی نہ کروں؟ یعنی تم اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح میرے ساتھ کر لو اور میں اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دیتا ہوں۔

اس طرح حضرت حفصہ بنت عمر کو نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور ام کلثوم بنت النبی ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آگئیں ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا اور وفات ۹ھ میں ہوئی حضور ﷺ ان کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور شدت غم کی وجہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت فاطمہ الزہراء کی ولادت ہوئی جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اکتالیس برس تھی، آپ کا لقب بتول ہے۔ ان کا نکاح اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ محسن چچن میں فوت ہو گئے۔ آپ کی دو بیٹیاں تھیں زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی چل رہا ہے یعنی امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے سلسلہ اولاد قائم ہے کیونکہ باقی کسی بیٹی کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چل سکا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذکر ہو چکا ہے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی یا بعض روایات کے مطابق دو بچے پیدا ہوئے لیکن چچن میں فوت ہو گئے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا



ایک حمل ساقط ہو گیا تھا اور ایک بچہ پیدا ہوا لیکن وہ بھی دو سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

(از انوار محمدیہ ص ۱۴۵، مدارج النبوة ج ۲ ص ۷۸۶)

حضرت عبداللہ ابن النبی ﷺ چھن میں مکہ میں ہی فوت ہو گئے ان کی پیدائش اعلان نبوت سے پہلے ہوئی یا بعد میں اس میں مختلف اقوال ہیں ان کے ہی طیب و طاہر لقب ہیں۔

### تنبیہ:

حضور ﷺ کی یہ تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہے کسی اور زوجہ مطہرہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے حضرت ابراہیم ابن النبی ﷺ آپ کی غلامہ (لونڈی) ماریہ قبطیہ سے ہیں ان کی پیدائش ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی، آپ کی پیدائش کے ساتویں دن حضور ﷺ نے دود بنے بطور عقیقہ ذبح فرمائے۔ ابوہند نے آپ رضی اللہ عنہ کے بال تراشے، حضور ﷺ نے اسی دن آپ کا نام اپنے دادا کے نام پر ابراہیم رکھا اور بالوں کی مقدار چاندی صدقہ کی بال زمین میں دفن کر دیئے۔ ابراہیم مدینہ طیبہ کے اطراف میں ایک لوہار کی زوجہ کے زیر پرورش تھے۔ حضور ﷺ اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے جاتے تھے ساتھ بعض صحابہ کرام بھی موجود ہوتے۔ آپ بچہ سے پیار و محبت کر کے واپس آجاتے۔ ستر یا اس سے کچھ زائد دن زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گئے۔ بقیع میں دفن ہوئے، ان کی قبر پر پانی چھڑکا گیا اور ایک پتھر بطور نشان لگایا گیا آپ کی وفات پر حضور ﷺ فرما رہے تھے :

”انا بک یا ابراہیم لمحزونون نبکی العین ویحزن القلب“

اے ابراہیم ہم تمہاری موت پر غمزدہ ہیں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمناک ہے۔

(از انوار محمدیہ ص ۱۴۷)





محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیائے کرام سے افضل :

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

دَرَجَاتٍ ﴾

(ب ۳ سورة البقرة آیت ۲۵۳)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ بعض انبیاء بعض پر افضل ہیں اور محمد ﷺ تمام پر افضل ہیں آپ کی افضلیت کئی وجوہ سے ثابت ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا :

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾

(ب ۱۷ سورة الانبياء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

”فلما كان رحمة لكل العالمين لزم ان يكون افضل من كل العالمين“  
جب آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو یقینی طور پر آپ تمام جہانوں سے افضل ہیں۔

یعنی آپ افضل المخلوقات ہیں :

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خدا کے بعد آپ کا ہی مقام بلند و بالا ہے ، مختصر یہی بات ہے ۔

(۲) رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾

(ب ۳۰ سورة الانشراح آیت ۴)

اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا ۔

مالک الملک نے اپنے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذکر کو متصل کیا کلمہ شہادت میں ، اذان میں

اور تشہد وغیرہ میں :

”ولم یکن ذکر سائر الانبیاء کذا لک“



اور باقی تمام انبیائے کرام کا ذکر اس طرح نہیں لہذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں

(۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

(پ ۵ سورۃ النساء آیت ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

آپ کی بیعت کو رب تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾

(پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۱۰)

بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہے۔

اور آپ کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ ذکر فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾

(پ ۲۸ سورۃ المنفقون آیت ۸)

اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔

اور آپ کی رضا کو رب قدوس نے اپنی رضا کے ساتھ ذکر فرمایا:

﴿وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ﴾

(پ ۱۰ سورۃ التوبة آیت ۶۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زائد ہے کہ انہیں راضی کریں۔

رب تعالیٰ نے آپ کے بلانے پر حاضر ہونے کو اپنے بلانے پر حاضر ہونے کے ساتھ ذکر فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾

(پ ۹ سورۃ الانفال آیت ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔

یہ عظمت صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ قرآن پاک کی ہر سورۃ سے چیلنج کریں، کون شخص ہے جو قرآن پاک کی سورۃ جیسی سورۃ بنا کر لائے ﴿فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾ تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ۔ سب



سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے جس میں تین آیتیں ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہر تین آیتوں سے چیلنج کیا لیکن وہ لوگ مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے تو جب قرآن پاک میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں تو ہر تین تین آیتیں جب معجزہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی دو ہزار بائیس معجزات پر مشتمل ہے باقی معجزات علیحدہ ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطا کئے ہیں تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو کثیر معجزات کی وجہ سے تمام انبیائے کرام پر افضلیت حاصل ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کا معجزہ یعنی قرآن پاک تمام انبیائے کرام کے معجزات سے افضل ہے لہذا ہمارے رسول پاک کا تمام انبیائے کرام سے افضل ہونا بھی ثابت ہے چونکہ قرآن پاک کو تمام کلاموں میں اولیت حاصل ہے جیسے آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر اولیت حاصل ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ لباس اعلیٰ ہو تو لباس والے کو شان حاصل ہوتی ہے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ معجزہ اعلیٰ ہو تو صاحب معجزہ بھی اعلیٰ ہو۔

(۶) باقی تمام انبیائے کرام کے معجزات فانی تھے انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن حضور ﷺ کا معجزہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز اعلیٰ ہے فنا ہونے والی سے لہذا جس کو وہ معجزہ ملا جو باقی رہنے والا ہے تو اس ذات کو بھی بلند مرتبہ ماننا ضروری ہے۔

(۷) تمام انبیائے کرام کو جو کمالات انفرادی طور پر حاصل تھے وہ تمام کے تمام نبی کریم ﷺ کو حاصل تھے اسلئے آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهَدَاهُمْ اقْتَدِهْ﴾

(ب ۷ سورۃ الانعام آیت ۹۰)

یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ پر چلو۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیائے کرام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ پہلے انبیائے کرام کی اصول دین میں اقتداء کریں تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو



پہلے انبیائے کرام کی فروع دین میں اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے تو اقتداء کا اور کوئی مطلب نہیں سوائے اس کے ”فلم یبق الا ان یکون المراد محاسن الاخلاق“ کہ اس سے مراد اچھے اخلاق اور کمالات ہوں۔ گویا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا ہم آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال و عادات پر مطلع کرتے ہیں آپ ان کے اچھے اور احسن اخلاق و عادات کو اپنے لئے پسند فرمائیں اور ان کی ان عادات میں اقتداء کریں۔

”وهذه يقتضى انه اجتماع فيه من الخصال المرضية ما كان متفرقا فيهم  
فوجب ان يكون افضل منهم“

اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام اچھی عادات جو تمام انبیائے کرام کو متفرق طور پر حاصل تھیں وہ آپ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئیں لہذا آپ تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں۔

(۸) نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ (پ ۲۲ سورۃ السبا آیت ۲۸)

اور اے محبوب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر۔

جتنے زیادہ امتی ہوں اتنی ہی نبی پر مشقت زیادہ ہوتی ہے نیکوں کے کاموں میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے اسی قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اور خصوصاً جب انسان کو مال حاصل نہ ہو دوست یار مددگار نہ ہوں اور پھر تمام لوگوں کو کہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾

(پ ۳۰ سورۃ الکافرون آیت ۱)

اے کافرو! یہ سن کر لوگ دشمن بن جائیں تو یہ کتنا ہی خوف کا مقام ہے جو بہت بڑی مشقت کا ذریعہ ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا کر کے بھیجا گیا تو آپ کے دشمن صرف فرعون اور فرعون کی قوم کے لوگ تھے بنی اسرائیل آپ کا ساتھ دینے والے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کے تمام لوگ ابتدائی طور پر مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام پر فضیلت دی۔



اور خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ساری عمر رات دن کے طویل اوقات میں انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور خصوصاً ایسے حالات میں ان کی عادت کے مطابق حالات بالکل واضح تھے کہ یہ تو آپ سے دشمنی کریں گے آپ کو تکالیف پہنچائیں گے معاذ اللہ آپ کو حقیر سمجھیں گے ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی تاخیر نہیں کی بلکہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے احکام آپ نے پہنچائے اور عظیم مشقتیں آپ نے برداشت کیں، عظیم مشقت برداشت کرنا افضلیت کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی بعد والوں سے افضلیت بیان کی اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تکالیف برداشت کیں اس وجہ سے وہ افضل ہیں۔

ارشاد باری ہے :

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ﴾ (پ ۲۷ سورة الحديد آیت ۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔

صحابہ کرام جنہوں نے زیادہ مشقتیں برداشت کیں جب وہ دوسروں سے زیادہ افضل ہیں تو یقیناً وہ نبی جنہوں نے سب انبیائے کرام سے زیادہ تکالیف اٹھائیں سب انبیائے کرام سے زیادہ افضلیت کے مالک ہیں۔

(۹) نبی کریم ﷺ کا دین تمام دینوں سے افضل ہے تو آپ کا سب انبیاء سے افضل ہونا بھی ضروری ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دوسرے تمام دینوں کے لئے منسوخ کرنے والا بنایا تو یہ بات ظاہر ہے کہ جو دین دوسرے دینوں کو منسوخ کر دے وہ افضل دین ہے اور آپ کے دین کی افضلیت آپ کے اس قول سے بھی ثابت ہے :

”من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الی يوم

القيمة“

جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس ایجاد پر اجر حاصل ہوگا اور قیامت



تک جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اعمال کے مطابق اجر بھی اسے ملے گا۔

جب آپ کے دین میں اجر و ثواب زیادہ ہے اور خصوصاً ”کان واضعہ اکثر ثوابا من واضعی سائر الادیان“ آپ کے دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جو دوسرے دینوں میں اس طرح نہیں ”فیلزم ان یکون محمد ﷺ افضل من سائر الانبیاء“ تو اس سے ضروری ہی ہو گیا کہ محمد ﷺ کو تمام انبیائے کرام پر افضلیت حاصل ہو۔

(۱۰) نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے تو یقیناً آپ کو بھی سب انبیائے کرام پر افضلیت حاصل ہے آپ کی امت کی شان کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا :

﴿کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (پ ۴ سورۃ آل عمران ۱۱۰)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

آپ کی امت کو بہتری اور فضیلت کیوں حاصل ہے؟ اسلئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں اور آپ کی تابعداری کی وجہ سے ہی دوسری امتوں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔  
رب تعالیٰ نے فرمایا :

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (پ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۳۱)

اے محبوب تم فرماؤ کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔

جب آپ کی امت کو آپ کی تابعداری کی وجہ سے افضلیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی حاصل ہو گئی تو آپ کی ذات کا بھی سب انبیائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

نیز نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے نبی بن کر تشریف لائے تو آپ کو اجر و ثواب زیادہ حاصل ہوا انسان کے مدارج کی بلندی اجر و ثواب کی زیادتی پر ہے کیونکہ جتنے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ ہوں گے اسی قدر آپ کے مراتب بلند ہوں گے یہ شان دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔



”عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ اولی الناس بی یوم القيامة اکثرهم علی صلوٰۃ“

(ترمذی ، مشکوٰۃ باب صلوٰۃ النبی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے قیامت کے دن میرے نزدیک وہ شخص ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہو گا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”اولی الناس ای اقربہم بی اواحقہم بشفاعتی یوم القيامة اکثرهم علی صلوٰۃ لان کثرة الصلوٰۃ منبئة عن التعظیم المقتضی للمتابعة الناشئة عن المحبة الكاملة المرتبة علیہا محبة الله تعالیٰ قال تعالیٰ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله ویغفر لکم ذنوبکم“

(مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۰)

”اولی“ کا معنی ہے اقرب ایک تو اس کا ظاہری معنی ہے کہ آپ پر زیادہ درود پڑھنے والے کو بنسبت دوسرے لوگوں کے جنت میں قریب مقام حاصل ہو گا اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شخص میری خصوصی شفاعت کا زیادہ مستحق ہو گا۔ نبی کریم ﷺ پر زیادہ درود پاک وہی شخص پڑھے گا جس کے دل میں آپ کی تعظیم پائی جائے گی اور جس شخص کو آپ کی عظمت کا خیال ہو گا وہ آپ کی تابعداری بھی کرے گا آپ کی تابعداری وہی شخص کامل طور پر کرتا ہے جسے محبت کاملہ حاصل ہوتی ہے جسے نبی کریم ﷺ سے کامل محبت حاصل ہوتی ہے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے رب تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آپ فرمادیں کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

سبحان اللہ نتیجہ کتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر رب تعالیٰ سے محبت نہیں



ہو سکتی اور نہ ہی رب تعالیٰ کو اس سے محبت ہوگی صرف نام سے توحیدی کہلانے سے کچھ نہیں بنتا اگر تو نے اپنی عاقبت سنواری ہے تو آ! سید الانبیاء کا غلام بن جا۔ تو یہ بھی کہتا رہے کہ نبی کریم کو علم غیب نہیں تھا وہ دیوار کے پیچھے کا علم نہیں رکھتے تھے ان کا مرتبہ ہمارے بڑے بھائی جیسا تھا وہ کسی اختیار کے مالک نہیں تھے وہ تو ہم جیسے بشر تھے اس قسم کے لغویات یہودہ زبان سے نکالتا رہے اور پھر یہ بھی کہے کہ ہمیں بھی نبی کریم سے محبت ہے تیری اس بات پر کون اعتبار کرے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے  
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(۱۱) نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں جب آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا یعنی آپ کی آمد سے انبیائے کرام کی تشریف آوری منسوخ ہو گئی تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی آمد کا ناسخ بن سکتا ہے جو سب سے افضل ہو یہ عقل کے خلاف ہے کہ کم مرتبہ والا اعلیٰ کی آمد کو منسوخ کر دے۔

(۱۲) بعض انبیائے کرام کو بعض پر معجزات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے کثرت معجزات ان کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کو تمام انبیائے کرام سے زیادہ معجزات حاصل ہیں تو آپ کو فضیلت بھی سب پر زیادہ حاصل ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کا بظاہر ایک معجزہ قرآن پاک ہی تین ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔

”ومنها ما يتعلق بالقدرة“ پھر بعض معجزات آپ کو وہ حاصل ہیں جو آپ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں جیسے تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دیا اور تھوڑے پانی سے کثیر لوگوں کو سیراب کر دیا۔

”ومنها ما يتعلق بالعلوم كالإخبار عن الغيوب“

اور بعض معجزات آپ کے علوم سے متعلق ہیں جیسے کہ غیبی خبریں۔

کاش کہ میری برادری کے میرے پیارے جہال کو بھی یہ سمجھ آجاتا کہ غیبی خبریں دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے آپ کے معجزات کا انکار تو کافر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

”ومنها اختصاصه في ذاته بالفضائل“



آپ کے بعض معجزات وہ ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں تمام اشراف عرب سے آپ اعلیٰ حسب و نسب کے مالک ہیں شجاعت، اخلاق، کریمہ، بردباری، وعدہ کی وفا، فصاحت و بلاغت اور سخاوت ان تمام اوصاف میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ“

آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر افضلیت حاصل ہے۔

حضور ﷺ نے اور ارشاد فرمایا :

”انا سید ولد آدم ولا فخر“

میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا اور ارشاد گرامی ہے :

”لا یدخل الجنة احد من النبین حتی ادخلها انا ولا یدخلها احد من الامم

حتی تدخلها امتی“

انبیائے کرام میں سے کوئی ایک بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک میں نہیں داخل ہوں گا اور تمام امتوں میں سے کوئی ایک بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی۔

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطیبهم اذا وفدوا وانا مبشرهم اذا

ایسوا لواء الحمد بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر“

جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا جب سب لوگ آئیں گے تو میں ہی ان سے خطاب کروں گا جب لوگ ناامید ہو جائیں گے تو



میں ہی ان کو بشارت دوں گا لواء الحمد (خصوصی عظمت والے جھنڈے کا نام) میرے ہاتھ میں ہو گا تمام اولاد آدم پر رب تعالیٰ کے ہاں میں ہی مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر تذکرہ کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کا کلام سنا بعض نے تعجب کرتے ہوئے کہا ”ان الله اتخذ ابراهيم خلیلاً“ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اور بعض نے کہا ”ماذا باعجب من كلام موسى كلمه تكليما“۔ موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر اور زیادہ تعجب ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا۔ کچھ اور نے کہا۔ ”فعيسى كلمة الله وروحه“ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں بعض اور حضرات نے کہا: ”آدم اصطفاہ الله“ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے دلائل۔ نے بیشک یہ حقیقت ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں واقعی ایسا ہی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں یقیناً ایسا ہی ہے آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں ہاں یہی بات ہے۔

”الا وانا حبيب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر وانا اول شافع وانا اول مشفع يوم القيامة ولا فخر وانا اول من يحرك حلقة الجنة فيفتح لي فادخلها ومعى الفقراء المؤمنين ولا فخر وانا اكرم الاولين والآخرين ولا فخر“

خبردار میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن لواء الحمد میں ہی اٹھانے والا ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت کو قبول کیا جائے گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، اور قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کے دروازے کو میں ہی کھٹکھاؤں گا اور میرے لئے دروازہ کھولا جائے گا میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، تمام پہلے اور پچھلے لوگوں سے میں زیادہ ہی مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔



یہ تمام احادیث جن کو ذکر کیا گیا ہے روز روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہیں۔

(۱۵) شہقی نے فضائل صحابہ کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”هذا سيد العرب“ یہ شخص عربیوں کا سردار ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ”الست انت سيد العرب“ کیا آپ عربیوں کے سردار نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

”وانا سيد العالمين وهو سيد العرب“ میں تو تمام جہانوں کا سردار ہوں وہ عربیوں کے سردار ہیں اس سے واضح ہوا کہ تمام جہانوں میں انبیائے کرام بھی ہیں لہذا آپ کو تمام انبیائے کرام پر سیادت، فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

(۱۶) نبی اکرم ﷺ کی افضلیت کو محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال سے اس طرح بیان کیا کہ ہر امیر کو اپنی رعیت کی مقدار پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک بستی کا امیر ہو تو اسے مشقت اس بستی کے رہنے والے لوگوں کی مقدار میں اٹھانی پڑے گی اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہو گا اور اگر ایک شخص تمام روئے زمین کا مشرق و مغرب تک حاکم بنا دیا جائے تو اسے بنسبت ایک بستی یا ایک علاقے کے حاکم زیادہ مال اور ذخائر کی ضرورت ہو گی کیونکہ اس نے بہت ہی زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے اور ان کے انتظامات کرنے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو ایک قوم کی طرف بھیجا جائے تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر اسی مقدار میں دیئے جاتے ہیں کیونکہ جتنی مقدار رسالت کی ہے یعنی جتنے امتی ہوں گے اسی مقدار میں کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہو گی اور اگر کسی رسول کو ایک علاقہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس رسول کو اپنے امتیوں کی تعداد کے مطابق کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہو گی۔

اگر کسی ذات کو تمام اہل مغرب و مشرق اور تمام جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا گیا ہو تو یقیناً اسے اس



کی رسالت کی وسعت کے پیش نظر روحانی خزانے یعنی معرفت کے جواہر اور توحید کے خزانے بھی وسیع تر عطا ہوں گے تاکہ ان کی مقدار امت کے مطابق ہو سکے۔

تمام انبیائے کرام کو اتنی وسیع نبوت نہیں عطا کی گئی جتنی کہ نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی کیونکہ ہر نبی کو کسی قوم یا کسی علاقے کا نبی بنایا گیا لیکن حبیب پاک کو ساری کائنات کا نبی بنایا گیا۔

”ولما کان کذاک لا جرم اعطی من کنوز الحکمة والعلم ما لم یعط احد قبلہ فلا جرم بلغ فی العلم الی الحد الذی لم یبلغہ احد من البشر“

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وسیع تر ہے یقیناً یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو حکمت اور علم کے وہ خزانے عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی ایک کو بھی عطا نہیں کئے گئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی﴾

(پ ۲۷ سورۃ النجم آیت ۱۰)

وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی یہ وحی بغیر واسطہ (شب معراج یا عام اوقات میں بذریعہ القاء) کے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا یہ اس وحی کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں ان اسرار پر کسی اور کو اطلاع نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ راز تمام مخلوق سے مخفی رکھے کسی کو نہیں بیاتا کہ وہ وحی کیا تھی کیونکہ یہ محبت اور محبوب کے راز تھے محبت اور محبوب اپنے درمیان مخفی رازوں کو دوسروں پر مطلع نہیں کرتے، صرف اسی ایک مقام پر یہ شعر سچا آتا ہے:

میان طالب و مطلوب رمزیت

کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان وہ راز تھے جن پر کراما کاتبین بھی مطلع نہیں تھے۔

اور فصاحت میں بھی نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں تھا نبی کریم ﷺ اپنے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اوتیت جوامع الکلم“ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں یعنی مختصر



میں جو کثیر مطالب کو حاوی ہو وہ جوامع الکلم کہلاتے ہیں یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو جو کتاب (قرآن مجید) عطا کی گئی وہ سب کتابوں سے افضل ہے اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے ان تمام وجوہ کے پیش نظر حضور ﷺ کی افضلیت تمام انبیائے کرام پر ظاہر و عیاں ہو گئی۔

(۱۷) محمد بن حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النوادر میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں بیشک آپ نے فرمایا:

”ان الله تعالى اتخذ ابراهيم خليلا وموسى نجيا واتخذني حبيبا ثم قال

وعزتي وجلالي لا وثرن حبيبي على خليلي ونجبي“

بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجی اور مجھے حبیب بنایا پھر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر ترجیح دے رہا ہوں۔

جب رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر اپنے خلیل اور اپنے نجی پر اپنے حبیب کی برتری کو بیان فرمادیا تو اب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہی کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔

(۱۸) بخاری اور مسلم میں عمامہ بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ذکر کی گئی انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا بہت حسین و جمیل بنایا اور مکمل بنایا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے (اس گھر کو دیکھنے کے لئے) اس میں چکر لگانا شروع کیا اور وہ اس کی تعمیر پر تعجب کرنے لگے (کہ بہت حسین و جمیل اور مکمل طور پر بنایا گیا ہے) اور کہنے لگے کہ تم نے یہاں ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ یہ گھر مکمل ہو جاتا حضور ﷺ نے فرمایا: ”كنت انا تلك اللبنة“ وہ اینٹ میں ہی تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے قصر نبوت شاندار حسین و جمیل بنایا لیکن ایک نبی کے آنے کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگ اس کے منتظر تھے کہ وہ خاتم النبیین بھی آجائیں تاکہ قصر نبوت کی باقی جگہ مکمل ہو جائے اس طرح قصر نبوت



ممل ہوگا تو میں نے اگر اس قصر نبوت کی تکمیل کی۔

اب واضح ہوا کہ جس ذات کے بغیر قصر نبوت نامکمل تھا اور اس ذات نے اگر اسے مکمل کیا وہ ذات ہی سب سے افضل ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سید الانبیاء ہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے اگر کسی کو نداء کی تو ذاتی نام سے جیسے فرمایا۔

﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ﴾ اے آدم ٹھہر جاؤ۔

﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ ہم نے اسے پکارا یعنی اے ابراہیم۔

﴿يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا رَبُّكَ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام بے شک میں تیرا رب ہوں۔

لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کو ذاتی نام سے کہیں نہیں پکارا یعنی یا محمد نہیں کہا بلکہ ”یا ایہا النبی“ اے نبی اور ”یا ایہا الرسول“ اے رسول اس قسم کے صفاتی ناموں سے پکارا جو آپ کی افضلیت پر واضح دلیل ہے۔

(از کبیر ج ۶ ص ۲۰۸ پ ۳ ابتدائی آیت)

خیال رہے کہ راقم بغیر ضرورت شعری وغیرہ کے یا محمد کا اسی وجہ سے قائل نہیں کیونکہ اس میں وہ ادب نہیں جو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ، اور اس قسم کے الفاظ مبارکہ میں ہے اس لئے یا اللہ یا محمد کے بجائے یا اللہ یا رسول اللہ کے کتبے لگائے جائیں۔

(۲۰) راقم کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی افضلیت کی پیسویں وجہ یہ ہے کہ آپ کو جس طرح کے اصحاب ملے۔ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ایسے اصحاب کسی اور نبی کو نہیں ملے جیسے حضور ﷺ کے تمام صحابہ کرام آپ پر جان نثار تھے ایسے کسی اور کے نہ تھے اس لحاظ پر بھی آپ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

نبی کریم اللہ تعالیٰ کے خزانے تقسیم کرتے ہیں :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی“



اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔  
پیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

اس حدیث پاک کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ الملمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

”و نیست من مگر قسمت کننده و خدا میدهد هر کرا میخواهد و هر چه  
میخواهد از فقه و فہم در دین و غیر آں“  
نہیں ہوں میں مگر تقسیم کرنے والا اور خدا دیتا ہے جس کسی کو خدا دیتا ہے جو چاہے دیتا ہے  
خواہ وہ فقہ کا علم اور علوم دینیہ کی سمجھ ہو یا اس کے بغیر جو بھی رب تعالیٰ دیتا ہے میں ہی تقسیم  
کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام ضغطہ قبر سے محفوظ:

”لم یخلص منه کل سعید الا الانبیاء“

(مرفاۃ ج ۱ ص ۲۰۸)

قبر کے معمولی جھنجھوڑے سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں خواہ وہ کتنا ہی متقی، پرہیزگار نہ ہو  
سوائے انبیائے کرام کے۔

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ وہ قبر کے ضغطہ  
(تنگی) سے محفوظ ہیں۔

نبی کریم کی محبت کے بغیر ایمان نہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین“  
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی (ہر ایک) اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اسکے

والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔



حدیث پاک میں والد کا ذکر ہے لیکن " المراد به ما يشملهما وهو ذو ولد " مراد اس سے صاحب اولاد یہ معنی ماں اور باپ دونوں کا شامل ہے۔ " وولده الى الذکر والانثی " ولد سے مراد بیٹا، بیٹی یعنی مطلق اولاد معنی یہ ہے کہ والدین اور اولاد سب لوگوں سے مجھے محبوب سمجھے۔

محبت سے مراد طبعی محبت نہیں جو بغیر اختیار کے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

(پ ۱ سورة البقرة آیت ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بغیر طاقت کے تکلیف نہیں دیتا۔

محبت سے مراد محبت عقلی ہے جو انسان اپنی عقل کے ذریعے اختیار کرتا ہے خواہ طبیعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو جس طرح مریض کڑوی دوا کو پسند کرتا ہے حالانکہ اس کی طبیعت نہیں چاہتی لیکن عقل کڑوی دوا کے استعمال کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔

اسی سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ اگر کسی شخص کو حکم دیں کہ وہ اپنے کافر والدین یا کافر اولاد کو قتل کر دے تو اس پر لازم ہو گا کہ وہ آپ کے حکم کو ترجیح دے اگرچہ بظاہر اسکی طبیعت نہ بھی چاہے اسی طرح جب آپ نے فرمادیا کہ کفار کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہوتا ہے تو عقل اسے ترجیح دے گی اگرچہ بظاہر طبیعت نہ بھی چاہے اور آپ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محبت ایمانی ہو اور یہ محبت اجلال، توقیر، احسان اور رحمت سے حاصل ہوتی ہے اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی اغراض کو دوسرے تمام کی اغراض پر ترجیح دے۔ اپنے قریبی رشتہ دار ہوں یا اپنی ذات ہو ہر ایک پر محبوب کو رائج سمجھے۔

نبی کریم ﷺ میں تمام اسباب محبوبیت پائے جاتے ہیں حسن سیرت، حسن صورت، کمال فضل اور کمال احسان آپ کو ایسے حاصل ہیں جو کسی ایک کو بھی حاصل نہیں لہذا ضروری ہو گیا کہ آپ کو اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب سمجھے خصوصاً جبکہ آپ مالک الملک کے بھی محبوب تو انسان آپ کو محبوب کیوں نہ سمجھے۔

اعلیٰ درجہ کی محبت حاصل کرنے والوں میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں آپ نے جب



## تذکرۃ الانبیاء

اسی مذکور حدیث کو سنا تو امر طبعی کے تقاضا کے مطابق عرض کیا۔

”لانت یا رسول اللہ احب الی من کل شئی الا من نفسی“  
یا رسول اللہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے۔  
حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک“  
ایمان کی تکمیل نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہاں تک کہ  
میں تمہاری جان سے بھی تمہیں زیادہ محبوب ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

”فانک الآن واللہ احب الی من نفسی فقال الآن یا عمر تم ایمانک“  
اے محبوب قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں  
تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے کیوں کہا کہ مجھے اپنی جان سے محبت زیادہ ہے؟ اس کے دو احتمال  
ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سے یہ سمجھا ہو کہ آپ نے جس محبت کا  
ذکر فرمایا ہے وہ محبت طبعی ہے اور طبعی محبت تو اپنی جان سے زیادہ ہوتی ہے بعد میں یہ سمجھا ہو کہ اس محبت  
سے مراد تو ایمانی اور عقلی ہے جو طبعی کے برخلاف ہے ایمان و عقل جو کہیں اسے طبعی تقاضا پر ترجیح دینی ہے یہ  
سمجھ آنے کے بعد ذکر کیا ہو کہ اب حضور مجھے اپنی جان کی بنسبت بھی آپ سے محبت زیادہ ہے.....

دوسرا احتمال یہ ہے:

”انه اوصله الله تعالى الى مقام الاتم ببركة توجهه عليه الصلوة والسلام

فطبع في قلبه حبه حتى صار كأنه حياته ولبه“

پیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی توجہ مبارک سے ایمان کے اعلیٰ  
مقام پر فائز کر دیا ہو کہ آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت راسخ ہو گئی ہو یہاں تک کہ حضور ﷺ کی محبت  
آپ کی حیات اور عقل بن گئی یعنی زندگی اور عقل کا حصہ بن گئی۔



علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کا ایمان کامل ہو گا وہ نبی کریم ﷺ کی محبت کو ترجیح دے گا اگرچہ وہ کثیر شہوات میں مستغرق ہی کیوں نہ ہو یا اکثر اوقات ان پر غفلت کے پردے ہی کیوں نہ چھائے رہیں۔

ہم اکثر و بیشتر دیکھتے ہیں کہ محبت رسول ﷺ رکھنے والوں نے آپ کی ظاہری حیات میں بھی آپ کے دیدار کو اولاد پر ترجیح دی اپنی جان کو کثیر خوف ہلاکت کا بھی ہو تو پھر بھی محبت رسول ﷺ کا متوالا یہی کہتا ہے کہ کاش ایک مرتبہ مجھے اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت نصیب ہو جائے پھر موت آتی ہے تو آتی رہے کیونکہ مقصد حیات حاصل ہو گیا۔

یہ مقام نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے :

”ولاشك ان حظ الصحابة رضي الله عنهم من هذا المعنى اتم لانه ثمرة المعرفة وهم بقدر ومنزلة اعلم“

اور کوئی شک نہیں کہ یہ مقام صحابہ کرام کو زیادہ حاصل ہو گا ایمان کا اعلیٰ درجہ انہیں حاصل رہا کیونکہ آپ سے محبت کا اعلیٰ معیار آپ کی قدر و منزلت کو جاننے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ شرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب سے زیادہ حاصل تھا کیونکہ وہ حضور ﷺ کے مراتب قدر و منزلت کو زیادہ جانتے تھے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس شخص نے نفس مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دی یعنی دین مصطفوی ﷺ پر خواہشات نفسانیہ کو ترجیح نہ دی اسے حضور ﷺ سے زیادہ محبت ہے اور جس شخص نے نفس امارہ کی جانب کو راجع کیا یعنی اپنی خواہشات نفسانیہ کو ترجیح دی اس کی محبت میں کمی ہے۔ نفس لوامہ ان دونوں کے درمیان ہے خیال رہے، برائیوں کا ارتکاب اور ان پر اترانا نفس امارہ کا کام ہے، غلطی سے برائی کا ارتکاب ہو جائے پھر نادام ہوا اپنے آپ کو ملامت کرے یہ نفس لوامہ ہے، اور برائیوں سے بچ کر رہنا یہ نفس مطمئنہ ہے۔

(ماخوذ از مرقاة ج ۱ ص ۷۴)



نبی کریم ﷺ شیطان سے محفوظ :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”ما منکم من احد الا وقد وکل به قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولكن الله اعانى عليه فاسلم فلا یامرني الا بخیر“  
(مشکوٰۃ، مسلم باب فی الوسوسۃ)

تم میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ ایک جن مؤکل ہوتا ہے اور ایک اسکے ساتھ فرشتہ مؤکل ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ کے ساتھ بھی یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس کے خلاف امداد فرمائی وہ میرا مطیع ہو گیا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کوئی حکم نہیں کرتا

حدیث شریف میں لفظ ”فاسلم“ استعمال ہوا۔ یہ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے جس کا ظاہری معنی ہے کہ میرا قرین اسلام لے آیا ہے اگرچہ علامہ توربشتی نے یہی معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اسلئے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی خصوصیت و افضلیت کے پیش نظر آپ کے قرین شیطان کو اسلام کی دولت سے نوازدیا۔

لیکن دوسرے اہل علم نے اس کا معنی کیا ہے کہ وہ (میرا) مطیع ہو گیا۔

بعض حضرات نے اسے واحد متکلم مضارع مجہول کا صیغہ کہا ہے اس صورت میں معنی ہو گا مجھے اس سے محفوظ کر دیا گیا ہے جامع ترمذی میں یہی ذکر ہے کہ ابن عیینہ نے کہا :

”فاسلم بالضم ای اسلم انا منه والشیطان لا یسلم“

فاسلم میں ہمزہ پر پیش ہے یعنی میں اس سے محفوظ ہوں کیونکہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔

خیال رہے کہ بعض حضرات نے اسم تفہیل کا صیغہ بنایا ہے اور مبتدأ محذوف مانا ہے ان کے نزدیک

اصل عبارت یہ ہوئی :

”فانا اسلم منکم“ میں بنسبت تمہارے شیطان سے زیادہ محفوظ ہوں۔



لیکن اس معنی کے لحاظ سے حضور ﷺ کا مطلقاً شیطان سے محفوظ ہونا ثابت نہیں ہو گا بلکہ اور لوگوں کی نسبت زیادہ محفوظ ہونا ثابت ہو گا یہ معنی درست نہیں اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کو رد کیا فرماتے ہیں :

” وفيه نظر اذ يحتمل كون الوسوسة من النفس دون الشيطان “

یہ کہنا کہ حضور ﷺ کو بعض اوقات وسوسے حاصل ہوئے ہیں تو وہ شیطان کی طرف سے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ آپ کو کبھی کوئی وسوسہ حاصل ہوا بھی ہے تو وہ صرف اپنے نفس کی وجہ سے یعنی عدم توجہ کی وجہ سے اس میں شیطان کو کوئی دخل اندازی نہیں زیادہ مشہور پہلا معنی ہی ہے میں نے بھی ترجمہ میں اسے استعمال کیا ہے۔

(ماہودار مرقاۃ ج ۱ ص ۱۳۸)

نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے :

” قال فنامت عیسی وسمعت اذ نای وعقل قلبی “

(مشکوۃ باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

حضور ﷺ نے فرمایا : میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان سنتے ہیں اور میرا دل سمجھتا ہے ۔

” ان نوم الانبياء كما لا يستولى على قلوبهم لا يستولى على اسماعهم  
وكان في وجهه ان نومهم انما يستولى على ظواهر ابدانهم “

(مرقاۃ ج ۱)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام کے دلوں پر جس طرح نیند کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان کے کانوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام کی نیند کا تعلق صرف ظاہری بدن سے ہوتا ہے ۔

دوسرے لوگوں کی نیند کا اثر ظاہر و باطن پر ہوتا ہے یعنی ان کی آنکھیں، دل اور کان ایک جیسے متاثر ہوتے ہیں۔



حضور ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے :

” وروی ان آدم وشيثا ونوحا وهودا وصالحا ولوطا وشعيبا ويوسف  
وموسى وسليمان وزكريا وعيسى وحنظلة بن صفوان نبى اصحاب الرس  
ومحمدا صلوات الله وسلامه ولدوا مختونين “

(مرقاۃ ج ۲ ص ۷)

روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام، شیت علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام،  
صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام،  
سلیمان علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام  
جو اصحاب رس کے نبی تھے اور حضرت محمد ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کو چار ہزار افراد کی طاقت دی جائے گی :

ترمذی نے حدیث بیان کی جس کو صحیح غریب کہا کہ :

” اذکل رجل من اهل الجنة يعطى قوة مائة رجل فيكون عليه الصلوة  
والسلام اعطى قوة اربعة آلاف رجل “

جنت میں ہر شخص کو ایک سو آدمیوں کی قوت دی جائے گی اور حضور ﷺ کو چار ہزار آدمیوں  
کی قوت عطا کی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کا کھانا بہت کم مقدار میں ہوتا تھا لیکن طاقت دنیا میں بھی کئی افراد کی حاصل تھی  
اور قیامت میں بھی کثیر افراد کی طاقت حاصل ہوگی یہ درحقیقت وجہ خرق عادت (خلاف عادت) آپ کا اعجاز  
ہے کیونکہ عام لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ جسے کھانا کم حاصل ہو اسے طاقت بھی کم حاصل ہوتی ہے۔

(مرقاۃ ج ۲ ص ۴۳)

آپ کے وضو سے گرے ہوئے پانی میں شفا تھی :

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میری خالہ نبی کریم ﷺ کے پاس لے



گئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ :

” ان ابن اختی وجع فمسح راسی ودعالی بالبرکة ثم توضأ فشربت من وضوئہ “

(مسلم، بخاری، مشکوٰۃ باب احکام المیاء)

بے شک میری بہن کے بیٹے کو درد ہے تو حضور ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے اعضاء سے وضو کی وجہ سے گرنے والا پانی پیا۔

حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے سائب رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس میں احتمال یہی ہے کہ ان کے سر میں درد تھا۔

” فمسحه علیہ الصلوۃ والسلام بیدہ المبارکۃ لیکن ذالک سبباً لشفائہ فکان الامر کذا لک “

اس لئے آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے سر پر پھیرا تاکہ ان کے لئے شفا کا سبب بنے تو ایسا ہی ہوا کہ آپ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے انہیں شفا حاصل ہو گئی۔

” فبلغ السائب نحو المائة ولم يشب له شعر ولا سقط له سن “

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک پھیرنے کی یہ برکت ہوئی کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی عمر ایک سو سال کے قریب ہوئی لیکن ان کے سر کا کوئی بال نہ سفید ہوا اور نہ ہی آپ کا کوئی دانت گرا۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ” فشربت من وضوئہ “ (واؤ کی زبر سے) کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے وضو فرمایا اور برتن میں جو پانی باقی رہ گیا تھا وہ میں نے پیا لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کے وضو کرنے پر جو پانی مستعمل ہوا یعنی آپ کے اعضاء سے مس ہو کر گرا وہ میں نے پیا۔

” وهذا انسب بما يقصده الشارب من التبرک “

یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ تبرک کے طور پر پینے کا مقصد اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔



خیال رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے عام کسی بزرگ کے وضو کے مستعمل پانی کو بطور تبرک پینا جائز نہیں۔

”ان البسائل من اعضائه لشرفها لا ینجس ومن ثم اختار كثیرون من

اصحابنا طهارة فضلاته عليه الصلوة والسلام“

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بے شک نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ سے مس ہو کر گرنے والا پانی ناپاک نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے ہمارے کثیر احباب نے اس کو اختیار کیا کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات (پیشاب، پاخانہ) پاک تھے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وضو کے لئے استعمال ہونے والا پانی پاک ہوتا ہے لیکن پاک کرتا نہیں۔

(ماخوذ از مرقاة ج ۲ ص ۵۳)

نبی کریم ﷺ کی نماز قضا ہونے میں حکمت :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خیبر سے لوٹے رات کو چلتے رہے یہاں تک کہ آپ کو اونگھ آنے لگی تو آپ نے رات کے پچھلے حصہ میں آرام کے لئے ایک جگہ قیام کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا ہمارے لئے رات کی حفاظت کرنا (یعنی صبح کی نماز کے لئے اٹھا دینا) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی طاقت کے مطابق کچھ نوافل ادا کئے حضور ﷺ اور صحابہ کرام سو گئے جب فجر کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا فجر کی طرف متوجہ رہے (یعنی مشرق کی جانب منہ کر لیا فجر کا انتظار کرنے لگے) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر غلبہ آگیا (یعنی نیند آگئی) آپ نے پالان کے ساتھ سہارا لگایا ہوا تھا (سو گئے) نہ نبی کریم ﷺ کو اور نہ ہی کسی اور صحابی کو اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جاگ آئی یہاں تک کہ سورج نکل آیا سب سے پہلے نبی کریم ﷺ ہی بیدار ہوئے گھبراہٹ میں مبتلا تھے (کیونکہ صبح کی نماز فوت ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا بلال (تم نے ہمیں جگایا کیوں نہیں) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے بھی اسی چیز نے آلیا جس نے آپ کو گرفت میں لیا (یعنی نیند کا غلبہ ہر ایک پر ہو گیا) آپ نے فرمایا چلو اپنی سواریوں کو تیار کر لو



سب نے اپنی سواریاں تیار کیں اور چل پڑے تھوڑی دیر چلے پھر حضور ﷺ نے وضو فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (اذان کا) پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی تو آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب آپ نے نماز پڑھ لی تو فرمایا :

”من نسی الصلوة فليصلها اذا ذكرها فان الله تعالى قال واقم الصلوة لذكرى“

جو شخص نماز ادا کرنا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے ادا کر لے اسلئے کہ بے شک رب تعالیٰ نے فرمایا نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔

اس حدیث پاک میں دو چیزیں زیر غور ہیں ایک یہ کہ ”ثم توضأ رسول الله ﷺ“ پھر جاگنے پر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا۔

اور دوسری حدیث شریف میں ہے :

”انه اضطجع فنام حتى نفخ فاذنه بلال بالصلوة فصلی ولم يتوضأ“  
بیشک نبی کریم ﷺ لیٹے تو سو گئے یہاں تک کہ آپ کی سانس پھولنے لگی (یعنی سونے کے وقت جو پھونک سی نکلتی ہے وہ حالت ہو گئی) تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

فقہاء کرام شامی وغیرہ نے بھی یہی تحریر کیا :

”نوم الانبياء لا يقتض الوضوء“ انبیائے کرام کی نیند وضو کو نہیں توڑتی۔

اس مسئلہ پر اہل علم نے یہ دلیل پیش کی کہ آپ نے فرمایا :

”تنام عینی ولا ينام قلبي“ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔

جوابات زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تو یہاں وضو کیوں فرمایا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جب حضور ﷺ نے آرام فرمایا ہو اس وقت آپ کا وضو نہ ہو تو سوتے وقت



جب وضو نہیں تھا، جاگتے وقت وضو کرنا ضروری تھا لیکن زیادہ طور پر حضور ﷺ با وضو سوتے تھے اسلئے زیادہ بہتر جواب یہ ہے۔

”انہ یمكن ان وضوہ کان للتجدید“

کہ آپ نے وضو تجدید کے لئے فرمایا ہو گا کیونکہ وضو ہونے کے باوجود دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

**اعتراض:** ”فان قيل كيف ذهل النبي ﷺ ونام عنها مع قوله ولا ينام قلبي“

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ کو کیسے نماز کا پتہ نہ چلا اور سو گئے حالانکہ آپ کا اپنا ارشاد ہے کہ میرا دل نہیں سوتا یعنی جب آپ کا دل جاگتا ہے تو آپ کو صبح صادق کا علم ہونا چاہئے تھا۔

**جواب:**

”لا منافاة بينهما لان القلب انما يدرك الامور الباطنة كاللذة والالم ونحوهما ولا يدرك الحسيات مثل طلوع الفجر وغيره وانما يدرك ذلك بالعين نائمة والقلب يقظان“

اس اعتراض کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ کے ارشاد گرامی اور صبح کے وقت کا پتہ نہ چلنے میں کوئی منافات نہیں کیونکہ دل کا کام ہے امور باطنیہ کا ادراک کرنا جیسے لذت، درد وغیرہ ظاہری حسی چیزوں کا علم دل کا کام نہیں صبح صادق وغیرہ کا پتہ چلانا دل کا کام نہیں یہ چیزیں آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں جب آپ کا ارشاد ہی یہ ہے میری آنکھیں سوتی ہیں تو آنکھیں تو سو رہی تھیں وہ صبح کے نمودار ہونے کو نہیں دیکھ رہی تھیں اور آپ کا دل جاگ رہا تھا جو رب تعالیٰ کی تجلیات کے ادراک کی طرف متوجہ تھا۔

دوسری وجہ زیر غور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نماز قضا کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ علامہ طہی نے بیان فرمائی۔

”انہ نسی لیسن یعنی الحکمة فی نومہ علیہ السلام وذہولہ بالحضرة“



الباطنية عن الطاعة الظاهرية ليعرف حكم القضاء بالدلیل

آپ سے نماز میں تاخیر ہوئی یعنی آپ کے سونے اور نماز میں تاخیر صرف ظاہری طاعت میں تھی ورنہ آپ سوئے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے لہذا باطنی طاعت آپ کو سوئے ہوئے حال میں بھی حاصل ہوتی تھی لیکن اس ظاہری تاخیر میں حکمت یہ تھی کہ امت کے لئے بادل سنت بن جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو دلیل فعلی ہے ہی قوی دلیل قولی سے لہذا ان کے نزدیک حضور ﷺ کا فعل ہی دلیل ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دلیل قولی قوی ہے دلیل فعلی سے اسلئے آپ فرماتے ہیں کہ حضور کی نماز کا رہ جانا اور آپ کا ادا فرمانا اور پھر یہ ارشاد فرمانا کہ جس کی نماز میں بھول ہو جائے یعنی بروقت نہ ادا کر سکے وہ یاد آنے پر ادا کرے یہ دلیل ہے امت کے لئے نماز کے قضا کرنے کی اتنا واضح ہوا کہ آپ کی نماز قضا نہ ہوتی تو امت کے لئے کیسے ثابت ہوتی۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

”هو عليه السلام كيفما اختلف حاله من نوم او يقظة في حق وتحقيق ومع  
الملائكة المقربين في كل طريق وفج عميق ان نسي فباكد من المنسي  
اشتغل وان نام فبقلمه ونفسه على الله اقبل“

نبی کریم ﷺ جس حال میں بھی ہوں خواہ نیند میں ہوں یا بیداری میں ہوں حق پر ہوتے ہیں آپ کا ہر حال تحقیق پر مبنی ہوتا ہے آپ ہر وسیع یاد شوار گزار راہ میں مقرب فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں آپ اگر بھول جاتے ہیں تو بھلانے والی ذات کی طرف ہی مشغول ہوتے ہیں اور اگر آپ سو بھی جائیں تو آپ اپنے دل اور نفس سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔

یعنی آپ بھولتے نہیں آپ کو بھلایا جاتا ہے آپ کے بھولنے میں راہ حق سے پھرنا لازم نہیں آتا رب تعالیٰ سے توجہ کبھی نہیں ہٹتی۔

”ولهذا قال الصحابة كان النبي ﷺ اذا نام لا نوقظه حتى يستقيظ بنفسه  
لانا لا ندري ما هو فيه فنومه عن الصلوة او نسيانه نسيء منها لم يكن عن آفة



وانما كان بالتصبر من حالة الى حالة مثلها ليكون لناسنة

اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ جب سوتے تھے ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود جاگتے اسلئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ کس حال میں ہیں آپ کا نماز کے وقت سونا اور نماز کا قضا ہونا یا آپ کا بھولنا کسی آفت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا آپ کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تصرف صرف اس وجہ سے ہوتا تھا کہ وہ کام ہمارے لئے سنت بن جائے۔

(ماخوذ از مرقاة ج ۲ ص ۷۸)

## مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”صلوة فی مسجدی هذا خیر من الف صلوة فیما سواہ الا المسجد

الحرام“

(مسلم، بخاری، مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوة)

میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرنا ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

اس حدیث پاک میں ذکر ہے کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا بنسبت دوسری مساجد کے ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے لیکن ایک ہزار سے بہتر کہاں تک ہے وہ حد ذکر نہیں دوسری روایت میں اس حد کا ذکر کیا گیا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”صلوة الرجل فی بیتہ بصلوة وصلوته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين

صلوة وصلوته فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسائة صلوة وصلوته فی

المسجد الاقصی بخمسين الف صلوة وصلوته فی مسجدی بخمسين الف

صلوة وصلوته فی المسجد الحرام بمائة الف صلوة“

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب المساجد)

کوئی انسان اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ایک نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص

قبیلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص جامع مسجد میں

نماز ادا کرے اسے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرے

اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرتا



ہے اسے بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص مسجد حرام میں نماز ادا کرتا ہے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

**فائدہ:** تعداد کے لحاظ پر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب حاصل ہوتا اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا۔ لیکن درجہ کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کے قرب کی وجہ سے پچاس ہزار کو ایک لاکھ پر فضیلت حاصل ہے :

”واما مزید المضاعفة فاسباب التفضیل لا تنحصر فی ذالك فالصلوات الخمس بمنی للمتوجه لعرفة افضل منها بمسجد مكة وان انتفت عنها المضاعفة اذ فی الاتباع ما یربو علیها“

(جواهر البحار ج ۴ ص ۱۰)

تعداد کی زیادتی میں فضیلت کے اسباب منحصر نہیں عرفات میں جانے کے لئے منی میں پانچ نمازیں ادا کرنا افضل ہے بنسبت مسجد حرام میں ادا کرنے کے حالانکہ ان میں تعداد پر وہ فضیلت نہیں یعنی منی میں ایک نماز کے ادا کرنے سے ایک کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور وہی نماز مسجد حرام میں ادا کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن ایک کا ثواب ایک لاکھ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اصل میں نبی کریم ﷺ کی اتباع ہی میں فضیلت ہے۔

”ولذا قال عمر رضی اللہ عنہ بمزید المضاعفة بمسجد مكة مع قوله بتفضیل المدينة“

(جواهر البحار ج ۴ ص ۱۰)

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ شریف میں مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے زیادہ نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن مدینہ طیبہ میں نماز ادا کرنے سے ثواب میں افضلیت حاصل ہوتی ہے۔

**نبی کریم ﷺ کی قبر انور کا مقام عرش اعلیٰ سے بلند :**

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام اور اکثر اہل مدینہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں لیکن نبی



## تذکرۃ الانبیاء

کریم ﷺ کی قبر انور کے مقام کی افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

”ونقل القاضي عياض وغيره الاجماع على تفضيل ما ضم الاعضاء الشريفة حتى على الكعبة المنيفة وان الخلاف فيما عداه ونقل عن ابي عقيل الحنبلي ان تلك البقعة افضل من العرش وصرح الفاكهاني بتفضيلها على السموات قال بل الظاهر المتعين تفضيل جميع الارض على السماء لحلوله عليه الصلوة والسلام بها وحكاه بعضهم عن الاكثرين لخلق الانبياء منها ودفنهم فيها“

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل علم سے یہ منقول ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس سے نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے وہ کعبہ مکرمہ سے افضل ہے اختلاف اس مقام کے غیر میں ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس مقام کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ ظاہرات یہ ہے کہ تمام زمین کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ زمین میں تشریف فرما ہیں اکثر اہل علم نے تو زمین کی افضلیت پر یہی دلیل قائم کی ہے کچھ اور حضرات نے یہ کہا ہے کہ تمام انبیائے کرام زمین سے پیدا ہوئے اور زمین میں مدفون ہیں اس لحاظ پر بھی زمین کو آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے۔

”وقال النووي والجمهور على تفضيل السماء على الارض اي ماعدا ما ضم الاعضاء الشريفة ومحل الخلاف فيما عدا الكعبة فهي افضل من بقية المدينة اتفاقا ماعدا موضع قبره المقدس“

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمہور علمائے کرام اس طرف ہیں کہ آسمانوں کو زمین پر افضلیت حاصل ہے سوائے اس مقام کے جس سے حضور ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے۔ اسی طرح محل خلاف کعبہ مکرمہ کے ماسوا میں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی قبر انور کے بغیر باقی مدینہ پر کعبہ شریف کو افضلیت حاصل ہے۔



نبی کریم ﷺ کی خوبصورت اور بلند آواز :

ان عسا کر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ حسین چہرے والا اور حسین آواز والا بھیجا۔

”حتی بعث اللہ نبیکم فبعثہ حسن الوجہ و حسن الصوت“

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا تو حسین چہرہ اور حسین آواز عطا کر کے بھیجا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ

”ان صوته علیہ السلام کان یبلغ ما لا یبلغ صوت غیرہ“

(از مرقاة ص ۲۹۲)

بیشک نبی کریم ﷺ کی آواز وہاں پہنچتی تھی جہاں کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

رب تعالیٰ کے تمام خزانے نبی کریم ﷺ کے پاس :

”عن ربیعہ بن کعب قال کنت ابیت مع رسول اللہ ﷺ فاتیته بوضوئہ

وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسألك مرافقتک فی الجنة قال او غیر ذالک

قلت هو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود“

(مسلم، مشکوٰۃ باب السجود وفضله)

حضرت ربیع بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے پاس گزارتا تھا میں نے آپ کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور آپ کی حاجت کا سامان (مسواک، مصلی وغیرہ) پیش کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگو تو میں نے عرض کیا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کیا اس کے بغیر (سوا) کچھ اور؟ آپ نے عرض کیا صرف یہی آپ نے فرمایا کثرت سجد سے اپنے نفس پر میری امداد کرنا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”سل“ یعنی تمہیں کسی چیز کی حاجت ہو تو مجھ سے طلب کرو۔



ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا مقصد یہ تھا :

” اتحفك بها في مقابلة خدمتك لي لان هذا هو شان الكرام ولا اكرم

منه ﷺ“

کہ میں تمہاری خدمت کے بدلہ تمہیں تحفہ دوں کیونکہ کریم لوگوں کی یہی شان ہے اور نبی کریم سے بڑھ کر اور کوئی کریم بھی نہیں۔

” ویوخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسوال ان اللہ ممکنہ من اعطاء کل

ما اراد من خزائن الحق“

نبی کریم ﷺ نے مطلقاً ذکر فرمایا طلب کرو یہ نہیں فرمایا کہ فلاں چیز طلب کرو اور فلاں طلب نہ کرو اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو چاہیں عطا فرمادیں۔

” ومن ثم عد ائمتنا من خصائصہ علیہ السلام انه یخص من یشاء بما شاء“

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے یہ حضور ﷺ کی خصوصیت شمار فرمائی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مختص کیا ہے کہ جسے چاہیں جو چاہیں عطا فرمائیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلے شہادت کو دو کے برابر قرار دینا آپ کے وسیع اختیار پر دلالت کر رہا ہے اور ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو بحری کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کی اجازت فرمانا اور ساتھ یہ ارشاد فرمانا کہ یہ تمہارے لئے جائز ہے کسی اور کے لئے نہیں اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع اختیارات عطا فرمائے۔

” ان اللہ تعالیٰ اقطعہ ارض الجنة یعطی منها ما شاء لمن شاء“

بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت آپ کے اختیار میں دے دی جسے چاہیں جتنا حصہ دے دیں۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس کے بغیر تو کچھ طلب نہیں کرو گے یہ دراصل امتحان تھا کہ کیا اس اعلیٰ مطلوب پر قائم رہتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ ایسی چیز کی طلب تھی جس کے مقابل کوئی چیز نہیں تھی۔



”فان الثبات علی طلب اعلی المقامات من اتم الکمالات“

پیشک اعلی مقامات کی طلب پر ثابت رہنا ہی کامل کمالات سے ہے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا سوال صرف یہی ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت میسر ہو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس جواب پر فرماتے ہیں :

”سبحان اللہ تعالیٰ من جمع له بین حسن الخدمة وعلو الهمة“

سبحان اللہ تعالیٰ وہ شخص کتنا ہی بلند مرتبہ رکھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ کی حسین خدمت کا شرف حاصل ہوا اور کتنی بلند ہمت حاصل ہوئی کہ اعلیٰ سوال کیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں کثرت سجود کا حکم دیا جس سے اشارہ تھا کہ جنت میں میری مرافقت اعلیٰ قسم کے مراتب سے ہے اعلیٰ مرتبہ انسان کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف نیکیوں کے کام کرے۔

”اعنی علی نفسک“ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کی اصلاح میں میری امداد کثرت سجود سے کرنا۔

”وفیه اشارة الى ان هذه المرتبة العالية لا تحصل بمجرد السجود بل به

معه دعاءه علیه السلام له اياها من اللہ تعالیٰ“

اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ یہ بلند و بالا مرتبہ صرف سجدوں سے نہیں ملے گا نفس کے خلاف زیادہ سجدے بھی کرنا لیکن جنت میں یہ مقام اسی وقت ملے گا جب میری دعائیں بھی تمہاری عبادت کے ساتھ شامل ہوں گی۔

(از مرقاة ج ۲ ص ۳۲۳)

نبی کریم ﷺ درود کا جواب دیتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ تعالیٰ ﷺ نے فرمایا :

”ما من احد یسلم علی الا رد اللہ تعالیٰ علی روحی حتی ارد علیہ السلام“

(ابوداؤد، بیہقی فی الدعوات الکبیر، مشکوٰۃ باب الصلوۃ علی النبی)



کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ مجھ پر وہ سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

”ای اقول وعلیک السلام“ یعنی میں کہتا ہوں اور تم پر بھی سلام ہو حدیث شریف میں رد الروح کا جو ذکر ہے اس کے متعلق ابن الملک نے بیان فرمایا :

”رد الروح کنایۃ عن اعلام اللہ ایاہ بان فلانا صلی علیہ“

روح کا لوٹنا حقیقی معنی میں استعمال نہیں بلکہ مجازی طور پر اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ پر درود پڑھ رہا ہے تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔

(از مرقاة ج ۲ ص ۳۴۱)

اسی حدیث مذکور کا معنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی طرح بیان کیا ان معانی میں سے ایک کے متعلق فرمایا ”وہو قوی جدا“ کہ یہ معنی بہت ہی قوی ہے وہ معنی آپ نے یہ بیان کیا :

”انہ لیس المراد برد الروح عودھا بعد المفارقة للبدن وانما النبی ﷺ فی

البرزخ مشغول باحوال الملکوت مستغرق فی مشاہدۃ ربہ کما کان فی

الدنیا فی حالة الوحی وفی اوقات اخر فعبّر عن افاقته من تلك المشاہدۃ

وذالك الاستغراق برد الروح“

(الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۱۵۱)

رد روح کا یہ مطلب نہیں کہ روح آپ کے بدن سے جدا ہونے کے بعد لوٹتی ہے بلکہ حضور ﷺ برزخ میں احوال ملکوت میں مشغول ہیں اور رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں جس طرح آپ دنیا میں وحی کی حالت میں ہوتے تھے پھر وحی کے بغیر دوسرے اوقات میں دنیا والوں کی طرف توجہ فرماتے تھے اسی طرح آپ جب رب تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں استغراق کے بعد سلام بھیجنے والے کی طرف توجہ فرماتے ہیں اس حال کو رد روح سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

درود پاک ذکر خدا بھی ہے :

”عن ابی بن کعب قال قلت یا رسول اللہ ﷺ انی اکثر الصلوۃ علیک فکم



اجعل لك من صلوتی فقال ما شئت قلت الربع قال ما شئت فان زدت فهو  
خير لك قلت النصف قال ما شئت فان زدت فهو خير لك قلت فالثلاثين قال  
ما شئت فان زدت فهو خير لك اجعل لك صلوتی كلها قال اذا تكفى همك  
ويكفر لك ذنبك

(ترمذی، مشکوٰۃ الصلوٰۃ علی النبی)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول  
اللہ ﷺ میں آپ پر زیادہ درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں (اپنی دعاؤں، اوراد، اذکار میں سے)  
کتنا وقت آپ کے درود کے لئے مقرر کر دوں آپ نے فرمایا جتنا تم چاہتے ہو میں نے عرض  
کیا چوتھائی وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہتے ہو اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو  
تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا نصف حصہ وقت کا مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا جو  
تم چاہتے ہو اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا دو تہائی  
وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا جو تم چاہتے ہو اگر تم اس سے زیادہ کر لو تو تمہارے لئے  
بہتر ہے میں نے عرض کیا کہ کل وقت مقرر کر لوں؟ آپ نے فرمایا (اگر تم ایسا کر لو) کہ یہ تو  
تمہارے تمام امور کے لئے کافی ہے اور تمہارے گناہوں کو مٹائے گا۔

”اذا تكفى همك“ کا مطلب یہ ہے۔

”اذا صرفت جميع زمان دعائك في الصلوة على كفيته ما يهملك“

اگر تم نے اپنی دعاؤں کا کل وقت مجھ پر درود پاک پڑھنے میں صرف کیا تو جو بھی تمہارے لئے  
واقع ہونے والے امور ہوں گے ان میں کافی ہوگا۔

”ما اهمك من امر دينك ودينك“

یعنی جو حوادث وغیرہ تمہیں دینی یا دنیاوی امور میں غم ڈالنے والے ہوں گے ان تمام امور میں  
درود پاک تمہارے لئے کافی ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے دعاؤں، ورد، وظیفے اور ذکر کرنے کے تمام وقت کو درود پاک پڑھنے میں صرف



کرنا کیوں بہتر قرار دیا۔

” لان الصلوة علیہ مشتملة علی ذکر اللہ وتعظیم الرسول ﷺ والاشتمال

باداء حقہ عن اداء مقاصد نفسہ وایثارہ بالدعاء علی نفسہ ما اعظمہ من

خلال جلیلة الاخطار واعمال کریمۃ الآثار“

اسلئے کہ حضور ﷺ پر درود پاک پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی

تعظیم بھی پائی گئی ہے اور درود پاک اپنے ذاتی حقوق کی ادائیگی کی بنسبت حضور ﷺ کے

حقوق ادا کرنے پر مشتمل ہے اور درود پاک پڑھنے میں اپنی ذات کے لئے دعا کرنے پر ایک

عظیم الشان عمل کو ترجیح دی گئی ہے جو عمل ہی باعث کرم ہی کرم ہے۔

(از مرقاة ج ۲ ص ۲۴۴)

یعنی دعا سے بھی بہتر درود پاک کیونکہ اس سے رب تعالیٰ بھی راضی اور رب تعالیٰ کا رسول بھی۔

جب رب تعالیٰ اس کی حاجات کو جانتا ہے تو اسے اپنی رضا و رحمت سے اس کے عرض کرنے کے بغیر ہی دے

گا۔

یہاں سے جاہل قوم کا اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ اہل سنت و جماعت درود ہی پڑھتے رہتے ہیں اللہ

تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے کاش کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرمادے اور انہیں یہ سمجھ آجائے کہ درود پاک

در اصل اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔

”کما صلیت علی ابراہیم“ کا مطلب کیا؟

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے کہ عام طور پر یہ ثابت ہے کہ مشبہ، مشبہ بہ سے کم درجہ ہوتا ہے اس

درود میں تشبیہ دی گئی ہے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیونکہ کہا جاتا ہے اے اللہ صلوة

بھیج محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر جیسا کہ تو نے صلوة بھیجی ابراہیم (علیہ السلام) پر اور آپ کی آل پر۔

اس سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں حضور ﷺ سے حالانکہ آپ افضل

الانبیاء ہیں یہاں تشبیہ کیسے درست ہے۔



اس سوال کے ملاحظی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جواب دیئے ہیں ان میں سے تین جواب نقل کر

رہا ہوں۔

(۱) "ان التشبہ فی الاصل لا فی القدر کما قبل فی کما کتب علی الدین من  
فلکم و کما فی اما و حینا الیک کما او حینا الی نوح واحسن کما احسن اللہ  
الیک"

یہاں تشبیہ اصل میں ہے مقدار میں نہیں یعنی صرف یہ مطلب ہے کہ اے اللہ تو نبی کریم ﷺ پر  
صلوٰۃ بھیج جیسا کہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجی ہے یہ مطلب نہیں کہ اسی طرح اور اتنی مقدار میں تو  
حضور ﷺ پر بھی صلوٰۃ بھیج جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم  
سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے یہاں بھی صرف فرض ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے یہ مطلب نہیں  
کہ جتنے روزے تم پر فرض ہوئے ہیں اتنے ہی پہلی تمام قوموں پر ہوئے۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے فرمایا بیشک ہم نے تمہاری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کی  
طرف وحی کی اس میں بھی صرف اتنا ثابت کیا گیا کہ آپ کی طرف بھی وحی کی گئی اور نوح علیہ السلام کی طرف  
بھی یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ جتنی وحی نوح علیہ السلام کی طرف کی گئی اتنی وحی آپ کی طرف بھی کی گئی۔

اور فرمایا احسان کرو جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا یہاں بھی یہ مطلب نہیں کہ جتنا احسان اللہ  
تعالیٰ نے تم پر فرمایا اتنا احسان تم دوسروں پر کرو بلکہ صرف احسان کرنے کا بنی اسرائیل نے قارون کو مشورہ  
دیا تھا۔

(۲) "ان الکاف للتعلیل کقولہ تعالیٰ ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم"

درود شریف میں کاف تشبیہ کے لئے استعمال ہی نہیں بلکہ علت و سبب کے لئے ہے جیسے اللہ تعالیٰ  
کے ارشاد میں لفظ "علی" سبب کے لئے آیا ہوا ہے آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کیونکہ  
اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔

اب اس جواب کے مطابق درود کا معنی یہ ہو گا اے اللہ محمد ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج کیونکہ تو



ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج چکا ہے۔

(۳) ”ان التشیبه انما هو للمجموع بالمجموع فان الانبیاء من آل ابراهیم کثیرة وهو ایضا عنهم“

یہاں تشبیہ مجموع کو مجموع سے دی گئی ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آل سے کثیر انبیائے کرام ہیں اور حضور ﷺ بھی ان میں سے ہی ہیں اب درود پاک کا معنی یہ ہو گا کہ اے اللہ محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر اتنی کثیر مقدار میں صلوٰۃ بھیج جیسے کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور آپ کی آل میں سے کثیر انبیائے کرام پر کثیر صلوٰۃ تو نے بھیجی۔

نبی کریم ﷺ کے بھولنے میں حکمت :

”عن ابی ہریرہ ان النبی ﷺ خرج الى الصلوة فلما کبر انصرف واوما اليهم ان کما کنتم ثم خرج فاغتسل ثم جاء وراسه يقطر فصلى بهم فلما صلى قال انى كنت جنبا فنسيت ان اغتسل“

(مسند احمد، مشکوٰۃ باب ما لا يجوز من العمل فى الصلوة وما يباح منه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے پیشک نبی کریم ﷺ نماز کی طرف نکلے جب آپ نے تکبیر کہی تو پھر گئے اور لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر جائیں آپ (مسجد سے) نکل گئے آپ نے غسل فرمایا پھر تشریف لائے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے نماز پڑھی جب نماز پڑھ لی تو فرمایا پیشک میں حالت جنابت میں تھا غسل کرنا بھول گیا تھا۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

”وانما نسی ليسن ولئلا يستحیی احد من الأئمة اذا وقع له مثل هذا“

(مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹)

آپ سے بھول واقع ہوئی تاکہ امت کے لئے سنت بن جائے اور اسلئے کہ اگر کسی امام کو ایسا واقعہ درپیش آجائے تو اسے شرم نہ آئے۔

آپ کے بھولنے میں وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کا فعل امت کے لئے سنت بن جائے ورنہ آپ



کی امت کے مشائخ دوسروں کی جنابت پر بھی اطلاع رکھتے تھے۔

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ بے شک امام الحرمین ابو المعالی ابن الامام ابو محمد جوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے درس دے رہے تھے وہاں سے صوفیاء کرام میں سے ایک شیخ کا گزر ہوا ان کے ساتھ ان کے احباب بھی تھے وہ کسی دعوت پر جا رہے تھے امام الحرمین نے دل میں خیال کیا کہ ان لوگوں کا کوئی اور کام نہیں سوائے کھانے اور رقص کرنے کے۔ وہ شیخ جب دعوت سے واپس لوٹے تو فرمانے لگے اے فقیہ تم کیا کہتے ہو اس شخص کے متعلق جو صبح کی نماز حالت جنابت میں پڑھا دیتا ہے اور مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دیتا ہے اور لوگوں کی غیبت کرتا ہے امام الحرمین کو شیخ کی بات سن کر یاد آیا کہ مجھ پر تو غسل لازم تھا لیکن میں بھول گیا اس کے بعد ان کے دل میں مشائخ کے متعلق اچھا اعتقاد آگیا یعنی مشائخ کو صاحب کشف سمجھنے لگے۔

اس واقعہ سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب مشائخ دوسروں کی حالت جنابت پر مطلع ہو سکتے ہیں تو حضور ﷺ کو اپنے آپ پر مطلع ہونا تو ضروری تھا لیکن رب تعالیٰ نے آپ کو بھلا کر آپ کی امت کے لئے سنت بنادیا۔

(از مرقاة ج ۳ ص ۱۹)

نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر ثواب مکمل ملتا :

”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لما بدن رسول اللہ ﷺ وثقل کان اکثر صلوٰتہ جالسا“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے تو آپ زیادہ طور پر نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔

”قال ابن حجر ومن خصائصہ علیہ السلام ان ثواب تطوعہ جالسا کھو قائما“

حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نوافل بیٹھ کر ادا فرماتے لیکن ثواب آپ کو کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طرح ہی حاصل ہوتا تھا۔



”عن عبد الله بن عمرو قال حدثت ان رسول الله ﷺ قال صلوة الرجل قاعدا نصف الصلوة قال فاتيته فوجدته يصلي جالسا فوضعت يدي على رأسه قال مالك يا عبد الله بن عمرو قلت حدثت يا رسول الله انك قلت صلوة الرجل قاعدا على نصف الصلوة وانت تصلي قاعدا قال اجل ولكني لست كاحد منكم“

(مسلم، مشکوٰۃ باب القصد فی العمل)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے حدیث بیان کی گئی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے آپ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے تو میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر مبارک پر رکھا تو آپ نے فرمایا اے عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) تمہیں کیا ہوا میں نے عرض کیا کہ مجھے یہ حدیث بتائی گئی کہ بیشک آپ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے انسان کو آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز ادا کر رہے ہیں آپ نے فرمایا ہاں (میں نے کہا تو یہی ہے) لیکن میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں۔

”یعنی هذا من خصوصیاتى ان لا ينقص ثواب صلواتى على اى وجه تكون من جلواتى وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء قال تعالى و كان فضل الله عليك عظيما“

یعنی یہ میری خصوصیت میں سے ایک خصوصیات ہے کہ میں جس طرح بھی نماز ادا کروں میرے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی میں جس حال میں بھی نماز ادا کروں وہ میرے جلوے ہی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ پر (اے محبوب) اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

خیال رہے کہ بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے سر مبارک پر ہاتھ رکھنا ادب کے خلاف ہے انہیں نبی کریم ﷺ کی توقیر کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔

اس کے دو جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے دے ایک یہ کہ شاید آپ سے یہ طریقہ بغیر اختیار کے صادر ہوا۔ جو کام بلا اختیار صادر ہوں اس میں کوئی مواخذہ نہیں۔



اور دوسرا جواب یہ دیا کہ انہوں نے جب تعجب کیا کہ آپ کا ارشاد اور ہے اور عمل آپ کا اور ہے تو اس معاملہ کی تحقیق کے لئے اپنی طرف کامل متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہو اسی لئے حضور ﷺ نے ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر ان کے اس فعل پر انکار فرمایا اور کہا

”مالک یا عبد اللہ بن عمرو؟“ تمہیں کیا ہوا اے عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) یعنی تم بہت صاحب علم ہو پھر کیا کر رہے ہو۔

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو نقل کرتے ہیں اور یہی جواب زیادہ مناسب بھی ہے وہ یہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کام پر تعجب کرتے تھے تو وہ ایسے ہی کرتے تھے انہوں نے بھی اسی عادت کے مطابق عمل کیا اسی طرح بعض عرب دوسرے کی داڑھی کو چھوتے تھے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے زمانے میں مشاہدہ کیا کہ بعض لوگ شریف مکہ کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں۔

”انا فداک یا حسن“ اے حسن میں تم پر قربان حالانکہ جب یہ لوگ مکہ کے شریف کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں اس وقت انہوں نے اپنے ہاتھوں میں جوتے بھی پکڑے ہوتے ہیں۔

(از مرقاة ج ۳ ص ۱۴۰)

نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن :

حضرت سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے ام المومنین (مومنوں کی ماں)

”انبنی عن خلق رسول اللہ ﷺ قالت الست تقرأ القرآن قلت بلی قالت فان خلق نبی اللہ ﷺ کان القرآن“

(مشکوٰۃ باب الوتر)



مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق بتائیں آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کیوں نہیں قرآن تو پڑھا ہے آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن ہے۔

## قرآن کو خلق کیوں کہا :

نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلق اسلئے کہا کہ قرآن پاک نے جتنے مکارم اخلاق کا تذکرہ کیا وہ تمام آپ میں پائے جاتے تھے اگر قرآن نے کہا :

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾

(ب ۱۴ سورة النحل آیت ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

رب تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق کائنات عالم میں نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ جیسا کوئی عادل و محسن نظر نہیں آئے گا۔ اگر رب قدوس نے ارشاد فرمایا :

﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ﴾ جو تمہیں مصیبت و تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو۔ مالک الملک کے اس حکم پر عمل کرنے کی درخشاں مثال بھی آپ نے ہی قائم فرمائی۔

اگر خالق کائنات نے یہ کہا ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾ آپ ان کو معاف کریں اور درگزر کریں۔ تو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا عظیم منصب بھی جو آپ کو حاصل ہوا ایسا عظیم مقام کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا غرضیکہ قرآن پاک کے ہر حکم کی جلوہ گری آپ میں ہے اور قرآن پاک نے جن چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ان سے کامل اجتناب کیا اسلئے آپ کا خلق قرآن پاک ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے آپ کے خلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ بیشک آپ عظیم خلق پر ہیں۔ جس چیز کو قرآن نے عظیم کہا ہے اس کی قدر انسان بیان کرے تو کیسے بیان کرے۔

”تعنی کان خلقه مذکوراً فی القرآن فی قوله تعالیٰ وانک لعلی خلق عظیم



تعنی ان العظیم اذا عظم امرالم یقدر احد قدره ولم یعرف احد طوره

(مرقاۃ ج ۳ ص ۱۶۲)

نبی کریم ﷺ کو زندگی حاصل ہے :

”ان الانبیاء تكون حیاتهم علی وجه الاکمل ویحصل لبعض من ورائهم من الشهادة والاولیاء والعلماء الحظ الاوفی بحفظ ابدانهم الظاهرة بل بالتلذذ بالصلوة والقراءة ونحوهما فی قبورهم الطاهرة الی قیام الساعة الآخرة“

(مرقاۃ ج ۳ ص ۲۳۸)

انبیائے کرام کو اپنے مزارات مطہرہ میں کامل زندگی حاصل ہے ان کے بدن محفوظ ہیں بلکہ انہیں نماز اور قرآن پڑھنے کی لذت بھی حاصل ہے اور انبیائے کرام کے بغیر اولیائے عظام اور علمائے کرام کو بھی اپنے مزارات میں زندگی حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء“

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

”ای جمیع اجزائهم فلا فرق فی الحالین“

یعنی تمام اجزاء ان کے محفوظ رہتے ہیں ان کی ظاہری حیات اور قبر کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔

”ولذا قیل اولیاء الله لا یموتون ولكن ینتقلون من دار الی دار“

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی مرتے نہیں بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”فننبی الله حی یرزق“ اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے لفظ نبی میں کسی نبی کی تخصیص مراد نہیں بلکہ جنس نبی مراد ہے۔

”لانه رأی موسی قائما یصلی فی قبره وکذا لک ابراهیم“



اس لئے کہ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔

”وصح خبر الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون“

اور صحیح حدیث میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز ادا کرتے ہیں۔

”قال البیهقی وحلولهم فی اوقات مختلفة فی اماکن متعددة جائز عقلا  
کما ورد به خبر الصادق“

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں متعدد مکانات میں جانا عقلاً جائز ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے۔

”حی ای دائما یرزق رزقا معنویا ولا ینافیہ ان یکون هناك رزق حسی ایضا  
وهو الظاهر المتبادر“

اللہ تعالیٰ کے نبی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اس رزق سے مراد معنوی رزق بھی ہو سکتا ہے اور رزق حسی بھی بلکہ ظاہر طور پر ذہن میں فوراً آنے والا یہی رزق ہے۔  
رزق معنوی دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کے شہداء کے متعلق فرمایا

﴿بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (پ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹)

بلکہ وہ زندہ ہیں ان کو اپنے رب تعالیٰ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔

”فکیف سیدہم بل رئیسہم لانه حصل له ایضا مرتبة الشهادة مع مزید

السعادة باکل الشاة المسمومة وعودسمها المغمومة“

جب نبی کی امت کے شہداء زندہ ہوں اور ان کو رزق دیا جاتا ہو تو ان کے سردار رئیس کا کیا حکم ہوگا جبکہ یقیناً اس سردار کو مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا ہو یہ ایک مزید سعادت ہے (ورنہ نبی کا بغیر شہادت کے وصال بھی نبی کی زندگی کا سبب ہے) کیونکہ حضور ﷺ کو خیبر میں بحری کا زہر آلود گوشت ایک یہودیہ نے دیا تھا جس کا کچھ معمولی حصہ آپ نے تناول فرمایا بعد میں اس گوشت نے خود ہی بتایا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے تو آپ نے تناول فرمانا چھوڑ دیا لیکن آپ کے وصال کے وقت اسی زہر کا اثر لوٹ آیا تھا تو آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔



البتہ ظاہری شہادت سے آپ کو محفوظ رکھا اسکی ایک وجہ یہ تھی ”للبشاعة الصورية“  
آپ کی صورت مبارکہ کی شان و شوکت جاہ و جلال کو برقرار رکھنا مقصود تھا اور دوسری وجہ یہ تھی

”لاظهار القدرة الكاملة بحفظ فرد من بين اعدائه من شر البرية“

کہ قدرت کاملہ کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کو شریر مخلوق کے کثیر دشمنوں سے  
کیسے محفوظ فرمایا۔ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کرنا مقصود تھا وہ  
وعدہ یہ تھا۔

﴿وَاللّٰهُ يَغْفِرُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

رزق دینے کا ایک مقصد یہ ہے کہ جس طرح رزق سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اس طرح  
بغیر کھانے پینے کی چیزیں عطا کرنے کے انبیائے کرام اور شہداء کرام کو رب تعالیٰ یہ طاقت عطا کرتا ہو کہ  
وہ زندہ ہیں یہ رزق معنوی ہے جب کوئی پکارتا ہے وہ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں ان کو کھانے پینے کی چیزیں عطا کی جاتی ہیں زیادہ ظاہر  
معنی ہے۔ ترمذی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے۔

”ان ارواح الشهداء في اجواف طير خضر تعلق من ثمرة الجنة“

کہ بیشک شہداء کی روہیں سبز رنگ کے پرندوں میں رکھی جاتی ہیں جو جنت کے پھلوں کے  
ساتھ متعلق ہوتی ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے۔

”ارواح الشهداء في اجواف طير خضر تسرح في الجنة حيث شاءت

وتاكل من ثمرها ثم تاوي الى قناديل من تحت العرش“

شہداء کی روہیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں رکھی جاتی ہیں جنت میں جہاں چاہیں  
سیر کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں کے ساتھ متعلق  
ہو جاتی ہیں۔



مسئلہ حیات الانبیاء والشہداء والالیاء کو تفصیلاً دیکھنا ہو تو حاوی للفتاویٰ، شرح الصدور، بیہقی، فتح الباری اور استاذی المکرم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کی جلاء الصدور کا مطالعہ کریں اس رسالہ میں تو صرف بطور تبرک نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جا رہا ہے جو نہایت اختصار پر مبنی ہے۔

تنبیہ :

”ان سائر الاموات ایضا یسمعون السلام والكلام وتعرض علیہم اعمال اقاربہم فی بعض الايام“

بیشک تمام فوت ہونے والے لوگ سلام وکلام کو سنتے ہیں اور بعض دنوں میں ان کے قریبی رشتہ داروں کے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔

البتہ انبیائے کرام کی زندگی ارفع و اعلیٰ ہے اسی طرح شہداء کرام کی زندگی بھی بنسبت عام شخص کے اعلیٰ ہے۔

(مرقاۃ ج ۳ ص ۲۳۸)

نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پر صدقہ کا حکم :

”عن ابی ہریرۃ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقة فجعلها فی

فیہ قال النبی ﷺ کخ کخ لیطرحھا ثم قال اما شعرت انا لا ناکل الصدقة“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب من لا تحل لہ الصدقة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی نبی کریم ﷺ نے بطور زجر کخ کخ کہا تا کہ یہ منہ سے نکال کر پھینک دے پھر آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

کخ کخ یہ کلمہ عربی حضرات کسی کو ڈانٹنے اور جھڑکنے پر بولتے تھے جب کسی نا پسندیدہ چیز سے روکنا ہوتا تھا جس طرح ہماری زبان میں زور دے کر کہا جاتا ہے ہوں ہوں یہ کلمہ مقصد پر زیادہ دلالت کرتا ہے بنسبت یہ کہنے کے ”لا تفعل“ زیادہ طور پر یہ کلمہ بچوں کے لئے بولا جاتا ہے جن کو تمیز نہیں ہوتی



حضور ﷺ کا آپ کو اس طرح زجر کرنا اس میں زیادہ مقصد یہ تھا کہ حاضرین کو پتہ چلا جائے کہ آل رسول کے لئے صدقہ کا کیا حکم ہے۔

”وہذا يدل على انه وجب على الآباء نهى الاولاد عما لا يجوز في الشرع“  
اس سے واضح ہو رہا ہے کہ آباء واجداد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو غیر شرع کاموں سے روکیں۔

”ولذا قال علماؤنا يحرم على الآباء والا مهات الباس الصبي الحرير والحلي من الذهب والفضة“

اسی وجہ سے ہمارے علمائے کرام نے کہا ہے کہ ماں باپ پر حرام ہے بچوں کو (مذکر) ریشمی لباس پہنانا اور سونے چاندی کا زیور پہنانا۔

”قال ابن حجر يحرم عليه ﷺ الصدقة واجبة والمندوبة واما على آله فالمفروضة لا غير“

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر تو صدقات فرضیہ اور نفلیہ حرام تھے لیکن آپ کی آل پر صرف فرضی صدقات حرام ہیں نفلی حرام نہیں۔

”وقال ابن الملك الصدقة لا تحل للنبي ﷺ فرضا كانت او نفلا وكذا المفروضة لآله اى اقربائه واما التطوع فمباح لهم“

ابن ملک نے کہا ہے صدقہ نبی کریم ﷺ کے لئے تو مطلقاً حرام ہے خواہ فرض ہو یا نفل البتہ آپ کی آل یعنی اقرباء کے لئے صرف فرض صدقہ حرام ہے نفلی جائز ہے۔

”فقال فى النهاية ويجوز النفل بالا جماع“ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۶۵، ۱۶۶)

نہایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ نفلی صدقہ آل رسول کے لیے مطلقاً جائز ہے۔

فرض اور نفلی صدقہ میں فرق کیوں؟

”واما التطوع والوقف فيجوز الصرف اليهم لان المودى فى الواجب يطهر نفسه باسقاط الفرض فيتدنس به المودى كالماء المستعمل وفى النفل يتبرع بما ليس عليه يتدنس به المودى كمن تبرد بالماء“



## تذکرۃ الانبیاء

نفلی صدقات اور وقف سے آل رسول پر مال خرچ کرنا جائز ہے فرض جائز نہیں کیونکہ فرض صدقہ کرنے والا اپنے ذمہ لازم حق کو ادا کر کے اپنے آپ کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو مال بطور صدقہ ادا کرتا ہے وہ مستعمل پانی کی طرح ہو جاتا ہے جس میں پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے لیکن نفلی صدقہ کرنے والا اپنی خوشی سے وہ مال دیتا ہے جو اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا لہذا وہ مال میل کچیل کی حیثیت نہیں رکھتا جس طرح ایک با وضو شخص پانی کو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے اس کے جسم پر ظاہر ناپاکی بھی نہ ہو وہ پانی اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتا ہے پاک کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے اسی طرح یہ مال بھی پاک و صاف ہوتا ہے میل کچیل سے پاک ہوتا ہے آل رسول کی شان کے لائق ہوتا ہے۔

(از مرقاة ۴ ص ۱۶۶)

فائدہ :

”و کذا يجوز النفل للغنی کذا فی الفتاوی العنایة“

(مرقاۃ ج ۴ ص ۱۶۶)

اسی طرح نفلی صدقہ غنی کو کھانا بھی جائز ہے فتاوی عنایہ میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے بیان کیا۔

”ولا رجوع فی الصدقة لان المقصود هو الثواب وقد حصل وکذا اذا

تصدق علی غنی استحسانا لانه قد يقصد بالصدقة علی الغنی الثواب“

(ہدایہ کتاب الہبة)

صدقہ دے کر لوٹنا درست نہیں کیونکہ مقصد ثواب حاصل کرنا تھا وہ حاصل ہو چکا تھا اسی طرح جب غنی کو صدقہ کا مال عطا کرے تو مال لوٹائے نہیں کیونکہ کبھی غنی کو بھی مال ثواب کی غرض سے دیا جاتا ہے۔

صاحب عنایہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں :

”فاذا تصدق علی غنی بطل الرجوع استحسانا وفي القياس له الرجوع لا

لغرض ثمة حصول العوض ووجه الاستحسان ان الصدقة علی الغنی

قدیراد بها الثواب“

جب غنی کو صدقہ کرے تو استحساناً رجوع باطل ہے اگرچہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ رجوع جائز ہو کیونکہ



غنی کو صدقہ دینے میں بدلہ حاصل کرنے کی غرض ہوتی ہے لیکن وجہ استحسان یہ ہے کہ بیشک غنی کو کبھی صدقہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے۔

”والتصدق علی الغنی لا ینافی القربۃ“ (عنایہ)

غنی کو صدقہ دینا قربت حاصل کرنے کے کوئی منافی نہیں۔

”ثم التصدق علی الغنی یكون قربة یتحق بها الثواب فقد یكون غنیاً بملك النصاب وله عیال کثیر والناس یتصدقون علی مثل هذا لنیل الثواب الا ترى ان عند اشتباه الحال یتادی الواجب من الزکوة بالتصدق علیہ ولا رجوع له فیہ بالاتفاق فکذا لک عند العلم بحالہ لا یثبت له حق الرجوع“

(کفایۃ (مع فتح القدیر) ج ۷ ص ۵۱۶)

غنی کو صدقہ دینا قربت کا کام ہے اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے کبھی غنی ہوتا ہے کیونکہ نصاب کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کے اہل و عیال کثیر ہوتے ہیں اور لوگ اس پر صدقہ کرتے ہیں تاکہ ثواب حاصل ہو جائے کیا تم اس مسئلہ کی طرف نہیں دیکھتے کہ ایک شخص جو بی صدقہ یعنی زکوٰۃ کا مال ایک ایسے شخص کو دیتا ہے جس کا حال مشتبہ ہوتا ہے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ غنی تھا تو مال واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں بالاتفاق اسکا صدقہ واجبہ ادا ہو گیا اسی طرح نفلی صدقہ میں بھی علم کے بعد لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصد دینے والے کا ثواب حاصل کرنا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا۔

فائدہ :

اس بیان کردہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ عام طور پر ایصال ثواب کی محافل میں صدقات و خیرات میں فقراء و اغنیاء شریک ہوتے ہیں وہ ثواب سے خالی نہیں یہ کہنا کہ جس محفل میں غنی شریک ہوں اس میں کھانا کھانا ثواب سے خالی ہوتا ہے یہ غلط ہے فقہاء کرام کی تصریحات سے بے خبری ہے۔





ملک بدلنے سے صدقہ ہدیہ بن جاتا ہے :

نبی کریم ﷺ ایک دن گھر تشریف لائے تو آپ نے پوچھا کہ گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہے؟ آپ کی خدمت میں کچھ کھجوریں پیش کی گئیں، آپ نے فرمایا کہ ہنڈیا میں جو گوشت پک رہا ہے اس میں ہمارے لئے کوئی حصہ نہیں تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبہ (لوٹڈی) تھیں انہوں نے عرض کیا کہ یہ گوشت مجھے بطور صدقہ دیا گیا ہے آپ چونکہ صدقہ کا مال نہیں کھاتے اس لئے آپ کی خدمت میں نہیں پیش کیا جا رہا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

”لک صدقۃ ولنا ہدیۃ“

تمہاری لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

یعنی اگر کسی مستحق کو صدقہ کا مال دیا جائے وہ اپنی طرف سے غیر مستحق یعنی آل رسول یا غنی کو دے تو جائز ہے کیونکہ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔

(از نور الانوار)

نبی کریم ﷺ کی سخاوت کی ایک جھلک :

”عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل شہر رمضان اطلق کل

اسیر واعطی کل سائل“

(مشکوٰۃ کتاب الصوم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ جب رمضان شریف داخل ہوتا تو قیدیوں کو آزاد کر دیتے اور ہر سوال کرنے والے کو عطا کرتے۔

”اعطی کل سائل ای زیادہ علی معتادہ“

یعنی رمضان شریف میں ہر سائل کو عام عادت سے زائد عطا کرتے۔

ورنہ آپ نے کسی موقع پر بھی نہ نہیں فرمایا۔



مسلم شریف میں ہے :

”ما سئل شينا الا اعطاه فجاءه رجل فاعطاه غنما بين جبلين فرجع الى قومه فقال يا قوم اسلموا فان محمدا يعطى عطاء من لا يخشى الفقر“  
نبی کریم ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا مگر یہ کہ آپ نے وہ عطا کی آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ (اس نے اسلام قبول کیا اس کے تالیف قلب کے لیے) آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی تمام بحریاں عطاء فرمادیں، وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گیا تو کہنے لگا اے میری قوم اسلام لے آؤ بے شک محمد (ﷺ) تو اتنا مال دیتے ہیں کہ فقر کا کوئی خوف ہی نہیں رہتا۔

بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

”ما سئل رسول الله ﷺ عن شيء قط فقال لا“  
کوئی ایسی چیز نہیں جس کا سوال حضور ﷺ سے کیا گیا ہو تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو ”نہیں“ یعنی آپ نے کبھی انکار نہیں فرمایا۔

(مرقاۃ ج ۴ ص ۲۳۹)

خیال رہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ دینے کے لئے نہیں ہوتا تو آپ عذر پیش فرما دیتے، وہ درحقیقت انکار نہیں ہوتا تھا بلکہ اظہار حقیقت ہوا کرتا تھا۔

تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے ؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال (دن رات کا لگاتار روزہ، درمیان میں افطار نہ پایا جائے) سے منع فرمایا، ایک شخص نے عرض کیا :

”انك تو اصل يا رسول الله قال واياكم مثلي اني ابيت بطمعني ربي ويسقيني“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب روزه الهلال)

یا رسول اللہ ﷺ آپ تو صوم وصال (دن رات کا لگاتار روزہ درمیان میں افطار نہ پایا جائے) کے



## تذکرۃ الانبیاء

روزے رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے میں تورات ایسے حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حدیث پاک ظاہر پر محمول نہیں، حقیقی طور پر کھلانا اور پلانا مراد نہیں کیونکہ اگر حقیقی طور پر کھانا پینا میسر ہو تو صوم وصال نہیں۔

”یعنی انتم لا تستطيعون الصيام متوالية الليل والنهار ولی قوة روحانية من عند الله تعالى اطعم عنده واسقى من شراب المحبة“

(نور الانوار ص ۲۶)

یعنی تم دن رات کالگاتار روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو کیونکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی قوت حاصل ہے، مجھے تو اس کی طرف سے محبت کا کھانا کھلایا جاتا ہے اور محبت کا مشروب پلایا جاتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کی تجلیات کے انوار کا دیدار کرنے سے مجھے تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔

### انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے محفوظ :

”ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام سالمون من الاحتلام لانه علامة تاتي

الشیطان فی حال المنام“

بیشک انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ نیند کی حالت میں یہ شیطان کے آنے کی علامت ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ رمضان کی فجر میں بغیر احتلام کے حالت جنابت میں ہوتے تو غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

تو اس حدیث سے یہ مقصد واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو احتلام اس صورت میں تو نہیں ہوتا تھا کہ وہ خواب میں جماع کریں، کیونکہ یہ اس شخص کو کیفیت حاصل ہوتی ہے جس سے شیطان نیند کی حالت میں کھیلے اور انبیائے کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں۔

”واما الا احتلام بمعنى نزول المني من غير روية وقاع فهو غير مستحيل

عليهم“



لیکن احتلام سے اگر صرف منی کا نکلنا مراد لیا جائے بغیر جماع دیکھنے کے نیند کی حالت میں تو یہ انبیائے کرام علیہم السلام سے محال نہیں۔

کیونکہ یہ امور خلقیہ اور عادیہ سے ہے، اس میں انبیائے کرام علیہم السلام اور دوسرے حضرات برابر ہیں چونکہ اس میں شیطان کی دخل اندازی نہیں ہوتی۔

(مرقاۃ ج ۴ ص ۲۶۱)

نبی کریم ﷺ کے استغفار کرنے کی وجہ :

حضرت انور مرنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک جب میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے، بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

”قال رسول الله ﷺ انه ليغان على قلبي واني لا استغفر الله في اليوم مائة مرة“

(مسلم، مشکوٰۃ باب الاستغفار)

اس حدیث پاک میں لفظ استعمال ہوا ہے لیغان جس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے :

”بضم الیا ای یطبق ویغشی او یستر ویغطی“

یاء پر پیش ہے، معنی اس کا یہ ہے کہ چھا جانا، ڈھانپ لینا اور پردہ چھا جانا البتہ اس پردہ سے مراد کون سا پردہ ہے وہ یہ ہے :

”على قلبي ای عند ارادة ربی“

یعنی جب میں رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کروں تو جو چیز رکاوٹ بنے اس کے زوال کے لئے میں استغفار کرتا ہوں اس توجہ سے مراد بھی خصوصی توجہ ہے جس کا ذکر دوسری روایت میں آتا ہے۔

”لی مع الله وقت لا یسعی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل“

مجھے اللہ تعالیٰ سے ایک ایسا وقت حاصل ہوتا ہے اس میں کوئی مقرب فرشتہ اور



کوئی نبی مرسل میرے ساتھ وسعت نہیں رکھتا۔

وہ کیا چیزیں ہیں جو اس حالت میں حائل ہوتی تھیں جن کو آپ نے پردہ سے تعبیر فرمایا؟ ایک تو یہ کہ جو بشری تقاضا کے مطابق ضروریات ہیں کھانا پینا، نکاح وغیرہ۔

”فیحول بینہ وبين الملاء الاعلیٰ حیلولة ما فیستغفر تصفیه للقلب وازاحة للغاشیة وهو وان لم یکن ذنباً“

جب آپ کے اور ملاء اعلیٰ کے درمیان یہ انسانی لوازمات حائل ہوتے تو آپ تصفیہ قلب (دل کو روشن کرنے) کے لئے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے استغفار کرتے حالانکہ یہ کوئی گناہ نہیں ہوتا تھا صرف اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی طرف متوجہ ہونے کی بنسبت یہ حالت کچھ کم ہوتی تو آپ بلندی حاصل کرنے کے لئے استغفار کرتے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رکاوٹ بنے، کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ تمام وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتے رہیں لیکن دوسری ذمہ داریاں درمیان میں کبھی حجاب بن جاتیں۔

”وقیل ہمہ بسبب امتہ وما اطلع علیہ من احوالہم فیستغفر لہ“  
بعض حضرات نے کہا کہ آپ جب امت کے حالات پر مطلع ہوتے تو آپ پر ایک غم کی کیفیت طاری ہوتی اس کے زوال کے لئے آپ استغفار کرتے۔

”وقیل اشتغاله بالنظر فی مصالح امتہ وحاربا اعدائہ وتالیف المولفۃ“

بعض حضرات نے کہا کہ آپ اپنی امت کی بہتری کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمنوں سے اور نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں کی تالیف قلوب (ان کے دل میں اسلام کی محبت راسخ کرنے کے لئے ان سے محبت اور ان کی دلجوئی میں) مشغولیت کی وجہ سے بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ میرے یہ لمحات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی مشغولیت سے دور رہے اسلئے آپ استغفار کرتے تھے۔

(از مرقاۃ ج ۵ ص ۱۲۳)



حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے کئی حج اور ہجرت کے بعد ایک :

”وقال ابن الاثير كان عليه الصلوة والسلام يحج كل سنة قبل ان يهاجر  
ويوافقه قول ابن الجوزي حج حججا لا يعلم عددها واخرج الحاكم  
بسند صحيح عن الثوري انه عليه الصلوة والسلام حج قبل ان يهاجر حججا  
واما ما روى الترمذي عن جابر ان النبي ﷺ حج قبل ان يهاجر حجين وفي  
رواية لابن ماجه والحاكم ثلاثا فمبنى على علمه ولا ينافي اثبات زيادة  
وغیره“

(مرقاۃ ج ۵ ص ۲۶۳)

ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہر سال حج کیا ہے اور ابن جوزی کا قول  
بھی اسی کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے کئی حج کئے ہیں ان کی تعداد معلوم نہیں۔  
حاکم نے ثوری سے سند صحیح کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ہجرت سے پہلے کئی حج کئے ہیں  
لیکن ترمذی نے حضرت جابر سے جو روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو حج کئے اور ابن  
ماجہ اور حاکم کی ایک روایت میں تین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ راویوں نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اور  
جن حضرات نے زیادہ ذکر کیا ہے انہوں نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اسلئے ان میں کوئی منافات نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا اظہار عجز :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس  
نے کہا :

”ياخير البرية فقال رسول الله ﷺ ذاك ابراهيم“

(مسلم، مشکوٰۃ باب المفاخره والعصية)

اے تمام مخلوق سے بہتر ذات! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تو ابراہیم ہے۔

”انه قال هذا تواضعا واحتراما لابراهيم عليه السلام لخلته وابوته والا فنبينا

ﷺ قال ﷺ انا سيد ولد آدم ولا فخر“



نبی کریم ﷺ کا فرمانا کہ خیر البریۃ تو ابراہیم ہیں یہ صرف عجز و انکساری کے پیش نظر تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اللہ ہونے اور اپنا جدا مجد ہونے کی وجہ سے احترام کے لئے تھا ورنہ ہمارے نبی کریم ﷺ تو مخلوق سے بہتر و افضل ہیں آپ کا اپنا ارشاد گرامی ہے میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

یعنی آپ کا کلام بعض اوقات عجز و انکساری پر دلالت کرنے والا ہوتا اور بعض اوقات حقیقت کا بیان

ہوتا۔

”وعن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تطرونی كما اطرت النصارى ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد الله ورسوله“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المفاخرة والعصیة)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مدح سرائی میں مبالغہ نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں مبالغہ کیا ہے بیشک میں اس کا عبد ہوں تم (میرے متعلق) کہو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اللہ تعالیٰ کا رسول۔

نبی کریم ﷺ نے تشبیہ سے مسئلہ کو واضح فرمادیا کہ مدح میں نصاریٰ کی طرح مبالغہ نہ کرو اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”ان النصارى افراطوا فى مدح عيسى عليه السلام واطرائه بالباطل وجعلوه

ولد الله فمنعهم النبى ﷺ ان يطرؤه بالباطل“

بیشک نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں بہت مبالغہ سے کام لیا اور وہ بھی باطل طور پر مدح میں زیادتی کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا ایسی باطل مدح سرائی سے حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو پہلے ہی منع فرمادیا۔

خیال رہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی معاذ اللہ مذمت میں مبالغہ کیا اور نصاریٰ نے مدح میں۔

رب تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾

(پ ۶ سورة المائدة آیت ۷۷)



اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔

یعنی حق بات کرو اور حق عدل ہے اتنی مدح نہ کرو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا بنادو اور اتنی مذمت نہ کرو کہ معاذ اللہ آپ کو ولد الزنا کہہ دو۔

آپ نے اپنے متعلق جب یہ بیان کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول کہا جائے ضمناً خود سمجھ آ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو معبود نہ کہا جائے باقی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ کی تعریف کا حق ادا کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے علامہ بوسیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

دع ما ادعته النصری فی نبہم واحکم بما شئت مدحافہ واحتکم  
نصری نے جو اپنے نبی کے متعلق (خدا کا بیٹا ہونے کا) دعویٰ کیا وہ تو چھوڑ دے  
اور اپنے نبی کی جتنی مدح بھی تو کرنا چاہتا ہے خود بھی کر اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دے۔

نبی کی عبودیت رسالت و نبوت سے افضل ہے !

آپ کے ارشاد ” فانما انا عبدہ “ کا مطلب ہے ” انا عبدہ الخاص فی مقام الاختصاص “ میں مقام خاص میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کو عبد کہنا آپ کی کامل مدح ہے جیسے کسی فاضل و کامل نے حضور ﷺ کے قول کو شعر کی صورت میں پیش کرتے ہوئے کہا :

لاتدعنی الا بیا عبدہ فانہ افضل اسمائیا

مجھے صرف اللہ تعالیٰ کا عبد کہہ کر پکارا جائے بیشک یہ میرے ناموں میں سے افضل نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں اسی بلند وصف اور اعلیٰ فضیلت والے لفظ سے واقعہ معراج میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :



﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ﴾ وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔  
نزل قرآن کا ذکر کرتے ہوئے بھی رب تعالیٰ نے آپ کو اسی وصف کو ذکر فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ﴾

(ب ۱۸ سورة الفرقان آیت ۱)

برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا  
ہے نازل کیا اپنے خاص بندے پر۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی جس نے کتاب  
اتاری اپنے خاص بندے پر۔

”وفیه اشارۃ لطیفۃ وبشارۃ شریفۃ ان العنایۃ الربوبیۃ باعتبار غایۃ العبودیۃ“  
اور ان آیات میں آپ کے وصف عبد کو ذکر کرنے میں لطیف اشارہ اور اعلیٰ قسم کی  
بشارت پائی گئی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ عنایت اور عظیم مہربانی اسی وجہ سے  
پائی گئی ہے کہ آپ میں اعلیٰ درجہ کی عبودیت پائی جاتی ہے۔

(از مرقاة ج ۹ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

”ان العبودیۃ افضل من الرسالۃ لان العبودیۃ ينصرف من الخلق الى الحق  
فهی مقام الجمع وبالرسالۃ ينصرف من الحق الى الخلق فهی مقام الفرق“

(حاشیہ جلالین ص ۲۲۸)

بیشک عبودیت رسالت سے افضل ہے اسلئے کہ عبودیت میں مخلوق سے ہٹ کر رب تعالیٰ کی  
طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس سے رب تعالیٰ سے وصل حاصل ہوتا ہے لیکن رسالت میں مخلوق کی طرف توجہ  
ہوتی ہے، کیونکہ مخلوق تک احکام الہیہ پہنچانے ضروری ہوتے ہیں اسلئے اس حالت میں رب تعالیٰ کی  
جانب کامل توجہ نہیں رہتی جو بظاہر مقام فصل (جدائی، دوری) حاصل ہوتا ہے۔

**تنبیہ:** یہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی عبودیت کی بات ہو رہی ہے کہ ان کی عبودیت ان کی  
نبوت و رسالت سے افضل ہوتی ہے کسی عام انسان کی عبودیت کو نبی کی نبوت سے افضل کہنا ہرگز جائز نہیں  
بلکہ اپنے قصد و ارادہ سے ایسا کہنے سے کفر لازم آئے گا۔



## گناہگاروں کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت :

”وعن انس قال قال رسول الله ﷺ انا اول شفيع في الجنة لم يصدق نبي من

الانبياء ما صدقت وان من الانبياء ما صدقه من امته الا رجل واحد“

(مسلم، مشکوٰۃ باب فضائل سيد المرسلين)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کے اتنے تصدیق کرنے والے نہیں ہوئے جتنے میرے ہیں۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق کرنے والا صرف ایک شخص ہوا ہے۔

”انا اول شفيع اى انا اول شافع للعصاة من امتى فى دخول الجنة“

اپنی امت کے گناہگاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔

”وقيل انا اول شافع فى الجنة لرفع درجات الناس فيها“

بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بھی کیا ہے کہ جنت میں لوگوں کے مدارج بلند کرنے کے لئے سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”انا اكثر الانبياء تبعاء يوم القيامة“

قیامت کے دن تمام انبیاء کرام سے میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

تمام جنتیوں میں سے دو تہائی آپ کی امت کے لوگ ہوں گے اور باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے لوگ صرف ایک تہائی ہوں گے۔

”وفيه اشعار بان اكثرية الاتباع توجب افضلية المتبوع“

اس سے یہ واضح ہوا کہ جتنے تابعہاری کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اسی مقدار میں متبوع (جس کی تابعہاری کی جائے) میں فضیلت پائی جائے گی۔



”قابو حنیفۃ رحمہ اللہ لہ حظ عظیم ونصیب جسیم من ذالک فان غالب

اہل الاسلام من اتباعہ فی فروع الاحکام“

یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ تمام ائمہ کرام میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بہت بلند و بالا ہے اور آپ کو یہ مقام نصیب ہوا ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت آپ کے ہی تابع ہے۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۴۶)

تمام خزانوں کی چابیاں آپ ﷺ کو دی گئیں :

”عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال بعثت بجوامع الکلم ونصرت

بالرعب وبینا انا نائم رأیتنی اوتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی

یدی“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے

جوامع الکلم عطا کر کے مبعوث فرمایا گیا اور مجھے رعب عطا کیا گیا اور میں نے

سوئے ہوئے دیکھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں جن کو میں نے

اپنے ہاتھ میں رکھا۔

”جوامع الکلم“ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ قوت عطا کی گئی ہے کہ میں بہت مختصر کلام

کرتا ہوں جس کے معانی کثیر ہوتے ہیں اور وہ بات بھی واضح ہوتی ہے ایسا بھی نہیں کہ کسی کو سمجھ نہ آئے۔

آپ نے فرمایا ”المستشار موتمن“ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

یہ کلام صرف دو کلموں پر مشتمل ہے لیکن اس سے معانی کثیر سمجھ آگئے کہ کسی سے مشورہ طلب کیا جائے کہ

میں کیا کروں خواہ وہ مشورہ کاروبار کا ہو، کسی جگہ تعلیم حاصل کرنے کا ہو، کسی چیز کو بیچنے کا ہو یا خریدنے کا، خواہ

رشتہ کرنے کا وغیرہ (اس کی ہزاروں مثالیں بن سکتی ہیں) تو مشورہ دینے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی سمجھ کے

مطابق صحیح مشورہ دے جس میں اس شخص کو فائدہ ہو اگر یہ سمجھتا بھی ہو کہ اس میں اس شخص کا بھلا ہے لیکن

یہ مشورہ اس کے خلاف دے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ امین شخص امانت میں خیانت کر دے۔



اور آپ کا ارشاد کہ مجھے رعب عطا کیا گیا دوسری حدیث پاک میں ہے :

”نصرت بالرعب مسيرة شهر“

مجھے ایک مہینہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ آپ کا دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا ہے۔

”فاذا كان بينه وبينهم مسيرة شهر هابوا وفرعوا“

جبکہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت پائی جاتی ہو تو ان پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور وہ ڈرنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اور آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں تو یہ حقیقت ہے کیونکہ نبی کا خواب حقیقت ہوتا ہے نہایت بیان کی گیا ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف شہروں کو فتح کرنا آسان کر دیا اور ان کے خزانے آپ کو عطا کر دیئے گئے۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۴۸ تا ۵۰)

زمین کے مشارق و مغارب آپ کو دکھائے گئے :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”ان الله زوى لى الارض فرايت مشارقها ومغاربها وان امتى سيلغ ملكها  
مازوى لى منها“

(مشکوٰۃ باب فضائل سيد المرسلين)

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا میری امت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا۔

”زوی“ کا معنی ہے جمع کرنا قبض کرنا جو چیز بعید سے قریب نظر آئے، یعنی تمام زمین کو سمیٹ کر



میرے سامنے کر دیا گیا۔

”وجعلها مجموعة كهنية كف في مراة نظره“

یعنی تمام زمین کو آپ کے سامنے ایسے کر دیا گیا جیسے کہ انسان اپنی ہتھیلی کو اپنی نظر کے سامنے دیکھے۔

اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۵۰)

”وان امتی سیبلغ“ کی تفسیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعة اللمعات

میں ذکر فرمایا:

”ای امت من رسید در جمیع ممالک رفته برفته یعنی اسلام در جمیع ممالک

خواہد رسید“

یعنی میری امت تمام ممالک میں آہستہ آہستہ پہنچ جائے گی یعنی تمام ممالک میں اسلام پہنچ جائے گا۔

سبحان اللہ! میرے حبیب پاک ﷺ کا ارشاد گرامی کیسا جگمگا رہا ہے۔ آج دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں میرے آقا و مولیٰ ﷺ کا نام لیوا کوئی نہ ہو۔

آپ متمم اخلاق ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”ان الله بعثني لتمام مكارم الاخلاق وكمال محاسن الافعال“

(شرح السنة، مشکوٰۃ باب فضائل المرسلین)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل اور اچھے افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا۔

مکارم سے مراد ایسی عادات جن کی وجہ سے انسان کریم کہلائے، اخلاق سے مراد احوال یعنی تمام

ایسے احوال جن کی وجہ سے انسان کریم ہوتا ہے، ان کی تکمیل رب تعالیٰ نے میرے ہی ذریعے فرمائی اور تمام



ظاہری افعال اور اقوال کی تکمیل کے لئے مجھے بھیجا گیا یعنی آپ کی شریعت تمام اچھے افعال پر مشتمل ہے اور آپ کی طریقت تمام کامل احوال کو حاوی ہے اگرچہ حضور ﷺ کے مکارم اخلاق ان گنت ہیں بے شمار ہیں لیکن آپ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کی امت کو بھی جو اچھے اخلاق عطا کئے گئے ہیں وہ دس ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں جو بعض اوقات بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں باپ کو نہیں اور بعض اوقات باپ کو حاصل ہوتے ہیں بیٹے کو نہیں، وہ یہ ہیں :

- (۱) سچ بولنا، (۲) سچی امید رکھنا، (۳) سائل کو عطا کرنا،
- (۴) کسی کے عمل کا اچھا بدلہ دینا، (۵) امانت کی حفاظت کرنا،
- (۶) صلہ رحمی یعنی قرابت داروں سے اچھا سلوک رکھنا،
- (۷) اپنی زوجہ اور اپنے احباب سے اچھا سلوک رکھنا،
- (۸) مہمان نوازی کرنا، (۹) پڑوسیوں سے اچھا سلوک رکھنا اور
- (۱۰) ان تمام سے بڑھ کر حیا ہے۔ یعنی حیا رکھنا

نبی کریم ﷺ میں یہ تمام امور کامل طور پر پائے جاتے تھے اور بھی ہر قسم کے اچھے افعال و اقوال کے آپ جس طرح مالک تھے کسی دوسرے کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ ریشم سے نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار :

”عن انس ما مسست دیباجة ولا حريرة الین من کف رسول الله ﷺ“

(مرواة ج ۱ ص ۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی ریشمی کپڑے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے نرم ہو۔

یعنی آپ کے ہاتھ مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے۔

”عن جابر بن سمرة قال صلیت مع رسول الله ﷺ صلوۃ الاولى ثم خرج الی اہله وخرجت معہ فاستقبلہ ولدان فجعل یمسح خدی احدہم واحدا



## تذکرۃ الانبیاء

واحذا واما انا فمسح خدی، فوجدت لیدہ بردا او ریحاً کانما اخرجها من  
جونة عطار“

(مسلم، مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ وصفاته)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول  
اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے چلے اور میں  
بھی آپ کے ساتھ ہی نکلا چھوٹے چھوٹے بچے حضور ﷺ کا استقبال کر رہے تھے آپ نے  
ہر ایک ایک کے دونوں رخساروں کو مس فرمایا اور میرے رخساروں کو بھی مس فرمایا میں نے  
آپ کے ہاتھ مبارک ٹھنڈے اور خوشبودار محسوس کئے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ آپ نے  
اپنے ہاتھ ابھی عطار کی ڈبیہ سے نکالے ہوں۔

سبحان اللہ میرے حبیب کتنے زیادہ شفیق و مہربان تھے بچوں سے شفقت بھر اپنا کرتے کہ ایک ایک  
کے رخساروں کو اپنے کریم ہاتھوں سے تھپکی دے رہے تھے بچے بھی آپ سے تبرک حاصل کرنے کے لئے  
آپ کی محبت و پیار حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑ کر آتے، آپ سے ہاتھ ملاتے۔

(از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۷۹)

کاش کہ یہ احادیث ان محزبن اخلاق کو بھی سمجھ آئیں جو بظاہر معلمین اخلاق بن کر ظلم و ستم کا بازار  
گرم کئے ہوئے ہیں، خونخوار درندے بن کر قوم کے بچوں کا خون چوس رہے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے  
افعال و اقوال تو غلامان مصطفیٰ کو ہی سمجھ آسکتے ہیں۔ ظالم سرداروں چوہدریوں کو کیا سمجھ آئیں جن کے دلوں  
پر ظلم و ستم کی مہر لگ رہی ہے:

ہر گز نہ شود ظالماں را کردار بہ

خدایا سر ظالماں بر سردار بہ

ظالم سرداروں کا ہر گز بہتر کردار نہیں ہو سکتا اے خدا ظالموں کا سر سولی پر ہی بہتر ہے۔

آپ کا پسینہ خوشبودار اور باعث برکت:

”عن ام سلیم ان النبی ﷺ کان یاتیہا فقیل عندها فتبسط نطعا فقیل علیہ



وكان كثير العرق فكانت تجمع عرقه فتجعله في الطيب فقال النبي ﷺ  
يا ام سليم ما هذا؟ قالت عرقك نجعله في طيبنا وهو من الطيب اطيب وفي  
رواية قالت يا رسول الله نرجو بركته لصبياننا قالت اصب

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ وصفاته)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ ان کے گھر عام طور پر  
تشریف لاتے اور قیلوہ فرماتے، وہ آپ کے لئے چمڑے کا ٹھونڈا بچھاتیں جس پر آپ قیلوہ  
فرماتے، حضور ﷺ کو پسینہ بہت آتا تھا وہ آپ کے سینے کو جمع کر کے اپنی خوشبو میں ملا رہی  
تھیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ام سلیم یہ کیا؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کا پسینہ ہے جس کو  
ہم اپنی خوشبو میں ملا رہے ہیں کیونکہ یہ سب خوشبوؤں سے اعلیٰ خوشبو ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے ہم اپنے بچوں  
کے لئے برکت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے تمہیں اس  
سے برکت حاصل ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کو پسینہ زیادہ آتا تھا:

”لانه كثير الحياء“ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو حیاء زیادہ آتی تھی۔  
اور جسے حیاء زیادہ آئے اسے پسینہ زیادہ آتا ہے۔

کسی قسم کا عطر، کستوری ہر قسم کی خوشبو والی اشیاء میں ایسی خوشبو نہیں پائی گئی جو میرے حبیب  
ﷺ کے پسینہ مبارک میں تھی۔ میرے آقا و مولیٰ کو ایک عام انسان سمجھنے والوں نے کبھی اس پر غور نہیں  
کیا کہ ان کے پسینہ سے بدبو آتی ہے، کوئی قریب بیٹھنا پسند نہیں کرتا، لیکن حضور ﷺ کا پسینہ خوشبودار  
چیزوں کی خوشبو بڑھانے کیلئے استعمال ہوتا تھا اور آپ کے پسینہ سے برکت حاصل ہوتی تھی حضرت ام سلیم  
کے یہ عرض کرنے پر کہ ہم آپ کے پسینہ کو بچوں کے لئے برکت حاصل کرنے کے لئے استعمال کریں  
گے۔ آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا:

”اصبت ای فعلت الصواب“ تم نے درست کام کیا ہے یقیناً میرے پسینہ میں برکت ہے۔



”وفیه استحباب التبرک والتقریب باثار الصالحین“

اس حدیث پاک سے یہ سمجھ آیا کہ نیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کا تقرب حاصل کرنا مستحب ہے۔

”لما حضر انس بن مالک الوفاة اوصی ان يجعل فی حنوطه من ذالک الطیب“

جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد مجھے جو خوشبو (حنوط) لگائی جائے گی اس میں وہ خوشبو بھی ملانا جو میری ماں نے حضور ﷺ کا پسینہ ملا کر تیار کی تھی۔

سبحان اللہ صحابی رسول کا کیسا پختہ ایمان ہے کہ آپ کا پسینہ قبر میں بھی برکت کا باعث بنے گا۔

خیال رہے کہ ام سلیم اور ام حرام دونوں بہنیں ہیں ملحان کی بیٹیاں ہیں۔ ام سلیم حضور ﷺ کی رس سال خدمت کرنے والے خوش نصیب صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ان کا نکاح پہلے مالک سے تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے ہیں بعد میں ان کا نکاح طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ام سلیم اور ام حرام رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں رضاع کی وجہ سے تھیں یا نسب کی وجہ سے، اس لحاظ پر آپ ان کے گھر عام طور پر تشریف لے جاتے۔ آپ ان کے محرم تھے محرم سے خلوت جائز ہے کسی اجنبی غیر محرمہ عورت سے آپ نے کبھی خلوت نہیں کی۔

یہ دونوں بنی نجار سے تھیں اور حضرت عبدالمطلب کی شادی بھی بنی نجار سے تھی کہ یہ اپنے باپ ہاشم سے جدا ہو کر مدینہ چلے گئے تھے اور وہاں بنی نجار سے شادی کر لی تھی۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۷۹)

پسینہ کی خوشبو سے پتہ چلتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں :

”عن جابر ان النبی ﷺ لم یسلک طریقاً فیتبعہ احد الا عرف انه قد سلک

من طیب عرقہ .“

(دارمی، مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ و صفاته)



حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیٹک نبی کریم ﷺ جب بھی کسی راستہ پر چلے تو آپ کے بعد جب کوئی اس راستہ پر چلا تو اسے آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پتہ چل گیا کہ حضور ﷺ کا یہاں سے گزر ہوا ہے۔

یہاں جس خوشبو کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ

”طیب عرقہ الخلقی لا طیب عرقہ العرفی“

آپ کے پسینہ مبارک میں جو خوشبو قدرتی طور پر پائی جاتی تھی وہ مراد ہے۔

عام طور پر پسینہ کی بدبو زائل کرنے کے لئے لوگ جس خوشبو کا استعمال کرتے ہیں وہ مراد نہیں۔

”هذا من خصائصه دون سائر الانبياء عليه وعليهم الصلوة السلام“

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۸۳)

پسینہ میں قدرتی طور پر خوشبو کا پایا جانا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے باقی انبیا کرام کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے برکت اور شفاء حاصل کرنا :

”عن انس قال كان رسول الله ﷺ اذا صلى الغداة جاء خدم المدينة بأنيتهم فيها الماء فما ياتون بآاء الا غمس يده فيها فرما جاءوه بالغداة الباردة فيغمس يده فيها“

(مسلم، مشکوٰۃ باب فی اخلاقه وشمائله)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو مدینہ طیبہ کے تمام خدام یعنی بچے اور بچیاں آپ کے پاس پانی کے برتن لاتے۔ جو بھی برتن لاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے، بسا اوقات وہ بہت ٹھنڈا پانی لاتے آپ اپنے ہاتھ کو اس میں بھی ڈالتے۔

وہ اپنے برتن آپ کے پاس کیوں لاتے؟

”فيطلبون البركة والنماء والعافية والشفاء“



وہ آپ سے برکت طلب کرتے، رزق کی زیادتی طلب کرتے، عافیت طلب کرتے اور شفا طلب کرتے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ٹھنڈے پانی میں بھی ہاتھ ڈالتے تھے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ مجھے بے شک تکلیف ہو لیکن لوگوں کے دل خوش رہیں انہیں تسلی حاصل ہو۔ خاص کر کے آپ خدام اور ضعیف لوگوں کا زیادہ خیال کرتے کیونکہ وہ اپنے برتن لاتے ہی اسلئے تھے کہ آپ کے ہاتھ مبارک سے برکت حاصل کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ نے غرباء سے اپنے عجز کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ”کان ارحم الناس بالصبيان والعيال“ تمام لوگوں سے زیادہ بچوں پر رحم کرنے والے تھے اور عیال پر بھی بہت زیادہ رحم فرماتے تھے۔

”کان مما يقول لخادم الك حاجة“

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۸۹)

آپ کو اگر کوئی خادم ملتا (یعنی دوسرے لوگوں کے خدام ہوتے) تو آپ اس سے پوچھا کرتے تھے کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟

نبی کریم ﷺ کی عجز و انکساری :

”عن عائشة قالت لم يكن رسول الله ﷺ فاحشا ولا متفحشا ولا سخابا في

الاسواق ولا يجزى بالسيئة السيئة ولكن يعفو ويصفح“

(ترمذی، مشکوٰۃ باب اخلاقه وشمائله)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نہ فاحش تھے اور نہ متفحش اور نہ ہی بازاروں میں چلانے والے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ آپ معاف فرمادیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

حضور ﷺ نہ فحش کلام فرماتے اور نہ ہی آپ کا کوئی فعل ایسا ہوتا جو فحش پر مبنی ہوتا۔

آپ متفحش نہیں تھے یعنی تکلف سے قول و فعل کو فحش طریقہ سے ادا کرنا، بے ہودہ قہقہہ



لگاتار گھر سے مزاح اڑانا، شرفاء کو تنگ کرنا یہ سب فحش کی علامات ہیں آپ اس قسم کی حرکات سے مکمل طور پر دور تھے۔

بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرنا بلا ضرورت زور زور سے کسی کو آواز دینا کسی پر آواز کسنا آپ کا شیوہ نہیں تھا۔ یہ حرکات بے ہودہ انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔

رب تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ”فاعف عنہم واصفح ان الله يحب المحسنين“ (ان کو معاف کریں اور درگزر کریں بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) کامل طور پر عمل تھا۔ کسی کو اس کی بد اخلاقیوں کا بدلہ بد اخلاقی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص آپ سے برائی سے پیش آتا تو آپ اس سے اچھائی سے پیش آتے۔ ذاتی طور پر اپنے آپ پر ہونے والی زیادتیوں کو آپ معاف فرما دیتے تھے اور درگزر فرما دیتے۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے متعلق بیان فرماتے ہیں :

”انه كان يعود المريض ويتبع الجنابة ويعجب دعوة المملوك ويركب الحمار لقد رأيتہ يوم خیر علی حمار خطامہ لیف“

(ابن ماجہ، بیہقی، مشکوٰۃ باب اخلاقہ و شمائلہ)

کہ بیشک آپ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے اور جنازے کے پیچھے چلتے تھے مملوک کی دعوت کو قبول فرماتے تھے اور دراز گوش (گدھے) پر سوار ہوتے، میں نے آپ کو خیبر کے دن دیکھا کہ آپ ایک دراز گوش پر سوار ہیں اور اس کی رسی بان کی ہے۔ (یعنی کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی رسی تھی)۔

یہ سب چیزیں آپ کی کامل تواضع پر دلالت کر رہی ہیں کیونکہ آپ میں معاذ اللہ تکبر کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، ابن ملک نے کہا ہے کہ دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونا سنت ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”قلت فمن استكف من ركوبه كبعض المتكبرين و جماعة من جهلة الهند“



فہو احس من الحمار“

میں کہتا ہوں جس شخص نے دراز گوش (گدھے) پر سوار ہونے میں شرم محسوس کی جیسا کہ متکبر لوگ کرتے ہیں اور ہندوستان کے جاہل لوگ کرتے ہیں وہ گدھے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں یعنی نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے سے شرم کرنا درحقیقت گدھے سے بھی زیادہ ذلت کا سبب ہے۔

(از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۹۴)

”عن انس ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صافح الرجل لم ينزع يده من يده حتى يكون هو الذي ينزع يده ولا يصرف وجهه عن وجهه حتى يكون هو الذي يصرف وجهه عن وجهه ولم يرمقهما رکتیہ بین یدی جلیس لہ“

(ترمذی، مشکوٰۃ باب اخلاقہ وشمائلہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ مبارک اس کے ہاتھ سے نہیں ہٹایا جب تک وہ اپنا ہاتھ کھینچ نہ لیتا اور آپ نے کبھی اپنا چہرہ اس سے نہیں پھیرا یہاں تک کہ وہ اپنا منہ پھیر لے اور آپ کو اپنے پاس بیٹھنے والے سے گھٹنے آگے بڑھائے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

اس حدیث پاک میں بھی آپ ﷺ کی تواضع کا ذکر کیا گیا کہ آپ نے کبھی متکبرین کا طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ حسن اخلاق کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا۔

جس طرح جابر اور متکبر لوگ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے برابر بیٹھے بلکہ وہ اپنے گھٹنے پاس بیٹھنے والے سے آگے بڑھا کر بیٹھتے ہیں تاکہ ان کا تقدم ظاہر ہو حضور ﷺ نے ایسا کبھی نہیں فرمایا۔ آپ نے کسی کے سامنے کبھی اپنے گھٹنے کھڑے بھی نہیں کئے :

”بل کان یخفضہما تعظیما لجلیسہ“

بلکہ آپ اپنے گھٹنے پست رکھتے کیونکہ آپ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کی تعظیم کا لحاظ کرتے۔

”ولا یعد رجلہ عند جلیسہ تعظیما لہ“

آپ نے اپنے ہنشین کی تعظیم کا خیال کرتے ہوئے کبھی پاؤں پھیلائے بھی نہیں۔



یہ سب کچھ تعلیم امت کی خاطر تھا کہ کوئی شخص مصافحہ کرتے وقت جلد بازی سے اپنا ہاتھ کھینچ نہ لے، کسی سے بات کرتے وقت اپنا رخ اس سے نہ پھیرے، کسی کو اپنے آپ سے حقیر سمجھ کر آگے بڑھ کر نہ بیٹھے اور پاؤں نہ پھیلائے۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۹۶)

دینی مدارس کے طلباء بعض اوقات از خود ادب کا لحاظ کرتے ہوئے استاذ کے برابر نہیں بیٹھتے اس میں استاذ کا تکبر ثابت نہیں ہوتا اور دینی مدارس میں پانچ گھنٹے تدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی مثال کسی سکول اور کالج سے نہیں مل سکتی، ایسی صورت میں اگر استاذ کو تھکاوٹ کی وجہ سے کبھی پاؤں پھیلانے پڑ جائیں یا گھٹنے کھڑے کرنے پڑیں تو اس میں استاذ کا تکبر نہیں ہوتا اور نہ ہی طلباء کو حقیر سمجھنا مطلوب ہوتا ہے بلکہ استاذ کا عذر ہوتا ہے۔

اگر ہزار اساتذہ میں سے کوئی ایک کمینہ، بدترین، گھٹیا ذہن رکھنے والا، نالائق، بے ہودہ، کمینہ خاندان کا فرد، دینی مدارس میں بد نما داغ، اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھے اور طلباء کو حقیر سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ان کو گھر سے کھانا نہیں ملتا تو یہاں آگئے تو یہ اسی ایک کمینہ کی سوچ ہے ورنہ ہزار میں سے نو سو ننانوے اپنے آپ کو طلباء کا باپ یا بڑا بھائی سمجھ کر شفقت کرتے ہیں۔

آپ نے عبودیت کو پسند فرمایا ملوکیت کو نہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”یا عائشة لو شئت لسارت معی جبال الذهب جاءنی ملک وان حجزته تساوی الکعبۃ فقال ان ربک یقرأ علیک السلام ویقول ان شئت نبیا عبدا وان شئت نبیا ملکا فنظرت الی جبرائیل علیہ السلام فاشار الی ان وضع نفسک و فی روایۃ ابن عباس فالتفت رسول اللہ ﷺ الی جبرائیل علیہ السلام کالمستشیر لہ فاشار جبریل بیدہ ان تواضع فقلت نبیا عبدا قالت فکان رسول اللہ ﷺ بعد ذالک لایاکل متکنا یقول اکل کما یاکل العبد واجلس کما یجلس العبد“

(شرح السنۃ، مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمانلہ)



اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں، میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کے ازار بند (یعنی کمر) کی جگہ کعبہ شریف تک ہے اس نے کہا: بیشک آپ کا رب تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو تو نبی عبد بن جاؤ اور اگر تم چاہتے ہو تو نبی بادشاہ بن جاؤ۔ تو میں نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف نظر کی تو انہوں نے اشارہ میری طرف کیا کہ میں اپنے آپ کو عاجز رکھوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف توجہ کی گویا کہ آپ ان سے مشورہ طلب کرنے لگے تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آپ عاجزی کو پسند کریں، تو میں نے کہا کہ میں نبی عبد بنوں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کبھی تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا آپ ﷺ فرماتے تھے میں ایسے کھانا کھاتا ہوں جیسے عبد کھاتے ہیں اور میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسا کہ عبد بیٹھتے ہیں۔

فرشتے کو اتنا لمبا قد عطا کر کے بھیجا گیا کہ کعبہ شریف کی چھت تک اس کی کمر تھی اور باقی اوپر والا حصہ اس سے بلند تھا اس فرشتے کو اتنا لمبا قد دینے کی کیا وجہ تھی؟

”لعل وجه ظهوره بهذه العظمة تعظيما لهذا الامر“

شائد اسے یہ عظمت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اسے اتنا عظیم پیغام دے کر بھیجا گیا تھا کہ اس امر کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا۔

فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام دیتا ہے۔ صاحب نہایہ نے اسی کو دلیل بناتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ میرا سلام فلاں کو پہنچانا تو اسے چاہئے کہ وہ سلام پہنچائے اور وہ دوسرا شخص سن کر اس کا جواب دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ ساتھ چاہتے ہیں تو عبودیت کو پسند



کر لیں اور اگر چاہتے ہیں تو ملوکیت (بادشاہت) کو پسند کر لیں آپ نے جبریل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو انہوں نے آپ کو عبودیت پسند کرنے کا مشورہ دیا۔

”وفیه ایماء الی ان الملوکیۃ و کمال العبودیۃ لا یجتمعان“

اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ بادشاہت اور کامل عبودیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

نبی کریم ﷺ چونکہ افضل الانبیاء ہیں اسلئے آپ کو اعلیٰ قسم کی عبودیت حاصل ہے اگرچہ مطلقاً بادشاہت کا حاصل ہونا کوئی عبودیت کے منافی بھی نہیں۔

”لان بعض الانبیاء جمع لہم بینا“

اسلئے کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو دونوں چیزیں یعنی بادشاہت اور عبودیت حاصل تھیں۔

بعض اوقات مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا کمال بھی نظر آتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے۔

”نعم المال الصالح للرجل الصالح ولکونہ وسیلۃ الی فتح البلاد و توسیع العباد و امثال ذلک“

نیک شخص کا مال ہی بہتر مال ہوتا ہے اور وہ شہروں کے فتح کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس مال کے ذریعے وسعت حاصل ہوتی ہے اور بھی اس طرح نیکی کے کاموں میں وہ مال صرف ہوتا ہے۔

اتنا واضح ہوا کہ جب سید الانبیاء نے عبودیت کو پسند کیا تو عبودیت کا انجام بھی اعلیٰ ہے اور اس کا مرتبہ سب مراتب سے بلند ہے۔ اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں کو اسی میں اعلیٰ قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ :

﴿فَإِنَّ الْمُلْكَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ اصل بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے جو واحد و قہار ہے۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا :



﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یعنی وہ یہ ظاہر کریں کہ وہ میرے بندے ہیں اور میں ان کا معبود اور ان کا رب تعالیٰ ہوں جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا :

”كنت كنزا مخفيا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرف“

میں ایک مخفی خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ مجھے پہچانا جائے۔

”وفيه دليل صريح على ان الفقير الصابر افضل من الغنى الشاكر“

اس میں واضح دلیل ہے اس پر کہ صبر کرنے والا فقیر شکر کرنے والے غنی سے افضل ہے۔

بعض اوقات مال و دولت کی کثرت انسان کو سرکش بنادیتی ہے اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے جو تکبر کا ذریعہ ہے اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکر اہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ رب تعالیٰ کی نظر رحمت سے محروم ہو جاتا ہے غالب احوال میں یہی صورت ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ

بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ﴾

(پ ۲۵ سورۃ الشوری آیت ۲۷)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے لیکن وہ اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے اتار تا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت قتادہ کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں :

”خير العيش مالا يلهيك ولا يطغيك“

بہتر زندگی وہ ہے جو تمہیں غافل بھی نہ کرے اور سرکش بھی نہ بنائے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیائے کرام علیہم السلام، اولیائے کرام، علمائے کرام اور صلحاء کرام



علیم الرضوان کو مال کم ہی عطا کیا ہے تاکہ یہ مجھے یاد کرتے رہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام تو کثیر مال جن کو ملا، ان کی معصومیت کے پیش نظر ان سے معاذ اللہ سرکشی وافرمانی ممکن نہیں تھی لیکن دوسرے لوگوں سے یہ ممکن ہے، جن علماء کو کثیر مال ملا، ان میں سے اکثر عیاش ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ تکیہ لگا کر نہیں کھاتے تھے، یعنی اس طرح کہ ایک طرف میلان ہو یا چوکڑی مار کر تکیہ پر سہارا لگا کر نہیں کھاتے تھے، ٹیڑھا ہو کر تکیہ لگا کر کھانا صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور نیچے گدا ہو اور چوکڑی مار کر کھانے سے کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے اسلئے کہ یہ دونوں صورتیں حضور ﷺ کو ناپسند تھیں، نبی کریم ﷺ ایسے بیٹھتے تھے جس طرح غلام بیٹھتے ہیں۔

”اما على الركبتين كهيئة الصلوة وهو افضل الهيئات او برفع احدى الركبتين في حالة الاكل او غيره او برفع الركبتين على صفة الاحتباء وهو اكثر انواع جلوسه ﷺ في غير الصلوة“

یعنی آپ دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے۔ بیٹھنے کا یہ انداز سب سے بہتر ہے یا آپ ایک گھٹنا کھڑا کر کے بیٹھتے جیسے کھانے کے وقت بیٹھا جاتا ہے۔ یا اس کے بغیر بھی اس صورت میں بیٹھا جاسکتا ہے یا دونوں گھٹنے کھڑے کر کے مقعد کو زمین پر لگا کر آپ بیٹھتے، اس حال میں بھی آپ نماز کے بغیر اکثر اوقات بیٹھتے تھے۔ ہاں البتہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو حقیر سمجھ کر تکبر کے طور پر ایسا بیٹھنا آپ کو پسند نہیں تھا استراحت کے لئے ایسا بیٹھنا آپ سے اکثر اوقات میں ثابت ہے۔

نبی کریم ﷺ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے اور غلاموں کی طرح پانی پیتے یعنی آپ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور ہاتھ صاف کرنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹتے۔

پانی پیتے وقت درمیان میں تین سانس نکالتے اور ہر سانس میں بسم اللہ شریف پڑھتے اور آخر میں ان الفاظ سے رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے۔

”الحمد لله الذي سقانا عذبا فراتا برحمته ولم يجعله ملحا اجاجا بذنوبنا“



حضور ﷺ کی عاجزی کا ذکر طبرانی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں بہت واضح ہے۔

”انہ کان یجلس علی الارض ویاکل علی الارض ویعتقل الشاة  
ویجیب دعوة المملوك الی خبز الشعیر“

(طبرانی)

بیشک نبی کریم ﷺ زمین پر (بغیر چٹائی وغیرہ کے) بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرما لیتے تھے اور بحری کوری خود باندھتے اور کسی غلام کی جو کی روٹی کے لئے دی ہوئی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

ابتداء وحی :

”عن عائشة ام المؤمنین انها قالت اول ما بدی رسول اللہ ﷺ من الوحی  
الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم  
حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حرا فیتحنث فیہ وهو التبعد اللیالی ذوات  
العدد قبل ان ینزع الی اہلہ ویتزود لذلك ثم یرجع الی خدیجة فیتزود  
لمثلها حتی جاء الحق وهو فی غار حرا“

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز  
سچے خوابوں سے ہوا آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح (سچا ہو کر) نمودار  
ہوتا پھر آپ کو تخلیہ گوشہ نشینی علیحدگی پسند آگئی تو آپ غار حرا میں خلوت گزینی (علیحدگی)  
فرمانے لگے اور وہاں متعدد راتیں عبادت فرماتے بغیر اس کے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف  
جائیں اور آپ اپنے ہمراہ گوشہ لے جاتے جب وہ ختم ہوتا تو آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ  
عنہا کے پاس آتے اور مزید گوشہ لے آتے یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آگیا ایسے حال  
میں آپ غار حرا میں تھے۔

حضور ﷺ کے ساتھ وحی کی ابتداء روئے صالحہ (سچے خوابوں) سے ہوئی حضرت عائشہ رضی



اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے خواب صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتے تھے یعنی آپ جو بھی خواب دیکھتے وہی بعینہ پیش آتے تھے۔ یہ سچے خواب دیکھنے پر آپ کو علیحدگی پسند آنے لگی اسی وجہ سے آپ غار حرا میں کئی کئی دن جا کر قیام کرتے اپنا خرچ ساتھ لے جاتے تھے جب وہ ختم ہو جاتا پھر آپ گھر تشریف لے آتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور خرچ یعنی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور پھر غار حرا میں جا کر عبادت شروع فرمالیتے وہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟

”اجیب بان ذالك كان بالتفكر والا اعتبار“

جواب دیا گیا کہ آپ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔

خیال رہے کہ آپ کی عبادت دن کو بھی ہوتی اور رات کو بھی لیکن یہاں صرف رات کا ذکر کیا گیا یا تو قاعدہ تغلیب کے پیش نظر اور یا گوشہ نشینی کے لئے راتوں کا استعمال اہم ہے اسلئے کہ راتوں کا ذکر کیا گیا۔

فیتحنت کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ابن شہاب زہری نے تعبد (عبادت کرنا) سے کی ہے اصل میں تین لفظ ایسے ہیں جو باب تفعل پر آئیں تو ان میں معنی سلب کا ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

”تائم، تحوب، تحنت“ پہلے دونوں لفظوں کا معنی ہے گناہوں سے دور رہنا، اور تحنت کا بھی تقریباً یہی معنی ہے یعنی خلاف شان کاموں سے اجتناب کرنا اور جب خلاف شان کاموں سے اجتناب اچھے کاموں سے ہے تو یقیناً وہ تعبد ہی ہے۔

حضور ﷺ کا غار حرا میں قیام کتنی دیر کے لئے ہوتا؟ اس کی تعداد معین ذکر نہیں اسی لئے بعض حضرات نے کثرت معنی لیا ہے اور بعض نے قلت یعنی کثیر راتیں آپ وہاں قیام فرماتے تھے اور کچھ حضرات نے کہا کہ کچھ راتیں وہاں قیام فرماتے اور پھر واپس آجاتے اور ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے

”وہی شہر فی کل سنة و ذالک الشہر کان رمضان“

اور یہ ہر سال میں ایک مہینہ کا قیام ہوتا اور وہ مہینہ رمضان کا ہوتا۔



علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”اقول ويمكن ان تكون المدة اربعين قیاسا علی میقات موسیٰ علیہ السلام“

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ مدت چالیس دنوں کی ہو کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا طور پر قیام چالیس دن ہی تھا جب آپ تورات لائے۔

”ولما فيها من الخواص والاسرار التي تظهر اثارها وانوارها علی الصوفية

الابرار مع ما فيها من مطابقة الاربعينات فی الاطوار“

چالیس دن رات کی مدت میں کچھ خصوصیات اور ایسے راز رکھے ہوئے ہیں جن کے آثار و انوار صوفیا کرام پر ہی ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کبھی چالیس دن رات عبادت کے لئے وقف کرتے ہیں نوافل ادا کرتے ہیں روزے رکھتے ہیں مختصر سے کھانے سے روزہ افطار کرتے ہیں ان کی اس عبادت کو ”چلہ کشی“ کا نام دیا جاتا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے بھی اپنے چالیس دن کے سیر و سیاحت پکنک منانے۔ دورے کو چلہ کاٹنا کہتے ہیں اور اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں معلوم ہوا کہ چالیس کا ہندسہ انہیں بھی پسند ہے۔

”وقد قال ﷺ من اخلص لله اربعين صباحا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه

علی لسانه هذا“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص دل سے چالیس صبح عبادت

کی اس کا ذکر کیا اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔

(از فیوض الباری، مرقاة ج ۱۱ ص ۱۰۶، ۱۰۷)

آپ کے پاس فرشتے کی آمد :

”فجاءه الملك فقال اقرأ فقال ما انا بقارئ قال فاخذني فغطني حتى بلغ

مني الجهد ثم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذني فغطني الثانية

حتى بلغ مني الجهد ثم ارسلني فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذني فغطني



الثالثة حتى بلغ منى الجهد ثم ارسلنى فقال ﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِى خَلَقَ  
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ  
الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ☆ ﴾

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی)

پس فرشتہ آپ کے پاس آیا اس نے کہا پڑھو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا یہاں تک کہ فرشتے  
نے مجھے پکڑا اور اتادبایا کہ وہ تھک گیا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھو میں نے پھر کہا میں نہیں پڑھتا  
فرشتے نے پھر دوسری بار کہا مجھے پکڑا اور اتادبایا کہ وہ تھک گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو  
میں نے پھر وہی جواب دیا میں نہیں پڑھتا فرشتے نے تیسری بار پھر دبایا اور کہا پڑھئے اپنے  
رب تعالیٰ کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

یہ تھی غار حرا میں حضور ﷺ پر سب سے پہلی وحی اور ایک پیغام لانے کی حیثیت سے جبریل علیہ  
السلام کی پہلی حاضری اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس فرشتہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اور  
قرآن کریم جبریل ہی لیکر نازل ہوئے قرآن پاک میں بھی اسے واضح طور پر بیان کیا گیا

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ ﴾ آپ کے دل پر روح امین (جبریل) نے قرآن پاک نازل کیا۔

روایہ صالحہ اور خلوت اختیار کرنے کے بعد یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ جبریل علیہ السلام سامنے آگئے  
اور انہوں نے سورہ اقرآء کی پانچ آیتیں سنائیں یہ رمضان کا مہینہ اور پیر کا دن تھا اس وقت حضور ﷺ کی عمر  
مبارک چالیس سال تھی۔

”فقال اقرآء“ حضرت جبریل امین نے عرض کیا اقرآء پڑھئے جبریل علیہ السلام نے تین مرتبہ  
”اقرآ“ کہا اور حضور ﷺ نے تینوں مرتبہ ”ما انا بقارئ“ (میں تو نہیں پڑھتا) فرمایا۔

تین بار اقرآ کہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس وحی کا آغاز ہو رہا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی  
توحید، احکام، قصص۔

جبریل علیہ السلام نے کہا پڑھئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ”میں نہیں پڑھتا“ سوال یہ پیدا ہوتا ہے



کہ آپ نے انکار کیوں فرمایا؟ جو بآعرض یہ ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا تین مرتبہ کہنا ”اقرا“ اور حضور ﷺ کا ہر بار جواب دینا ”ما انا بقاری“ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس میں کیا حکمتیں تھیں؟ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔

البتہ بظاہر انکار کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ غار حرا میں ذکر الہی سے لطف اندوز تھے قلب اقدس پر کیف کا عالم طاری تھا کہ اچانک حضرت جبریل امین نے حاضر ہو کر استدعا کی کہ پڑھئے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کا قلب مبارک محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار تھا اور ایک استغراق کی کیفیت طاری تھی تو ایسی صورت میں آپ نے دوسری جانب توجہ مبذول فرمانا گوارا نہ فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بار اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے معانقہ بھی فرمایا مگر حضور ﷺ کا قلبی اقتضاء یہ ہی رہا کہ ذکر حبیب سے لطف اندوز ہوتا رہوں یہاں تک کہ جب جبریل امین نے اسی محبوب حقیقی کے نام کی برکت سے پڑھنے کی استدعا کی جس کے مشاہدہ جمال میں حضور ﷺ مستغرق تھے تو آپ ادھر متوجہ ہوئے اور سورہ ابرا کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اکثر حضرات نے تو ”ما انا بقاری“ میں ”ما“ نافیہ بنایا ہے جس کا معنی ہے میں نہیں پڑھتا۔ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے عینی ج ۱ ص ۶۷ میں اس طرح بیان فرمائی کہ ما استفہامیہ ہے جیسے ﴿مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى﴾ میں ہے اور اس کی تائید روایت ابی الاسود فی منازیہ بھی کرتی ہے جس میں ”ما انا بقاری“ کی جگہ ”کیف اقرأ“ یا ”ماذا اقرأ“ آیا ہے۔

اور ممکن ہے کہ پہلا مانافیہ ہو دوسرا استفہامیہ اور تیسرا موصولہ ہو یعنی پہلی مرتبہ فرمایا ہو کہ میں نہیں پڑھتا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھے اور دوسری مرتبہ جبریل امین کے معانقہ کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہو کر میں کیا پڑھوں اور تیسری مرتبہ فرمایا ہو کہ اچھا میں جو پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟



## گھر آکر کمبل اوڑھانے کا مطالبہ :

” فرجع بہا رسول اللہ یرجف فؤادہ فدخل علی خدیجۃ فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنہ الروح فقال لخدیجۃ واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی “

(بخاری باب کیف بدء الوحی)

پھر حضور ﷺ نازل شدہ آیات لے کر واپس گھر تشریف لائے قلب مبارک مضطرب تھا فرمایا مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اوڑھاؤ آپ کو کمبل اوڑھایا گیا یہاں تک کہ وہ کیفیت اضطراب جاتی رہی پھر حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو (غار حرا کا) تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا : مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔

غار حرا میں حضور ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی اور انوار برکات صمدیت متوجہ ہوئے اور آپ نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وحی کی ثقالت اور کلام الہی کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب جان چلی، چنانچہ وحی کو خود قرآن نے قول ثقیل کہا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر وحی کسی پہاڑ پر اتار دی جاتی تو وہ جلال الہی سے پاش پاش ہو جاتا مگر یہ تو ذات نبوی تھی جس نے بتوفیق الہی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے والی چیز کی شدت کو برداشت کر لیا۔

## الغرض :

” لقد خشیت علی نفسی “ کے جملہ سے حضور ﷺ نے وحی کی اس تکلیف اور شدت کو بیان فرمایا ہے جو غار حرا میں آپ کو پہنچی، اور جس کے اثرات گھر تشریف لانے اور چادر اوڑھا دینے تک رہے اور جب چادر اوڑھا دی گئی تو وہ اضطرابی کیفیت ختم ہو گئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غار حرا کا واقعہ سنایا چنانچہ ” ذهب عنہ الروح “ کا جملہ اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ خوف دور ہو جانے کے بعد آپ نے قصہ سنایا۔ یہ نہیں کہ قصہ سناتے وقت بھی آپ اپنی جان کے خوف میں مبتلا تھے۔

نبی کو نبوت کے ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا شان نبوت کے



خلاف نہیں ہے منکرین سنت کا اس معصوم جملہ کو غلط رنگ دے کر یہ کہنا کہ بخاری سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت ہی میں شک تھا، نہایت بے ایمانی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی تحریف معنوی کرنا ہے؛ کیونکہ پوری حدیث میں کوئی لفظ تو درکنار اشارہ تک نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نبوت کے معاملہ میں ذرا بھر بھی ریب و شک میں مبتلا تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو حکم ہوا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔

﴿إِنَّهُ طَغَى﴾ بیشک اس نے سر اٹھایا ہے یعنی سرکش ہو گیا ہے۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ﴿قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى﴾ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) نے عرض کیا اے ہمارے رب بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

دیکھئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ خوف کی علت یہ نہیں تھی کہ جناب کلیم علیہ السلام کو اپنی نبوت میں شک تھا بلکہ یہ خوف فرض نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھا کہ مجھے فرعون جیسی عظیم طاقت کے مقابلہ کے لئے بھیجا رہا ہے تو میں تنہا فرائض نبوت سے کیونکر عمدہ بر آہوں گا یہی فکر تھی جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کر دیا اور انہیں عرض کرنا پڑا کہ الہی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون زیادتی نہ کرے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لئے باقتضاء بشریت خوف و اضطراب میں مبتلا ہو جانا نشان نبوت کے منافی نہیں۔

اسی طرح ”لقد خشيت على نفسي“ کا یہ مطلب لینا بھی باطل ہے کہ آپ پر فرشتہ کو دیکھ کر رعب پیدا ہو گیا تو آپ نے کہا کہ مجھے تو جان کا خطرہ ہو چلا تھا۔

اولاً تو یہ اس لئے باطل ہے کہ یہ اس وقت کسی حد تک ممکن ہو سکتا تھا جبکہ جبریل علیہ السلام اپنی ملکی (فرشتوں والی) صورت میں آتے۔ حالانکہ حدیث پاک میں ملکی صورت میں آنے کا کوئی ذکر نہیں البتہ



آپ کے بٹری صورت میں آنے کے واضح اشارات موجود ہیں تو اس میں اتنا رعب طاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً اگر اس رعب کا سبب جبریل ہوتے تو یہ رعب شروع میں دیکھتے ہی طاری ہونا چاہئے تھا حالانکہ آپ بڑے سکون و اطمینان سے جواب دے رہے ہیں وہ تین مرتبہ ”اقرا“ کہہ رہے ہیں اور آپ ہر مرتبہ ”ما انا بقاری“ کہہ کر جواب دے رہے ہیں اگر ڈر ہوتا تو معاذ اللہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ بھی ادا نہ ہو سکتا۔

لہذا واضح ہوا کہ رعب واضطراب کا سبب حضرت جبریل علیہ السلام کو فقط دیکھنا نہ تھا بلکہ کلام الہی کا نزول اور وحی کی ثقالت و شدت ہی تھی۔

(از فیوض الباری ج ۱ ص ۷۸ تا ۸۰)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے :

”لیس هو بمعنى الشك فيما اتاه الله تعالى لكنه ربما خشي انه لا يقوى على مقاومة هذا الامر ولا يقدر على حمل اعباء الوحي فتزهق نفسه“

(مرقاۃ ج ۱ ص ۱۰۹)

یہاں خوف طاری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے آپ کو اس میں شک تھا، بلکہ اتنے عظیم امر نبوت کو اٹھانے کی طاقت مجھے کیسے حاصل ہوگی اس کا خوف دامن گیر تھا۔ یہ وحی کا بوجھ جو میرے اوپر ایک چادر کی طرح تان دیا گیا ہے میں اس کو اٹھانے کی قدرت کیسے رکھوں گا؟ یہی سبب تھا جسے آپ نے خوف و خطرہ سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ میری توجان جا رہی تھی۔

حضرت خدیجہ کا جواباً عرض کرنا :

”فقلت خديجة كلا والله لا يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتصدق الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نواب الحق“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحي)



حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں ہر گز نہیں بخدا (اللہ کی قسم) اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان و شرمندہ نہیں کرے گا آپ قرابت داروں کا خوب حق ادا کرتے ہیں۔ سچی گفتگو فرماتے ہیں ، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ، ضرور تمندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں مسافروں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو راہ حق میں پیش آنے والے حوادث پر مدد دیتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تسلی آمیز الفاظ کو بار بار غور سے پڑھیں تو واضح ہو گا کہ فرشتے کا رعب نہیں تھا ورنہ آپ پوچھتیں کہ وہ کیسا شخص تھا ؟ وہ کیسے آیا آپ سے کیسے پیش آیا۔ نہیں آپ یہ نہیں پوچھ رہی تھیں بلکہ کہہ رہی تھیں حضور ﷺ جس ذات باری نے آپ کو یہ بارگراں اٹھانے کا حکم فرمایا ہے وہی آپ کا معاون ہو گا۔ اس نے تو آپ کو اوصاف حمیدہ پہلے ہی عطا کر رکھے ہیں۔ آپ سے اگرچہ کوئی قطع تعلقی کرے لیکن آپ پھر بھی اس سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ سچا کلام فرماتے ہیں لوگ بے شک آپ کی تکذیب بھی کرتے رہیں آپ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا آپ ضعیف لوگوں یتیموں ، بیوائوں ، عیال دار نادار عورتوں اور غریب مردوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں ان کی امداد فرماتے ہیں آپ بھلائی کے کاموں کے لئے مال حاصل کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے پاس مال نہیں ہوتا انہیں عطا فرماتے ہیں اور جو مسافر لوگ آپ کے پاس آتے ہیں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں اور جو مصائب حق کی راہ میں لوگوں پر آتے ہیں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں۔

ان اوصاف کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا سبحان اللہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے آپ نے جن الفاظ سے تسلی دی رب تعالیٰ نے بھی وہی الفاظ ذکر فرمائے۔

”یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ“

حدیث پاک سے یہ بھی سمجھ آیا کہ بعض اوقات کسی انسان کی اس کے سامنے تعریف کرنی جائز ہوتی ہے جبکہ معلوم ہو کہ وہ شخص اس پر متکبر نہیں ہو جائے گا اور اس تعریف کرنے میں لوگوں کو بھی اس نیکی کی طرف مائل نہ کرنا ہے۔



اور یہ بھی واضح ہوا کہ آپ کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہیں تھا حضور ﷺ نے خود فقر کو پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :

”الفقر فخری“ فقر میرا فخر ہے

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دلیل یہ پیش فرمائی :

”انک ممن لایصبہ مکروہ لما جمع اللہ فیک من مکارم الاخلاق ومحاسن السمائل“  
بیشک آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات سے نوازا ہے۔

”وفیہ دلالة علی ان مکارم الاخلاق وخصال الخیر سبب للسلامة من مصارع السوء“

اس میں دلیل پائی جاتی ہے اس پر کہ اچھے اخلاق اور بھلائی کے کام برائی کی وجہ سے ہلاکتوں سے بچانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا :

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی کے پاس لے گئیں ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور وہ عبرانی زبان میں لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے فرمایا اسے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے کا ماجرا سنئے ورقہ نے (حضور ﷺ سے) کہا اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا یہ ہی وہ ناموس (محرم اسرار یعنی جبریل) ہے جسے خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہ سکتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا : کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا ہاں ! جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو اگر میں اس زمانہ میں زندہ رہا تو آپ کی ہر



طرح مدد کروں گا اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی ورقہ نے وفات پائی۔ اور اس کے بعد وحی رکی رہی۔

خیال رہے کہ سورہ اقرء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد جبریل علیہ السلام کی آمد رکی رہی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضور ﷺ غار حرا سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ فرشتہ نظر آیا جس کا ذکر حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت میں ہے وہ وحی کے رک جانے کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں (غار حرا سے) آ رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا تو مجھے اس سے خوف آیا میں گھر واپس ہوا اور میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ..... الخ﴾ سورہ اقرء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد وحی آنا بند ہو گئی تھی جس کی مدت تین سال بتائی جاتی ہے اس کے بعد جبریل امین حاضر ہوئے تو سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وحی آنا شروع ہو گئی جس کا سلسلہ جاری رہا تاہم حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ پر جب عارضی طور پر وحی آنا بند ہو گئی تو آپ بہت ملول رہتے تھے تا آنکہ رحمت الہی پھر متوجہ ہو گئی اور وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا وحی کیوں رکی رہی؟ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ بعض شارحین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے وحی آنا اس لئے بند ہوئی تاکہ پہلی بار جو آپ پر وحی کی شدت اور ثقالت کے اثرات مرتب ہوئے تھے وہ دور ہو جائیں اور آپ کا شوق اور بڑھ جائے۔

(از فیوض الباری ج ۱ ص ۸۵)

نبی کریم ﷺ کے سر جھکانے پر صحابہ کرام نے اپنے سر جھکا لئے :

”عن عبادة بن الصامت قال كان النبي ﷺ اذا نزل عليه الوحي كبر  
لذلك وتردد وجهه وفي رواية نكس راسه ونكس اصحابه رؤسهم فلما



(مسلم . مشکوٰۃ باب المصنوع و بدء الوحی)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ پر شدت کی کیفیت طاری ہوتی اور آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور صحابہ کرام نے بھی اپنے سر جھکا لئے جب آپ سے یہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے سر اٹھا لیا۔

وحی کے نزول کے وقت سر جھکانے کی وجہ تفکر کرنا اور امر وحی کا شدید اہتمام کرنا اور حقوق عبودیت کے مطالبہ پر ڈر رکھنا اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ جلالا نا اپنی امت کے نافرمانوں کو عذاب پہنچنے سے پریشان ہونا اور ڈرنا وغیرہ امور تھے۔

اور ہو سکتا ہے کہ کہ فی الواقع وحی کے نزول کی وجہ سے ظاہری شدت طاری ہو جاتی ہو اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہو نبی کریم کے سر جھکانے کی تو یہ وجہ تھیں لیکن صحابہ کرام کے سر جھکانے کی وجہ فقط ”ونکس اصحابہ رؤسہم ای اتباعا لہ وتادبا معہ“ یہ تھی کہ انہوں نے آپ کی تابعداری کرتے ہوئے ادب کے طور پر سر جھکا لئے تھے۔

”رفع راسہ ای وتبعہ اصحابہ“ حضور کے سر اٹھانے پر صحابہ کرام نے بھی سر اٹھا لئے۔

سبحان اللہ ! کتنی تابعداری، کیسا ادب و احترام تھا؟ کہ حضور ﷺ نے فرمایا بھی نہیں کہ میرے سر جھکانے پر تم بھی سر جھکانا اور میرے سر اٹھانے پر تم بھی اٹھانا فقط دیکھ کر عمل کرنا صحابہ کرام کی ہی شان تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں قتل ہونے والا بد بخت :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”اشتد غضب اللہ علی قوم فعلوا بنبیہ یشیر الی رباعیتہ اشتد غضب اللہ



علی رجل یقتله رسول اللہ فی سبیل اللہ“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی)

کہ اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر شدید غضب ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا آپ نے اپنے سامنے والے دانت مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا : (جس دانت مبارک کو غزوہ احد میں شہید کیا گیا تھا) اور اس شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خود اس کے رسول نے قتل کیا ہو۔

”من یقتله من هو رحمة للعلمین لم یکن الا اشقی الناس“

جس شخص کو قتل اس ہستی نے کیا ہو جو رحمتہ للعالمین ہیں تو یقیناً وہ شخص تمام لوگوں سے بد محنت ہوگا۔

جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے قتل کیا وہ امی بن خلف تھا۔





آپ کی انگلیوں سے نکلا ہوا پانی زمزم اور کوثر سے افضل ہے :

”عن جابر قال عطش الناس يوم الحديبية ورسول الله ﷺ بين يديه ركوة فتوضأ منها ثم اقبل الناس نحوه قالوا ليس عندنا ماء نتوضأ به ونشرب الا ما في ركوتك فوضع النبي ﷺ يده في الركوة فجعل الماء يفور من بين اصابعه كأمثال العيون فشربنا وتوضأنا قيل لجابر كم كنتم قال لو كنا مائة الف لكفانا كنا خمس عشرة مائة“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن میں پانی تھا جس سے آپ وضو فرما رہے تھے پھر لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی اور عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم اس سے وضو کریں یا پییں سوائے اس کے جو آپ کے برتن میں پانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے برتن میں رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے چل پڑے جس طرح چشموں سے پانی نکلتا ہے۔ راوی کہتے ہیں ہم نے اس سے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی تعداد کتنی تھی؟ آپ نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ کی تعداد میں ہوتے تو پھر بھی ہمیں کفایت کر جاتا البتہ ہم اس وقت پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔

ایک دوسری حدیث دیکھیں جس کے تحت عنوان کے مطابق بحث کی گئی ہے :

”عن انس ان رسول الله ﷺ اتاه جبريل وهو يلعب مع الغلمان فاخذ فصرعه فشق عن قلبه فاستخرج منه علقة فقال هذا حظ الشيطان منك ثم غسله في طشت من ذهب بماء زمزم ثم لأمه واعاده في مكانه وجاء الغلمان يسعون الى امه يعني ظئره فقالوا ان محمدا قد قتل فاستقبلوه وهو منتقع اللون قال انس فكنت ارى اثر المخيط في صدره“

(مسلم، مشکوٰۃ باب علامات النبوة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹایا پھر آپ کے دل کی جگہ



(سے سینہ) کو چاک کیا اور اس سے ایک منجمد خون کا لو تھڑا نکالا اور کہا کہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا پھر ایک سونے کے طشت میں دل کو رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر سینے کو درست کیا (یعنی اسے ٹانگے لگائے) دل کو اپنی جگہ پر لوٹا دیا (ساتھ کھینچنے والے) بچے دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے جب حلیمہ کے گھر کے افراد آئے تو دیکھا کہ حضور کا رنگ متغیر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور کے سینہ مبارک پر سوئی سے لگے ہوئے ٹانگوں کے نشان دیکھتا تھا۔

خیال رہے کہ سونے کے برتن استعمال کرنا نبی کریم ﷺ کی شریعت میں حرام ہے، لیکن جبریل علیہ السلام نے سونے کے طشت کو استعمال کیا، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابھی آپ کو اعلان نبوت کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ کو شریعت عطا ہوئی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ استعمال کرنے والے جبریل تھے اور فرشتے ہمارے افعال کے مکلف نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے دل مبارک کو آب زمزم سے دھویا گیا :

”استدل به علی انه افضل مياه العالم حتی ماء الكوثر“

اسی کو اس مسئلہ پر دلیل بنایا گیا ہے کہ آب زمزم جہان کے تمام پانیوں سے افضل ہے یہاں تک کہ حوض کوثر اور نہر کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے۔

کیونکہ آپ کے دل کو دھونے کے لئے جس پانی کا انتخاب کیا گیا وہ یقیناً تمام پانیوں سے افضل ہی ہونا چاہئے۔

”لكن الماء الذى نبع من بين اصابعه ﷺ فلا شك انه افضل المياه على

الاطلاق“

لیکن وہ پانی جو حضور ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا تھا وہ بلا شک تمام پانیوں سے مطلقاً افضل ہے۔

یعنی آب کوثر سے بھی اور آب زمزم سے بھی چونکہ آب کوثر سے تو آب زمزم اعلیٰ ہے اور آب زمزم سے وہ پانی افضل ہے جو میرے حبیب علیہ التحیۃ والثناء کی انگلیوں سے جاری ہوا، وہ کیوں افضل ہے۔

”لكونه من اثر يده الشريفة وماء زمزم من اثر قدم اسمعيل المنيفة وبون



بین بینہما ولان الاعجاز الکائن فی یدہ ﷺ ابلغ

اس لئے کہ اس پانی کو تعلق ہے سید الانبیاء کے ہاتھ مبارک سے کہ آپ کی انگلیوں سے جاری ہوا اور آب زمزم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے تعلق ہے کہ وہ ایڑی کی حرکت سے نکلا ہے تو ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کیونکہ جب نبی کریم ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہیں تو آپ کے ہاتھ مبارک سے ظاہر ہونے والا معجزہ بھی افضل ہے اس کمال سے جو اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے ظاہر ہوا۔

” وهذا الحدیث وامثاله مما يجب فیہ التسلیم ولا یتعرض لہ بتاویل من طریق المجاز اذ لا ضرورة فی ذالک “

یہ شق صدر والی حدیث ہو یا اس قسم کی اور احادیث ہوں ان کو تسلیم کرنا واجب ہے اور تاویل کر کے مجازی معنی نہ لیا جائے کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ خبر دینے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں جن سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہو سکتا اس لئے خبر سچی ہے اور رب تعالیٰ کی قدرت سے بھی یہ کوئی بعید نہیں۔

فائدہ :

نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے وہ خون کا منجمد ٹکڑا نکالا گیا؟ اس لئے کہ اس میں یہ تاثیر رکھی ہوئی ہے کہ وہ شیطان کے اثر کو قبول کر لیتا ہے اس کو نکال دیا گیا تاکہ اس کی وجہ سے دل مقدس اور منور ہو جائے اور وحی کو قبول کرنے کی کامل صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کو غافل کرنے کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں۔

وہ ٹکڑا آپ کے جسم میں رکھا ہی کیوں تھا اس کے بغیر ہی آپ کو پیدا فرمایا جاتا اس کی کیا وجہ ہے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کے جسم میں وہ ٹکڑا ہوتا ہے اگر آپ کے جسم میں وہ حصہ شروع میں ہی نہ رکھا جاتا تو جسم میں ایک حصہ کے نہ ہونے کی وجہ سے نقص پیدا ہوتا آپ کو چونکہ ہر عیب سے پاک فرمانا تھا اس حصہ کو جسم میں رکھا گیا تاکہ جسمانی کوئی نقص نہ ہو پھر اسے نکال دیا گیا کیونکہ اب آپ کے جسم مبارک



میں وہ رہنے کے قابل نہیں تھا۔ میرے استاذ مکرم حضرت علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی نے یہی تقریر فرمائی تھی جب آپ یہ حدیث مبارک پڑھا رہے تھے اس وقت میرے ساتھ پڑھنے والے اور حضرات کے علاوہ یہ چار حضرات قابل ذکر تھے مولانا ابو الفضل اللہ دتہ سیالوی، مولانا عبد اللطیف سیالوی، مولانا شاہ محمد قصوری اور قاری محمد یوسف جہلمی سلمہم اللہ۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کا شق صدر (سینہ چاک کرنا) کئی مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ بچپن میں جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے اور دوسری مرتبہ جب آپ سے غار حرا میں جبریل امین کی ملاقات ہوئی اور تیسری مرتبہ معراج کی رات کو۔

(از مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۲۳)

آپ نے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے :

”عن انس قال ان اهل مكة سألوا رسول الله ﷺ ان يريهم آية فأراهم القمر شقتين حتى رأوا حرا بينهما“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں معجزہ دکھائیں آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے وہ دیکھ رہے تھے کہ جبل حرا چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان آگیا ہے۔

”وعن ابن مسعود قال انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ فرقتين فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله ﷺ اشهدوا“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو۔

دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان دونوں ٹکڑوں کا وقوع ایسا تھا کہ جبل حرا ان کے درمیان ایسا نظر آ رہا تھا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے۔



نبی کریم نے فرمایا: ”اشہدوا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت پر گواہ بن جاؤ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے معجزہ پر گواہ بن جاؤ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے معجزہ طلب کرنے والو آؤ حاضر ہو جاؤ ظاہر میں میرے معجزہ کو دیکھو اس معجزہ کا انکار اور تاویل حق سے کج روی ہے۔

”قال الزجاج قوم عدلوا عن القصد وما عليه اهل العلم ان تاويله ان القمر ينشق يوم القيامة“

زجاج نے کہا کہ اہل علم کے راستہ سے ہٹ جانے والوں اور سیدھی راہ سے عدول کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ چاند کا پھٹنا قیامت کو واقع ہوگا۔

حالانکہ ان کج روی کرنے والوں کا یہ قول سراسر باطل ہے قرآن پاک کے الفاظ اسی پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ واقع ہو چکا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے وانشق القمر کے بعد ذکر فرمایا ہے :

﴿وَاِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

(پ ۲۷ سورۃ القمر آیت ۲)

اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔

”فكيف يكون هذه يوم القيامة“

قیامت کے دن یہ کیسے ہوگا یعنی قیامت کے دن کسی نشانی کو کوئی شخص بھی جادو نہیں کہہ سکے گا وہاں تو ان کو اپنی جان کی پڑی ہوگی یہ تو دنیا میں ہی وہ آیات و معجزات کو جادو کہتے رہے۔

امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ کچھ لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ چاند کے دو ٹکڑے فرمانے کا معجزہ ایک ہولناک امر تھا اگر یہ واقع ہوتا تو تمام روئے زمین کے لوگ دیکھتے اور حدیث کے راوی کثیر تعداد میں ہوتے اس طرح حدیث متواتر ہوتی حالانکہ یہ خبر واحد ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جو اس حدیث اور معجزہ کو مانتے ہیں ان کے نزدیک تو کثیر مقدار میں اسے لوگوں نے نقل کیا ہے اسلئے یہ متواتر المعنی ہے لیکن مخالفین کو ہو سکتا ہے کہ غفلت طاری ہو گئی ہو جس طرح سورج کو گرہن لگتا ہے تو کوئی توجہ کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔

”والقرآن اولی دلیل واقوی شاهد وامکانہ لاشک فیہ ای عقلا وقد اخبر



عنه الصادق فيجب اعتقاد وقوعه“

قرآن پاک سب سے اعلیٰ دلیل ہے اور سب سے بڑی قوی شہادت ہے عقلی طور پر اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے خود خبر دی ہے اور آپ سے بڑھ کوئی سچا بھی نہیں تو ضروری ہو چکا ہے کہ اس معجزہ کے وقوع کا یقین کیا جائے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کثیر لوگ اس معجزہ کو کیوں نہیں دیکھ سکے تھے آپ فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ چاند کے دو ٹکڑے ہونارات کو واقع ہوا اور بڑے بڑے لوگ غافل ہو کر سوئے ہوئے تھے اور دروازے بند تھے اور وہ چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے ایسے حالات میں انسان کم ہی آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور آسمان میں کم ہی تفکر کرتا ہے اور شرح السنہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ مطالبہ بھی ایک خاص قوم نے کیا تھا اور انہوں نے ہی دیکھا تھا دوسرے لوگ غافل ہو کر سو رہے تھے۔

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۱۲۴)

نبی کریم ﷺ کو درخت اور پتھر سلام کہتے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”انی لاعرف حجرا بمكة كان يسلم على قبل ان ابعث انی لاعرفه الآن“  
(مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

بیشک میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں مجھے بعثت سے پہلے سلام کہتا تھا بیشک میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔

”ويقول السلام عليك يا نبي الله كما ورد في رواية“

ایک روایت میں صراحتاً ذکر ہے کہ وہ کہتا تھا السلام علیک یا نبی اللہ وہ پتھر کون سا تھا؟ حقیقت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں، البتہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ حجر اسود ہو یا کعبہ شریف اور حضرت خدیجہ کے مکان کے درمیان ایک پتھر تھا جو زقاق الحجر کے نام سے مشہور تھا وہ آپ کو سلام کہتا ہو۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لما استقبلنی جبریل بالرسالة جعلت لا امر بحجر ولا شجر الا قال السلام عليك يا رسول الله“

کہ جبریل امین جب میرے پاس رسالت کا حکم لے کر آئے تو مجھے جو بھی پتھر یا درخت ملتا وہی کہتا ”السلام عليك يا رسول الله“

”وفيه ايماء الى انه مبعوث الى كافة الخلق“

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور ابو جہل کی ذلت :

”عن ابی هريرة قال قال ابو جهل هلا يعفر محمد وجهه بين اظهر كم فقیل نعم واللات والعزى لئن رايتہ يفعل ذالك لأطأن على رقبته فاتى رسول الله ﷺ وهو یصلی زعم لیطأ على رقبته فما فجنهم منه الا وهو ینکص على عقبیه ویتقی بیدیه فقیل له مالک فقال ان بینی و بینہ لخنذا من نار وهو لا اجنحة فقال رسول الله ﷺ لو دنا منی لاختطفة الملائكة عضوا عضوا“

(مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہارے سامنے پیشانی رگڑتے ہیں (نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں) تو لوگوں نے کہا ہاں ابو جہل کہنے لگا قسم ہے لات اور عزی کی اگر میرے سامنے اس نے ایسا کیا تو میں اس کی گردن دیوچ دووں گا۔ (معاذ اللہ) اتنے میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے اور نماز پڑھنے لگے اس نے ارادہ کیا کہ آپ کی گردن دیوچ دے وہ اچانک آپ کے پاس آیا ہی تھا لیکن ایڑیوں کے بل پیچھے کی طرف بھاگا اور بچاؤ کے لئے ہاتھ مار رہا تھا لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا؟ وہ کہنے لگا میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہو گئی اور بہت بڑا ہولناک منظر تھا اور پرندوں کے پر ہی پر نظر آرہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا اگر میرے قریب آتا تو فرشتے



اس کے اعضاء کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

ابو جہل کو جو پر نظر آرہے تھے وہ درحقیقت فرشتے تھے جو حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

معراج کی رات جبریل آپ کو انبیائے کرام کا تعارف کیوں کر رہے تھے؟

”وكان نبينا عليه السلام كان في الاستغراق التام مشاهدة المرام غافلا عن

الانام كما اشار اليه سبحانه وتعالى بقوله ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ﴾ حتى

احتاج في كل من المقام الى تعليم جبريل بالسلام“

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۴۵)

ہمارے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تمنا میں کامل طور پر استغراق میں تھے صرف

مقصد عظیم رب کا مشاہدہ کرنا تھا آپ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے غافل تھے جیسے کہ

رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ﴾ آنکھ نہ کسی کی طرف پھری اور نہ حد

سے بڑھی یہ آپ کے استغراق تام کی طرف کامل اشارہ ہے اسی وجہ سے ہر مقام پر جبریل

علیہ السلام آپ کو متوجہ کرتے رہے کہ یہ فلاں نبی ہیں آپ ان کو سلام کریں۔

انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ کی ملاقات آسمانوں میں کیسے ہوئی جب کہ ان کے جسم اپنی اپنی

قبروں میں موجود ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے۔

”بان ارواحهم تشکلت بصور اجسادهم“

کہ ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ نے جسموں کی شکل دے دی ہو۔

یعنی قبروں میں جسم موجود ہونے کے باوجود آسمانوں میں ارواح بھی جسموں کی صورت موجود

ہو گئیں۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے :

”او حضرت اجسادہم لملاقاتہ ﷺ تلك الليلة تشریفالہ“

یا انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو ہی حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے آسمانوں میں اس



رات کو حاضر کر لیا گیا ہو۔ تاکہ حضور کی عظمت واضح ہو جائے اور آپ کی عزت افزائی ہو۔

نبی کریم ﷺ کی آسمانوں میں جس نبی سے بھی ملاقات ہوئی ”فسلمت فرد السلام“ آپ فرماتے ہیں میں نے اسے سلام کہا اور اس نے سلام کا جواب دیا: ”وفیه دلیل علی ان الانبیاء احياء حقیقہ“ اور اس میں دلیل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو حقیقی زندگی حاصل ہے۔

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۴۲)

”ان الانبیاء لا یموتون کسائر الاحیاء بل ینتقلون من دار الفناء الی دارالبقاء وقد ورد بہ الاحادیث والانباء وانهم احياء فی قبورهم فانهم افضل من الشهداء وهم احياء عند ربهم“

(مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۴۳)

یہ شک انبیائے کرام علیہم السلام باقی زندہ لوگوں کی طرح زندہ ہیں مردہ نہیں بلکہ صرف دار فناء یعنی اس دنیا سے دار بقاء یعنی آخرت کی طرف منتقل ہوتے ہیں انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی پر دلالت کرنے والی کئی احادیث اور اخبار وارد ہیں یہ شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ شہداء سے افضل ہیں وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔

خیال رہے کہ ہر نبی نے آپ کو سلام کا جواب دیتے ہوئے۔ ”النبی الصالح“ کے لقب سے پکارا اے صالح نبی لفظ صالح کے انتخاب میں کیا حکمت تھی؟

”ان الصلاح صفة تشتمل جمیع خصائل الخیر وشمائل الکرام“  
یہ شک صلاح ایک ایسا وصف ہے جو بھلائی کی تمام خصلتوں اور اچھی عادات کو شامل ہے۔  
اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے:

”الصالح من یقوم بما یلزمہ من حقوق اللہ وحقوق عبادہ“

صالح وہ ہے جو اس کے ذمہ حقوق العباد اور حقوق اللہ لازم ہوں ان کو مکمل طور پر ادا کرے۔

اسی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام نے اس دعا کو اختیار کیا: ﴿تَوْفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّالْحَقِّیْ بِالصَّالِحِیْنَ﴾ مجھے حالت اسلام پر وفات آئے اور مجھے صالحین (اپنے خاص قریبی بندوں) سے ملا دے اور یہ



بھی ممکن ہے یہاں یہ معنی مراد لیا جائے :

”الصالح لهذا المقام العالی والصعود المتعالی“

کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے آپ کے اس بلند و بالا مقام کو دیکھ کر آپ کو صالح کہا ہو کہ یہ عظیم مرتبہ اور اس بلند مقام پر سیر کرنا یعنی شرف معراج آپ کو ہی حاصل ہو رہا ہے اس لئے صالح ہونے کا بلند مقام بھی آپ کو حاصل ہے ۔

حضور ﷺ کا معراج جاگتے ہوئے تھا :

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے بخاری اور ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ (اور ہم نے نہ کیا وہ دکھانا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش یعنی آپ کو حالت بیداری میں معراج کرا کے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں)۔

”رؤیا عین اریہا رسول اللہ ﷺ لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس“

رؤیا سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے (خواب دیکھنا مراد نہیں) جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا یہ وہ سیر کی رات ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہوا کہ آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصی (بیت المقدس) تک سیر کرائی گئی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے :

”قال شیء اریہ النبی ﷺ فی الیقظة راہ بعینہ“

نبی کریم ﷺ کو جو چیز دکھائی گئی وہ بیداری میں یعنی جاگتے میں جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ واقعہ معراج کو سن کر قریش نے انکار کیا تھا اور العیاذ باللہ کچھ لوگ یہ سن کر مرتد بھی ہو گئے تھے :

”وانما ینکر اذا کانت فی الیقظة فان الرؤیا لاینکر منها“



انکار کی ضرورت ہی اس وقت درپیش آئی جبکہ واقعہ بیداری کا تھا اگر خواب کا معاملہ ہوتا تو کسی کو انکار کی کیا ضرورت تھی۔

”ان رسول اللہ ﷺ قال لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاتہ وانا انظر الیہ“

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۸ . مسلم ج ۱ ص ۹۶)

بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس ظاہر کر دیا تو میں نے اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ معراج جاگتے ہوئے جسمانی طور پر تھا اسی لئے قریش نے انکار کیا تھا :  
”ومما يدل علی انه اسرى بجسده ﷺ قوله اسرى بعبدہ ولفظ العبد عبارة عن مجموع الروح والجسد“  
(سراج منیر ج ۲ ص ۲۷۷)

رب تعالیٰ نے حضور کی معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ اسرى بعبدہ ﴾ جو اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا تھا اور آپ کو جسمانی طور پر معراج ہوا کیونکہ عبد روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر یوں لا جاتا ہے اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو ”اسرى بروح عبده“ کہا جاتا کیونکہ عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۲۹ میں بھی اس دلیل کو ذکر کیا گیا ہے اور کبیر میں علامہ رازی نے بھی ذکر کیا ہے۔

غلطی کی وجہ :

خواب کا واقعہ بیان کرنے والے ایک روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش کرتے ہیں :

”عن معاویة انه سئل عن المعراج فقال كانت رؤیا سالحة“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ معراج کیسے تھا تو انہوں نے کہا وہ رؤیا سالحہ تھا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ رؤیا سے مراد رؤیا بالعين ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا، بنیادی غلطی کی وجہ یہ



ہے کہ رؤیا خواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی جب دوسری روایات سے واضح ہے کہ رؤیا بمعنی آنکھ سے دیکھنے کے یہاں مراد ہے تو خواب والا معنی لینا کسی طرح بھی درست نہیں

دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے :

”ما فقد جنسد محمد ﷺ لیلۃ المعراج“ نبی کریم ﷺ کا جسم معراج کی رات کو گم نہیں پایا گیا

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے مراد یہ لیا ہے کہ میں نے آپ کے جسم کو گم نہیں پایا تو یہ واقعہ خواب کا ہے لیکن خواب میں حضور ﷺ کو کئی مرتبہ معراج ہوا، یہ خواب والے معراج کا ذکر ہو گا کیونکہ جاگتے ہوئے معراج مکہ مکرمہ میں ہوا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں مدینہ طیبہ میں آئیں۔

اور اگر آپ نے مطلقاً واقعہ کو ذکر کیا ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ آپ کا جسم روح سے گم نہیں تھا اور روح سے جدا نہیں تھا بلکہ روح اور جسم کے ساتھ معراج ہوا یہی معنی لیا جائے تو دوسری روایات کے ساتھ تطبیق ہو سکتی ہے۔

فائدہ :

ارواح کا تعلق بدنوں سے ایسا ہے جیسا کہ سورج کا تعلق عالم دنیا سے جس جسم پر بھی سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں ہیں وہ چیز روشن ہو جاتی ہے اسی طرح جسم کے ہر عضو میں سے جس پر روح کی نورانیت پڑتی ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اس میں انوار کمال و جلال اثر انداز ہوتے ہیں۔

روح کی چار قسمیں ہیں :

پہلی قسم : وہ ارواح ہیں جن میں صفات بشریہ کی کدورت پائی جاتی ہے یہ عوام کی روحیں ہیں ان پر حیوانی قوتیں غالب ہوتی ہیں جو عروج کو قبول نہیں کرتیں۔



**دوسری قسم:** وہ ارواح ہیں جن میں علوم کے حاصل کرنے کی وجہ سے قوت نظریہ میں کمال حاصل ہوتا ہے یہ علماء کی روحیں ہیں۔

**تیسری قسم:** وہ روحیں ہیں جن کو بدن کی قوت مدبرہ کی وجہ سے کمال حاصل ہوتا ہے اسی قوت مدبرہ کے حصول کی وجہ سے وہ اچھے اخلاق اچھی صفات کو قبول کرتی ہیں یہ مرتاضین (ریاضت کرنے والے) کی روحیں ہیں جس طرح قوت میں فوقیت آتی ہے اسی طرح ان کے بدن میں ریاضت و مجاہدہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

**چوتھی قسم:** وہ روحیں ہیں جنہیں قوت نظریہ اور قوت مدبرہ دونوں میں کمال حاصل ہوتا ہے یہ بشری روحوں کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے یہ انبیائے کرام علیہم السلام صدیقین کی روحیں ہیں جب ان قوتوں میں فوقیت آتی ہے تو بدنوں کو زمین سے بلند ہونے کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے باقی جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں کو صرف اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ آسمانوں تک پہنچ سکے وہ حضور ﷺ کے استقبال کے لئے یہ مقام حاصل کر سکے۔

”واكملهم قوة نبينا ﷺ فخرج به الى قاب قوسين او ادنى“

(از مرقاة ج ۱۱ ص ۱۳۹)

تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ہمارے نبی کریم ﷺ کو قوت نظریہ اور قوت مدبرہ زیادہ اعلیٰ حاصل ہیں اسی وجہ سے آپ کا معراج ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ کے درجہ کا تھا یعنی رب کا دیدار حاصل ہو ادونوں کے درمیان دو کمان کا فاصلہ رہا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔

نبی کریم ﷺ کا دیدار الہی سے مشرف ہونا:

﴿وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ  
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ  
بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ  
إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتَمْرُونَهُ ۚ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۚ﴾



وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ☆ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ☆ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ☆  
إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ☆ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ☆ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ  
رَبِّهِ الْكُبْرَى ☆ ﴿

(ب ۲۷ سورة النجم آیت ۱۸ تا ۲۱)

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ پہنکے نہ بے راہ  
چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگرو جی جو انہیں کی جاتی ہے  
انہیں سکھایا اللہ تعالیٰ سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان  
بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس  
محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی  
دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے  
تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المننتی کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا  
آنکھ نہ کسی کی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

﴿وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ﴾ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب معراج سے اترے اعلیٰ حضرت  
بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ حضرت امام جعفر صادق کے اس قول کے مطابق کیا ہے آپ کہتے ہیں :

”هو النبي ﷺ وهو اه نزوله من السماء ليلة المعراج“

النجم سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور ہوی سے مراد آپ کا معراج کی رات آسمانوں سے اترنا ہے۔

خیال رہے کہ ہوی کا معنی اترنا بھی اور چڑھنا بھی اسی لئے علامہ آکوسی فرماتے ہیں :

”وجوز على هذا ان يراد بهواه صعوده وعروجه عليه الصلوة والسلام الى

منقطع الاين“

اس معنی کے لحاظ سے یہ کہنا بھی جائز ہے کہ آپ وہاں تک بلند ہوئے جہاں مکان کی حدیں ختم ہو  
جاتی ہیں اب معنی یہ ہو گا قسم ہے اس پیارے چمکتے تارے محمد کی جو لا مکان تک بلند یوں پر فائز ہوئے۔

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى﴾ اور تمہارے صاحب نہ پہنکے اور نہ بے راہ چلے۔



قریش کو خطاب فرمایا اور حضور کو ان کا صاحب کہا کیونکہ وہ آپ کی شریعت کے تمام احوال سے باخبر تھے اور یہ جانتے تھے کہ آپ ہر قسم کی بدائی سے کامل طور پر اجتناب کرتے ہیں اور رشد و ہدایت کا اعلیٰ درجہ آپ کو حاصل ہے نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی کا طویل حصہ ان میں گزارا تھا اس لئے وہ آپ کے حالات سے مکمل طور پر باخبر تھے :

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

(ب ۲۷ سورة النجم آیت ۴، ۳)

وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے ہاں مگر وہی جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے ۔  
نبی کریم ﷺ اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد بھی فرمائیں تو وہ دوسرے مجتہدین سے مختلف ہوتا ہے :

”ان النبی ﷺ اوحی الیہ ان یجتہد بخلاف غیرہ من المجتہدین“  
یوشک نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی جاتی ہے کہ آپ اجتہاد کریں یوشک وہ وحی مخفی کیوں نہ ہو لیکن دوسرے مجتہدین کو یہ حالت حاصل نہیں ہوئی ۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”انه حينئذ بالوحي لا وحي“

آپ کا اجتہاد وحی سے ہوتا ہے اگرچہ اس پر وحی کے احکام جاری نہیں ہوتے یعنی اجتہاد سے حاصل کردہ مسئلہ اور وحی سے نافذ ہونے والے حکم میں فرق ہوتا ہے ۔

بعض اوقات اجتہاد کو بھی وحی کا درجہ حاصل ہو گا جبکہ یہ مقام حاصل ہو کہ

”ما القیتہ فی قلبک فهو مرادی“

جب رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ کہا جائے کہ جو چیز میں نے آپ کے دل میں ڈالی ہے وہی میری مراد ہے ۔

اس کے بعد آنے والی آیات میں اختلاف ہے جو جلوہ حضور ﷺ نے دیکھا وہ جبریل کا دیکھا یا اللہ تعالیٰ کا ، صحیح یہی ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھنے کا شرف حاصل کیا ۔



ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے ذکر فرمایا :

”رأى محمد ﷺ قال عكرمة قلت اليس الله يقول لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار قال ويحك ذاك اذا تجلى بنوره الذى هو نوره وقد رأى ربه مرتين“

نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ”لا تدركه الابصار“ نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے اس نور سے تجلی فرمائے جو ذات کے درجے میں ہے حضور نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کا کسی نے احاطہ نہیں کیا اس کی حقیقت تک کوئی نہیں پہنچ سکا نفی اس معنی کے لحاظ سے ہے یہ نہیں کہ مطلقاً کسی کو بھی طاقت نہیں مل سکی کہ اس کے نور کو دیکھا ہو۔

جب یہ فرق کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں نفی پائی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ان میں تطبیق ہو سکے گی کہ ایک روایت کا مطلب ہے کہ آپ نے رب کے نور کا احاطہ نہیں کیا اور دوسری کا مطلب ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کے نور کو دیکھا ہے۔

حضرت قتادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور آپ سے ایک سوال کرتا انہوں نے کہا کس چیز کے متعلق تم سوال کرنے کی تمنا رکھتے ہو انہوں نے کہا میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذر نے کہا :

”قد سأله فقال وأيت نورا“

کہ ہاں میں نے سوال کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نور کو دیکھا ہے۔

دوسری روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :



”سألت رسول الله ﷺ هل رأيت ربك؟ قال نوراني أراه“

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ ذات نورانی ہے میں نے اس دیکھا ہے۔

نورانی میں ”یاء“ نسبت کی بنائی جائے تو دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہو گا اس لئے تو بہتر یہ ہی ہے کہ اس لفظ کو اسی طرح پڑھا جائے۔ بعض حضرات نے ”نورانی“ پڑھا ہے یعنی ایک لفظ نور ہے اور دوسرا انی ہے اب معنی یہ ہو گا کہ وہ ذات نور ہے میں نے اسے کہاں دیکھا ہے۔

اس معنی کے لحاظ پر پھر تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ میں نے اس کے نور کا احاطہ نہیں کیا ہے تاکہ دوسری روایت کا معنی بھی درست ہو سکے کہ میں نے نور کو دیکھا ہے یعنی دیکھا تو ہے اس کا کامل احاطہ نہیں کیا ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے :

”ان محمداً ﷺ رأى ربه عز وجل مرتين مرة ببصره ومرة بفواده“

بیشک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ اپنی آنکھوں سے۔

علامہ آکو سی رحمۃ اللہ علیہ اپنا مختار بیان کرتے ہیں :

”وانا أقول برؤيته ﷺ ربه سبحانه وبدنوه منه سبحانه على الوجه اللائق“

(روح المعانی ج ۱۴ ص ۵۳ پ ۲۷)

میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے کہ آپ کو رب کا قرب خاص حاصل ہوا ہے جیسا بھی مناسب تھا یعنی اس قرب و رؤیت کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی البتہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کو ماکان وما یکون کا علم دیا گیا :

﴿الرَّحْمَنُ ☆ عِلْمُ الْقُرْآنِ ☆ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ☆ عِلْمُهُ الْبَيَانُ﴾

رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔



جب نبی کریم ﷺ تمام عالم کی جان ہیں تو انسانیت کی جان ہونا بھی واضح ہو اعلامہ آکوسی رحمۃ اللہ علیہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

”العالم جسد وروحہ النبوة ولا قیام للجسد بدون روحہ“

تمام جہان جسم ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی روح ہیں اور جسم کا قیام بغیر روح کے نہیں اسی لئے جہان کا قیام حضور ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔

قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

”وجاز ان یقال خلق الانسان یعنی محمد ﷺ علمہ البیان یعنی القرآن فیہ بیان ما کان وما یکون من الازل الی الابد مطابقا لبيان من مضی من الرسل ہدایۃ للناس وآیۃ علی نبوتہ“

جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ ”خلق الانسان“ انسان سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں ”علمہ البیان“ سے مراد قرآن پاک ہے جس میں ”ما کان وما یکون“ (جو ہو گیا اور جو ہونا ہے) کا علم ازل سے ابد تک موجود ہے جو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذکر و بیان کے مطابق ان کے احوال پر مشتمل ہے لوگوں کے لئے ہدایت اور آپکی نبوت پر نشانی ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ”الجامع لاحکام البیان المعروف بقرطبی“ میں بیان فرماتے ہیں :

”وعن ابن عباس وایضا عن ابن کيسان الانسان ههنا یراد به محمد ﷺ والبيان بیان الحلال والحرام والهدی من الضلال وقیل ما کان وما یکون لانه بین عن الاولین والآخرین ویوم الدین“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن کيسان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الانسان سے مراد محمد ﷺ ہیں اور علمہ البیان میں بیان سے مراد یا تو حلال و حرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد کان وما یکون کا علم ہے کیونکہ حضور



نے اولین و آخرین اور قیامت کا ذکر فرمایا جب آپ نے جمع گزرے اور آنے والے اور واقعات قیامت سے مطلع فرمایا تو آپ کو ماکان وما یون کا علم یقیناً حاصل ہے۔

ان مذکورہ تفاسیر کے مطابق ہی تفسیر سراج منیر، جمل، حسینی میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

علم غیب نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے :

﴿لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ کی تفسیر میں جمل میں ذکر کیا گیا ہے :

”لقائل ان يقول قد اخبر ﷺ عن المغيبات وقد جاءت احاديث في صحيح بذلك وهو اعظم من معجزاته ﷺ فكيف الجمع بينه وبين قوله ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير واجيب انه يحتمل ان يكون قاله على سبيل التواضع والادب المعنى لا اعلم الغيب الا ان يطلعني الله عليه ويقدره لي“

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نبی کریم ﷺ نے تو بہت غیبی خبریں دی ہیں اور صحیح احادیث میں اس کا ذکر ہے حالانکہ علم غیب نبی کریم کا عظیم معجزہ ہے تو ان احادیث اور قرآن پاک کی اس آیت کریمہ ﴿لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ میں مطابقت کیسی ہوگی اس کا جواب یہ دیا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے عجز و انکساری کے طور پر یہ کہا ہے اور از روئے ادب کہ میں خود غیب نہیں جانتا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس پر مطلع نہ فرمائے اور قدرت نہ دے۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾

تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جانتا ہوں۔

اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کے علم غیب کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا کہ میں کہتا نہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود ہی غیب جانتا ہوں۔



”ولا اعلم الغیب عطف علی محل عند خزائن اللہ فهو مقول“

(روح المعانی)

”ولا اعلم الغیب“ کا عطف ”عندی خزائن اللہ“ کے محل پر ہے اور یہ بھی ”ولا اقول“ کا مقولہ ہے یعنی نفی کہنے کی ہو رہی ہے علم غیب کی نہیں ہو رہی۔

(روح المعانی)

”ولا اعلم الغیب النصب عطف علی محل عندی خزائن اللہ لانه من جملة المقول كانه قال لا اقول لكم هذا القول ولا هذا القول لكم انی ملك ای لا ادعی ما يستبعد فی العقول ان يكون بشر من ملك خزائن اللہ وعلم الغیوب ودعوى الملكية وانما ادعی ما كان لكثير من البشر وهو النبوة“

(مدارك)

”ولا اعلم الغیب“ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ اس کا عطف ”عندی خزائن اللہ“ کے محل پر ہے اور وہ بھی نصب میں ہے کیونکہ وہ جملہ ”لا اقول“ کا مقولہ ہے لہذا مقصد یہ ہے کہ تمام معطوف اور معطوف علیہ مقولہ ہیں کہ میں نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ ”ولا اقول لكم انی ملك“ کی تفسیر میں بھی یہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا جو انسانی عقل سے بعید ہو کہ ایک بشر کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہوں اور علم غیب رکھتا ہو اور فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہو بلکہ میں وہ دعویٰ کرتا ہوں جو پہلے بھی کثیر بشر حضرات نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔

عطائی غیب قرآن پاک سے ثابت ہے :

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾

(پ ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۷۹)

اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

اس آیت کریمہ میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے کہ عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ علم غیب عطا نہیں کرتا البتہ رسولوں میں سے جسے چاہے اسے علم غیب عطا کرتا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ ”يجتبی“ سے پتہ چلتا ہے



مجتبی بنائے اور میرے حبیب کا اسم گرامی مجتبی بھی ہے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجتبی بنالیا ہے چن لیا ہے علم غیب عطا کر دیا ہے تو اگر بد بخت انسان نہ پسند کرے تو میرے حبیب کی شان میں کیا فرق وہ منکر اپنی بد بختی کا ماتم کرے ۔

رب کا ارشاد گرامی یہ ہے :

﴿عَالَمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ☆ إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿☆﴾

(پ ۲۹ سورة الجن آیت ۲۶، ۲۷)

جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے یعنی رسولوں کو غیب عطا فرماتا ہے کیونکہ رسول اس کے پسندیدہ ہیں ہاں البتہ کوئی زیادہ پسندیدہ ہوگا جس کا نام ہی مرتضیٰ ہوگا یقیناً جتنا غیب اسے عطا ہوگا اتنا کسی دوسرے رسول کو نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کو لوح محفوظ کا علم عطا کیا گیا اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو لوح محفوظ کی بعض معلومات پر مطلع کیا گیا ہے۔

” واما اللوح المحفوظ فقد يطلع على بعض معلوماته من اراد الله من ملائكته وانبيائه وخلص اوليائه من ارباب الكشوف لاسيما اسرافيل عليه السلام فانه مؤكل عليه ويأخذ الامور منه فيأمر جبريل وميكائيل وعزرائيل عليهم السلام كلا بما هو من جنس عمله “

(مرفقة ج ۱۱ ص ۵)

(مرقاۃ)  
لوح محفوظ کی بعض معلومات پر اللہ تعالیٰ فرشتوں انبیائے کرام علیہم السلام اور ارباب کشف اولیائے کرام میں سے جسے چاہتا ہے مطلع فرمادیتا ہے خصوصاً اسرافیل لوح محفوظ پر مؤکل ہیں وہ لوح محفوظ سے ہی علم حاصل کر کے جبریل میکائیل اور عزرائیل کو ان کے کاموں کے متعلق مطلع کرتے ہیں۔

”انه ﷺ لم يخرج من الدنيا حتى اعلمه الله بجميع مغيبات الدنيا والآخرة



ولکن امر بکتُم اشیاء منها“

(صاری حاشیہ جلالین ص ۴۹۰)

بیشک نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا اور آخرت کے غیبی امور پر مطلع فرمادیا ہاں البتہ بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم تھا جیسا کہ قیامت کو ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا تھا ورنہ آپ کو قیامت کا بھی علم تھا :

”فلم یطلع علیہ احد الا من ارتضاه من الرسل“

(صاری، حاشیہ جلالین ص ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم کسی کو نہیں دیا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے جن رسولوں کو آپ نے پسند فرمایا انہیں قیامت کا علم عطا فرمایا۔

**اعتراض :** پانچ چیزوں کے متعلق تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ”لا یعلمہن الا اللہ“ ان کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا پانچ چیزیں یہ ہیں قیامت کا علم، بارش ہونے کا علم، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، کل انسان نے کیا کرنا ہے، کہاں مرنا ہے پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے قول پر بطور دلیل یہ آیت تلاوت فرمائی :

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

(ب ۲۱ سورۃ لقمن آیت ۳۴)

بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتار تا رہا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بتانے والا ہے۔

**جواب :** علم غیب کی نفی جن آیات یا احادیث میں ہے اس سے مراد ذاتی طور پر غیب کا جاننا ہے اور جن میں ثبوت ہے ان میں عطائی طور پر غیب کے جاننے کا ذکر ہے۔

یعنی مسئلہ واضح ہے کہ حضور ﷺ کو ذاتی طور پر غیب کا علم نہیں عطائی طور پر غیب کا علم ہے یہی حدیث جو معترض نے پیش کی ہے جو مشکوٰۃ شریف کی ابتدا میں ہے یعنی دوسری حدیث ہی اس کی شرح



میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :

”مراد آنست کہ بے تعلیم الہی بحساب عقل هیچ کس اینہا رانداند  
وآنها از امور غیب اند کہ جز خدا کسی آن رانداند مگر آنکہ وے تعالیٰ  
از نزد خود کسی را بداناند بوحی والہام“

(اشعۃ اللمعات)

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم عطا کرنے کے بغیر کوئی شخص بھی اپنی عقل سے  
حساب نہیں لگا سکتا کیونکہ یہ امور غیبیہ ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں البتہ  
اللہ تعالیٰ کسی کو وحی یا الہام کے ذریعے علم عطا کر دے تو وہ یقیناً جانتا ہے ۔

**اعتراض :** نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ کھجوروں کی درختوں کے  
پیوند کاری کر رہے ہیں مذکر درخت کے شگوں میں مونٹ میں لگا رہے ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا کر  
رہے ہو انہوں نے کہا کہ ہم پیوند کاری کر رہے ہیں تاکہ پھل زیادہ ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا :

”لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا“

اگر تم یہ نہ کرو تو شاید تمہارے لئے بہتر ہو۔

صحابہ کرام نے چھوڑ دیا لیکن پھل کم پیدا ہوا تو صحابہ کرام نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا :

”انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من  
رایی فانما انا بشر“

میں ایک بشر ہوں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں جس کا تعلق دین سے ہو تو اس پر عمل کرو  
اور اگر میں اپنی رائے سے (دنیا کا کوئی کام) کہوں تو میں ایک بشر ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے :

”انتم اعلم بامور دنیا کم“ دنیا کے معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو۔

اور ایک دوسری روایت میں ذکر ہے۔ ”انما ظننت ظنا فلا تواخذنی بالظن“ میں جو بات ظن  
سے کروں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔ اس سے تو واضح ہوا کہ آپ کو دنیا کے معاملات کا کچھ پتہ نہیں تھا  
اگر ہوتا تو آپ نہ روکتے ۔



**جواب :** ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا میں اسی حدیث کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں :

”وعندی انه عليه الصلوة والسلام اصاب في ذلك الظن ولو ثبتوا على كلامه لفاقوا في الفن ولا رتفع عنهم كلفة المعالجة فانما وقع التغير بحسب جريان العادة الا ترى ان من تعود باكل شيء او شر به يتفقده في وقته واذا لم يجده يتغيره عن حالته فلو صبروا على نقصان سنة او سنتين لرجع النخيل الى حالة الاول وربما انه كان يزيد على قدره المعول وفي القضية اشارة الى التوكل وعدم المبالغة في الاسباب وقد غفل عنها ارباب المعالجة من الاصحاب والله تعالى اعلم بالصواب“

(شرح شفا ج ۲ ص ۳۳۸)

میرے نزدیک بیشک نبی کریم ﷺ کی رائے بالکل درست تھی اگر صحابہ کرام آپ کے ارشاد پر قائم رہتے البتہ فن میں فوقیت حاصل کر لیتے اور ان سے اس علاج یعنی پیوند کاری کی تکلیف ہمیشہ کے لئے اٹھالی جاتی یہ پہلے سال پھل کم ہونے والا تغیر عام عادت کے مطابق تھا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے کھانے یا پینے کی عادت بنا لے تو اسے وہ چیز اس وقت میں نہ ملے تو وہ تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اگر اس پر صبر کرے تو ہمیشہ کے لئے اسے قوت برداشت حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح صحابہ کرام بھی ایک دو سال پھلوں کی کمی کو برداشت کر لیتے تو کھجور کے درخت اپنا پھل دینے میں پہلے حال کی طرح لوٹ آتے بلکہ یقیناً پہلے سے ان کا پھل زیادہ ہوتا ۔

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ پر کامل طور پر توکل کرنے اور ظاہری اسباب پر ہی کامل بھروسہ نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن کھجوروں کی پیوند کرنے والے اس سے غافل رہے ۔

**علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے :**

علم غیب پر بحث کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ بھیروی مدظلہ العالی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :



﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾

(پ ۲۰ سورۃ النمل آیت ۶۵)

آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ تخلیق کائنات تدبیر نشئون عالم خستہ دلوں اور آشفۃ حالوں کی فریاد رسی رزق رسانی وغیرہ صفات میں جس طرح اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں غیب کسے کہتے ہیں اس کا کیا مفہوم ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

”ملا يقع تحت الحواس ولا تقتضيه بداهة العقل“

(المفردات)

یعنی وہ علم جو حواس کی رسائی سے بالاتر ہو اور جو قوت عقل سے بھی حاصل نہ کیا جاسکے اسے غیب کہتے ہیں۔

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں فرشتے، جنات، انسان، جن میں علماء، اولیاء، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولوالعزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ بھی ”الغیب“ کو نہیں جان سکتے۔

صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہی کہ وہ عالم الغیب ہے جس طرح اس کی ذات کی اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسری کا دم نہیں مار سکتا اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں کسی کو شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہو گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گا جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی دوسرے کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی دوسرے کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

**تنبیہ:** قرآن کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح نہ بیان کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو ورنہ



قرآن حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کے بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں دوسری آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور تکذیب کرتی ہیں (معاذ اللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا بطلان کر رہا ہو اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ اسے خداوند علیم و حکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ بین ہے اور ہمہ دان بھی (یعنی سب چیزوں کو دیکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)۔

## قرآن پاک میں کوئی اختلاف نہیں :

قرآن کریم نے اپنے کلام الہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا ارشاد ہے :

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾

(پ ۵ سورۃ النساء آیت ۸۲)

یعنی یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

## آیت مذکورہ کی تفسیر غور و فکر سے کی جائے :

اگر غور و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی حالانکہ قرآن کی بیشمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا نزول وحی کا قیامت جنت دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں نیز کثیر آیات اور ہزاروں صحیح احادیث سے حضور اکرم ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس لئے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

## ذاتی غیب کی نفی ہے :

علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جنائے اور بتائے بغیر کوئی بھی



غیب پر آگاہ نہیں ہو سکتا خود قرآن کریم نے بھی اس قول کی تصدیق فرمادی۔

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ☆ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ☆ ﴿

(پ ۴۹ سورۃ الجن آیت ۲۶، ۲۷)

اللہ تعالیٰ غیب جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ

رسولوں کے۔

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قدیم اور غیر محدود ہے :

اس آیت نے بتادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے ذاتی اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اس کی حین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے اور نہ نہایت اگر کوئی شخص کمایا کیفاً یعنی مقدار اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لئے اثبات کرے تو وہ ہمارے نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

حضور کا علم غیب حادث محدود اور عطائی ہے :

اس لئے حضور پر نور امام الاولین والآخرین ﷺ کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا نیز حضور ﷺ کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور فخر موجودات ﷺ کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے (کیونکہ دنیا بھر کے سمندروں کا پانی بھی محدود ہے اور قطرہ بھی محدود ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور ذاتی ہے لیکن حضور ﷺ کا علم حادث اور محدود اور عطائی یعنی رب کے دینے سے حاصل ہوا)۔



نبی کریم ﷺ کے علم کی وسعت صرف رب جانتا ہے :

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا بھی محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے اس کی وسعتوں کو دینے والا جانتا ہے یا سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو ہم تم کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے۔

﴿ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴾

(پ ۲۷ سورة النجم آیت ۱۰)

اس نے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔

علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں (جن کا کوئی کنارہ نہیں) جن پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے ان کی حد بر آری ہم کرنے لگیں تو ٹھو کریں نہیں کھائیں گے تو اور کیا ہوگا۔

اس تلمیذ رحمان نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے اس کے حق ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اسی کی زبان پاک سے نکال ہوا یہ قول طیب ہم نے سنا ہے۔

” قال رسول الله ﷺ رأيت ربي عز وجل في احسن صورة قال فيم يختصم الملائكة على قلت انت اعلم قال فوضع كفه بين كتفي فوجدت برده بين ثدي فعلمت ما في السموات والارض “

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی ہے بڑی حسین اور پیاری صورت میں، فرمایا: ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: الہی تو خود ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا۔

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں :



”پس دانستم ہر چہ در آسمانها و ہر چہ در زمینها بود عبارتست از حصول

تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آن“

پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمینوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا (پھر فرماتے ہیں) اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور میں نے ان کا احاطہ کر لیا۔

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”المرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں اس کے بعد شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفا کرتا ہوں۔

” قال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموات بل وما فوقها، والارض ہی بمعنی الجنس ای جمیع فی الارضین السبع وما تحتها، یعنی ان الله تعالى اری ابراهيم عليه الصلوة والسلام ملکوت السموات والارض وكشف له ذالك وفتح علی ابواب الغیوب“

(مرقاۃ ج ۱ ص ۴۶۳)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اس طرح ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا میں نے جان لیا، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا :

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو اس لئے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے غور سے سن لیجئے انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو بفضلہ تعالیٰ یقیناً تسلی ہو جائے گی :



” رواہ الاحمد والترمذی وقال حسن صحیح وسألت محمد بن اسمعيل البخاری من هذا الحديث فقال هذا حديث صحيح“

(مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

” قام فينا رسول الله ﷺ مقاما ما ترك شيئا يكون في مقامه ذلك الى قيام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه قد علمه اصحابي هؤلاء وانه ليكون منه الشيء قد نسيته فاراه فاذا ذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا رآه“

ایک روز حضور ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور ﷺ نے نہ فرمایا ہو یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔ میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آ جاتا ہے (کہ حضور ﷺ نے یونہی فرمایا تھا) بالکل اسی طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو اور جب تو اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :

” عن عمر قال قام فينا رسول الله ﷺ مقاما فاخبرنا من بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه“

(رواہ البخاری)



حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قیام فرما ہوئے (یعنی ہم صحابہ کے پاس تشریف فرما ہوئے) اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا۔

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں :

”قال الطیبی حتی للغایۃ اخبرنا ای اخبر مبتدأ من بدء الخلق حتی انتہی الی دخول اهل الجنة الجنة ووضع الماضي موضع المضارع مبالغة للتحقیق المستفادة من قول الصادق الامین ﷺ“

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں حتی کا لفظ بیان غایت کے لئے ہے یعنی حضور نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے جبکہ جنتی اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہو گا اسلئے ”حتى یدخل“ یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے تھا حدیث میں ماضی کا صیغہ ”حتى دخل“ کیوں استعمال ہوا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ صادق (سچا) اور امین (امانت دار) رسول ہیں۔ اس لئے آئندہ کے متعلق جو فرمادیا کہ ایسا ہو گا اس کا ہونا بھی انتہائی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

نور و ایمان کے بغیر انسان بھٹکتا ہی رہتا ہے :

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطا فرمائے تب ہی کتاب و سنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک و شبہ کی جھاڑیوں میں دامن الجھا رہتا ہے اور قیل و قال سے فرصت نہیں ملتی۔

قرآن کریم کی آیات طیبات اور ان احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن



ہونے کا سرٹیفیکیٹ لینے کے لئے یہ ماننے یا زبان پر لانے یا اس کا تصور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ ”شیطان کا علم فخر عالم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے یا ایسا علم تو ہر گاؤں اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔“

”العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ“

مفسرین نے اس آیت کا مفہوم یہی بیان کیا :

اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا علمائے کرام کی تصریحات بھی اس کی تائید کرتی ہیں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

”ولعل الحق ان يقال ان العلم الغیب لا منفی من غیرہ جل وعلا هو ما كان للشخص لذاته ای بلا واسطۃ فی ثبوته له وما وقع للخواص لیس من هذا العلم المنفی فی شیء ضرورة انه من الواجب عز وجل افاضه علیہم بوجه من وجوه الافاضة“

(روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۱)

یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فیض رسانی کی متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں :

”وبالجملة علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل وعلا لا یعلمہ احد من الخلق اصلا“

یعنی ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کلا اور بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ ہی بعض کوئی جان سکتا ہے



حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :  
 ”و غیرہ تعالیٰ لا یعلم الا باعلامہ“

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے جتانے اور سکھانے سے ۔  
 آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”قلت ویمکن ان یکون التقدير لا یعلم من السموات والارض الغیب بشیء  
 الا باللہ ای بتعلیمہ“

(مظہری)

یعنی جو میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم  
 اور سکھانے کے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی ۔

فساد پھیلانے والوں کو خدا کے حضور جو لبدہ ہونا پڑے گا :

اس تحقیق کے بعد اگر کوئی صاحب ہم اہل سنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی اس آزادی  
 کے دور میں ہم اس کے لئے دعا ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں البتہ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اس بہتان کے  
 متعلق اس سے باز پرس ہوگی اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفویہ علی نبیہا افضل الصلوات وازکی التسلیمات  
 میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر جو لبدہ ہونا ہوگا۔

” الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ  
 اجمعین“

(از ضیاء القرآن جلد سوم از ص ۴۵۷)

نبی کریم ﷺ کا مقام ادب :

حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو حضور ﷺ کے چچا ہیں) عمر کے لحاظ پر آپ ﷺ سے دو سال  
 بڑے ہیں جب ان سے سوال کیا گیا کہ :

”انت اکبرام النبی ﷺ“ تم بڑے ہو یا نبی کریم ﷺ بڑے ہیں ؟

تو اس سوال کا بڑا پیارا جواب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیا :



”ہو اکبر وانا اسن“ بڑے تو آپ ﷺ ہیں البتہ عمر میری زیادہ ہے۔

سبحان اللہ کتنا عظیم اور حسین و جمیل جواب دیا کہ میں کیسے تصور کر سکتا ہوں کہ میں بڑا ہوں بڑائی تو ہر لحاظ سے آپ کو ہی حاصل ہے البتہ عمر میری زیادہ ہے لیکن عمر کے زیادہ ہونے کے باوجود میں آپ سے چھوٹا ہوں۔

”ومن لطائف طبعه وحسن ادبه“

آپ کا یہ جواب آپ کی طبیعت کی لطافت پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ لطیف طبیعت کے مالک تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام کا آپ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

نبی کریم کے شعر کو شعر کہنا کفر ہے :

”قال بعض العلماء لو قال لشعر النبی ﷺ شعر فقد کفر“

علمائے کرام نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے شعر (بال) کو تصغیر کے صیغے سے شعر کہا تو کفر ہے یعنی آپ کے بال مبارک کو معاذ اللہ بالڑا کہنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام اور باعث لعنت قرار دیا رب کا ارشاد ہے :

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

(ب ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۵۷)

بیٹھک جو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

”واجمعت الامة على قتل متنفصه من المسلمين“

امت کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی شان میں تنقیص کرتا ہے تو وہ واجب القتل ہے کسی قسم کا بھی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو تو اس کا یہی حکم ہے اسی طرح آپ کو گالی دینے والا بطریق اولیٰ واجب القتل ہوگا۔



”ففی قاضیخان لو عاب الرجل النبی ﷺ فی شیء کان کافرا“

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول ﷺ پر کسی قسم کا عیب بھی نکالا تو وہ کافر ہوگا

”و ذکر فی الاصل ان شتم النبی ﷺ کفر“

مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے العیاذ باللہ حضور ﷺ کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

”وعن ابی حفص الکبیر من عاب النبی ﷺ بشعرة من شعراته الکریمة فقد کفر“

ابو حفص کبیر کا قول ہے کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کے بالوں مبارکہ میں سے کسی ایک

بال کے ذریعے بھی حضور ﷺ پر عیب لگایا وہ یقیناً کافر ہو گیا۔

”ولو قال کان جن النبی ﷺ ذکر فی نوادر الصلوة انه کفر“

اگر کسی شخص نے کسی نبی کے متعلق یہ کہا کہ وہ مجنون تھے یعنی پاگل تھے (العیاذ باللہ) تو وہ

کافر ہوگا۔

ہاں خیال رہے کہ :

”ویجوز ان یقال اغمی علی النبی ﷺ“

یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

وجہ اس کی اصل میں یہ ہے کہ جنون عیب ہے اور عیوب سے انبیائے کرام علیہم السلام پاک ہیں اسلئے جنون کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا کفر ہے لیکن بے ہوشی بیماری ہے اور بیماری ہر شخص کے لئے رحمت ہے اسلئے بیماری کی نسبت انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف کرنا جائز ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ حکم مسلمان کا تھا اگر کافر حضور کی شان میں گستاخی کرے عیب لگائے تو بعض اہل علم نے کہا اسے قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس سے معاہدہ توڑ دیا جائے اور اسے اپنے ملک سے نکال دیا جائے تاکہ وہ کافروں کے ملک میں پہنچ جائے۔



کفار ڈرتے ہوئے آپ پر عیب لگاتے :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَذُنٌ قُلْ أَذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

(پ ۱۰ سورۃ التوبہ آیت ۶۱)

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں کہ (غیب کی خبریں دینے والے) نبی کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں تم فرماؤ تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

شان نزول :

منافقین اپنی مجلسوں میں سید عالم ﷺ کی شان میں ناشائستہ باتیں بکا کرتے تھے ان میں سے بعضوں نے کہا کہ اگر حضور کو خبر ہو گئی تو ہمارے حق میں اچھا نہ ہو گا تو جلاس بن سوید منافق نے کہا ہم جو چاہیں کہیں حضور کے سامنے انکار کر دیں گے اور قسم اٹھائیں گے وہ تو کان ہیں ان سے جو کہا جائے وہ مان لیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ فرمایا کہ اگر وہ سننے والے بھی ہیں تو خیر اور صلاح کے سننے اور ماننے والے ہیں شر اور فساد کے نہیں۔

﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ☆ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ☆ ﴾

(پ ۱۰ سورۃ التوبہ آیت ۶۲، ۶۳)

تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ تعالیٰ کا اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ جو



خلاف کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے۔

منافقین اپنی مجلسوں میں سید عالم ﷺ پر طعن کیا کرتے تھے پھر مسلمانوں کے پاس اپنی باتوں کا انکار کرتے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی بریت ثابت کرتے مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کروان پر ایمان لاؤ اگر تمہارا ایمان ہوتا تو تم اس قسم کی حرکتیں نہ کرتے۔

یہ خوب سمجھ لو کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کو ہی جاری رکھا تو تمہیں جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا یہ تمہارے لئے بہت بڑی رسوائی ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کی شان میں وہ لفظ استعمال کرنا منع ہے جس سے کافر غلط معنی لے سکتے ہوں :

نبی کریم ﷺ جب کلام فرماتے تو صحابہ کرام کو اگر ضرورت پیش آتی کہ آپ ذرا ہماری رعایت فرمائیں بات آہستہ کریں تو وہ عرض کرتے :

”یا رسول اللہ راعنا“ یا رسول اللہ ہماری رعایت فرمائیں لیکن منافقین یہی لفظ بولتے تھے اور رعونة سے مراد لیتے جس کا معنی ہوتا حماقت یعنی معاذ اللہ آپ کو احمق سے تعبیر کرتے یا راعنا کو کھینچ کر ایسے پڑھتے کہ لفظ راعینا بن جاتا جس کا معنی چرواہا ہوتا۔

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ سنا کہ یہ کیا مطلب لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا آئندہ اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسا لفظ استعمال کیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا یہود نے کہا کہ یہ لفظ تم بھی تو استعمال کرتے ہو تو اس واقعہ کے بعد رب نے مومنوں کو بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾



اے ایمان والو! رعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو (تاکہ کلام کو پھر سے کرنے کی عرض نہ کرنی پڑے) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اگرچہ مسلمان رعنا کا لفظ ادب و احترام سے استعمال کرتے اور رعایت سے لیتے یعنی حضور آپ ہماری رعایت فرمائیں لیکن منافقین و کفار کو یہ لفظ غلط استعمال کرنے کا موقع ملتا اس لئے مسلمانوں کو بھی منع فرمادیا اس سے یہ واضح ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا معمولی خدشہ بھی ہو وہ زبان پر لانا منع ہے۔

واضح ہوا کہ ایسا کوئی لفظ بھی استعمال کرنا حضور کی شان میں منع ہو گا جس سے کفار آپ کی شان کو معاذ اللہ گھٹیا سمجھیں یہ کہنا کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا آپ کو کوئی اختیار نہیں تھا آپ فوت ہو گئے آپ کو زندگی حاصل نہیں وغیرہ وغیرہ یہ آپ کی شان میں تمام گستاخانہ الفاظ ہیں۔

(از شفاء و خزائن العرفان)

نبی کریم ﷺ کے منصب کے خلاف لفظ کا استعمال کرنا بطور مذمت یا مزاح کے طور پر بہت برا کلام ہو گا۔ نہایت فحش گفتگو ہو گی شریعت میں اس کے قول کو بہت برا اور جھوٹا سمجھا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی توقیر:

رب نے ارشاد فرمایا:

﴿وَتُعْزَّرُوهُ وَتُقِرُّوهُ﴾ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

”فاوجب الله على خلقه تعزيره وتوقيره الى تكريمه وتبجيله والزم اى

اتباعه اكرامه وتعظيمه“

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر واجب کر دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”تعزروہ“ کا معنی بیان کیا ہے ”تجلوہ“ جو اجلال سے مشتق ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو اور مبرد نے کہا ہے کہ ”تعزروہ“ کا معنی ہے ”تبالغوا فی تعظیمہ“ نبی



کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو، اس معنی کے لحاظ سے لا یعنی لوگوں کا یہودہ قول مندرج ہو جائے گا کہ اہل سنت نبی کریم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں جب رب آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرنے کا حکم دے رہا ہے تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے جو یہ کہے کہ تھوڑی تھوڑی تعظیم کرو، اور انخس نے اس لفظ کا معنی بیان کیا ہے ”تنصرونہ“ یعنی آپ کی اور آپ کے دین کی امداد کرو۔ ”وہذہ المبانی متقاربة المعانی“ معنی کے طور پر جو تینوں لفظ ذکر کئے گئے ہیں ان تمام کا مقصد تقریباً ایک ہی ہے یعنی آپ کی بزرگی بیان کرو اور آپ کی تعظیم میں مبالغہ کرو اور آپ کے دین اور آپ کی امداد کرو۔

اور رب نے ارشاد فرمایا :

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

(پ ۱۸ سورۃ النور آیت ۶۳)

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

اس آیت کے تین معانی ہیں ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ جب تمہیں بلائیں ایسا نہ سمجھو کہ کسی عام آدمی نے بلایا ہے جی چاہے تو مان لیں نہ جی چاہے تو نہ مانیں بلکہ اس کے حکم کو فوراً قبول کرو دوسرے مقام پر فرمایا :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾

(پ ۹ سورۃ الانفال آیت ۲۴)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں بلائیں۔

دوسرا معنی ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو آپ کی دعا میں قبولیت کا اندازہ صرف اس سے لگایا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا کیونکہ وہ مشرک تھی ایک دن میں نے جب اسے ایمان کی دعوت دی تو اس نے مجھے نبی کریم کے متعلق ایسا کلام سنایا جسے میں ناپسند کرتا تھا میری ماں نے حضور کی شان میں گستاخانہ کلام کیا میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے تو حضور نے رب کے دربار میں عرض کیا :



”اللهم اهدام ابی ہریرۃ“ اے اللہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی دعا پر خوش ہو کر نکلا (گھر لوٹ آیا اسی امید پر کہ آپ کی دعا کبھی رد نہیں ہوگی) جب میں اپنے دروازہ پر پہنچا تو دروازے کو بند پایا میری ماں نے میرے قدموں کی آواز کو سن کر کہا ”مکانک یا ابو ہریرہ“ اے ابو ہریرہ ٹھہر جاؤ یہ کہتے ہی میں نے پانی گرنے کی آواز سنی ماں نے غسل کیا قمیص پہنی ”وعجلت عن خمارھا“ جلدی سے اپنا دوپٹہ نہ اوڑھ سکیں اور دروازہ کھول کر کہنے لگیں اے ابو ہریرہ ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبده ورسوله“ یعنی ماں نے ایمان قبول کر لیا پھر میں خوشی کے آنسو بہاتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا بہت بہتر ہوا۔

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جب تم حضور کو پکارو تو ایسا نہ پکارو کہ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو :

”ای برفع الصوت فوق صوته“

یعنی آپ کو بلند آواز سے نہ پکارو بلکہ ادب و احترام سے آہستہ آواز سے آپ کی خدمت میں جو بات عرض کرنی ہو وہ عرض کرو۔

”او بندائه باسمائه فلا تقولوا یا محمد یا احمد بل قولوا یا نبی اللہ و

یا رسول اللہ کما خاطبه به سبحانه“

حضور نبی کریم ﷺ کو آپ کے ذاتی اسماء گرامی سے یعنی یا محمد اور یا احمد کہہ کر نہ پکارو بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صفاتی ناموں سے پکارا ہے۔

”وامثالها من نحو یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ وھذا فی حیاته وکذا بعد وفاته

فی جمیع مخاطباتہ“

(از شفا مع الشرح ج ۲ ص ۶۱)

یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کی طرح یا حبیب اللہ اور یا خلیل اللہ کہہ کر آپ کو پکارے یہ حکم آپ کی ظاہری حیات میں بھی تھا اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ سے خطاب میں یہی ادب و احترام مد نظر رکھا جائے۔



## صحابہ کرام کا ادب و احترام :

نبی کریم ﷺ کا ادب و احترام صحابہ کرام کیسے کرتے تھے اور ان کے دلوں میں کتنی محبت تھی ان احادیث سے اندازہ کریں اور اپنے دلوں میں محبت پیدا کریں ۔

حضرت ابن شماسہ مصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ایک طویل حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی فرمایا :

”وما کان احد احب الی من رسول اللہ ﷺ ولا اجل فی عینی منه وما کنت اطبق ان املأ عینی منه اجلالہ ولو سئلت ان اصفہ ما اطلقت لانی لم اکن املأ عینی منه“

نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ ہی میری آنکھوں میں آپ سے بڑھ کر کوئی بزرگ نظر آیا اور آپ کی عظمت کے پیش نظر میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی نہیں دیکھا اور اگر مجھ سے آپ کے (جسم اطہر کے) اوصاف پوچھے جائیں تو میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے آپ کو آنکھ بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں ۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب قریش نے انہیں حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفت و شنید کے لئے بھیجا تو میں نے صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ایسے تعظیم کرتے ہوئے پایا کہ ایسا میں نے کبھی کسی کی تعظیم کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا آپ وضو کرتے ہیں تو صحابہ جلدی سے آپ کے اعضاء سے گرنے والے پانی کو بطور تبرک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے یوں معلوم ہوتا کہ شاید یہ ایک دوسرے سے اس سبقت حاصل کرنے میں لڑ پڑیں گے آپ اپنا لعاب یا کھنکار زمین پر ڈالتے ہیں تو صحابہ اسے پہلے ہی حاصل کر لیتے ہیں اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں آپ کے بال کو زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ پہلے ہی اٹھا لیتے ہیں آپ کوئی حکم فرماتے ہیں تو اسے جلدی قبول کر لیتے ہیں آپ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کو نگاہیں اٹھا کر دیکھتے نہیں۔

عروہ نے واپس آکر قریش کو بتایا کہ اے قریش میں نے فارس کے بادشاہوں (کسری) روم کے



بادشاہوں (قیصر) اور حبشہ کے بادشاہوں (نجاشی) کو بھی دیکھا ہے لیکن کسی کے احباب کو ایسی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔

ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

”لقد كنت اريد ان اسأل رسول الله ﷺ عن الامر فاؤخر سنتين من هيبته“

(از شفا مع الشرح ج ۲ ص ۶۶)

میں حضور ﷺ سے کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے کمال و جلال کی وجہ سے تعظیماً وہ سوال میں دو سال تک مؤخر کرتا رہا۔

خیال رہے کہ یہ رعب و ہیبت قدرتی طور پر آپ کو حاصل تھی ورنہ آپ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہ تھا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ شفیق بھی ہو اور بارعب بھی ہو گا لیٹوں اور ڈنڈے سے رعب جمانا کوئی مستحسن کام نہیں۔

”واعلم ان حرمة النبی ﷺ بعد موته وتوقيره وتعظيمه بعد وفاته لازم ای

علی کل مسلم کما کان حال حیاته لان حی یرزق فی علو درجاته ورفعة

حالاته“

(شفا مع الشرح ج ۲ ص ۷۰)

جان لو بیشک نبی کریم ﷺ کی حرمت آپ کی تعظیم و تکریم آپ کے اس دنیا سے تشریف

لے جانے کے بعد بھی ہر مسلمان پر ایسے ہی لازم ہے جیسے کہ آپ کی ظاہری حیات میں تھی

کیونکہ آپ کو آپ کے درجات کی بلندی اور حالات کی رفعت کے پیش نظر زندگی حاصل

ہے اور آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی تعظیم نبی کریم کی تعظیم ہے :

”وذلك التعظيم والاكرام عند ذكره عليه الصلوة والسلام وذكر حديثه

ای کلامہ وسنتہ ای وذكر طریقته وسماع اسمه وكذا نعتہ وسیرتہ ای فی

جميع هیئاتہ من حرکاتہ وسکناتہ ومعاملۃ آلہ ای اہل بیتہ وعترتہ ای ذریتہ

وقرابتہ وتعظیم اہل بیتہ ای من ازواجہ وخدمہ وموالیہ وصحابتہ“

(از شفا مع الشرح ج ۲ ص ۷۰)



نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنے کا حق یہ ہے کہ جب آپ کی ذات کا ذکر ہو تو تعظیم سے ہو آپ کے کلام یعنی احادیث کو ادب و احترام سے ذکر کیا جائے آپ کی سنتوں یعنی آپ کے طریقے جب بھی ذکر کئے جائیں تو ان میں آپ کی عظمت کا پاس ہو آپ کے اسم گرامی اور آپ کے اوصاف کو سن کر تعظیم جلائے آپ کی سیرت یعنی آپ کی تمام حرکات و سکنات میں تعظیم کا لحاظ رکھے آپ کی آل اولاد اور قرابت داروں سے تعظیم و تکریم کے معاملات رکھے آپ کی ازواج خدام اور غلاموں کی عظمت کا خیال رکھے ان کی شان میں گستاخی نہ کرے اور آپ کے صحابہ کرام کی عظمت کا پاس رکھے ان کا نام ادب و احترام سے لے ان کی شان بیان کرے جس سے ان کی تعظیم و تکریم سمجھ آئے ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں نہ بنائے۔

شومی قسمت آج ہمارے ملک میں فساد ہشت گردی قتل و غارت کا بازار گرم ہے شیعہ سنی فساد کیوں برپا ہیں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک گروہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے معاذ اللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ظالم قرار دے رہا ہے بلکہ معاذ اللہ سوائے تین صحابہ کرام کے سب کو مرتد کہہ رہا ہے۔

اور دوسرا گروہ بظاہر صحابہ کرام کی عظمتوں کا پاسدار بن کر یزید کو مغفور اور جنتی ہونا ثابت کر رہا ہے معاذ اللہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو غلطی پر ہونا قرار دے رہا ہے۔

ان دونوں ناپاک فرقوں نے ملک کو دہشت گردی کا ڈھنسا رکھا ہے درحقیقت یہ لوگ امریکی ایجنٹ ہیں جو ایران اور پاکستان کو لڑانا چاہتے ہیں۔

امریکی اور اس کے ہمنوا دوسرے کفار کے وہی ناپاک ارادے ایران اور پاکستان کے متعلق ہیں جو وہ خلیج میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا چکے ہیں۔ نہ وہ کویت کے ہمدرد تھے اور نہ سعودیہ کے، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہمہ وقت رہتے ہیں، عراق کی عسکری طاقت کو تباہ کیا اور سعودیہ اور کویت کو مالی لحاظ پر تباہ و برباد کر دیا۔



پاکستان میں بھی انہیں کانگریسی ملاؤں کی صورت میں اپنے ایجنٹ مل چکے ہیں جو قیام پاکستان کے وقت بھی انگریز کے پھوہن کر گاندھی کا ساتھ دے چکے ہیں گاندھی کو مسجد کے منبر پر بیٹھا چکے ہیں قیام پاکستان کے وقت تو قائد اعظم کی علمی بصیرت علمائے اہل سنت و جماعت کی سعی جمیل اور عوام کی بیداری مغز کی وجہ سے یہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن آج پاکستان کو تباہ کر کے یہ اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں اے اللہ جیسے تو نے ان کے ناپاک ارادوں کو قیام پاکستان کے وقت ناکام کیا تھا آج بھی انہیں ناکام کر۔

خدا چاہتا ہے رضائے محمد :

حضرت عبد اللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نازل شدہ آیت کریمہ تلاوت کی :

﴿ رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعْنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(پ ۱۳ سورۃ ابراہیم ۳۶)

اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔  
(رب کے حضور یہ) عرض کیا :

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

(پ ۷ سورۃ المائدۃ آیت ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

”رفع یدہ وقال اللہ امتی وبکی“

اس کے بعد حضور ﷺ نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر عرض کیا اے اللہ میری امت میری امت ”فقال اللہ یا جبریل اذهب الی محمد وربک اعلم فاسأله ما یسئیک“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل جاؤ تم محمد (ﷺ) کے پاس تمہارا رب خوب جانتا ہے، پھر بھی ان سے پوچھو تمہیں کس چیز نے رلایا ہے۔



”فاتاہ جبریل علیہ السلام فسأله فاخبره رسول الله ﷺ بما قال وهو اعلم“  
جبریل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے پوچھا (کہ آپ کیوں رورہے تھے)  
تو رسول اللہ ﷺ نے جو (رب تعالیٰ کے حضور) عرض کیا تھا اس کی خبر دی حالانکہ  
اللہ تعالیٰ خود ہی بہتر جانتا ہے۔

” فقال الله تعالى يا جبريل اذهب الى محمد انا سنرضيك في امتك  
ولانسؤك“

(مسلم ج ۱ باب دعاء النبی صلی اللہ لامتہ)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کو امت کے  
بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو غمزدہ نہیں کریں گے۔

اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد:

۱ اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کی امت کے حق میں کامل شفقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ اپنی  
امت کی مصلحتوں کا کتنا خیال رکھتے تھے اور ان کے معاملات کی کتنی رعایت رکھتے تھے۔

۲ ”استحباب رفع الیدین فی الدعاء“

آپ نے چونکہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اس سے پتہ چلا کہ دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے۔

۳ رب نے حضور کو تسلی دیتے ہوئے جو یہ فرمایا:

”سنرضیک فی امتک ولا نسؤک“

ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور غمزدہ نہیں کریں گے اس میں حضور کی  
امت کو کامل بشارت دی گئی ہے اور امت کے امید دلانے والی تمام احادیث سے بڑھ کر اس  
حدیث میں انہیں بخشش کی امید دلائی گئی ہے۔

۴ ”بیان عظم منزلة النبی ﷺ عند الله تعالى وعظیم لطفه سبحانه به ﷺ“

نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عظیم مرتبہ ہے اس کا ذکر اس حدیث میں پایا گیا ہے



اور اللہ تعالیٰ کی آپ پر عظیم مہربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے :

”والحکمة فی ارسال جبریل سوالہ ﷺ اظہار شرف النبی ﷺ وانہ

بالمحل الاعلیٰ فیرضی ویکرم بمایرضیہ“

جبریل کو آپ کے پاس بھیج کر سوال کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے بلند مراتب کا اظہار کیا جائے کہ آپ اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے انعامات سے راضی کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کرام عطا فرمائے گا۔

”وهذا الحديث موافق لقول الله عز وجل ولسوف يعطيك ربك فترضى“

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عظیم عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں فرمایا گیا ”ولا نسؤك“ ہم تمہیں غمزدہ نہیں کریں گے اس میں تاکید پائی گئی ہے اور اس وہم کا ازالہ پایا گیا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی بعض امت کو اللہ تعالیٰ بخشے گا بلکہ معنی یہ ہے :

”نرضيك ولا ندخل عليك حزنا بل ينجي الجميع“

(از نووی)

ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو غم میں مبتلا نہیں کریں گے بلکہ آپ کی تمام امت کو بخش دیں گے یعنی اگر کسی کو گناہوں کا عذاب دیا جائے تو وہ دائمی نہیں ہو گا بلکہ فقط ان کو جنت میں داخل کرنے کے لئے گناہوں کی آلودگی سے صاف کرنے کے لئے وہ عتاب ہو گا یعنی ذلت کے طور پر معمولی سرزنش کے طور پر ہو گا۔

نبی کریم ﷺ کی جائے نماز سے تبرک حاصل کرنا :

محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ یحک عتبان بن مالک انصاری رضی



اللہ عنہ جو بدر میں بھی شریک ہوئے بیٹھک یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیٹھک میری نظر کچھ کم ہو گئی میں ایک قوم کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش برستی ہے تو میرے اور اس قوم کے درمیان ایک برساتی نالہ حائل ہو جاتا ہے اب میں ان کی مسجد میں جا کر انہیں نماز نہیں پڑھا سکتا۔

”وددت انک یا رسول اللہ تاتی فتصلی فی مصلی اتخذہ مصلی“

اسلئے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ بیٹھک رسول اللہ آپ آئیں ایک جگہ نماز (میرے گھر میں) ادا کریں تاکہ میں اسی جگہ کو نماز کے لئے منتخب کر لوں تو حضور ﷺ نے فرمایا ”سافعل ان شاء اللہ تعالیٰ“ میں انشاء اللہ جلدی ہی ایسا کروں گا عتبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دن کے بلند ہونے پر تشریف لائے رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی میں نے اجازت دی آپ بیٹھے بھی نہیں تھے کہ گھر میں داخل ہو کر پوچھا کہ تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں (اس جگہ) نماز ادا کروں میں نے اپنے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا :

”فقام رسول اللہ ﷺ فکبر فقمنا وراء فصلی رکعتین ثم سلم“

(مسلم ج ۱ باب الرخصة فی التخلف عن الجماعة لعذرہ)

تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر سلام پھیرا۔

حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد :

۱ جب بھی کوئی کام کرنا مقصود ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کا لفظ ذکر کرے۔ قرآن پاک اور حدیث پاک سے اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

۲ ”التبرک بالصالحین واثارهم والصلوة فی المواضع الی صلوا بها وطلب التبریک منهم“

نیک لوگوں اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے اور جہاں نیک لوگ نماز



- ۳ ادا کریں وہاں نماز ادا کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔
- کسی بزرگ شخص کا اپنے سے کم درجہ والے کی زیارت کے لئے جانا اور اس کی مہمان نوازی قبول کرنا بہتر ہے۔
- ۴ عذر کی وجہ سے جماعت کو ساقط کرنا جائز ہے۔
- ۵ امام، عالم یا اس کے بڑے لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے بعض کو لے جانا جائز ہے۔
- آجکل مشائخ یا مہتمم حضرات جیسا کہ اپنے ساتھ خدام کو رکھتے ہیں، یہ جائز ہے۔ لیکن دعوت کرنے والے کو یہ بتانا چاہئے کہ میرے ساتھ اتنے آدمی ہوں گے اگر اس کی طاقت ہو تو وہ دعوت کرے ورنہ چھوڑ دے۔
- ۶ کسی کے گھر جا کر اس سے اجازت طلب کر کے اس کے گھر میں داخل ہو۔ بیشک اس شخص نے پہلے خود ہی دعوت کیوں نہ دی ہو۔ صاحب خانہ کے گھر نہ ہونے کی صورت میں واپس لوٹ آئیں۔
- ۷ سب سے پہلے مقصودی کام کیا جائے کیونکہ حضور ﷺ نماز ادا کرنے کی غرض سے گئے تھے تو وہی کام آپ نے سرانجام دیا۔
- خیال رہے کہ اس حدیث پاک میں یہ بھی ذکر ہے ”و حبسناہ علی حزیر صنعناہ لہ“ ہم نے آپ کے لئے حزیر کھانا تیار کیا اور آپ کو کھانا تناول کرنے کے لئے ٹھہرا لیا۔ حزیر یا حزیرہ اس کھانے کو کہا جاتا ہے کہ گوشت کو لبال کرا سکے اوپر آٹا ڈالا جاتا تھا۔
- ”قال فشاب رجال من اهل الدار حولنا حتى اجتمع فی البيت رجال ذو عدد“
- عتبان کہتے ہیں کہ ارد گرد سے ہمارے محلہ کے کئی آدمی میرے گھر میں جمع ہو گئے۔
- ۸ اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جب کسی کے گھر کوئی نیک بزرگ شخص تشریف لے آئیں تو اہل محلہ اس کے گھر آکر اس بزرگ کی زیارت کریں اس کی عزت و تکریم بجالائیں اور اس سے فائدہ حاصل کریں
- ۹ گھر میں نماز کیلئے کسی جگہ کو معین کرنا جائز ہے البتہ ایک حدیث میں گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کرنے کی ممانعت بھی پائی گئی ہے۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ جب ریاکاری کی نیت سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے معین کی جائے تو یہ ناجائز ہے۔



نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا :

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں ایک پیالہ دکھایا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور سقیفہ بن ساعدہ میں بیٹھے اور آپ نے فرمایا :

”اسقنا یا سہل“ اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :

”فاخرجت لهم هذا القدر فاسقیتهم فيه“ کہ میں نے یہ پیالہ نکالا اور اس سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو پانی پلایا۔

ابو حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں :

”فاخرج لنا سهل ذلك القدر فشربنا فيه“ سہل نے ہمیں اس پیالہ سے پانی پلایا۔

”ثم استوهبه بعد ذلك عمر بن عبد العزيز فوهبه له“

(مسلم ج ۲ ص ۱۷۷)

پھر وہی پیالہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بطور ہبہ طلب کیا۔ تو وہ ان کو ہبہ کر دیا گیا۔

اس حدیث کے ماتحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

”هذا فيه التبرك بآثار النبي ﷺ وما مسه اولبسه او كان منه فيه سبب وهذا

نحو ما اجمعوا عليه واطبق السلف والخلف عليه من التبرك بالصلوة في

مصلی رسول اللہ ﷺ في الروضة الكريمة ودخول الغار الذي دخله ﷺ

وغير ذلك ، ومن هذا عطاؤه ﷺ ابا طلحة شعره ليقسمه بين الناس

واعطاؤه ﷺ حقوه لتكفن فيه بنته وجعله الجريد تین علی القبرین

وجمعت بنت ملحان عرقه ﷺ وتمسحوا بوضوئه ﷺ ودلكوا وجوههم

بنخامته ﷺ واشباه هذا كثيرة مشهورة في الصحيح وكل ذلك واضح

لاشك فيه“

(نووی)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین نے نبی کریم ﷺ کے آثار سے



تبرک حاصل کیا۔ نبی ﷺ نے جس چیز کو ہاتھ لگایا ہو یا جس کو پہنا ہو اس سے تبرک حاصل کیا جائے غرضیکہ کسی چیز کو کسی طرح بھی حضور سے نسبت ہو وہ باعث تبرک ہوگی۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور سلف صالحین اور بعد میں آنے والے تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک میں آپ کے نماز ادا کرنے کی جگہ نماز ادا کر کے تبرک حاصل کیا جائے اور جس غار میں حضور داخل ہوئے اس میں داخل ہو کر تبرک حاصل کرے یعنی غار حرا اور غار ثور میں حصول تبرک کے لئے حاضری دے (سعودی نجدیوں کو بھی یہ بات سمجھ آتی تو وہ ان دونوں غاروں کی پہاڑیوں کے نیچے ”تبرک حاصل کرنا حرام ہے“ کے بورڈ آویزاں نہ کرتے)

نبی کریم ﷺ نے خود تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی اپنے بال مبارک حضرت طلحہ کو دیئے کہ یہ لوگوں میں تقسیم کر دو اور اپنی چادر انہیں عطا کی کہ اس میں اپنی بیٹی کو کفن دو۔ تبرک کے لئے آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے درخت کی دو سبز شاخیں دو قبروں پر رکھیں، تبرک حاصل کرنے کے لئے ہی بنت ملحان نے آپ کے پسینہ کو جمع کر کے اپنے پاس رکھا اور تبرک کے لئے ہی آپ کے وضو کے لئے استعمال ہونے والا پانی اور آپ کے کھنکار اور لعاب کو چہروں پر ملا گیا۔ اس قسم کی کثیر مثالیں صحیح احادیث میں مذکور ہیں جن میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

### نبی کریم ﷺ کا مریض کی عیادت کرنا :

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے باپ (سعد رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ نے بتایا :  
 ”عادنی رسول اللہ ﷺ فی حجة الوداع من وجع اشفیت منه علی الموت“  
 کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں میری عیادت کی جبکہ میں ایک ایسے درد میں مبتلا تھا کہ بظاہر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں موت کے کنارے پر ہوں۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے جو تکلیف پہنچ چکی ہے وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، میں کثیر مال کا مالک ہوں، سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اپنے مال کا آدھا حصہ صدقہ کر دوں تو حضور



نہ ارشاد فرمایا نہیں۔ البتہ تم اپنے تمائی حصہ کی وصیت کر سکتے ہو، تمائی حصہ کی وصیت کافی ہے اسلئے کہ اگر تم اپنے ورثاء کو محتاج چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہوں۔ (تو یہ اچھا نہیں)

”ولست تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله الا اجرت بها حتى اللقمة تجعلها فی

فی امراتک“

(مسلم ج ۲ ص ۴۷)

تم اللہ تعالیٰ رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرو گے یقیناً تمہیں اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ لقمہ تم اپنی زوجہ کے منہ میں ڈالو۔ (تو تمہیں اس کا بھی اجر ملے گا)۔

فوائد :

مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے۔ جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کی عیادت کرتے ہیں، یا امام کی عیادت کرتے ہیں۔ ایسے ہی امام کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ عوام کی عیادت کرے۔ مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مرض کے دوران کسی سے دوا پوچھے۔ یا نیک آدمی کو دعا کرنے کے متعلق کہے، یا کسی کو اپنے تمائی مال میں وصیت کرے، یا کوئی اپنے حال کے مطابق مسئلہ پوچھے۔ لیکن مرض سے تنگ ہو کر کسی کے سامنے شکایت کے طور پر ذکر کرنا، پریشانی کا اظہار کرنا منع ہے؛ کیونکہ اس سے وہ ثواب ضائع ہو جاتا ہے جو مرض کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں صلہ رحمی کرنے، قریبی رشتہ داروں پر احسان کرنے اور ورثاء پر شفقت کرنے پر براہِ یغختہ کیا گیا ہے۔ جتنا زیادہ قریبی رشتہ ہو گا اسی کے مطابق اس پر احسان کرنا اچھا ہو گا۔ بنسبت دور والے رشتہ کے اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے، اگر نیت نیک عمل کی ہو تو ثواب حاصل ہوتا ہے۔

”ان الانفاق علی العیال یشاب علیہ اذا قصد به وجه الله“

بیٹھک اولاد پر مال خرچ کرنے سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے جب انسان کا ارادہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے اسلئے میں اس کا حکم مان کر اس ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔



”ان المباح اذا قصد به وجه الله تعالى صار طاعة ويثاب عليه“

بیشک مباح میں جب اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا لحاظ کر لیا جائے تو وہ کام طاعت بن جاتا ہے اسلئے نبی کریم ﷺ نے زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالنے کو نیکی کا کام کہا ہے اور اس میں بھی آپ نے یہ قید ذکر فرمائی۔  
”تبتغی بها وجه الله“ کہ اس میں تم اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کر رہے ہو۔

نتیجہ یہ واضح ہوا کہ جب انسان کوئی مباح کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تو وہ طاعت ہو جاتا ہے اور اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی غرض سے کھانا تناول کرنا اور آرام کرنے کے لئے سونا بھی عبادت ہے جبکہ اس کی نیت یہ ہو کہ مجھے اس کھانے اور سونے سے توانائی اور چستی حاصل ہوگی جس سے میں عبادت اچھی ادا کر سکوں گا اسی طرح حرام سے اپنے آپ کو بچانے اور اپنی نظر کو بچانے کی غرض سے اپنی زوجہ سے جماع کرنا بھی مستحب ہے۔

(از نووی)

نبی کریم ﷺ کے سامنے تکبر کی سزا :

ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں :

”ان رجلا اكل عند رسول الله ﷺ بشماله فقال كل بيمينك قال لا استطيع

قال لا استطعت ما منعه الا كبر قال فما رفعها الى فيه“

(مسلم ج ۲ ص ۱۸۰)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا تناول کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا : کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ! اس نے کہا میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں طاقت ہی نہ ہو، اس شخص کے لئے مانع صرف تکبر ہی تھا اس لئے اسے ہاتھ منہ تک اٹھانے کی طاقت بھی نہ حاصل ہو سکی۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے تکبرانہ جواب پر اس کے خلاف دعا کی اور فرمایا ”لا استطعت“ تمہیں

نہ ہی طاقت ہو اس سے فائدہ حاصل ہوا۔

”وفی الحدیث جواز الدعاء علی من خالف الحکم الشرعی بلا عذر“

اس حدیث میں حکم شرعی کی بلا عذر مخالفت کرنے والے کے خلاف دعا کرنے کا ثبوت

موجود ہے۔



اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ تکبر انسان کو ذلیل کرتا ہے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ہر حال میں اچھے کام کا حکم دینا اور برے کام سے روکنا ضروری ہے، خواہ وہ کھانے پینے کی حالت ہی کیوں نہ ہو؟ کھانے پینے کے آداب سکھانا بھی مستحب ہے۔

دائیں ہاتھ سے کوئی چیز کھانا اور بائیں سے اجتناب کرنا بھی امر مستحسن ہے بلکہ حضرت نافع نے کسی کو کوئی چیز دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں ہاتھ سے ہی لینا بھی مستحب قرار دیا ہے۔

خیال رہے کہ اس شخص کے متعلق قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تو منافق ہونا لکھا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حکم سے عدولی کرنے والا منافق تھا تاہم علامہ نووی نے کہا کہ یہ درست نہیں صرف تکبر اور حکم کے انکار سے منافقت ثابت نہیں ہوتی۔

نبی کریم ﷺ سے بچوں کو گھٹی ڈلوانا :

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن طلحہ انصاری کو ان کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا آپ نے کملی اوڑھ رکھی تھی اور آپ اونٹوں کو تیل لگا رہے تھے آپ نے فرمایا :

”هل معك تمر فقلت نعم فناولته تمرات فالقاهن في فيه فلا كهن ثم فغر  
فا الصبي فمجه في فيه فجعل الصبي يتلمظه قال رسول الله ﷺ حب  
الانصار التمر وسماه عبدالله“

(مسلم ج ۲ ص ۲۱۶)

کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے وہ کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے پہلے وہ اپنے منہ مبارک میں ڈالیں اور ان کو چبایا پھر بچے کے منہ کو کھول کر اس میں وہ کھجوریں ڈالیں، بچے نے کھجور کو چوسنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے (بطور تعجب) فرمایا: انصار کو کھجوروں سے کتنی محبت ہے اور آپ نے بچے کا نام عبد اللہ رکھا۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد :

مستحب یہ ہے کہ بچوں کے نام ایسے رکھے جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی آئیں یا



- انبیائے کرام کے یعنی عبداللہ، ابراہیم، وغیرہ نام رکھے جائیں۔
- ۲ بچے کے پیدا ہونے پر کھجور سے گھٹی ڈالنا مستحب ہے اگر کھجور نہ مل سکے تو کوئی اور میٹھی چیز اس کے منہ میں ڈالی جائے۔
- ۳ گھٹی ڈالنے والا کھجور کو چبا کر مکمل طور پر نرم کر دے تاکہ بچے کو چوسنے میں مشکل درپیش نہ آئے۔
- ۴ ”ویستحب ان یکون المحنک من الصالحین وممن یتبرک بہ رجلا کان او امرأۃ فان لم یکن حاضرا عند الموجد حمل الیہ“
- مستحب ہے کہ گھٹی ڈالنے والا نیک شخص ہو خواہ مرد یا عورت اگر نیک شخص وہاں نہ ہو تو بچے کو اس کے پاس لے جائیں تاکہ وہ گھٹی ڈالے۔
- ۵ ”التبرک باثار الصالحین وریقہم وکل شیء منہم“
- نیک لوگوں کے آثار یعنی ان سے متعلق اشیاء سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔ ان کے لعاب سے تبرک حاصل کرنا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے تبرک حاصل کیا جائے۔
- ۶ مستحب یہ ہے بچوں کے نام نیک لوگوں سے رکھوائے جائیں تاکہ وہ اسلامی طرز کے نام رکھیں۔ صرف فلمی لوگوں کے اور کھلاڑیوں کے نام رکھنے پر اکتفا نہ کیا جائے۔
- ۷ نبی کریم ﷺ میں کامل طور پر عجز پایا جاتا تھا کہ آپ اپنا کام اپنے ہاتھوں سے خود سرانجام دیتے تھے۔
- ۸ بڑے شخص کا از خود اپنے کام میں مشغول ہونے سے لا ینقص ذالک مرویہ“ ان کی مروت میں کوئی فرق لازم نہیں آتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا گم ہونا :

نبی کریم ﷺ کو سفر میں اگر عورتوں کو ساتھ لے جانے کی ضرورت درپیش آتی تو عورتوں کے اطمینان قلب کے لئے قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ نبی مصطلق (غزوہ مریسیع) میں جاتے ہوئے قرعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا تو حضور ﷺ انہیں ساتھ لے گئے یہ واقعہ پردے کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد کا ہے جب پردہ کی آیات نازل ہو گئیں تو اس کے بعد عورتوں کے کجاوے پر بھی پردہ ہوتا تھا اسی طرح پردہ میں ہی کجاووں کو اٹھا کر اونٹوں پر رکھ دیا جاتا تھا۔



غزوہ سے واپسی پر راستے میں قافلہ رکا چلنے سے پہلے آپ قضاء حاجت کے لئے چلی گئیں جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر قافلہ کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ آپ کے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا ہے آپ اس کی تلاش میں واپس چلی گئیں جب واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا کجاوہ پر پردہ ڈالا ہوا تھا اسی طرح قافلہ والوں نے اسے اونٹ پر رکھ دیا انہوں نے سمجھا آپ اپنے کجاوہ میں ہی ہیں چونکہ آپ کا وزن بھی بہت کم تھا اس لئے قافلہ والوں کو علم نہ ہو سکا۔

آپ واپس لوٹ کر وہیں بیٹھ گئیں کہ مجھے تلاش کرنے کے لئے یقیناً قافلہ والے واپس آئیں گے۔ آپ اسی حال میں سو گئیں۔

صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ..... جن کو قافلہ کے پیچھے رہنے اور کوئی چیز گر جائے تو اسے اٹھانے پر مامور کیا ہوا تھا ..... جب وہاں سے گزرے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان کر ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ صفوان نے اور کوئی کلام نہ فرمایا بس اپنے اونٹ کو بٹھا کر اسکی ٹانگوں پر اپنا پاؤں رکھا تا کہ یہ نہ اٹھے اور حرکت نہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں۔ اس طرح آپ قافلہ میں پہنچ گئیں جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

آپ کے پہنچنے پر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی منافق نے سب سے پہلے بہتان تراشی کی اور اس کے بعد اور منافق بھی اس کے ہمنا بن گئے۔

زیادہ مقام افسوس یہ تھا کہ منافقین کی سازش کے جال میں کئی مخلص صحابہ کرام بھی آگئے یعنی حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ کے یا خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے اور حضرت حمہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد ایک ماہ تک نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی کلام نہ فرمایا



ایک ماہ کے بعد فرمایا جو فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہی ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس پر بہت خوش ہوئی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں پاکدامن ہوں اللہ تعالیٰ ضرور میرے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔

جب سورہ نور کی اٹھارہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی بیان کرنے کے لئے اور منافقین کی مذمت کے لئے نازل ہوئیں تو حضور ﷺ نے منبر پر ان آیات کو سنایا۔

تنبیہ :

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولو عرف ذالك لما ضاق قلبه“ اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم نہیں تھا اگر آپ کو اس واقعہ کا علم ہوتا تو آپ پریشان کیوں تھے؟

”والجواب انه عليه السلام كثيرا ما كان يضيق قلبه من اقوال الكفار مع

علمه بفساد تلك الاقوال قال تعالى ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون

فكان هذا من هذا الباب“

(کبیر جزء ۲۲ ص ۱۷۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ کثیر طور پر کافروں کی باتوں سے پریشان ہو جاتے تھے حالانکہ آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کی یہ باتیں غلط ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

”ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون“

تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ بیشک آپ کے دل کو ان کی باتوں سے تنگی حاصل ہوتی ہے یہ مسئلہ بھی

اسی قبیلہ سے ہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کے بعد واضح ہو گیا کہ آپ کو پریشانی صرف کافروں، منافقوں کی باتوں سے ہو رہی تھی آپ کو معلوم تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں اور خصوصاً جب اپنے بھی سازش کا شکار ہو چکے تھے تو پریشانی کی زیادتی کا یہ سبب بن گیا اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے پہلے اگر آپ خود ہی منافقوں کی باتوں کا رد



فرماتے تو ان کے منہ بند کرنے مشکل تھے لیکن قرآن پاک کی آیات کے نزول کے بعد ان کو ظاہر اچھ کہنے کی جرات نہ ہو سکی کیونکہ قرآن پاک نے تو ان کو واضح طور پر چیلنج کر دیا تھا ”فاتوا بسورہ من مثله“ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی سورۃ تم بھی بنا کر پیش کرو لیکن وہ کوشش کے باوجود عاجز آچکے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا بدر میں کفار کے قتل ہو کر گرنے کی جگہ نشان لگانا :

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کے متعلق بتایا :

”ان رسول اللہ ﷺ کان یرینا مصارع اهل بدر بالامس یقول هذا مصرع فلان غدا ان شاء الله قال فقال عمر رضی اللہ عنہ فوالذی بعثہ بالحق ما اخطئوا الحدود التي حد رسول اللہ ﷺ“

(مسلم ج ۲ ص ۳۹۵)

آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بدر میں کافروں کے دوسرے دن قتل ہو کر گرنے کے مقامات دکھا رہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ مقام ان شاء اللہ کل فلاں شخص کے مرنے کا ہے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا : قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ان حدود سے کوئی بھی ان کافروں سے ذرا بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا یعنی ہر ایک ان نشانوں پر ہی قتل ہو کر گرا جہاں نبی کریم ﷺ نے نشانات لگائے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا بدر کے مقتولوں سے کلام کرنا :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والوں کو تین دن تک اسی طرح چھوڑ دیا پھر ان کے پاس آئے اور ان کے قریب کھڑے ہو کر ان کو ندا دی۔ اے ابو جہل اے امیہ بن خلف اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ کیا ایسا نہیں کہ تم نے وہ پالیا جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے سچا وعدہ فرمایا اور میں نے وہ پالیا جو میرے ساتھ میرے رب نے سچا وعدہ فرمایا۔



## تذکرۃ الانبیاء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے کلام کو سن کر عرض کیا :

”یا رسول اللہ کیف یسمعون وانی یجیبوا وقد جیفوا قال والذی نفسی بیدہ  
ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكنهم لا یقدرون ان یجیبوا ثم امر بهم  
فسبحوا فالتقوا فی قلب بدر“

(مسلم ج ۲ ص ۳۹۵)

یا رسول اللہ یہ کیسے سنیں گے اور کیسے جواب دیں گے؟ یہ تو مردار ہیں۔ آپ ﷺ نے  
فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو میں ان سے کہہ  
رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، البتہ یہ جواب دینے پر قادر نہیں ہو پھر آپ نے  
حکم دیا کہ ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔

اس حدیث پاک کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں  
کہ انہوں نے کہا کہ ان کے سننے کا یہی مطلب لیا جائے گا جیسا کہ عام فوت ہونے والے لوگوں کے سننے کا  
ذکر عذاب قبر والی احادیث میں موجود ہے البتہ وہ کیسے سن سکتے ہیں اس کے متعلق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انہیں  
مکمل زندگی عطا کر دی گئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ صرف سمجھنے والے اعضاء کو زندگی دے دی گئی اور انہیں سننے  
اور سمجھنے کی طاقت دے دی گئی ہو :-

”وهو الظاهر المختار الذي تقتضيه احاديث السلام على القبور والله اعلم“

(نووی)

یہی قول ظاہر اور مختار بھی یہی ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ قبر پر جا کر سلام کیا جائے  
یعنی ”السلام علیکم یا اهل القبور“ کہا جائے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ مردے سنتے ہیں اگر نہ  
سنتے تو سلام دینے کا کیا مقصد ہوگا۔





## مختصر حالات از مدارج النبوت

حضور ﷺ پر سب سے پہلے فرض :

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے لوگوں کو ڈرانا اور توحید کی دعوت واجب ہوئی۔ اس کے بعد رات کا قیام، پھر یہ منسوخ فرمادیا۔ پھر معراج میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر تمام رات کا قیام مکمل طور پر منسوخ کر دیا۔

آپ کے دعوت پر پہلے اسلام لانے والے :

آزاد مردوں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، چچوں میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بعد عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبد اللہ ان کے بعد ابو عبید عامر بن عبد اللہ بن جراح، ابو مسلمہ بن عبد اللہ بن عبد الاحد ان کے بعد ارقم، عثمان بن مظعون، عبد اللہ بن مسعود، سعید بن زید رضی اللہ عنہم اور فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا۔ عورتوں میں سے حضرت خدیجہ کے بعد ام الفضل زوجہ سیدنا عباس اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہن نے ایمان قبول کیا۔

دعوت و تبلیغ :

تین سال تک آپ کو مخفی طور پر فردا فردا لوگوں کو دعوت ایمان دینے کا حکم تھا پھر آپ کو ظاہر طور پر دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا آپ ﷺ نے جب فرمایا کہ بت اور ان کے پوجنے والے سب جہنم میں جائیں گے تو قریش آپ کے مخالف ہو گئے آپ کو ایذا پہنچانی شروع کی، آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، راستے میں کانٹے بچھاتے، آپ پر پتھر پھینکتے، ایک بد بخت نے نماز کی حالت میں آپ کی گردن کو اوپر سے دبایا۔ ایک بد بخت نے آپ کا گلا گھونٹا، ساتھ ساتھ ان لوگوں نے مسلمانوں کو بھی تکالیف پہنچانی شروع کیں، نبوت کا چوتھا سال



ان ایذا و تکالیف کو برداشت کرتے گزر گیا اور نبوت کے پانچویں سال حضور ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

### حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان لانا :

نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا کیونکہ جب آپ کو پتہ چلا کہ ابو جہل نے آج حضور ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی اور گالیاں دیں تو آپ نے ابو جہل کے پاس آکر کمان سے اس کے سر کو پھوڑ دیا اور خود ایمان قبول کر لیا ان کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ زائد مرد تھے اور گیارہ عورتیں تھیں۔

ان دونوں حضرات کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی، خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اسلامی شعار پر ظاہر طور پر عمل شروع ہو گیا۔

### قریش کا عہد نامہ اور حضور کا شعب انبی طالب میں مقید ہونا :

نبوت کے ساتویں سال قریش نے ابو طالب کو (جو حضور کی معاونت کر رہے تھے) کہا کہ یا تم اپنے بھتیجے کی امداد چھوڑ دو یا انہیں ہمارے حوالے کرو یا انہیں کہو ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بتوں کو برا کہنا چھوڑ دو تو حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ اگر تم میری اس دعوت حق پر میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو تو چھوڑ دو۔

قریش نے عہد باندھا کہ محمد (ﷺ) اور اس کا ساتھ دینے والوں سے مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے ان سے بول چال خرید و فروخت ہر قسم کے تعلقات ختم کر لئے جائیں تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا آخر کار ان کے دلوں میں کچھ نرمی رب تعالیٰ نے پیدا کر دی۔ وہ اس عہد کو ختم کرنا چاہتے تھے وہ عہد نامہ کعبہ شریف



کی ایک دیوار پر لٹکایا ہوا تھا جب انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے اس سے پہلے ہی بتا دیا کہ عہد نامہ کو چاٹنے کے لئے رب تعالیٰ نے دیمک کو مقرر کر دیا ہے اس نے سوائے رب تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ناموں کے تمام عہد نامہ کو چاٹ لیا ہے جب عہد نامہ کو کھول کر دیکھا تو ایسا ہی ہو چکا تھا۔

### ابو طالب کی وفات :

نبوت کے دسویں سال ابو طالب فوت ہو گئے اس وقت ابو طالب کی عمر ستاسی سال تھی اور حضور ﷺ کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔

### حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات :

ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی وہ حضور ﷺ کے پاس پچیس سال رہیں حضور ﷺ ان کی وفات (کے سال) کو عام الحزن کہتے تھے یعنی غم کا سال۔ اور گھر سے باہر بہت کم نکلتے لیکن کفار نے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھ دی۔

### طائف میں تبلیغ :

حضور ﷺ نے فرمایا : بلاشبہ مجھے ان لوگوں کی طرف سے کثیر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا لیکن سب سے بڑا رنج مجھے اس وقت حاصل ہوا جب کہ میں نے طائف کے سفر میں طائف کے سرداروں میں سے عبدیلیل بن کلام کو اپنا منصب جلیل بتا کر دعوت اسلام دی لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ یہ بھی خیال رہے کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ پر شدید پتھر اوڑھ کر کے آپ کو زخمی کر دیا تھا۔

### جنات کی بیعت :

جب آپ طائف سے واپس لوٹے تو راستہ میں مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر وادی نخلہ میں پہنچے تو وہاں آپ نے ایک رات قیام فرمایا۔ جب آپ نے نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی تو سات یا نو جنوں نے



آپ کی تلاوت کو سنا ﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ﴾ کی آیت کا اسی طرف اشارہ ہے نماز سے فارغ ہونے پر وہ جن حاضر ہوئے اور ایمان قبول کیا اور انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم کے دوسرے جنوں کو دعوت ایمان دی اور کہا :

﴿يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

(پ ۲۶ سورۃ الاحقاف آیت ۳۰)

مدینہ منورہ سے انصار کی آمد :

نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب خزرج کا ایک گروہ جو چھ آدمیوں پر مشتمل تھا حاضر ہوا اور آپ نے انہیں بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ وہ لوگ پہلے بھی یہود کے علماء سے نبی آخر الزماں کے اوصاف سنتے تھے اسلئے انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کو سنتے ہی قبول کر لیا اسی کو ”بیعت عقبہ اولیٰ“ کہا جاتا ہے۔

معراج اور نماز :

ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال آپ کو معراج کا شرف حاصل ہوا۔ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیائے کرام کی امامت فرمائی پھر آسمانوں جنت کی سیر کی دوزخ کو دیکھا رب تعالیٰ سے کلام کیا پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

خیال رہے کہ ابتداء وحی میں ہی دن کے اول اور آخر میں نماز فرض کر دی گئی تھی لیکن پانچ نمازیں معراج کی رات کو فرض ہوئیں۔

(مدارج ج ۲ ص ۸۵)

دوسرے سال مدینہ سے اور حضرات کا آنا :

جب چھ حضرات ایمان قبول کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ کا مدینہ طیبہ میں خوب چرچا ہوا



دوسرے سال حج کے موقع پر ان چھ حضرات کے ساتھ بارہ حضرات اور بھی آئے اور منیٰ میں ہی عقبہ کے پاس آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کیا یہ ”بیعت عقبہ ثانیہ“ سے مشہور ہے۔

حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ کی دعوت اور آپ کا جواب :

انصار مدینہ نے واپسی پر آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور ہمارے شہروں کو اپنے مبارک قدموں سے سرفراز فرمائیں اور ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے آپ نے فرمایا مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی میری ہجرت کا کوئی مقام ابھی متعین کیا گیا رب تعالیٰ کا جو حکم ہو گا اس پر ہی عمل ہو گا۔

صحابہ کرام کی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت :

حضور ﷺ نے فرمایا مجھے دکھایا گیا ہے کہ تمہارا مقام ہجرت دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ ہے آپ کو ابھی تک حکم نہیں ہوا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرام کو آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی زید بن خطاب کے ساتھ اور عیاش بن ربیعہ میں اکابر صحابہ کے ساتھ حمزہ بن عبد المطلب، عبد الرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، عثمان بن حارثہ، عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود اور بلال وغیرہ نے ہجرت فرمائی، باقی حضرات نے ہجرت پوشیدہ طور پر کی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتظار کرنے کا حکم :

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ارادہ کیا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ ہجرت کر جائیں، حضور ﷺ نے فرمایا ٹھہرو مجھے یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت عطا فرمائے گا تو تم میرے ساتھ ہونا۔



## حضور ﷺ کے متعلق کفار کا مشورہ :

جب بعض صحابہ کرام مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تو کفار نے محسوس کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے جائیں گے ان کے جانے سے قبل انہیں (معاذ اللہ) کسی شر و فساد میں مبتلا کیا جائے اس وقت ان کا لیڈر ابو جہل تھا ابلیس بھی ”شیخ نجدی“ کی صورت میں ان کا معاون اور مشیر بن گیا تھا کسی نے مشورہ دیا حضور ﷺ کو مکہ سے زبردستی نکال دیا جائے، کسی نے کہا آپ کو قید کر دیا جائے، کسی نے کہا آپ کا جادو گر ہونا مشہور کیا جائے، کسی نے کہا آپ کا مجنون ہونا مشہور کیا جائے، کوئی کہنے لگا آپ کا جھوٹا ہونے کا چرچا کیا جائے، سب مشورے ابلیس ”شیخ نجدی“ نے رد کر دیئے، ابو جہل نے یہ مشورہ دیا کہ پانچ قبیلوں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچ یکبارگی حملہ کریں اور محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے سے عاجز آجائیں گے۔ شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے یہ رائے پسند کی اسی پر سب متفق ہو گئے۔

## سید الانبیاء کی ہجرت، کفار کی ذلت :

جب کفار نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت حضور کو ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ کفار یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ہمیں پتہ چلتا کہ وہ جارہے ہیں تو ہم انہیں قتل کر دیتے بلکہ وہ تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ سورہ یسین کی تلاوت کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے آئے مٹی کی ایک مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینکی وہ آپ کو نکلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

ابو حاتم کی روایت میں ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر خاک پڑی تھی وہ سب بدر کے دن ہلاک ہو گئے تھے۔

## شان صدیق و حیدر رضی اللہ عنہما :

جب حضور ﷺ نے ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر



لینے کا حکم دیا کہ تم لوگوں کی امانتیں لوٹا کر آجانا۔ چونکہ حضور ﷺ کے پاس کفار بھی امانتیں رکھا کرتے تھے اور آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا ”اے علی دل کو مضبوط رکھنا یہ کفار تمہیں کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنے ساتھ لیا اور سفر ہجرت کا آغاز فرمادیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کیا اور فدیہ بنایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرأت یہ ہے کہ حضور کے رفیق سفر بن کر خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا۔ کیونکہ اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں شریک صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور کفار و دشمن بھی حضور ﷺ کے ہی تھے۔

### حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امتحان میں کامیابی :

جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جا رہے تھے تو کسی شخص نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ یہ عجیب امتحان تھا کہ اگر آپ صحیح بتاتے ہیں تو کفار حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کی شان کے لائق نہیں۔ آپ نے شاندار حکیمانہ جواب دیا کہ میرے ساتھ ”ہادی“ ہیں۔ سننے والا حقیقت کو نہ سمجھ سکا، اس نے سمجھا کہ آپ کہیں سفر پر جا رہے ہیں تو کسی شخص کو آپ نے ساتھ لیا ہوا ہے جو راہ کو جانتا ہے اس وقت اہل عرب کا یہی دستور تھا۔

### سراقہ کا زمین میں دھنس جانا :

حضور ﷺ کو سراقہ نامی شخص نے پہچان لیا، اس نے ارادہ کیا کہ دوسرے کافروں کو بتائے تو وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر حضور ﷺ سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں زمین سے نکل جاؤں تو کسی کو نہیں بتاؤں گا اس طرح وہ حضور ﷺ کی دعا سے زمین سے نکلا۔



## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جذبہ محبت :

راستہ میں حضور ﷺ کے پاؤں مبارک سفری مشکلات کی وجہ سے زخمی ہو گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھے پر اٹھالیا اور غار ثور کے دہانے پر لے آئے ۔

غار ثور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے خود داخل ہوئے تاکہ غار میں کوئی موذی جانور حضور ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے غار کے اندر تمام سوراخ اپنی اوڑھنے والی چادر کے ٹکڑے کر کے بند کر دیئے ۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا لیکن کپڑا باقی نہ تھا اس میں آپ نے اپنی ایڑی رکھی اور حضور کو اندر تشریف لانے کے متعلق عرض کیا ۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زانو (یاران) پر سر رکھ کر آرام فرما ہو گئے لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس سوراخ کے اندر موجود سانپ نے ڈس لیا آپ کو تکلیف ہوئی آنسو بلا اختیار جاری ہو گئے حضور ﷺ کے چہرے پر پڑے ، آپ ﷺ بیدار ہوئے ، آپ نے وجہ پوچھی ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا ، حضور ﷺ نے لعاب دھن لگایا ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ٹھیک ہو گئے ۔

## قدرت باری تعالیٰ :

جب حضور ﷺ غار ثور میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ببول کا ایک درخت غار ثور کے دہانہ پر لگایا اور ایک جنگلی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جال اتنے ۔ مواہب لدنیہ میں بسند بزار منقول ہے کہ حرم مکہ میں رہنے والے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں کیونکہ حضور کی خدمت گزاری اور آپ کی دعائے برکت سے وہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے ۔

## غار ثور پر کفار کی آمد اور مایوسی :

کفار حضور ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے ۔ اگر وہ نیچے اپنے پاؤں کی جانب ہی دیکھ لیتے تو حضور ﷺ کو دیکھ لیتے ۔ لیکن وہ غار کو دیکھ کر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ اگر محمد اس میں داخل



ہوتے تو کبوتر کے انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑی کا جالاد رہم برہم ہو جاتا اور یہ درخت اس جگہ ان کی مدت عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے ۔

### کلام الملوک ملوک الکلام :

جب کفار غار ثور پر پہنچے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار نے ہمارا کھوج لگا لیا ہے۔ اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف ہمیں دیکھتے ہیں تو ہمیں دیکھ لیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب فرعونوں کو دیکھا تو کہنے لگے ﴿إِنَّا لَمُدْرِكُونَ﴾ ہم تو پالے گئے یعنی اب تو وہ ہمیں پکڑ لیں گے تو ان کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ ایسا ہرگز نہیں ہوگا بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت دے گا ۔

### سید الانبیاء علیہما السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں فرق :

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ذکر پہلے کیا اور رب تعالیٰ کا بعد میں اور نبی کریم ﷺ نے رب کا ذکر پہلے کیا اور اپنا بعد میں، موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنا ذکر کیا کہ میرے ساتھ میرا رب ہے لیکن حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ساتھ ملایا اور فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

گویا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس قابل نہیں سمجھا کہ جو مجھے رب کی معیت حاصل ہے وہ میری قوم کو بھی حاصل ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملا کر کہا بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ۔

**نکتہ :** نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کچھ غم نہ کرو اس سے یہ مقصد واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا خطرہ نہیں بلکہ انہیں میری فکر لاحق ہے اگر ابو بکر خود ڈرتے اور انہیں اپنی جان کی فکر ہوتی تو حضور فرماتے ﴿لَا تَخَفْ﴾ ڈرو نہیں ۔



علامہ بیضاوی پہلے پارہ ﴿ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

” فلا خوف عليهم فضلا عن ان يحل بهم مكروه ولا هم ممن يفوت عنهم محبوب فيحزنوا عليه “

ان پر کوئی خوف نہیں کہ ان پر کوئی ناپسندیدہ چیز کا وقوع ہو اور نہ ہی ان سے کوئی محبوب چیز فوت ہوگی کہ انہیں اس پر کوئی حزن (غم) لاحق ہو۔

واضح ہوا کہ حزن کا تعلق محبوب چیز پر کوئی خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے غم کے آنے سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنی فکر کی تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی۔ واضح ہوا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ سید الانبیاء ہیں ایسے ہی حضرت ابو بکر سید الامم ہیں۔

غار ثور سے مدینہ طیبہ کی طرف کوچ فرمانا :

غار ثور میں تین رات قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے، عبد اللہ بن اریقظ سے پہلے طے کیا ہوا تھا وہ اجرت پر دو اونٹ لایا۔ ایک پر حضور ﷺ سوار ہوئے اور اپنے ساتھ پیچھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور دوسرے پر آپ کا غلام عامر بن فہیرہ سوار ہو گئے ان کے ساتھ اونٹوں کا مالک عبد اللہ بھی سوار ہو گیا۔

راستے میں ایک چرواہے نے آپ کو بکریوں کا دودھ پیش کیا اگرچہ وہ غلام تھا لیکن اس وقت کے رواج کے مطابق غلاموں کو اجازت ہوتی تھی کہ راہ گیر کو دودھ پلا دیا کریں۔

دوران سفر آپ کا مقام قدید میں ام معبد کے خیمہ کے قریب سے گزر ہوا ام معبد حالانکہ مسافروں کی مہمان نوازی میں مشہور تھی لیکن اس وقت اس کے پاس کوئی چیز پیش کرنے کو نہ تھی۔

اس کے خیمہ میں ایک بحری نہایت لاغر، کمزور تھی جو کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جاسکی تھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں اس نے کہا میری طرف سے تو اجازت ہے لیکن اس کے دودھ کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔



حضور ﷺ نے بحری پر ہاتھ پھیرا بسم اللہ شریف پڑھ کر دعا کی ”اللہم بارک لہا فی شاتہا“ (اے اللہ ام معبد کی بحری کو برکت عطا فرما) تو بحری کے تھن دودھ سے بھر گئے حضور ﷺ نے بحری کا دودھ دوہا تو سب خیمہ والوں نے اور آپ ﷺ نے، آپ ﷺ کے ساتھیوں نے سیر ہو کر دودھ پیا اور خیمہ میں موجود تمام برتن دودھ سے بھر دیئے۔

ام معبد کے خاوند کو جب حضور ﷺ کے اس معجزہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھے امید ہے میں ان کا ساتھی بنوں گا اس طرح کچھ دیر کے بعد ان دونوں خاوند اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔

مدینہ منورہ آمد :

پیر کے دن ربیع الاول میں آپ مدینہ طیبہ میں پہنچے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر لوگ آپ کو بلند جگہ سے دیکھتے رہتے تھے کہ آپ کب پہنچیں گے۔

بنو نجار کی لڑکیاں حضور ﷺ کی آمد پر خوشی سے دف بجاتی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں :

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

آپ جب وداع کی گھاٹیوں سے سامنے ہوئے تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے :

طلع البدر علینا

من ثنیۃ الوداع

وجب الشکر علینا

ما دعا للہ داع

بعض روایات میں اس شعر کا بھی ذکر ہے :

ایہا المبعوث فینا

جئت بالامر المطاع

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کی آمد پر میں آٹھ نو سال کا تھا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے آنے پر مدینہ طیبہ کے درودیوار ایسے روشن ہو گئے تھے جیسے سورج کے طلوع



ہونے پر روشنی ہوتی ہے۔

قیام کے لئے انصار کی خواہش اور حضور ﷺ کا ارشاد :

انصار میں سے ہر شخص کی تمنا تھی کہ حضور ﷺ میرے گھر قیام فرمائیں ہر ایک یہی عرض کر رہا تھا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور (اسے حکم دیا گیا ہے) ہے وہ جہاں خود بیٹھ جائے گی وہی مقام میرے قیام کا ہو گا۔ اونٹنی (جہاں مسجد نبوی بعد میں بنی ﷺ وہاں) حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے خود ہی بیٹھ گئی۔

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام :

آپ ﷺ نے اونٹنی کے بیٹھنے پر حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ پہلے آپ ﷺ نے ان کے گھر کے نیچے حصہ (گھر دو منزلہ تھا) میں قیام کیا، لیکن ایک رات حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ حضور ﷺ نیچے اور میں اوپر ہوں۔ یہ ادب کے خلاف ہے، تمام رات ایک کونہ میں گزار دی۔ صبح عرض کیا کہ آپ اوپر تشریف لے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نیچے بہتر ہوں کہ لوگوں کو ملنے میں آسانی ہے۔ لیکن حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے بار بار جب عرض کیا کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ نیچے رہیں تو ان کی تمنا پر آپ ﷺ اوپر والے حصہ میں تشریف لے گئے۔





# ﴿نبی کریم ﷺ کی علالت اور وصال﴾

## وصال کی خبر :

نبی کریم ﷺ نے جو آخری حج فرمایا اس میں فرمادیا تھا کہ شاید آئندہ سال میں تم لوگوں میں نہ رہوں۔ اسی لئے اس کو حجة الوداع کہا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا چاہے تو رہے اور اگر اپنے رب تعالیٰ سے ملنا چاہے تو رب سے ملے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے نے رب تعالیٰ کو ملنا پسند کر لیا ہے۔ یہ اشارہ بھی اپنے وصال کی طرف تھا اسی لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اشارہ کو واضح طور پر سمجھتے ہوئے رونا شروع کر دیا تھا اور کہہ رہے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان۔

حجة الوداع میں منی کے دنوں میں سورۃ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ﴾ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہئے جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا غم نہ کیجئے۔

﴿وَلَا خَيْرَ لَكَ مِنَ الْأُولَى﴾

(پ ۳۰ سورۃ الضحیٰ آیت ۴)

یقیناً آپ کے لئے آخری (وقت) پہلے سے بہتر ہے۔

نبی کریم ﷺ اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد اکثر طور پر پڑھتے تھے :

”سبحانک اللہم وبحمدک اللہم اغفر لی انک انت التواب الرحیم“

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا وجہ ہے یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پر بہت جاری رہتے ہیں ؟

آپ ﷺ نے فرمایا : جان لو مجھے عالم بقاء کی طرف بلایا گیا ہے اور تسبیح و تحمید اور



استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنے وصال کی خبر دے دی تھی۔

ہجرت کے گیارہویں سال کے ماہ صفر میں نبی کریم ﷺ بقیع قبرستان والوں کے لئے استغفار فرمانے کے لئے تشریف لے گئے اسی طرح شہداء احد کے لئے بھی استغفار کی اور ان کی قبور کی زیارت کی اس میں حکمت یہی تھی کہ آپ دنیا میں رہ کر جو ان کی زیارت کرتے تھے اسے الوداع فرما رہے تھے اور برزخی تعلق کی خبر دے رہے تھے کہ اب میرا تمہارے ساتھ بعد از وصال تعلق قائم ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میرے سر کو درد لاحق تھا میں نے اپنے سر درد کی شکایت آپ سے کی۔ آپ نے بطور مزاح فرمایا کہ اے عائشہ کیا یہ اچھا نہیں کہ تمہاری موت آجائے تو میں خود تمہاری تجہیز و تکفین کے انتظامات کروں اور تم پر نماز پڑھوں دفن کروں اور تمہارے لئے دعاء استغفار کروں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بطور مزاح کہا ہاں آپ چاہتے ہیں کہ میں فوت ہو جاؤں اور آپ میری جگہ کسی اور عورت کو زوجہ بنا کر لے آئیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد حقیقت حال کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے عائشہ تمہارے سر کو جو درد لاحق ہے وہ تو ٹھیک ہو جائے گا لیکن میرے سر کا درد ٹھیک ہونے والا نہیں۔ گویا اس طرف اشارہ تھا کہ میں اس مرض میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

### مرض کی ابتداء :

نبی کریم ﷺ کی مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھران کی باری کے دن میں ہوئی تھی، مرض میں بھی آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی باریوں کا خیال فرماتے رہے لیکن جب بیماری شدید ہو گئی تو آپ نے فرمایا آج میں کہاں ہوں گا کل کہاں اشارہ تھا کہ اب اس حال میں مجھے ایک جگہ رہنا چاہئے۔



حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ازواج مطہرات سے فرمایا : کہ آپ ﷺ پر یہ شاق ہو گا کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں اس پر تمام ازواج مطہرات نے خوشی اجازت دے دی کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت فرمائیں اور ہم وہاں آپ کی تیمارداری کریں گی۔

## شدت مرض :

مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری میں ہی ہوئی اور آپ دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس طرح تشریف لارہے تھے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔

آپ کی مرض میں شدت یہاں تک آگئی کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مضطربانہ طور پر کروٹ بدلتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو آپ برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے“ آپ ﷺ نے فرمایا : اے عائشہ میں انتہائی سخت مرض میں مبتلا ہوں۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء و صلحاء پر ابتلاء انتہائی سخت و شدید بھیجتا ہے، کوئی مصیبت و ایذا پہنچے یہاں تک کہ پاؤں میں کانٹا چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اور فرمایا : روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے مرض و غیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے خزاں کے موسم میں پتے جھڑتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو میں نے آپ ﷺ کے اوپر اوڑھی ہوئی چادر کے اوپر سے بھی بخار کی شدید حرارت کو پایا۔ اور میں برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں کیونکہ آپ شدید بخار میں مبتلا تھے۔

خیال رہے کہ بلا میں طوالت اور امتحان و آزمائش میں مبتلا ہونا بارگاہ الہی کے مقرب بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے جب عظیم انبیائے کرام ہیں اور سب انبیائے کرام سے عظیم مرتبہ رکھنے والے ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں تو آزمائش بھی سب سے زیادہ ہی ہونی تھی۔



انبیائے کرام کو موت و زندگی کا اختیار دیا گیا تھا :

”والا نبیاء کانوا مخیرین عند اللہ آخر الامر بین الحیوة والوفات“

(مرفاۃ ج ۱۱ ص ۲۰)

انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندہ رہنے یا دنیا سے رخصت ہونے کا اختیار دیا گیا تھا

چاہیں تو دنیا کو پسند کریں چاہیں تو رب تعالیٰ کے حضور جانے کو پسند کر لیں ۔

انبیائے کرام نے رب کی ملاقات اور اس کے دربار میں حاضری کو ترجیح دی ۔

نبی کریم ﷺ کا رب تعالیٰ سے ملنے کی دعاء کرنا :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار پر ان کلمات سے دم فرمایا کرتے تھے :

” اِذْهَبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً

لَا یُعَادِرُ سَقَمًا“

ایک روایت میں ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو اپنے لئے ان کلمات سے ہی اپنے آپ پر بھی دم فرمایا اور اپنا ہاتھ مبارک تمام بدن پر پھیرا۔ اور جب نبی کریم ﷺ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے چاہا کہ آپ پر یہی دعا پڑھوں اور آپ کے جسم اقدس پر ہاتھ پھیروں لیکن نبی کریم ﷺ نے مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور یہ دعا پڑھنے لگے :

” رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَالْحَقِّنِيْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی“

اے رب اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے یعنی اے اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ آپ کو اختیار تو دیا گیا تھا کہ آپ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔ یا کہ رب تعالیٰ سے ملنا چاہتے ہیں آپ نے رب تعالیٰ سے ملنا پسند فرمایا ۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام اس مرض کے زمانہ میں



اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اور پیغام پہنچایا کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کو اس مرض میں وفات دے دوں اور مستغرق دریائے رحمت فرما دوں؟ (تو آپ کی کیا رائے ہے) تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں اور ان میں سے ہو جاؤں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ  
وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾

(پ ۵ سورۃ النساء آیت ۶۹)

نبی کریم ﷺ کے مرض کا ابتدائی وقت :

نبی کریم ﷺ کی علالت ابتداء صفر کے آخر میں ہوئی جبکہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں وہ بدھ پہار شنبہ کا دن تھا لیکن یہ مرض کی شدت ہے معمولی مریض پہلے سے تھے جیسا کہ بقیع سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرا درد سر ختم نہیں ہوگا۔ مرض کی ابتداء حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی لیکن آپ پھر بھی ازواج مطہرات کی باریوں کا لحاظ کرتے رہے، پھر مرض کی شدت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمانا :

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ علالت میں نماز کے لئے اذان دی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ربیعہ سے فرمایا : باہر جاؤ اور ابو بکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں عبد اللہ بن ربیعہ باہر آئے تو انہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بغیر کوئی آدمی نہ ملا انہوں نے ان سے ہی کہا کہ آپ نماز پڑھائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کرائی۔ آپ چونکہ بلند آواز والے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا یہ عمر نماز پڑھا رہے ہیں تو بتایا گیا کہ ہاں وہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے بلکہ ابو بکر کو کہو وہ نماز پڑھائیں۔

مخفی نہیں رہنا چاہئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے خاص فرمانے اور اس



میں مبالغہ و اصرار فرمانے میں اہل سنت و جماعت کیلئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابہ کرام قریش اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا ۔

”قدمک رسول اللہ فمن الذی یوخرک“

اللہ تعالیٰ کے رسول نے آپ کو آگے بڑھایا ہے تو کون ہے جو آپ کو مؤخر کرے ۔

اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے رسول نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی میں موجود تھا غائب نہ تھا ، تندرست تھا بیمار نہ تھا ، اگر آپ چاہتے تو مجھے آگے کر سکتے تھے اسی وجہ سے ہم اپنی دنیا کے لئے (خلافت کے لئے) اس شخص پر راضی ہو گئے جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے دین کے لئے راضی ہوئے“۔

قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت :

نبی کریم ﷺ نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

”لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیائہم مساجدا“

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا اے اللہ میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا ، خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ، بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں اور فرمایا :

”الاہل بلغت اللہم اشہد اللہم اشہد“

خبردار میں نے تمہیں خبردار کر دیا اے اللہ گواہ رہ ، اے اللہ گواہ رہ ۔



خیال رہے کہ قبر کو سجدہ کیا جائے اور صاحب قبر کو معبود سمجھا جائے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر معبود تو اللہ تعالیٰ کو ہی مانا جائے لیکن پھر بھی قبر کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے اگرچہ یہ شرک نہیں۔

### رحلت کی رات چراغ میں تیل نہیں تھا :

جب دو شنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی انصاری عورت کے گھر کسی کو چراغ دے کر بھیجا کہ اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈال دیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نزع کے عالم میں ہیں یعنی اس حالت میں گھر میں چراغ موجود نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سات دینار کہیں سے آئے تھے جن کو آپ خرچ نہیں کر سکے تھے بیمار ہو گئے، شدید بیماری کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ان سونے کے ٹکڑوں کو کہیں بھیج دو کہ وہ خرچ ہو جائیں۔ لیکن آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بیماری کی اور شدت ہو گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں لگ گئیں آپ کو جب ہوش آیا تو پوچھا کہ وہ دینار خرچ ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ابھی نہیں یہی حالت اور یہی سوال و جواب تین مرتبہ درپیش آیا اس کے بعد کچھ افاقہ ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے گئے تاکہ یہ مستحقین میں خرچ کر دیں۔

سبحان اللہ ! مال سارا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا اور خود جب دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں تو گھر کے چراغ میں تیل نہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا :

مالک کو نین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں  
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں



## انصار کے حق میں وصیت :

زمانہ علالت میں ایک دن نبی کریم ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ دیا فرمایا ”ان الانصار عتبی“ بیشک انصار عتبی ہیں یعنی بچہ و صندوق کی طرح ہیں جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ”کرشی و عیتی“ کے الفاظ ہیں کرش معدہ کو کہا جاتا ہے عیب تہ (بجر عین) زیور کی ڈبیہ کو کہتے ہیں اور قیمتی کپڑے رکھنے والے صندوق کو بھی کہتے ہیں مقصد بیان یہ تھا کہ یہ لوگ میرے خاص اور میرے محل اسرار ہیں اور فرمایا ”میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور مجھے جگہ دی۔ اور میرے ساتھ محبت اخلاص اور دوستی و مروت کا برتاؤ کیا اور تمہارے (اے مہاجرین) ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے قسم ہے اس اللہ عزوجل کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔

خیال رہے انصار کی محبت کا بھی یہ عالم تھا کہ نبی کریم ﷺ روز بروز جب زیادہ علیل ہو رہے تھے تو وہ اپنے گھروں میں صبر و قرار سے نہ رہ سکے۔ اور حیران و پریشان مسجد کے گرد گھومنے لگے اور کہتے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف نہ لے جائیں اور ہم نہیں جانتے کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔

## مسواک کرنا :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اچانک حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی نظر مسواک کی طرف دراز (لمبی) فرمائی میں نے جان لیا کہ نبی کریم ﷺ مسواک کو پسند فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ مسواک آپ کے لئے لے لوں۔ آپ نے سر مبارک کے اشارہ سے فرمایا ہاں لے لو۔ پھر میں نے نرم کر کے وہ مسواک آپ کو دے دی آپ نے اپنی عادت کریمہ سے زائد ہی مسواک فرمائی پھر آپ نے وہ مسواک مجھے واپس دی۔ آپ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے آخری دن میرے اور آپ کے لعاب کو جمع فرمادیا۔



## نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا :

جس دن نبی کریم ﷺ نے رحلت فرمائی اس دن کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی اور ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نماز پڑھا رہے ہیں پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی گویا کہ آپ کا روئے انور قرآن پاک کا ورق ہے ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کو قرآن پاک کے اوراق سے تشبیہ دی یہ کتنی حسین تشبیہ ہے ۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا جب حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ کرام نے خیال کیا کہ شاید حضور ﷺ باہر تشریف لارہے ہیں اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کے لئے تشریف لے آئیں ۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے !

”نماز را بگزارم ترا سلام کنم“

نماز کو ہم چھوڑ رہے ہیں اور تجھے سلام کر رہے ہیں ۔

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آجائیں مگر رسول ﷺ نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہیں اور اپنی نماز پوری کریں پھر دروازے کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا گویا کہ آپ کا یار ان محبت کا یہ آخری الوداعی سلام تھا اور اپنے دیدار سے صحابہ کو مشرف کرنا تھا ۔

خیال رہے کہ سب صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کو دیکھ رہے تھے اٹے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے تمام صحابہ کا رخ قبلہ سے پھر گیا تھا مدینہ طیبہ میں قبلہ جنوبی جانب ہے اور نبی کریم ﷺ کا



حجرہ مشرقی جانب ہے باوجود اس کے کہ صحابہ کرام نے اپنے منہ قبلہ سے پھیر کر نبی کریم ﷺ کی طرف کر لئے تھے لیکن کسی کی نماز نہیں ٹوٹی بلکہ نماز کو وہیں سے جاری رکھا گیا تھا حالانکہ قبلہ کی طرف سے منہ پھیر لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جب سینہ بھی پھر جائے صحابہ کو یہ کیفیت حاصل ہو چکی تھی ہاتھوں پر ہاتھ مارنے کا عمل کثیر بھی ہو رہا تھا لیکن کوئی عارضہ بھی نماز کو فاسد نہ کر سکا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی عظمت کا پاس کرنا روح نماز ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا :

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے ہو کعبہ کا کعبہ دیکھو

ملک الموت کا اجازت طلب کرنا :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے دن اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس حاضر ہو خبردار بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا اور بغیر اجازت کے روح قبض نہ کرنا تو روحوں کو قبض کرنے والے (حضرت عزرائیل علیہ السلام) نے دروازے کے باہر اعرابی (دیہاتی) کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا :

”السلام علیکم اهل النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة“

اے اہل بیت نبوت معدن رسالت اور فرشتوں کے آنے جانے کے مقامات تم پر سلام

ہو۔

مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو اس وقت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سرہانے موجود تھیں انہوں نے جواب دیا نبی کریم ﷺ اپنے حال میں مشغول ہیں (یعنی آپ پر مرض کا شدید حملہ ہے) اس وقت ملاقات نہیں کر سکتے دوسری مرتبہ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اسی طرح اجازت طلب کی (لیکن پھر بھی جواب اسی طرح سنا) گھر میں موجود حضرات پر خوف طاری ہو گیا نبی کریم ﷺ کچھ ہوش میں آئے اور آنکھیں کھول کر فرمایا کی بات ہے صورت حال آپ کو



بتائی گئی آپ نے فرمایا: اے فاطمہ تمہیں معلوم ہے، یہ کون ہے، یہ لذتوں کو توڑنے والا، خواہشوں اور  
تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا، اور بچوں اور بچیوں کو  
یتیم کرنے والا ہے۔

مطلب یہ واضح تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ روح قبض کرنے والا عزرائیل علیہ السلام ہے۔ اسے  
اندر آنے دیجئے یہ تو کسی سے پوچھتا ہی نہیں یہ تو صرف خاندان نبوت کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے بامر الہی  
اجازت طلب کر رہا ہے ورنہ اس نے تو کبھی (کسی کی) فکر نہیں کہ گھر میں کون ہے کون نہیں یہ تو بلا اجازت  
ہی ہر گھر جاتا ہے۔

### حضرت فاطمہ الزہراء کو خبر دینا:

اسی موقع پر یا کہ ایام مرض میں اس سے پہلے فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے وصال کی خبر دی  
زیادہ صحیح یہ ہی ہے کہ یہ خبر پہلے کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ کے پاس موجود  
تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کی چال نبی کریم ﷺ کی چال مبارک  
سے کوئی مختلف نہ تھی (یعنی آپ کے چلنے کا انداز نبی کریم ﷺ کے چلنے کے انداز سے بالکل مشابہ تھا) جب  
نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا اے میری بیٹی مرحبا پھر ان کو اپنے پاس بٹھایا پھر ان سے کوئی  
سرگوشی کی جس کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شدید رونے لگیں حضور ﷺ نے جب ان کے غم  
کو دیکھا تو دوبارہ پھر ان سے کوئی اور سرگوشی کی اب انہوں نے مسکراتا شروع کر دیا جب نبی کریم ﷺ کھڑے  
ہوئے تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تمہارے ساتھ نبی کریم ﷺ نے مخفی طور پر کیا  
باتیں کیں آپ نے فرمایا یہ نبی کریم ﷺ کا راز ہے جسے میں ظاہر نہیں کر سکتی نبی کریم ﷺ کے وصال کے  
بعد میں نے کہا کہ میں تمہیں اپنے اس حق کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں جو میرا حق تم پر ہے (یعنی مجھے تمہاری  
ماں ہونے کا حق ہے) کہ تم مجھے بتاؤ کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں کیا خبر دی تھی انہوں نے کہا ہاں اب ٹھیک



ہے یعنی اب میں بتا سکتی ہوں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ نے میرے ساتھ پہلی مرتبہ سرگوشی کی تو بیشک آپ نے مجھے خبر دی کہ تحقیق جبرائیل میرے ساتھ ہر سال قرآن پاک کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوں نے میرے ساتھ دو مرتبہ دور کیا ہے لہذا میں اپنے وصال کو بہت قریب دیکھ رہا ہوں (پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صبر کرنا، بے شک میرا پہلے جانا تمہارے لئے بہتر ہے۔ تو میں رو پڑی۔ جب آپ نے میری پریشانی کو دیکھا تو دوسری مرتبہ پھر سرگوشی کی اور فرمایا اے فاطمہ کیا تم پسند نہیں کرتی کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا تم مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو۔ (یہ راوی کو شک ہے کہ دونوں لفظوں میں سے کون سا لفظ ذکر کیا گیا)۔

ایک روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ سرگوشی کر کے آپ نے مجھے خبر دی کہ میں اسی مرض میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں (تو میں یہ سن کر) رونے لگی آپ نے پھر میرے ساتھ سرگوشی کی اور مجھے خبر دی کہ تمام اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ کو ملوں گی تو میں مسکرانے لگی۔

نبی کریم ﷺ کی خبر کے مطابق آپ خود بھی دنیا سے اسی مرض میں تشریف لے گئے اور آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ الزہراء بھی دنیا سے رخصت ہوئیں تمام اہل بیت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو کر حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والی آپ ہی تھیں۔

### جبرائیل علیہ السلام کی مزاج پر سی :

ایک روایت میں جبرائیل کا نبی کریم ﷺ کی مزاج پر سی کے لئے آنا اور عزرائیل علیہ السلام کا ان کے ساتھ آکر اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے۔

بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت جعفر بن محمد سے روایت بیان کی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص قریش میں سے اپنے باپ علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ بتاؤں انہوں نے کہا ضرور بتائیں تو یہ بتانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ جب مریض تھے تو آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا اے محمد (ﷺ) بیشک



اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خصوصی تکریم و تشریف کے لئے بھیجا ہے، وہ آپ سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے وہ یہ پوچھتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کیسے پاتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل میں اپنے آپ کو غمزدہ اور مصیبت زدہ پاتا ہوں۔ دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام پھر حاضر ہوئے ان کا وہی سوال تھا اور نبی کریم ﷺ کا بھی وہی جواب تھا۔ تیسرے دن پھر جبرائیل نے آپ کی خدمت میں حاضری دی پھر وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اور جبریل کے ساتھ ایک فرشتہ بھی تھا جسے اسماعیل کہا جاتا ہے جو ایک لاکھ فرشتوں کا سردار تھا اور ہر فرشتہ کو ایک لاکھ پر سرداری حاصل تھی۔ جبرائیل نے نبی کریم ﷺ سے اس کے لئے بھی اجازت طلب کی کہ وہ بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوا حضور نے اس کے متعلق پوچھا جبرائیل نے اس کا تعارف کر لیا۔

پھر جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ملک الموت (عزرائیل) بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ آپ سپہیلے کسی آدمی سے اس نے اجازت طلب نہیں کی اور آپ کے بعد بھی کسی سے اجازت طلب نہیں کرے گا۔ جبریل نے عرض کیا کہ آپ اسے اجازت دیں آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عزرائیل نے حاضر ہو کر سلام پیش کیا پھر عرض کیا اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اگر آپ اپنی روح قبض کرنے کی مجھے اجازت فرماتے ہیں تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا اور اگر آپ یہ حکم فرماتے ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ دوں۔ تو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ملک الموت تم اپنا کام کرو (یعنی روح قبض کرنے کی تمہیں اجازت ہے) عزرائیل نے کہا ہاں مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت بھی کروں۔

راوی کہتے ہیں حضور نے جبرائیل کی طرف دیکھا جبرائیل نے عرض کیا اے محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ آپ کو ملنے کا بہت مشتاق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ملک الموت کو کہا جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ کام کرو تو عزرائیل نے آپ کی روح کو قبض کر لیا۔



## حضرت فاطمہ الزہراء کا اظہار غم :

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بہت غمزدہ ہو گئیں آپ کو کسی نے کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا آپ اکثر طور پر روتی رہتی تھیں اور یہ کہتی رہتی تھیں :

”یا ابتاہ یا ابتاہ“ اے لاجان اے لاجان۔

اور کہتیں اے لاجان آپ نے اللہ تعالیٰ کے بلاوے کو قبول کر لیا ہے۔ اے لاجان آپ نے جنت الفردوس میں اقامت اختیار کر لی، اے لاجان اب جبریل وحی کس کے پاس لائیں گے۔

اے اللہ! فاطمہ کی روح کو نبی کریم ﷺ کی روح سے ملا دے اے اللہ مجھے اپنے رسول کا دیدار عطا فرما۔

خیال رہے کہ رونے میں کوئی جزع، فزع نہیں تھا پیٹنا، واویلا کرنا نہیں تھا کپڑے پھاڑنا، گریبان چاک کرنا نہیں تھا فقط آنسو بہانا اور اظہار غم کے طور پر مذکور بالا الفاظ کا ذکر تھا۔

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے قراری :

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال، بہت زیادہ پریشان حال تھیں، آنسو رواں تھے۔ ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح صبر کا دامن تھامتے ہوئے اظہار غم کر رہی تھیں افسوس ہے اس نبی محترم پر جنہوں نے فقر کو تو نگری پر اور درویشی کو مالدار پر اختیار فرمایا۔ افسوس ہے اس ذات پر جنہوں نے امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر کبھی بستر راحت پر آرام نہیں فرمایا اسی طرح روتے ہوئے کئی اور اوصاف کا بھی تذکرہ کر رہی تھیں۔

## غیبی آواز سے اہل بیت کو مزید صبر کی تلقین :

آپ کے گھر کے ایک کونہ سے آواز آرہی تھی اگرچہ کہنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا آواز دینے والا یہ آواز دے رہا تھا :



” السلام علیکم اهل البيت ورحمة الله وبرکاته کل نفس ذائقة الموت

وانما توفون اجور کم یوم القيامة“

اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پر ہوں ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔  
بلاشبہ ہر مصیبت کے لئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور زیادہ صبر کرو۔

صحابہ کرام کا غم میں مبتلا ہونا :

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام بہت پریشان ہو گئے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی عقلیں سلب کر لی گئیں اور ان کے حواس معطل ہو گئے۔

بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی ان کے ہوش و حواس اور بولنے کی قوت جاتی رہی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قریب سے گزرے اور انہیں سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب نہ دے سکے۔

بعض حضرات اپنی جگہ جے بیٹھے رہے، جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا۔ کچھ حضرات کہہ رہے تھے حضور ﷺ پر وقتی طور پر یہوشی طاری ہے سکتہ کا عالم ہے آپ پر وفات طاری نہیں ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے جو کوئی یہ کہے گا نبی کریم نے وفات پائی میں اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدید غم میں ثابت قدمی :

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی زیادہ پریشان تھے آنسو بہا رہے تھے غم میں نڈھال تھے لیکن آپ نے اس نازک مرحلہ میں ثابت قدمی سے کام لیا ہوش و حواس کو برقرار رکھتے ہوئے خطبہ دیا جو حمد و ثناء الہی اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پر مشتمل تھا اس کے بعد ارشاد فرمایا جو کوئی نبی کریم ﷺ کی پرستش



کرتا تھا تو وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے وہ اب بھی موجود و زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی :

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ تعالیٰ کے رسول بیشک آپ سے پہلے رسول گزرے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔

اور اس آیت کی تلاوت کی :

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کی وجہ سے صحابہ کرام پر کچھ ایسا اثر ہو چکا تھا کہ یہ آیات سن کر صحابہ کرام یوں محسوس کر رہے تھے جیسا کہ یہ نازل ہی اب ہوئیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ اے لوگو میں نے جو پہلے کہا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر وفات طاری نہیں ہوئی۔ وہ کوئی کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے ثابت نہیں بلکہ میری یہ خواہش تھی کہ آپ ہم میں زندہ رہتے یعنی ظاہری حیات میں جس طرح آپ ہم میں پہلے جلوہ گر ہوتے ہمیشہ ایسے ہی رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہم شاکر و صابر ہیں۔

تنبیہ :

نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا آپ اس میں ہاتھ مار کر چہرہ پر مار رہے تھے آپ کو بار بار پسینہ آرہا تھا بظاہر یہ شدت کی کیفیت نظر آتی ہے آپ کو سکرات موت میں شدت کیوں حاصل ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کوئی تکلیف نہیں بظاہر بے قراری نظر آتی



تھی لیکن اس کی کئی وجوہ آپ نے بیان فرمائی ہیں ان میں سے دو کو میں ذکر کر رہا ہوں ۔

بظاہر جو بے قراری نظر آتی تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ سے خاص ملاقات کا تھا اور وہ خشیت و ہیبت و اجلال تھا جو معرفت و عبودیت اور قرب حضور ذی الجلال میں اس حال اور اس وقت کے مناسب تھی اور یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت و وقت میں نہ تھیں ۔

اور وجہ یہ تھی کہ یہ بے قراری درحقیقت رب سے ملاقات کے لئے روح کی بے تابی تھی گویا آپ چاہتے تھے کہ جلدی ہی اس دنیا سے نکل کا بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو جائیں ۔

### نبی کریم ﷺ کے غسل کا ذکر :

آپ کے غسل کے لئے آپ کے اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دو بیٹے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہ ، ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور نبی کریم ﷺ کے محبوب اسامہ بن زید اور حضور کے غلام حضرت صالح حبشی شریک ہوئے ۔ آپ کے جسم اطہر کے ارد گرد چادریں تان دی گئی تھیں ۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیرہن مبارک کے اندر داخل کیا اسامہ قمیص کے اوپر پانی ڈالتے تھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ ایک پہلو سے دوسرے پہلو تک پانی پہنچانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس ہو رہا ہے ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں ۔ غیب سے اور پردہ کے پیچھے سے آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نرمی بر تو ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ تمہارے بغیر میرا کوئی ستر نہ دیکھے اگر کوئی خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بنائی جاتی رہے گی ۔ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس طرح دوسرے لوگوں کے پیٹ وغیرہ سے خارج ہوتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ



پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی ۔

نبی کریم ﷺ کی وصیت کے مطابق آپ کو بیر غرس (مدینہ طیبہ کے شمالی جانب ایک کنوئیں کا نام ہے) کے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا جس میں پیری کے پتے ڈالے گئے تھے ۔

غسل کے وقت نبی کریم ﷺ کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشے میں پانی جمع ہو گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے ۔

جب غسل مکمل ہو گیا تو مقام سجدہ اور مفاصل شریف (اعضاء کے جوڑ) کو خوشبو سے معطر کیا گیا اور تین مرتبہ عود (اگر) کی دھونی دی گئی یعنی خوشبودار لکڑی سلگائی گئی اس کے بعد اٹھا کر سر پر لٹا دیا گیا۔

آپ کے جسم اطہر پر استعمال کرتے ہوئے جو خوشبو بچ گئی تھی اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں یہ خوشبو لگانا کیونکہ یہ خوشبو حضور سے بچائی ہوئی ہے

کفن دینے کی وصیت :

نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ وہ یمنی چادریں تھیں چونکہ یمن کے علاقہ میں ایک بستی کا نام سحول ہے جہاں وہ کپڑا تیار ہوتا تھا جس سے آپ کے کفن مبارک میں چادریں استعمال کی گئیں اس لئے آپ کے کفن کے کپڑے کو سحولی بھی کہا گیا ہے ۔

ایک حدیث میں آپ کے کفن کے کپڑے کو ”من کرسف“ (کرسف سے بنا ہوا) بھی کہا گیا ہے کرسف پنبہ یعنی زوئی کو کہتے ہیں ۔

یہی قی نے حاکم سے نقل کر کے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے حدیثیں حد تو اتر تک



پہنچ گئیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کفن میں تین کپڑے تھے۔

خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس پر ایک قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا وہ کفن میں داخل نہیں لہذا وہ حدیث جو سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو بوقت وصال آپ کے جسم پر تھی اس روایت میں ضعف ہے۔ صحیح نہیں، روایات وہ ہیں جن میں تین کپڑوں کا ذکر ہے لیکن قمیص اور پگڑی کا ذکر نہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

### حضور ﷺ کی نماز جنازہ :

حضور ﷺ کی نماز جنازہ جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی گئی بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی آپ کا جسد اقدس اسی حجرہ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل دیا گیا سب سے پہلے مرد داخل ہوئے جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتوں کے بعد بچے۔

جماعت میں صفوں کی ترتیب ہوتی ہے لیکن یہاں نہ کوئی صفوں کی ترتیب تھی اور نہ کوئی امام تھا اسلئے کسی نے نہ کوئی امامت کی اور نہ جماعت سے نماز کی ادائیگی ہوئی۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہیں کی کیونکہ آپ ایام حیات اور ممات میں سب کے امام ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ پر متعدد نمازیں پڑھی گئیں۔ اور تنہا تنہا لوگوں نے پڑھیں ورنہ عام لوگوں کی ایک ہی نماز جنازہ ہے اور وہ بھی جماعت سے یہ بھی خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔



سب سے پہلے نماز جنازہ اہل بیت نبوت نے ادا کی یعنی حضرت علی المرتضیٰ حضرت عباس اور دوسرے بنو ہاشم رضی اللہ عنہم سب سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنے والے تھے اس کے بعد مہاجرین صحابہ کرام اس کے بعد انصار صحابہ کرام نے نماز جنازہ ادا کی پھر دوسرے لوگ آتے رہے اور نماز جنازہ ادا کر کے لوٹتے رہے۔

جب اہل بیت نبوت نے نماز جنازہ ادا کر لی تو لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ پر کون سی دعا پڑھیں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو جب لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھو :

”ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما اللهم ربنا لبيك وسعديك صلوات الله البر الرحيم والملائكة المقربين والنبیین والصدیقین والشهداء والصالحین واسبح لك من شيء يارب العالمین علی محمد بن عبد الله خاتم النبیین وسيد المرسلین وامام المتقين ورسول رب العالمین الشاهد البشیر الداعی باذنك السراج المنیر وعلیه السلام“

اس دعاء کو شیخ زین الدین مراعی نے اپنی کتاب تحقیق النضرۃ میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تدفین میں تاخیر :

نبی کریم ﷺ کا وصال دو شنبہ (پیر) کو ہوا اور سہ شنبہ (منگل) پورا گزر گیا اور آپ کا تحت شریف آپ کے گھر میں رہا آپ کو چار شنبہ (بدھ) کی رات کو دفن کر دیا گیا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ تمام لوگ آپ کی نماز جنازہ ادا کر لیں یہاں تک کہ سب لوگ جب نماز ادا کر چکے تو پھر آپ کو دفنایا گیا۔

شیعہ کا اعتراض باطل ہے :

اہل تشیع کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ ادا نہیں کی یہ بالکل لغو قول ہے



باطل ہے کذب بیانی ہے حقائق سے دور بات ہے۔

آئیے اہل تشیع کی کتاب اصول کافی اور اس کی شرح صافی کو دیکھئے اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ تمام لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی مدینہ کے لوگ بھی اس میں شامل تھے اور باہر دیہاتوں کے اصول کافی کی عبارت یہ ہے۔

”عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت له کیف كانت الصلوة علی النبی ﷺ  
وانہ قال لما غسلہ امیر المومنین علیہ والسلام وکفنه وسجاده ادخل علیہ  
عشرة تدار واحوله ثم وقف امیر المومنین علیہ السلام فی وسطهم وقال  
ان الله وملائکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا  
تسلیمًا فیقول القول کما یقول حتی ﷺ اهل المدينة واهل العوالی“

(اصول کافی مع الصافی کتاب الحجۃ جزء سوم)

حضرت جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ کیسے ادا کی گئی تھی تو انہیں بتایا گیا کہ جب امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا اور کفن پہنا دیا اور ڈھانپ دیا تو دس آدمی آپ کے جسد مبارک کے پاس آئے اور ارد گرد پھرے پھر امیر المومنین علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور پڑھا ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا﴾ قوم نے بھی یہی پڑھا جو امیر المومنین پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ تمام اہل مدینہ نے پڑھا اور ارد گرد تمام دیہات والوں نے پڑھا۔

اہل تشیع کی اپنی ہی حدیث نے واضح کر دیا کہ حضور ﷺ کی نماز جنازہ تمام صحابہ کرام نے ادا کی۔

**حضور ﷺ کو دفن کرنے کے لئے جگہ کا انتخاب:**

نبی کریم ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے اس میں صحابہ کرام نے اپنی اپنی رائے پیش کی کسی نے کہا آپ کو اسی حجر میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی روح کو قبض کیا گیا اور کسی نے کہا آپ کو مسجد شریف میں دفن کیا جائے کسی نے کہا کہ آپ کو بقیع قبرستان میں دفن کیا جائے اور کسی نے کہا قدس میں بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور ہیں وہاں دفن کیا جائے۔



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ رضی اللہ عنہم قبر میں داخل کرنے والے تھے سے سنا ہے کہ فرمایا کوئی نبی نہیں دفن کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں اس کی روح قبض کی گئی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں ہے جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا۔

اس کے بعد تمام صحابہ کرام کا اتفاق اس پر ہوا کہ آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا جائے تو آپ کی چار پائی کو اٹھا کر ایک طرف کیا گیا اور وہاں ہی قبر کھودنے کا آغاز ہوا۔

**قبر کو لحد بنایا گیا:** مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے ایک حضرت ابو عبیدہ بن جراح جو بطریق شق (درمیان میں کھودائی والی) قبر کھودتے تھے۔ دوسرے صحابی حضرت ابو طلحہ انصاری تھے جو لحد (بغلی یعنی ایک طرف سے کھدائی والی) قبر کھودتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کے حضور دعا کی اے اللہ اپنے حبیب کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو، اس دعا کے بعد آپ نے دونوں صحابیوں کی طرف آدمی بھیج دیئے کہ جو پہلے آجائے اسی سے قبر بنوالی جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو نہ مل سکے جو انہیں بلانے گیا تھا اس لئے وہ بروقت نہ پہنچ سکے لیکن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بروقت آگئے۔ انہوں نے لحد قبر بنائی۔

نبی کریم ﷺ کو لحد قبر پسند تھی آپ نے فرمایا ”اللحد لنا والشق لغيرنا“ (لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے) خیال رہے کہ اگر زمین سخت ہو جہاں لحد بن سکے وہاں افضل ہے اور جہاں زمین نرم ہو لحد نہ بن سکے وہاں شق بنائی جائے۔

نبی کریم ﷺ کو جب لحد پسند تھی تو رب تعالیٰ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے آپ کے لئے لحد کا انتظام ہی فرمایا کہ لحد کھودنے والے صحابی ہی بروقت پہنچ سکے۔

**نبی کریم ﷺ کی تدفین:** بدھ کی رات سحری کے وقت نبی کریم ﷺ کو قبر انور میں داخل کیا گیا، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عبا

قبر میں امت کو یاد کرنا: حضرت قثم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قبر انور میں سے سب سے آخر میں نکلنے والا میں ہی تھا اور سب سے آخر میں آپ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے والا میں ہی تھا۔ میں نے قبر مبارک میں آپ کو



دیکھا کہ آپ کے لب مبارک حرکت کر رہے ہیں میں نے اپنے کان حضور کے منہ مبارک کے قریب ہی کئے تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں ”رب امتی امتی“ اے میرے رب میری امت میری امت میری امت یعنی امت کی مغفرت فرما۔ (واقعات وصال از مدارج النبوت ج ۲ و بعض از مشکوٰۃ)

نیک لوگوں کے قریب دفن کرنا بہتر ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب اپنی وفات و دفن کی رب تعالیٰ سے درخواست کی، اس پر علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”واما سؤالہ الادناء من المقدسة فلشرفها وفضيلة مافيها من المدفونين

من الانبياء و غيرهم من الصالحين“ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۱)

آپ نے بیت المقدس کی زمین کے قریب وفات و دفن کا سوال اسلئے کیا تھا کہ اس زمین کو شرف حاصل تھا خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک ہستیوں کے وہاں دفن ہونے کی وجہ سے اس زمین کو فضیلت حاصل تھی۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے، نیک لوگوں کا قرب زندگی میں اور وفات کے بعد بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محبت عطا فرمائے۔

یا اللہ! اپنے حبیب پاک محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل میری اولاد کو صحیح عقیدہ پر قائم دائم رکھنا، برے عقائد سے محفوظ رکھنا۔ (آمین ثم آمین) یا اللہ میری اس سعی کو قبول فرما اور عوام کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

بروز اتوار قریب الافطار۔ 14 رمضان المبارک 1417ھ

26 جنوری 1997ء

عبدالرزاق ابن قاضی عبدالعزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی علام نبی

قدست اسرارهم ورفعت درجاتهم فی العلیین

☆☆☆☆☆





(نیوکیپس)

(انٹرنیشنل وومن اسلامک یونیورسٹی)

# جامعہ آمنہ ضیاء البنات

ماڈل ٹاؤن ہمک اسلام آباد

زیر انتظام: ادارہ ضیاء العلوم راولپنڈی پاکستان

اکیسویں صدی  
کے آغاز پر عظیم  
دینی تحفہ

## اسلام آباد (نیوکیپس)

اسلام آباد میں تین ایکڑ (چوبیس کنال) = 131250 مربع فٹ کا پلاٹ حاصل کیا جا چکا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک  
بجہ تعالیٰ ۳۰ مارچ ۲۰۰۰ء کو افتتاحی تقریب منعقد ہو چکی ہے۔ ابتدائی تعمیرات چار دیواری اور پانی کے کنوئیں رنیوب ویل کا کام شروع ہو چکا ہے۔

### منصوبہ جات و پروگرام

- ☆ ایک ہزار بچیوں کیلئے جدید سہولتوں سے آراستہ دارالافتاء (ہاسل)
- ☆ کلاس رومز، لائبریری، کمپیوٹر ٹریننگ سنٹر، ہوم اکنامکس سنٹر
- ☆ کچن و ڈائننگ ہال۔ ☆ ان ذور مناسب کھیلوں کیلئے تفریح گاہ
- ☆ دفاتر، آڈیٹوریم، صلوٰۃ روم، ڈپنٹری مسجد، وائٹننگ
- ☆ استانیوں اور عملہ کے دیگر افراد کے لئے فیکلٹی کوارٹرز۔
- ☆ دیگر سہولیات بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ

### سلیبس:

- (۱) حفظ القرآن (۲) تجوید القرآن
- (۳) صرف و نحو، بلاغت، ادب عربی، سیرت، تاریخ، فقہ و اصول فقہ
- تفسیر قرآن الحدیث مشرتل آٹھ سالہ کورس (دس نکاحی) جس کی آخری سند الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ، ایم اے عربی اسلامیات کے مساوی ہے۔ اور گورنمنٹ پاکستان کے ہاں منظور ہے
- (۴) فاضل عربی (علوم اسلامیہ و شرقیہ کا منظور شدہ نصاب تعلیم)
- (۵) علوم عصریہ (حالات کے مطابق ایف اے، بی اے اور ایم اے) اور ہوم اکنامکس کے علاوہ جدید کمپیوٹر ٹریننگ کے کورسز شامل ہوں گے۔

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات کی صداقت پر یقین اور عمل ہی عزت و نجات کا ضامن ہے۔ ایک حد تک اسلامی تعلیمات کا حاصل کرنا ہر مرد و زن پر فرض ہے، خصوصاً اس نازک دور میں جبکہ طاغوتی قوتوں نے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلام کے ابدی اور بنیادی عقائد و نظریات، پاکیزہ عبادات، شرف انسانیت اور تہذیب و اخلاق کے خلاف ہمہ جہت طاقتور حملہ شروع کر رکھا ہے اور بالخصوص حوا کی بیٹیوں کو ”حقوق نسواں“ کے نام پر بے شرم و بے حیاء، مادر پدر آزاد اور اسلام گریز بنایا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مزید ضروری ہو جاتا ہے کہ دختران اسلام کو قرآن و حدیث، فقہ اسلامی و دیگر مروجہ دینی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری و دنیاوی علوم سے روشناس کرایا جائے

اسلامی خطوط پر اولاد کی تربیت اور اصلاح معاشرہ میں مسلمان عورت کا بڑا نمایاں کردار ہے۔ گھریلو ماحول میں اسوۂ حسنہ کی شمع کو فروزاں کر کے بچے بچیوں کے افکار و کردار اسلامی قالب میں ڈھالنے کیلئے عورتیں مردوں کی بہ نسبت بہتر کار انجام دے سکتی ہیں، اور ماضی میں دیتی رہی ہیں۔

دختران اسلام کے قابل فخر کارنامے تاریخ اسلام کا سنہری باب ہیں۔ یہی مائیں تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا۔ اسی خار سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا تھا۔

دختران اسلام کی کردار سازی، اسلامی ماحول میں تربیت، اور اذہان و قلوب کو علم دین سے مزین منور کرنے کیلئے ”ادارہ ضیاء العلوم راولپنڈی“ نے انتہائی مشکل کام سمجھنے کے باوجود تعمیر ملت میں اپنا حصہ ڈالنے کیلئے اپریل ۱۹۹۳ء میں ”جامعہ آمنہ ضیاء البنات“ کا قیام کیا۔ اور حصول برکت کیلئے نبی اکرم شافع محشر قاسم کو روضہ شریف کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نام نامی سے منسوب کیا۔

مختصر عرصہ میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ خواتین کے دارالعلوم میں اس وقت دوسو سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں جن کی تعلیم، رہائش، خوراک اور علاج وغیرہ کی سہولیات جامعہ کی طرف سے ”مفت“ فراہم کی جاتی ہیں۔

احباب سے ادارہ کی ظاہری و باطنی ترقی کیلئے دعا کی درخواست ہے

## سید شہاب الدین شاہ سلطانپوری

(تاجم اعلیٰ) 92-300-8552781

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی پاکستان

خط و کتابت کیلئے: جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ڈی بلاک سٹلاٹ ٹاؤن راولپنڈی

ای میل ایڈریس: ziauloom@isb.paknet.com.pk

فون نمبرز: 92-51-4452404 - 4840404

فون بزی منڈی: 92-51-5770731 - 5537312

جامعہ اکاؤنٹ: 5066 HBL نرنکاری بازار راولپنڈی

تعمیراتی اکاؤنٹ: HBL 2974-72 کمرشل مارکیٹ راولپنڈی

## اپیل

اس عظیم منصوبہ کی تکمیل پر دس کروڑ روپے سے زائد کا تخمینہ لگایا گیا ہے ”ادارہ ضیاء العلوم“ خواتین یونیورسٹی کے اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اہلیت و ہمت تو نہیں رکھتا، بلکہ اسے شروع کرنے کیلئے بھی فی الوقت اسباب سے تہی دامن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف امید ہی نہیں کامل یقین و اعتماد ہے کہ وہ معطی مطلق خزانہ غیب سے اسباب پیدا فرمادے گا۔ اور اپنے کرم خاص سے بطفیل صدقہ حبیب کبریاء ﷺ اہل اسلام کے دلوں کو اس طرف متوجہ فرمادے گا۔

مخیر احباب آس دینی و اخروی سرمایہ کاری سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور دیگر احباب کو بھی اس عہدہ جاری میں شمولیت کی بھرپور دعوت دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء



فہرست مصادر و مراجع

نمبر	نام کتاب	مصنف	مطبع / بار طبع
۱	کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا خان	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۲	التبیان	سید احمد سعید کاظمی	کاظمی پبلیکیشنز ملتان
۳	تفسیر ابو السعود	ابو السعود محمد العمادی	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴	تفسیر البحر المحیط	ابو حبان الاندلسی	دارالفکر بیروت
۵	تفسیر البیضاوی	قاضی البیضاوی	مکتبہ حقانیہ پشاور
۶	تفسیر الثعالبی	عبدالرحمن بن محمد الثعالبی	مؤسسۃ الاعلمی بیروت
۷	تفسیر حقانی	عبدالحق حقانی	نعمانی کتب خانہ لاہور
۸	تفسیر خازن	علاء الدین الخازن	نعمانی کتب خانہ لاہور
۹	تفسیر ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۰	تفسیر عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۱۱	تفسیر قرطبی	محمد بن احمد القرطبی	مکتبۃ الغزالی دمشق
۱۲	تفسیر کبیر	امام فخر الدین الرازی	مکتبہ عبدالرحمن قاہرہ مصر
۱۳	تفسیر کشاف	جار اللہ الزمخشری	دارالکتب العربی بیروت
۱۴	تفسیر نسفی (مدارک)	عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی	مکتبہ محمدی بمبئی
۱۵	تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی	نعیمی کتب خانہ گجرات
۱۶	تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن کثیر	داراحیاء التراث بیروت
۱۷	تفسیر خزائن العرفان	مولانا نعیم الدین مراد آبادی	ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
۱۸	تفسیر جلالین	علامہ سیوطی ، علامہ محلی	نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۹	تفسیر روح المعانی	سید محمود آلوسی	مکتبہ حقانیہ ملتان
۲۰	تفسیر مظهری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۱	تفسیر صاوی	الشیخ احمد الصاوی	مکتبۃ الفیصلیہ مکہ المکرمہ
۲۲	حاشیۃ الجمل (الفتوحات الہیہ)	سلیمان بن عمر العجلی الجمل	المکتبۃ التجاریہ مکث المکرمہ
۲۳	تفسیر روح البیان	علامہ اسماعیل حقی	مکتبۃ الجعفریہ طہران ایران
۲۴	شیخ زادہ علی البیضاوی	محی الدین شیخ زادہ	المکتبۃ الاسلامیہ بیروت
۲۵	تاریخ ابن ہشام	عبد الملک بن ہشام	عبد التواب اکیڈمی ملتان
۲۶	طبقات الکبری	محمد ابن سعد	دارا صادر بیروت
۲۷	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۹	صحیح المسلم	مسلم بن حجاج القشیری	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۳۰	جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	فاروقی کتب خانہ ملتان
۳۱	سنن ابی داؤد	سلیمان بن الاشعث ابی داؤد	قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۲	سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۳۳	سنن ابن ماجہ شریف	محمد بن یزید ابن ماجہ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۴	بیہقی (شعب الایمان)	ابوبکر احمد بن الحسن البیہقی	دارالکتب العلمیہ بیروت

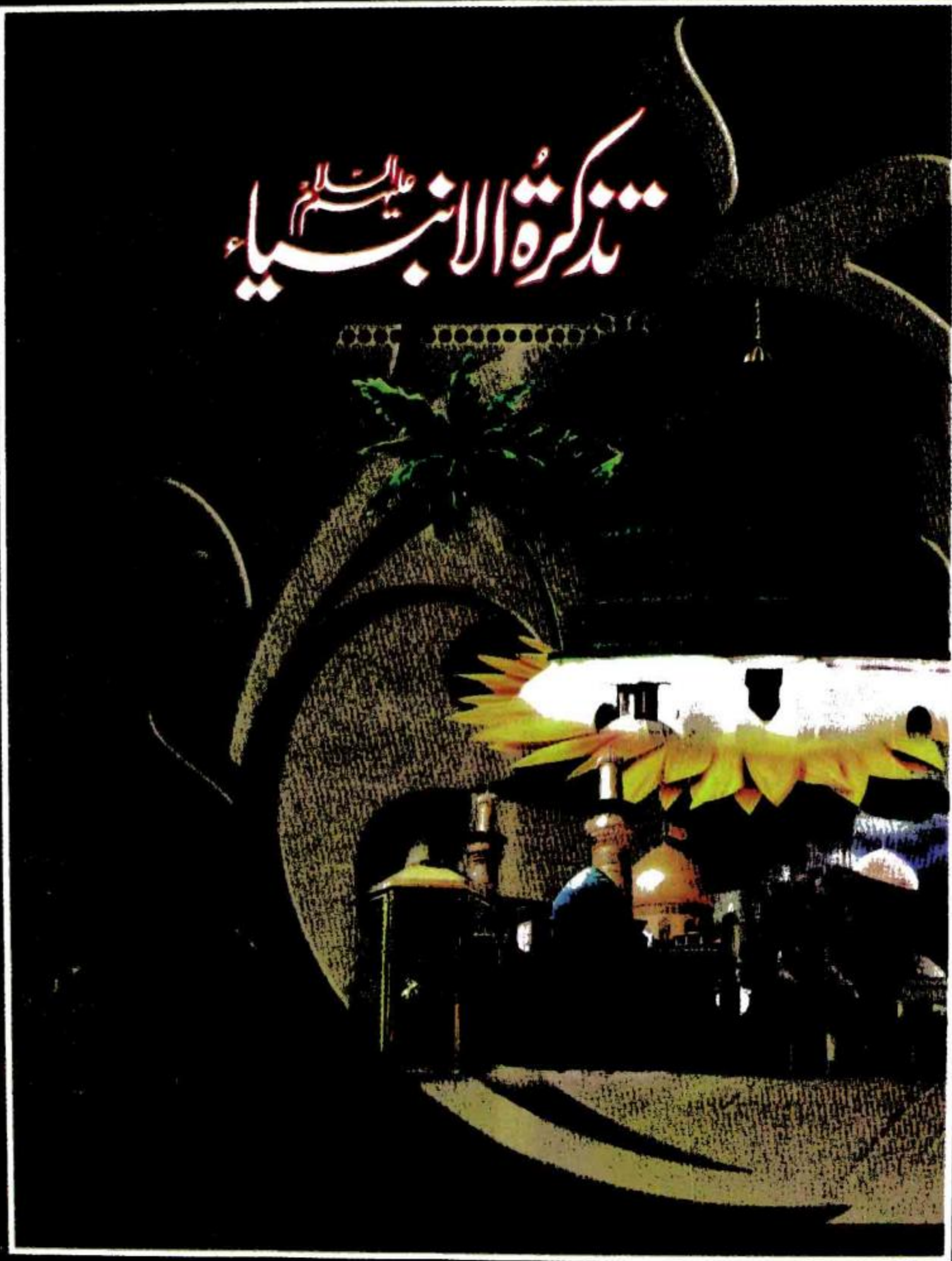


## تذکرۃ الانبیاء

نمبر	نام کتاب	مصنف	مطبع / بار طبع
۳۵	شرح السنة		قومی پریس لکھنؤ
۳۶	شرح النووی علی المسلم	یحییٰ بن شرف النووی	قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۷	معجم طبرانی	ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی	مکتبۃ التوعیۃ الاسلام بیروت
۳۸	فیوض الباری	سید محمود احمد رضوی	مکتبۃ الرضوان لاہور
۳۹	عون المعبود	ابو الطیب شمس الحق	نشر السنة ملتان
۴۰	مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس	میر محمد کتب خانہ کراچی
۴۱	لمعات علی مشکوٰۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	مدینہ پبلیکیشنز کراچی
۴۲	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی القاری	مکتبہ امدادیہ ملتان
۴۳	مدارج النبوت	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	مدینہ پبلی کیشنز کراچی
۴۴	فتوحات مکیہ	شیخ محی الدین ابن عربی	بیروت
۴۵	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی التیمی	دار المامون التراث دمشق
۴۶	مسند امام احمد	امام احمد بن حنبل	دار صادر بیروت
۴۷	مشکوٰۃ المصابیح	امام محی السنة	شیخ غلام علی ایند سنز لاہور
۴۸	جواهر البحار	یوسف بن اسماعیل النہانی	مکتبہ حامدیہ لاہور
۴۹	ضیاء النبی	پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۵۰	مواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	دارالکتب العلمیہ بیروت
۵۱	نسیم الرياض	احمد بن شہاب الدین الخفاجی	دارالکتب العربی بیروت
۵۲	الحاوی للفتاویٰ	امام جلال الدین سیوطی	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۵۳	فتاویٰ مہریہ	پیر سید مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف
۵۴	شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطی	خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات
۵۵	شرح عقائد نسفی	علامہ سعد الدین تفتازانی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۵۶	جامع الصغیر	امام محمد بن حسن الشیبانی	ادارۃ القرآن کراچی
۵۷	رد المحتار	علامہ ابن عابدین الشامی	دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۸	نور الانوار	احمد ملا جیون	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۵۹	ہدایہ	علامہ برہان الدین مرغینانی	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۶۰	المفردات فی غریب القرآن	امام راغب اصفہانی	مطبعة المیمنیہ مصر
۶۱	شمس الہدایت	پیر سید مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف
۶۲	نبراس علی شرح العقائد	عبدالعزیز فرہاروی	شاہ عبد الحق اکیڈمی بندیال خوشاب
۶۳	احیاء العلوم	امام محمد الغزالی	مطبع مجتہانی دہلی
۶۴	شرح زرقانی علی المواہب	عمر بن عبد الباقي الزرقانی	مطبعة الازہریہ مصر
۶۵	ملفوظات مہریہ	پیر سید مہر علی شاہ	مکتبہ غوثیہ گولڑہ شریف
۶۶	الصابی فی اصول الکافی	ملا خلیل	مکتبہ نولکشور لکھنؤ
۶۷	الشفاء	امام قاضی عیاض	دارالکتب العربی بیروت
۶۸	معجم البلدان	شہاب الدین یاقوت الحموی	دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۹	بیان القرآن	محمد احمد علی لاہوری	مطبع کریمی لاہور
۷۰	خلاصۃ التفاسیر	فتح محمد نائب	قومی پریس لکھنؤ



# مذکرۃ الانبیاء علیہم السلام



ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی